اثمار الهداية

على الهداية

هدایہ اول

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

جلد اول

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت بر کاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

mobile (0044) 7459131157

جملہ حقوق بحق شارح محفوظ ہیں

نام کتاب .... اثمار الهدایہ
نام شارح .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
ناشر .... مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

نگران ....مولانا مسلم قاسمی سینپوری
طباعت بار اول .... دسمبر ۲۰۰۸ء
کمپیوٹر کمپوزنگ .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
سیٹنگ .... حافظ زکی ، باٹلی
قیمت پانچ جلدیں ....۳۰ پونڈ

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com
mobile (0044) 7459131157

انڈیا کا پتہ

مولانا ساجد صاحب
At Post. ghutti
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154
Mobile 0091 6202078366

ملنے کے پتے

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL

Tel (00 44)7459131157

انڈیا کا پتہ

مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر

At Post. Nayanagar,Via Mahagama, Dist Godda

Jharkhand-INDIA ,Pin 814154

Tel 0091 9304 768719

Tel 0091 9308 014992

جناب مولانا مسلم قاسمی صاحب، خطیب مسجد بادل بیگ، نمبر 5005

بازار سرکی والان, حوض قاضی۔ دہلی نمبر 6

انڈیا, پین کوڈ نمبر 110006

فون نمبر 0091 9717158837

جناب مولانا نثار احمد صاحب

ثاقب بک ڈپو، دیوبند, ضلع سہارنپور، یوپی

انڈیا، پین کوڈ نمبر 247554

فون نمبر 09412496688

File C:\Documents and ings\Administrator.USER Documents\3) JPEG PART\3%20pt%20flower. not found.

﴿خصوصیات اثمار الھدایۃ﴾

File C:\Documents and ings\Administrator.USER Documents\3) JPEG PART\3%20pt%20flower. not found.

(۱) ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے

(۲) پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔

(۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۴) کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں

(۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے

(۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۱۱) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔

(۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے ’حدیث‘ اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے ’اثر‘ کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔

(۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی، یا پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔

File C:\Documents and ings\Administrator.USER Documents\3) JPEG PART\3%20pt%20flower. not found. File C:\Documents and ings\Administrator.USER Documents\3) JPEG PART\3%20pt%20flower. not found.

ہم اثمار الھدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱) اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔

(۲) کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تاکہ حدیث مضبوط ہوں۔

(۳) صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔

(۴) ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

(۵) بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔

(۶) سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔

(۷) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴	خصوصیات اثمارالھدایہ	۱
۵	ہم اثمار ہدایہ ہی کیوں پڑھیں	۲
۶	فہرست مضامین اثمارالھدایۃ	۳
۹	دو قطعات درشان اثمارالھدایۃ	۴
۱۰	تقریظ: حضرت مولانا نصیرالدین خاں صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند	۵
۱۱	اعترافِ حقیقت: حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند	۶
۱۳	دعائیہ کلمات: حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	۷
۱۴	اثمارالہدایہ قابل ذکر شرح: حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند	۸
۱۵	اظہارِ واقعیت: حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری مدظلہ انگلینڈ	۹
۱۷	مختصر حالات شارح	۱۰
۲۳	نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت	۱۱
۲۶	ترتیب احادیث	۱۲
۲۷	کون سے ائمہ کہاں پیدا ہوئے، اس کے لئے نقشہ دیکھیں	۱۳
۲۸	مختصر حالات صاحبِ ہدایہ	۱۴
۳۲	علم فقہ	۱۵
۳۴	حنفیت تینوں اماموں کے مجموعہ کا نام ہے	۱۶
۳۶	ائمہ کرام ایک نظر میں	۱۷
۳۷	ہدایہ پر ایک نظر	۱۸
۳۸	صاحب ہدایہ کی مجبوری	۱۹

فہرست مضامین اثمارالھدایۃ جلد اول

CLIPART\palms.JPEG.jpg not found.

نمبرشمار	عنوانات	کس مسئلہ نمبر سے	صفحہ نمبر
۲۰	**کتاب الطھارات**	۱ سے	۴۸
۲۱	سنن الطہارۃ	۵ سے	۵۸
۲۲	مستحبات وضوکا بیان	۱۴ سے	۶۷
۲۳	فصل فی نواقض الوضوء	۲۰ سے	۷۵
۲۴	فصل فی الغسل	۳۰ سے	۹۸
۲۵	غسل واجب ہونے کے اسباب	۳۳ سے	۱۰۳
۲۶	سنت غسل کا بیان	۳۷ سے	۱۰۸
۲۷	باب ماءالذی یجوز بہ الوضوء مالا یجوز	۳۹ سے	۱۱۳
۲۸	بڑے تالاب کا حساب ایک نظر میں	۴۵ سے	۱۲۶
۲۹	گول چیز ناپنے کا فارمولہ	۴۵ سے	۱۲۸
۳۰	فصل فی البیر	۵۴ سے	۱۵۱
۳۱	فصل فی الاسار	۶۶ سے	۱۶۷
۳۲	باب التیمم	۷۹ سے	۱۸۹
۳۳	باب المسح علی الخفین	۱۰۹ سے	۲۲۳
۳۴	باب الحیض والاستحاضۃ	۱۳۱ سے	۲۴۷
۳۵	فصل	۱۴۹ سے	۲۶۶
۳۶	فصل فی النفاس	۱۵۲ سے	۲۷۲
۳۷	باب الانجاس وتطھیرھا	۱۶۰ سے	۲۷۹
۳۸	درہم کا حساب	۱۶۹ سے	۲۹۶
۳۹	فصل فی الاستنجاء	۱۷۷ سے	۳۱۶

نمبر شمار	عنوانات	کس مسئلہ نمبر سے	صفحہ نمبر
۴۰	كتاب الصلوة	×	۳۲۵
۴۱	باب المواقيت	۱۸۴ سے	۳۲۵
۴۲	فصل فی الاوقات المستحبة	۱۹۲ سے	۳۳۸
۴۳	فصل فی الاوقات التی تکره فیها الصلوة	۱۹۹ سے	۳۴۷
۴۴	باب الآذان	۲۰۸ سے	۳۵۸
۴۵	باب شروط الصلوة التی تتقدمها	۲۳۱ سے	۳۸۱
۴۶	باب صفة الصلوة	۲۵۲ سے	۴۰۹
۴۷	فصل فی القراة	۳۱۳ سے	۴۹۲
۴۸	باب الامامة	۳۳۴ سے	۵۱۹
۴۹	باب الحدث فی الصلوة	۳۷۴ سے	۵۶۵
۵۰	باب مایفسد الصلوة وما یکره فیها	۴۰۱ سے	۵۹۷

CLIPART\palm twin.jpg not found.

اثمار ہدایہ ہے مسائل کا ذخیرہ
تحصیل فقہ میں ہے وسائل کا ذخیرہ
مفتی کو ضروری ہے جو ہر وقت آئے نادر
ان سارے اصول اور دلائل کا ذخیرہ

☆-----☆-----☆

جب ہاتھ میں آتی ہے یہ اثمار ہدایہ
ہر سمت نظر آتے ہیں انوار ہدایہ
پھر پڑھ کے دل و جان جو ہوتے ہیں منور
کھلتے ہی چلے جاتے ہیں اسرار ہدایہ

بسم الرحمٰن الرحیم

تقـــریـظ

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب دامت برکاتهم

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم: اما بعد!

عزیز گرامی مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی، دارالعلوم دیوبند کے ایک باتوفیق فاضل ہیں، مادرِ علمی سے فراغت کے بعد مختلف دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں، خاص طور پر علم ہیئت سے ان کو خصوصی مناسبت ہے، جس کی بنیاد پر انھوں نے رویت ہلال کے اہم ترین مسئلہ پر تحقیقی کام انجام دیا ہے۔

اب کچھ عرصہ سے انھوں نے درسی کتابوں کی طرف توجہ دی ہے، ''**الشرح الثمیری**'' کے نام سے قدوری کی شرح ان کے قلم سے منظر عام پر آکر قبول عام حاصل کر چکی ہے، اب انہوں نے فقہ حنفی کی عظیم کتاب ''ہدایہ'' کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے، جو اس وقت ''**اثمارالهدایه**'' کے نام سے زیر نظر ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انشاءاللہ یہ شرح اپنی خصوصیات کے سبب مقبول ہوگی۔

اس شرح میں شارح موصوف نے احناف کے مذہب کو ہر مسئلہ میں حدیث شریف سے مدلل کیا ہے، اور ایک ایک مسئلہ کے لیے کئی کئی احادیث باحوالہ ذکر کی ہیں، اس کے علاوہ ائمہ کے اقوال، خود ان کے مذہب کی مستند کتب سے نقل کئے ہیں، عبارت کا ترجمہ، واضح تشریح اور مشکل الفاظ کی تحقیق اور دیگر ضروری تفصیلات سے کتاب مزین ہے۔

میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس شرح کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور شارح موصوف کو مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین!

والسلام

نصیر احمد عفا اللہ عنہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۶ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۵ فروری ۲۰۰۷ء

اعترافِ حقیقت

الحاج حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی

نائب شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

ہدایہ علامہ مرغینانی علیہ الرحمہ کی وہ مشہور ومعروف کتاب ہے جو مسلسل آٹھ صدیوں سے فقہ حنفی کی مظبوط و مستحکم دلیل سمجھی جاتی ہے اور قبولیت کے رتبۂ عظمیٰ پر فائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنویؒ نے ہدایہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا ہے کہ "**ھو مقبول بین الأنام من الخواص والعوام**"، بعض اہل علم کا قول ان الفاظ میں منقول ہے: "**کتاب الھدایہ یھدی الھدی ا ۔۰ی حافظیہ ویجلوا العمٰی فلازمہ واحفظہ یاذا الحجی فمن نالہ نال أقصی المنی**"

ایک بزرگ کا ارشاد اس طرح ہے: "**ان الھدایۃ کا لقرآن قد نسخت ماصنفوا قبلا فی الشرح من کتب**"

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد گرامی اس طرح نقل فرمایا ہے کہ: "الحمد اللہ میں ہر کتاب کو اس کے مخصوص طرز پر کچھ نہ کچھ لکھ سکتا ہوں مگر چار کتابیں مستثنیٰ ہیں، قرآن عزیز، بخاری شریف، مثنوی شریف اور ہدایہ" علامہ کشمیری کی قوت حافظہ اور جلالتِ شان سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس کا وزن محسوس کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ کی وفات کو آٹھ صدیاں گزر گئی ہیں مگر اس طرز پر کوئی تصنیف ایسی وجود میں نہیں آئی جو اس کی قائم مقامی کر سکے۔

ہدایہ میں صاحبِ ہدایہ نے محدثین ومتقدمین کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی ذکر کردہ احادیث وروایات ثبت فرمادی ہیں، جس طرح امام بغویؒ نے مصابیح السنہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے بلا حوالہ سندیں ذکر فرمائی ہیں۔

اس کے بعد فتنۂ تاتار کے زمانہ میں متقدمین کا علمی سرمایہ ضائع ہوگیا اور تقریباً معدوم ہوگیا، اب اصحاب تخریج نے ان احادیث وروایات کو اپنے عہد کے کتب میں تلاش کیا اور نہ ملنے پر لم أجدہ وغیرہ کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علامہ مرغینانی کا یہ فقہی سرمایہ صرف اور صرف رائے اور قیاس پر مبنی ہے، جب کہ یہ مبنی بر حقیقت نہیں ہے، علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا نے منیۃ الالمعی اور علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ تصنیف فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ہدایہ میں ذکر کردہ ہر حدیث مستند ہے۔

مزید ضرورت تھی اس بات کی کہ ہدایہ میں ذکر کردہ ہر مسئلہ کا ماخذ حدیث معتبر کتابوں سے بیان کیا جائے تا کہ فقہ حنفی کا یہ عظیم سرمایہ مبرہن ہو جائے اگر چہ یہ کام طویل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی محنت طلب تھا، اور علماء احناف پر قرض چلا آ رہا تھا، اللہ

تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی کو کہ موصوف نے اس ہمت شکن کام کو اپنے سر لیا اور عرق ریزی، جفاکشی، شب بیداری کے ساتھ کمر ہمت باندھی اور **اثمارالھدایہ** کے نام سے ۱۶؍جلدوں میں لانے کا پیغام عام کر دیا جس کی پانچ جلدیں طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ **فالحمد للّٰہ علی ذلک۔**

مولانا موصوف نے اس کتاب میں ہر مسئلہ کے لیے تین تین احادیث لانے کا اہتمام کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ہدایہ کا کوئی مسئلہ بھی صرف رائے اور قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے، مولانا موصوف کا علمی سفر اس وقت مختلف سمتوں میں جاری ہے، فلکیات پر، فلکیات جدیدہ کے عنوان سے اہم تصنیف آپ ہی کے گوہر بار قلم سے منصۂ شہود پر آ کر قبول عام حاصل کر چکی ہے۔ نیز درس میں داخل کئی کتابوں کی کامیاب شروحات، اسلامی کتب میں خوشنما اضافہ کے باعث ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی محنت کو قبول فرمائے، استفادے کو عام وتام فرمائے۔ مزید دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

والسلام

عبدالحق غفرلہ

نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۷ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۶ فروری ۲۰۰۷ء

دعائیہ کلمات

الحاج حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت فیوضکم

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

CLIPART\Musalla carpet.jpg not found.

آپ کی تالیف جدید "**اثمار الھدایہ**" کی خصوصیات پڑھیں اس سے آپ کے مقاصد اور طلبہ و مدرسین کے حق میں مسائل کی توضیح اور کتاب کی تشریح و وضاحت کے متعلق معلومات ہوئی اللہ پاک اس سعی جمیل کو قبول فرمائے۔

علماء اور طلبہ کو پوری طرح مستفید ہونے کی توفیق دے، آپ کی تصنیف سابق "**الشرح الثمیری**" کی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس کو قبولیت عطا فرمائے۔ لوگ پوری طرح توجہ کے ساتھ پڑھیں اور استفادہ کریں۔

کتبہ محمد یونس

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۹ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۸ فروری ۲۰۰۷ء

اثمار الھدایہ قابل ذکر شرح

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زیدمجدکم

مفتی دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلى على رسوله الكريم:

مولانا ثمیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں اور عرصہ سے مولانا کا قیام انگلینڈ میں ہے، وہاں کی آب وہوا اور وہاں کا موسم لکھنے پڑھنے والوں کے لیے بڑا ہی ''سازگار'' ہوتا ہے؛ چناں چہ مولانا نے جب سے وہاں قیام اختیار کیا ہے، ان کی ''تصنیف وتالیف'' کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا ہے، ابھی کچھ سال پہلے مولانا نے فقہ کی مشہور کتاب ''قدوری' کی شرح لکھی ہے جو چار جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور اہل علم میں مقبول ومعروف ہے۔

اب مولانا موصوف نے ''ہدایہ'' کی شرح لکھنا شروع کردی ہے۔ ماشاءاللہ اس میں بھی پوری محنت کررہے ہیں، امید ہے کہ جلد ہی ''شرح ہدایہ'' کی جلدیں بھی آنی شروع ہو جائیں گی اور ان شاءاللہ یہ شرح ہدایہ، کتاب کے شایان شان ہوں گی، یہ درسیات کی مشہور کتاب ہے اور اس کی دوسری شرحیں بھی آرہی ہیں، اس لیے توقع ہے کہ اس پر مولانا کو کافی محنت کرنا ہوگی اور امید ہے کہ وہ محنت کریں گے۔

ابھی خاکسار کے سامنے ابتدائی کتاب کی شرح آئی ہے، اس سے انداہ ہوتا ہے کہ ہدایہ کی یہ شرح قابل ذکر شرح قرار پائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت وسلامتی کی دولت سے مالا مال کرے اور ہدایہ کی شرح جو محنت چاہتی ہے، اس کے کرنے میں کوئی کمی واقع ہونے نہ پائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کو اس شرح کے لکھنے میں مدد فرمائے اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۴۲۸/۱/۲۶ھ

CLIPART\image4.jpg not found.

اظہارِ واقعیت

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری عمت فیوضکم

خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب

مقیم حال: باٹلی، انگلینڈ

فقہ حنفی میں ہدایہ بڑی معتبر مشہور مستند اور جامع کتاب ہے، وقت تصنیف سے آج تک تمام مدارس عربیہ میں داخل درس ہے۔ عجیب وغریب مجتہدانہ شان سے لکھی گئی ہے اور روایت ودرایت دونوں کی حامل ہے۔ ہدایہ کو اگر درس نظامی کا حاصل اور علوم دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جامعیت کثرت مسائل، حسن ترتیب اور ایجاز واعجاز کے اعتبار سے ایک متن متین ہے۔ درس نظامی کے فن فقہ میں اسے ریڑھ کی ہڈی کی اہمیت وحیثیت حاصل ہے۔ یہی فقہ حنفی کی وہ لافانی لازوال اور شاہکار کتاب ہے کہ جس کی ہمہ گیری قوت استدلال آب وتاب کے سامنے بڑے بڑے مکاتیب فقہ ماند پڑ گئے۔ ہدایہ کے بعد اس حجم کی حاوی نافع او رمستند کتاب خود فقہ حنفی بھی پیش نہیں کرسکا۔ اس کتاب میں علامہ مرغینانیؒ نے عیون روایت اور متون درایت کے عبارات جمع کردیئے ہیں، یہ کتاب آپ نے ایسی اچھوتی اور ایسی انوکھی طرز میں تحریر فرمائی کہ اس کے ہر ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث سے مبرہن کیا اور ہر ہر جزئیہ کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا، اس بے نظیر کتاب کی عبارت نہایت مرقع سلیس فصیح اور بلیغ ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت اور ناقابل تردید صداقت ہے کہ ہدایہ پڑھے بغیر انسان درجۂ فقاہت کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ انسان کی فقہی معلومات تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ نے بدھ کے دن بعد از نماز ظہر بماہ ذوالقعدہ ۵۷۳ھ میں ہدایہ لکھنا شروع کی اور تیرہ برس میں اسے اختتام تک پہنچایا۔ ان تیرہ برس میں سوائے ایام ممنوعہ کے مسلسل روزے رکھتے تھے۔ اور آپ کے خلوص اور بے ریائی کا یہ عالم تھا کہ اس تیرہ برس کے طویل عرصہ میں کسی فرد وبشر کو بھی آپ کے روزہ دار ہونے کی خبر تک نہ ہوسکی، حتی کہ آپ کے اہل خانہ بھی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ آپ کا روزہ ہوتا ہے۔ وہ دوران تصنیف جب خادم کھانا لاکر رکھ دیتا تو آپ اسے چلے جانے کا حکم دیتے اور کھانا کسی طالب علم یا مہمان کو کھلا دیتے، خادم برتنوں کو خالی دیکھ کر یہ سمجھتا کہ کھانا آپ نے تناول فرمایا ہے۔

ہدایہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''ہدایہ'' کے شارح علامہ ابن الہمامؒ نے قاری الہدایہ علامہ سراج الدین عمر بن علی کنانیؒ (م ۸۲۹ھ) سے انیس (۱۹) سال میں ہدایہ تحقیق واتقان کے ساتھ پڑھی ہے۔ پھر استاذ کے بعد خود پڑھانی شروع کی اور ساتھ ہی شرح بھی لکھنی شروع کی۔ (آپ فتویٰ کیسے دیں: ص: ۱۴۵)

اس عظیم الشان کتاب کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں، اور ہر شرح اپنے اپنے دائرہ میں بڑی مفید اور قابل قدر ہے ہمارے دوست حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی مدظلہ نے ''اثمار الہدایہ'' کے نام سے ایک تفصیلی شرح لکھنا شروع کی ہے اور ہدایہ جلد

اوّل کی شرح میں ''اثمار الہدایہ'' کی تین جلدیں مکمل کرلی ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کو بآسانی تکمیل تک پہنچائے اور طلبہ و اساتذہ کے لیے مفید اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس شرح کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱-ہدایہ کی عربی عبارت کے ساتھ بامحاورہ ترجمہ اور اس کی آسان وقابل فہم تشریح۔

۲-ہر مسئلہ کے تحت اصول جس سے مسئلہ کا مخرج بخوبی سمجھ میں آسکے۔

۳-ہر مسئلہ کی دلیل احادیث سے اور مذاہب کے مسلک کی دلیل بھی احادیث لکھ دی گئی ہیں۔ احناف کی تائید میں اکثر جگہ تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔

۴-احادیث کا حوالہ اتنا جامع ہے کہ کسی بھی تحقیق کرنے والے کو اس کا نکالنا اور تلاش کرنا انتہائی آسان مثلاً: بخاری، ص:...... باب... کتاب...... رقم الحدیث.........۔ اس طرح کا حوالہ کسی شرح میں آج تک راقم کی کوتاہ نظر سے نہیں گزرا۔

۵-قدیم اصطلاح کی مکمل جدید تحقیق جیسے: مد، قطر، قلتین کی مقدار کی تحقیق۔ فرسخ، بردوغیرہ کا میل اور کلومیٹر سے حساب، اونٹ، گائے، بھینس، بکری کی زکوٰۃ کا حساب آسان نقشہ کی صورت میں درہم، دینار، صاع، رطل، رتی، قیراط، مثقال، ماشہ، وسق، دانق وغیرہ کی مکمل تفصیل اور جدید اوزان کا ایسا دل نشیں اور عمدہ نقشہ لکھ دیا گیا ہے جس سے ہر ایک کا یکساں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ میقاتِ خمسہ: ذوالحلیفہ، ذات عرق، قرن یلملم کی پیائش میں بھی مولانا نے اسی اصول کو اپنایا ہے۔

۶-مشکل مقامات پر کچھ لغوی تحقیق بھی کردی گئی ہے۔

۷-زبان آسان استعمال کی گئی ہے۔ قیل قال سے اجتناب کیا گیا ہے۔

احقر عبد الرؤف لاجپوری

26 - 6 - 2007

CLIPART\26556.JPEG.jpg not found.

مختصر حالاتِ شارح حضرت مولانا ثمیرالدین صاحب قاسمی مدظلہ

(از: حضرت مولانا منیر الدین احمد عثمانی رخادم تدریس دارالعلوم دیوبند

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم.

امابعد! چمنستان عالم میں نہ جانے کتنے پھول کھلتے ہیں اور کچھ بن کھلے مرجھا جاتے ہیں، اور کچھ اپنے اطراف وجوانب کو معطر ومشک بار کرتے رہتے ہیں جن سے ایک دنیا فیض یاب ہوتی ہے۔ ان ہی پھولوں میں سے ایک گل سر سبد حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ہیں۔

ولادت ومقام

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ۶ رنومبر ۱۹۵۰ء م ۲۵ رمحرم ۱۳۷۰ھ میں صوبہ جھارکھنڈ کے ایک قریہ گاؤں گھٹی میں عالم ناپید سے وجود میں آئے یہ مقام شہر بھاگلپور سے جانب مشرق ۴۰ رکلومیٹر دور دیہات میں واقع ہے، جہاں آج بھی بجلی، پانی، جیسی بنیادی ضرورتیں میسر نہیں ہیں جس وقت موصوف کا اس عالم رنگ وبو میں تولد ہوا، اس وقت کسے پتہ تھا کہ یہی بچہ کل کو ایسے ایسے کارنامہ انجام دے گا جس سے نہ صرف جھارکھنڈ بلکہ ایک عالم مستفیض ہوگا۔ اور علماء حق کا بول بالا ہو جائے گا، لیکن قدرت کے نظام تکوینی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب کے حسین مکھڑے، نورانی چہرہ اور صاف وشفاف رنگت کو دیکھ کر بے زبان مخلوق کو ضرور یہ اندازہ ہوگا کہ اس معصوم سے بچے سے مستقبل کی کتنی تابناکیاں متعلق ہیں اس سے قوم وملت بالخصوص مسلمانانِ جھارکھنڈ کو کس قدر فائدہ پہنچے گا۔ لہٰذا اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ آپ کے تولد پر بادِ نسیم جھوم جھوم کر خوشی وفرحت کے ترانے گا رہی تھیں، مہکی مہکی فضائیں خوش آمدید کہہ رہی تھیں کہ لیجئے چمنستانِ صدیقی میں ایسا پھول آ گیا ہے جس کی خوشبو زمانۂ دراز تک مہکتی رہے گی۔ اور جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہو جائے گا۔

شجرۂ نسب

ثمیر الدین والد کا نام جمال الدین، دادا کا نام محمد بخش عرف لدنی، پردادا کا نام چولہائی قوم شیخ صدیقی سلسلۂ نسب اخیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اس لیے اس خاندان کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ اور اس علاقہ میں یہ خاندان مشہور ہے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب اسی معروف خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔

تعلیم وتربیت

سچ یہ ہے کہ قدرت جسے نوازنا چاہتی ہے اس کے اوپر ابتداء ہی سے نوازشوں کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور الطاف وعنایات کا اس طرح ظہور ہوتا ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ ابھی عمر کی پہلی منزل ہے کہ اپنے مسکن ومولد میں معروف ومشہور عربی مولانا عبدالرؤف صاحب عرف گونی بھاگلپوری سے استفادہ کا آغاز کرتے ہیں اور مولانا عبدالرؤف صاحب مرغیا چکوی کے درخاص سے اردو، ہندی، حساب اور فارسی زبان کی بنیادی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں جب کہ عمر کی بارہویں بہار کی ابتداء ہے آپ علمی پیاس بجھانے کے لیے مدرسہ امدادالعلوم اٹکی رانچی پہنچتے ہیں، ۱۹۶۴ء میں مدرسہ اعزازیہ پتھنہ بھاگلپور سے علمی تشنگی دور کرنے کے لیے ملحق ہوجاتے ہیں مزید علمی گیرائی وگہرائی کے لیے ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم چھاپی گجرات کا رخ کرتے ہیں اور ادارہ ہذا میں عربی تعلیم کے حصول کے لیے داخلہ لیتے ہیں، جوں جوں تعلیمی تعمق کے لیے مختلف مقامات کی خاک چھانتے ہیں اسی قدر علمی تشنگی میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ مرکز علم وعرفان دارالعلوم دیوبند کا ارادہ کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے از ہر ہند مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۶۸ء میں داخلہ کی سعادت سے مشرف ہوتے ہیں اور شعبان ۱۳۹۰ھ -م اکتوبر ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کرتے ہیں مسند حدیث کی نابغۂ روزگار ہستی حضرت مولانا سید فخرالدینؒ سے بخاری شریف پڑھنے کا موقع میسر آتا ہے حضرت مولانا فخرالحسن صاحب سے ترمذی شریف، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا شریف احمد صاحب سے مسلم شریف اور مولانا حسین صاحب بہاری سے طحاوی شریف کے دروس واسباق اخذ کرتے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں یہ حضرات اپنے زمانہ کے مستند محدث اور صفِ اوّل کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے جو مولانا ثمیر الدین صاحب کے مرکز استفادہ بنے۔

فالحمدللہ علی ذٰلک۔

عربی ادب میں خصوصی مناسبت کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں تکمیل ادب میں داخلہ لیتے ہیں اور عربی ادب میں مہارت حاصل کرتے ہیں ۱۹۷۲ء میں تکمیل فنون میں شریک ہوتے ہیں اور فلکیات کو مرکز توجہ بناتے ہیں اس فن میں بھی دسترس حاصل کر لیتے ہیں الغرض مولانا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں حیات مستعار کے پانچ بہاریں گزارتے ہیں اور اس دوران جد وجہد محنت وجستجو کی مثال قائم کرتے ہیں، ہمیشہ تنہائیوں میں بیٹھ کر کتب بینی ومطالعہ میں مشغول رہتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے روبرو مولانا موصوف کا تذکرہ آیا تو مولانا مدراسی نے فرمایا کہ مولانا ثمیر الدین صاحب فارغ اوقات میں قبرستان میں بیٹھ کر کتابیں یاد کرتے تھے وقت کو کبھی بھی صائع ہونے نہ دیتے تھے شروع ہی سے مولانا محنتی اور مستعد واقع ہوئے ہیں جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں ہزار مصائب وآلام کے باوجود تکمیل تک پہنچا کردم لیتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ اثمارالہدایہ

اورالشرح الثمیر ی جیسی عظیم کتابیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

تدریسی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جنوری ۱۹۷۳ء میں م شوال ۱۳۹۳ھ سے باضابطہ تدریس کا آغاز فرماتے ہیں سب سے پہلے تدریس کے لیے مدرسہ کنز مرغوب پٹن گجرات کا انتخاب عمل میں آیا۔ پھر مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات اس کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر بہار میں دورۂ حدیث شریف کی اہم کتب ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف آپ کے زیر درس رہیں۔ اور تقریباً تیس سال تک مدارس اسلامیہ میں خوشہ چینیوں کو اپنے علمی فیضان سے فیضیاب فرماتے رہے اس دوران حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور فلسفہ کی اہم کتابیں آں جناب سے متعلق رہیں، اور آپ نے متعلقہ کتابوں میں اتنی محنت کی کہ ساری درسیات ذہنی گرفت میں آگئیں، کسی بھی کتاب کا کوئی مسئلہ ہو دریافت کرنے پر ایسے بیان فرماتے ہیں جیسے ابھی ابھی مطالعہ کر کے بیان فرما رہے ہوں۔

رحلت ہجرت

۲۴ رجون ۱۹۸۷ء میں علم کا یہ سورج انگلینڈ پہنچ گیا اور سرزمین برطانیہ کو اپنی روشنی سے منور کرنے لگا جامعہ اسلامیہ مانچسٹر میں تدریسی خدمت کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا اور کئی سال تک طلبۂ علوم نبوت کو ترمذی شریف، ہدایہ آخرین اور کئی اہم اونچی کتابوں کے درس سے شرف بخشا۔

تدریسی انداز!

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ دین کی بڑی خدمت لینا چاہتے ہیں ان لوگوں کی زندگیاں ہمہ تن سادہ ہونے کے باوجود ہزار ہزار رعنائیاں و جمال کا مظہر ہوا کرتی ہیں یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جسے ہر اہل نظر محسوس کرتا ہے۔ مولانا بھی ان ہی باکمال لوگوں میں سے ایک ہیں جن کا ظاہر و باطن دونوں سادہ ہیں حتی کہ درس میں بھی سادہ انداز اختیار فرماتے ہیں۔
ایک ماہر فن استاذ کی طرح پہلے پورے سبق کا اجمالی خاکہ بیان فرماتے پھر پورے سبق کی تفصیل بیان فرماتے اور کئی بار بیان فرماتے جس سے طلبہ کو سبق ازبر و حفظ ہو جاتا۔ اور جب آپ مطمئن ہو جاتے تو عبارت کا ترجمہ کرواتے۔ اس طرز تدریس کی وجہ سے آپ کا درس بیحد مقبول تھا جب طلبہ کی کوئی کتاب آپ سے ایک مرتبہ متعلق ہو جاتی تو پھر ہمیشہ آنجناب ہی سے استفادہ کرنا چاہتے مارچ ۲۰۰۴ء میں بہار کے مرکز علم و فقہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں آنجناب کی حاضری ہوئی۔ امارت شرعیہ میں۔
طلبہ کو حضرت سے استفادہ کا شوق ہوا تو وہ لوگ ہدایہ اخرین لیکر آ گئے اور مشکل مقام سے عبارت پڑھی مولنا نے اسی وقت

پورے سبق کو نہایت دلنشین پیرایہ میں سمجھایا اور جب طلبہ نے سمجھ لیا تو آپ نے عبارت سے ترجمہ کروایا۔ جس سے طلبہ کو حیرت ہوئی۔ یہ ملکہ دراصل کتابوں کے از بر و محفوظ ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا ہندوستان پاکستان اور برطانیہ کے کئی اہم رسالوں کے کالم نگار وانشاپرداز ہیں جن میں وقیع مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، جامعہ اسلامیہ مانچیسٹر سے اشاعت پذیر ''الجامعہ'' کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

۲۷ راگست ۲۰۰۰ء میں قدوری کی معرکتہ الآراء الشرح الثمیر ی کی تصنیف کا آغاز کیا اور صرف ڈھائی سال کی قلیل مدت میں چار ضخیم جلدوں میں مکمل فرمائی جس میں ہر مسئلہ کو احادیث سے مدلل فرمایا ہے جو مولانا موصوف کا عظیم کارنامہ شمار کیا جارہا ہے اور آج علماء کے درمیان مقبول عام ہے۔

۷ دسمبر ۲۰۰۴ء میں فقہ حنفی کی عظیم کتاب ہدایہ کی شرح اثمار الہدایہ کے نام سے تالیف کی ابتداء کی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اس کے علاوہ اب تک تقریباً ۱۸ کتابیں آپ کے نوک قلم سے نکل کر علمی دنیا سے داد تحسین وصول کر رہی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) انوار فارسی (۲) خلاصۃ التعلیل

(۳) صدائے دردمند (۴) علاقہ میں کمیٹی کی ضرورت

(۵) تفریق وطلاق (۶) طلاق مغلظہ آٹھویں مرحلہ پر

(۷) عیسائیت کیا ہے (۸) لائف آف عیسیٰ علیہ السلام (انگریزی)

(۹) اصلاح معاشرہ (۱۰) شرح ثمیری برفصول اکبری

(۱۱) حاشیہ سفینۃ البلغاء (عربی) (۱۲) تحفۃ الطلبہ شرح سفینۃ البلغاء (اردو)

(۱۳) تاریخ علاقہ گڈا و بھاگل پور (۱۴) یادوطن

(۱۵) سائنس وقرآن (۱۶) فلکیات جدیدہ

(۱۷) ثمیری کلینڈر (۱۸) رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں

(۱۹) الشرح الثمیر ی علی المختصر القدوری (۲۰) اثمار الہدایہ شرح اردو ہدایہ

کارہائے نمایاں

عرب کے کئی ملکوں میں ڈیڑھ دن مقدم وقت پر کیلنڈر تیار کیا گیا تھا اوراس سے پہلے بھی کبھی اعلان کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے ڈھائی دن تاریخ مقدم ہو جاتی تھی جو یورپ میں شدید انتشار کا باعث تھا اسلئے مولانا نے فلکیات جدیدہ، رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں اور اسلامی کیلنڈر جیسی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں اور نمایاں کام انجام دیا۔عرب ملکوں کا بار بار سفر کیا اور وہاں کے اہل علم کو متوجہ کیا اور غلطی پر متنبہ کیا۔آخر کار ان لوگوں نے اپنا کیلنڈ تبدیل کیا اگر چہ وہ کیلنڈر ابھی بھی رویت بصری سے ایک دن مقدم ہے،اس کے لئے حضرت نے آٹھ سال تک عرب ملکوں کے علماء سے خط و کتابت کی ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔

آج یورپ میں اکثر وبیشتر ایک ہی تاریخ میں رمضان اور عید ہوتی ہے ورنہ پہلے دو دو تین تین دن عیدین ہوتی تھیں یہ حضرت ہی کی کوشش کا ثمرہ ہے۔

الشرح الثمیری ایک عظیم کارنامہ

قدوری کی بیشمار شرحوں میں یہ ایک نادر اور انوکھی شرح ہے جس میں ہر مسئلہ کو الگ کر کے نمبر ڈالا گیا ہے تشریح ایسی سہل ہے کہ کند سے کند طالب علم سمجھ جائے۔ ہر مسئلہ کے لئے بالالتزام پورے حوالہ کے ساتھ احادیث درج ہیں جس سے مسئلہ مدلل ہو جاتا ہے حوالہ اصل کتابوں سے تلاش کر کے صفحہ مع باب نقل کیا گیا ہے تا کہ حدیث کی تلاش بھی آسان ہو جائے اور طالب علم کو حدیث بھی مستحضر ہو جائے اور طالب علم کا ذہن پڑھنے کے بعد پر سکون ہو جائے اور دل میں یقین پیدا ہو جائے کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے اور کس درجہ کا ہے۔

احادیث کے استخراج کے لئے تقریبا ۳۰ کتابوں کو چھانا ہے اور نہایت تتبع وتلاش کے بعد اور مسلسل چار سال کی محنت شاقہ کے بعد گوہر نایاب کو امت کے سامنے پیش کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے۔ **فالحمد للّٰہ علی ذالک۔**

جس مسئلہ کے تحت حدیث،قول صحابی، یا قول تابعی درج نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تیس ۳۰ کتابوں میں حوالہ دستیاب نہیں ہوا۔لہذا اگر کسی صاحب کو حوالہ مل جائے تو مطلع فرمائیں تا کہ اس کو نقل کر دیا جائے اور مسئلہ مدلل ہو جائے۔اس شرح میں امام شافعی اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک مضبوط صحاح ستہ کے دلیلوں کے ساتھ بیان کیا ہے تا کہ طلبہ اگر ان کی دلیلوں کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں یا احناف وشوافع کے دلائل میں موازنہ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

اثمار الہدایہ دوسرا عظیم کارنامہ

ہدایہ کو عالم اسلام میں اسلامی آئین کا درجہ حاصل ہے، ہر زمانہ میں اس کتاب نے امتِ مسلمہ کی بھرپور رہنمائی کی ہے۔مگر کچھ عرصے سے اس کتاب عظیم پر ایک طبقہ نے بیجا اعتراض کا طوفان کھڑا کر رکھا ہے کہ سارا ذخیرہ صرف عقلیات سے مستنبط ہے۔اس کا ماخذ قرآن وحدیث نہیں ہے اس لیے ضرورت تھی کہ اس عظیم ذخیرے کو قرآن وحدیث سے جوڑ دیا جائے۔اور یہ واضح کردیا جائے کہ اس کتاب کا ہر مسئلہ مضبوط قرآن وحدیث کی دلیل سے مستنبط ہے، چناں چہ حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی نے ذخیرۂ احادیث کی غواصی کی اور تیس سے زائد کتب احادیث سے دلائل کشید کرکے مسائل ہدایہ کو مبرہن کردیا اور ہر ہر مسئلہ کے لیے تین تین دلائل اکٹھے کردیئے۔اور مزید ہدایہ میں مذکورہ دلائل کے حوالے بھی نقل کیئے، جو مولانا کی طرف سے امت کے لیے فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

مزید کتاب کو نفع بخش بنانے کے لیے ہر ہر مسئلہ کو الگ کرکے نمبر ڈال دیا گیا ہے تاکہ ہر قسم کے طالب علم کے لیے استفادہ آسان ہوجائے۔احادیث مع ابواب صفحات کے درج ہونے کی وجہ سے کتاب کی قدر وقیمت میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب کو کہ انہوں نے برطانیہ جیسے یورپی ملکوں میں جہاں دینی ماحول مفقود پڑھنے لکھنے کے اسباب معدوم ہونے کے باوجود نہایت محنت جفاکشی اور تندہی سے ایسی عظیم ونایاب شرح لکھ ڈالی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العلمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

منیر الدین احمد عثمانی

استاذ دار العلوم دیوبند

۳ صفر ۱۴۲۸ھ

۲۱ فروری ۲۰۰۷ء

CLIPART\DAISYJPEG.jpg not found.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

ھدایہ پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے تھے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں!

طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو ھدایہ کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی اور احادیث پیش کی جائیں

﴿احادیث لانے میں ترتیب﴾

نمبر ڈال کر جس ترتیب سے کتاب لکھی جا رہی ہے اسی ترتیب سے احادیث نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یعنی ہر مسئلے کے تحت آیت لکھنے کی کوشش کی، اگر آیت نہیں ملی، تو بخاری شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی، اگر بخاری شریف میں حدیث نہیں ملی تب مسلم شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی اور اس میں بھی نہیں ملی تب ابو داود شریف سے، اسی طرح نمبر وار ترتیب رکھی ہے، مسئلے کے

لئے حدیث نہیں ملی تب آثار لایا ہوں، اور وہ بھی نہیں ملا تب اصول پیش کیا ہوں۔ اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اور اس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔ اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔ تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے مستدلات سے واقف ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریا دلی سے پیش کئے ہیں۔ ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔ اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح وبسط سے بیان کئے ہیں۔

﴿گذارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

﴿شکریہ﴾

میں اپنی اہلیہ محترمہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو رہی اور مزید ھدایہ کی ڈھائی جلدوں کے اختتام کے لئے دعا گو ہے۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے، عزیز فرزند محمد عمران سلمہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، انہوں نے کمپیوٹر کی خامیوں کو ہمیشہ دور کیا اور شرح لکھنے کی تاخیر سے بچایا۔ جناب حافظ زکی میمنیات صاحب باٹلی اور اس کی اہلیہ محترمہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایسے موقع پر سیٹنگ کا مرحلہ اپنے سر لیا کہ میں ہر جگہ سے مایوس ہو گیا تھا اور پریشانی کے عالم میں تھا کہ انہوں نے کتاب سیٹنگ کا پورا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کو مکمل کر کے چھپنے کے قابل بنایا۔

حضرت مولانا منیر الدین سینپوری صاحب، استاد فقہ دار العلوم، دیوبند، کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں ھدایہ کی کتابت کا کام انجام دیا

،اورمیری زندگی پر پرمغز مقالہ لکھا۔ نیز حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ خداوند قدوس ان حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب باٹلی ،اور حضرت مولانا مرغوب صاحب ڈیوزبری صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ کتاب لکھنے کے دوران گھر پر آتے رہے اور تسلی دیتے رہے اور اہم مشورے سے نوازتے رہے۔ جناب حاجی ایوب داود مانچیسٹر ،اور جناب حاجی اسماعیل ٹیمول مانچیسٹر کا بھی شکر گزار ہوں کہ یہ حضرات بھی کتاب لکھنے کے دوران تسلی دیتے رہے ،اور کتاب پوری ہونے کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے۔ اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ثمیر الدین قاسمی

سابق استاد حدیث جامیہ اسلامیہ مانچیسٹر

وچیر مین مون ریسرچ سینٹر، یوکے

۱۸/ ۶/ ۲۰۰۸ء

Samiruddin Qasmi

70 Stamford Street, Oldtrafford,

Manchester ,England, M16 9LL

Tel (0044) 7459131157

﴿ترتیب احادیث﴾

جس طرح نمبر ڈالا گیا ہے اسی ترتیب سے شرح میں حدیث لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف
(۱)	پہلے آیت آجائے	۶۲۳۶	–	–	–
(۲)	پھر بخاری شریف کی حدیث	۷۵۶۳	۱۹۴ھ	بخارا	۲۵۶ھ
(۳)	مسلم شریف کی حدیث	۳۰۳۳	۲۰۴ھ	نیشاپور	۲۶۱ھ
(۴)	ابوداؤد شریف کی حدیث	۵۲۷۴	۲۰۲ھ	سجستان	۲۷۵ھ
(۵)	ترمذی شریف کی حدیث	۳۹۵۶	۲۲۰ھ	ترمذ	۲۷۹ھ
(۶)	نسائی شریف کی حدیث	۵۷۶۱	۲۱۵ھ	نساء	۳۰۳ھ
(۷)	ابن ماجہ شریف کی حدیث	۴۳۴۱	۲۰۹ھ	قزوین	۲۷۳ھ

اوپر کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ ہیں۔ اگر ان کتابوں سے احادیث نہ ملے تو پھر

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف
(۸)	دار قطنی کی حدیث	۴۷۹۰	۳۰۶ھ	بغداد	۳۸۵ھ
(۹)	سنن بیہقی کی حدیث	۲۱۸۱۲	۳۸۴ھ	بیہق	۴۵۸ھ
(۱۰)	مصنف عبد الرزاق سے اثر	۲۱۱۹۹	۱۲۶ھ	صنعان	۲۱۱ھ
(۱۱)	مصنف ابن ابی شیبۃ سے اثر	۳۷۹۳۰	۱۵۹ھ	کوفہ	۲۳۵ھ

حاشیہ : بخارا، نیشاپور، ترمذ، نساء، بیہق یہ چاروں مقامات اس وقت روس میں ازبکستان میں ہیں۔ سجستان اور قزوین ایران میں ہیں، کوفہ اور بغداد عراق میں ہیں۔

CLIPART\SEAL.jpg not found.

کس مقام پر کون سے ائمہ احادیث پیدا ہوئے
اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں

original.bmp not found.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مختصر حالات صاحب ھدایہ﴾

از حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم

عرض مرتب

استاذ محترم مولانا ثمیر الدین صاحب مدظلہ کی ''اثمار الہدایہ'' کے لئے صاحب ہدایہ کے حالات کی ترتیب کی سعادت راقم کے حصہ میں آئی تو چند کتابوں کو سامنے رکھ کر قدرے تفصیلی جمع کئے گئے۔کوشش کی گئی جہاں سے جو حالات مل جائیں اسے شامل کرلیا جائے تاکہ طلبہ اور اساتذہ کو شرح کے ساتھ ایک جگہ ہی سے تفصیلی حالات معلوم ہو جائیں اور دوسری جگہوں پر تلاش کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑے۔

اللہ تعالی اس رسالہ کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور طلبہ واساتذہ کے لئے مفید ثابت ہو،اور مرتب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

مرغوب احمد لاجپوری۔ڈیوز بری

۴؍جمادی الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۰۷ء بروز پیر

نوٹ: مولانا مرغوب احمد کے ستر صفحے کے رسالے سے چھانٹ کر یہ مختصر حالات صاحب ھدایہ پیش خدمت ہے۔

نام ونسب

صاحب ھدایہ کا نام علی ہے۔انکی کنیت ابوالحسن ہے۔انکا لقب برہان الدین ہے۔انکے والد کا نام ابوبکر ہے۔حضرت کا شجرہ نسب یہ ہے ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل بن الخلیل بن ابی بکر حبیب۔انکا شجرہ نسب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

پیدائش

صاحب ھدایہ کی پیدائش ۸؍رجب المرجب ۵۱۱ھ میں پیر کے روز عصر کے بعد ہوئی اور ۵۴۴ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

مقام پیدائش

عام طور پر یہ بتاتے ہیں کہ آپ مرغینان میں پیدا ہوئے،لیکن بادشاہ بابر نے تزک میں لکھا ہے کہ مرغینان کے تعلقے میں ایک قصبہ تھا جس کا نام رشدتھا اسی گاؤں میں آپ پیدا ہوئے اسلئے آپ کو مرغینانی کے بعد رشدانی لکھتے ہیں۔ مرغینان فرغانہ کے ضلع میں کوئی

بڑا تعلق تھا جو ابھی ،از بکستان، روس میں ہے، اوراب یہ گاؤں مشہور نہیں رہا۔نقشہ میں دریائے جیھون کے پاس فرغانہ موجود ہے اسکو دیکھ لیں۔

تحصیل علم

صاحب ھدایہ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا اور فقہ اور حدیث میں تبحر حاصل کی۔کچھ اساتذہ یہ ہیں جو اپنے زمانہ کے جبال العلم تھے مثلا مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن لقمان النسفی ،متوفی ۵۳۷ھ ۔اسی طرح ابواللیث احمد بن ابی حفص عمر النسفی ،متوفی ۵۴۷ھ ،جیسے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے۔

فضل کمال

صاحب ھدایہ اپنے زمانے میں بہت بڑے عالم تھے،آپ اسی سے اندازہ لگائیں کہ انہوں نے ھدایہ جیسی کتاب تصنیف کی کہ فقہی دنیا میں جسکی نظیر نہیں ملتی ،اور حنفیوں کے لئے تو یہ سرمایہ افتخار ہے۔صاحب جواہر مضیہ نے انکے فضل وکمال کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ **کان اماما ، فقیھا ، حافظا ، محدثا ، مفسرا ، جامعا للعلوم ، ضابطا للفنون ، متقنا ، محققا ، نظارا ، مدققا ، زاھدا ، ورعا ، بارعا ، فاضلا ، ماھرا ، اصولیا ، ادیبا ، شاعرا ، لم ترأ العیون مثله فی العلم و الادب .**

ترجمہ:۔صاحب ھدایہ امام وقت تھے،فقیہ بے بدل تھے،حافظ دوراں تھے،محدث زماں ،مفسر قرآن ،علوم کے جامع ، بہت سے فنون کو ضبط کرنے والے،علم کے پختہ ،محقق وقت ، وسیع النظر ، باریک بیں ، عابد و زاہد ، پرہیزگار ،اپنے ہم نشینوں سے فائق ، فاضل الاعیان ،فنون کے ماہر ،اصولی ، بے مثل ادیب ،اور بے نظیر شاعر تھے ،علم اور ادب میں آپکا ثانی نہیں دیکھا گیا۔

صاحب ھدایہ کا عالی مقام

آپکی تصانیف

حضرت نے بہت سی کتابیں لکھی ان میں مشہور یہ ہیں ہدایہ، کفایہ، منتقی ،تجنیس ،مزید ،مناسک حج ،نشر المذھب ،مختارات النوازل ، فرائض عثمانی ،مختار الفتاوی۔

ھدایہ کی زمانہ تالیف

موصوف نے ماہ ذی قعدہ ۵۷۳ھ بروز بدھ ظہر کی نماز کے بعد ہدایہ کی تصنیف شروع کی اور پوری عرق ریزی اور جانکاہی کے ساتھ مسلسل تیرہ سال تک اس طرح مصروف رہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اس کی بھی کوشش کرتے کہ کسی کو روزہ کی اطلاع نہ ہو چنانچہ خادم کھانا رکھ کر چلا جاتا اور آپ کسی طالب علم کو بلا کر کھلا دیتے ، خادم واپس آتا اور برتن خالی دیکھ کر خیال کرتا کہ کھانے سے فارغ ہو چکے ہیں۔

الباقیات الصالحات

صاحب ھدایہ کے تین صاحبزادے تھے، عماد الدین، نظام الدین عمر، ابوالفتح جلال الدین محمد اور تینوں صاحب فضل وکمال اور والد ماجد سے تربیت یافتہ تھے۔

وفات

۱۴/ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں منگل کی رات میں آپ کی وفات ہوئی اور سمرقند میں آپ مدفون ہوئے۔

ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی کچھ عادتیں

۱.....صاحب ہدایہ جب ,,قال رضی اللہ عنہ،، کہتے ہیں تو اس سے خود انکی ذات مراد ہوتی ہے، شیخ محدث دہلویؒ نے یہی فرمایا ہے، لیکن ابوالسعودؒ نے فرمایا کہ صاحب ہدایہ جب اپنی ذات مراد لیتے ہیں تو ,,قال العبد الضعیف عفی عنہ،، کہتے ہیں، لیکن وفات کے بعد کسی شاگرد نے ,,قال رضی اللہ عنہ،، لکھ دیا، کیونکہ اپنی ذات کے لئے ,,قال رضی اللہ عنہ، کہنا اچھا نہیں ہے۔ بزرگوں کا یہی طریقہ ہے۔

۲.....صاحب ہدایہ کی یہ بھی عادت ہے کہ اقوال نقل کرتے وقت قوی قول پہلے ذکر کرتے ہیں لیکن دلیل نقل کرتے وقت جو مذہب انکے نزدیک مختار ہوتا ہے اس کی دلیل مؤخر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ دلیل سابقہ دلیلوں کا جواب بھی ہو جائے۔

۳.....صاحب ہدایہ جب ,,قال مشائخنا،، کہتے ہیں تو بخارا اور سمرقند، اور فرغانہ کے علماء مراد ہوتے ہیں، بخارا، سمرقند، ترمذ، فرغانہ، اور ماوراء النہر کے علماء اس زمانے میں اپنی حیثیت رکھتے تھے اور فتوی میں انکا ایک مقام تھا، اس لئے صاحب ہدایہ اپنے مشائخ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ اب ان شہروں کی حیثیت باقی نہیں رہی، یہ شہر ازبکستان صوبے میں دریائے سیحون اور دریائے جیھون کے درمیان ہیں۔

۴.....صاحب ہدایہ جب ,,دیارنا،، کہتے ہیں تو اس سے انکا شہر مراد ہوتا ہے انکا شہر ماوراء النہر کے پاس فرغانہ میں تھا۔

۵.....جو آیت پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما تلونا،، کہتے ہیں۔

۶.....جو حدیث پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما روینا،، کہتے ہیں۔

۷.....جو دلیل عقلی پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما ذکرنا،، یا ,,ما بینا،، کہتے ہیں۔

۸.....کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت، حدیث، اور دلیل عقلی سبھی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ,,لما بینا،، کہتے ہیں۔

۹.....کبھی دلیل عقلی کو لفظ فقہ سے تعبیر کرتے ہیں مثلا کہتے ہیں ,,الفقہ فیہ کذا،،

۱۰.....جب ایک دلیل عقلی کے بعد دوسری دلیل عقلی لاتے ہیں تو اس دوسری دلیل سے پہلی دلیل کی لم اور علت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۱۱......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,الاصل،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد امام محمدؒ کی ,,کتاب الاصل،، ہوتی ہے، جسکو مبسوط لامام محمد کہتے ہیں۔

۱۲......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,المختصر،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد ,,المختصر قدوری،، ہوتی ہے ۔

۱۳......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,الکتاب،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد امام محمدؒ کی ,جامع صغیر، ہوتی ہے۔

۱۴......صاحب ہدایہ قدوری کے مسائل کو پہلے ذکر کرتے ہیں، بعد میں جامع صغیر کے مسئلے کو لکھتے ہیں، اور کہیں کہیں صراحت کر دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ جامع صغیر سے لیا گیا ہے، تاہم عام طور پر یہ صراحت نہیں ہے۔

۱۵......صاحب ہدایہ لفظ ,,قالوا،، استعمال کریں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، البتہ اکثر مشائخ کا قول یہ ہے۔

۱۶......صاحب ہدایہ اگر ,,ھذا الحدیث محمول علی کذا،، فرمائیں تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ محدثین نے اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے، اور اگر ,,نحملہ،، فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس حدیث کو اس معنی پر محمول کرتا ہوں۔

۱۷......کسی کا مذہب بیان کرنا ہو تو فرماتے ہیں ,,عند فلان کذا،، اور ان کا وہ مذہب نہ ہو، صرف ان سے روایت ہو تو اس کو بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں ,,عن فلان کذا،،

۱۸......صاحب ہدایہ نحویوں کے بعض اقوال کی اتباع کرتے ہوئے ,,اما،، کے جواب میں ,,فا،، ذکر نہیں کرتے ہیں۔

۱۹......ان وصلیہ سے واو ساقط کر دیتے ہیں، حالانکہ ان وصلیہ پر واو داخل ہوتا ہے تاہم اس نسخہ میں ان دونوں عادتوں کی رعایت کم کی گئی ہے

۲۰......صاحب ہدایہ جب کسی مسئلہ کی نظیر ذکر کرتے ہیں پھر اس نظیر اور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو نظیر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید ,,ذالک،، استعمال کرتے ہیں، اور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ قریب ,,ھذا،، استعمال کرتے ہیں۔

۲۱......صاحب ہدایہ جب کسی سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں تو سوال کی تصریح نہیں کرتے، یوں نہیں کہتے ,,فان قیل کذا،، صرف جواب ذکر کرتے ہیں ایسے موقع پر سوال کو نکالنا پڑتا ہے، صرف تین مقام پر سوال ذکر فرمایا ہے۔ دو سوال ,,کتاب ادب القاضی، اور ایک کتاب الغصب،، میں ذکر کیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ڈیوزبری، انگلینڈ

۴؍جمادی الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۰۷ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿علم فقہ﴾

فقہ کے لغوی معنی

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا، فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

اصطلاحی معنی

اہل شرع کی اصطلاح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے **'هو العلم بالاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية'**

ترجمہ :- فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

ہر ایک جزو کی تشریح

الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ : احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اصلی اور ایک فرعی۔

احکام اصلی : احکام اعتقادی کو اصلی احکام کہتے ہیں۔ جیسے خداوند قدوس کی وحدانیت، رسالت، رسول کا آنا، آخرت کا علم، یہ سب احکام اعتقادیہ ہیں اور اصلی احکام کہلاتے ہیں۔ علم فقہ اس سے تعارض نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام فرعیہ بیان کرتا ہے۔

احکام فرعیہ : وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج اور خرید و فروخت وغیرہ کے احکام۔ علم فقہ میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ادلتہا التفصیلیۃ : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ احکام کے تفصیلی دلائل بھی معلوم ہوں۔ مثلا کہیں کہ حج فرض ہے تو آیت بھی معلوم ہو کہ اس کی دلیل، **واتموا الحج والعمرة لله** (آیت ۱۹۶، سورۃ البقرۃ ۲) موجود ہے۔ یا مسئلہ بیان کریں کہ نماز اور زکوۃ فرض ہیں تو یہ دلیل بھی معلوم ہو کہ آیت **اقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين** (آیت ۴۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس کی دلیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ پر حلت، حرمت، کراہت اور وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا علم فقہ ہے۔

علم فقہ کا موضوع

مکلّف آدمی کا فعل اور عمل جس سے یہ بحث کی جائے کہ یہ فرض ہے (۲) یا واجب ہے (۳) یا سنت مؤکدہ ہے (۴) یا سنت غیر مؤکدہ ہے (۵) یا نفل ہے (۶) یا مستحب ہے (۷) یا حرام ہے (۸) یا مکروہ تحریمی ہے (۹) یا مکروہ تنزیہی ہے (۱۰) یا مباح ہے۔

مکلّف آدمی کے اعمال کے بارے میں اوپر کی بحثیں کرنا اور حکم لگانا علم فقہ کا موضوع ہے۔

مکلّف کی قید اس لئے لگائی کہ نابالغ بچہ اور مجنون کے اعمال پر شریعت نہ حکم لگاتی ہے اور نہ اس سے بحث کی جاتی ہے۔صرف مکلّف کے اعمال سے بحث کرتی ہے۔

غرض وغایت

سعادت دارین کی ظفریابی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

یا علم فقہ سیکھ کر احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا اس کی غرض ہے۔

علم فقہ کی عظمت

اس سے بڑھ کر کیا عظمت ہوگی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بلند الفاظ میں فقیہ کی تعریف کی ہے۔ارشاد ہے' ۔**عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** '(ترمذی شریف، باب اذا اراد اللہ بعبد خیرا فقھہ فی الدین،ص ۶۰۱،نمبر ۲۶۴۵ رمسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ج ثانی،ص ۴۶۵،نمبر ۷۱۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس جس بندے کے بارے میں خیر کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین کا علم دے دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے'**عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابد**'(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ،ص ۶۰۸،نمبر ۲۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیہ ہزار عابد پر بھاری ہے۔

اس لئے فقہ سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حنفیت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے

میرے استاد محترم فرمایا کرتے تھے کہ حنفیت صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا نام نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے مسلکوں کے مجموعے کا نام حنفیت ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے مسلک پر عمل کرے گا تو وہ حنفیہ کے مسلک پر عمل کرنا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر امام محمدؒ یا امام ابویوسفؒ کے مسلک پر فتوی دیا تو وہ حنفیت کے مسلک سے خارج نہیں شمار کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قدوری اور ہدایہ جیسی حنفیہ کی اہم کتابوں میں ان دونوں اماموں کا مسلک درج ہے۔ اور وقت ضرورت ان کے مطابق فتوی بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ بہت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ احتیاط پر فتوی دیا اور وہی مسلک اختیار کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک فقہ مدون نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ مدون کیا۔ اس لئے اگر احتیاط کے علاوہ کا پہلو اختیار کرتے تو ہر آدمی کی انگلی اٹھتی۔ اس لئے حضرت نے احتیاطی مسلک اختیار کیا۔ چاہے اس کے لئے فتوی تابعی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انہیں کے شاگرد رشید امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کی روشنی میں کہیں کہیں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ اور کھلے دل کے ساتھ مسلک مع دلائل درج کیا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ امام اعظم کا مسلک اختیار کرے یا ان کے شاگرد رشید کا مسلک اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں فضیلت امام اعظم کو ہی جاتی ہے۔

آخری صدی میں مسلک امام اعظم کو اجاگر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا سہرا دیوبندی مکتب فکر کے سر پر رہا۔ انہوں نے بھی احتیاطی پہلو اختیار کیا اور عموما امام اعظم کی طرح احتیاط پر ہی فتوی دیا۔ اس لئے بعض ناظرین کو اشکال پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ حنفیوں کا مسلک احادیث سے مختلف ہے۔ لیکن شاید غور نہیں فرمایا کہ جن مسائل میں ان کو احادیث نہیں مل رہی ہیں وہیں حنفیوں کے دو اہم ستونوں کا مسلک امام اعظم سے مختلف ہے۔ اور ان کے اختیار کردہ مسلک کے لئے سو فیصد احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے موقع پر صاحبین کا مسلک حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'اثمار الھدایۃ' میں جابجا دیکھیں گے کہ جہاں جہاں صاحبین نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے وہاں امام اعظم کے پاس قول صحابی یا فتوی تابعی ہے اور صاحبین کے پاس احادیث ہیں۔ لیکن امام اعظم کا مسلک احتیاط پر ہے۔

(۱) میرا ناقص خیال ہے کہ اشکال کرنے والوں نے صرف امام اعظم کے مسلک پر غور کیا اور بعض جگہ احادیث نہ پانے کی وجہ سے پورے حنفیت پر اشکال کو مضبوط کر لیا۔ انہوں نے ان کے شاگرد رشید امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو اور ان کے مضبوط

احادیث کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ بھی تو حنفیت ہی کے دو اہم ستون ہیں۔ اور تمام مسائل کی اشاعت انہیں کے نوک قلم کی مرہون منت ہے۔

(۲) انہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ امام اعظم کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ پہلے مدون فقہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو احتیاطی پہلو اختیار کرنا پڑا۔

(۳) یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کا مسلک دلیل عقلی پر ہے۔ یہ تو بعد کے علماء نے حکمت بیان کرنے کے لئے دلیل عقلی، پیش کی ہے۔ ورنہ پوری قدوری اور ھدایہ کو ناچیز نے چھانا ہر ہر مسئلہ یا آیت یا حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی سے مستنبط ہے۔ یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے اصول متعین کیا اور اصول سے مسئلے کا استخراج کیا ہے۔ صرف دلیل عقلی پر مسئلے کا مدار نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں صرف دلیل عقلی بیان کی ہے وہاں ناچیز نے اصول لکھ دیا ہے۔ اور اصول احادیث سے مستنبط ہیں اس لئے گویا کہ وہ مسئلے بھی احادیث ہی سے مستنبط ہوئے۔

صرف کتاب الایمان اور کتاب القضاء میں کچھ مسئلوں کا مدار اس زمانے کے محاورات پر ہے۔ اس لئے وہاں محاورات کے تحت مسئلہ لکھ دیا گیا ہے۔ ان مسئلوں میں حدیث اور قرآن نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مسئلوں کا مدار ہے ہی محاورات پر۔ اس لئے ان مسئلوں کے لئے احادیث یا آیات کہاں سے ملیں گے؟

حنفیوں بلکہ تمام ہی ائمۂ کرام کے مسالک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قول صحابی (۴) فتوی تابعی (۵) اجماع (۶) اور قیاس سے مستنبط ہیں۔ اس لئے ائمۂ کرام پر انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

احقر العباد : ثمیر الدین قاسمی غفرلہ

۱۳/۱۰/۲۰۰۸ء

ائمہ کرام ایک نظر میں

اسمائے گرامی	جائے ولادت	سن ولادت	جائے وفات	سن وفات	شیوخ	تلامذہ	تالیفات	خدمات
امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت	کوفہ	سنہ ۸۰ ھ	بغداد	سنہ ۱۵۰ ھ	ابراہیم نخعیؒ حماد بن سلیمان	امام ابویوسفؒ امام محمدؒ ابن مبارکؒ	-	تدوین فقہ تدوین اصول فقہ
امام مالکؒ مالک بن انس	حمیری مدینہ	سنہ ۹۵ ھ	مدینہ	سنہ ۱۷۹ ھ	نوسوزائد شیوخ تھے، نافع	ابن مبارکؒ قطانؒ	موطاامام مالکؒ	بانی مذہب امام مالک
امام شافعیؒ محمد بن ادریس شافعی	غزہ گاؤں عسقلان	سنہ ۱۵۰ ھ	مصر	سنہ ۲۰۴ ھ	امام مالکؒ امام محمدؒ سفیان بن عینیہؒ	احمد بن حنبلؒ علی بن مدینی اسحاق بن راہویہ	موسوعۃ امام شافعی کتاب الام	بانی مذہب شافعی
امام احمدؒ احمد بن محمد بن حنبل	مروزی بغداد	سنہ ۱۶۴ھ	بغداد	سنہ ۲۴۱ھ	امام ابویوسفؒ امام شافعیؒ یحیی بن قطان	بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبداللہ بن احمد	مسند امام احمد ۲۷۱۰۰ احادیث	ردخلق قرآن بانی مذہب حنبلی
امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم	کوفہ	سنہ ۱۱۳ھ	بغداد	سنہ ۱۸۲ ھ	امام ابوحنیفہؒ	احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ یحیی بن معینؒ	کتاب الآثار کتاب الخراج	فقہ کی ترتیب دی
امام محمدؒ محمد بن حسن	الشیبان کوفہ	سنہ ۱۳۲ھ	ری	سنہ ۱۸۹ھ	امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ سفیان ثوریؒ	امام شافعیؒ ابوحفصؒ یحیی بن معینؒ	موطاامام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر	حنفی کی اکثر کتابیں انہوں نے لکھی

﴿ھدایہ پر ایک نظر﴾

ھدایہ کی شرح لکھتے وقت یہ اندازہ ہوا کہ صاحب ھدایہ نے اصل متن قدوری کو بنایا ہے اور زیادہ تر اسی کے مسئلے کو لیکر اس کی تشریح کی ہے، باب کے درمیان میں کہیں کہیں جامع صغیر سے بھی لیکر متن بنایا ہے، اور کہیں کہیں کتاب الاصل امام محمدؒ جسکو مبسوط کہتے ہیں اس سے بھی عبارت لی ہے اور اس کو متن بنا کر تشریح کی ہے، تو گویا کہ ھدایہ کا متن ان تین کتابون کا مجموعہ ہے۔

﴿صاحب ھدایہ کی احادیث﴾

صاحب ھدایہ جو احادیث لائے ہیں وہ عموما روایت بالمعنی ہیں، کتاب کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی ہے، اس لئے وہ پوری حدیث نہیں لکھتے، بلکہ حدیث کا صرف وہ ٹکڑا لکھتے ہیں جس سے انکو استدلال کرنا ہوتا ہے، اس لئے یہ چند اشکالات پیش آتے ہیں۔ الحمد للہ میں نے ہر جگہ اصلی حدیث نقل کر دی ہے، اور جہاں دو حدیثوں کا مجموعہ تھا وہاں دونوں حدیثوں کو مع حوالہ نقل کر دیا ہے، اب تک صرف چار حدیثوں کا حاولہ نہیں ملا، لیکن اس کے بدلے میں دوسری حدیثیں نقل کر دی جس سے مسئلہ مؤئد ہو جائے۔

[۱] کبھی کبھی وہ ٹکڑا دو حدیثوں میں ملتا ہے، لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جملہ کسی حدیث میں نہیں ہے یا یہ حدیث ہی نہیں ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ جملہ دو حدیثوں میں پھیلا ہوا ہے، ناچیز نے ایسی جگہوں پر دونوں حدیثیں نقل کر دی ہیں اور نشان دہی کر دی ہے کہ یہ جملے ان دو حدیثوں میں ہیں۔

[۲] کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حدیث سے پہلے ,قولہ علیہ السلام تحریر فرمایا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں نہ ملنے سے یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث ,غریب جدا ، ہے یعنی یہ حدیث ہے ہی نہیں، صاحب نصب الرأیۃ [زیلعیؒ]، اور صاحب درایہ فی تخریج احادیث الھدایہؒ، نے اس طرح زیادہ کیا ہے، اس سے کچھ حضرات کا تأثر ہو جاتا ہے کہ صاحب ھدایہ موضوع حدیث نقل کرتے ہیں، لیکن جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ قول صحابی، یا قول تابعی ہے اور مصنف ابن ابی شیبۃ ، یا مصنف عبد الرزاق میں ہے، اس لئے میں نے پورے حوالے کے ساتھ ایسے اثر کو بیان کر دیا ہے، اور یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ یہ حدیث تو نہیں ہے لیکن قول صحابی، یا قول تابعی ضرور ہے، جسکو حدیث مرسل کہہ سکتے ہیں البتہ بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔

[۳] کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صاحب ھدایہ نے ایسا لفظ لکھا جو حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس کا ہم معنی لفظ موجود ہے جس سے مسئلے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اس وقت بھی لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن میں نے ہم معنی لفظ والی حدیث کو نقل کر دیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ صاحب ھدایہ نے اس کے قریب قریب لفظ کو استعمال کیا ہے اور بالکل بے بنیاد نہیں ہے

[۴] ایسا بھی ہوا کہ مثلا حدیث یا قول حضرت عبد اللہ بن عمر کا ہے اور صاحب ھدایہ نے عبد اللہ ابن عباس کا نام ذکر کر دیا، جس کی وجہ سے بعض حضرات نے لکھ دیا کہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن تلاش کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ قول دوسرے صحابی کا ہے، اس لئے ایسے اثار بھی بے بنیاد نہیں ہیں۔

[۵] اثمار الھدایہ میں کتاب الحج پوری ہورہی ہے اور باالتزام صاحب ھدایہ کی حدیث کی تخریج جاری ہے، اس کے باوجود صرف چار یا پانچ حدیث یا قول صحابی کا حوالہ مجھے نہیں مل سکا باقی سب کامل گیا ہے، میں نے وہاں لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی، کسی صاحب کومل جائے تو براہ کرم اطلاع کریں، لیکن یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ اس مسئلے کا مدار صاحب ھدایہ کے ذکر کی ہوئی حدیث پر نہیں ہے، بلکہ اس مسئلے کے لئے الگ سے تین تین احادیث صحاح ستہ سے نقل کر دی گئی ہیں تا کہ یقین ہو جائے کہ اس مسئلے کے لئے مضبوط احادیث موجود ہیں۔

﴿صاحب ھدایہ کی مجبوری﴾

صاحب ھدایہ نے جو حدیث پیش کی ہے ان میں کا بہت سا حصہ سنن بیہقی، مصنف ابن ابی شیبۃ، مصنف عبدالرزاق، اور طبرانی کبیر میں ملتا ہے، اور یہ کتابیں بارہ بارہ جلدوں میں ہیں، طبرانی چوبیس جلدوں میں ہے، ان میں سے کوئی کتاب اردن میں تھی، کوئی مصر کے کتب خانہ میں، کوئی سعودی عرب میں اور کوئی عراق میں، اور وہ بھی ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی جسکو پڑھنا ایک مستقل کام تھا، اس وقت پریس کا سلسلہ نہیں تھا لوگ ہاتھ سے لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے اس لئے اتنی موٹی کتاب کو ہاتھ سے لکھنا آسان نہیں تھا اس لئے سب کتابیں ایک مصنف کے پاس جمع ہونا آسان نہیں تھا اس لئے ان سے حدیث تلاش کرنا مشکل کام تھا اس لئے صاحب ھدایہ کے لئے یہ مشکل رہی کہ وہ حوالے کے ساتھ حدیث نہیں پیش کر سکے، جسکی وجہ سے بعد کے لوگوں نے انکی اس عظیم کتاب پر اعتراض کیا۔

لیکن اس زمانے میں کمپیوٹر کا سلسلہ ہے بیروت سے تمام کتابیں چھپ کر سامنے آچکی ہیں، ہر حدیث پر نمبر لگا ہوا ہے، آپ کمپیوٹر پر صرف نمبر لکھئے اور حدیث سامنے آجاتی ہے، یا حدیث کا پہلا جملہ لکھئے اور حدیث سامنے آجاتی ہے اس لئے اس دور میں حدیث تلاش کرنا بہت آسان ہو گیا ہے، اس لئے بہت آسانی سے ہر مسئلے کے ساتھ حدیث سیٹ کی جاسکتی ہے۔ اور اسی سہولت کی وجہ سے ناچیز اس قابل ہوا کہ ہر مسئلے کے ساتھ حدیث مع حوالہ کے سیٹ کر سکا، اور صاحب ھدایہ پر دیرینہ اعتراض کو دفع کر سکا، فللہ الحمد،

نوٹ:۔ صاحب ھدایہ نے مسئلے کے لئے جو حدیث پیش کی ہے، چاہے قوی ہو یا ضعیف، قول صحابی، یا قول تابعی، مسئلے کا مدار اس پر نہیں ہے، مسئلے تو پہلے سے لکھے ہوئے ہیں اور انکو احادیث سے استنباط کیا ہے، صرف ضرورت یہ تھی کہ اصلی حدیث کو مسئلے کے تحت جمع کر دی جائے، تا کہ ناظرین کو پتہ چل جائے کہ اس مسئلے کے لئے یہ احادیث ہیں۔ الحمد للہ ناچیز نے کمپیوٹر کی مدد سے تمام مسئلوں کے تحت تین تین احادیث ذکر دیا ہے اور انکا حوالہ بھی لکھ دیا ہے تا کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ حنفی مسئلوں کے لئے احادیث نہیں ہیں، البتہ جہاں پوری تلاش کے بعد بھی حدیث نہیں ملی وہاں بیاض چھوڑ دیا ہے اور اہل کرم سے درخواست کی ہے کہ اگر انکو یہ احادیث مل جائیں تو اس کتاب میں شامل کرنے کی زحمت کریں، اللہ تعالی اجر عظیم سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ ۶ جون ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم: اما بعد!

ترجمہ: ۱۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وجہ تقدیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: سب سے پہلے لکھنے کی پانچ وجوہ ہیں۔

(۱) حضور ﷺ کو سب سے پہلے وحی آئی تو اس میں اللہ کے نام سے پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ آیت یہ ہے۔ اقرء باسم ربک الذی خلق، آیت نمبر ا، سورۃ العلق ۹۶

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیسؓ کو خط لکھا تو بسم اللہ سے شروع کیا۔ آیت یہ ہے انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آیت نمبر ۳۰ سورۃ النمل ۲۷۔

(۳) قرآن کریم بسم اللہ سے شروع ہے۔ بلکہ ہر سورۃ بسم اللہ سے شروع ہے۔

(۴) حضور کے تمام خطوط اور تمام خطبات بسم اللہ سے شروع ہیں۔

(۵) اس حدیث کے اشارے سے بھی استدلال کر سکتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ذکر کا لفظ ہے اور بسم اللہ بھی ذکر ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: کل امر ذی بال لا یبدأ بذکر اللہ اقطع۔ (دار قطنی، کتاب الصلوۃ، جلد اول، ص ۲۳۵، نمبر ۸۷۳) اس ذکر سے مراد بسم اللہ لے سکتے ہیں۔

لغت: بسم اللہ: میں، ب، حرف جار ہے۔ جسکے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں اسکا معنی الصاق کا ہے۔ یعنی کسی فعل کے ساتھ چپکانا۔ یا اسکا معنی استعانت ہے یعنی اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ ب، حرف جر ہے اسلئے اس کے متعلق کے لئے کوئی فعل محذوف ماننا ہوگا تاکہ حرف جر اسکا متعلق ہو جائے۔ بہتر ہے کہ، ابتدأ محذوف مانیں تاکہ مطلب یہ ہو کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ ب متعلق ہو گیا اور اسم تو اللہ کے تابع ہے تو گویا کہ لفظ، اللہ، ہی سب سے مقدم ہو گیا۔ اور اقرأ باسم ربک، میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے نام سے پڑھو تو گویا کہ اللہ کا نام ہی سب سے مقدم ہو گیا۔

اللہ: اللہ کے ننانوے نام صفاتی ہیں۔ اور لفظ اللہ ذاتی نام ہے۔ اللہ۔ الالہ سے مشتق ہے۔ الہ کا معنی ہے معبود اور الف لام لگا دینے سے ترجمہ ہو گیا خاص معبود، یعنی اللہ۔ دوسرے معبود تو ہیں ہی نہیں لیکن مشرک لوگوں نے اپنے اعتقاد میں بہت سے معبود بنا رکھے ہیں اسلئے اس سے جدا کر کے خاص معبود اللہ کا نام ہوا۔

الرحمن: فعلان کے وزن پر ہے۔ رحمت سے مشتق ہے۔ رحمت کا معنی ہے رقت قلب۔ اللہ میں رقت قلب محال ہے کیونکہ وہ ذات قلب اور دل سے پاک ہے۔ اسلئے اللہ کی طرف رحمت کی نسبت ہو تو اسکا معانی ہے، فضل و کرم کرنا، احسان کرنا۔ رحمٰن مبالغہ

۲ الحمدللّٰه الذی اعلیٰ معالم العلم و اعلامه، و اظهر شعائر الشرع، و احکامه

کا صیغہ ہے۔اسکا ترجمہ ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو گھیری ہوئی ہے۔انتہائی مہربان۔الرحیم: فعیل کے وزن پر ہے۔یہ لفظ بھی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے۔البتہ اس میں رحمٰن کے مقابلہ میں کم مبالغہ ہے۔کیوں کہ رحمٰن میں حروف زیادہ ہیں۔اس میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار حروف ہیں۔اس لئے رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہوا۔شاید اسی لئے اللہ نے اسکو پہلے لایا۔حضور ﷺ کی دعا میں آیا ہے ،یارحمن الدنیا و رحیم الآخرۃ ۔جس سے معلوم ہوا کہ دنیا والوں پر اللہ کی مہربانی زیادہ ہے بنسبت آخرت والوں کے۔کیونکہ دنیا میں مومن اور کافر دونوں پر مہربانی ہو رہی ہے اور آخرت میں صرف مومن پر مہربانی ہوگی۔

نکتہ:۔شاید رحمٰن کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ ہے اور دنیا مقدم ہے اس لئے رحمٰن کو مقدم کیا۔یا سجع کے لئے رحمٰن کو مقدم کیا۔

ترجمہ: ۲ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے علم کے نشانات اور جھنڈوں کو بلند کیا۔اور شریعت کے شعائر اور احکام کو ظاہر کیا۔

تشریح : مصنفؒ اللہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔لیکن تعریف میں ایسا جملہ لا رہے ہیں جس سے علم فقہ کی اہمیت، اصول فقہ کی اہمیت اور اسکی تعریف بھی ہو جائے۔اور ساتھ ہی اللہ کی تعریف بھی ہو جائے۔ خطبہ میں ایسا جملہ لانا جس سے کتاب کے مضمون کی طرف اشارہ ہو اسکو براعت استہلال کہتے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے علم کے نشانات کو بلند کیا اور علم کے جھنڈون کو بلند کیا اور شریعت کے شعائر اور اسکے احکام کو واضح کیا۔

وجہ: حمد مقدم کرنے کی وجہ؛(۱) قرآن کریم میں الحمد بالکل شروع میں ہے۔....(۲) حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ کل کلام لا یبدأ فیه بحمد الله فهو اجذم (ابوداود شریف، باب الھدی فی الکلام، ج۲،ص ۳۱۷،نمبر ۴۸۴۰/ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح،ص ۲۷۲،نمبر ۱۸۹۴)اس حدیث میں ہے کہ جو کلام حمد کے ذریعہ سے شروع نہ کرے وہ ناقص ہے اسلئے مصنفؒ نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کی۔

لغت : الحمد: مصدر(س) تعریف کرنا اور اصطلاحی تعریف: ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں۔چاہے نعمت کے مقابلے پر ہو یا نعمت کے مقابلے پر نہ ہو۔اللہ کی جانب سے ہر وقت نعمت کی بارش ہوتی رہتی ہے اسلئے ہم جو بھی حمد کریں گے وہ نعمت کے مقابلہ پر ہی ہوگی۔

ال:۔الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔استغراق کا معنی گھیرنا یہاں اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں جو دنیا اور آخرت میں ہوسکتی ہوں وہ سب اللہ کے لئے ہیں۔جمہور کی یہی رائے ہے۔(۲) اور اگر الف لام جنس کا لیا جائے تو جنس کا مطلب ہوگا کہ حمد کا ہر ہر فرد اور اسکی حقیقت اللہ کے لئے ہیں۔کبھی الف لام عہد اور متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔اس وقت اسکا

۳؎ و بعث رسلا و انبیاء صلوات اللّٰہ علیھم اجمعین الی سبیل الحق ھادین

مطلب یہ ہوگا وہ متعین تعریفیں جو قرآن اور حدیث میں ہیں وہ اللہ کے لئے ہیں۔

معالم: معلم کی جمع ہے۔علم سے مشتق ہے اور اسم ظرف ہے۔علم کی جگہ یا علامت کی جگہ۔ یہاں معالم سے مراد شریعت کے اصول ہیں، یعنی قرآن کریم ،سنت ،اجماع ،اور قیاس ۔یعنی اللہ نے اصول شریعت کو بلند کیا اس طرح کہ ہمکو اسکی اتباع کا حکم فرمایا۔

اعلام : علم کی جمع ہے۔ اسکا ترجمہ ہے پہاڑ ، یا علامت ، یا جھنڈا۔ پہاڑ سے مراد علماء ہونگے ۔علامت سے مراد شریعت کی دلیل ہوگی ۔اور جھنڈا اسے مراد ذات علم ہوگی ۔ اکثر حضرات نے اعلام سے علماء مراد لئے ہیں۔یعنی علماء کو اللہ نے بلند فرمایا۔

شعائر:شعیرۃ کی جمع ہے۔جیسے صحائف:صحیفۃ کی جمع ہے۔ وہ چیز جو اللہ کی عبادت پر علامت ہو سکے۔اور بعض حضرات نے فرمایا وہ عبادتیں مراد ہیں جو شہرت کے طور پر ادا کی جائیں۔جیسے اذان ، جمعہ ،عید کی نماز ،قربانی ۔یعنی وہ عبادات جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ انکے کرنے والے مسلمان ہیں ۔ایسی عبادتوں کو شعائر کہتے ہیں ۔مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عبادتوں کو اللہ نے ظاہر فرمایا۔اسلئے میں اسکی حمد کرتا ہوں۔

احکام : حکم کی جمع ہے۔کسی چیز پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اسکو حکم کہتے ہیں۔ اللہ کے جو احکام بندوں کے ساتھ متعلق ہیں یہاں وہ مراد ہیں۔جیسے کسی چیز کا جائز ہونا، کسی معاملے کا فاسد ہونا، کسی چیز کا حلال ہونا۔ یا کسی چیز کا حرام ہونا۔

مصنفؒ نے خطبہ میں ،احکام ، کا لفظ لا کر اشارہ کیا کہ یہ کتاب احکام کے بارے میں ہے۔خطبہ میں ایسا لفظ لائے جو کتاب کے مضمون کی طرف اشارہ کرے اسکو، براعت استہلال، کہتے ہیں مصنف نے یہاں براعت استہلال استعمال کیا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جس نے انبیاء اور رسولوں کو راہ حق کی طرف ھدایت کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ۔

تشریح :اللہ کا جو حق راستہ ہو اسکی طرف ھدایت کرنے والا بنا کر انبیاء اور رسولوں کو بھیجا اس خدا کی میں حمد کرتا ہوں۔اور ان تمام پر صلوۃ وسلام ہو۔

لغت : رسول: جس نبی پر نئی شریعت آئی ہو اور کتاب آئی ہو اسکو رسول کہتے ہیں۔اور جس پر نئی شریعت نہیں آئی ہو اسکو نبی کہتے ہیں۔اسلئے رسول نبی سے افضل ہوتے ہیں اس لئے مصنف نے لفظ رسول کو پہلے لایا۔

صلوات :یہ صلوۃ کی جمع ہے۔اسکا معنی ہے دعا۔لیکن اگر اسکی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اسکا معنی ہے رحمت کرنا۔اور فرشتے کی طرف نسبت ہو تو اسکا معنی ہے استغفار کرنا۔اور انسان کی طرف نسبت ہو تو اسکا معنی ہے دعا کرنا۔ یہاں صلوۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اسلئے اسکا معنی ہوگا اللہ کی رحمت ہو تمام رسولوں اور انبیاء پر۔

ھادین :ھدایت سے مشتق ہے اور اسم فاعل ہے۔ھدایت دینے والا، راستہ دکھلانے والا۔

۴؎ و اخلفهم علماء الی سنن سننهم داعين ۵؎ يسلكون فيما لم يؤثر عنهم مسلك الاجتهادمسترشدين منه فی ذالک. وهوولی الارشاد

ترجمه: ۴؎ اورعلماء کوانکا خلیفہ بنایا جوانکی عادتوں کےطریقوں کی دعوت دیتے ہیں۔

تشریح : انبیاء علیہم السلام کی جوسنتیں ہیں اور جوانکی عادتیں ہیں علماء انکے طریقوں اور راستوں کی دعوت دیتے ہیں۔اللہ نے ایسے علماء کوانبیاء کا خلیفہ بنایا۔اصل عبارت اس طرح بنے گی: واخلفهم علماء الذين يدعون الی سنن سننهم ۔اور ایسے علماء کونبیوں کا خلیفہ بنایا جوانکے طریقوں کی

دعوت دیتے ہیں۔....علماء انبیاء کے خلیفہ ہیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن كثير بن قيس قال : كنت جالسا مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق....قال : انی سمعت رسول الله ﷺ يقول ....و ان العلماء ورثة الانبياء ،و ان الانبياء لم يورثو ا دينارا و لا درهما ،ورثو ا العلم ،فمن اخذ ه اخذ بحظ وافر ۔(ابوداود شریف، باب فی فضل العلم، ص ۵۲۳، نمبر ۳۶۴۱)

نوٹ : صاحب ھدایہ یہاں سے مشکل الفاظ میں کتاب تصنیف کرنے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔

لغت : اخلف: خليفة سے مشتق ہے۔یہاں باب افعال سے ہے۔خلیفہ بنانا. سنن: سنة کی جمع ہے۔اسکے کئی معانی ہیں (۱) راستہ

(زمانے کے ائمہ نے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے مسئلوں کا استنباط فرمایا۔)

ترجمه : ۵؎ اور جو باتیں انبیاء سے منقول نہیں ہیں ان میں اجتہاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔اس بارے میں اللہ سے رشد و ھدایت طلب کرتے ہیں۔اللہ ہی ارشاد کے مالک ہیں۔

تشریح : اللہ نے علماء کوانبیاء کا خلیفہ بنایا لیکن اسکا طریقہ کار یہ ہے کہ جن باتوں ، یا جن سنتوں کے بارے میں انبیاء سے کوئی بات منقول نہیں ہے ان میں اجتہاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔اور اجتہاد کے لئے اللہ سے رشد ھدایت مانگتے ہیں اور انبیاء کی منقول سنتوں سے استنباط کرتے ہیں۔کیوں کہ اللہ ہی رہنمائی فرمانے والے ہیں۔

وجہ:۔اجتہاد جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے .عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ يقول : اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجر ان ،و اذا حكم فاجتهد ثم اخطأفله اجر . (بخاری شریف، باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ۔ص ۱۲۶۴، نمبر ۷۳۵۲ / مسلم شریف، باب اجر الحاکم اذا اجتهد، فاصاب او اخطأ ،ص ۷۶۱ نمبر ۱۷۱۶/۴۴۸۷)

اس حدیث میں ہے کہ اجتہاد کرے گا تو اجر ملے گا۔

٦ وخص اوائل المستنبطين بالتوفيق حتىٰ وضعوامسائل من كل جلی، و دقيق ٧ غيران الحوادث متعاقبة الوقوع،والنوازل يضيق عنهانطاق الموضوع.٨ واقتناص الشوارد بالاقتباس من الموارد

لغت : سلک: چلنا۔اسی سے اسم ظرف ہے مسلک: چلنے کا راستہ، مذہب۔مسلک الاجتہاد:اجتہاد کا راستہ۔یوثر:اثر سے مشتق ہے منقول ہونا۔لم یوثر: جومنقول نہ ہو۔اجتہاد: جہد سے مشتق ہے۔کوشش کرنا۔اجتہاد کا مطلب ہے جس مسئلے کے بارے میں انبیاء سے کوئی حکم منقول نہ ہوتو ان جیسے دیگر سنتوں کو سامنے رکھ کر اس سے اس مسئلے کو استنباط کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔مسترشد: رشد سے مشتق ہے۔رہنمائی طلب کرنا۔ولی الارشاد: رہنمائی کا ولی، رہنمائی کا مالک۔

ترجمہ: ٦ شروع کے استنباط کرنے والوں کو اللہ نے خاص توفیق دی کہ انہوں نے ہر بڑے چھوٹے مسئلوں کو وضع کیا۔

تشریح :۔مصنف یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پہلی صدی کے اماموں نے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن بعد میں نئے نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں انکا شمار ناممکن ہے اسلئے اسکے لئے اصول کا متعین کرنا ضروری ہے اور اسکے لئے کتاب لکھنا ضروری ہے۔

لغت : اوائل : اول کی جمع ہے یہاں مراد ہے شروع کے لوگ۔ائمہ کی وہ جماعت جنہوں نے مسائل مستنبط کئے .مستنبطین : نبط سے مشتق ہے باب ستفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔کنوئیں سے پانی نکالنے والے، مسئلے کے استنباط کرنے والے۔
وضعوامسائل : مسئلوں کو بنایا، مسئلوں کو رکھا۔جلی :جلی کا ترجمہ ہے، واضح، بڑے بڑے مسئلے .دقیق: باریک اور جزئیاتی مسئلے۔یعنی اس زمانے کے ائمہ نے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے مسئلوں کا استنباط فرمایا۔

ترجمہ: ٧ علاوہ یہ کہ پیش آمدہ واقعات پیدر پے واقع ہورہے ہیں۔اور پیش آمدہ مسائل کو ایک موضوع کی ڈوری میں باندھنا مشکل ہے۔

تشریح : مصنف پر اشکال ہوا کہ ائمہ نے بڑے چھوٹے مسئلے وضع کردئے تو آپ کیوں کتاب لکھ رہے ہیں؟ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ نئے نئے مسئلے پیدا ہورہے ہیں اسلئے انکو پرانے مسئلوں تک محدود رکھنا مشکل ہے اسلئے کتاب لکھ کر نئے مسئلوں کا راستہ ہموار کررہا ہوں۔

لغت :. حوادث : حادثة کی جمع ہے نئے پیدا ہونے والے مسائل۔متعاقبة : عقب سے مشتق ہے یکے بعد دیگرے آنے والے مسائل.نوازل : نازلة کی جمع ہے اترنے والی چیز۔یہاں مراد ہے نئے آنے والے مسائل۔نطاق: کمر بند۔نطاق الموضوع : موضوع کی ڈوری۔یہاں مراد ہے کہ چند موضوعات کی ڈوری میں آنے والے تمام مسائل کو باندھنا مشکل تھا۔

ترجمہ:(٨)وحشی جانوروں کی طرح نامانوس مسائل کو اقتباس کرکے گھاٹیوں سے شکار کرنا مشکل کام ہے۔

۹ والاعتبار بالامثال من صنعة الرجال **۱۰** وبالوقوف على الماخذ يعض عليها بالنواجذ **۱۱** وقدجرى علىّ الموعدفي مبدأ بداية المبتدى ان اشرحها، بتوفيق الله تعالى، شرحا ارسمها بكفاية المنتهى

تشریح : نامانوس مسائل کوقیاس کر کے استنباط کرنا، وحشی جانوروں کوگھاٹیوں سے شکار کرنے کی طرح مشکل ہے۔ یہاں نامانوس مسائل کووحشی جانور سے تشبیہ دی ہے اوراسکو استنباط کرنے کوگھاٹیوں سے شکار کرنے سے تشبیہ دی ہے۔

لغت: اقتناص : قنص سے مشتق ہے شکار کرنا۔ شوارد: شاردۃ کی جمع ہے، وحشی جانور۔ یہاں مراد ہے نامانوس مسائل۔ اقتباس: قبس سے مشتق ہے آگ کا شعلہ لینا۔ باب افتعال میں جانے کے بعد اسکا ترجمہ ہے علم سے استفادہ کرنا، کسی اصول پر قیاس کرنا ،اوراس سے نئے مسائل کا استنباط کرنا۔ موارد: ورد سے اسم ظرف ہے آنے کی جگہ، پانی پینے کا گھاٹ۔ یہاں مراد ہے مسائل کے اصول۔

ترجمہ: **۹** اور مثالوں سے اسکا اعتبار کرنا بڑے بڑے مردوں کا کام ہے۔

تشریح : نیا مسئلہ سامنے آیا ہواسکو پچھلے مسئلے کے مثل پر قیاس کر کے حکم نافذ کرنا بڑے بڑے مردوں یعنی بڑے بڑے ائمہ کرام کا کام ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔

لغت:. اعتبار : عبرۃ سے مشتق ہے۔ قیاس کرنا، اوراعتبار کرنا۔ امثال: مثل کی جمع ہے۔ مثالیں . صنعۃ: کاریگری، کام۔ رجال: یہاں مراد ہے بڑے قسم کے آدمی۔

ترجمہ: **۱۰** اوردانتوں سے پکڑے جانے والے ماخذ پر واقفیت حاصل کرنا مردوں کا کام ہے۔

تشریح : شریعت کے ایسے اصول اورایسے مآخذ جواتنے مشکل ہوں جیسے دانتوں سے پکڑنے کے بعد قابو میں رہتے ہوں ان اصولوں پر قابو پانا بڑے بڑے مردوں کا کام ہے۔ عام آدمی کا کام نہیں۔

لغت :. ماخذ : اخذ سے مشتق ہے پکڑنے کی چیز۔ یہاں شریعت کے اصول مراد ہے۔ یعض : دانت سے کاٹنا۔ نواجذ: ناجذ کی جمع ہے، داڑھ کا دانت۔ عض بالنواجذ: داڑھ کے دانتوں سے پکڑنا۔ یہ محاورہ ہے۔ کسی چیز کوسختی سے پکڑنا ہوتواس کودانت سے پکڑتے ہیں اسی طرح کسی مشکل کام کو کرنے کو دانت سے پکڑنا کہا ہے۔..... یہاں ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مشکل اصولوں پر واقفیت حاصل کرنا بڑے بڑے ائمہ کا کام ہے اسلئے عام لوگوں کے لئے مجھے اچھی کتاب لکھنی پڑی۔

ترجمہ : **۱۱** کتاب، بدایۃ المبتدی، کے شروع میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں اللہ کی توفیق سے اسکی شرح کرونگا جسکا نام، کفایۃ المنتھی ،رکھونگا۔ چنانچہ میں نے اسکوشروع کردیا۔ اوروعدے میں کچھ گنجائش تو ہوتی ہی ہے۔ پھر جب اس سے فارغ ہونے کے قریب ہواتو مجھے پتہ چلا کہ اس شرح میں کچھ طوالت ہوگئی ہے۔ اور مجھے کھٹکا لگا کہ لمبی شرح کی وجہ سے کتاب (بداية المبتدی) ہی نہ چھوڑ دیں۔ پھر دوسری شرح لکھنے کی طرف توجہ کی جسکا نام ،ھدایہ، ہے۔

فشرعته فيه، و الوعد يسّوغ بعض المساغ، و حين اكاد اتكأ اتكاء الفراغ تبينت فيه نبذاً من الاطناب، و خشيت ان يهجر لاجله الكتاب فصرفت عنان العناية الى شرح آخر موسوم، بالهداية.

۱۲اجمع فيه بتوفيق الله تعالى بين عيون الرواية، ومتون الدراية تاركا للزوائد فى كل باب معرضاًعن هذا النوع من الاسهاب مع ماانه يشتمل على اصول ينسحب عليها فصول

تشریح : مصنف ھدایہ نے فقہ میں متن کی کتاب لکھی جس میں اہمیت کے ساتھ قدوری کے مسئلے کو لیا اور جہاں مسئلے نہ مل سکے وہاں امام محمد کی کتاب جامع صغیر سے مسئلے لئے اور دونوں کو ملا کر کتاب بدایۃ المبتدی تصنیف کی۔اسکے دیباچہ میں وعدہ کیا کہ میں اسکی شرح بھی لکھونگا۔چنانچہ اسی 80 جلدوں میں اسکی شرح لکھی اور اسکا نام، کفایۃ المنتھی، رکھا۔شرح سے فراغت کے قریب پہنچے تو محسوس ہوا کہ کتاب اتنی لمبی ہوگئی ہے کہ اسکو کوئی نہیں پڑھے گا۔اور کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اصل کتاب، بدایۃ المبتدی، ہی کو نہ چھوڑ دیں اسلئے بدایۃ المبتدی کی دوسری شرح مختصر لکھی جسکا نام،ھدایہ،رکھا جو آپکے ہاتھ میں ہے۔اوپر کی عبارت میں یہی بات کہہ رہے ہیں۔

لغت :. الموعد :وعد سے مشتق ہے۔مبدأ:شروع میں۔ارسم : رسم سے مشتق ہے،لکھنا۔یہاں ترجمہ ہے میں اسکا نام رکھونگا.فشرعت فيه :اسکا ترجمہ ہے، میں نے کفایۃ المنتھی ،کولکھنا شروع کردیا۔یسوغ:باب تفعیل سے، جائز ہونا۔اسی سے ہے مساغ:گنجائش۔عبارت کا مطلب ہے کہ وعدہ میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کر لینے کے بعد اس کام کو کرنا جائز ہوجاتا ہے۔اس لئے وعدے کے مطابق میں نے اسکی شرح لکھنا شروع کردی۔الوعد يسوغ بعض المساغ . جملہ معترضہ ہے اكاد:قریب تھا۔اتكأ : وكأ سے مشتق ہے۔تکیہ لگانا۔اوراتكأ عنه کا ترجمہ ہے اس سے تکیہ اٹھالینا ۔اكاد اتكأ عنه اتكأ الفراغ : کا مطلب ہے کہ میں اس شرح سے فارغ ہونے کے قریب تھا۔تبینت: بین سے مشتق ہے ۔میرے سامنے واضح ہوگیا۔ نبذاً:اسکا ترجمہ ہے تھوڑا سا۔اطناب:کسی نکتے کی وجہ سے بات لمبی ہوجائے اسکو اطناب کہتے ہیں ۔خشيت : خشى سے مشتق ہے۔مجھے ڈرہوا.يهجر : هجر سے مشتق ہے چھوڑ دینا۔الکتاب:سے مراد بدایۃ المبتدی، ہے .عنان :لگام کی رسی۔عنان العنایۃ کا ترجمہ ہے توجہ کی رسی۔یعنی میں نے اسکی طرف توجہ کی۔موسوم : سمى:سے مشتق ہے،جسکا نام ھدایہ رکھا گیا ہے۔

ترجمه : ۱۲ اللہ کی توفیق سے میں اس میں عمدہ روایت اور مضبوط دلائل عقلیہ جمع کررہا ہوں۔اس کے ہر باب میں زوائد چھوڑنے کا ارادہ ہے اور اس قسم کی طول بیانی سے اعراض کرنے کی نیت ہے۔تاہم ایسے اصول پر شامل ہوگی جن پر فروع متفرع ہو نگے۔

۱۳؎ واسأل الله تعالى ان يوفقني لاتمامها،ويختم لي بالسعادة بعداختتامها ۱۴؎ حتى ان من سمت همته الى مزيدالوقوف يرغب في الاطول والاكبرومن اعجله الوقت عنه يقتصرعلى الاصغروالاقصر.وللناس فيمايعشقون مذاهب.والفن خير كله. ۱۵؎ ثم سألني بعض اخواني ان املي عليهم المجموع الثاني، فافتتحته مستعينا بالله تعالى في تحرير ما اقاوله متضرعا

تشریح : فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اتنی لمبی نہیں کرونگا تاہم اس میں احادیث اور قرآن کے مضبوط دلائل ہونگے ،اور دلیل عقلی بھی ہوگی،اور ایسے اصول ہونگے جن پر بہت سے جزئیاتی مسائل متفرع ہوسکیں گے۔البتہ لمبی باتیں اور زائد باتیں نہیں ہونگی۔

لغت :. عیون : عین کی جمع ہے۔آنکھ،یہاں عمدہ اور مضبوط روایت مراد ہے۔الروایۃ : روایت سے مراد حدیث اور قرآن ہیں۔متون : متن کی مع ہے، پیٹھ، یہاں،مضبوط،مراد ہے ۔الدرایۃ : دری،یدری سے مشتق ہے۔جاننا۔یہاں مراد ہے عقلی دلائل .متون الدرایۃ کا ترجمہ ہے مضبوط عقلی دلائل.معرضا : اعراض کرتے ہوئے۔اسھاب : سھب سے مشتق ہے۔لمبی گفتگو،لمبی بات ۔ینسحب:سحب سے مشتق ہے . گھسیٹھنا،متفرع کرنا۔یعنی ان اصولوں پر جزئیات متفرع ہوسکتے ہوں۔فصول:فصل کی جمع ہے۔یہ باب سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس میں ایک قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۱۳؎ اللہ تعالیٰ سے اسکو پورا کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔اور اسکے ختم ہونے کے بعد میرا بھی خاتمہ بالخیر ہو۔

لغت :.السعادۃ : نیک بختی۔یہاں مراد ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔

ترجمہ: ۱۴؎ یہاں تک کہ جسکی ہمت زیادہ واقفیت کی طرف بلند ہوانکو لمبی اور بڑی شرح کی طرف رغبت کرنی چاہئے ۔اور جنکو وقت کی تنگی ہو وہ چھوٹے اور مختصر کی طرف توجہ دیں۔اور لوگوں کی پسند مختلف ہیں۔اور دونوں فن ہی خیر ہیں۔

تشریح :جنکو گہری واقفیت کی ہمت ہو وہ میری لمبی شرح، کفایۃ المنتھی دیکھیں۔اور جنکے پاس وقت کم ہو وہ میری مختصر شرح ،ھدایہ، دیکھیں۔دونوں طریقے ہی خیر کی چیز ہیں البتہ ہر ایک کی پسند الگ الگ ہیں۔جنکو جو شرح پسند ہو اسکو دیکھ لیں۔

لغت :..سمت : سمو سے مشتق ہے ۔بلند ہونا۔اعجلہ الوقت :جسکو وقت جلدی کرے۔یعنی جسکے پاس وقت کم ہو .یقتصر : قصر سے مشتق ہے۔اکتفاء کرے۔و للناس فیما یعشقون مذاھب :لوگ جن چیزوں سے عشق رکھتے ہیں انکے مختلف مذھب ہیں۔یہ شعر کا ایک ٹکڑا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کی پسند الگ الگ ہے۔

ترجمہ: ۱۵؎ پھر کیا تھا میرے بعض دوست بھی مجھسے مجموع ثانی یعنی ھدایہ لکھوانیکی درخواست کرنے لگے۔پس انکی درخواست کے مطابق اللہ کی مدد سے اسکا لکھنا شروع کر رہا ہوں۔

تشریح : جب میں نے ھدایہ لکھنے کا ارادہ کیا تو میرے کچھ دوست بھی اسکو لکھوانے کی درخواست کرنے لگے ۔چنانچہ اللہ کی

اليـه فی التيسير ما احاوله. ۱۶ ؎ انـه الـميسّـر لكل عسير، و هو على ما يشاء قدير، و بالاجابة جدير، و حسبنا الله، و نعم الوكيل.

مدد سے انکے کہنے کے مطابق لکھنا شروع کر دیا ہوں۔

لغت: املی : املاء سے مشتق ہے۔لکھوانا.افتتح : فتح سے مشتق ہے۔کھولنا،شروع کرنا۔اقاول:قول سے مشتق ہے۔جو کچھ ان لوگوں نے کہا۔یا جو کچھ ان لوگوں نے فرمائش کی۔

ترجمہ : ۱۶ ؎ جسکا میں ارادہ کرر ہاہوں اسکی آسانی کے لئے اللہ سے عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے ہوئے۔وہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔اور وہ جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے۔اور درخواستوں کی قبولیت اسکی شایان شان ہے۔ہمکو اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

تشریح :مصنف یہاں سے اپنی کتاب کی قبولیت کے لئے اللہ سے عاجزانہ درخواست کرر ہے ہیں۔کیونکہ وہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔اور دعا کو قبول کرنا اسکی شایان شان ہے۔فرماتے ہیں اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

لغت :. متضرعا : تضرع سے مشتق ہے عاجزانہ درخواست کرنا۔احاول: حول سے مشتق ہے۔ارادہ کرنا.میسّر : یسر کا اسم فاعل ہے۔آسان کرنے والا .عسیر :مشکل کام۔اجابۃ :قبول کرنا۔جدیر : جدر سے مشتق ہے۔لائق ہونا۔حسب: کافی ہونا۔نعم :بہترین۔الوکیل: کارساز۔

CLIPART\BOUQUET.jpg not found.

﴿كتاب الطهارات﴾

﴿كتاب الطهارات﴾

ضروری نوٹ : الطہارات: طہارۃ کی جمع ہے۔اور کتاب الطہا تات مرکب اضافی ناقص ہے۔اس لئے اس سے پہلے مبتدا یا اس کے آخر میں خبر محذوف ماننی پڑے گی۔مثلا ھذا کتاب الطھارۃ، یا کتاب الطھارۃ ھذا، یا کتاب الطہارۃ کو اقرء کا مفعول مانیں اور یوں عبارت رکھیں اقرءُ کتابَ الطھارۃ۔

طہارۃ کا ثبوت : آیت میں طہارت کا ثبوت ہے۔یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین، وان کنتم جنبا فاطھروا ۔آیت ۶،سورۃ المائدۃ ۵۔حدیث میں ہے الطھور شطر الایمان ،یہ بھی ہے مفتاح الصلوۃ الطھور ۔(ترمذی، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۶،نمبر ۳)

طہارۃ کو مقدم کرنے کی۔

وجوہ: (۱) عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے۔ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ (آیت ۳،سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے الصلوۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین. اسی لئے تمام مصنفین نے ابواب نماز کو مقدم کیا ہے۔اور نماز کی شرط طہارت ہے،بغیر طہارت کے نماز ادا نہیں ہوگی اس لئے کتاب الطہارۃ کو مقدم کیا۔(۲) حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔روزہ سال میں ایک ماہ فرض ہے۔لیکن نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔اس لئے اس کی ضرورت بار بار پڑتی ہے۔اور نماز کے لئے طہارت کی ضرورت پڑے گی تو طہارت کی ضرورت بھی دن میں پانچ بار پڑی۔اس لئے کثرت ضرورت کی بنا پر بھی طہارت کو پہلے ذکر کیا۔

لغوی تحقیق کتاب فِعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہیں۔جیسے لباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے۔اسی طرح کتاب بھی مکتوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کا معنی ہے لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ۔کتب کا معنی ہیں لکھنا۔کتاب میں بہت سے مسائل لکھے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے اس کو کتاب کہتے ہیں۔

نوٹ: فقہ کی کتابوں میں تین الفاظ ذکر کرتے ہیں۔(۱) کتاب (۲) باب (۳) فصل۔کتاب میں مختلف انواع اور اقسام کے مسائل مذکور ہوتے ہیں اور اس میں بعض مرتبہ کئی ابواب بھی شامل ہوتے ہیں۔گویا کہ وہ عام لفظ ہے۔باب میں ایک قسم کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔اور فصل میں ایک نوع کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

طھارات: طھارۃ، کی جمع ہے۔اور طھر ا سکا مصدر ہے اس کا معنی ہے طھارۃ اور پاکیزگی،اس کا الٹا ہے دنس۔شریعت میں

(ا) قال اللہ تعالیٰ : يأيها الذين اٰمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم و ايديكم الى المرافق وأمسحوا برؤسكم وأرجلكم الى الكعبين. ﴾ آیت ٦ ،سورۃ مائدۃ ۵

مخصوص اعضاء کے دھونے کو طہارت کہتے ہیں۔اس کا الٹا ہے حدث۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رفع حدث یا ازالۂ نجس کا نام طہارت ہے۔

نوٹ: پاک کرنے کو طَھارۃ بفتح ط، پاک کرنے کے بعد جو پانی باقی رہ جائے اس کو طُھارۃ ط کے ضمہ کے ساتھ۔اور پاک کرنے کا جو آلہ ہوتا ہے جیسے پانی اور مٹی اس کو طِھارۃ ط کے کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں۔پاک پانی نہ ہو تو مٹی پاک کرنے لئے چند شرائط کے ساتھ پانی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

نوٹ: اقسام طہارت : (ا) اعتقادات کی طہارت جیسے اللہ رسول اور قیامت کے ساتھ وہ اعتقاد رکھنا جو قرآن اور حدیث کے مطابق ہو (۲) مال کی طہارۃ جیسے مال کی زکوۃ دینا (۳) بدن کی طہارۃ جیسے وضو کرنا،غسل کرنا۔کپڑے کی طھارۃ جیسے کپڑے کو پاک کرنا۔چونکہ بہت سے طہارتوں کو بیان کرنا ہے اسلئے مصنفؒ نے طہارات جمع کا صیغہ لایا۔

ترجمہ : (ا) اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھولو اور ہاتھ کو کہنیو ں سمیت اور اپنے سر پر مسح کرلو۔اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو

وجہ: آیت کو شروع میں لکھنے کی وجہ یہ ہیں (الف) برکت لئے (ب) وضوء میں کتنے اعضاء دھوئے جائیں گے اس کا تذکرہ ہے۔تو گویا کہ آیت اعضاء وضوء دھونے کی دلیل ہوگئی۔آیت میں تین اعضاء دھونے اور ایک عضو کے مسح کرنے کا ذکر ہے (ا) چہرہ دھویا جائیگا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں گے (۳) پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گے اور سر پر مسح کیا جائے گا۔ ہر ایک عضو کی مقدار اور ان کی دلیلیں آگے آئیں گی۔یہ حدیث اعضائے وضو کیلئے جامع ہے۔ان حمران مولی عثمان اخبره انه رأى عثمان بن عفان دعا باناء ،فافرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ،ثم ادخل يمينه فى الاناء فمضمض و استنثر ثم غسل وجهه ثلاثا و يديه الى المرفقين ثلاث مرار ،ثم مسح برأسه ،ثم غسل رجليه ثلاث مرار الى الكعبين ،ثم قال : قال رسول الله ﷺ : من توضأ نحو وضوئى هذا ثم صلى ركعتين لايحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا،ص ۳۲ نمبر ۱۵۹ /ابوداود شریف، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ،ص ۲٦ نمبر ۱۰۸) اس حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ چہرہ دھویا ،پھر تین مرتبہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھویا، پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا، پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔اور فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کا وضوء ہے۔

لغت: اذا قمتم الى الصلوة جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اعضاء دھوؤ۔نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضو نہیں

کرتے بلکہ اس سے کچھ پہلے وضوء کرتے ہیں۔اس لئے آیت سے پہلے ایک قید بڑھانی ہوگی یعنی **اذا اردتم القیام الی الصلوۃ** ۔تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کروتو وضوء کرلو۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت پہلے سے وضوء ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک قیداور بھی بڑھانا ہوگی **اذا قمتم الی الصلوۃ و انتم محدثون** یعنی تم نماز کے لئے کھڑے ہواس حال میں کہ تم محدث ہوتو وضوء کرلواور محدث نہ ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔البتہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے۔

فاغسلوا : غسل غ کے فتحہ کے ساتھ کسی چیز پر پانی بہا کر میل کچیل دور کرنا،کسی چیز کو دھونا اور غسل غ کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے غسل سے۔ اسی کو مصنفؒ نے **الغسل ھو الاسالۃ**: کہا کہ پانی بہانے کا نام دھونا ہے۔اور ہاتھ پر پانی لگا ہوا ہواس سے عضوکو پونچھ لے تو اسکو مسح کرنا کہتے ہیں۔جسکو مصنف نے المسح ھوالاصابۃ ، کہا ہے۔

وجوہ : وجہ کی جمع ہے، چہرہ۔سر کے بال اگنے کی جگہ سے لیکر تھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں دونوں کانوں کے نرم حصہ تک کو چہرہ کہتے ہیں۔

وجہ : مواجہت سے مشتق ہے۔اور آدمی کسی کے سامنے آئے تو چہرے کا اتنا حصہ آنکھوں کے سامنے آتا ہےاس لئے اتنے حصے کو وجہ کہتے ہیں۔**مرافق** : مرفق کی جمع ہے، کہنی۔ **امسحوا** : مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔بھیگے ہوئے ہاتھ کوکسی عضو پر پھیرنا۔**وارجلکم** : رجل کی جمع ہے۔ارجلکم پر فتحہ ہوگا اور عطف وجوھکم پر ہوگا۔اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو دھوؤاور پاؤں کو بھی دھوؤ۔حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص کی قرأت میں یہی ہے۔اور قرآن کریم کے عام نسخوں میں لام پر فتحہ والی قرأت ہے۔جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے ورنہ وضوء نہیں ہوگا۔ان کے دلائل یہ ہیں (١) قرآن نے **وارجلکم الی الکعبین** کہا ہے۔اگر مسح کرنا فرض ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ٹخنوں تک کرو۔بلکہ رء وسکم کی طرح مطلق بیان کرتے۔کعبین کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ٹخنوں تک دھونا فرض ہے (٢) حضرت ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ **انی سمعت رسول اللہ ﷺ انہ یقول ویل للاعقاب من النار** (الف) (مسلم شریف، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا،ص ١٢٤ نمبر ٢٤٠ اور بخاری شریف، باب غسل الاعقاب ص ٢٨ نمبر ١٦٥) ایڑی پانی سے تر نہ ہوتو اس کو آگ چھوئے گی۔تو اگر پاؤں پر مسح کریں تو ایڑی پر پانی نہیں آئے گا جس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ کے قابل ہوگی۔اس لئے پاؤں پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا۔(٣) خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء فرمایا اور پاؤں کو دھویا۔**قال اتانا علی وقد صلی ثم غسل رجلہ الیمنی ثلاثا و رجلہ الیسری ثلاثا**۔(ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبیؐ ص ١٥ نمبر ١١١/١١٤)

ارجلکم : کی دوسری قرأت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔یہ قرأت مشہور نہیں ہے۔اس صورت میں ارجلکم کا عطف برء وسکم پر ہوگا۔اور مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرو۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف برء وسکم پر کرکے یہ مطلب لیا

(۲) ففرض الطهارة:غسل الاعضاء الثلاثة،و مسح الرأس.بهذاالنص﴾ ا و الغسل: هو الاسالة، والمسح:هو الاصابة.

جائے کہ پاؤں پر بھی مسح کروتو یہ اس وقت ہوگا جب کہ پاؤں میں موزہ ہوتو پاؤں پر مسح کرو۔اوراس قرأت سے موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت ہوگا یا صرف جوار اور قریب ہونے کی وجہ سے جر پڑھا جائے گا۔حکم کے اعتبار سے دھونا ہی ہے۔

رافضیوں کا مذہب ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرنا کافی سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں کہ وضوء سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضوء کرتے وقت صرف مسح کرتے ہیں۔ان کا استدلال یہی ہے کہ ارجلکم جر کے ساتھ اس کا عطف رءوسکم پر ہے اور سر کے مسح کی طرح پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔لیکن ان کا جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔اور معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث کو وہ کیوں نہیں مانتے ہیں۔

کعبین : کعب کا تثنیہ ہے۔ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ۔پاؤں میں دو جگہ ابھری ہوئی ہڈی ہے۔ایک قدم کے اوپر ہے جو صرف ایک ہی ہے۔اور دوسری جوڑ کے پاس ہے جو ہر پاؤں میں دو دو ہیں۔یہاں یہی مراد ہے۔کیوں کہ کعبین تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر پاؤں میں دو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہوں۔

ترجمہ:(۲) پس طہارت وضوء کے فرض تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے۔

وجہ: آیت میں گزر چکی ہے کہ تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا ہے۔اور بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ان تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔(۲) یہ حدیث گزر چکی ہے ان حمران مولی عثمان اخبره انه رأى عثمان بن عفان دعا بأناء فافرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ،ثم ادخل يمينه فى الاناء فمضمض و استنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ويديه الى المرفقين ثلاث مرار ،ثم مسح برأسه ،ثم غسل رجليه ثلاث مرار الى الكعبين ،ثم قال : قال رسول الله ﷺ : من توضأ نحو وضوئى هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۳۲ نمبر ۱۵۹/ابوداود شریف، باب صفة وضوء النبی ﷺ ص ۲۶ نمبر ۱۰۸) اس حدیث میں تینوں اعضاء کے دھونے کا ذکر ہے اور سر پر بھی مسح کرنے کا ذکر ہے۔

ترجمہ: ا غسل: دھونا پانی بہانے کو کہتے ہیں۔اور مسح: پونچھ دینے کو کہتے ہیں۔

تشریح : عضو پر اس طرح پانی بہائے کہ وہ ٹپکنے لگے اور پانی کے قطرات گرنے لگیں اسکو دھونا اور غسل کرنا کہتے ہیں۔اور اگر ہاتھ میں تھوڑا سا پانی ہو اس سے عضو کو پونچھ دیا اور پانی کا کوئی قطرہ بہہ کر نیچے نہیں گرا تو اسکو مسح کرنا کہتے ہیں۔

لغت : اسالة : سال ،يسيل سے مشتق ہے پانی کا بہنا۔اصابة : صاب ،يصيب سے مشتق ہے لگنا، پانی کا پہنچنا۔

۲؎ وحد الوجه من قصاص الشعر الی اسفل الذقن، و الی شحمتی الاذنین، لان المواجهة تقع بهذه الجملة، و هومشتق منها.(۳) و المرفقان، و الکعبان یدخلان فی الغسل عندنا، خلافا لزفر ؒ

ترجمه : ۲؎ اور چہرے کی حد بال کے اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک، اور دونوں کانوں کی دونوں لوتک، اسلئے کہ مواجہت (آمنے سامنے ہونا) اس مجموعہ سے واقع ہوتی ہے، اور لفظ وجہ، اسی مواجہت سے مشتق ہے۔

تشریح : چہرہ کہاں سے کہاں تک کو کہتے ہیں جسکو دھونا فرض ہے اسکی حد بتا رہے ہیں۔ سر کا بال جہاں سے اگنا بند ہوتا ہے وہاں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک، یہ لمبائی ہوئی اور ایک کان کی لو سے لیکر دوسرے کان کی لو تک۔ یہ چوڑائی ہوئی۔ اس درمیان کی پوری جگہ کو دھونا فرض ہے۔

وجه : (۱) کیونکہ آیت میں وجہ ہے جو مواجہت سے مشتق ہے، یعنی آمنے سامنے ہونا اور آمنے سامنے ہوتے وقت بال اگنے کی جگہ سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک۔ اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سامنے آتا ہے۔ اسلئے آیت کی وجہ سے اتنی جگہ تک دھونا فرض ہے۔ (۲) اتنی جگہ کی فرضیت کے لئے اس حدیث کے اشارے سے بھی استدلال کر سکتے ہیں. عن ابن عباس ؓ : انه توضأ فغسل وجهه ،اخذ غرفة من ماءٍ فمضمض بها و استنشق ، ثم اخذ غرفة من ماءٍ فجعل بها هکذا اضافها الی یده الاخریٰ ،فغسل بها وجهه ۔(بخاری شریف، باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ، ص ۳۰ نمبر ۱۴۰) اس حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوپر کی پوری جگہ کو دھویا ہو۔

لغت : قُصاص :قص سے مشتق ہے۔ سر پر جہاں سے بال اگنا ختم ہوتا ہے پیشانی کی اس جگہ کو قصاص کہتے ہیں. الذقن : ٹھوڑی. شحمة : چربی۔ شحمۃ الاذن : کان کی لو۔

ترجمه :(۳) دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونا فرض میں شامل ہیں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہے)

تشریح :۔ ہاتھ دھوتے وقت کہنیاں بھی ساتھ ہی دھونی ہوگی، اور پاؤں دھوتے وقت دونوں ٹخنے بھی ساتھ دھونے ہونگے۔ یہ چاروں عضو دھونے میں شامل ہیں۔ البتہ امام زفرؒ کے نزدیک یہ اعضاء دھونے میں شامل نہیں، وہاں کے قریب قریب تک دھولے تو کافی ہے۔

وجه :ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے دلائل یہ ہیں (۱) عن نعیم بن عبد الله المجمر قال رأیت ابا هریرة یتوضأ فغسل وجهه فأسبع الوضوء ثم غسل یده الیمنی حتی اشرع فی العضد ثم یده الیسری حتی اشرع فی العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله الیمنی حتی اشرع فی الساق ثم غسل رجله الیسری حتی

لے و هو يقول ان الغاية لا تدخل تحت المغيا، كالليل فى باب الصوم.

اشرع في الساق ثم قال هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وقال قال رسول الله ﷺ انتم الغر المحجلون يوم القيامة من اسباغ الوضوء ممن استطاع منكم فليطل غرته وتحجيله (الف)(مسلم شريف، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء، ص ۱۲۶ نمبر ۲۴۶) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے باز و اور پنڈلی کو وضوء میں دھویا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت میں مرافق اور کعبین دھونے میں داخل ہیں۔ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے...(۲) عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ اذا توضأ ادار الماء على مرفقيه (دار قطنی، باب وضوء رسول اللہ ﷺ، ج اول، ص ۸۶، نمبر ۲۶۸ / سنن للبیہقی، باب ادخال المرفقین فی الوضوء، ج اول، ص ۹۳، نمبر ۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں ....(۳) اثر میں اسکی مکمل صراحت ہے کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل ہیں۔ اثر یہ ہے۔ قلت لعطاء : . فاغسلوا وجوهكم وايديكمالى المرافق .فيما يغسل ؟قال : نعم ، لا شک فی ذالک ۔(مصنف عبدالرزاق، جلد اول، باب غسل الذراعين، ص ۵ نمبر ۱) اس اثر میں ہے کہ بلا شبہ مرفقین دھونے میں داخل ہیں ۔(۴) انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں اس لئے اگر کہنیوں کی قید نہ لگاتے تو مونڈھے تک دھونا فرض ہوتا اس لئے کہنیوں تک دھونے کے لئے کہا تو کہنیوں سے آگے ساقط ہو گیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عضو آگے کو ساقط کرنے کے لئے آئے وہ اس حکم میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے کہنی دھونے کے حکم میں داخل رہے گی۔ اس طرح رجل (پاؤں) ران تک کو کہتے ہیں۔ ٹخنہ تک کی قید لگا کر ٹخنہ سے اوپر کو ساقط کیا۔ لیکن خود ٹخنہ دھونے کے حکم میں داخل رہے گا۔

اصـــول: جنس ایک ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے ۔۲۔ جنس دو ہوں تو غایت مغیاء میں داخل نہیں ہوتا۔ جیسے روزے میں رات داخل نہیں۔

ترجمه: لے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ غایت مغیاء میں داخل نہیں ہوتی، جیسے روزے کے باب میں رات داخل نہیں ہوتی۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہیں۔ یعنی اگر کہنیوں اور ٹخنوں تک دھویا اور خود کہنیوں اور ٹخنوں کو نہیں دھویا تو وضوء ہو جائیگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ثم اتموا الصيام الى الليل ، آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲: روزے کو رات تک پورا کرو لیکن خود رات روزے میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح الی المرافق اور الی الکعبین میں۔ الی کے مابعد مرافق اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہونگے۔

لغت : غاية: جہاں تک کرنے کے لئے کہا اسکی انتہاء کو غایت کہتے ہیں، جیسے روزہ رات تک رکھنے کے لئے کہا تو رات غایت ہوئی، اور اس سے پہلے جو دن ہے اسکو مغیا، کہتے ہیں۔ انگلی سے لیکر کہنی تک مغیا ہوگا اور خود مرفق (کہنی) غایت ہے۔ اسی طرح

۲؂ و لنا: ان ھذہ الغایۃ لاسقاط ماورائھا، اذ لولاھا لأستوعبت الوظیفۃ الکل، و فی باب الصوم لمد الحکم الیھا، اذ الا سم یطلق علی الامساک ساعۃ. ۳؂ و الکعب ھو العظم الناتی، ھو الصحیح، و منہ الکاعب.

پاؤں کی انگلی سے لیکر کعب (ٹخنے) تک مغیا ہے اور خود ٹخنہ غایت ہے۔اب مسئلے کا حاصل یہ ہوگا کہ کہنی اور ٹخنہ جو غایت ہیں وہ دھونے میں داخل نہیں ہیں۔

(**نوٹ**) حضرت امام زفرؒ نے دلیل عقلی پیش کی ہے تاہم تلاش کے باوجود اسکے لئے مجھے کوئی حدیث یا اثر نہیں ملا، واللہ اعلم۔

ترجمہ: ۲؂ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ غایت مابعد کو ساقط کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ یہ اسقاط نہ ہوتا تو دھونا کل ہاتھ اور پاؤں کو گھیر لیتا۔اور روزے کے باب میں حکم کو رات تک کھینچنے کے لئے ہے اسلئے کہ روزے کا نام ایک گھنٹہ رکنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں سے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ہے۔فرماتے ہیں کہ انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں۔اسلئے اگر آیت میں الی المرافق کی قید نہ ہوتی تو انگلی سے مونڈھے تک دھونا پڑتا۔اسلئے الی المرافق کہہ کر کہنی سے اوپر کا حصہ دھونے سے ساقط کر دیا ،البتہ خود کہنی دھونے میں شامل رہے گی۔(اسکو غایت اسقاط، کہتے ہیں) اور روزے کا حال یہ ہے کہ ایک گھنٹے کے روزے کو بھی روزہ کہتے ہیں اسلئے اگر الی اللیل نہ کہتے تو دن بھر کا روزہ نہ ہوتا۔صبح ہی روزہ ختم ہو جاتا۔اسلئے الی اللیل کہا تو روزے کو صبح سے لیکر شام تک کھینچ دیا۔اور شام ہوتے ہی روزہ ختم ہو گیا۔رات روزے میں داخل ہی نہیں ہے۔اسلئے یہاں الی اللیل روزے کو رات تک کھینچنے کے لئے ہے۔اسلئے الی کے مابعد جو اللیل ہے وہ روزے میں داخل نہیں ہوگا۔(اسکو غایت اثبات کہتے ہیں)

لغت: ..ماوراء: جو اسکے بعد ہو جیسے کہنی سے لیکر مونڈھے تک کی جگہ۔استوعب: وعب سے مشتق ہے۔سب کو گھیر لے۔الوظیفۃ: روزانہ کا مقرر کام۔یہاں مراد ہے وضو میں دھونا۔الاسم: نام۔یہاں مراد ہے روزہ۔جو ایک گھنٹے پر بھی بولا جاتا ہے۔امساک: رکنا۔ساعۃ: ایک گھنٹہ، ایک گھڑی۔

ترجمہ: ۳؂ اور کعب: پیر میں ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں۔یہی صحیح ہے۔اور اسی لفظ سے کاعب: (ابھری ہوئی پستان والی) آتا ہے۔

تشریح: کعب کا ترجمہ ہے ابھرا ہوا ہونا، یا پستان کا ابھرنا۔آیت میں کعبین کا مطلب ہوگا ہر پیر میں دو ابھری ہوئی ہڈیاں جو ایڑی سے اوپر ہوتی ہیں۔جسکو ٹخنہ، کہتے ہیں یہی صحیح ہے۔اسی سے آتا ہے کاعب: ابھری ہوئی پستان والی عورت۔۔امام محمدؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ پاؤں کے پنجے پر جو ایک ہڈی ابھری ہوئی ہے وہ کعب سے مراد ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ ہڈی ایک ہی ہے اور آیت میں کعبین تثنیہ کا صیغہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہر پاؤں میں دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہونی چاہئے۔اسلئے وہ مراد نہیں

(۴) قال [القدوری]و المفروض فی مسح الرأس مقدار الناصية :و هو ربع الرأس، لماروی المغيرة بن شعبةؓ ان النبی ﷺ اتی سباطة قوم فبال، و توضأ، و مسح علی ناصيته، و خفيه. ﴾ ۱ و الكتاب مجمل فالتحق بيانا به

ہوسکتی۔

لغت :. کعوبا :پستان کا ابھرنا. ناتی :ابھراہوا ۔

ترجمہ :(۴)اورفرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہےاور وہ چوتھائی سر ہے۔کیونکہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور پیشاب کیااور وضوء فرمایااور پیشانی پر مسح فرمایااور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

ترجمہ : ۱ آیت میں سر پر مسح کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ تفصیل مذکور نہیں ہے کہ سر کے کتنے حصے پر مسح کرنا فرض ہے۔ چوتھائی سر ،یا پورا سر، یا سر کا کچھ حصہ؟ تو متن میں فرمایا کہ حدیث سے کم سے کم مقدار کا جو پتہ چلتا ہے وہ پیشانی کی مقدار ہے جو سر کی چوتھائی حصے کے قریب قریب ہے۔

وجہ: مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث متن میں مذکور ہے جسکی عبارت مسلم شریف میں یہ ہے عن عروة بن المغيرة بن شعبة ،عن ابيه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضى حاجته .....ومسح بناصيته ،و على العمامة ،و على خفيه ، (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ ،والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۶۳۳/۲۷۴ ،ابوداود شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی کے قریب جو بال ہے آپؐ نے اس پر مسح فرمایااور وہ چوتھائی سر کی مقدار ہے اسلئے چوتھائی سر پر مسح کرنا فرض ہوگا۔...(۲) اس کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا جو چوتھائی سر ہوتا ہے۔حدیث یہ ہے عن ابن المغيرة عن ابيه : ان نبی الله ﷺ مسح علی الخفين ،و مقدم رأسه ، و علی عمامته. (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ص ۱۳۴ نمبر ۶۳۴/۲۷۴ /ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ،ص ۲۲،نمبر ۱۴۷) جب سر کے صرف اگلے حصے پر مسح کیا تو پتہ یہ چلا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔کیونکہ پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو صرف پیشانی کی مقدار یا اگلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہوتا۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر اور پیشانی کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہے۔

(۲) آیت میں سر کا مسح کرنا فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے آیت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔آیت اس بارے میں مجمل ہے۔اب حدیث نے اس کی تفسیر کی ہے کہ کم سے کم مقدار پیشانی کے برابر ہے۔اس سے کم مقدار کا کسی حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے۔اس لئے کم سے کم یہ مقدار فرض ہوگی (۳) ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔حج کے موقع پر احرام کی حالت

۲ وهو حجة على الشافعیؒ فی التقدير بثلث شعرات. ۳ و علی مالکؒ فی اشتراط الاستيعاب.

میں چوتھائی سرمنڈوادے تو دم لازم ہوتا ہے۔جس طرح پورے سرمنڈوانے سے دم لازم ہوتا ہے۔تو ان مقامات پر چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اسی طرح سر کے مسح میں بھی چوتھائی پورے سر کے قائم مقام ہوگا(۴) قاعدہ یہ ہے کہ ب حرف جر آلہ پر داخل ہو تو اس کا بعض مراد ہوگا اور محل کا کل، اور محل پر داخل ہو تو محل کا بعض مراد ہوگا۔یہاں ب سر محل پر داخل ہے اس لئے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا کافی ہوگا۔کتاب یعنی آیت مجمل ہے اور حدیث اسکا بیان ۔اسلئے حدیث کی بناء پر چوتھائی سر سے کم پر مسح جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۲ اور یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے تین بالوں کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک چند بال پر مسح کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کی ''کتاب الام'' میں عبارت اس طرح ہے: **قال الشافعیؒ اذا مسح الرجل بأی رأسه شائان کان لا شعر علیها ،و بأشعر رأسه شاء ،بـاصبـع واحـدة ،او بعض اصبع** ،(کتاب الام، باب مسح الرأس، ج اول، ص ۱۱۱ نمبر ۳۹۰) کہ کوئی بال بھی چھولے تو مسح ہو جائے گا۔

وجہ :وہ فرماتے ہیں کہ ''مسلم شریف'' کی حدیث تھی کہ پیشانی کے بال پر اور عمامے پر مسح فرمایا تو ظاہر ہے کہ کچھ بال ہی تھے جن پر مسح فرمایا چوتھائی سر تو نہیں ہو سکتا ہے اسلئے سر کے کچھ حصے پر مسح کر لینے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہوگا۔حدیث کی عبارت یہ تھی **و مسح بنـاصيتـه و علـى العمامة** . (مسلم نمبر ۶۳۳ /ابو داود نمبر ۱۵۰) ہمارے جواب کا حاصل یہ ہے کہ پیشانی پر مسح اور سر کے اگلے حصے پر مسح والی دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دو بال کو مسح نہیں کہا جائے گا بلکہ مسح یعنی پونچھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ سر کا کچھ اہم حصہ ہونا چاہئے جو چوتھائی کے قریب ہے۔

ترجمہ: ۳ اور امام مالکؒ پر حجت ہے پورے سر کو گھیرنے کی شرط لگانے میں۔

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پورے سر پر مسح کرنا ثابت ہے۔وہ یہ ہیں۔**عـن عبـد الـلـه بـن زیدؓ...ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما و ادبر بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذى بدا منه** ۔ (بخاری شریف، باب مسح الرأس کلہ، ص ۳۱ نمبر ۱۸۵ /ابو داود شریف، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ، ص ۱۶ نمبر ۱۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر پر مسح کرنا ضروری ہے تب ہی تو آپؐ نے پورے سر پر مسح فرمایا۔

ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث سنیت پر محمول ہیں۔اور ہم بھی ایک مرتبہ پورے سر پر مسح کرنا سنت قرار دیتے ہیں۔اگر

۴ وفی بعض الروایات قدرہ بعض اصحابنا بثلث اصابع الید لانہا اکثر ما ھو الاصل فی آلۃ المسح

پورے سر پر مسح کرنا فرض ہوتا تو آپؐ صرف پیشانی کی مقدار پر کبھی اکتفاء نہ کرتے۔ صرف پیشانی کی مقدار پر اکتفاء کرنا دلیل ہے کہ اتنے ہی سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴ اور بعض روایت میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کے تین انگلی کی مقدار اسکی تعین کی، اسلئے کہ مسح کے آلے میں وہ اصل ہے اور تین انگلیوں کا اکثر ہے۔

تشریح:۔ ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کرلیا تو مسح ہو جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ مسح کرنے کا آلہ ہے، جس سے مسح کرتے ہیں۔ اور ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں، اور تین انگلیاں ان میں سے اکثر ہیں اسلئے تین انگلیوں سے مسح کرلیا تو اکثر آلے سے مسح کرلیا، تو للاکثر حکم الکل کے تحت گویا کہ کل ہاتھ سے مسح کرلیا اسلئے اس سے مسح کافی ہو جائے گا ۔(۲) تین انگلیوں سے مسح کرنے میں پیشانی کی مقدار مسح ہو جائے گا اسلئے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اسلئے کافی ہوگا۔

لغت: الناصیۃ : پیشانی یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے کیوں کہ صرف پیشانی پر مسح کرنے سے کسی کے یہاں مسح ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے ہیں اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔ ان سے ایک سو چھتیس 136 حدیثیں مروی ہیں۔ سباطۃ : کوڑا، کچرا پھینکنے کی جگہ۔ بال : پیشاب کیا۔ التقدیر: قدر سے مشتق ہے اندازہ کرنا۔ الاستیعاب: گھیرنا۔ آلۃ المسح : مسح کرنے کا آلہ، اس سے مراد ہاتھ ہے۔

not found.

﴿ سنن الطهارة ﴾

(۵)قال:(القدوری) وسنن الطهارة (٦) غسل اليدين قبل ادخالهما الاناء اذااستيقظ المتوضی من نومه﴾

لِ لقوله عليه السلام: اذا استيقظ احدكم من منامه فلا يغمسن يده فی الاناء حتی يغسلها ثلاثا فانه لايدری اين باتت يده،

﴿ سنن الطهارة ﴾

ترجمه :(۵) سنن الطهارة : طہارت کی سنتیں۔طریقہ یا راستہ کوسنت کہتے ہیں۔شریعت میں جس کام پر عبادت کے طور پر حضور ﷺ نے ہیشگی کی ہو اور کبھی کبھی چھوڑا ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔اگر عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کسی کام پر آپ نے ہیشگی کی ہو تو وہ کام مستحب ہوگا۔جیسے دائیں جانب سے کسی اچھے کام کو شروع کرنا مستحب ہے۔

ترجمه :(٦) وضوء کی سنتیں: دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہوا ہو۔

تشریح: کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا ہو اور وضو یا غسل کرنا چاہتا ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لینا چاہئے ، یہ سنت ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ نجاست کی جگہ پر گیا ہو اور ہاتھ پر ناپاکی موجود ہو اور وضو کرنے والے کو اسکا پتہ نہ ہو۔اب اس ہاتھ کو پانی میں ڈالے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے۔اگر ہاتھ پر ناپاکی ہونے کا ظن غالب ہو تو دھونا ضروری ہے۔اور صرف شک ہو تو دھونا سنت ہے۔

ترجمه : لِ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ اسکو تین مرتبہ نہ دھو ڈالے اسلئے کہ اسکو معلوم نہیں ہے کہ ہاتھ کہاں کہاں گیا ہے۔

وجه: اس کے سنت ہونے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جسکی عبارت اس طرح ہے۔عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده فی الاناء حتی يغسلها ثلاثا فانه لايدری اين باتت يده (الف) (مسلم شریف، باب کراھیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳٦ نمبر ۶۴۳/۲۷۸ ۔ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا تغمسن یدہ فی الاناء حتی تغسلھا ثلاثا ص ۱۳ نمبر ۲۴) پانی دست یاب نہ ہونے کی وجہ سے اہل عرب پیشاب اور پیخانہ صاف کرنے کیلئے ڈھیلا استعمال کرتے تھے اسلئے اگر نیند میں پسینہ والا ہاتھ وہاں چلا جائے تو ہاتھ کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہے اسلئے فرمایا کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضوء سے پہلے ہاتھ ضرور دھولیا کرے۔مصنف نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا سنت لکھا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے بیدار نہ ہو تب بھی وضو کرنے

۲ ولان الید آلة التطهیر فتسن البداية بتنظيفها ۳ هذا الغسل الى الرسغ لوقوع الكفاية به فی التنظیف. (۷) قال (القدوری) و تسمية الله تعالى فی ابتداء الوضوء ۱ لقوله عليه السلام: لاوضوء لمن لم یسم، ۲ والمراد به نفی الفضيلة،

والے کے لئے ہاتھ دھونا سنت ہے ۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے بھی کہ ہاتھ پاک کرنے کا آلہ ہے اسلئے اسکو ہی پہلے صاف کرنا سنت ہوگی۔

تشریح: ہاتھ سے پانی لیکر دوسرے عضو کو دھوتے ہیں اسلئے پہلے ہاتھ ہی کو پاک کرنا چاہئے ورنہ تو ناپاک ہاتھ پانی کو ناپاک کردے گا تو دوسرے اعضاء پر وہ پانی کیسے ڈالیں گے اسلئے پہلے ہاتھ کو پاک کرنا سنت ہے۔۔ یہ صاحب ھدایہ دلیل عقلی پیش کر رہے ہیں۔

ترجمہ: ۳ اور یہ دھونا پہنچے تک ہے کیونکہ اتنا ہی پاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

تشریح: حدیث میں ہاتھ کا لفظ ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شروع میں پورا ہاتھ دھونا ضروری ہوا اسلئے مصنف نے شبہ دور کیا کہ یہاں ہاتھ سے پورا ہاتھ مراد نہیں ہے بلکہ گٹے تک ہی ضروری ہے کیونکہ برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالنا ہو تو گٹے تک ہی ہاتھ پانی میں جاتا ہے اسلئے گٹے تک ہی دھونا ضروری ہے ۔

لغت: الاناء : برتن، استیقظ : بیدار ہوا، نوم : نیند. یغمس : برتن میں ہاتھ ڈالنا۔ باتت: رات گزارنا، یہاں مراد ہے سوئے ہوئے میں ہاتھ کا نجاست کی جگہ پر چلا جانا۔ البدایة: شروع کرنا۔ تنظیف : نظف سے مشتق ہے پاک صاف کرنا .الرسغ :ہاتھ کا گٹا۔ ہاتھ کا پہنچا۔

ترجمہ:(۷)[دوسری سنت] وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

ترجمہ :۱ متن کی حدیث میں ہے کہ جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں ہے۔ اسکی اصل عبارت اسطرح ہے۔ ابی سفیان بن حویطب عن جدتة عن ابیها قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله علیه (ترمذی شریف، باب فی التسمیۃ عند الوضوء ص ۱۳ نمبر ۲۵ /ابوداؤد شریف، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۱۰۱) حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہی نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے مراد ہے کہ وضوء تو ہو جائے گا لیکن ثواب نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۲ اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے

تشریح: حدیث کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوگا ہی نہیں۔ لیکن مصنف اسکی تاویل کرتے ہیں کہ وضوء تو ہو جائے گا لیکن فضیلت نہیں ملے گی۔ جسکو حدیث میں فرمایا کہ گویا کہ اسکا وضوء ہی نہیں ہوا۔ جس طرح دوسری حدیث میں ہے لا

۳؎ والاصح انها مستحبة، وان سماها فی الکتاب سنة، ۴؎ ویسمی قبل الاستنجاء، وبعده، هو الصحیح

صلوة لجار المسجد الا فی المسجد : کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔حالانکہ سب ائمہ فرماتے ہیں کہ نماز ہوجاتی ہے البتہ پوری فضیلت والی نہیں ہوتی ،اسی طرح یہاں بھی بغیر بسم اللہ کے وضوء فضیلت والا نہیں ہوگا۔

وجہ : اثر میں ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء کرلیا تو وضوء ہوجائے گا البتہ ثواب نہیں ملے گا۔اثر یہ ہے عن الحسن قال : یسمی اذا توضأ ،فان لم یفعل اجزأہ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، ج اول، باب فی التسمیۃ فی الوضوء، ص۱۲ نمبر ۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔اصح یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اگر چہ قدوریؒ نے اسکو سنت فرمایا ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے اوپر کی حدیث۔لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ۔کی وجہ سے بسم اللہ پڑھنا سنت فرمایا۔لیکن صاحب ھدایۃ دوسری حدیث کی بناء پر مستحب فرماتے ہیں۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ ﷺ : من توضأ وذکر اسم اللہ یطھر جسدہ کلہ ،و من توضأ ولم یذکر اسم اللہ لم یطھر الا موضع الوضوء۔(دار قطنی ج اول، باب التسمیۃ علی الوضوء، ص ۶۷ نمبر ۲۲۹ رسنن بیہقی ج اول، باب التسمیۃ علی الوضوء، ص ۷۴ نمبر ۲۰۰ ر، مصنف ابن ابی شیبۃ ، ج اول نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ بسم اللہ پڑھے گا تو پورا جسم پاک ہوجائیگا اور بسم اللہ نہیں پڑھے گا تو صرف اعضاء وضوء پاک ہونگے پورا جسم پاک نہیں ہوگا اس سے اشارہ ملتا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ: اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ جان کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو لوٹائے گا اور بھول کر یا حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو ہوجائیگا ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔جس میں ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوگا ہی نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ بسم اللہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے اور بعد میں بھی پڑھ سکتا ہے۔یہی صحیح ہے۔

تشریح: وضوء سے پہلے پیشاب اور پاخانہ کی صفائی کے لئے استنجاء کرتے ہیں۔اسکے بعد وضوء کرتے ہیں۔حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھ لیگا تب بھی کافی ہو جائے گا ،اور ثواب مل جائے گا۔یہی صحیح ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ استنجاء کرنا بھی وضوہی کے لئے ہی ہے اس لئے استنجاء سے پہلے بسم اللہ پڑھے گا تب بھی کافی ہوجائے گا۔

لغت : تسمیۃ: سمی کا مصدر ہے، بسم اللہ پڑھنا۔الاستنجاء: نجا، ینجو، نجاۃ سے باب استفعال کا مصدر ہے پاخانہ پیشاب کرنے کے بعد دھونا یا ڈھیلے سے پوچھنا۔

(٨) و السواک ﴾ ١؎ لانه السلام کان یواظب علیه ٢؎ وعندفقده یعالج بالاصبع، لانه ﷺ فعل کذالک (٩) والمضمضة، والاستنشاق ﴾ ١؎ لان النبی علیه السلام فعلهما علی المواظبة.

ترجمہ: (٨) [تیسری سنت] مسواک کرنا ہے۔

ترجمہ: ١؎ اسلئے کہ حضور ﷺ ہمیشہ مسواک کیا کرتے تھے۔ متن کا اشارہ ان احادیث کی طرف ہے۔

وجہ: (١) حدیث میں ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال لولا ان اشق علی المؤمنین و فی حدیث زهیر علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوة (مسلم شریف، باب السواک ص ١٢٨ نمبر ٢٥٢ / ٥٨٩ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ص ١٢ نمبر ٢٢ / بخاری شریف، باب السواک ص ٣٨ نمبر ٢٤٤) اس حدیث سے اگر چہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے وقت مسواک سنت ہے۔ لیکن یہاں ایک عبارت محذوف ہوگی عند وضوء کل صلوة یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔

(٢) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک مع کل وضوء (سنن للبیهقی، باب الدلیل علی ان السواک سنة لیس بواجب، جلد اول ص ٥٧، نمبر ١٤٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے وقت سنت ہے (٣) مسواک کا مقصد منہ کی گندگی صاف کرنا ہے اس لئے وہ وضو کے زیادہ مناسب ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک سنت نماز ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث عند کل صلوة ہے (موسوعة امام شافعی باب السواک ص ١٠٢ نمبر ٣٦٥ ج اول)

ترجمہ: ٢؎ اور مسواک نہ ہوتے وقت انگلی سے رگڑے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے۔

وجہ: حدث میں ہے کہ مسواک نہ ہوتے وقت انگلی کافی ہے۔ حدیث یہ ہے عن انس، عن النبی ﷺ قال: تجزی من السواک الاصابع۔ (سنن للبیهقی باب الاستیاک بالاصابع، ج اول، ص ٦٦ نمبر ١٧٦)

لغت: یواظب: مواظبت سے مشتق ہے: کسی کام کو ہمیشہ کرنا۔ فقد: گم ہونا، نہ پانا۔ یعالج: باب مفاعلت سے، علاج کرنا، کوئی کام کرنا۔

ترجمہ: (٩) [چوتھی سنت] کلی کرنا [پانچویں سنت] ناک میں پانی ڈالنا۔

ترجمہ: ١؎ اسلئے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ ایسا کیا ہے۔ اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے۔ پھر ایسے ہی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ کے وضوء سے یہی منقول ہے۔

۲؎ و کیفیتهما ان یمضمض ثلاثایأخذلکل مرة ماء جدیدا، ثم یستنشق کذالک. هو المحکی من

تشریح : کلی کرنااور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں۔اوراسکی صورت یہ ہے کہ پہلے تین مرتبہ پانی لے اوراس سے کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے۔پھر تین مرتبہ پانی لے اوراس سے ناک میں پانی ڈالے۔کلی اور ناک کے لئے ایک ہی چلو نہ لے۔دلیل کے لئے یہ احادیث ہیں جنکا اشارہ متن میں کیا۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے رأیت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضأة فاصغاها علی یده الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلثا و استنثر ثلثا (ابوداؤد شریف، باب صفة وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۸/۱۱۲/ مسلم شریف باب صفة الوضوء وکماله۔ص ۱۲۳ نمبر ۲۲۶/۵۳۸)اس باب کی یہ تیسری حدیث ہے۔اس باب میں تین مرتبہ کلی الگ پانی سے کی ہے۔اور تین مرتبہ ناک میں پانی الگ پانی لیکرڈالا ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک تین مرتبہ پانی لیکر کلی کرنا سنت ہے۔

(۲)عن طلحة عن ابیه عن جده قال دخلت یعنی علی النبی ﷺ وهو یتوضأ والماء یسیل من وجهه ولحیته وعلی صدره فرأیته یفصل بین المضمضة والاستنشاق (ابوداؤد شریف، باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق ص ۲۰ نمبر ۱۳۹)ابوداؤدؒ نے باضابطہ باب باندھا ہے کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آپؐ نے الگ الگ فرمایا ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لے اوراس کے آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے، پھر تیسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے۔اس طرح تین ہی چلو سے دونوں کام کرے۔کتاب الام میں ہے و احب الی ان یبدأ المتوضی بعد غسل یدیه ان یتمضمض ،و یستنشق ثلاثا : یأخذ بکفه غرفة لفیه ،و انفه۔(موسوعة الامام الشافعی، باب المضمضة والاستنشاق، ج اول، ص ۱۰۵ نمبر ۳۷۹)

وجه : ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جس میں۔فمضمض واستنشق من کف واحد ففعل ذلک ثلاثا ہے۔حدیث یہ ہے عن عبد الله بن زید ابن عاصم الانصاری .و کانت له صحبة . قال : قیل له توضأ لناوضوء رسول الله ﷺ.....ثم ادخل یده فاستخرجها ،فمضمض و استنشق من کف واحدة (مسلم شریف، باب آخر فی صفة الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵/۵۵۵/ بخاری شریف، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة، ص ۳۱، نمبر ۱۹۱/ص ۲۶ نمبر ۱۴۰/ ترمذی شریف، باب المضمضة ولاستنشاق من کف واحد، ص ۱۴، نمبر ۲۸)اس حدیث میں ایک ہی چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث اوپر کی بھی ہے۔اور الگ الگ پانی ڈالنے میں زیادہ نظافت ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے، پھر ناک میں بھی ایسے ہی تین مرتبہ پانی ڈالے، یہی حضور ﷺ سے منقول ہے۔اسکی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

وضوئه ﷺ (۱۰) و مسح الاذنين ﴾ ﴿ ۱ وهو سنه بماء الرأس. خلافا للشافعی لقوله عليه السلام: الاذنان من الرأس ۲ و المراد بيان الحكم دون الخلقة.

لغت: المضمضة : مضمضہ کرنا، کلی کرنا . الاستنشاق : باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا، دوسرا لفظ آتا ہے استنثر : ناک سے پانی جھاڑنا ۔

فائده : امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں وضو میں بھی فرض ہیں ۔

ترجمہ: (۱۰) [چھٹی سنت] دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے۔

ترجمہ : ۱ وہ سر کے پانی سے سنت ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا الاذنان من الرأس۔ یعنی کان سر کا حصہ ہے۔

تشریح : سر کے مسح کے علاوہ دونوں کانوں کا مسح بھی سنت ہے۔ لیکن سر کے مسح کے بعد جو بچا ہوا پانی ہے اسی سے کان کا مسح کرے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: حدیث میں اسکی تصریح ہے کہ سر کے پانی ہی سے آپ نے کان کا مسح فرمایا۔ حدیث یہ ہے ۔عن ابن عباس: ان النبی ﷺ مسح برأسه و اذنيه ظاهرهما و باطنهما (ترمذی شریف، باب مسح الاذنین ظاھرھما و باطنھما ص ۱۶ نمبر ۳۶/ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۲۱) (۲) عن ابی امامة قال : توضأ النبی ﷺ فغسل وجهه ثلاثا و يديه ثلاثا ، و مسح برأسه ،و قال : الاذنان من الرأس . (ترمذی، باب ماجاء ان الاذنین من الرأس۔ ص ۱۶، نمبر ۳۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کان کے اوپر اور نیچے کے حصہ کا سر کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

ترجمہ : ۲ اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے نہ کہ تخلیق کا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ۔ حدیث میں الاذنان من الرأس: کان سر میں سے ہے، فرمایا تو اس سے کان کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ کان کو سر کے ساتھ مسح کیا جائے گا۔ اس حدیث سے کان کی خلقت بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کان سر کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ آپؐ حکم بیان کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، خلقت بیان کرنے کے لئے نہیں۔

فائده : (خلافا للشافعی) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کان کے لئے الگ پانی لینا مسنون ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے سمع عبد الله بن زيد يذكر انه رای رسول الله ﷺ يتوضأ فاخذ لاذنيه ماء خلاف الماء الذی اخذ لرأسه (سنن للبیھقی، باب مسح الاذنین بماء جدید ج اول ص ۱۰۷، نمبر ۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ کان کے لئے الگ پانی لیا۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ کان کا اگلا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا اور پچھلا حصہ کا سر کے ساتھ مسح کیا جائیگا۔ انکا قول یہ

(۱۱) قال (القدوری) و تخليل اللحية ﴾ ۱؎ لان النبی عليه السلام امره جبرئيل عليه السلام بذالک ۲؎ و قيل هو سنة عند ابی يوسف. ۳؎ جائز عند ابی حنيفة، و محمدؒ ۴؎ لان السنة اكمال الفرض فی محله و الداخل ليس بمحل الفرض

ہے۔عن الشعبی قال : ما اقبل من الاذنين فمن الوجه ،و ما ادبر فمن الرأس ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۴ باب من قال:الاذنان من الرأس، ج اول ص ۲۴ نمبر ۱۶۵)۔

ترجمہ: (۱۱)[ساتویں سنت] ڈاڑھی کا خلال کرنا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضور ﷺ کو حضرت جبرئیل نے اسکا حکم دیا تھا۔(یعنی اللہ نے حکم دیا تھا)

تشریح : ڈاڑھی کا خلال کرنا سنت ہے اللہ نے حضور گو اسکا حکم دیا تھا جیسا کہ نیچے والی حدیث میں اسکا ذکر ہے۔

وجہ : حدیث میں ہے عن عثمان بن عفانؓ ان النبی ﷺ كان يخلل لحيته (ترمذی شریف، باب تخلیل اللحیۃ ص ۱۴ نمبر ۳۱)عن انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ كان اذا توضأ اخذ كفا من ماء فادخله تحت حنكه خلل به لحيته وقال هكذا امرنی ربی (ب)(ابوداؤد، باب تخلیل اللحیۃ ص ۲۱ نمبر ۱۴۵) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے ڈاڑھی میں خلال کرنے کا حکم دیا۔(۲) دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل نے خلال کا حکم دیا۔عن انس ان النبی ﷺ قال : اتانی جبريل فقال : اذ اتوضوأت فخلل لحيتک ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب فی تخلیل اللحیۃ فی الوضوء، ج اول، ص ۲۰ نمبر ۱۱۴)اسی حدیث سے صاحب ھدایہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے آپکو خلال کا حکم دیا تھا۔

ترجمہ : ۲؎ بعض لوگوں نے کہا کہ خلال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں خلال کی تاکید آئی ہے اسلئے وہ سنت ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک خلال کرنا جائز ہے۔یعنی سنت کی طرح تاکید نہیں ہے۔

وجہ : اثر میں ہے کہ وہ خلال کرنا سنت نہیں سمجھتے تھے.عن ابن سيرين قال رأيت يغسل لحيته فقلت له : من السنة غسل اللحية فقال : لا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۱ فی غسل اللحیۃ فی الوضوء، ج اول، ص ۲۲ نمبر ۱۲۸)اس اثر میں ہے کہ خلال کرنا سنت نہیں ہے۔جو جائز ہونے کی دلیل ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اسلئے کہ سنت فرض کو پورا کرنے کے لئے ہے فرض کی جگہ میں اور ڈاڑھی کا اندرونی حصہ فرض کی جگہ نہیں ہے۔

تشریح :ڈاڑھی کا خلال صرف جائز ہے سنت نہیں ،اسکے لئے دلیل عقلی پیش کررہے ہیں۔۔قاعدہ یہ ہے کہ جس جگہ کو دھونا فرض ہے اس جگہ فرض کی تکمیل کے لئے سنت ہوتی ہے۔اور گھنی ڈاڑھی کے اندرونی حصہ کی طرف پانی پہونچانا فرض نہیں ہے اسلئے اسکی

(۱۲) و تخلیل الاصابع ﴾ ا لقوله علیه السلام: خللوا اصابعکم کی لا تخللها نار جهنم ۲ ولانه اکمال الفرض فی محله. (۱۳) و تکرار الغسل الی الثلث ﴾

تکمیل کی بھی ضرورت نہیں ہے اسلئے وہاں خلال کرنا سنت بھی نہیں ہوگا۔البتہ حدیث کی بناء پر صرف جائز ہوگا۔ اصل وجہ وہی ہے کہ جائز ہونے کے لئے اثر ہے۔

نوٹ: ہلکی ڈاڑھی ہوتو پانی کھال تک پہنچانا ضروری ہے۔اور گھنی ڈاڑھی ہوتو ڈاڑھی کے اوپر دھولے اور ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا اس وقت سنت ہے۔

وجہ: اس اثر سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی قال: ان استطعت ان تبلغ بالماء اصول اللحیۃ فافعل۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱ فی غسل اللحیۃ فی الوضوء، ج اول ص ۲۲، نمبر ۱۲۷) اس اثر میں ہے کہ ڈاڑھی ہلکی ہو اور بال کی جڑ تک پانی پہونچا سکتے ہو تو وہاں تک پانی پہونچاو۔

ترجمہ: (۱۲) [آٹھویں سنت] انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا توضأت فخلل اصابع یدیک و رجلیک (ترمذی شریف، باب تخلیل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۳۹ رنسائی شریف، باب الامر بتخلیل الاصابع ،ص ۱۶ نمبر ۱۱۴) (۲) انگلی کے خلال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اعضاء وضو میں ایک بال کے برابر بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ا آپ ﷺ کے قول کی وجہ سے۔کہ اپنی انگلیوں کا خلال کرو تا کہ جہنم کی آگ اسکے بیچ میں نہ جائے۔یہ عبارت حضرت حذیفہؓ، حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا اثر ہے جو ممکن ہے کہ حضور سے سنے ہوں اسلئے صاحب ھدایہ نے لقولہ السلام کہہ دیا۔اثر یہ ہے۔ان ابا بکر الصدیقؓ قال: لتخللن اصابعکم بالماء او لیخللنها اللہ بالنار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۸ فی تخلیل الاصابع فی الوضوء، ج اول ص ۲۰ نمبر ۹۶ ر ۸۷) اس اثر میں ہے کہ انگلیوں کا خلال نہیں کروگے تو اللہ آگ اسکے درمیان ڈالیں گے۔اصل تو اوپر والی حدیث ترمذی ونسائی ہے جسکی بناء پر انگلیوں کا خلال سنت ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ یہ خلال فرض کو پورا کرنے کے لئے فرض کی جگہ میں۔اسلئے یہ سنت ہوگا۔

تشریح: اوپر قاعدہ گزر چکا ہے کہ جہاں دھونا فرض ہے اسکی تکمیل کے لئے خلال کرنا سنت ہے۔یہاں انگلیوں کا دھونا فرض ہے اسلئے اسکی تکمیل کے لئے خلال سنت ہوگی۔اسی کو مصنف نے کہا کہ فرض کا اکمال اسکے محل میں ہے۔

ترجمہ: (۱۳) [نویں سنت] تین مرتبہ دھونے کا تکرار کرنا ہے۔

۱ لان النبی علیه السلام توضأ مرة مرة وقال هٰذا وضوء لا یقبل الله تعالی الصلوٰة الا به، و توضأ مرتین مرتین و قال هٰذا وضوء من یضاعف الله له الاجر مرتین، توضأ ثلاثا ثلاثا و قال هٰذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبلی ۲ فمن زاد علی هٰذا او نقص فقد تعدی و ظلم، و الوعید لعدم رؤیته سنة.

تشریح : تمام اعضاء مغسولہ کو تین تین مرتبہ دھونا بھی سنت ہے۔اور ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے۔

وجہ: (۱) تین مرتبہ دھونے سے یقین ہو جائے گا کہ کوئی جگہ بال برابر بھی خشک نہیں رہ گئی۔(۲) حدیث میں ہے رأی عثمان بن عفانؓ دعابا ناء فافرغ علی کفیه ثلث مرار فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ویدیه الی المرفقین ثلث مرار، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول الله ﷺ من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدّث فیهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۷ نمبر ۱۵۹ رابو داؤد شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۰ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھویا، جس سے معلوم ہوا کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ حضور ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ کم سے کم درجے کا وضوء ہے اسکے بغیر اللہ تعالی نماز قبول نہیں کرتے۔اور دو دو مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ ایسا وضوء ہے کہ اللہ دوگنا اسکو اجر دیتے ہیں اور تین تین مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ میرا وضوء ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کا وضوء ہے۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی بن کعب : ان رسول الله ﷺ دعا بماءٍ فتوضأ مرة مرة ،فقال : هذا وظیفة الوضوء .او قال : وضوء من لم یتوضأه لم یقبل الله له صلاة .ثم توضأ مرتین مرتین ثم قال : هذاوضوء من توضأ ه اعطاه الله کفلین من الاجر ،ثم توضأ ثلاثا ثلاثا ،فقال : هذا وضوئی و وضوء المرسلین من قبلی .(ابن ماجة، باب ما جاء فی الوضوء مرة ومرتین وثلاثا، ص ۶۱، نمبر ۴۲۰ ردار قطنی، باب وضوء رسول اللہ ﷺ، ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۵۴)۔

ترجمہ : ۲ جس نے اس سے زیادہ کیا یا کم کیا تو تعدی کیا اور ظلم کیا۔اور وعید اس وقت ہے جب تین کو سنت نہ سمجھے۔یہ عبارت دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے۔کہ جس نے تین مرتبہ سے کم وضوء کیا اس نے زیادتی کی اور ظلم کیا، کیونکہ سنت کے خلاف کیا۔اور جس نے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا یہ سمجھتے ہوئے کہ تین مرتبہ سنت نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ مرتبہ سنت ہے، تو یہ بھی زیادتی اور ظلم ہے، کیونکہ سنت تو تین مرتبہ ہی ہے۔البتہ بھول میں کم بیش کر دیا، یا اطمینان قلب کے لئے کم بیش کر دیا تو ظلم اور زیادتی نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔عن عمرو بن شعیب ،عن ابیه ،عن جده قال: ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال : یا رسول الله

﴿مستحبات الوضوء﴾

(١٤) قال (القدوری) و یستحب للمتوضی ان ینوی الطهارة ﴿

!كيف الطهور ؟ .....ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا ،ثم قال : هكذا الوضوء ،فمن زاد على هذا او نقص فقد أساء و ظلم ،او ظلم و أساء . (ابوداود شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص۲۰، نمبر۱۳۵) اس حدیث میں صاحب ھدایہ کا جملہ ہے۔

لغت :یضاعف: ضعف سے مشتق ہے۔ دوگنا کرنا۔تعدی: حد سے گزرنا، زیادتی کرنا۔والوعید لعدم رؤیتہ سنۃ: ظلم کی وعید اس وقت ہے جب تین مرتبہ دھونے کو سنت نہ سمجھے۔

﴿ مستحبات وضو کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : مستحب اس کو کہتے ہیں کہ کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہ ہو۔ ماتنؒ نے نیت کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، ترتیب سے وضوء کرنا اور پے در پے وضو کرنا مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ دوسری کتابوں میں ان کو سنت کہا ہے (کما فی الھدایہ) اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چار باتیں سنت ہیں۔ متقدمین کے یہاں سنت کو بھی مستحب کہہ دیا کرتے تھے اس اعتبار سے ماتنؒ نے ان چاروں کو مستحب کہا ہے۔ البتہ دائیں جانب سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: (۱۴) وضو کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ پاکی کی نیت کرے۔

وجہ: سنت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عمر بن خطاب رضی الله عنه على المنبر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات وانمالكل امرء ما نوى (ب) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص۲ نمبر۱) اعمال کے ثواب کا دارومدار یا اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار نیت پر ہے۔ بغیر نیت کے وضو کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے وضو میں وضو کی نیت کرنا سنت ہے۔ وضو میں نیت کرنا فرض اس لئے نہیں ہے کہ پانی کو خود بخود پاک کرنے والا قرار دیا ہے چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

دلیل (۱) آیت ہے انزلنا من السماء ماء طهورا (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) (۲) حدیث میں ہے قال رسول الله

۱؎ فالنية فى الوضوء سنة عندنا، ۲؎ و عند الشافعیؒ فرض، لانه عبادة فلا تصح بدون النية كالتيمم ۳؎ ولنا انه لايقع قربة الا بالنية و لكنه يقع مفتاحا للصلوٰة لوقوعه طهارة باستعمال المطهر

ﷺ ھو الطهور ماء ه و الحل ميتته (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحرانہ طہور ص۲۱ نمبر۶۹) جب پانی بغیر نیت کی قید کے خود بخود پاک کرنے والا ہے تو نیت کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ حدیث بالا کی وجہ سے سنت رہے گا (۳) حضرت عمرؓ نے قرآن کریم چھونے کے لئے کفر کی حالت میں وضو کیا ہے۔ اور کفر کی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وضو کرنا بغیر نیت کے درست رہا۔ معلوم ہوا کہ وضو کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن انس بن مالک قال : خرج عمر متقلدا السيف فقيل له .....فقالت له اخته : انک رجس، و لا يمسه الا المطهرون ،فقم فاغتسل او توضأ ،فقام عمر فتوضأ ، ثم اخذ الكتاب فقرأ طه ۔ (دار قطنی باب فی نہی المحدث عن مس القرآن، ج اول، ص ۱۲۹ نمبر ۴۳۵ ر سنن للبیہقی، باب نہی المحدث عن مس المصحف، ج اول، ص ۱۴۲ نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں کفر کی حالت میں وضوء کیا اور کفر کی حالت کی نیت کا اعتبار نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وضوء کے لئے نیت فرض نہیں ہے، سنت ہے

نوٹ : نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ عبادت مقصودہ میں اصل مقصد ثواب ہے اس لئے بغیر نیت کے یہ عبادات ادا نہ ہوں گی۔ وہاں نیت کرنا فرض ہے۔

ترجمہ : ۱؎ پس نیت وضوء میں ہمارے نزدیک سنت ہے۔ اسکی تفصیل گزر چکی۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نیت فرض ہے اسلئے کہ وہ عبادت ہے اسلئے بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی، جیسے تیمّم بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء میں نیت فرض ہے۔ موسوعۃ امام شافعی میں ہے. و لا يجزئ الوضوء الا بنية ، و يكفيه من النية فيه ان يتوضأ ينوى طهارة من حدث ۔ (موسوعۃ للامام الشافعی، باب النیۃ فی الوضوء، ج اول، ص ۱۰۰ نمبر ۳۵۵) کہ بغیر نیت کے وضوء کافی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اسکی ایک دلیل تو یہ دی کہ وضوء عبادت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی ،اسلئے وضوء بھی بغیر نیت کے درست نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری دلیل دی کہ تیمّم طہارت ہے پھر بھی بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا، تو وضوء بھی بغیر نیت کے درست نہیں ہوگا۔ (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حدیث انما الاعمال بالنيات ۔ (بخاری نمبر ۱) میں فرمایا کہ عمل کا مدار نیت پر ہے اور وضوء بھی بہت بڑا عمل ہے، اسلئے اس میں بھی نیت فرض ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضوء میں قربت یعنی ثواب نہیں ملے گا مگر نیت کرنے سے لیکن نماز کے لئے جائز ہو

۴ بخلاف التیمم لان التراب غیر مطھر الا فی حال ارادة الصلوٰة ۵ او ھو ینبیء عن القصد.

(۱۵) و یستوعب رأسه بالمسح ۱ وھو السنة

جائے گا، اسلئے کہ مطھر یعنی پانی کے استعمال کرنے سے طھارت واقع ہوگئی۔

تشریح : ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وضوء میں جب تک نیت نہیں کرے گا تو ثواب نہیں ملے گا البتہ چونکہ پانی استعمال کیا ہے جسکو آیت میں پاک کرنے والی چیز کہا ہے اسلئے اس سے پاکی حاصل ہوجائے گی اور نماز شروع کرنے کے لئے کافی ہوجائے گی۔ اسی کو مصنف نے کہا ہے لکنه یقع مفتاحا للصلوۃ۔ الخ۔

ترجمہ: ۴ بخلاف تیمّم کے کیونکہ مٹی پاک کرنے والی نہیں ہے مگر نماز کی نیت کرنے کی حالت میں۔

تشریح: امام شافعیؒ نے استدلال فرمایا تھا کہ تیمّم میں نیت کی ضرورت ہے اسلئے وضوء میں بھی نیت کی ضرورت ہونی چاہئے۔ یہاں سے اسکا جواب دے رہے ہیں۔ کہ تیمّم میں مٹی استعمال ہوتی ہے جو عام حالات میں پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ میلا کرنے والی ہے، ہاں نماز کا ارادہ کرے اور تیمّم کرنے کی نیت کرے تب ہی وہ پاک کرے گی اسلئے وہاں نیت کرنا ضروری ہے۔ اسکے بر خلاف پانی خود پاک کرنے والا ہے۔ جیسا کہ آیت میں گزرا اسلئے یہاں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ یا اسلئے کہ تیمّم کا ترجمہ ہی ہے ارادہ کرنا۔ اسلئے تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہوگی۔ اور پانی کا ترجمہ ارادہ کرنا نہیں ہے اسلئے یہاں نیت کی ضرورت نہیں پڑیگی۔

لغت :النیۃ : دل سے ارادہ کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔ تیمّم: ام سے مشتق ہے، ارادہ کرنا۔ مطھر: پاک کرنے والی چیز، یہاں پانی مراد ہے۔ ینبئ: نبأ سے مشتق ہے خبر دیتا ہے۔

ترجمہ:(۱۵) پورے سر کا مسح کرنا۔

ترجمہ: ۱ وہ سنت ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن زید عن وضوء النبی ﷺ ...ثم ادخل یدہ فی الاناء فمسح برأسه فاقبل بیدہ وادبر بھا، ثم ادخل یدہ فغسل رجلیه .حدثنا موسیٰ قال : حدثنا وھیب قال : مسح رأسه مرۃ (بخاری شریف، باب مسح الرأس مرۃ ص ۳۲ نمبر ۱۹۲ / مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء، ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵ / ۵۵۵) (۲) ابو داؤد، باب صفت وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۵) فیہ تصریح۔ ومسح برأسه واحدۃ) حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ سر پر مسح فرمایا (۳) اگر نئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ دھونا ہوجائے گا مسح باقی نہیں رہے گا۔ دھونے کے اعضاء میں تین مرتبہ دھوئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن مسح تین مرتبہ نئے نئے پانی سے کریں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔ اس لئے ایک ہی

۲؎ وقال الشافعیؒ السنة هو التثليث بمياه مختلفة اعتباراً بالمغسول، ۳؎ ولنا ان انسا توضأ ثلاثا ثلاثا ومسح برأسه مرةواحدةوقال هذاوضوء رسول الله ﷺ ۴؎ والذی يروی من التثليث محمول عليه بماء واحد و هومشروع علی ماروی عن ابی حنيفةؒ

مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

نوٹ : جن احادیث میں تین مرتبہ مسح کرنے کا تذکرہ ہے وہ ایک ہی پانی سے پورے سر کو گھیرنے کے لئے تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایک پانی سے ہاتھ کو تین مرتبہ سر پر پھیرا جائے تا کہ اچھی طرح پورے سر پر مسح ہو جائے۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا سر کے مسح میں سنت تین مرتبہ ہے مختلف پانی سے۔ اعضائے مغسولہ پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسح کرے اور تینوں مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی: واحب لومسح رأسہ ثلاثا۔ (موسوعۃ، باب مسح الرأس، ص ۱۱۵ نمبر ۳۹۷) انکا استدلال اس حدیث سے ہے قال: رأيت عثمان بن عفان غسل ذراعيه ثلاثا ثلاثا و مسح رأسه ثلاثا ثم قال : رأيت رسول الله ﷺ فعل هذا (ابو داؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۰) (۲) فمسح برأسه فاقبل بهما و ادبر بدء بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاة ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى بدء منه و غسل رجليه (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵/۵۵۷ / بخاری شریف، باب مسح الرأس کلہ، ص ۳۱ نمبر ۱۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ مسح کرے۔ (۳) جس طرح اعضاء مغسولہ کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے اسی طرح مسح بھی تین مرتبہ کرنا چاہئے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے تین تین مرتبہ وضوء فرمایا اور ایک مرتبہ سر کا مسح فرمایا، اور فرمایا کہ یہ حضور کا وضوء ہے۔ یہ حدیث حضرت علیؓ کی اس طرح ہے۔ قال رأيت عليا توضأ فغسل وجهه ثلاثا و غسل ذراعيه ثلاثا و مسح برأسه واحدة ،ثم قال : هكذا توضأ رسول الله ﷺ۔ (ابو داؤد شریف، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ، ص ۱۷، نمبر ۱۱۵ / عن ابن عباسؓ نمبر ۱۳۳) صاحب نصب الرایۃ نے فرمایا کہ صاحب ھدایۃ نے حدیث کی نسبت حضرت انسؓ کی طرف کی ،شاید یہ انکا تسامح ہے۔ حضرت علیؓ کہتے تو زیادہ بہتر تھا، ممکن ہے کہ کسی کتاب میں حضرت انسؓ سے روایت ہو۔ تاہم سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کے لئے کئی حدیثیں اوپر گزر گئی۔

ترجمہ :۴؎ اور حدیث میں جو تین مرتبہ کی روایت ہے وہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنے پر محمول ہے۔ اور یہ مشروع ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کا جواب ہے۔ کہ جن احادیث میں تین مرتبہ کا تذکرہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ

۵ ولان المفروض هو المسح، و بالتكرار يصير غسلا فلايكون مسنونا ۶فصار كمسح الخف ۷ بخلاف الغسل لانه لا يضره التكرار (۱۶) و يرتب الوضوء فيبدأ بما بدأ الله تعالى بذكره ۱و الترتيب فى الوضوء سنة عندنا

سر پر مسح کیا۔اور ایسا کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی جائز ہے۔البتہ تین مرتبہ الگ الگ پانی لیکر مسح کرنا ہمارے یہاں مستحب نہیں کیونکہ یہ غسل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور اسلئے کہ مسح فرض ہے اور تین مرتبہ نیا پانی لیکر تکرار سے غسل ہو جائے گا اسلئے مسنون نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۶ اسلئے موزے کے مسح کی طرح ہو گیا۔

تشریح : موزے پر مسح ایک مرتبہ کرتے ہیں تین مرتبہ نہیں کرتے۔اور سر پر مسح بھی مسح ہے اسلئے اسکو بھی ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۷ بخلاف دھونے کے کہ اسکو کئی بار کرنا نقصان نہیں کرتا۔

تشریح : جن اعضاء کو دھونا ہے اسکو تین مرتبہ بھی دھوئیں تو دھونا ہی رہے گا۔اسلئے اسکو تین مرتبہ دھونے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ مسح باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ غسل ہو جائے گا،اسلئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا مسنون نہیں ہونا چاہئے۔

لغت: یستوعب : گھیرے،احاطہ کرے

نوٹ: مسح کے لئے ایک مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔

وجہ : ومسح برأسه بماء غير فضل يده (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص۱۲۳ نمبر ۵۵۹/۲۳۶) کہ آپؐ نے ہاتھ کے پانی کے علاوہ سے سر کا مسح فرمایا،یعنی الگ سے پانی لیا۔

ترجمہ:(۱۶) ترتیب سے وضو کرے،پس وہاں سے شروع کرے جس کو اللہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: ۱ اور ترتیب وضوء میں ہمارے نزدیک سنت ہے

تشریح: اللہ نے قرآن کریم میں پہلے چہرے کو پھر ہاتھ کو پھر سر پر مسح کرنا پھر پاؤں کو دھونا ذکر کیا ہے تو اسی ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے۔اس کے خلاف کریگا تو وضو ہو جائیگا لیکن سنت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) قرآن نے جس ترتیب سے اعضاء وضوء کو ذکر کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی اس لئے اس ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے (۲) تقریبا تمام احادیث میں اسی ترتیب سے اعضاء دھونا مذکور ہے جس ترتیب سے قرآن میں ذکر ہے۔اس لئے حضور کی

۲ وعند الشافعی فرض، لقوله تعالی، فاغسلوا وجوهکم،الآیة، والفاء للتعقیب ۳ ولنا ان المذکور فیها حرف الواووهی لمطلق الجمع باجماع اهل اللغه فتقتضی اعقاب غسل جملة الاعضاء

مواظبت کرنے سے ترتیب سنت ہے (۳) اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم الآیۃ میں فاغسلوا کی ف تعقیب کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے لئے کھڑے ہوتو پہلے چہرہ دھوؤ جب کھڑے ہونے اور چہرہ دھونے میں ترتیب ہوئی تو باقی اعضا میں بھی ترتیب ہونی چاہئے اس لئے وضو میں ترتیب سنت ہے۔ لیکن یہ ترتیب واجب نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کیونکہ (۱) اوپر کے دلائل سنت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں (۲) حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت (دار قطنی، باب ماروی فی جواز تقدیم غسل الید الیسری علی الیمنی ج اول ص ۹۲ حدیث نمبر ۲۸۹ / سنن للبیہقی، باب الرخصۃ فی البدائۃ بالیسار ج اول ص ۱۴۰، نمبر ۴۰۶) (۳) تیمّم میں چہرے پر پہلے مسح کیا جاتا ہے پھر ہاتھ پر لیکن اسکے خلاف کرنا بھی ثابت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ کنت جالسا بین عبد الله و ابی موسی ....ثم اتیت النبی ﷺ فذکرت ذالک له ....ثم ضرب بشماله علی یمینه ،و بیمینه علی شماله علی الکفین ،ثم مسح وجهه (ابوداود شریف، باب التیمم، ص ۵۰ نمبر ۳۲۱) اس حدیث میں تیمّم میں چہرے کا مسح بعد میں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وضوء میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب فرض ہے، فاغسلو اوجوھکم، آیت کیوجہ سے کیونکہ اس آیت میں ف تعقیب کے لئے ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء میں ترتیب ضروری ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ نماز کا ارادہ کروتو چہرے کو دھوو، یہاں، ف، ترتیب کے لئے ہے اسلئے باقی اعضاء کے دھونے میں بھی ترتیب ہونی چاہئے۔ (۲) صفا اور مروہ کی سعی میں آپؐ نے ترتیب کا حکم فرمایا اور صفا سے سعی شروع کی اسلئے یہاں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ...فلما دنا من الصفا قرأ ﴿ان الصفا و المروة من شعآئر الله﴾ آیت ۱۵۸ سورة البقرة ،ابدأبما بدأ الله به ،فبدأ بالصفا ۔ (مسلم باب حجۃ النبی ﷺ، ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸ / ۲۹۵۰) اس حدیث میں آیت کے مطابق ترتیب کا حکمد یا گیا ہے اسلئے وضوء میں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت کے درمیان جوذکر کیا گیا ہے وہ حرف واو ہے، اور تمام اھل لغت کا اجماع ہے کہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے، جسکا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے ارادے کے بعد تمام اعضاء کو دھولے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت۔ یآیها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی

(۱۷) و بالميامن ﴾ ۱؎ والبداية بالميامن فضيلة، لقوله عليه السلام: ان الله تعالى يحب التيامن فی کل شیء حتى التنعل، والترجل (۱۸) و التوالی ﴾

المرافق و امسحوا بروء سکم و ارجلکم الی الکعبین ۔آیت ۶ سورۃ المائدۃ ،۵۔ کے شروع میں تو ،ف، ہے جو تعقیب اور ترتیب کے لئے ہے لیکن چہرہ، ہاتھ، سر اور پاؤں کے درمیان ،ف، نہیں ہے بلکہ تین واو ہیں اور وہ جمع کے لئے آتا ہے۔ یعنی نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت مجموعی طور پر ان اعضاء کو دھولو، چاہے پہلے دھو و یا بعد میں۔ اسلئے آیت کی وجہ سے اعضاء دھونے کے درمیان ترتیب ثابت نہیں ہوئی۔ ہاں اگر محدث ہوا اور نماز کے لئے کھڑے ہو رہے ہو تو ترتیب یہ ہے کہ ان اعضاء کو دھولو۔

ترجمہ: (۱۷) اور دائیں جانب سے شروع کرنا۔

ترجمہ : ۱؎ اور دائیں جانب سے شروع کرنا فضیلت ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ہر چیز میں دائیں کو پسند کرتے ہیں، یہاں تک کہ جوتا پہننے میں اور کنگی کرنے میں ۔حدیث یہ ہے عن عائشة قالت : کان النبی ﷺ یعجبه التیمن فی تنعله ،و ترجله ،و طهوره ،وفی شانه کله ۔(بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ،ص ۲۹ نمبر ۱۶۸ رمسلم شریف، باب التیمن فی الطهور ،ص ۱۳۱، نمبر ۲۶۸ /۶۱۷) اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ ہر اچھی چیز میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔ اسلئے یہ مستحب ہے۔

لغت : میامن : یمین سے مشتق ہے۔ دائیں جانب سے شروع کرنا۔ تنعل : نعل سے مشتق ہے۔ جوتا پہننا. ترجل: کنگی کرنا۔

ترجمہ:(۱۸) التوالی: پے در پے کرنا۔ (نوٹ) التوالی کا لفظ قدوری کے بعض نسخوں میں نہیں ہے۔ اور ھدایۃ میں تو ہے ہی نہیں۔ لیکن شرح ثمیری کے نمبر کی وجہ سے اسکو دے رہا ہوں۔ اس میں اسکو ذکر کیا ہوں۔

تشریح : یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد فورا دوسرا عضو دھوئے ایسا نہیں کہ دوسرا عضو دھونے میں بہت دیر کر دے یہاں تک کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

وجہ:(۱) تمام احادیث میں ذکر ہے کہ آپ ؐ پے در پے اعضاء دھوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ ایک عضو دھو کر بہت دیر کے بعد دوسرا عضو دھویا اس لئے پے در پے دھونا بھی مستحب ہے۔(۲) حدیث میں ہے کہ درھم کی مقدار جگہ چھوٹ گئی تو دوبارہ وضوء کرنے کے لئے آپ ؐ نے حکم دیا۔ اگر پیدر پے مستحب نہیں ہوتا تو صرف اس جگہ کو دھونے کے لئے کہہ دیتے۔ حدیث یہ ہے عن خالد عن بعض اصحاب النبی ﷺ رأی رجلا یصلی و فی ظهر قدمه لمعة قدر الدرهم لم یصبها الماء فامره النبی ؐ ان یعید الوضوء والصلاة ۔(ابوداود شریف، باب تفریق الوضوء، ص ۲۶ نمبر ۱۷۵) البتہ عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو سنت کی

(۱۹) ومسح الرقبة﴾

ادائیگی میں فرق نہیں آئے گا (۲) اثر میں ہے **ان عبد الله بن عمر بال بالسوق ثم توضأ وغسل وجهه ومسح برأسه ثم دعی لجنازة لیصلی علیها حین دخل المسجد فمسح علی خفیه ثم صلی علیها** (مؤطا امام مالکؒ، باب ما جاء فی المسح علی الخفین ص ۲۴) اس اثر میں مسح علی الخفین بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کا پیدر پے دھونا واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۹) ومسح الرقبۃ: گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے) (نوٹ) ھدایہ میں مسح الرقبۃ نہیں ہے، قدوری کے نمبر کی وجہ سے اس مسئلے کو لا رہا ہوں۔

وجہ: (۱) **عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة** (التلخیص الحبیر، باب سنن الوضوء ج اول ص ۳۴ رشرح احیاء العلوم للعلامۃ الزبیدی ج دوم ص ۳۶۵ / باب کیفیۃ الوضوء ،اعلاء السنن ج اول ص ۱۲۰) (۲) **عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده انه رانی رسول الله ﷺ یمسح راسه حتی بلغ القذال ومایلیه من مقدم العنق بمرة. قال: القذال: السالفة العنق** (مسند احمد، باب حدیث جد طلحۃ الایامی، ج رابع، ص ۵۳۱، نمبر ۱۵۵۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ: قدوریؒ نے چودہ سنتیں بیان کی ہیں (۱) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۷) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) تیں تین مرتبہ اعضاء کو دھونا (۱۰) پاکی کی نیت کرنا (۱۱) پورے سر کا مسح کرنا (۱۲) وضو کو ترتیب سے کرنا (۱۳) دائیں جانب سے شروع کرنا (۱۴) پے در پے کرنا۔ اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا۔

نوٹ: سنن اور مستحبات اور بھی ہیں۔

not found.

﴿فصل فی نواقض الوضوء﴾

(۲۰) المعانی الناقضة للوضوء کل ماخرج من السبیلین ﴾ ۱ لقوله تعالی اوجاء احدمنکم من الغائط، الآیة ۲ و قیل لرسول اللهﷺ و ماالحدث ؟قال: مایخرج من السبیلین

﴿نواقض وضوکا بیان﴾

ضروری نوٹ: المعانی الناقضۃ : وضوتوڑنے والی چیزیں، جن نجاستوں کے نکلنے یاداخل ہونے سے وضوٹوٹ جاتا ہےاس کا بیان ہے۔

ترجمہ:(۲۰) وضوکوتوڑنے والی ہروہ چیز ہے جو پیشاب یاپاخانہ کے راستے سے نکلے۔

تشریح : پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے جو چیزیں نکلتی ہیں اس سے وضوءٹوٹ جاتا ہے۔چاہے وہ عام طور پر نکلنے والی چیز ہو جیسے پیشاب اور پاخانہ، یاعام طور پر نکلنے والی چیز نہیں ہے جیسے کیڑا وغیرہ۔

ترجمہ: ۱ آیت میں ہے۔ او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا) (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) تم میں سے کوئی پیخانے سے آئے، یا بیوی کو چھوئے یعنی صحبت کرے اور پانی نہ پائے تو پاک مٹی سے تیمّم کرے۔

تشریح :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی پیخانہ سے آئے جسکا مطلب یہ ہے کہ پیخانہ یا پیشاب کے راستے سے کوئی ناپاکی نکلے تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا اور وضو یا تیمّم کرنا ہوگا، یا بیوی سے صحبت کرے گا تو غسل ٹوٹے گا اور غسل کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ۲ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ حدث کیا چیز ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پیشاب اور پیخانہ کے راستے سے جو نکلے وہ حدث ہیں۔اس عبارت کا مفہوم اس حدیث میں ہے عن صفوان بن عسال قال رسول اللہ ﷺ :یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط و بول ونوم (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ،ص ۱۷، نمبر ۱۲۷) پاخانہ، پیشاب اور منی پاخانہ اور پیشاب کے راستے سے نکلتے ہیں اس لئے جو چیزیں بھی ان دونوں راستوں سے نکلے وہ ناقص وضو ہیں۔صاحب ھدایہ کی عبارت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے (۲) ایک اثر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ پاخانہ کے راستے سے کیڑا بھی نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔اثر یہ ہے قال عطاء : فیمن یخرج من دبره الدودة ،او من ذکره نحو القملة : یعید الوضوء ۔(بخاری شریف ،باب من لم یر الوضوء الامن المخرجین من القبل والدبر، ص ۳۰ ،نمبر ۱۷۶) اس اثر سے پتہ چلا کہ ان دونوں راستوں سے جو کچھ بھی نکلے اس سے وضوءٹوٹ جائے گا۔(۳) یہ دونوں مقام مقام نجاست نہیں ہیں ۔نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے۔اور قاعدہ

۳؎ و كلمة، ما،عامة فتتناول المعتاد و غيره، (۲۱) و الدم و القيح اذا خرجا من البدن فتجاوز ا الى موضع يلحقه حكم التطهير

ہےکوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کرجسم کے ظاہری حصے پرآجائے تواس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اورکلمہ، ما، عام ہےاسلئے جوان دونوں راستوں سے عادۃ نکلتے ہوں اور جو عادۃ نہیں نکلتے ہوں دونوں کوشامل ہے۔

تشریح: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ پاخانہ کے راستے سے کیڑا نکل جائے تو وضوءنہیں ٹوٹے گا ۔اثر یہ ہے قال سألت ابراهيم قلت :يخرج من دبرى الدودة أتوضأ منه؟ قال: لا ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۴۵ فی انسان یخرج من دبرہ الدود،ص ۴۳ نمبر ۴۱۷) صاحب ھدایۃ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ حدیث میں کلمہ، ما، عام ہے اسلئے وہ سب کوشامل ہیں چاہے عادۃ نکلنے والی چیز ہو یا خلاف عادت کوئی چیز نکلتی ہو جیسے کیڑا وغیرہ۔

نوٹ: یہ چیزیں پیشاب کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) منی (۵) حیض (۶) نفاس (۷) استحاضہ اور یہ چیزیں پاخانہ کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پاخانہ (۲) ہوا (۳) پاخانہ کا کیڑا۔ان کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا۔

لغت: المعانی : سے مراد وضوءتوڑنے والی چیزیں ہیں،جسکو وضوتوڑنے والے اسباب کہتے ہیں۔الغائط : نیچی زمین، یہاں مراد ہے پاخانہ کرنے کی جگہ، کیونکہ پاخانہ نیچی زمین میں کرتے ہیں۔حدث: ہوا نکلنا، حضرت ابوھریرۃؓ کی تفسیر یہی ہے انه سمع ابو هريرة يقول قال رسول الله ﷺ :لا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضأ ،قال رجل من حضرموت : ما الحدث يا ابا هريرة ؟ قال فساء او ضراط ۔(بخاری شریف، باب لاتقبل صلاہ بغیر طھور،ص ۲۵ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں حدث کی تفسیر ہے کہ آواز والی ہوا یا آہستہ ہوا. تناول : شامل ہے۔معتاد : جو عادۃ نکلتی ہو۔

ترجمہ :(۲۱) خون، پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ تک پہنچ جائے جس کو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہے (تو وضوٹوٹ جائے گا)۔

تشریح: موضع يلحقه حكم التطهير : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خون، پیپ وغیرہ جب تک بدن کے اندر رہوں تو اس سے وضونہیں ٹوٹتا جب تک کہ بہہ کر بدن سے باہر نہ نکل جائے اور ایسی جگہ نہ آجائے جہاں آسانی سے ہاتھ سے دھویا جاسکے۔مثلا کان کے اندر پیپ ہو تو وضونہیں ٹوٹیگا۔لیکن اگر کان کے سوراخ میں باہر کی طرف پیپ بہہ کر آجائے جہاں انگلی سے آسانی سے پونچھا اور دھویا جاسکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائے گا۔ناک، منہ، کان، پیشاب کی جگہ، شرمگاہ اور پاخانہ کے اندر ناپاکی ہو تو وضونہیں ٹوٹے گا لیکن باہر کی طرف آجائے جہاں آسانی کے ساتھ انگلی سے ناپاکی کو پونچھا اور دھویا جاسکتا ہے تو اب وضوٹوٹ

(۲۲)و القیء ملء الفم

جائیگا۔ کیونکہ ناپا کی ایسی جگہ نکل کرآ گئی جہاں غسل میں یا وضو میں دھونا فرض ہوتا ہے۔ انہیں مقامات کو 'موضع یلحقہ حکم التطهیر' کہتے ہیں۔ اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: أرأیت ان قلس رجل فبلغ صدرہ اوحلقہ ولم یبلغ الفم ؟ قال فلا وضوء علیہ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس، ج اول، ص۱۳۶، نمبر۵۱۷) اس اثر میں ہے کہ قے جسم سے باہر آئے تب وضو ٹوٹے گا۔

اصول: چوٹ لگی اور خون صرف ظاہر ہوا اپنی جگہ سے بہا اور کھسکا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ صرف خون کا ظہور ہوا ہے۔ خون ابھی بہا نہیں ہے۔ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور وضو توڑتا ہے۔ قرآن میں ہے و دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) اس لئے اگر زخم پر خون ظاہر ہوا ہو لیکن اپنی جگہ سے کھسکا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹیگا۔ ہاں اگر خون اتنا بہہ رہا تھا کہ اپنی جگہ سے کھسک سکتا تھا لیکن بار بار پونچھ دیا گیا جس کی وجہ سے خون نہ بہہ سکا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ بہنے اور کھسکنے کے قابل خون تھا۔

نوٹ: اگر مسلسل خون بہہ رہا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا ہو اور اس حالت پر ایک دن اور ایک رات گزر گئے ہوں تو اب وہ معذور کے حکم میں ہے۔ اس لئے اب اس کا خون بہنے سے نماز کے وقت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ وہ معذور ہو گیا۔

ترجمہ: (۲۲) اور قے جب کہ منہ بھر کے ہو (تو وضو ٹوٹ جائے گا)۔

وجہ: (۱) جو قے منہ بھر کے ہو وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتی ہے جہاں غذا نجاست بن چکی ہوتی ہے۔ اور نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے اس لئے منہ بھر کے قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جو قے منہ بھر کر نہ ہو وہ پیٹ کے اوپر کے حصے سے آتی ہے جہاں غذا ابھی نجاست نہیں بنی ہوتی ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اس لئے منہ بھر کر قے نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۲) بعض حدیث میں ہے کہ وضو ٹوٹے گا اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قے ہوئی اور آپؐ نے وضو نہیں فرمایا تو یہ احادیث اسی پر محمول کی جائیں گی کہ جس میں وضو کیا وہ منہ بھر کر قے تھی اور جس میں وضو نہیں کیا وہ منہ بھر کر نہیں تھی (۳) حدیث یہ ہے عن ابی درداء رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قاء فتوضأ فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالک له فقال صدق انا صببت له وضوءہ (ترمذی شریف، باب الوضوء من القیء والرعاف ص۲۵ نمبر۸۷) (۴) حدیث میں ہے۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ : من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف ،فلیتوضأ ،ثم لیبن علی صلاته وهو فی ذالک لا یتکلم۔ (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلاۃ، ص۱۷۱ نمبر۱۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

۱ وقال الشافعیؒ: الخارج من غیر السبیلین لاینقض الوضوء، ۲ لما روی انه علیه السلام: قاء فلم یتوضأ. ۳ و لان غسل غیر موضع الاصابة امر تعبدی فیقتصر علی مورد الشرع، و هو المخرج المعتاد،

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ [اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما] نے فرمایا کہ پیشاب اور پاخانہ کے راستے کے علاوہ سے جو نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ موسوعۃ میں ہے دل ذالک علی ان لا وضوء فی قیء ولا رعاف ،ولا حجامة ،ولا شیء خرج من الجسد ولا أخرج منه غیر الفروج الثلاثة : القبل والدبر و الذکر .ولم یکن علیه وضوء ؛و هکذا اذا خرج من جسده دم او قیح او غیر ذالک من النجس ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب الوضوء من الغائط والبول و الریح، ج اول، ص ۸۳ نمبر ۲۹۰/۲۹۳)۔

ترجمہ: ۲ اسلئے کہ حضورؐ نے قے کی اور وضو نہیں فرمایا۔ اس مفہوم کا اثر یہ ہے۔ عن الحسن قال : لیس فی القلس الوضوء ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ، ج اول، ص ۱۳۸ نمبر ۵۲۳/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۹ من کان لا یری فی القلس وضوء، ج اول ص ۴۵، نمبر ۴۴۳) اس اثر میں ہے کہ وہ قیء سے وضوء کے قائل نہیں تھے (۲) دوسری دلیل۔ غزوۂ ذات رقاع میں عبادہ بن بشر کو تیر مارا اور وہ نماز پڑھتے رہے اور خون بہتا رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وہ خون نکلتے ہی نماز توڑ دیتے۔ لمبی روایت کا ٹکڑا یہ ہے عن جابر قال خرجنا مع رسول الله ﷺ .یعنی فی غزوة ذات الرقاع ..... حتی رماه بثلاثة اسهم ثم رکع وسجد (ابوداؤد شریف، باب الوضوء من الدم ص ۲۹ نمبر ۱۹۸) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کا اپنا فعل ہے حضور کو وضو ٹوٹنے کی اطلاع نہیں تھی (۲) امام شافعیؒ کے یہاں خون بدن پر لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جب بہا ہوگا تو خون بدن پر لگا ہی ہوگا جس سے ان کے یہاں بھی اس فعل سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد میں زخم ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون ناقض نہیں ہے۔ پوری تفصیل بخاری باب من لم یر الوضاء الا من المخرجین من القبل والدبر ص ۲۹ نمبر ۱۷۶ تا ۱۸۰ میں دیکھیں۔ ہم جواب دیتے ہیں یا تو مسلسل خون بہنے سے وہ معذور کے حکم میں تھے یا خون صرف زخم پر ظاہر ہوتا تھا بہتا نہیں تھا اور خون ظاہر ہونے سے وضو ہمارے یہاں بھی نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

نوٹ: صاحب الرایہ فرماتے ہیں کہ ، انه علیه السلام قاء فلم یتوضاء والی حدیث نہیں ملتی۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے کہ نجاست لگنے کی جگہ کے علاوہ کو دھونا امر تعبدی ہے (یعنی اللہ نے حکم دیا تو کر لیا اور حکمت کا پتہ نہیں چلا) اسلئے شریعت کے وارد ہونے کی جگہ پر اکتفاء کیا جائے گا اور وہ وہی جگہیں ہیں جہاں سے عادۃ نجاست نکلتی ہے۔

۴ ولنا قوله علیه السلام: الوضوء من کل دم سائل ۵ و قوله ﷺ: من قاء او رعف فی صلاته فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلاته مالم یتکلم،

تشریح: صاحب ھدایہ حضرت امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل عقلی پیش فرمارہے ہیں۔

امر تعبدی: اللہ کسی بات کا حکم دے اسکی علت اور حکمت سمجھ میں نہ آئے صرف اللہ کا حکم سمجھ کر اسکو کرتے رہیں اسکو، امر تعبدی کہتے ہیں۔ جیسے پیشاب پیخانہ نکلتے ہیں کسی اور جگہ سے اور وضوء میں ہاتھ اور پاؤں دھلواتے ہیں حالانکہ ہاتھ اور پاؤں سے نجاست نہیں نکلتی، تو ہاتھ اور پاؤں کو دھونا امر تعبدی ہوا۔ اور امر تعبدی کا قاعدہ یہ ہے کہ احادیث میں جن جن باتوں سے وضوء کرنے کا حکم دیا انہیں باتوں سے وضوء کیا جائے گا باقی سے نہیں۔ اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ پیشاب اور پیخانے کی جگہ سے نجاست نکلے تو وضوء کرو۔ اسلئے اسکے علاوہ کی جگہ سے خون نکلے یا قے نکلے تو وضوء نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۴ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے۔ وضوء ہر بہنے والے خون سے ہے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ قال تمیم الداری : قال رسول اللہ ﷺ: الوضوء من کل دم سائل ۔ (دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن ص۱۶۳ نمبر ۵۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خون سبیلین کے علاوہ سے بھی نکلے تو اس سے وضوء لازم ہوگا۔ (۲) اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ بہنے والا خون ناپاک ہے اور ناقض بھی ہے۔ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانه رجس ۔ (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶)

ترجمہ: ۵ اور حضورؐ کا قول جس نے قے کی یا نماز میں نکسیر پھوٹی تو واپس لوٹے، اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک بات نہ کی ہو۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلواته وهو فی ذالک لا یتکلم (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱/ دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج، اول، ص ۱۶۰، نمبر ۵۵۵) رعاف یعنی نکسیر پھوٹنا اور خون کا نکلنا۔ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے دوبارہ وضو کر کے اس پر نماز کی بنا کرے بشرطیکہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف سبیلین سے نکلنے ہی سے وضوء نہیں ٹوٹے گا بلکہ قے اور خون سے بھی وضو ٹوٹے گا (۲) حدیث میں ہے کہ خون سے وضو ٹوٹے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة قالت : جاءت فاطمة ابنة ابی حبیش الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ انی امراة استحاض فلا اطهر أفادع الصلوة ؟ فقال رسول الله ﷺ لا، انما ذلک عرق ولیس بحیض فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوة واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی قال : وقال ابی ثم توضأی لکل صلوة حتی یجیء ذالک الوقت (بخاری شریف، باب غسل الدم ص ۳۶ نمبر ۲۲۸) اس حدیث سے

۶؎ و لان خروج النجاسة مؤثر فی زوال الطهارة وهذا القدر فی الاصل معقول، والاقتصار علی الاعضاء الاربعة غیر معقول لکنه یتعدی ضرورة تعدی الاول. ۷؎ غیر ان الخروج انما یتحقق بالسیلان الی موضع یلحقه حکم التطهیر، و بملء الفم فی القیء لان بزوال القشرة تظهر النجاسة فی محلها فتکون بادیة لا خارجة،

معلوم ہوا کہ خون سے وضوٹوٹے گا۔ (نوٹ) عرق کا معنی رگ ہے مطلب یہ ہے کہ اندر شرمگاہ میں کسی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے خون نکل رہا ہے حیض کا خون نہیں ہے اور دیگر خون کی طرح اس کا حکم ہے۔حیض کے خون کا حکم نہیں ہے۔

نوٹ: پیپ اور کچ لہو بھی خون کی قسمیں ہیں اور خون ہی سے بنتے ہیں۔اس لئے ان کے نکلنے سے بھی وضوٹوٹ جائیگا۔

ترجمہ : ۶؎ اور اسلئے کہ نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں موثر ہے اور اتنی بات تو اصل میں سمجھ میں بھی آتی ہے۔البتہ چار اعضاء پر اکتفاء کرنا سمجھ میں نہیں آتا لیکن پہلے کے متعدی ہونے کی وجہ سے یہاں بھی متعدی ہوگا۔

تشریح : یہاں سے امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ نجاست نکلے کہیں اور سے اور دھوتے ہیں دوسرے چار عضوں کو اسلئے یہ امر تعبدی ہے۔اور امر تعبدی میں یہ ہوتا ہے کہ شارع نے جن جن چیزوں سے وضوتوڑنے کا حکم دیا ہے اتنے ہی میں وضوٹوٹے گا۔اور خون اور قے سے وضوٹوٹنے کا حکم نہیں دیا اسلئے ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔صاحب ھدایہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ،نجاست نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے چاہے کہیں سے نجاست نکلے،اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔البتہ دوسرے چار عضوں کے دھونے پر اکتفاء کیا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔لیکن کسی بھی نجاست سے وضوٹوٹ گیا تو ان چار عضوں کو دھونا ہی پڑے گا۔اور احادیث سے ثابت کر دیا کہ دوسری جگہ سے خون نکلے،یا قے نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔اسلئے ان چار عضوں کو دھونا پڑے گا۔اسی کو فرمایا،یتعدی ضرورة تعدی الاول.

ترجمہ : ۷؎ یہ اور بات ہے کہ نکلنا ایسی جگہ تک بہنے سے متحقق ہوگا جسکو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہو،اور قے میں منہ بھر کے ہوتو خروج متحقق ہوگا۔اسلئے کہ چمڑے کا چھلکا زائل ہونے سے نجاست اپنی جگہ پر ظاہر ہوئی،اس کو خارج نہیں کہیں گے۔

تشریح : یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں کہ۔نجاست سبیلین سے ذرا بھی ظاہر ہوتو وضوٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ بہے یا نہ بہے ،اور مقدار میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ سبیلین نجاست کی جگہ نہیں ہیں کیونکہ پیخانہ آنت میں جمع رہتا ہے اور پیشاب مسانے میں جمع رہتا ہے ۔اب سبیلین کے منہ پر یہ نجاست ظاہر ہوئی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ مسانے سے اور آنت سے پھسل کر آئی ہے،اسلئے تھوڑی سی بھی ظاہر ہونے سے خروج یعنی نکلنا اور بہنا ثابت ہو گیا۔کیونکہ وہ اپنے اصل مقام سے پھسل کر آئی ہے۔اور خون کا معاملہ یہ ہے کہ چمڑے کے نیچے ہر وقت رہتا ہے اسلئے ذرا سا ظاہر ہونے سے خروج یعنی نکلنا اور سیلان یعنی بہنا

۸ بخلاف السبیلین لان ذاک الموضع لیس بموضع (النجاسة) فیستدل بالظهور علی الانتقال،والخروج، ۹ وملء الفم ان یکون بحال لایمکن ضبطه الابتکلف ۱۰ لانه یخرج

ثابت نہیں ہوا، ہاں وہ ایک قطرہ ہواور جسم پر بہہ پڑے تب سیلان اور بہنا کہتے ہیں۔اور آیت میں،دم مسفوح،اور حدیث میں ہے کہ،دم سائل،یعنی بہتا ہوا خون ناقض وضو ہے۔اسلئے تھوڑے سے خون کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

قے:۔ پیٹ میں جو کھانا جمع ہوتا ہے اسکے نیچے کی تہہ پیخانے کے ساتھ مل کر ناپاک ہو جاتی ہے۔اور اوپر کی تہہ پیخانے کے ساتھ ابھی ملی نہیں ہوتی اسلئے وہ پاک رہتی ہے۔پس اگر تھوڑی قے آئے تو وہ اوپر سے آئی ہے اسلئے وہ پاک ہے اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اور اگر منہ بھر کر آئے تو وہ نیچے کی تہہ سے آرہی ہے اسلئے وہ ناپاک ہے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا ۔اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔**عن حماد فی القلس اذا کان یسیراًفلیس فیه الوضوء ،و اذا کان کثیراً ففیه الوضوء**۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۴۹ من کان لا یری فی القلس وضوء، ج اول ،ص ۴۵ نمبر ۴۴۲ رمصنف عبد الرزاق ، باب الوضوء من القیء والقلس ، ج اول ،ص ۱۳۸ نمبر ۵۲۴)اس اثر میں ہے کہ منہ بھر کر ہوتو ناقض وضو ہے اور اگر منہ بھر کر نہ ہوتو ناقض وضو نہیں ہے۔اسلئے سبیلین کی نجاست کی طرح تھوڑی سی قے ہوگی تو ناقض وضو نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۸ بخلاف سبیلین یعنی پیشاب اور پیخانے کے راستے کے اسلئے کہ یہ جگہ نجاست کی جگہیں نہیں ہیں،اسلئے ظاہر ہونے ہی سے منتقل ہونے اور نکلنے پر استدلال کیا جائے گا۔

تشریح: اوپر گزر گیا کہ پیشاب اور پیخانے کے منہ نجاست کے جمع ہونے کی جگہیں نہیں ہیں،اسلئے اگر وہاں نجاست ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ اوپر سے کھسک کر آئی ہے اور اوپر سے کھسک کر آنا اسی کا نام خروج اور سیلان ہے اسلئے تھوڑی سی نجاست بھی وہاں ظاہر ہوگی تو اس سے خروج اور سیلان پر استدلال کیا جائے گا،اور اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمه: ۹ اور منہ بھر کر اس حال کو کہتے ہیں کہ اس کو منہ میں ضبط کرنا ناممکن ہو مگر تکلف کے ساتھ۔

تشریح: قے اتنی زیادہ ہو کہ اسکو منہ میں رکھنا مشکل ہو رہا ہو،اسکو،منہ بھر قے ، کہتے ہیں۔اس حدث میں اسکی وضاحت ہے، **عن ابن جریج عن ابیه یرفعه الی النبی ﷺ قال : الوضوء من القیء و ان کان قلسا یغلبه فلیتوضأ**(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ،ج اول ،ص ۱۳۸ نمبر ۵۲۴)اس اثر میں ہے کہ منہ میں رکھنے میں مشکل ہو تو وضو ٹوٹے گا۔(۲)ایک اثر اوپر بھی گزر گیا کہ قے زیادہ ہو تو وضو ٹوٹے گا اور کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔(ابن شیبة نمبر ۴۴۲)

ترجمه: ۱۰ اسلئے کہ لگتا ہے کہ نکل ہی جائے گا۔اسلئے نکلنے کا ہی اعتبار کر لیا گیا۔

ظاهرا فاعتبر خارجا ١١ وقال زفرؒ قليل القيء وكثيره سواء ١٢ وكذا لا يشترط السيلان اعتبارا بالمخرج المعتاد، ولاطلاق قوله عليه السلام: القلس حدث ١٣ ولنا قوله عليه السلام: ليس في القطرة والقطرتين من الدم وضوء الا ان يكون سائلاً، ١٤ وقول عليؓ حين عد الاحداث جملة: او دسعة

تشریح: قے اتنی منہ بھر کر ہے کہ ظاہری طور پر لگتا ہے کہ نکل ہی جائے گی اسلئے اس پر خروج اور سیلان کا حکم لگا دیا گیا، اور اس پر وضوٹوٹنے کا حکم لگا دیا گیا ۔ یہ دلیل عقلی ہے۔ ورنہ تو اصل میں حدیث اور اثر ہیں جن سے وضوٹوٹنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

ترجمہ: ١١ مسلک امام زفرؒ۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ قے کم ہو یا زیادہ ہو سب کا حکم برابر ہے۔ یعنی دونوں سے وضوٹوٹ جائے گا۔

وجہ: ۔ ایک حدیث میں مطلقا ہے کہ قے حدث ہے ، اسکی قید نہیں ہے کہ کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا، اور زیادہ ہو تو ٹوٹ جائے گا اسلئے کم زیادہ دونوں صورتوں میں وضوٹوٹے گا۔ حدیث یہ ہے، **عن زيد ابن علی، عن ابيه عن جده قال، قال رسول الله ﷺ: القلس حدث** (دارقطنی، باب باب الوضوء من الخارج من البدن، ج اول، ۱۶۲ نمبر ۵۶۴) اس حدیث میں مطلقا ہے کہ قے حدث ہے۔

ترجمہ: ١٢ ایسے ہی خون نکلنے میں بہنے کی شرط نہیں لگاتے مخرج معتاد پر قیاس کرتے ہوئے۔ یعنی پیشاب اور پیخانے کے منہ پر بغیر بہے ہوئے تھوڑی سی بھی نجاست آجائے تو وضوٹوٹ جاتا ہے اسی طرح اور جگہوں سے بغیر بہے ہوئے تھوڑی سی بھی نجاست نکل آئے تو وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ١٣ اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ خون کے ایک دو قطرے میں وضو نہیں ہے مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو۔ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرةؓ، عن النبی ﷺ قال: ليس فی القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دماً سائلاً** ۔ (دارقطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول، ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۲)۔ یہ حدیث امام زفر کا جواب ہے کہ وہ خون کے ناقض وضو ہونے میں بہنے کی قید نہیں لگاتے جبکہ اس حدیث میں بہنے کی قید ہے۔

ترجمہ: ١٤ اور قے کے بارے میں حضرت علیؓ کا قول جب انہوں نے تمام حدثوں کو گنایا یہ ہے، **او دسعة تملأ الفم**، قے جو منہ بھر کر ہو۔

تشریح: حضرت علیؓ نے وضوتوڑنے والے بہت سے حدثوں کو گنایا ان میں یہ بھی گنایا کہ قے منہ بھر کر ہو تب ناقض وضو ہے ورنہ نہیں ۔۔ صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃؓ سے منقول ہے اور حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب، الخلافیات، میں ذکر فرمایا ہے۔ حدیث یہ ہے، **عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ يعاد الوضوء من سبع**

تملاء الفم، ۱۵؎ واذا تعارضت الاخبار يحمل ماروا ه الشافعیؒ علی القليل، وماروا ه زفرؒ علی الكثير، والفرق بين المسلكين ماقدمناه. ۱۶؎ ولوقاء متفرقاًبحيث لوجمع يملاء الفم، فعند ابی يوسف يعتبر

: من اقطار البول ،و الدم ا السائل ،و القیء ، و من دسعة تملأ الفم ،و نوم المضطجع ،و قهقهة الرجل فی الصلاة ، و خروج الدم ۔(بیروتی نصب الرایۃ ،ج اول ص ۹۰ ۔اسی مسئلے کے تحت)(۲)اسکی تائید میں یہ اثر گزر چکا ہے۔عن حماد فی القلس اذا كان يسيرا فليس فيه وضوء ، واذا كان كثيرا ففيه الوضوء ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۴۹ من کان یری فی القلس وضوء، ج اول ص ۴۵ نمبر ۴۴۲)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ قے منہ بھر کر ہو تب وضو ٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۱۵؎ جب احادیث آپس میں متعارض ہوگئیں ،تو جوامام شافعیؒ نے روایت کی اسکو تھوڑی قے پر حمل کیا جائے گا۔اور جسکو امام زفرؒ نے روایت کی اسکو زیادہ قے پر حمل کیا جائے گا۔اور دونوں مسلکوں کے درمیان فرق ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : صاحب ھدایہ نے امام شافعیؒ کی جانب سے حدیث پیش کی تھی کہ :حضور نے قے کی اور وضو نہیں کی۔اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ تھوڑی سی قے ہوئی تھی اسلئے وضو نہیں ٹوٹا ،اور آپؐ نے وضو نہیں کیا۔اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ تھوڑی قے ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اور امام زفرؒ کی جانب سے حدیث پیش کی تھی کہ :مطلق قے حدث ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ قے منہ بھر کر ہو تو حدث ہے۔اور یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ قے منہ بھر کر ہو تو وضو ٹوٹے گا۔ہم دونوں مسلکوں کے درمیان میں ہیں۔اسی جملہ کی طرف مصنف نے اس جملے سے اشارہ کیا ہے،والفرق بين المسلكين ما قدمنا ه.

ترجمہ : ۱۶؎ اور اگر متفرق جگہ یا متفرق مرتبہ قے کی اس طرح کہ اگر جمع کی جائے تو منہ بھر دے،تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار کیا جائے گا،اور امام محمدؒ کے نزدیک اتحاد سبب کا اعتبار کیا جائے گا،اور وہ متلی ہے۔

تشریح : متفرق قے کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ متلی تو ایک ہی ہے لیکن کئی جگہ پر ہٹ ہٹ کر قے کی،اور دوسری شکل یہ ہے کہ آدمی ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے لیکن الگ الگ متلی آئی اور الگ الگ متلی سے تھوڑی تھوڑی قے کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر جائے۔ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس میں تھوڑی تھوڑی قے کی ہو اور اس سے منہ بھر جاتا ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا چاہے کئی متلی سے قے ہوئی ہو کیونکہ انکے یہاں اتحاد مجلس کا اعتبار ہے۔جیسے آیت سجدہ میں اتحاد مجلس کا اعتبار ہے کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھی ہو اور مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ سبب یعنی متلی ایک ہو تو تھوڑی تھوڑی قے جمع کی جائے گی چاہے الگ الگ جگہ قے کی ہو،کیونکہ انکے یہاں اتحاد سبب کا اعتبار ہے۔کیونکہ سبب متحد ہو تو حکم بھی متحد ہوتا ہے۔

اتحاد المجلس، و عندمحمدؒ یعتبر اتحادالسبب،وھو الغثیان ۲۲ ثم مالایکون حدثا لایکون نجساً یروی ذالک عن ابی یوسف،وھو الصحیح لانہ لیس بنجس حکماحیث لم ینتقض بہ الطھارة

(۲۳) و ھذااذا قاء مرة، او طعاما، او ما فان قاء بلغما فغیر ناقض عند ابی حنیفة و محمدؒ ، وقال ابویوسفؒ ناقض اذا قاء ملء الفم﴾

ترجمہ: ۲۲ جو چیز وضوتوڑنے والی نہیں وہ ناپاک بھی نہیں،امام ابو یوسف سے یہی روایت ہےاور یہی صحیح ہے اسلئے کہ وہ حکم کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس سے طھارت نہیں ٹوٹتی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی جانب سے ایک قاعدہ بیان کیا جارہا ہے۔کہ جو چیز وضونہیں توڑتی وہ کسی چیز کوناپاک بھی نہیں کرے گی۔مثلا کھجلی کا خون جو بہانہیں اس سے وضونہیں ٹوٹے گا لہٰذا اگر اس خون کو پانی میں ڈال دیا جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہو گا۔کیونکہ جب اس نے وضونہیں توڑا تو اسکو ناپاک بھی نہیں کہا جائے گا اور اس سے پانی ناپاک بھی نہیں ہوگا کیونکہ حکم کے اعتبار سے یہ ناپاک نہیں ہے۔اسی کو کہتے ہیں، مالا یکون حدثًالا یکون نجساً، کہ جو چیز وضوتوڑنے والی نہیں وہ ناپاک بھی نہیں۔

ھو الصحیح : یہ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ خون جو بہانہیں، یا وہ قے جو منہ بھر نہیں ہوئی وہ اگر چہ وضونہیں توڑتی لیکن وہ بنفسہ ناپاک ہے اور پانی میں گر جائے تو اسکو ناپاک کردے گی۔البتہ امت کی سہولت کے لئے مصنف کے نزدیک اس پر فتوی نہیں ہے۔

لغت : القیح : پیپ، الصدید: کچ لہو،ایسا پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو،تجاوز : بہہ پڑے،کھسک جائے. ملء الفم : منہ بھر کر ہو. سبیلین : دونوں راستے،اس سے مراد پیشاب اور پیخانے کے راستے ہیں۔موضع الاصابة: ناپاکی لگنے کی جگہ۔مورد الشرع:شریعت وارد ہونے کی جگہ،یعنی جن جن چیزوں کے لئے شریعت نازل ہوئی ہو . رعف: ناک کی نکسیر پھوٹی ہو . لیبن : بناءکرے۔قشرة: چھلکا. بادیة: بدو سے مشتق ہے،ظاہر ہونے والی چیز . القلس : قے۔ جملة: تمام،یعنی تمام نواقض وضوکو گنایا۔دسعة : قے۔الاخبار :اس سے مراد احادیث ہیں۔الغثیان :متلی آنا۔یا متلی کا ایک جھونکا۔حدثاً:اس سے مراد ہے وضو توڑنے والی چیز۔

ترجمہ :(۲۳) اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ پت، یا کھانا، یا پانی قے کی ہو۔پس اگر بلغم قے کی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناقض وضونہیں ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وضوٹوٹ جائے گا اگر منہ بھر کر قے کی۔(یہ جزئیہ جامع صغیر سے لیا گیا ہے۔جامع صغیر باب ماینقض الوضوء ومالا ینقضہ ،ص ۲۷)۔

تشریح : اوپر کے مسئلے میں تھا کہ منہ بھر قے ہوتو ناقض ہے اور منہ بھر کر نہ ہوتو ناقض نہیں ہے۔یہ حکم اس صورت میں ہے کہ قے

۱؎ والخلاف فی المرتقی من الجوف، اما النازل من الرأس فغیر ناقض بالاتفاق لان الرأس لیس بموضع النجاسة، ۲؎ لابی یوسفؒ انه نجس بالمجاورة،

پتے کی ہو یا کھانے کی ہو یا پانی کی ہو۔لیکن اگر پیٹ سے بلغم کی قے منہ بھر کر ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ بلغم یا ناک کی رینٹ ناپاک نہیں ہیں۔اور چکنا ہونے کی وجہ سے اس پر نجاست چپکتی بھی نہیں ہے اسلئے اگر وہ آنت کے نچلے تہ سے بھی آئے تو اس پر بہت معمولی سی ناپاکی لگی ہوگی،اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوڑی سی قے ہو تو ناقض وضو نہیں ہے وہ معاف ہے اسلئے بلغم کی قے منہ بھر کر بھی ہو تو اس پر معمولی سی ناپاکی ہوگی اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲) حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ **عن عمار بن یاسر قال اتی علی رسول الله ﷺ و انا علی بئر ادلو ماء فی رکوة لی ،فقال :یاعمار ما تصنع ؟ قلت یا رسول الله بابی و امی اغسل ثوبی من نخامة اصابته ،فقال یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط ،والبول ،والقیء ، و الدم ، و المنی ، یا عمار ما نخامتک و دموع عینیک و الماء الذی فی رکوتک الا سواء.** (دار قطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ الخ ، ج اول ، ص ۱۳۴، نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بلغم مٹکے کے پانی کی طرح پاک ہے۔اسلئے بلغم کی قے منہ بھر کر ہو تو رینٹ پر قیاس کرتے ہوئے پاک ہوگا اور وضو نہیں توڑے گی۔

ترجمہ : ۱؎ اختلاف اس بلغم میں ہے جو پیٹ سے اوپر چڑھا ہو بہر حال جو سر سے نیچے اترا ہو وہ بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے اسلئے کہ سر نجاست کی جگہ نہیں ہے۔

تشریح: جو بلغم پیٹ سے منہ کے اندر آیا ہو یا منہ بھر قے ہوئی ہو اس بلغم کے بارے میں اختلاف ہے کہ ناقض وضو ہے یا نہیں ۔لیکن جو بلغم سر اور ناک سے اتر کر آیا ہو وہ منہ بھر کر بھی ہو تو کسی کے یہاں ناقض وضو نہیں ہے۔اسلئے کہ اوپر کی حدیث سے پتہ چلا کہ بلغم بنفسہ پاک ہے اور سر اور ناک ناپاکی کی جگہ نہیں ہیں کہ وہ بلغم کو ناپاک کر دے اسلئے سر اور ناک سے جو بلغم آئے گا چاہے وہ منہ بھر کر ہو پھر بھی کسی کے یہاں وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ **قلت لعطاء.....قال لعمری انی لاتنخم شیئاً کثیراً ثم یأتی الشیء من حلقی و من الرأس فلیس فی ذالک وضوء الا ماخرج من جوفک من معدتک** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ، ج اول ، ص ۱۳۶ نمبر ۵۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معدے سے اوپر آئے تو وضو ٹوٹے گا اور سر سے اترے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بلغم ناپاک ہے ناپاکی کے ساتھ ملنے کی وجہ سے۔یعنی یہ بلغم اگر چہ پاک ہے لیکن ناپاک

٣ ولهما انه لزج لا تتخلله النجاسة و ما يتصل به قليل و القليل فى القىء غير ناقض ٤ ولو قاء دما وهو علق يعتبر فيه ملء الفم لانه سوداء محترقة، ٥ و ان كان مائعا فكذالک عند محمد اعتبارا بسائر انواعه، ٦ وعندهما ان سال بقوة نفسه ينقض الوضوء و ان كان قليلا لان المعدة ليست بمحل الدم فيكون من قرحة فى الجوف

کھانے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے وہ ناپاک ہوگیا اسلئے جس طرح کھانے کی قے منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹ جاتا ہے، اس بلغم کی قے منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹ جائے گا۔

وجه : اوپر کی حدیث میں مطلقاً تھا کہ قے سے وضوٹوٹے گا اسلئے بلغم کی بھی قے ہوتو وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمه : ٣ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اسکے اندر نجاست نہیں جاسکتی اور جو بلغم کے اوپر چپکتی ہے وہ تھوڑی ہے اور تھوڑی قے ناقض نہیں ہے۔ تشریح گزر چکی ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اسلئے اس کے اندر تو نجاست جا نہیں سکتی، اور جو تھوڑی بہت نجاست اسکے اوپر لگتی ہے وہ بہت تھوڑی ہے۔ اور بلغم کی قے منہ بھر کر بھی ہوتو اس میں نجاست منہ بھر کر نہیں ہوئی اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اصل وجہ وہی حدیث ہے جو اوپر گزری۔

ترجمه : ٤ اور اگر خون کی قے کی اس حال میں کہ وہ جما ہوا ہے تو اس میں منہ بھرنے کا اعتبار کیا جائے گا اسلئے کہ وہ جلا ہوا سودا ہے۔

تشریح : جما ہوا خون کی قے ہوتو اگر کھانے کی قے کی طرح منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔ کیونکہ یہ بہتا ہوا خون نہیں ہے بلکہ سودا ہے جو جل گیا ہے اور کالا ہو کر خون کی طرح جم گیا ہے، اسلئے اسکا حکم کھانے کی طرح ہے کہ منہ بھر کر قے ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔ (نوٹ) پرانے اطباء کہتے ہیں کہ انسان کا بدن سودا، صفرا، بلغم، اور خون سے بنا ہے۔ اور سودا جب جلتا ہے تو خون کی طرح لال ہو کر جم جاتا ہے۔ تاہم یہ بہتا ہوا خون نہیں ہے جو ناپاک ہے۔

ترجمه : ٥ اور اگر بہتا ہوا خون ہوتو منہ بھرنے کا اعتبار کیا جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک قے کی باقی قسموں پر قیاس کرتے ہوئے۔

وجه:۔ چاہے بہتا ہوا خون ہے لیکن وہ قے ہو کر باہر آیا ہے اسلئے اور قے کا حکم ہوگا کہ منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ترجمه : ٦ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون اپنی قوت سے بہا تو وضوٹوٹ جائے گا اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے اسلئے وہ خون پیٹ میں کسی زخم سے ہے۔

وجه : طرفین فرماتے ہیں کہ خون اپنی قوت سے بہہ رہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی زخم ہے اس سے خون آکر قے

(۲۴) ولو نزل من الرأس الی مالان من الانف نقض الوضوء بالاتفاق﴿ ۱؎ لوصوله الی موضع یلحقه حکم التطهیر فیتحقق الخروج

ہورہی ہے۔اسلئے اسکا حکم بہنے والے خون کا حکم ہوگا کہ چاہے منہ بھر کر نہ ہو تھوڑا بھی ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔کیونکہ دم سائل ناپاک بھی ہے اور ناقض بھی ہے۔

اصول : یہ مسائل اس اصول پر ہے کہ تھوڑی نجاست ہو یا دم سائل نہ ہو تو وہ معاف ہے۔اور نجاست زیادہ ہو یا دم سائل ہو تو وہ ناپاک بھی ہے اور ناقض وضو بھی ہے۔اور دلیل، آیت ہے او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶)(۲) اوپر کی حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال : لیس فی القطرۃ و القطرتین من الدم وضوء الا ان یکون دماً سائلاً۔(دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول، ص ۱۵۸، نمبر ۵۷۲)(۳) اور یہ حدیث بھی ہے .عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلاۃ من قدر الدرھم من الدم۔(دار قطنی، باب قدر النجاسۃ التی تبطل الصلاۃ، ج اول، ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹) اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی نجاست معاف ہے اور زیادہ نجاست ناپاک بھی ہے اور ناقض وضو بھی ہے۔

لغت : مرۃ : پتہ، یہ بھی ایک قسم کا جما ہوا خون ہوتا ہے۔جوف : پیٹ۔مجاورۃ : جوار سے مشتق ہے، ملنا پڑوس میں ہونا .لزج : چکنا، تخلل : خلل سے مشتق ہے اندر گھسنا، درمیان میں آنا .علق: خون کا لتھڑا. محترقۃ : حرق سے مشتق ہے جلا ہوا خون. مائعا : بہنے والا. قرحۃ: زخم۔

ترجمہ:(۲۴) اور اگر خون اتر آیا سر سے ناک کے نرم حصے تک تو وضو بالاتفاق ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : پہلے اصول گزر چکا ہے کہ خون جب تک جسم کے اندر ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن بہہ کر جسم کے ایسی جگہ تک باہر آجائے جہاں وضو یا غسل میں آسانی سے انگلی پہنچ سکتی ہو اور انگلی ڈال کر دھویا جا سکتا ہو تو خون وہاں تک آنے سے سب اماموں کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔چونکہ ناک کے نرم حصے تک انگلی پہنچتی ہے اسلئے سر سے خون بہہ کر ناک کے نرم حصے تک آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ خون کے ایسی جگہ تک پہنچنے کی وجہ سے جہاں پاک کرنے کا حکم لاحق ہوتا ہے اسلئے خروج متحقق ہو جائے گا۔

تشریح: موضع یلحقه حکم التطهیر :اس عبارت کا مطلب اوپر گزر چکا ہے۔کہ خون بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچ جائے جہاں بآسانی پاک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہو۔وہاں پہنچنے کی وجہ سے سمجھ لیا جائے گا کہ خون نکل گیا اور بہنے والا ہو گیا۔

وجہ: اثر میں ثبوت ہے۔قلت لعطاء :أرأیت ان قلس رجل فبلغ صدره او حلقه ولم یبلغ الفم ؟ قال : فلا

(۲۵)والنوم مضطجعاً، اومتکیا، او مستنداً الی شیء لو ازیل لسقط ﴾ ۱؎ لان الاضطجاع سبب لاسترخاء المفاصل فلا یعری عن خروج شیء عادۃ والثابت عادۃ کالمتیقن بہ،

وضو علیہ ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس، ج اول، ص ۱۳۶ نمبر ۵۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سینے کے اندر قے ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا جبتک کہ باہر نہ آجائے۔ لان: نرم ہونا۔

ترجمہ: (۲۵) اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو آدمی گر جائے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

وجہ: (۱) اصل یہ ہے کہ گہری نیند سے عقل چھپ جاتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس حالت میں ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔ اس لئے عقل زائل ہوتے ہی ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی کو استرخاء مفاصل کہتے ہیں کہ تمام رگیں ڈھیلی ہو گئیں۔ لیکن اگر نیند گہری نہ ہو ابھی کچھ ہوش باقی ہو جیسے سجدے کی حالت میں، قیام کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تو چونکہ ابھی کچھ عقل وشعور باقی ہے اس لئے ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر سونے سے عقل چھپ جاتی ہے اور نیند گہری ہوتی ہے۔ البتہ گرتا اس لئے نہیں ہے کہ تکیہ اور سہارا اس کو گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا (۲) حدیث میں دونوں قسم کا ثبوت ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یسجد و ینام و ینفخ ثم یقوم فیصلی ولا یتوضأ ،فقلت لہ صلیت و لم تتوضأ وقد نمت ؟ فقال : انما الوضوء علی من نام مضطجعاً .زاد عثمان و هناد.فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ .(ابو داود نمبر ۲۰۲)و عن علی ابن طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ وکاء السہ العینان فمن نام فلیتوضا. (ابوداؤد، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۳ (۳) قال رسول اللہ ﷺ ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ. (ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم ص ۲۴ نمبر ۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گہری نیند سونے سے وضو ٹوٹے گا۔ ہلکی نیند ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ ینتظرون العشاء الآخرۃ حتی تخفق روء سھم ثم یصلون ولا یتوضأون ۔(ابوداؤد شریف، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۰ رترمذی شریف، باب الوضوء من النوم، نمبر ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے جس میں گہری نیند نہیں ہوتی تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ پہلو کے بل سونا سبب ہے جوڑ کے ڈھیلے ہونے کا اسلئے عادۃ کچھ نہ کچھ نکلنے سے خالی نہ ہوگا۔ اور جو عادۃ ثابت ہو وہ یقین کی طرح ہے۔

۲؎ و الا تکاء یزیل مُسکة الیقظةلزوال المقعد عن الارض و یبلغ الاسترخاء فی النوم غایته بهذا النوع من الاستناد، غیر ان السند یمنعه من السقوط ۳؎ بخلاف حالة القیام، و القعود، والرکوع، والسجود فی الصلوٰة وغیرهاهوالصحیح لان بعض الاستمساک باقٍ اذلو زال لسقط فلم یتم الاسترخاء

تشریح :آدمی کروٹ کے بل سوئے گا، یا ٹیک لگا کر سوئے گا تو استرخاء مفاصل ہوگا، یعنی تمام جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے اور اس طرح سونے سے عقل بھی مکمل طور پر سو جاتی ہے، اور عقل چھپ جاتی ہے اسلئے کچھ نہیں پتا چلتا ہے کہ ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔ البتہ اسطرح سونے میں عموما ہوا نکل ہی جاتی ہے اسلئے ایسا یقین کر لیا گیا کہ ہوا نکل ہی گئی اور وضوٹوٹ گیا۔ وضوٹوٹنے کی یہ دلیل عقلی پیش کی ہے ورنہ اصل وجہ تو اوپر کی حدیث ہے۔ کہ رکوع، سجدے میں سونے سے وضونہیں ٹوٹیگا اور پہلو کے بل سونے سے وضوٹوٹے گا۔

ترجمه : ۲؎ اور ٹیک لگانا بیداری کے کنٹرول کو زائل کرتا ہے زمین سے سرین کے اونچے ہونے کی وجہ سے اور اس قسم کے ٹیک سے نیند میں جوڑ کا ڈھیلا ہونا اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹیک اسکو گرنے سے روکتا ہے۔ اسلئے گرتا نہیں ہے۔ اسلئے وضوٹوٹ جائے گا۔

تشریح :ٹیک لگا کر سوئے گا تب بھی وضوٹوٹ جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز پر ٹیک لگا کر سونے سے عقل مکمل طور پر سو جاتی ہے، اور عقل چھپ جاتی ہے، اور تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ ہوا نکلی یا نہیں نکلی لیکن ایسی حالت میں عموما ہوا نکل ہی جاتی ہے۔ کیونکہ ٹیک لگانے کی حالت میں مقعد یعنی سرین بھی زمین سے اتنی چپکی ہوئی نہیں رہتی کہ ہوا نکلنے کو روک سکے اسلئے یہی سمجھا جائے گا ہوا نکل گئی اور وضوٹوٹ گیا۔ البتہ عقل کے چھپ جانے کے باوجود وہ گرتا اسلئے نہیں ہے کہ ٹیک اسکو گرنے سے روکے ہوا ہے۔

ترجمه : ۳؎ بخلاف قیام، قعود، رکوع اور سجدے کی حالت کے نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہو صحیح یہی ہے کہ ایسے سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ کچھ کنٹرول ابھی باقی ہے اسلئے کہ عقل مکمل زائل ہو جاتی تو آدمی گر پڑتا اسلئے معلوم ہوا کہ مکمل استرخاء نہیں ہوا۔

تشریح : اگر کھڑے کھڑے سو گیا، یا بیٹھنے کی حالت میں سو گیا، یا رکوع کی حالت، یا سجدے کی حالت میں سو گیا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔ صحیح یہی ہے کہ اگر ان حالتوں میں سویا تو یہ حالتیں چاہے نماز میں ہوں چاہے نماز کے علاوہ میں ہوں وضونہیں ٹوٹے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سونے سے اگر مکمل عقل چھپ چکی ہوتی اور جوڑ پورے طور پر ڈھیلے ہو چکے ہوتے تو یہ آدمی گر چکا ہوتا کیونکہ مکمل سونے سے آدمی رکوع سجدے کی حالت میں برقرار نہیں رہ سکتا، لیکن یہ رکوع سجدے اور قیام وقعود کی حالت میں ابھی برقرار ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ابھی نیند گہری نہیں ہے اور عقل مکمل طور پر چھپی نہیں ہے اور نہ مکمل طور پر جوڑ ڈھیلے ہوئے ہیں اسلئے اس طرح سونے سے وضونہیں ٹوٹے گا۔

﴿و الاصل فیه قوله علیه السلام: لا وضوء علی من نام قائماً، او قاعداً، او راکعاً، او ساجداً، انما الوضوء علی من نام مضطجعاً فانه اذا نام مضطجعاًاسترخت مفاصله. (۲۶)والغلبة علی العقل بالاغماء، والجنون﴾

هو الصحیح : سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ظاہری روایت یہ ہے کہ نماز کے اندر رکوع سجدے کی حالت میں سوئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر نماز سے باہر ہو کر رکوع ، سجدے ، قیام اور قعود کی حالت میں سوئے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ نماز کی حالت میں سوئے تھے تو فرمایا کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اصول: عقل زائل ہو جائے ، اور مکمل طور پر جوڑ ڈھیلے ہونے سے وضو ٹوٹے گا

ترجمہ : ﴾ وضو ٹوٹنے میں اصل تو حضور ﷺ کا قول ہے کہ اس پر وضو نہیں ہے جو کھڑے ہونے ، یا بیٹھنے ، یا رکوع ، یا سجدے کی حالت میں سویا ، وضو تو صرف اس پر ہے جو کروٹ کے بل سویا ، اسلئے کہ جب کروٹ کے بل سوتا ہے تو اسکے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں ۔۔اس حدیث کا کچھ مفہوم اوپر کی حدیث میں گزر گیا۔ اور اسکے قریب سنن بیہقی میں یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ لا یجب الوضوء علی من نام جالساً او قائماً او ساجداحتی یضع جنبه فانه اذا وضع جنبه استرخت مفاصله ،(سنن بیھقی ، باب ماورد فی نوم الساجد، ج اول ،ص ۱۹۴ نمبر ۵۹۸)

لغت: اضطجع : پہلو کے بل سونا ، کروٹ کے بل سونا. متکأ : وکأ سے مشتق ہے تکیہ لگانا۔ مستنداً : سند سے مشتق ہے کسی چیز پر ٹیک لگانا۔ استرخاء : رخاء سے مشتق ہے ، جوڑ کا ڈھیلا ہونا۔ مفاصل : مفصل کی جمع ہے ، اعضاء کے جوڑ. یعری : خالی ہونا۔ مسکة: مسک سے مشتق ہے روکنا ، کنٹرول کرنا. یقظة : بیداری۔ مقعد : قعد سے مشتق ہے بیٹھنا یہاں سرین مراد ہے جس پر آدمی بیٹھتا ہے . استمساک: یہ بھی مسک سے مشتق ہے ، کنٹرول کرنا ، گرنے سے روکنے کی عقل۔

ترجمہ:(۲۶)اور بیہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہونا ، اور جنون۔ یعنی اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : (۱) نیند میں جتنا جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے اور عقل زائل ہوتی ہے بیہوشی میں اور جنون میں اس سے زیادہ عقل زائل ہوتی ہے اور جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے اسلئے ان سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ آپ مرض الموت میں بیہوش ہوئے تو ہوش میں آنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے غسل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بیہوشی کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا اسلئے ہوش میں آنے کے بعد پانی مانگا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال دخلت علی عائشة فقلت : الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ .....قالت فـفعلنا ،فاغتسل فذهب لینوء فأغمی علیه ثم افاق فقال ﷺ :أصلی الناس ؟ قلنا : لا هم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوا لی ماءً فی المخضب قالت فقعد فاغتسل . (بخاری شریف ، باب انما جعل الا

۱؎ لانه فوق النوم مضطجعاً فی الاسترخاء ۲؎ والاغماء حدث فی الاحوال کلها وھوالقیاس فی النوم الاانا عرفناه بالاثروالاغماء فوقه فلا یقاس علیه(۲۷) والقھقھة فی صلوٰة ذات رکوع وسجود﴾

مام لیوتم بہ،ص ۹۵ نمبر ۶۸۷ رمسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر،ص ۱۷۷ نمبر ۹۳۶/۴۱۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیہوشی سے وضوٹوٹ جاتا ہے تب ہی تو بیہوشی کے بعد آپؐ نے پانی منگوایا۔ (۳) ایک اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے. عن حماد قال .: اذا افاق المجنون توضأ وضوء ه للصلاة ۔(مصنف عبدالرزاق باب النوم فی الصلاۃ والمجنون اذا عقل، ج اول،ص ۱۳۲ نمبر ۴۹۳)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ جنونیت اور بیہوشی میں وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ بیہوشی کروٹ کے بل سونے سے زیادہ ہے جوڑ بند ڈھیلے ہونے میں۔

تشریح : کروٹ کے بل آدمی سوئے اس میں جتنا جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے بیہوشی اور جنون میں اس سے کہیں زیادہ ڈھیلا ہوتا ہے ۔کیونکہ بیہوشی اور جنون میں عقل نیند سے بھی زیادہ زائل ہوتی ہے۔اسلئے اس میں بدرجہ اولی وضوٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور بیہوش ہونا تمام حالتوں میں ناقض وضو ہے اور نیند میں بھی قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ تمام حالتوں میں وضوٹوٹے لیکن حدیث کی وجہ سے ہمنے اس بات کو پہچانا کہ رکوع سجدے کی حالت میں سونے سے وضونہیں ٹوٹے گا، اور بیہوشی نیند سے بھی اونچی ہے اسلئے بیہوشی کو نیند پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : چاہے رکوع، سجدے، قیام، اور قعود کی حالت میں بیہوشی ہوئی ہو یا کروٹ کے بل سوکر بیہوشی ہوئی ہو، چاہے نماز میں ہوئی ہو چاہے غیر نماز میں ہوئی ہو ہر حال میں بیہوشی ناقض وضو ہے کیونکہ عقل مکمل طور پر چھپ جاتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے نیند کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کہ ہر حال میں ناقض وضو ہو لیکن حدیث میں ہے کہ رکوع، سجدے کی حالت میں نیند ناقض نہیں ہے اس سے وضونہیں ٹوٹے گا اسلئے نیند کا حکم وہی رہے گا۔اور بیہوشی میں عقل کا زوال نیند سے بہت زیادہ ہے اسلئے بیہوشی کو نیند پر قیاس نہیں کرسکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیہوشی رکوع، سجدے کی حالت میں ناقض وضونہیں ہے۔

لغت : الاغماء: بیہوشی۔حدث : حدث ہونا، یہاں مراد ہے وضوکو توڑنا۔

ترجمہ:(۲۷) قہقہہ مار کر ہنسنا رکوع سجدے والی نماز میں (تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا)۔

تشریح : رکوع سجدے والی نماز کی قید اس لئے لگائی کہ اگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔صرف نماز ٹوٹے گی۔

نوٹ: قہقہہ مار کر ہنسنے سے بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلتی ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضونہ ٹوٹے۔چنانچہ اکثر ائمہ کے نزدیک قہقہہ سے وضونہیں ٹوٹتا ہے۔لیکن چونکہ ضعیف حدیث سے وضوٹوٹنا ثابت ہے اس لئے امام ابوحنیفہ ضعیف حدیث پر بھی عمل کر

۱؎ والقياس انها لاتنقض وهوقول الشافعیؒ لانه ليس بخارج نجس ولهذالم يكن حدثاًفی صلوٰة الجنازة، و سجدة التلاوة، و خارج الصلوٰة ۲؎ ولناقوله عليه السلام:الامن ضحک منکم قهقهة فليعدالوضوء، والصلوٰةجميعاًوبمثله يترک القياس ۳؎ والاثرورد فی صلوٰةمطلقةفيقتصر عليها

کے وضوٹوٹنے کے قائل ہیں۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے۔**عن ابی العالية ،و انس بن مالک : ان اعمی تردی فی بئر فضحک ناس خلف رسول الله ﷺ فأمر رسول اللهؐ من ضحک أن يعيد الوضوء ،و الصلاة** ۔(دار قطنی ،باب احادیث القھقہۃ فی الصلاۃ وعللھا ،ج اول ،ص ۱۷۰،نمبر ۵۹۳/سنن بیہقی ،،باب ترک الوضوء من القھقہۃ فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۲۲۶،نمبر ۶۷۹)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی ہی لیکن وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

ترجمه : ۱؎ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اسلئے کہ اس میں ناپا کی نہیں نکلتی اسی لئے نماز جنازہ،سجدہ تلاوت اور نماز سے باہر میں ناقض وضو نہیں ہے۔

تشريح : امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں زور سے ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ زور سے ہنسنے سے جسم سے کوئی ناپا کی نہیں نکلتی جبکہ وضو ناپا کی نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ ،یا سجدہ تلاوت میں زور سے ہنسے تو وضو نہیں ٹوٹے گا ،یا نماز سے باہر زور سے ہنسے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲)اثر میں ہے کہ نماز ٹوٹ جائے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا ۔ **عن جابر قال يعيد الصلوة ولا يعيد الوضوء** (سنن للبیہقی ،باب ترک الوضوء من القھقہۃ فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۲۲۵،نمبر ۶۷۴/دار قطنی ،باب احادیث القھقہۃ فی الصلاۃ وعللھا ،ج اول ،ص ۱۸۰،نمبر ۶۴۰)صحاح ستہ میں قہقہہ والی حدیث نہیں ہے۔اس اثر سے معلوم ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمه : ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے سنو جو تم میں سے زور سے ہنسے تو وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔اور اس قسم کی احادیث سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔اس طرح کے مفہوم کی حدیث اوپر گزر گئی۔بیہقی نمبر ۶۸۰/دار قطنی نمبر ۶۰۴)

ترجمه: ۳؎ اور حدیث مطلق نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اسلئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

تشريح : نماز میں زور سے ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ حدیث مطلق نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس سے مراد ہے کہ کامل نماز ہو۔یعنی رکوع سجدے والی نماز ہو۔اور نماز جنازہ کامل نہیں ہے اور نہ اس میں رکوع ہے اور نہ سجدہ ہے اسلئے کوئی اس میں ہنسے گا تو اسکا وضو نہیں ٹوٹے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ زور سے ہنسنے سے ٹوٹنا خلاف قیاس ہے۔اور حدیث میں دونوں کا حکم ہے کہ ٹوٹے گا بھی اور نہیں بھی ٹوٹے گا اسلئے ٹوٹنے کو اس پر محمول کیا جائے کہ کامل نماز میں ہنسے تو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ﷺ والقهقهةمایکون مسموعاًله ولجیرانه والضحک مایکون مسموعاًله دون جیرانه،هوعلی ماقیل یفسد الصلوٰة دون الوضوء (۲۸) والدابة تخرج من الدبر ناقضة فان خرجت من رأس الجرح، او سقط اللحم منه لا ینقض ﷺ

ترجمہ: ﷺ قهقهه :وہ ہے کہ خود بھی سنے اوراسکا پڑوس والا بھی سنے۔اور ضحک :وہ ہے کہ خود سنے اوراسکا پڑوس والا نہ سنے۔چنانچہ اسکے بارے میں کہا گیا ہے کہ نماز ٹوٹے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح : اوپر والی عبارت میں قهقهه اور ضحک کی تفسیر بیان کی ہے،اور یہ فرمایا کہ ضحک یعنی آہستہ ہنسنے سے وضو تو نہیں ٹوٹے گا البتہ نماز ٹوٹ جائے گی۔یہی بعض ائمہ نے فرمایا ہے۔

وجہ: ثبوت اس حدیث میں ہے عن جابر ،عن النبی ﷺ قال : الضحک ینقض الصلاة ،و لا ینقض الوضوء ۔(دار قطنی ،باب احادیث القهقهة فی الصلاة وعللها،ص۱۸۲نمبر ۶۴۸)اس حدیث میں ہے کہ آہستہ ہنسنے سے نماز ٹوٹے گی البتہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔اور تبسم : یہ ہے کہ اسکی آواز نہ خود سنے اور نہ اسکا پڑوس سنے۔اوراس سے نہ نماز ٹوٹے گی اور نہ وضو ٹوٹے گا۔البتہ نماز میں ایسا کرنا خلاف ادب ہے۔اس سے خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے جو نماز میں بہت مطلوب ہے۔وجہ:۔اسکے لئے حدیث یہ ہے عن جابر ان رسول الله ﷺ کان یصلی باصحابه صلاة العصر ،فتبسم فی الصلاة ،فلما انصرف قیل له یا رسول الله تبسمت و انت تصلی ،الخ۔(دار قطنی ،باب احادیث القهقهة فی الصلاة وعللها،ج اول ص۱۸۳نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپ مسکرائے لیکن اس سے نماز نہیں توڑی۔

ترجمہ: (۲۸)اور کیڑا پیخانہ کے راستے سے نکلے تو وہ وضو توڑنے والا ہے۔پس اگر زخم کے سر سے نکلے،یا گوشت کٹ کر گر پڑے تو وضو نہیں توڑے گا۔

وجہ: (۱) پیچھے گزر چکا ہے کہ پیخانہ کے راستے سے کوئی بھی چیز نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، یہاں تک کہ وہاں سے ہوا نکلے تب بھی وضو ٹوٹے گا حالانکہ ہوا میں اتنی کم نجاست ہوتی ہے کہ نظر بھی نہیں آتی ، پھر بھی حدیث کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا اسلئے وہاں سے اگر کیڑا نکل آیا تو بدرجہ اولی وضو ٹوٹے گا۔(۲) اثر میں ہے۔عن عطاء قال : یتوضأ اذا خرج من دبره الدودة ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۴۵ فی انسان یخرج من دبره الدودة ،ج اول ،ص ۴۳ ،نمبر ۴۱۲ رمصنف عبدالرزاق ،باب الدودة یخرج من الانسان ،ج اول ص۱۶۳نمبر ۶۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پیخانے کے راستے سے کیڑا نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔لیکن اگر دوسری جگہ زخم ہے وہاں سے کیڑا نکلا، یا گوشت کٹ کر گر پڑا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کیڑے پر اتنا خون ہو کہ بہہ پڑے تب وضو ٹوٹے گا۔اور زخم کے کیڑے پر اتنا خون نہیں ہوتا کہ وہ بہہ پڑے اسلئے وہاں کیڑے کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے

۱؎ والمراد بالدابة الدودة ۲؎ و هذا لان النجس ماعليها و ذالک قليل و هو حدث فی السبلين دون غيرهما فاشبه الجشاء، والفساء ۳؎ بخلاف الريح الخارجة من القبل، والذكر لانها لا تنبعث عن محل النجاسة

گا۔اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ دم مسفوح اور دم سائل سے وضوٹوٹے گا۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : ليس فی القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دماً سائلاً ۔(دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول ،ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۲)اس حدیث میں ہے کہ دم سائل سے وضوٹوٹے گا،اور زخم کے کیڑے پر دم سائل نہیں ہوتا اسلئے اسکے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اسی طرح گوشت خود تو پاک ہے اور اس پر جو نجاست ہے وہ بہت کم جو ایک درھم کی مقدار نہیں اور نہ وہ دم سائل کی حد تک ہے اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اور مراد دابۃ سے کیڑا ہے۔دابہ کا ترجمہ آتا ہے بہت بڑا جانور،اسلئے اسکی تشریح کی کہ یہاں اس سے کیڑا مراد ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور یہ اسلئے کہ جو نجاست کیڑے پر ہے وہ کم ہے۔اور یہ کم نجاست سبیلین میں تو حدث ہے ان دونوں کے علاوہ میں حدث نہیں ہے۔پس کیڑے کا نکلنا ڈکار اور پھسکی کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: کیڑے پر جو نجاست ہے وہ بہت کم ہے البتہ کم نجاست بھی سبیلین سے نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔اور سبیلین کے علاوہ سے نکلے تو بہنے والا ہو تو وہ ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔تو یہ ایسا ہو گیا جیسے ڈکار کہ وہ منہ سے نکلتا ہے تو ناقض وضو نہیں ہے۔اور وہی ہوا پیخانے کے راستے سے نکلے تو کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ناقض وضو ہے۔کیوں کہ یہ ہوا نجس پیخانے سے گزر کر آرہی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف وہ ہوا جو عورت کے پیشاب گاہ،اور مرد کے پیشاب گاہ سے نکلے (وہ وضو نہیں توڑے گا) اسلئے کہ وہ محل نجاست سے گزر کر نہیں آتا۔

تشریح: پیشاب گاہ کا وہ حصہ جہاں نجاست جمع رہتی ہے وہ حصہ نجاست کی وجہ سے ناپاک شمار کیا جائے گا لیکن جس حصے میں نجاست نہیں ہے وہ حصہ پاک ہے اسلئے اگر وہاں سے گزر کر کوئی ہوا آئے تو وہ ہوا ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ وہ ناپاکی کی جگہ سے نہیں آرہی ہے۔جیسے ڈکار ناپاکی کی جگہ سے گزر کر نہیں آتی اسلئے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔حدث سے وضو ٹوٹ جائے گا اسکی دلیل یہ حدیث ہے سمع ابوهريرة يقول : قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضأ .قال رجل من حضرموت ما الحدث يا ابا هريرة ؟ قال :فساء أو ضراط ۔ (بخاری شریف، باب لا تقبل صلاۃ بغیر طھور، ص ۲۵ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ ایسی ہوا جو آواز کے ساتھ نکلے، یا ایسی ہوا جو بغیر آواز کے نکلے دونوں سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

٣؎ حتى لو كانت المرأةمفضاة يستحب لهاالوضوء لاحتمالخروجهامن الدبر (٢٩)فان قشرت نفطةفسال منهاماء،اوصديد،اوغيره ان سال عن رأس الجرح نقض وان لم يسل لاينقض ١؎ وقال زفرؒ ينقض في الوجهين،

ترجمه : ٣؎ یہاں تک کہ کوئی عورت مفضات ہوتو اسکے لئے وضوکرنا مستحب ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ہوا پیخانے کے راستے سے نکل کرآئی ہو۔

تشریح : مفضات اس عورت کو کہتے ہیں جسکے شرمگاہ میں ایسا سوراخ ہوجو پیخانے کی نالی میں جاتا ہو،تو چونکہ سوراخ کی وجہ سے پیخانے کی ہوا شرمگاہ کے راستے سے نکلنے کا امکان ہے اسلئے اس عورت کے لئے مستحب ہے کہ وضوکر لے۔اگر یہ یقین ہو کہ یہ ہوا پیخانے سے گزرکرآئی ہےاورشرمگاہ کے راستے سے باہر نکلی ہے تب تو یقیناً وضوٹوٹے گااور وضوکرنا واجب ہوگا۔اور اگر شبہ ہو کہ شاید پیخانے سے گزرکر یہ ہوا شرمگاہ سے باہر نکلی ہے تو صرف شبہ کی بناء پر وضونہیں ٹوٹے گا۔البتہ چونکہ عورت مفضات ہےاور پیخانے کی ہوا آنے کا امکان ہے اسلئے مستحب یہ ہے کہ وضوکر لے۔کیونکہ یقین کے بغیر طہارت کاملہ نہیں ٹوٹے گی۔

لغت : الدابة : جانور، یہاں مراد ہے کیڑا۔ جرح :زخم۔دودة : کیڑا۔الجشاء :ڈکار۔الفساء : پیخانے کے راستے کی ایسی ہوا کہ آواز نہ آئے،اسکو پھسکی کہتے ہیں۔القبل :سامنے کا حصہ،عورت کی شرمگاہ .تنبعث : بعث سے مشتق ہے،اٹھنا، یہاں مراد ہے گزرکرآنا۔مفضاة : افضاء سے مشتق ہے،کشادہ ہونا، یہاں مراد ہے ایسی عورت جسکے پیخانے کی نالی سے شرمگاہ کے اندر سوراخ جاتا ہو۔الدبر : پیخانے کا راستہ۔

ترجمه : (٢٩) پس اگر چھالے کا چھلکا الگ ہوااوراس سے پانی، یا پیپ، یا اسکے علاوہ کچھ نکلا اگر وہ زخم کے سر سے بہہ پڑا تو وضوٹوٹ جائے گااوراگرنہیں بہا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔

وجه : (١)زخم پر چھلکا پڑا ہوا تھا چھلکا ہٹنے کے بعد اندر سے خون، یا پانی، یا کچا لہو، پیپ نکلا لیکن زخم کے سر سے بہا نہیں تو وضونہیں ٹوٹے گااوراگر بہہ پڑا تو اب وضوٹوٹے جائیگا اسکی وجہ پہلے حدیث گزرچکی ہے کہ دم سائل ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔حدیث یہ ہے،ليس فى القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دماً سائلاً۔(دارقطنی ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن،ج اول،ص١٦٣نمبر٥٧٢)(٢)اثر میں ہے عن عطاء الشجة يكون بالرجل قال : ان سال الدم فليوضأ ،و ان ظهر و لم يسل فلا وضوء عليه ۔(مصنف عبدالرزاق،باب الوضوء من الدم،ج اول ص١٤٣نمبر٥٤٥)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بہے گا تو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ترجمه : ١؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضوٹوٹ جائے گا۔یعنی خون اور پیپ زخم سے بہے تب بھی وضوٹوٹے گا

۲؎ و قال الشافعیؒ لا ینقض فی الوجهین ۳؎ و هی مسألة الخارج من غیر السبیلین ۴؎ وهذه الجملة نجسة لان الدم ینضج فیصیر قیحاً ثم یزدادنضجاً فیصیر صدیداًثم یصیرماء ۵؎ھذا اذا قشرهافخرج بنفسه،واما اذاعصر ها فخرج بعصره فلا ینقض لانه مخرج و لیس بخارج، واللہ اعلم

اور نہ بہے تب بھی وضوٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں بہے یانہ بہے دونوں صورتوں میں وضوٹوٹے گا۔دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن ابی نجیح قال : سألت عطاء ومجاهدا عن الجرح یکون فی ید الانسان فیکون فیه دم یظهر و لا یسیل ؟ قال مجاهد یتوضأ ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من الدم، ج اول،ص ۱۴۴،نمبر ۵۴۸)اس اثر میں ہے کہ خون نہ بہے تب بھی وضوٹوٹے گا۔

ترجمه : ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نہیں ٹوٹے گا،اسکی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے خون نکلےتو چاہے بہے یانہ بہےکسی حال میں ناقض وضونہیں ہے۔انکی دلیل پہلے گزرچکی ہے۔

ترجمه : ۳؎ یہ مسئلہ سبیلین کے علاوہ سے خون نکلنے اسکا ہے۔پیشاب اور پیخانے کے راستے سے نجاست نکلے تو امام شافعیؒ کے نزدیک بھی وضوٹوٹے گا۔لیکن یہاں بات یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے خون پیپ نکلے تو وضوٹوٹے گا یانہیں اسکا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

ترجمه : ۴؎ یہ تمام ناپاک ہیں،اسلئے کہ خون پکتا ہے تو کچا خون ہوتا ہے، پھر زیادہ پکتا ہے تو پیپ ہوتا ہے، پھر بعد میں پانی ہوجا تا ہے۔وجہ:چونکہ یہ تمام خون سے ہی بنتے ہیں اسلئے خون کی طرح یہ تمام ناپاک ہیں۔

ترجمه : ۵؎ یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جبکہ اسکا چھلکا ہٹایا تو خون خود بخود نکل گیا،اور اگر اسکو نچوڑا پھر نچوڑنے سے خون نکلاتو وضونہیں ٹوٹے گا،اسلئے کہ یہ نکالا گیا ہے خود نہیں نکلا ہے ۔

تشریح : زخم کا چھلکا ہٹایا اور خون نکل کر بہہ پڑا تو وضوٹوٹے گا، کیونکہ یہ خون عموما زیادہ ہوتا ہے اور دم سائل کی حدتک پہونچا ہوا ہوتا ہے،لیکن اگر نچوڑ کر نکالا تو عموما خون تھوڑا ہوتا ہے اور دم سائل کی حدتک پہنچا ہوانہیں ہوتا اسلئے وہ ناقض وضونہیں ہے۔تاہم اگر دم سائل کی حدتک پہنچ جائے تو وضوٹوٹ جائے گا۔پچھلے دلائل کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ نجاست زیادہ ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

لغت : قشرت : کھال چھلنا۔نفطة: پھوڑا پھنسی۔صدیدا : پیپ۔ینضج : پکتا ہے، پھل یا گوشت کا پکنا۔قیحاً : پیپ،وہ خون جو پیپ مائل ہو۔عصر : نچوڑا۔خارج:خود بخود نکلنے والا۔ مخرج :جسکو نکالا گیا ہو۔

خلاصہ وضوتوڑنے والی چیزیں پانچ طرح کی ہیں (۱) سبیلین سے کچھ نکلے (۲) بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے (۳) منہ سے قے نکلے (۴) عقل زائل ہو جائے (۵) قہقہہ مار کر ہنسے۔

CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

﴿فصل فی الغسل﴾

(۳۰)و فرض الغسل، المضمضة، والاستنشاق، وغسل سائر البدن ﴾ ۱؎ وعندالشافعیؒ هماسنتان فيه،لقوله عليه السلام:عشرمن الفطرة،ای من السنةوذكرمنها المضمضة، و الاستنشاق، و لهذا كانا سنتين فی الوضوء.

﴿غسل کے فرائض کا بیان﴾

ترجمہ: (۳۰)غسل کے فرائض(۱)کلی کرنا(۲)ناک میں پانی ڈالنا(۳)اور پورے بدن کودھونا ہے۔

تشریح : اصل میں پورے بدن پر پانی پہنچانا ہے کہ ایک بال برابر بھی خشک نہ رہ جائے۔اورمنہ اورناک کے حصے بھی بدن کے باہر کے حصے شمار کئے جاتے ہیں۔اس لئے کلی کر کے اورناک میں پانی ڈال کر وہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

وجہ : (۱)آیت میں ہے وان كنتم جنبا فاطهروا(آیت۶،سورۃ المائدۃ۵) آیت میں ہے کہ جنابت کی حالت میں خوب خوب پاکی حاصل کرواور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ کلی کر کے اورناک میں پانی ڈال کر ہر جگہ پانی پہنچایا جائے۔اس لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں فرض ہیں(۲)حدیث میں ہے عن علی قال ان رسول الله ﷺ قال من ترک موضع شعره من جنابة لم يغسلهافعل بها كذا كذا من النار (ابوداؤدشریف،باب فی الغسل من الجنابۃص۳۸نمبر۲۴۹)معلوم ہوا کہ ایک بال برابر بھی غسل میں خشک رہ جائے توغسل نہیں ہوگا اسی لئے کلی کرنا اورناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔(۳)عن ابی هريرة ان النبی ﷺ جعل المضمضة والاستنشاق للجنب ثلاثا فريضة (سنن دارقطنی،باب ماروی فی مضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ج اول ص۱۲۱نمبر۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ جنبی پر کلی کرنا اورناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اورامام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اورناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں،یعنی سنت ہیں اوران باتوں میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا بھی ذکر ہے(۲) اوراسی لئے یہ دونوں وضومیں سنت ہیں۔(موسوعۃ نمبر۵۳۵)۔

وجہ: (۱)امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت : قال رسول الله ﷺ : عشر من الفطرة قص الشارب ،و اعفاء اللحية ،و السوک ،و استنشاق الماء ،وقص الاظفار ،و غسل البراجم ،و نتف الابط ،و حلق العانة ،و انتقاص الماء ،قال زكريا قال مصعب : و نسيت العاشرةالا ان تكون المضمضة . (مسلم شریف،باب خصال الفطرۃ،ص۱۳۰نمبر۲۶۱/۶۰۴،ابوداودشریف،باب السواک من الفطرۃ،ص۹نمبر۵۳)اس حدیث سے امام شافعیؒ غسل میں بھی کلی کرنا اورناک میں پانی ڈالنا سنت قرار دیتے ہیں (۲)۔دارقطنی میں دوسری حدیث ہے۔ سن رسول الله

۲ ولنا قوله تعالیٰ و ان کنتم جنباً فاطهروا امر بالاطهار وهو تطهیرجمیع البدن الا ان ما تعذر ایصال الماء الیه خارج ۳ بخلاف الوضوء لان الواجب فیه غسل الوجه، و المواجهة فیهما منعدمة ۴والمراد بما روی حالة الحدث بدلیل قوله علیه السلام انهما فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء.

علیہ السلام الاستنشاق فی الجنابة ثلاثا (کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۱۲۱، نمبر ۴۰۱) اس سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں بھی فرض ہے۔

ترجمہ : ۲ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے۔وان کنتم جنباً فاطّهروا ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں خوب خوب پاک کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تمام بدن کو پاک کرے مگر جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو وہ جگہ اس سے خارج ہے۔

تشریح : آیت میں،فاطّهروا ،تشدید کا صیغہ ہے جسکا مطلب ہے کہ خوب خوب پاک کرو یعنی جہاں جہاں انگلی پہنچ سکتی ہو وہاں تک دھوؤ اور ناک اور منہ میں آسانی سے پانی جا سکتا ہے اسلئے ان دونوں کو بھی آیت کی بناء پر دھونا فرض ہوگا۔البتہ جہاں پانی پہنچانا مشکل ہے جیسے ناک کے نرمے سے بھی اوپر، یا کان کے سوراخ کے اندرونی حصے میں تو وہاں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق ہے۔اور آیت میں ہے. لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها ۔(آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) کہ وسعت سے زیادہ اللہ تکلیف نہیں دیتے۔

ترجمہ : ۳ بخلاف وضو کے اسلئے کہ اس میں واجب چہرے کا دھونا ہے اور ناک کے اندر اور منہ کے اندر مواجہت نہیں ہے۔اسلئے ان دونوں کے اندر دھونا واجب نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب دے رہے ہیں کہ وضو کی آیت میں وجہ کا حکم ،یعنی چہرے کو دھونا واجب ہے اور وجہ کا ترجمہ ہے جو سامنے نظر آئے اور منہ کے اندر اور ناک کے اندر سامنے نظر نہیں آتا اسلئے آیت کی بنیاد پر وضو کے اندر اسکا دھونا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۴ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی اس حدیث کا مطلب یہ کہ وہ حدث کی حالت کے بارے میں ہے۔حضور کی حدیث کی دلیل کی وجہ سے: کہ یہ دونوں یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔

تشریح :امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی تھی کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں یعنی سنت ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وضو میں یہ دونوں سنت ہیں اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔جیسا کہ امام شافعی والی حدیث میں گزری۔البتہ جنابت میں یہ دونوں فرض ہیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هريرة : ان النبی علیہ السلام جعل المضمضة و الاستنشاق

(۳۱) سنـنه ان يبدأ المغتسل فيغسل يديه، و فرجه، و يزيل النجاسة ان كانت على بدنه ثم يتوضأ و ضوئه للصلوٰة الا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه، و سائر جسده ثلاثا، ثم يتنحى عن ذالك المكان، فيغسل رجليه ﴾ ا ھكذا حكت ميمونةؓ اغتسال رسول اللهﷺ

للجنب ثلاثا فريضة ۔(دارقطنی باب ماروی فی المضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ،ج اول،ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ مضمضۃ اورستنشاق جنابت میں فرض ہیں۔

(**نـــوٹ**) صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث کہ یہ دونوں جنابت میں فرض ہیں اور وضومیں سنت ہیں۔دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔جنابت میں مضمضۃ اور استنشاق فرض ہیں اسکی دلیل اوپر والی دار قطنی ،نمبر ۴۰۳ ،کی حدیث ہے،اور یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اسکے لئے مسلم شریف کی فطرت والی حدیث ہے۔

لغت : مضمضة :کلی کرنے کومضمضۃ کہتے ہیں۔ استنشاق : نشق سے مشتق ہے،ناک میں پانی ڈالنا.اطّہر :باب افّعّل سے ہے خوب خوب پاک کرنا۔مواجهة: وجہ سے مشتق ہے آمنے سامنے ہونا.منعدمة:عدم سے مشتق ہے معدوم ہونا، کچھ نہ ہونا۔

ترجمه: (۳۱)غسل کی سنتیں یہ ہیں(۱)غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے(۲)اوراپنی شرم گاہ کو دھوئے(۳) اورنجاست کوزائل کرے اگراس کے بدن پر ہو(۴) پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے مگر پاؤں ابھی نہ دھوئے(۵) پھراپنے سر پر پانی بہائے (۶)اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے (۷) پھراس جگہ سے الگ ہو جائے (۸) پھر دونوں پاؤں کو دھوئے۔

وجــــه: یہ آٹھ کام اسی ترتیب سے سنت ہیں۔پاؤں پہلے اس لئے نہ دھوئے کہ غسل کا پانی پاؤں کے پاس جمع ہوگا اور پاؤں کو ناپاک کردے گا۔اس لئے اس کواخیر میں دھوئے۔البتہ پانی پاؤں کے پاس جمع نہ ہوتا ہوتو پہلے بھی پاؤں دھوسکتا ہے۔حدیث میں اسی ترتیب سے ان سنتوں کا ذکر ہے۔ حدثتني خالتي ميمونة قالت : ادنيت لرسول الله ﷺ غسله من الجنابة،فغسل كفيه مرتين او ثلاثاً ،ثم ادخل يده فى الاناء ،ثم افرغ به على فرجه ،و غسله بشماله ،ثم ضرب بشماله الارض ،فدلكها دلكاً شديدا، ثم توضأ وضوئه للصلاة ثم افرغ على رأسه ثلاث حفنات ملء كفه،ثم غسل سائر جسده ،ثم تنحى عن مقامه ذالك فغسل رجليه ،ثم اتيته بالمنديل فرده (مسلم شریف، باب صفۃ غسل الجنابۃ ص ۱۴۷ نمبر ۷۲۲/۳۱۷ /بخاری شریف، باب الغسل مرة واحدة ،ص ۳۹،نمبر ۲۵۷)اس حدیث سے ترتیب کے ساتھ سنتیں ثابت ہوئی ہیں۔

تــرجـمــه : ا اسی ترتیب سے حضرت میمونہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کو بیان فرمایا۔اس مضمون کے لئے مسلم شریف کی

۲؎و انما يؤخر غسل رجليه لانهما فی مستنقع الماء المستعمل فلا يفيد الغسل حتی لو كان علی لوح لايؤخر ۳؎ وانما يبدأ بازالة النجاسة الحقيقية كيلا تزداد باصالة الماء (۳۲)وليس علی المرأة ان تنقض ضفائرهافی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر﴾

حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمه : ۲؎ پاؤں دھونے کوموخر اسلئے کرے کہ دونوں پاؤں مستعمل پانی کے جمع ہونے کی جگہ میں ہیں اسلئے پاؤں دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ہاں اگر کسی تختے پر ہوتو دھونا موخر نہ کرے۔

وجه : (۱) غسل کا مستعمل پانی پاؤں کے پاس جمع ہے اسلئے اگر پاؤں دھوئے گا تو مستعمل پانی پھر پاؤں میں لگ جائے گا اور پاؤں دوبارہ ناپاک ہو جائے گا اسلئے وہاں سے ہٹنے سے پہلے پاؤں دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اسلئے وہاں سے ہٹنے کے بعد پاؤں دھوئے۔(۲)مسلم شریف کی حدیث میں بھی تھا کہ حضورؐ غسل کی جگہ سے ہٹے پھر پاؤں دھویا حدیث یہ ہے حدثتنی خالتی ميمونة .....ثم تنحیٰ عن مقامه ذالک فغسل رجليه۔(مسلم نمبر۷۲۲) کہ اپنی جگہ سے ہٹے پھر پاؤں دھویا۔

ترجمه:۳؎ اور نجاست حقیقیہ کو پہلے زائل کرے تا کہ پانی کے لگنے سے ناپاکی زیادہ نہ ہو جائے

وجه : (۱)اگر جسم پر نجاست حقیقی ہو تو سب سے پہلے اسکو دھوئے تا کہ پانی لگنے کی وجہ سے مزید پھیلے نہیں اور جسم کے دوسرے حصے کو ناپاک نہ کرے۔(۲)مسلم شریف کی حدیث میں تھا کہ آپؐ نے پہلے اپنے فرج کی نجاست کو دھویا۔عبارت یہ تھی۔ثم افرغ به علیٰ فرجه ،و غسله بشماله۔(مسلم نمبر۷۲۲)

لغت : فرج : شرمگاہ، يفيض : بدن پر پانی بہائے يتنحی : نحی سے مشتق ہے،ایک کنارے ہو جائے،ہٹ جائے.مستنقع : نقع سے مشتق ہے، پانی جمع ہونے کی جگہ.يبدأ : بدأ سے مشتق ہے،شروع کرنا۔اصابة: پہنچنا، پانی کا لگنا۔

ترجمه: (۳۲)عورت پر نہیں ہے کہ غسل میں اپنے جوڑے کو کھولے اگر پانی بال کی جڑ میں پہنچ جائے۔

وجه: (۱) قاعدے کے اعتبار سے جنابت،حیض اور نفاس کے غسل میں بالوں کی جڑ تک پانی پہنچنا ضروری ہونا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ مرد کو جوڑا ہو تو اس کو کھولنا اور بالوں پانی میں پہنچانا ضروری ہے۔لیکن عورت کو حضورؐ نے بار بار کی پریشانی کی وجہ سے خصوصی رعایت دی ہے کہ اگر سر کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے تو جوڑے کو کھولنا ضروری نہیں (۲) حدیث میں ہے عورتوں کو جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے اگر بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جاتا ہو۔عن ام سلمة قالت قلت يا رسول الله ﷺ انی امرأة اشد ضَفر رأسی افأنقضه لغسل الجنابة ؟قال لا ، انما يكفيك ان تحثی علی رأسك ثلاث حثيات ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين (مسلم شریف، باب حکم ضفائر المغتسلة ص۱۴۹ نمبر۳۳۰ ۷۴۴/ابوداؤد شریف، باب المرأة هل تنقض

۱ لقوله عليه السلام لام سلمة ؓ يكفيك اذا بلغ الماء اصول شعرك، و ليس عليها بل ذوائبها هو الصحيح لما فيه من الحرج ۲ بخلاف اللحية لانه لا حرج فی ايصال الماء الی اثنائها.

شعرها عند الغسل نمبر ۲۵۱) اس حدیث کے چار حدیثوں کے بعد عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہے ثم تصب علی رأسها فتدلکه دلکا شديدا حتى تبلغ شؤن رأسها (مسلم شریف، باب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسک فی موضع الدم ص ۱۵۰ نمبر ۳۳۲/۷۵۰) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانی بالوں کی جڑوں کے اندر پہنچانا ضروری ہے تب غسل ہوگا۔ اگر جوڑا نہیں کھولا اور پانی جڑ تک نہیں پہنچا تو عورتوں کا غسل نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ نے ام سلمہؓ سے کہا تمکو غسل کرنا کافی ہے جبکہ پانی تمہارے بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے، اور عورت پر اسکے گیسو کو تر کرنا ضروری نہیں ہے یہی صحیح ہے اسلئے کہ اس میں حرج ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے اور دونوں حدیثیں اوپر گزر گئی۔ اا ور گیسو تر کرنے میں حرج ہے اسلئے عورت پر غسل جنابت میں بھی گیسو کو تر کرنا واجب نہیں ہے۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ : ۲ بخلاف داڑھی کے اسلئے کہ پانی اسکے بیچ میں پہنچانے میں حرج نہیں ہے۔ غسل میں داڑھی کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اسکے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حدیث کے اعتبار سے بھی پانی پہنچانا ضروری ہے۔

فائدہ : بعض ائمہ کے نزدیک بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ ان کا استدلال حدیث انما تحثی علی رأسک ثلاث حثيات ،ثم تفيضين عليک الماء فتطهرين ۔(مسلم ۴۴، ۳۳۰/۷) سے ہے کیونکہ اس حدیث میں بال کی جڑ میں پانی پہنچانے کی شرط نہیں ہے صرف سر پر پانی ڈانے کا حکم ہے۔

لغت : تنقض : نقض سے کھولنا، ضفائر : ضفيرة کی جمع جوڑا۔ بل: تر کرنا۔ ذوائبها: ذائبة کی جمع ہے، چوٹی، گیسو۔ اثنا: درمیان میں۔

big.jpg not found.

(۳۳) و قال (القدوری) المعانی الموجبة للغسل: انزال المنی علی وجه الدفق و الشهوة من الرجل و المرأة ﴿ ۱ ﴾ حالة النوم،والیقظة، ۲ وعند الشافعیؒ خروج المنی کیف ما کان یوجب الغسل لقوله علیه السلام:الماء من الماء،ای الغسل من المنی

﴿ غسل واجب ہونے کے اسباب ﴾

ترجمہ:(۳۳)غسل واجب کرنے والے امور (۱)منی نکلنا کودکر شہوت کے ساتھ مرد سے اور عورت سے۔

ترجمہ: ۱ نیند کی حالت میں اور بیداری کی حالت میں۔

تشریح: جن اسباب کے ہونے سے غسل فرض ہوجاتا ہے یہاں ان امور کا تذکرہ ہے۔ان میں سے یہ ہے کہ مرد یا عورت سے شہوت کے ساتھ کودکر منی نکلے تو غسل فرض ہوجائے گا۔

وجہ : (۱)منی نکلنے سے غسل فرض ہوگا اسکی دلیل یہ آیت ہے و ان کنتم جنبا فاطھروا ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ جنابت ہو یعنی منی نکلے تو غسل فرض ہے۔(۲)منی کودکر اور شہوت سے نکلے تو غسل واجب ہوگا۔لیکن بغیر شہوت کے نکلے جیسے جریان کے مرض میں ہوتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضو ٹوٹے گا۔حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔عن علی رضی اللہ عنہ قال له رسول الله ﷺ لا تفعل اذا رأیت المذی فاغسل ذکرک و توضأ وضوئک للصلوة فاذا فضخت الماء فاغتسل (ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۶)مسند احمد میں یوں عبارت ہے اذا حذفت فاغتسل من الجنابة و اذا لم تکن حاذفا فلا تغتسل (مسند احمد،علی بن ابی طالب،ج اول،ص ۱۷۳،نمبر ۸۴۹)حذفت اور فضخت کا ترجمہ ہے کہ منی کودکر نکلے تو غسل کرو۔اور یہ شہوت کے ساتھ نکلنے میں ہوتا ہے(۳)مذی اور ودی بھی منی کا ایک حصہ ہے لیکن کودکر نہیں نکلتی اس لئے ان میں غسل لازم نہیں ہے۔اسی طرح منی بیماری کی وجہ سے پانی کی طرح پتلی ہوجائے اور نکلتے وقت نہ لذت ہو اور نہ کودنا ہو اور ودی کی طرح نکلے تو ظاہر ہے کہ اس میں منی کی خصوصیت نہ رہی اس لئے اس سے غسل واجب نہ ہوگا۔

ترجمہ : ۲ اور امام شافعیؒ کے نزدیک منی کیسے بھی نکلے غسل واجب ہوجاتا ہے حضور کی حدیث کی وجہ سے۔الماء من الماء،یعنی غسل منی نکلنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ منی شہوت کے ساتھ نکلے یا بغیر شہوت کے غسل واجب ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث میں مطلق ہے کہ منی نکلے تو غسل کرو اسلئے بغیر شہوت کے نکلے تب بھی غسل واجب ہوگا۔حدیث یہ ہے عن ابی سعید الخدری .....قال رسول الله ﷺ انما الماء من الماء ۔(مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام یوجب الغسل ص ۱۵۵ نمبر

۳؎ ولنا ان الامر بالتطهیر یتناول الجنب، و الجنابة فی اللغة خروج المنی علی وجه الشهوة یقال اجنب الرجل اذا قضی شهوته من المرأة، ۴؎ والحدیث محمول علی الخروج عن شهوة ۵؎ ثم المعتبر عند ابی حنیفةؒ و محمد انفصاله عن مکانه علی وجه الشهوة ۶؎ و عند ابی یوسفؒ ظهوره ایضاً اعتباراً للخروج بالمزایلة اذا الغسل یتعلق بهما

۳۴۳/۵۷۷/ابوداود شریف، باب فی الاکسال ص۳۲ نمبر۲۱۷) اس لئے شہوت کے بغیر بھی منی نکل جائے تو غسل واجب ہوگا۔

نوٹ: عورت کی منی نکل جائے تو اس پر بھی غسل لازم ہوگا۔ دلیل حدیث میں ہے عن ام سلمة ... فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ نعم اذا رات الماء (یعنی المنی) (د) (مسلم شریف، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی منہا ص۱۴۵ نمبر۳۱۳/۷۱۲)۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں پاک کرنے کا حکم جنبی کو شامل ہے۔ اور لغت میں جنبی کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی نکلنے کو۔ چنانچہ عرب میں کہتے ہیں اجنب الرجل: جب عورت سے شہوت پوری کرے۔

تشریح: آیت میں حکم ہے کہ جنبی غسل کرے اور عرب جنبی اسکو کہتے ہیں جو اپنی بیوی سے شہوت پوری کرے، جس سے معلوم ہوا کہ شہوت کے ساتھ منی نکلے تب ہی غسل واجب ہوگا۔ اگر جریان کی وجہ سے بغیر شہوت کے منی نکل گئی تو غسل واجب نہیں ہوگا۔ اصل وجہ تو اوپر کی ابوداؤد، اور مسند احمد کی حدیث ہے جس میں ہے کہ منی کو دکر نکلے یعنی شہوت کے ساتھ نکلے تو غسل واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث شہوت کے ساتھ نکلنے پر محمول ہے۔ یعنی امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے انما الماء من الماء۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ منی نکلے تو غسل واجب ہے۔ اسی معنی پر حدیث محمول ہے۔

ترجمہ: ۵؎ پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہونے کا اعتبار ہے۔ یعنی جس وقت منی کی تھیلی سے منی جدا ہو رہی ہو اس وقت شہوت ہو چاہے باہر نکلتے وقت شہوت نہ ہو پھر بھی غسل واجب ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باہر نکلتے وقت بھی شہوت ہو قیاس کرتے ہوئے خروج کو جدا ہونے پر اسلئے کہ غسل دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ منی کی تھیلی سے جدا ہونے کے وقت بھی شہوت ہو اور عضو تناسل سے جب باہر ہو رہی ہو تب بھی شہوت ہو تب غسل واجب ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ منی کی تھیلی سے کھسکتے وقت جس طرح شہوت ضروری ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے عضو تناسل سے باہر نکلتے وقت بھی شہوت ضروری ہونی چاہئے۔ کیونکہ غسل کا تعلق تھیلی سے کھسکنے سے بھی ہے اور عضو تناسل سے باہر نکلنے سے بھی ہے۔ چنانچہ اگر کسی کی منی اسکی تھیلی سے شہوت کے ساتھ کھسکی اور اس نے عضو تناسل کو پکڑ لیا پھر شہوت ختم ہونے

ﮯ ولهما انه متى وجب من وجه فالاحتياط فى الايجاب (٣٤) و التقاء الختانين من غير انزال﴾

ﺎ لقوله علیہ السلام اذا التقى الختانان و غابت الحشفة وجب الغسل انزل او لم ينزل،

کے بعد منی کو باہر نکلنے دیا تو چونکہ باہر نکلتے وقت شہوت نہیں ہے اسلئے غسل واجب نہیں ہوگا۔لیکن تھیلی سے کھسکتے وقت شہوت ہے اسلئے طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا۔

ترجمه : ﮯ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی ایک وجہ سے واجب ہوا تو واجب کرنے میں ہی احتیاط ہے۔یعنی غسل کا وجوب کھسکنے پر بھی ہے اور باہر نکلنے پر بھی ہے تو ایک وجہ سے بھی واجب ہو جائے تو غسل واجب کر دینا چاہئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

لغت : الدفق: کود کر نکلنا۔یقظة : بیداری میں۔انفصال : جدا ہونا۔مزایلة : زائل ہونا،کھسکنا۔

ترجمه: (٣٤) مرد اور عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے منی کے انزال کے بغیر۔

تشریح: عورت کے فرج داخل میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کو اہل عرب ختنہ کرتے تھے یہ عورت کے ختنہ کی جگہ ہے۔اس مقام تک مرد کے ختنہ کی جگہ یعنی حشفہ داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا انزال نہ ہو تب بھی۔

وجه: (١) جگہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلے گا کہ منی نکلی یا نہیں نکلی۔اس لئے سبب انزال کو انزال کی جگہ پر رکھ کر غسل واجب ہو جائے گا (٢) حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں یہ تھا کہ جب تک منی نہ نکلے تب تک غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔اور یہ حدیث مشہور تھی انما الماء من الماء (مسلم شریف،باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الا ان ینزل المنی وبیان نسخہ وان الغسل یجب بالجماع ص ١٥٥ نمبر ٣٤٣/٧٧٥) لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ صرف جماع کرنے سے غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو۔اوپر ہی کے باب میں یہ حدیث ہے عن عائشة رض قال رسول الله ﷺ اذا جلس بين شعبها الاربع ومس الختان الختان فقد وجب الغسل . (مسلم شریف باب بیان ان الجماع الخ ص ١٥٦ نمبر ٣٤٩/٧٨٥/ابو داؤد،باب فی الاکسال ص ٣٢ نمبر ٢١٦) میں منسوخ کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔تفصیل اس طرح ہے ان ابی بن کعب اخبره ان رسول الله ﷺ انما جعل ذلک رخصة فى اول الاسلام لقلة الثياب ثم امر بالغسل ونهى عن ذلک (ابو داؤد،باب فی الاکسال نمبر ٢١٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

ترجمه : ﺎ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جب ختنے کا مقام ختنے کے مقام سے مل جائے اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔یہ حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے جسکا ایک ٹکڑا تو اوپر حضرت عائشہ کی حدیث گزری اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے عن ابی هريرة ان النبى ﷺ قال : اذا جلس بين شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب عليه

۲ ولانه سبب للانزال و نفسه يتغيب عن بصره وقد يخفى عليه لقلته فيقام مقامه، ۳ و كذا الايلاج في الدبر لكمال السببية، ۴ ويجب على المفعول به احتياطا.

الغسل. وفي حديث مطر : و ان لم ينزل ۔(مسلم شریف، باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانین ،ص ۱۵۶ نمبر ۷۸۳/۳۴۸)اس حدیث میں وان لم ینزل کا لفظ موجود ہے۔

ترجمہ: ۲ اوراسلئے بھی کہ فرج میں داخل ہونا انزال کا سبب ہے۔اور خود عضو تناسل نگاہ سے غائب ہوتا ہے اور منی کم ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ پتہ بھی نہیں چلتا ہے اسلئے حشفہ کے داخل ہونے کو انزال کے قائم مقام قرار دے دیا (اور غسل واجب کر دیا)

تشریح: حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ جب حشفہ غائب ہو گیا تو منی نکلی یا نہیں نکلی بعض مرتبہ اسکا پتہ نہیں چلتا ہے کیونکہ منی کم ہوتی ہے اسلئے حشفہ غائب ہونے کو ہی منی نکلنے کے قائم مقام قرار دے کر غسل واجب کر دیا گیا۔

ترجمہ : ۳ ایسے ہی غسل واجب ہوگا دبر میں داخل کرنے سے سبب کے مکمل ہونے کی وجہ سے۔یعنی عضو تناسل دبر میں اتنا داخل کر دیا کہ حشفہ غائب ہو گیا تو چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو پھر بھی غسل واجب ہو جائے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ جتنی لذت عورت کی شرمگاہ میں ہوتی ہے تقریبا اتنی ہی لذت دبر میں بھی ہوتی ہے۔اور یہاں بھی حشفہ غائب ہونے کے بعد بعض مرتبہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ منی نکلی یا نہیں نکلی اسلئے حشفہ کے غائب ہونے کو منی نکلنے کے درجے میں رکھ کر غسل واجب کر دیا جائے گا۔کیونکہ حشفہ کا غائب ہونا اور لذت کا مکمل ہونا دونوں سبب پورے ہیں اسلئے التقاء ختانین والی حدیث پر قیاس کرتے ہوئے اس پر غسل واجب کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ اور مفعول پر بھی غسل احتیاطا واجب کیا جائے گا۔

تشریح: جسکے دبر میں حشفہ غائب کر دیا اسکی منی نہیں نکلی اور نہ دبر سے منی نکلنے کا سوال ہے اسلئے اس پر غسل واجب نہیں ہونا چاہئے ۔چنانچہ اثر میں اسکا ثبوت ہے .عن الحسن في الرجل يصيب من المرأة في غير فرجها قال : ان هي انزلت اغتسلت و ان هي لم تنزل توضأت و غسلت ما اصاب من جسدها من ماء الرجل ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۹ فی الرجل یجامع امرأتہ دون الفرج ،ج اول ،ص ۸۹ ،نمبر ۹۹۲ رمصنف عبد الرزاق ،باب الرجل یصیب امرأتہ فی غیر الفرج ،ج اول ،ص ۲۵۳ ،نمبر ۹۷۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ یا عورت کے فرج میں داخل کرے ،یا منی نکلے تب ہی غسل واجب ہو گا۔اور یہاں منی نہیں نکلی ہے اسلئے غسل واجب نہیں ہوگا۔لیکن جسم کے اندر حشفہ داخل ہو چکا ہے اسلئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ غسل کر لے۔اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن ابن عباس قال يغتسل ۔(مصنف عبد الرزاق ،نمبر ۹۷۳)(۲) یوں بھی عورت کی شرمگاہ کی طرح اسکے دبر کے اندر داخل ہو چکا ہے تو جس طرح عورت سے منی نکلے یا نہ نکلے غسل واجب ہوتا ہے یہاں بھی منی نہ نکلے پھر بھی احتیاطا غسل واجب ہونا چاہئے ۔البتہ دبر کے باہر رہے تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

۵ بخلاف البهيمة و مادون الفرج لا السببية ناقصته (۳۵) و الحیض ﴾ ا لقوله تعالى حتى يطّهرن بالتشديد.

ترجمہ: ۵ بخلاف جانور اور فرج کے علاوہ میں حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب نہیں ہوگا سبب کے ناقص ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : چوپائے کی شرمگاہ میں حشفہ غائب کر دیا اور منی نہیں نکلی تو غسل واجب نہیں ہوگا، اسی طرح شرمگاہ اور دبر کے علاوہ میں حشفہ غائب کیا اور منی نہیں نکلی تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) اسکی ایک وجہ تو مصنف نے بیان کی ہے کہ وہاں لذت کاملہ نہیں ہے کیونکہ چوپایے سے جماع کرنے میں نفرت ہوتی ہے اور شرمگاہ اور دبر کے علاوہ میں اتنی لذت نہیں ہوتی اسلئے انزال ہوئے بغیر غسل واجب نہیں ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے کہ دوسرے مقامات پر جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں. عن عائشة قالت سئل النبي ﷺ عن الرجل يجدالبلل و لا يذكر احتلاما ؟ قال: يغتسل ،و عن الرجل يرى انه قد احتلم و لم يجد بللاً ؟ قال لا غسل عليه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن یستیقظ و یری بللا و لا یذکر احتلاما ص ۳۱ نمبر ۱۱۳) اس حدیث میں ہے کہ منی نکلنے کا شک ہو لیکن نکلی نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔

لغت : التقاء : لقی سے مشتق ہے۔ ملنا، مس کرنا۔ ختانين: ختنہ کا تثنیہ ہے۔ ختنہ کرنے کی جگہ، یہاں مراد ہے عضو تناسل کا وہ حصہ جہاں ختنہ کیا جاتا ہے۔ جسکو عربی میں حشفہ کہتے ہیں۔ اور عورت کی شرمگاہ میں وہ جگہ جہاں اہل عرب ختنہ کرتے تھے، جسکو عربی میں فرج داخل کہتے ہیں۔ حشفه :عضو تناسل کا وہ حصہ جس پر ختنہ کرتے ہیں۔ انزل : نزل سے مشتق ہے، اترنا، یہاں مراد ہے منی کا نکلنا. ايلاج :داخل کرنا۔ الدبر: پیخانہ کرنے کے راستے کو دبر کہتے ہیں۔ مفعول به : جسکے ساتھ لواطت کی اسکو مفعول بہ کہتے ہیں۔ بهيمة: چوپایہ، جانور۔ فرج :عورت کی شرمگاہ کو فرج کہتے ہیں اور بعض مرتبہ مرد کے عضو تناسل کو بھی فرج کہہ دیتے ہیں۔ یہاں عورت کی شرمگاہ مراد ہے۔ اور دبر بھی مراد ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۵) حیض :سے غسل واجب ہوگا ا اللہ تعالی کا قول حتى يطّهرن، تشدید کے ساتھ پڑھیں۔

ترجمہ: ا آیت میں ہے کہ حائضہ خوب پاک ہو جائے تب اس سے وطی کرو اور خوب پاک غسل سے ہوگی۔ يسئلونك عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء فى المحيض و لا تقربوهن حتى يطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله (آیت ۲۲۲، سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں اشارہ ہے کہ حائضہ غسل کرے تب جماع کرو۔(۲) حدیث میں ہے۔عن عائشةؓ ان امرأة سألت النبي ﷺ عن غسلها من المحيض؟ فامرها كيف تغتسل قال خذى فرصة من مسك فتطهرى بها الخ (بخاری شریف، باب دلک المرأۃ نفسہا اذا تطہرت من المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۱۴ مسلم شریف، باب

(۳۶) وكذا النفاس بالاجماع ﴾

(۳۷) و سن رسول الله الغسل للجمعة، و العيدين، و عرفة، والاحرام ﴾ ل صاحب الكتاب نص على السنية و قيل هذه الاربعة مستحبة، وسمى محمدؒ الغسل في يوم الجمعة حسناً في الاصل

استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک نمبر۳۳۲/۷۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر غسل فرض ہے۔

ترجمہ: (۳۶)نفاس :میں بھی غسل واجب ہے تمام ائمہ کے نزدیک۔

وجہ: کیونکہ نفاس بھی حیض کے درجے میں ہے اس لئے حیض ہی کے تمام دلائل سے نفاس میں بھی غسل کرنا لازم ہوگا (۱) اور ایک حدیث مستدرک حاکم نے ذکر کی ہے جو کنز العمال میں ہے **عن معاذؓ عن النبی قال اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطهر فلتغتسل ولتصل** (مستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ، ج اول، ص۲۸۴، نمبر ۶۲۲/سنن للبیہقی، باب النفاس ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفساء بھی خون ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی۔

﴿سنت غسل کا بیان﴾

ترجمہ: (۳۷) سنت قرار دیا حضورؐ نے غسل کو (۱) جمعہ کے لئے (۲) عیدین کے لئے (۳) احرام کے لئے (۴) عرفہ کے لئے۔ ان دنوں میں غسل کرنا سنت ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے **عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول الله ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم** (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۵ نمبر ۳۴۱/مسلم شریف باب وجوب غسل الجمعۃ، ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶/۱۹۵۷)(۲) **عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ من توضأ فبها ونعمت ومن اغتسل فهو افضل** (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۷ نمبر ۳۵۴/مسلم شریف، کتاب الجمعۃ، باب وجوب غسل الجمعۃ ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶/۱۹۵۹، مسلم شریف، باب فصل من استمع وانصت فی الخطبۃ، ص ۲۸۳، نمبر ۱۹۸۸/۸۵۷) ان دونوں قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن پہلے غسل واجب تھا اب منسوخ ہوکر سنت باقی رہا۔

ترجمہ: ل صاحب کتاب، قدوری نے غسل سنت بتایا، لیکن کہا گیا ہے کہ یہ چاروں مستحب ہیں۔ اور امام محمدؒ نے جمعہ کے دن غسل کو اصل یعنی مبسوط میں حسن کہا ہے۔

وجہ: ان چاروں مقامات پر غسل سنت ہے جمعہ کی دلیل اوپر گزری اور باقی کی دلیل آگے آرہی ہے۔ اور جو حضرات اسکو مستحب کہتے ہیں انکی دلیل یہ حدیث ہے **عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ : من توضأ فبها و نعمت ،و من اغتسل فهو افضل** ۔(ابوداود شریف، باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، ص ۵۷ نمبر ۳۵۴/ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوضوء یوم

٢ و قال مالک واجب لقوله عليه السلام: من اتی الجمعة فليغتسل، ٣ ولنا قوله عليه السلام: من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فهوافضل، وبهذا يحمل ماروا ه على الاستحباب، اوعلى النسخ ٤ ثم هٰذا الغسل للصلوة عند ابی يوسفؒ و هو الصحيح لزيادة فضيلتها على الوقت و اختصاص الطهارة بها، و فيه خلاف الحسن

الجمعة ،ص١٠١١نمبر٤٩٧)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل مستحب ہے۔اور جب جمعہ میں مستحب ہے تو عیدین وغیرہ میں بھی مستحب ہوگا۔

ترجمہ: ٢ اورامام مالکؒ نے فرمایا کہ غسل واجب ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جو جمعہ میں آئے اسکو غسل کرنا چاہئے۔

حدیث یہ ہے عن عبد الله قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : اذا اراد احدكم أن يأتی الجمعة فليغتسل ۔(مسلم شریف، باب کتاب الجمعة ،ص٢٧٩نمبر٨٤٤/١٩٥١/ابوداود شریف، باب فی الغسل للجمعة ،ص٥٥نمبر٣٤٠)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے غسل واجب ہے

ترجمہ : ٣ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول جس نے جمعہ کے دن وضو کی تو ٹھیک ہے اور بہتر ہے اور جس نے غسل کیا تو افضل ہے اوراس حدیث کی بناء پراس حدجسکو دوسرے حضرات نے روایت کی اسکواستحباب پرمحمول کیا جائے گا، یامنسوخ ہونے پر ۔ابوداود کی یہ حدیث اوپر گزر گئی۔اور یہ بھی گزر گیا کہ اس حدیث کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ دوسرے حضرات نے وجوب کی جو حدیث پیش کی ہے اسکو استحباب پرمحمول کیا جائے گا اور دونوں حدیثوں کے درمیان توافق پیدا کرنے لئے یہی کہا جائے گا کہ جمعہ کے دن غسل مستحب ہے۔

یا یوں کہا جائے گا کہ شروع اسلام میں لوگ صفائی کا احتیاط نہیں کرتے تھے اسلئے غسل واجب تھا بعد میں منسوخ ہوکر مستحب رہ گیا، یا سنت رہ گیا منسوخ ہونے کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے یا ابن عباس !أ ترى الغسل يوم الجمعة واجباً ؟ قال : لا ،ولكنه اطهر و خير لمن اغتسل .....قال ابن عباس : ثم جاء الله تعالى ذكره بالخير و لبسوا غير الصوف وكفوا العمل و وسع مسجدهم و ذهب بعض الذی كان يوذی بعضهم بعضاً من العرق ،(ابوداود شریف، باب الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة ،ص٥٧نمبر٣٥٣)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے غسل واجب تھا بعد میں منسوخ ہوکر مستحب ہوگیا۔

ترجمہ: ٤ پھر یہ غسل امام ابویث کو یوسفؒ کے نزدیک نماز کے لئے ہے اور صحیح یہی ہے کیونکہ نماز کی فضیلت وقت پر زیادہ ہے ،اورطھارت بھی نماز کے ساتھ خاص ہے اوراس میں حضرت حسن بن زیادؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : امام ابویوسفؒ کے نزدیک غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے عن سالم عن ابيه انه سمع

۵ و العیدان بمنزلة الجمعة لان فیهما الاجتما فیستحب الاغتسال دفعاً للتأذی بالرائحة، ۶ و اما فی عرفة والاحرام فسنبینه فی المناسک ان شاء الله تعالی

النبی ﷺ یقول : من اتی الجمعة فلیغتسل ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة، ص۱۱۲نمبر۴۹۲)اس حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے آئے وہ غسل کرے جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لئے غسل ہے ۔(۲) مصنفؒ نے دوسری وجہ یہ بتائی کہ غسل یہ پاکی ہے اور پاکی نماز کے لئے ہوتی ہے، دن کے لئے نہیں ہوتی اسلئے غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہو گی ۔اور صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

البتہ حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ غسل جمعہ کے دن کے لئے ہے ۔انکی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔حدثنی أوس بن أوس الثقفی قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من غسل یوم الجمعة و اغتسل ۔(ابوداود نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں یوم الجمعۃ ، ہے جس سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن کے لئے غسل ہے۔ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمعہ میں جانے والے جمعہ سے پہلے غسل کرے۔

ترجمہ : ۵ اور عیدین جمعہ کے درجے میں ہے اسلئے کہ ان دونوں میں بھی اجتماع ہوتا ہے اسلئے غسل کرنا مستحب ہوگا بدبو سے تکلیف کو دور کرنے کے لئے۔

وجہ : جمعہ کی طرح عیدین میں بھی غسل کرنا سنت ہے اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عیدین میں بھی اجتماع ہوتا ہے جیسے جمعہ میں اجتماع ہوتا ہے، اسلئے لوگوں کو پسینے کی بدبو سے تکلیف نہ ہو تا کہ یہاں بھی غسل سنت ہے۔(۲) اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس قال : کان رسول اللہ ﷺ یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحی ۔(ابن ماجہ، نمبر ۱۳۱۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں غسل کرنا سنت ہے۔

ترجمہ : ۶ بہرحال عرفہ اور احرام میں تو اسکو کتاب الحج میں بیان کرونگا۔ان دونوں دنوں میں بھی غسل کرنا سنت ہے۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن جدہ الفاکہ بن سعد ،و کانت لہ صحبة ان رسول اللہ ﷺ کان یغتسل یوم الفطر ،و یوم النحر ،و ویوم عرفة ،و کان الفاکہ یأمر اھلہ بالغسل فی ھٰذہ الایام ۔(ابن ماجہ باب، ماجاء فی الاغتسال فی العیدین، ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۱۶)اس حدیث میں ہے کہ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو آپ غسل فرماتے تھے۔احرام کے لئے غسل فرماتے تھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن خارجة بن زید بن ثابت عن ابیہ : انہ رأی النبی ﷺ تجرد لاھلالہ و اغتسل ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام، ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰/مسلم شریف، باب صحة احرام النفساء واستحباب اغتسالھا للاحرام، ص ۳۸۵ نمبر ۱۲۰۹/۲۹۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(۳۸) قال (القدوری) ولیس فی المذی،والودی غسل وفیهماالوضوء ﴾ ١ لقوله علیه السلام: کل فحل یمذی وفیه الوضوء ٢ والودی الغلیظ من البول یتعقب الرقیق منه خروجا فیکون معتبر ابه

ترجمہ: (۳۸) اور مذی اور ودی نکلنے سے غسل نہیں ہے۔ان میں وضوواجب ہے۔

وجہ: (١) مذی اور ودی منی نہیں ہیں اور نہ وہ کود کر نکلتے ہیں،اور نہ اس کے نکلتے وقت اتنی شہوت ہوتی ہے۔اس لئے ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہے صرف وضوواجب ہوگا (٢) حدیث میں ہے عن علی ابن طالبؓ ارسلنا المقداد بن الاسود الی رسول اللہ ﷺ فسأله عن المذی یخرج من الانسان کیف یفعل به؟ فقال رسول الله ﷺ توضأ وانضح فرجک (مسلم شریف، باب المذی ص ۱۴۳ نمبر ۶۹۷/۳۰۳)(٢) سألت النبی ﷺ عن المذی؟ فقال من المذی الوضوء ومن المنی الغسل (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی والمذی ص ۳۱ نمبر ۱۱۴/ ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نکلے تو وضوواجب ہے غسل نہیں۔

ترجمہ: ١ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہر مرد کو مذی آتی ہے اور اس میں وضو ہے۔حدیث یہ ہے عن عمه عبد الله بن سعد الانصاری قال :سألت رسول الله ﷺ عما یوجب الغسل و عن الماء یکون بعد الماء ؟ فقال : ذالک المذی ،و کل فحل یمذی ،فتغسل من ذالک فرجک و أنثییک و توضأ وضوئک للصلاة۔(ابوداود شریف، باب فی المذی، ص ۳۱ نمبر ۲۱۱)

ترجمہ: ٢ ودی گاڑھا پیشاب ہے جو پتلے پیشاب کے بعد نکلتا ہے اسلئے پیشاب ہی کا اعتبار کیا جائے گا

تشریح: ودی : بھی مذی کی طرح ایک پانی ہے۔بلکہ مذی میں تو تھوڑی شہوت ہوتی ہے ودی میں شہوت نہیں ہوتی وہ پیشاب کے بعد نکلتی ہے۔اس لئے ودی میں وضوہی واجب ہوگا۔اسکی تفسیر اس اثر میں ہے عن معمر عمن سمع عکرمة قال :هی ثلاثة المذی ، والودی ، والمنی ،فاما المذی : فهو الذی یخرج اذا لاعب الرجل امرأته ففیه غسل الفرج و الوضوء ،و اما الودی فهو الذی یکون مع البول و بعده فیه غسل الفرج ،والوضوء ایضاً،واما المنی فهو الماء الدافق الذی یکون فیه الشهوة و منه یکون الولد ففیه الغسل ۔(مصنف عبد الرزاق۔باب المذی، ج اول، ص ۱۵۹، نمبر ۶۱۱) اس اثر میں تینوں کی تفسیر ہے اور حکم بھی (٢) اثر میں ہے. سمعت ابن عباس یقول : المنی و الودی و المذی ،أما المنی فهو الذی منه الغسل ،و أما الودی و المذی فقال اغسل ذکرک أو مذاکیرک و توضأ وضوئک للصلاة (سنن للبیهقی، باب المذی والودی لا یوجبان الغسل، ج اول، ص ۲۶۲، نمبر ۸۰۰/ طحاوی شریف، باب الرجل یخرج من ذکرہ المذی کیف یغسل ج اول ص ۳۹/) اس اثر میں تینوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۳؎ و المنی حاثر ابیض ینکسر منه الذکر، والمذی رقیق یضرب الی البیاض یخرج منه عندملاعبة الرجل اھله، والتفسیر ماثور عن عائشةؓ

ترجمه : ۳؎ اور منی گاڑھی دانہ داراور سفید ہوتی ہے اسکے نکلنے سے عضو تناسل سست ہوکر بیٹھ جا تا ہے، اور مذی پتلا پانی ہوتا ہے سفیدی مائل ہوتی ہے مرد اپنی بیوی سے ملاعبت کرتا ہے اس وقت نکلتی ہے حضرت عائشہؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

تشریح : اس عبارت میں منی اور مذی کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ صاحب نصب الرأیۃ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر حضرت عکرمہؒ سے منقول ہے جو اوپر مصنف عبدالرزاق، نمبر ۶۱۱) میں بیان کیا گیا ۔ حضرت عائشہؓ سے کتابوں میں نہیں ملتا۔

لغت :. **فحل** :مرد۔ **غلیظ** : گاڑھا۔ **یتعقب** :بعد میں آتا ہے۔ **حاثر** : دانہ دار ہوتا ہے۔ **ینکسر** :ٹوٹ جانا۔ لوز ہو جانا۔ **ملاعبت** : بیوی کے ساتھ صحبت کی باتیں کرے اسکو ملاعبت کہتے ہیں۔ ایسے وقت میں عضو تناسل سے جو تھوڑا سا پانی نکلتا ہے اسکو مذی کہتے ہیں۔

CLIPART\ANCHASA.JPEG.jpg not found.

﴿باب الماء الذی یجوز به الوضوء و ما لا یجوز به﴾

(۳۹) الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء، والاودية، و العيون، و الابار، والبحار﴾ ۱ لقوله تعالی: وانزلنا من السماء ماء طهوراً، ۲ وقوله علیه السلام: الماء طهور لا ینجسه شئ الاما غیر لونه، او طعمه، او ریحه

﴿ پانی کے احکام ﴾

ترجمہ: (۳۹) حدثوں سے پاکی کرنا جائز ہے (۱) آسمان کے پانی سے (۲) وادیوں کے پانی سے (۳) چشموں کے پانی سے (۴) کنوؤں کے پانی سے (۵) اور سمندر کے پانی سے۔

وجہ: (۱) یہ سب پانی پاک ہیں اس لئے یہ پانی تھوڑی ناپاکی گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے وضو کرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہیں (۲) آیت ہے **وانزلنا من السماء ماء طهورا**۔ (آیت ۴۸، سورۃ الفرقان ۲۵) (۳) چشمے کے بارے میں آیت ہے **الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی الارض** ۔ (آیت ۲۱ سورۃ الزمر ۳۹) (۴) کنویں کے بارے میں حدیث ہے **عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله ﷺ انتوضأ من بئر بضاعة... فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء.** (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الماء لا ینجسہ شیء، ص ۲۱، نمبر ۶۶) سمندر کے پانی کے سلسلے میں حدیث ہے **عن ابی هریرة رضی الله عنه یقول سأل رجل رسول الله ﷺ ...افنتوضأ من البحر فقال رسول الله و هو الطهور ماءه و الحل میتته.** (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ماء البحر انہ طہور ص ۲۱، نمبر ۶۹ / ابوداود شریف، باب الوضوء بماء البحر، ص ۱۳، نمبر ۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اسکی مری ہوئی مچھلی بھی حلال ہے۔ اوپر کے تمام پانی پاک ہیں۔

ترجمہ: ۱ اللہ تعالی کا قول۔ میں نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔ یہ آیت اوپر گزر گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کا پانی پاک ہے۔

ترجمہ: ۲ حضورؐ کا قول کہ حوض کا پانی پاک ہے، ہاں اسکا رنگ، یا اسکا مزہ، یا اسکی بو بدل جائے تو ناپاک ہوگا۔

تشریح: یعنی بہتے پانی میں یا ماء کثیر میں اتنی زیادہ ناپاکی گر گئی کہ اسکی وجہ سے پانی کا رنگ بدل گیا، یا اسکا مزہ بدل گیا، یا اسکی بو بدل گئی تو اب یہ پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی امامة الباهلی قال: قال رسول الله ﷺ: ان الماء لا ینجسه شیء الا ما غلب علی ریحه وطعمه و لونه** ۔ (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء کثیر میں ناپاکی گیرے تو جب تک تینوں وصفوں میں سے ایک نہ بدل

۳؎و قوله علیہ السلام :فی البحر هو الطهور مائه والحل میتتة ۴؎ و مطلق الاسم یطلق علی هذه المیاه.

(۴۰) ولا یجوز بما اعتصر من الشجر ،والثمر ۱؎ لانه لیس بماء مطلق، و الحکم عند فقده منقول الی التیمم ۲؎ والوظیفة فی هذه الاعضاء تعبدیة، فلا تتعدی الی غیر المنصوص علیه،

جائے پانی ناپاک نہیں شمار کیا جائے گا۔

ترجمه : ۳؎ اور سمندر کے بارے میں حضورؐ کا قول کہ اسکا پانی پاک ہے اور اسکا مردہ ،یعنی اسکی مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے(ترمذی نمبر ۶۹ /ابو داود نمبر ۸۳)۔

ترجمه: ۴؎ اور پانی کا مطلق نام ان سب پانیوں پر بولا جاتا ہے۔

تشریح :اوپر سمندر کا پانی، چشمے کا پانی اور حوض کے پانی کے بارے میں آیت اور حدیث پیش کی گئی۔ مطلق پانی بولا جائے تو یہی پانی مراد ہوتے ہیں جو پاک ہیں اور پاک کرنے والے ہیں ۔(۲) یوں بھی اوپر کے تمام پانی آسمان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آسمان کے پانی کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کو میں نے پاک کرنے والا اتارا ہے اس لئے ان پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

لغت: اودیة : جمع ہے وادی کی۔ العیون : عین کی جمع ہے چشمہ۔ الآبار : بئر کی جمع ہے کنواں۔ البحار: جمع ہے بحر کی سمندر. طهور :طھارت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے خود بھی پاک ہو اور دوسروں کو بھی پاک کرتا ہو۔ ینجسه: اسکو ناپاک کرتا ہو. الحل : حلال ہے۔ میتة:اس مردہ سے مراد مچھلی ہے۔

ترجمه:(۴۰) طہارت کرنا جائز نہیں ہے ایسے پانی سے جو درخت سے نچوڑا گیا ہو یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔

وجه: (۱) یہ پھل اور درخت کا رس ہے پانی نہیں ہے۔ اور پانی سے پاکی کرنا جائز ہے جیسے پہلے دلائل کے ساتھ ثابت کیا اس لئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ پھل کا رس ہو یا درخت کا رس ہو (۲) حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ رس سے وضو کیا گیا ہو۔ اس لئے بھی رس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۱؎ یہ رس مطلق پانی نہیں ہے اور مطلق پانی نہ ہوتے وقت تیمّم کا حکم ہے۔

تشریح : درخت کا اور پھل کا نچوڑا ہوا پانی مطلق پانی نہیں ہے بلکہ رس ہے اور مطلق پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ تیمّم کرو، رس سے وضو یا غسل مت کرو۔ اسکے لئے آیت یہ ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً،(آیت ۴۳، سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو۔

ترجمه: ۲؎ ان اعضاء کو دھونا تعبدی ہے اسلئے نص میں جو وارد ہوا ہے اس سے متعدی نہیں ہوگا۔

۳؎ اما الماء الذی یقطر من الکرم فیجوز التوضی به لانه ماء خرج من غیر علاج، ذکره فی جوامع ابی یوسفؒ، وفی الکتاب اشارة الیه حیث شرط الاعتصار (۴۱) ولایجوز بماء غلب علیه غیره، فاخرجه عن طبع الماء کالاشربة، والخل، و ماء الورد، و ماء الباقلیٰ، و المرق، و ماء الزردج ﴾ا؎ لانه لا یسمی ماء مطلقا

تشریح: تعبدی کا مطلب پہلے گزر چکا ہے کہ صرف اللہ کے حکم کی وجہ سے وضو اور غسل میں ان اعضاء کو دھور ہے ہیں ورنہ سمجھ میں بات نہیں آتی ہے کہ پیشاب اور پیخانہ نکلا ہے کہیں اور سے اور دھوتے ہیں ہاتھ اور پاؤں کو۔اسلئے نص یعنی قرآن اور حدیث میں جن جن پانیوں سے طھارت حاصل کرنے کے لئے کہا ہے انہیں پانیوں سے طھارت حاصل کر سکتے ہیں اور رس سے پاکی حاصل کرنے کا تذکرہ حدیث اور قرآن میں نہیں ہے اسلئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ بغیر نچوڑے ہوئے نکل آیا ہے۔جوامع ابو یوسفؒ میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔اور کتاب قدوری میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔اسلئے کہ اس میں نچوڑنے کی شرط لگائی ہے۔

تشریح : اوپر یہ فرمایا کہ رس سے وضو جائز نہیں ہے۔اب یہ فرمار ہے ہیں کہ اگر انگور کی بیل کا رس خود ٹپک ٹپک کر گرا ہو اور پانی کی طرح پتلا ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے جامع ابو یوسف میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔اسکی وجہ یہ فرمار ہے ہیں کہ جس رس کو نچوڑا ہو اس سے وضو جائز نہیں اور اس رس کو نچوڑا نہیں ہے بلکہ خود ٹپکا ہے اسلئے اس سے وضو جائز ہے۔(۲) قدوری کے متن میں بھی اسکا اشارہ ہے۔اس میں ہے اعتصر من الشجر و الثمر :یعنی درخت اور پھل سے نچوڑا ہو اس سے وضو جائز نہیں،جسکا مطلب یہ نکلا کہ خود ٹپکا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

لغت : اعتصر : نچوڑا گیا ہو، عصر سے مشتق ہے. فقد :گم ہونا، نہ پانا. و ظیفة :ترتیب دئے ہوئے کام کو وظیفہ کہتے ہیں۔ تتعدی :متعدی ہونا،ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف جانا۔یقطر :قطرہ قطرہ ٹپکنا۔الکرم :انگور کی بیل. علاج:علاج کرنا، یہاں مراد ہے نچوڑنا۔

ترجمہ : (۴۱) اور نہیں جائز ہے طہارت ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے (۱) شربت (۲) سرکہ (۳) گلاب کا پانی (۴) لوبیا کا پانی (۵) شوربا (۶) گاجر کا پانی۔

ترجمہ: ا؎ اسلئے کہ یہ مطلق پانی نہیں رہے۔

تشریح : پانی میں کوئی پاک چیز ڈال کر اتنا پکایا کہ وہ شوربہ سا بن گیا اور گاڑھا ہو گیا،اور اس میں پانی کی طبیعت باقی نہیں رہی تو

۲؎ والمراد بماء الباقلی ما تغیر بالطبخ، فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی به،

اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ وہ پاک ہے اور اسکا کھانا اور پینا جائز ہے۔

وجہ: (۱) یہ سب اب پانی نہیں رہے بلکہ ان کا نام بھی بدل گیا ہے اور اوصاف بھی بدل گئے ہیں۔ مثلا شربت میں دوسری چیز اتنی مل گئی ہے کہ اب اس کا نام بھی شربت ہو گیا۔ اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا۔ سرکہ کا حال بھی یہی ہے لوبیا پکا دیا جائے جس سے پانی کی حقیقت بدل جائے تو وہ شوربا کی طرح ہو جائے گا۔ اور اگر لوبیا کا پانی نچوڑا جائے تو وہ رس ہے اور رس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ گلاب کا پانی، گاجر کا پانی یہ سب رس ہیں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔ **عن ابی امامة الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاینجسه شی ء الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه** (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ رطحاوی شریف باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں پاک چیز مٹی کے علاوہ مل جائے اور بو، مزہ اور رنگ بدل دے اور پانی کی طبیعت بدل جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ: اگر پانی میں پاک چیز ملی اور اس پر غالب نہیں آئی بلکہ مغلوب رہی تو وضو جائز ہوگا۔ اس حدیث سے اس کا استدلال ہے **عن عبدالله بن مسعودؓ ان رسول الله ﷺ قال له لیلة الجن عندک طهور؟ قال لا الا شی ء من نبیذ فی اداوة قال ثمرة طیبة وماء طهور. فتوضأ** (ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ ص ۵۷ نمبر ۳۸۴ ر دارقطنی، باب الوضوء بالنبیذ ج اول ص ۸۷ نمبر ۲۴۱) نبیذ میں کھجور ڈالا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی پاک چیز پاک پانی میں مل جائے اور طبیعت نہ بدلے تو اس سے وضو جائز ہے۔

اصول: پانی کی طبیعت نہ بدلی ہو تو وضو جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ لوبیا کے پانی سے مراد جو پکانے کی وجہ سے بدل گیا ہو، پس اگر بغیر پکائے بدلا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

تشریح: لوبیا ہو یا کوئی اور سبزی ہو یا کوئی چیز ہو اگر اسکو پورا پکا دیا گیا تو اسکا پانی شوربا بن گیا اب اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا اسلئے کہ اسکا نام بھی بدل گیا اور طبیعت بھی بدل گئی۔ اور اگر ان چیزوں کو پانی میں ڈالنے کے بعد پکایا نہیں پھر بھی اسکا رنگ یا مزہ تھوڑا بہت بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ پانی کی طبیعت ابھی نہیں بدلی ہے۔ اوپر کی حدیث میں تھا کہ پانی میں کھجور ڈالا اور اس میں مٹھاس آگیا پھر بھی حضورؐ نے اس پانی سے وضو کیا۔ (ابن ماجہ نمبر ۳۸۴)

لغت: الخل: سرکہ۔ باقلا: لوبیا (ایک قسم کی سبزی ہوتی ہے) المرق: شوربا۔ ورد: گلاب۔ الزردج: گاجر

نوٹ: پانی کی طبیعت کبھی اجزاء کے اعتبار سے بدلتی ہے اور کبھی اوصاف کے اعتبار سے۔

(۴۲) و یجوز الطهارة بماء خالطه شیء طاهر فغیّر احد اوصافه کماء المد، و الماء الذی اختلط به الزعفران، او الصابون، او الاشنان، ﴿۱﴾ قال (القدوری) اجری فی المختصر ماء الزردج مجری المرق، والمروی عن ابی یوسفؒ انه بمنزلة ماء الزعفران، هو الصحیح، کذا اختاره الناطقی، والامام السرخسی،

ترجمہ :(۴۲) اور جائز ہے وضوا یسے پانی سے جس میں پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دیا ہو۔ جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان گھاس اور صابون اور زعفران ملائے گئے ہوں۔

وجہ: (۱) پانی میں مٹی مل جانے کی وجہ سے اگر رقت اور سیلان باقی ہے تو طہارت جائز ہے۔ جیسے سیلاب کے پانی میں کافی مٹی مل جاتی ہے۔ پھر بھی لوگ اس کو پانی کہتے ہیں اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے (۲) اس پانی سے وضو کرنے میں مجبوری بھی ہے ورنہ دیہاتی لوگ صاف پانی کہاں سے لائیں گے۔

صابون اور اشنان گھاس کا حکم : (۱) پانی میں ایسی چیز ملائی جائے جس سے پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہو جیسے بیری کی پتی ڈال کر پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے یا اشنان گھاس یا صابون یا زعفران ڈال کر پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے ڈالنے کے بعد رقت اور سیلان باقی ہو تو طہارت جائز ہوگی۔ کیونکہ پانی کا نام اور پانی کی طبیعت باقی رہتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی ڈال کر پانی کو جوش دیا گیا اور مردہ کو نہلایا گیا۔ اگر ان چیزوں کے ڈالنے سے طہارت جائز نہیں ہوتی تو بیری کی پتی ڈال کر جوش دینے کے بعد کیسے نہلاتے اور کیسے طہارت ہوتی؟ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ خر رجل من بعیره فوقص فمات فقال اغسلوه بماء و سدر و کفنوه فی ثوبیه** ۔ (مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶/۲۸۹۱/ ابن ماجہ شریف، باب المحرم یموت، ص ۴۴۹، نمبر ۳۰۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیری کی پتی یا کوئی چیز پانی کی صفائی کے لئے ملائی جائے تو اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان ختم نہ ہو گیا ہو۔

اصول:۔ پانی کی مزید صفائی کے لئے کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس پانی سے طہارت جائز ہے۔

ترجمہ :۱ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ المختصر القدوری والے نے گاجر کے پانی کو شوربے کے درجے میں رکھا حالانکہ امام ابو یوسفؒ نے اسکو زعفران کے پانی کے درجے میں رکھا، اور یہی صحیح ہے امام ناطفی اور امام سرخسیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تشریح : مسئلہ نمبر ۴۱ کے متن میں یہ تھا کہ زردج، یعنی گاجر کا پانی شوربے کی طرح ہے یعنی جس طرح شوربہ پاک ہے اسکو کھا پی سکتا ہے لیکن اس سے وضو نہیں کر سکتا اسی طرح گاجر کا پانی پاک ہے اسکو کھا پی سکتا ہے لیکن اس سے وضو نہیں کر سکتا۔ لیکن امام ابو یوسفؒ سے مروی یہ ہے کہ وہ زعفران کے پانی کی طرح پاک ہے اور اس سے وضو بھی کر سکتا ہے۔ اسی کو امام ناطفی اور امام سرخسی

۲ وقال الشافعي:لايجوزالتوضى بماء الزعفران واشباهه ممالیس من جنس الارض لانه ماء مقيد الايرى انه يقال: ماء الزعفران، بخلاف اجزاء الارض لان الماء لايخلو عنها عادة ۳ ولنااسم الماء باق على الاطلاق،الايرى انه لم يتجدد له اسم علىٰ حدة، واضافته الى الزعفران كاضافته الى البير،والعين

نے پسند فرمایا ہے۔

وجه : اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گاجر کا پانی پانی کی طرح پتلا ہے اور رقت اور سیلان باقی ہے تو وہ زعفران ملے ہوئے پانی کی طرح ہے اور اس سے وضو جائز ہے۔اور اگر وہ دودھ کی طرح گاڑھا ہے تو اس میں رقت اور سیلان باقی نہیں رہا اسلئے وہ شوربے کی طرح ہو گیا اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔اوپر حدیث میں پتلی نبیذ سے اور بیری کی پتی ملی ہوئی پانی سے وضو کرنا جائز بتایا لیکن دودھ سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس میں رقت اور سیلان باقی نہیں رہتا۔اثر یہ ہے۔سأل رجل ابن عباس قال : انا ننتجع الكلأ ولا نجد الماء فنتوضأ باللبن ؟ قال: لا، عليكم بالتيمم . (مصنف ابن ابی شیبۃ،٦ ۷،فی الوضوء باللبن،ج اول ص ٦١ نمبر ٦٤٩)اس اثر میں ہے کہ دودھ سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس میں رقت اور سیلان پانی کی طرح نہیں ہے۔

ترجمه : ۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زعفران اور اسکے مثل کے پانی سے وضو جائز نہیں جو زمین کی جنس سے نہ ہو اسلئے کہ وہ مقید پانی ہے،کیا دیکھتے نہیں کہ ماء الزعفران ،زعفران کا پانی بولا جاتا ہے برخلاف زمین کی جنس کے کیونکہ پانی اس سے عادۃ خالی نہیں ہوتا۔

تشریح : امام شافعیؒ کا اصول یہ کہ کوئی پاک چیز پانی میں اتنی مل جائے کہ پانی کا نام بدل جائے تو اس پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ اب مطلق پانی نہیں رہا۔مثلا پانی میں اتنا زعفران ملا دیا گیا کہ اب اسکو ماء زعفران کہنے لگے تو اب اس پانی سے وضو جائز نہیں ہوگا کیونکہ اب یہ مطلق پانی نہ رہا بلکہ یہ دودھ کی طرح ہو گیا۔موسوعۃ للامام الشافعی میں اس طرح ہے:و ان أخذ ماء فشيب به لبن ،أو سويق ،او عسل ،فصار الماء مستهلكا فيه ،لم يتوضأ به ،لان الماء مستهلك فيه ،انما يقال لهذا : ماء سويق ۔(موسوعۃ ،باب الماء الراکد،ج اول ص ۲۳ نمبر ۵۸)البتہ اگر زمین کے اجزاء مثلا مٹی،گرد،وغیرہ پانی میں اتنے مل گئے کہ اسکا نام بدل گیا پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہوگا اسلئے کہ عموما پانی مٹی کے اجزاء سے خالی نہیں ہوتا اسلئے اس میں مجبوری ہے اسلئے اسکے ملنے سے پانی کا نام بھی بدل جائے پھر بھی وضو جائز ہے ۔اسی طرح پانی تالاب میں ٹھرے ٹھرے گدلا ہو جائے اور رنگ،بو اور مزہ بدل جائے پھر بھی وضو جائز ہے کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

ترجمه : ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق ابھی بھی باقی ہے،کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اسکا کوئی نیا نام ابھی بھی نہیں ہے۔باقی رہا اسکی اضافت زعفران کی طرف تو وہ ایسے ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کوئیں اور چشمے کی طرف ہو۔

۴ ولان الخلط القليل لايعتبر به لعدم امكان الاحتراز عنه كمافى اجزاءالارض فيعتبر الغالب،والغلبة بالاجزاء لابتغير اللون، هو الصحيح (۴۳) و ان تغير بالطبخ بعد ما خلط به غيره لا يجوز التوضى به﴾

تشریح : زعفران یا اشنان گھاس ملنے کے باوجود اسکا نام ابھی تک پانی ہی ہے اسکا کوئی نیا نام نہیں ہوا، اسی لئے تو اسکو ماء زعفران، اور ماء اشنان کہتے ہیں۔ باقی رہا زعفران یا اشنان کی طرف ماء، یعنی پانی کی نسبت تو یہ ایسے ہی ہے جیسے پانی کو چشمے اور کوئیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ماء البير ، یا ماء العین ، حالانکہ اس سے پانی کا نام نہیں بدلتا صرف یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ پانی کہاں کا ہے اور اس سے وضو جائز ہوتا ہے۔ اسی طرح زعفران کی طرف منسوب ہونے سے پانی کا نام نہیں بدلا اور اس سے وضو جائز ہوگا۔

ترجمہ : ۴ اسلئے کہ تھوڑے سے ملنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے، جیسے کہ زمین کے اجزاء سے بچنا ناممکن ہے اسلئے غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور غلبہ بھی اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، رنگ کے اعتبار سے نہیں۔ اور یہی قول صحیح ہے ۔

تشریح : پانی میں تھوڑی بہت پاک چیز ملنے پر وضو نا جائز قرار دیں تو مشکل ہو جائے گا کیونکہ تھوڑی بہت چیز تو ملتی ہی ہے اس سے بچنا ناممکن ہے جیسے زمین کے اجزاء سے بچنا ناممکن ہے اسلئے غالب کا اعتبار کیا جائے کہ پاک چیز اتنی مل جائے کہ پانی پر غالب آ جائے تو وضو جائز نہ ہو اور اگر پاک چیز مغلوب ہو تو وضو جائز ہو۔ اور غلبہ بھی رنگ، بو، یا مزہ کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ اجزاء کے اعتبار سے ہو کہ اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب آ گیا تو وضو جائز نہیں اور اگر اجزاء کے اعتبار سے مغلوب ہو تو وضو جائز ہو جائے۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ نبیذ پتلی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی، قال : تمرة طيبة و ماء طهور ،فتوضأ به۔ (ابن ماجۃ، نمبر ۳۸۴) اور اجزاء کے اعتبار سے گاڑھا ہو تو جائز نہیں، جیسے دودھ سے وضو جائز نہیں ہے۔ اوپر اثر گزر گیا (ابن ابی شیبۃ نمبر ۶۴۹)

اصول : اجزاء کے اعتبار سے غالب آ جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں۔ اور مغلوب ہو تو وضو جائز ہے۔

(**نوٹ**) یہ حکم پاک چیز کے بارے میں ہے اور ناپاک چیز کے بارے میں یہ ہے کہ اسکے ملنے سے اوصاف ثلاثہ میں سے ایک یعنی رنگ، بو، یا مزہ میں سے ایک بھی بدل جائے تو ماء کثیر یعنی کثیر پانی بھی ناپاک ہو جائے گا۔

لغت : المد : سیلاب۔ الاشنان : ایک قسم کی گھاس جس کو پانی میں مزید صفائی کے لئے ڈالتے ہیں۔ اختلط : ملا ہوا۔ خلط ملط کیا۔ زردج : گاجر۔ مرق : شوربا۔ لم يتجدد له اسم : اسکا کوئی نیا نام نہیں ہوا۔ بیر : کنواں۔ عین : چشمہ۔ احتراز : بچنا، احتراز کرنا۔

ترجمہ : (۴۳) اگر پاک چیز کو پانی میں ملانے کے بعد پکا دیا گیا اور پانی بدل گیا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔

ا لانه لم يبق فی معنی المنزل من السماء۲ الا اذا طبخ فيه ما يقصد به المبالغةفی النظافة كالاشنان و نحوه لان ا لميت يغسل بالماء الذی اُغلی بالسدر ، بذالک وردت السنة ۳ الا ان يغلب ذالک علی الماء فيصير كالسويق المخلوط لزوال اسم الماء عنه.

تشریح :کوئی پاک چیز پانی میں ڈال کر پکانے کا دو مقصد ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا ہے جیسے بیری کی پتی کو ڈال کر جوش دیتے ہیں اور مردے کو نہلاتے ہیں۔اگر جوش دینے کے باوجود رقت اور سیلان باقی ہے تو اس سے وضو جائز ہے۔اور گاڑھا ہو گیا ہو تو وضو جائز نہیں۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ پکانے سے شوربا بنانا مقصود ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔اسکی دلیل کے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ آسمان سے اترنے کے درجہ میں یہ پانی باقی نہیں رہا۔

تشریح: پانی پکانے کی وجہ سے ماء مطلق باقی نہیں رہا اور آسمان سے اترے ہوئے پانی کی طرح نہیں رہا۔

ترجمہ : ۲ لیکن اگر پانی میں اس چیز کے پکانے کا مقصد صفائی میں مبالغہ پیدا کرنا ہو جیسے اشنان گھاس، اور اسکے مانند (دیگر چیزیں پانی میں ڈال کر پکاتے ہیں اور اس سے پانی میں صاف کرنے کی قوت مزید بڑھانا مقصود ہوتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے) اسلئے کہ میت کو اس پانی سے غسل دیا جاتا ہے جو بیری کی پتی سے جوش دیا گیا ہو، اسلئے کہ حدیث اس بارے میں وارد ہوئی ہے۔

وجہ : پاک چیز کو پکانے کا مقصد مزید صفائی ہو تو اس سے وضو جائز ہے جیسے بیری کی پتی۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس عن النبیؐ خر رجل من بعيره فوقص،فمات ،فقال : اغسلوه بماء و سدر ،و كفنوه فی ثوبيه ۔(مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات، ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶/۲۸۹۱/ ابن ماجۃ ، باب المحرم یموت، ص ۴۴۹ نمبر ۳۰۸۴) اس حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی کو جوش دیکر میت کو نہلایا۔اور اس سے صفائی میں مبالغہ مقصود ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے قال سمعت ابن مسعود يقول : ايما جنب غسل رأسه بالخطمی فقد أبلغ ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغسل رأسہ بالسدر، ج اول، ص ۲۶۳ نمبر ۱۰۰۷)

ترجمہ : ۳ مگر یہ کہ پانی پر غالب آجائے تو وہ ملے ہوئے ستو کی طرح ہو جائے گا (اسلئے وضو جائز نہیں ہوگا) پانی کا نام اس سے زائل ہونے کی وجہ سے۔یعنی بیری کی پتی وغیرہ کو اتنا پکایا کہ وہ پانی پر غالب آگئی تو اب اس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔(۱) اسلئے کہ وہ گھلے ہوئے ستو کی طرح ہو گیا۔(۲) اور اسلئے بھی کہ اس سے پانی کا نام ختم ہو کر کچھ اور نام ہو گیا۔جب ماء مطلق نہیں رہا تو اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

(۴۴) وكل ماء وقعت النجاسة فيه لم يجز الوضوء به قليلاً كانت النجاسة او كثيراً ﴾ ۱؎ و قال مالك يجوز مالم يتغير احد اوصافه، لما روينا،

لغت : طبخ : پکانا۔النظافة: صفائی، ستھرائی۔سدر : بیری کی پتی۔سویق : ستو۔ مخلوط :ملی ہوئی۔

ترجمه :(۴۴) ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی (جو بڑے تالاب سے کم ہو) اگر اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ چاہے نجاست کم ہو یا زیادہ۔

تشریح: پانی بڑے تالاب سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ چاہے اس نجاست سے رنگ، بو اور مزا بدلے یا نہ بدلے۔

وجه : اس کی وجہ بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو حدیثیں مصنفؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔ پیشاب نہ کرنے کے بارے میں حدیث یہ ہے **سمع ابو هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول لايبلون احدكم فى الماء الدائم الذى لايجرى ثم يغتسل فيه** ۔(بخاری شریف، باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ رمسلم شریف، باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۲ / ۶۵۶) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے **سمع أبا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لا يغتسل احدكم فى الماء الدائم وهو جنب.** (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳ / ۶۵۸) نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس حدیث میں ہے **عن ابى هريرة ان النبى ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده فى الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدرى اين باتت يده** . (مسلم شریف، باب کراھیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸ / ۶۴۳ رترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ص ۱۳ نمبر ۲۴) یہ احادیث اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں پانی میں نجاست ڈالنے سے منع فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ورنہ منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

ترجمه : ۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ پانی سے وضو کرنا جائز ہے جب تک کہ تین اوصاف میں سے ایک نہ بدل جائے۔ اس حدیث کی بناء پر جو میں نے پہلے روایت کی۔

تشریح : پانی تھوڑا ہو تب بھی جب تک نجاست کی وجہ سے رنگ، یا مزہ، یا بو نہ بدل جائے پانی ناپاک شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں بیر بضاعۃ کے بارے میں ہے کہ اسکو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی اور بیر بضاعہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا نہیں تھا جس سے معلوم ہوا کہ تھوڑے پانی میں نجاست گر جائے تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے پانی ناپاک

۲ و قال الشافعیؒ : یجوز ان کان الماء قلتین، لقوله علیہ السلام: اذا بلغ الماء قلتین لایحمل خبثاً، ۳ ولناحدیث المستیقظ من منامه، ۴ وقوله علیه السلام: لا یبولن احدکم فی الماء الدائم، ۵ ولا یغتسلن فیه من الجنابة، من غیر فصل

نہیں ہوگا۔حدیث یہ ہے ۔عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله انتوضأ من بئر بضاعه و هی بئر یلقی فیها الحیض ولحوم الکلاب والنتن؟ فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لاینجسه شیء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۶ ر ابوداود شریف، باب ما جاء فی بئر بضاعۃ، ص ۱۱ نمبر ۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپاک چیز گرنے سے جب تک مزا، بو یا رنگ نہ بدل جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔لمارویناسے مراد یہی حدیث ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کنواں میں حیض اور کتے کا گوشت اور گندگیاں اتنی ڈالی جاتی ہوگی اور پھر بھی رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے یہ ناممکن ہے۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ماء جاری کے حکم میں تھا اور ماء جاری کے بارے میں ہم بھی کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ وضوکرنا جائز ہے اگر پانی دو مٹکے ہوں۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اگر پانی دو مٹکے ہوں تو ناپاک نہیں ہوتا،حدیث یہ ہے۔ قال رسول الله ﷺ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۷ ر ابوداود شریف، باب ما ینجس الماء، ص ۱۰ نمبر ۶۳)اس حدیث میں ہے کہ دو مٹکا پانی ہوتو نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔جب تک کہ اوصاف ثلاثہ نہ بدل جائے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل نیند سے بیدار ہونے والی حدیث ہے۔یہ حدیث اوپر گزر گئی (مسلم نمبر ۶۴۳ ر ترمذی نمبر ۲۴) نیند سے بیدار ہونے کے بعد بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ اس سے پانی ناپاک ہو جائیگا۔

ترجمہ: ۴ اور حضورؐ کا قول کہ تم میں سے کوئی ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔یہ حدیث بھی اوپر گزر گئی (بخاری شریف نمبر ۲۳۹ ر مسلم شریف، نمبر ۶۵۶)اس حدیث میں ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع اسی لئے کیا کہ اس سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔

ترجمہ: ۵ اور حضور کا قول کہ کوئی آدمی ٹھرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے۔اس حدیث میں کم بیش پانی کی تفصیل نہیں ہے۔یہ حدیث بھی اوپر گزر چکی ہے، حدیث یہ ہے سمع ابا هریرة یقول : قال رسول الله ﷺ : لا یغسل أحدکم فی الماء الدائم و هو جنب .فقال : کیف یفعل یا أبا هریرة ؟ قال : یتناوله تناولاً ۔(مسلم شریف، باب النهی عن الاغتسال فی الماء الراکد، ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳ ر ۶۵۸)اس حدیث میں بھی ٹھرے ہوئے تھوڑے پانی میں غسل کرنے سے منع اسی لئے

۶ والذی رواه مالکؒ ورد فی بیر بضاعة، و ماؤه کان جاریا فی البساتین، ۷ ومارواه الشافعیؒ ضعفه ابوداودؒ ۸ اوهو یضعف عن احتمال النجاسة (۴۵) والماء الجاری اذا وقعت فیه نجاسة جاز الوضوء به اذا لم یر لها اثر﴾

کیا کہ وہ پانی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۶ اور امام مالکؒ نے جو روایت کی ہے وہ بئر بضاعۃ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اسکا پانی باغوں میں بہتا تھا۔ اسلئے وہ ماء جاری کے درجے میں ہے۔

تشریح : امام مالکؒ نے جو حدیث روایت کی۔ عن ابی سعید الخدری قال قیل :یا رسول الله ،أنتوضأ من بئر بضاعة ،وهی بئر یلقی فیها الحیض و لحوم الکلاب و النتن ؟ فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء أن الماء لا ینجسہ شیء، ص ۲۱ نمبر ۶۶) یہ حدیث بئر بضاعہ کے بارے میں ہے کہ اسکا پانی ناپاک نہیں ہوتا اور وہ اسلئے کہ اسکا پانی باغوں میں بہتا تھا اسلئے وہ ماء جاری کے درجے میں ہے۔ طحاوی شریف میں حضرت واقدی سے اسکی تصریح ہے لان بئر بضاعة قد اختلف فیهما کانت ،فقال قوم کانت طریقاً للماء الی البساتین ،فکان الماء لا یستقر فیها فکان حکم مائها کحکم ماء الانهار ....وقد حکی هذا القول الذی ذکرنا ه فی بئر بضاعة عن الواقدی ۔ (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ، ج اول، ص ۱۱) اور جاری پانی میں نجاست گرنے سے جب تک اوصاف ثلاثہ نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۷ اور امام شافعیؒ نے جو دو مٹکے والی حدیث بیان کی اسکو حضرت امام ابوداودؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ ابوداودؒ نے باضابطہ ضعیف قرار نہیں دیا۔ البتہ تیسری روایت میں یہ فرمایا کہ یہ حضرت عاصم پر موقوف ہے۔

ترجمہ: ۸ یا حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ پانی نجاست اٹھانے سے کمزور ہے، یعنی وہ ناپاک ہو جاتا ہے

تشریح : امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں جملہ تھا۔ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث ۔ اسکا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ دو مٹکے پانی نجاست کو نہیں اٹھا سکتا یعنی وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیا جا رہا ہے۔

لغت: قلتین : مٹکا. لا یحمل :نہیں اٹھا سکتا ہے .خبثا : نجاست . بیر بضاعة: مدینہ میں ایک کنواں تھا جسکا نام بیر بضاعہ تھا جسکا پانی باغ میں بہتا تھا ، ماء دائم : ٹھہرا ہوا پانی (یہاں تھوڑا مراد ہے جو جاری نہ ہو اور بڑا تالاب نہ ہو) یغمسن : ڈالنا۔ باتت : رات گزارنا۔ البساتین : بستان کی جمع ہے، باغ۔

ترجمہ :(۴۵) اور جاری پانی جب کہ اس میں نجاست گر جائے پھر بھی اس سے وضو جائز ہے اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نظر نہ

ا؎ لانھا لاتستقر مع جریان الماء، ٢؎ والاثر :ھو الطعم، اوالرائحة،اواللون، ٣؎ والجاری ما لا یتکرر استعماله ٤؎ وقیل ما یذھب بتبنة (۴۶) والغدیر العظیم الذی لایتحرک احد طرفیه بتحریک الطرف آئے۔

ترجمه: ا؎ اس لئے کہ ناپاکی پانی بہنے کی وجہ سے ٹھہرے گی نہیں۔

تشریح:۔نجاست کا اثر نظر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزا میں سے ایک بدل جائے تو جاری پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔لیکن اگر ناپاکی گری لیکن پانی کا مزا یا بو یا رنگ ناپاکی گرنے کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے۔وہ پانی ابھی تک پاک ہے۔

وجه: (۱)اس لئے کہ جیسے ہی ناپاکی گری تو اس کو جاری پانی بہا کر دوسری جگہ لے گیا وہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔اس لئے اس جگہ کا پانی پاک رہا(۲)حدیث میں ہے کہ ماء کثیر کا جب تک رنگ، بو اور مزا نہ بدلے پاک ہے **عن ابی امامه الباھلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاینجسه شیء الا ماغلب علی ریحه و طعمه و لونه.** (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ،ص ۷۴،نمبر ۵۲۱ رطحاوی، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) مسئلہ نمبر ۳۷ پر حدیث قلتین گزری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر میں ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے۔

ترجمه : ٢؎ اور اثر وہ مزہ،اور بو،اور رنگ ہیں۔یعنی ناپاکی کی وجہ سے ان میں سے کوئی ایک بدل جائے تو پانی ناپاک شمار کیا جائے گا۔یہی نجاست کا اثر ہے۔اوپر کی حدیث میں گزر گیا **الا ماغلب علی ریحه و طعمه و لونه.** (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ،ص ۷۴،نمبر ۵۲۱)اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کسی ایک پر نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہو جائے تو پانی ناپاک ہو جائیگا ۔

ترجمه: ٣؎ اور جاری پانی اسکو کہتے ہیں کہ اسکا استعمال مکرر نہ ہو۔پانی ہلکا ہلکا بہہ رہا ہے اس سے ایک چلو پانی لیا اب دوسرا چلو پانی لینے لگا تو وہی پانی دوبارہ ہاتھ میں نہیں آیا بلکہ وہ پانی بہہ کر آگے چلا گیا اور دوسرا پانی ہاتھ میں آیا تو ایک ہی پانی ہاتھ میں مکرر نہیں آیا تو اسکو ماء جاری کہیں گے۔اور اگر پانی اتنا سست بہہ رہا ہے کہ دوسرے چلو میں بھی پہلے والا ہی پانی آ گیا تو یہ ماء جاری نہیں ہے۔

ترجمه: ٤؎ اور بعض لوگوں نے کہا کہ جو پانی تنکا بہا کر لے جائے، وہ ماء جاری ہے۔

لغت : **الماء الجاری** : بہتا پانی، جو پانی تنکہ بہا کر لے جائے ،چلو سے پانی لے تو فورا دوسرا پانی اس جگہ آ جائے اس کو ماء جاری کہتے ہیں.تستقر :ٹھہرتا ہو،استقر سے مشتق۔ تبنة : تنکا،خشک گھاس۔

ترجمه :(۴۶) ایسا بڑا تالاب جو نہیں متحرک ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کے حرکت دینے سے۔اگر اس کے ایک

الآخر،اذاوقعت نجاسة فی احدجانبیه جازالوضوء من الجانب الآخر ﴾ ا؎ لان الظاهر ان النجاسة لا تصل الیه اذا ثر التحریک فی السرایة فوق اثر النجاسة، ۲؎ ثم عن ابی حنیفةؒ انه یعتبرالتحریک بالاغتسال، وهوقول ابی یوسفؒ،وعنه بالتحریک بالید، وعن محمدؒ بالتوضی، ووجه الاول ان الحاجة الیه فی الحیاض اشد منها الی التوضی ۳؎ وبعضهم قدروابالمساحة، عشراً فی عشر بذراع

کنارے میں ناپاکی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔

ترجمه: ا؎ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاکی وہاں تک نہیں پہنچے گی۔اسلئے کہ حرکت دینے کا اثر سرایت کرنے میں نجاست کے اثر سے زیادہ ہے۔

وجه: اتنا لمبا چوڑا تالاب ہو کہ ایک جانب اس کے پانی کو حرکت دے تو اس حرکت کا اثر دوسری جانب نہ پہنچے۔تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اثر دوسری جانب کیسے پہنچے گا۔جبکہ حرکت کا اثر تیز ہوتا ہے اور نجاست کا اثر دھیما ہوتا ہے۔اس لئے دوسری جانب پاک رہے گا۔اور دوسری جانب وضو اور غسل کرنا جائز ہوگا۔

ترجمه: ۲؎ پھر امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ غسل کرنے کے ذریعہ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔اور یہی قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔اور انہیں سے ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ وضو کے ذریعہ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔پہلے کی دلیل یہ ہے کہ حوضوں میں غسل کرنے کی ضرورت زیادہ ہے بنسبت وضو کرنے کے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ حوض میں غسل کر کے حرکت دے کر دیکھو کہ اگر اسکی حرکت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے اور غسل کی حرکت دوسرے کنارے تک نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب ہے۔کیونکہ بڑے تالاب میں غسل ہی کرنے کی ہی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اسلئے اسی سے حرکت دینے کا اعتبار ہے۔اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت تو یہی ہے،البتہ دوسری روایت یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت دے کر دیکھو۔اسکی حرکت کا اعتبار ہے۔اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ وضو کر کے دیکھو کہ اسکی حرکت دوسرے کنارے تک پہنچتی ہے یا نہیں اگر پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے اور اگر نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب ہے۔کیونکہ حوض میں وضو کرنے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔اس بڑے تالاب میں اگر نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، یا بو، یا مزہ نہ بدل جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۳؎ اور بعض ائمہ نے اسکا اندازہ ناپ کر لگایا، دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کپڑے کے ہاتھ سے۔لوگوں پر معاملے کو آسان کرنے کے لئے۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔

الكرباس توسعة للامر على الناس، وعليه الفتوىٰ

تشریح : بعض اماموں نے بڑے تالاب کوحرکت دیکر متعین کرنے کے بجائے ہاتھ سے ناپ کر متعین کیا ہے، تاکہ لوگوں کو ہاتھ سے ناپ کر بڑا تالاب متعین کرنے میں آسانی ہو۔اور وہ یہ ہے کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہوتو اسکو بڑا تالاب کہتے ہیں۔اور دس کو دس میں ضرب دیں تو سو مربع ہاتھ ہوگیا ہو۔یعنی سو مربع ہاتھ ہوتو بڑا تالاب شمار کیا جائے گا۔اس اثر میں اسکا اشارہ ملتا ہے۔

قال ابو داود : و قدرت انا بئر بضاعة بردائی مددته علیها ثم ذرعته فاذا عرضها ستة أذرع ۔(ابوداود شریف، باب ماجاء فی بئر بضاعة ،ص ۱۱، نمبر ۶۷)اس اثر میں امام ابوداود نے بئر بضاعۃ کو ناپا تو وہ چھ ہاتھ تھا اور اسکے بارے میں حضور نے فرمایا ہے کہ نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔اس سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے مزید احتیاط فرمایا اور دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کا مسلک اختیار کیا۔

ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، یعنی اٹھارہ (18) انچ کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے دس ہاتھ لمبا پندرہ فٹ لمبا ہوا اور وہی پندرہ فٹ چوڑا ہوا۔اور پندرہ کو پندرہ میں ضرب دیں تو دوسو پچیس (225) مربع فٹ بڑا تالاب ہوا۔نوٹ :۔لمبائی اور چوڑائی کو ضرب دینے سے مربع نکلتا ہے۔

ایک ہاتھ آدھے گز کا ہوتا ہے۔اسلئے دس ہاتھ پانچ گز کا ہوا۔اسلئے پانچ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا بڑا تالاب ہوا۔جسکا مربع (25) گز ہوگا۔

ایک ہاتھ 0.4572 میٹر کا ہوتا ہے اسلئے دس ہاتھ 4.572 میٹر لمبا ہوا ۔اور وہی 4.572 میٹر چوڑا ہوا اور مجموعہ 20.903 مربع میٹر ہوا۔

اور اگر کوئی حوض، یا کنواں گول ہوتو اسکے بیچ کا قطر 6.92 فٹ ہونا چاہئے۔اور میٹر کے اعتبار سے 5.15 میٹر قطر ہونا چاہئے۔

﴿بڑے تالاب کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے		کیا	کتنے کا ہوتا ہے
ایک انچ	2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔		ایک قبضہ	7.62 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37 انچ کا ہوتا ہے۔		ایک قبضہ	4 انگلیوں کا ہوتا ہے۔

ایک عام ہاتھ	18	انچ کا ہوتا ہے۔		ایک انگلی	0.75	انچ کی مانی گئی ہے
ایک عام ہاتھ	1.50	ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔		ایک عام ہاتھ	45.72	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12	انچ کا ہوتا ہے۔				
ایک گز	36	انچ کا ہوتا ہے۔				
ایک قبضہ	3	انچ کا ہوتا ہے۔				

﴿ دہ دردہ حوض کتنا بڑا ہوتا ہے ﴾

بڑا حوض	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
بڑا حوض	10 ہاتھ	×	10 ہاتھ	=	100	مربع ہاتھ
بڑا حوض	15 فٹ	×	15 فٹ	=	225	مربع فٹ
بڑا حوض	5 گز	×	5 گز	=	25	مربع گز
بڑا حوض گول حوض کا قطر گول حوض کا قطر	4.572 میٹر حوض کا قطر کتنا ہوگا 16.92 فٹ 5.15 میٹر	×	4.572 میٹر	=	20.903	مربع میٹر

﴿گول چیز ناپنے کا فارمولہ﴾

گول چیز ناپنے کے لئے چار الفاظ کی تشریح یاد رکھنا ضروری ہے ۔(۱) قطر (۲) پائی (۳) گول کروی کا رقبہ (۴) گول درھمی کا رقبہ۔

(۱) قطر :۔گول چیز کے درمیان کی لمبائی کو قطر کہتے ہیں ⊖ اس گول کے بیچ میں جو لکیر ہے یہ قطر ہے

(۲) پائی کسی گول چیز کو ناپنے کے لئے پائی کی عددکو ضرور استعمال کیا جاتا ھے ۔22 بٹے 7 کو پائی کہتے ہیں کلکیو لیٹر سے اسکا حساب 3.14285 ہوتا ہے ،لیکن انگریزی کتاب میں اسکا حساب 3.1416 دیا ہوا ہے اسلئے کلکیو لیٹر سے پائی کا حساب اسی سے ہوگا۔

(۳) گول کروی کا رقبہ ؛ ۔گیند جیسی چیز جو بالکل گول مول ہو اسکو گول کروی، کہتے ہیں، جو کرۃ سے مشتق ہے۔گول کروی میں دو قطر ہوتے ہیں، ایک دائیں سے بائیں کی جانب، اور دوسرا اوپر سے نیچے کی جانب، اسلئے گول کروی کے اوپر کا پورا رقبہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک قطر کو دوسرے قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہوگا اسکو پائی سے ضرب دیں تو گول کروی کے اوپر کا پورا رقبہ نکل جائے گا۔مثلا ایک گیند کا قطر 7 انچ ہے، اور گول مکمل گول ہے اسلئے دونوں قطر سات سات انچ کے ہونگے ،اسلئے ایک قطر 7 کو 7 میں ضرب دیں حاصل ضرب 49 مربع انچ ہوئے ،اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 153.938 مربع انچ پورے گند کا رقبہ ہوا۔

اور اگر گیند کو کاٹ کر اسکی کٹی ہوئی جانب کے رقبے کو معلوم کرنا ہو تو گیند کے پورے رقبے کو 4 سے تقسیم دے دیں تو گیند کی ایک جانب کا رقبہ معلوم ہو جائے گا۔ مثال مذکور میں پورے گیند کا رقبہ 153.938 مربع انچ تھا اسکو 4 سے تقسیم کیا تو حاصل تقسیم 38.4845 مربع انچ ہوا یہ گیند کی ایک جانب کا رقبہ ہے

اور گیند کی گولائی ناپنا ہو تو گیند کے قطر کو پائی سے ضرب دے دیں، حاصل ضرب گیند کی گولائی ہوگی ۔مثال مذکور میں گیند کا قطر 7 انچ تھا تو 7 کو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 21.9912 مربع انچ ہوگا، یہ گیند کی گولائی ہوئی ۔نوٹ: یہ حساب سمت قبلہ ناپنے میں کام آئے گا۔

(٤) گول درھمی کا رقبہ :۔یہ درھم سے مشتق ہے اسلئے سکو گول درھمی کہتے ہیں۔درھم چاروں طرف سے گول نہیں ہوتا صرف اوپر سے گول ہوتا ہے۔اسکی گولائی کو ناپنے کے لئے بھی اوپر کا ہی فارمولہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔یعنی اگر اسکی گولائی ناپنا ہو تو اسکے قطر کو پائی سے ضرب دے دیں تو اوپر کی گولائی نکل آئے گی ۔مثلا درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہوتا ہے اسلئے اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دے دیں حاصل ضرب 8.6394 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی اوپر کی گولائی ہوگی۔

اور اگر درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ناپنا ہو تو درھم کے قطر کو قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہو اسکو پائی سے ضرب دیں اور اس

۴ و المعتبر فی العمق ان یکون بحال لا ینحسر بالاغتراف، هو الصحیح،

حاصل ضرب کو چار سے تقسیم کر دیں تو جو حاصل تقسیم ہوگا وہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔ مثال مذکور میں درھم کا قطر 2,75 سینٹی میٹر ہے اسلئے 2.75 کو 2.75 سے ضرب دیں حاصل ضرب 7.5625 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں، حاصل ضرب 23.7583 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو 4 سے تقسیم دے دیں حاصل تقسیم 5.93958 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہے نوٹ:۔ یہ حساب آپکو نجاست غلیظہ کی پیائش میں کام آئے گا۔

دہ در دہ حوض کو گول حوض میں تبدیل کرنے کا حساب :۔ اوپر دہ در دہ یعنی دس ہاتھ ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض کے بارے میں بتایا کہ اس میں وضو جائز ہے لیکن اگر بڑا کنواں ہو یا گول حوض ہو تو اسکا حساب اس طرح ہوگا۔ کہ حوض کی لمبائی اور چوڑائی کو ضرب دیں حاصل ضرب کو پھر 4 سے ضرب دیں پھر اس حاصل ضرب کو پائی 3.1416 سے تقسیم کریں پھر حاصل تقسیم کو برابر برابر میں تقسیم کر دیں تو گول کنویں کا قطر نکل جائے گا اور گول کنویں، یا گول حوض کے قطر کو ناپ نے سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مثلا دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض پندرہ فٹ لمبا اور پندرہ فٹ چوڑا ہوگا اسلئے کہ ایک ہاتھ ڈیڑ فٹ کا ہوتا ہے۔ اور 15 کو 15 سے ضرب دیں تو 225 مربع فٹ دہ در دہ حوض ہوا، پھر اسکو 4 سے ضرب دیں تو 900 مربع فٹ ہوا اسکو اب پائی 3.1416 سے تقسیم دیں 286.478 مربع فٹ ہوا، اس حاصل تقسیم کو برابر برابر میں تقسیم کریں تو 16.9256 فٹ گول حوض کا قطر ہو جائے گا یعنی اگر کسی کنویں کا قطر 16.9256 فٹ ہو تو وہ دہ در دہ حوض کے مطابق ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

میٹر کے حساب سے گول حوض کا حساب اس طرح ہوگا:۔ ایک ہاتھ 45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اسلئے دس ہاتھ لمبا 4.572 میٹر ہوگا اور وہی 572 .4 میٹر چوڑا ہوگا ان دونوں کو ضرب کریں تو 9031 .20 مربع میٹر دہ در دہ حوض ہوگا۔ اب اسکو 4 سے ضرب دیجئے تو حاصل ضرب 83.6127 مربع میٹر ہو جائے گا، اسکو پائی 416 .3 سے تقسیم کریں تو حاصل تقسیم 26.6146 ہوگا، پھر اسکو برابر برابر میں تقسیم کریں تو 5.1589 میٹر ہوگا جو گول کنویں کا قطر ہوگا یہ کنواں دہ در دہ کے برابر ہے اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ۴ اور گہرائی میں اعتبار اس بات کا ہے کہ گہرا اتنا ہو کہ چلو بھرنے سے زمین نہ کھلے۔ اور یہی صحیح ہے۔

تشریح : کچھ حضرات نے فرمایا کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کے ساتھ تالاب پانچ انگلی۔ یعنی 3.75 انچ گہرا بھی ہو۔ در مختار میں ہے۔ حاصلہ أنہ اذا کان غدیر عشر فی عشر عمقہ خمس أصابع تقریبا ۔ (رد المختار، باب المیاہ، مطلب فی مقدار الذرع وتعیینہ، ج اول، ص ۳۸۴) اس عبارت میں ہے کہ حوض پانچ انگلی گہرا ہو لیکن صحیح بات یہ ہے کہ پانی اتنا گہرا ہو کہ وہاں سے چلو میں پانی اٹھاتے وقت زمین نظر نہ آئے، اتنا ہی گہرا کافی ہے۔ صحیح یہی ہے، اس میں امت کو سہولت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔ اس میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بو یا مزا نہ بدل جائے تو

۵ وقوله فی الکتاب جازالوضوء من الجانب الآخر اشارة الی انه ینجس موضع الوقوع، و عن ابی یوسفؒ انه لا ینجس الا بظهور النجاسة فیه کالماء الجاری

پانی پاک رہے گا۔ان کی دلیل حدیث قلتین ہے جو مسئلہ نمبر ۴۴ میں گزر گئی۔

ترجمه : ۵ کتاب قدوری کا یہ جملہ کہ دوسری جانب سے وضو جائز ہے۔اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہوگئی۔لیکن امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک نہیں ہوگی مگر اس میں ناپاکی کے ظاہر ہونے سے جیسا کہ بہتے پانی میں ناپاکی ظاہر ہو تو ناپاک ہوتا ہے۔

تشریح : قدوری کے متن میں یہ کہا کہ جس کنارے میں ناپاکی گری ہے اسکی دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ جس کنارے پر ناپاکی گری ہے وہ کنارہ ناپاک ہو چکا ہے، چاہے اس کنارے پر ناپاکی کا رنگ ظاہر نہ ہوا ہو ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ناپاکی وہاں گری ہے اسلئے وہ کنارہ ناپاک ہوگا چاہے ناپاکی کا رنگ نظر نہ آتا ہو۔

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نجاست والا کنارہ اس وقت تک ناپاک شمار نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسکا اثر ظاہر نہ ہو جائے۔انکی دلیل یہ کہ حدیث میں ہے کہ ماء کثیر میں جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ ظاہر ہو جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔یہ حدیث گزر چکی ہے **عن ابی امامه الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاینجسه شیء الا ماغلب علی ریحه و طعمه و لونه.** (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ جب تک نجاست کی وجہ سے رنگ ، یا بو، یا مزہ نہ بدل جائے وہ جگہ ناپاک نہیں ہوگی۔اسلئے نجاست گرا ہوا کنارہ بھی ناپاک نہیں ہوگا۔جیسے جاری پانی میں اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف نہ بدلے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

حاصل : امام مالکؒ: کے نزدیک تھوڑا پانی اور زیادہ پانی ایک ہی طرح ہیں، یعنی دونوں کے اوصاف ثلاثہ میں سے ایک بدلے تب ناپاک ہوگا ورنہ نہیں۔

امام شافعیؒ: کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔یعنی ایک قطرہ بھی ناپاکی گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ: کے نزدیک بڑا تالاب ہو تو کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔پھر بڑے تالاب کے متعین کرنے میں اختلاف ہے۔(۱) کسی نے غسل کی حرکت نہ پہنچنے کو بڑا تالاب کہا۔(۲) کسی نے وضو کی حرکت نہ پہنچنے کو۔(۳) اور کسی نے ہاتھ کی حرکت پہنچنے کو چھوٹا تالاب کہا۔(۴) اور کسی نے دس ہاتھ لمبے اور دس ہاتھ چوڑے کو بڑا تالاب کہا۔

لغت : **الغدیر** : تالاب۔**السرایة**: سرایت کرنا۔**المساحة** : پیمائش، مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔**ذراع الکرباس** : پچھلے

(۴۷) قال (القدوری) و موت مالیس لہ نفس سائلۃ فی الماء لا ینجسہ کالبق، و الذباب، والزنابیر، والعقرب، و نحوھا﴾

زمانے میں ناپنے کے لئے دو قسم ہاتھ استعمال ہوتے تھے، ایک قسم کے ہاتھ سے کپڑا ناپتے تھے، جسکو ذراع الکرباس کہتے تھے یہ چھ قبضے کا ہوتا تھا، اور ایک قبضہ چار انگلیوں کا ہوتا ہے اس اعتبار سے چھ قبضے چوبیس (24) انگلیوں کے ہوئے، گویا کہ ہاتھ دو بالشت کا ہوا جو اٹھارہ (18) انچ کا ہوتا ہے یا 45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں اسکی تصریح اس طرح ہے وفی البحر۔ أن فی کثیر من الکتب أنہ ست قبضات لیس فوق کل قبضۃ أصبع قائمۃ فھو أربع و عشرون أصبعا ..... و ھو قریب من ذراع الید، لانہ ست قبضات و شیء، و ذالک شبران۔ (ردالمحتار، باب المیاہ، مطلب فی مقدار الذراع وتعیینہ، ج اول، ص ۳۸۳) اس عبارت میں ہے کہ چوبیس انگلیوں کا ہاتھ ہوگا، جو دو بالشت ہوگا، اور آج کل کے زمانے کے اعتبار سے وہ اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے۔ اور دوسرا ہاتھ تھا زمین ناپنے کے لئے، یہ سات قبضے کا ہوتا تھا، اسکو کسری کا ہاتھ بھی کہتے ہیں یہ اٹھائیس انگلیوں کا ہوگا اور اس زمانے کے اعتبار سے اکیس (21) انچ کا ہوگا، یا (53.34) سینٹی میٹر کا ہوگا۔ ردالمحتار میں اسکے لئے یہ عبارت ہے۔ و فی الخانیۃ و غیرھا : ذراع المساحۃ و ھو سبع قبضات فوق کل قبضۃ أصبع قائمۃ ۔(ردالمحتار، باب المیاہ، مطلب فی مقدار الذراع وتعیینہ، ج اول، ص ۳۸۳) اس عبارت میں ہے کہ ذراع المساحۃ، یعنی زمین ناپنے کا ہاتھ سات قبضے کا ہوتا ہے۔ العمق : گہرائی۔ ینحسر : زمین کا کھلنا۔ اغتراف : چلو بھرنا، چلو سے پانی اٹھانا۔

ترجمہ: (۴۷) اور پانی میں ایسا جانور کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے (۱) مچھر، (۲) مکھی (۳) بھڑ (۴) بچھو، وغیرہ۔

تشریح: جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پانی میں مرجائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ جیسے مچھر وغیرہ

وجہ : (۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور ان جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔ اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اس لئے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو وہ ناپاک نہیں کرے گا (۳) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں مکھی گر جائے تو کھانا ناپاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسہ کلہ ثم لیطرحہ فان فی احدی جناحیہ شفاء وفی الآخر دواء . (بخاری شریف، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ص ۸۶۰ جلد ثانی نمبر ۵۷۸۲) حدیث میں پوری مکھی کو برتن میں ڈالنے کے لئے کہا۔ اگر مکھی سے کھانا یا پانی ناپاک ہوتا تو پوری مکھی کو کیسے ڈالنے کے لئے فرماتے (۴) دارقطنی میں ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا

۱ وقال الشافعیؒ يفسده لان التحريم لابطريق الكرامة آية للنجاسة،بخلاف دود النحل، وسوس الثمارلان فيه ضرورة ۲ ولنا قوله عليه السلام فيه: هذا هو الحلال اكله، و شربه، و الوضوء منه

خون نہیں ہے وہ کھانے یا پانی میں گر جائے تو اس کھانے کو کھاؤ۔اور اس پانی سے وضو کرو قال رسول الله ﷺ يا سلمان كل طعام و شراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فيه فهو حلال اكله و شربه و وضوء ه ۔(دار قطنی ،باب کل طعام وقعت فیہ دابۃ لیس لھا دم ،ج اول ص ۳۳ نمبر ۸۱/سنن للبیھقی ،باب مالانفس لہ سائلۃ اذا مات فی الماء القلیل ،ج اول ص ۳۸۳ ،نمبر ۱۱۹۳)دار قطنی کی حدیث اگر چہ کمزور ہے لیکن بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔اس لئے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پانی کو ناپاک کر دے گا،اسلئے کہ حرمت کرامت کی وجہ سے نہیں ہے تو یہ نجاست کی علامت ہے۔بخلاف شہد کی مکھیوں کے اور پھلوں کے کیڑوں کے،اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی ایک روایت ہمارے مطابق ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے کہ یہ جانور میتۃ ہے اور ان کا کھانا حرام ہے۔اور میتۃ ناپاک ہوتا ہے اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔کیونکہ کوئی چیز کرامت کے طور پر حرام نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے،اسلئے تھوڑے پانی میں اسکے گرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔موسوعۃ میں ہے۔فأما ما كان مما لا نفس له سائلة ،مثل الذباب ،و الخنافس ،وما اشبههما ،ففيه قولان : احدهما ،ان ما مات من هذا فى ماء قليل أو كثير لم ينجس .....و القول الثانى .....و ان مات فيه نجس و ذالك مثل الخنفساء ۔(موسوعۃ ،باب الماء الراکد، ج اول ،ص ۱۴،نمبر ۳۳)اس میں دوسرا قول ہے کہ ناپاک ہو جائے گا۔

البتہ شہد کی مکھی کے بچے شہد میں مرجاتے ہیں،اسی طرح پھل کے کیڑے پھل میں مرجاتے ہیں حالانکہ مکھی کے بچوں اور کیڑوں کو کھانا حرام ہے پھر بھی شہد کھاتے ہیں اور پھل کھاتے ہیں وہ ناپاک نہیں شمار کئے جاتے۔فرماتے ہیں وہاں مجبوری ہے اسلئے ضرورت کی بناء پر اسکو حلال قرار دیا ہے ۔

ترجمہ : ۲ اور ہماری دلیل اس بارے میں حضورؐ کا قول ہے۔کہ اسکا کھانا حلال ہے اور اسکا پینا حلال ہے اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔یہ دار قطنی کی حدیث اوپر گزر گئی۔فهو حلال اكله و شربه و وضوء ه۔(دار قطنی ،نمبر ۸۱/بیھقی ،نمبر ۱۱۹۳) کہ جس کھانے یا پانی میں ایسا جانور گر گیا جس میں خون نہیں ہے تو وہ کھانا یا پانی پاک ہے۔

۳ و لان المنجس اختلاط الدم المسفوح باجزائه عند الموت، حتی حل المذکی لانعدام الدم فیه، ولا دم فیها، ۴ والحرمة لیست من ضرورتها النجاسة کالطین (۴۸) و موت ما یعیش فی الماء فیه

ترجمه : ۳ اوراسلئے کہ ناپاک کرنے والی چیز بہنے والے خون کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملنا ہے موت کے وقت ۔اسی وجہ سے ذبح کیا ہوا حلال ہوجاتا ہے اس میں خون نہ ہونے کی وجہ سے،اوران جانوروں میں خون ہی نہیں ہے (اسلئے پانی میں اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا)۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ پانی کوناپاک کرنے والی چیز بہتا ہواخون ہے کہ جب وہ مرتا ہے تو بہتا ہواخون پانی کے اجزاء میں مل کراسکوناپاک کردیتا ہے،اوران کیڑے مکوڑوں میں خون ہی نہیں ہوتا اسلئے اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔جیسے بڑے جانوروں میں خون ہوتا ہے لیکن ذبح کرکے خون نکال دیا جائے تو خون نہ ہونے کی وجہ سے جانور کا گوشت پاک ہوجاتا ہے ۔

ترجمه: ۴ اورکھاناحرام ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ناپاک ہو،جیسے مٹی۔

تشــریح: یہ امام شافعیؒ کوجواب ہے۔انکی دلیل تھی کہ کرامت کی وجہ سے حرام نہ ہوتو یہ نجاست کی دلیل ہے۔اسکا جوب یہ ہے کہ مٹی کا کھاناحرام ہے حالانکہ وہ ناپاک نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ کیڑوں کا کھاناحرام ہے لیکن وہ مٹی کیطرح ناپاک نہیں ہیں۔

لغت: **نفس سائلة** : بہتا ہواخون۔ **البق** : مچھر۔ **الذباب** :مکھی۔ **الزنابیر** : بھڑ۔ **العقارب** : بچھو،عقرب کی جمع ہے۔**دود**: کیڑا۔**دود النحل** : شہدکی مکھیاں ۔**سوس** : کیڑا۔**منجس**: ناپاک کرنے والی چیز ۔**مسفوح**: بہنےوالاخون۔**المذکی** : **ذکی** سے مشتق ہے ذبح کیا ہوا۔**الطین** :مٹی۔

تــرجــمه : (۴۸) مرناایسے جانور کا جو پانی میں زندگی گزارتا ہو پانی کوناپاک نہیں کرتی ہے جیسے(۱) مچھلی(۲)مینڈک(۳) کیکڑا۔

تشــریح: جوجانور پانی ہی میں رہتا ہووہ تھوڑے پانی میں مرجائے تواس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا،چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو یانہ کھایا جاتا ہو۔

وجه: (۱)جوجانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اوراسی میں زندگی گزارتا ہے اس میں بہتا ہواخون نہیں ہوتا۔کیونکہ بہتا ہواخون رہے گا تو پانی کے اندرہی نہیں رہ سکے گا۔اوروہ جوتھوڑا بہت خون نظرآتا ہے وہ مکمل خون نہیں ہے۔خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کودھوپ میں رکھوتو وہ کالا سا ہوجائے گا۔اوردریائی جانور کے خون کودھوپ میں رکھوتو وہ سفید ہوجاتا ہے۔اس لئے وہ مکمل خون ہی نہیں ہے۔اورمسئلہ نمبر۴۰ میں تفصیل سے گزرچکا ہے کہ جس جانورمیں بہتا ہواخون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔(۲)**عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ هو الطهور ماء ہ و الحل میتته** ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی ماءالبحر

لا يفسد کالسمک، و الضفدع، و السرطان﴾ ا وقال الشافعیؒ يفسده الاالسمک لمامر ۲ ولنااانه مات فی معدنه فلایعطی له حکم النجاسة کبیضة حال محها دماً ۳ و لانه لادم فیها اذالدموی لایسکن فی الماء، والدم هوالنجس ۴ وفی غیر الماء قیل غیر السمک یفسده لانعدام المعدن، وقیل

انہ طھور ص ۲۱ نمبر ۶۹ / ابو داود، باب الوضوء بماء البحر، ص ۱۳ انمبر ۸۳) سمندر کا میتۃ حلال ہے سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کھانا تو حلال نہیں ہے لیکن اس کے مردے میں خون نہیں ہوتا اس لئے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پانی کو ناپاک کر دے گا سوائے مچھلی کے اس دلیل کی وجہ سے جو اوپر گزر چکی۔

تشریح : امام شافعیؒ کی اصل روایت تو یہی ہے کہ سمندر میں رہنے والے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ و لو وقع حوت میت فی ماء قلیل او جرادة میتة لم ینجس لانهما حلال میتین ،و کذا لک کل ماکان من ذوات الارواح مما یعیش فی الماء ۔ (موسوعۃ، باب الماء الراکد، ج اول، ص ۱۴ انمبر ۳۳۳) اس عبارت میں ہے کہ سمندر میں رہنے والے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ دوسری روایت ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ انکی اوپر والی دلیل عقلی ہے کہ اسکا کھانا حرام ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ناپاک ہے اور وہ پانی کو بھی ناپاک کر دیگا۔ اور مچھلی کے مرنے سے اسلئے ناپاک نہیں ہوگا کہ مچھلی حلال ہے، اور پانی کی حلال چیز کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمہ : ۲ اور ہماری دلیل یہ کہ سمندر کا جانور اپنے رہنے کی جگہ میں مرا ہے اسلئے اسکو ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسے انڈے کی زردی خون میں بدل جائے، (تو وہ ناپاک نہیں ہوتی)

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ دریائی جانور اپنے رہنے کی جگہ میں مرا ہے اسلئے اسکو ناپاک قرار نہ دیا جائے جیسے انڈے کی زردی بدل کر خون بن جائے تو وہ ناپاک نہیں ہے کیوں کہ وہ اپنے رہنے کی جگہ میں خون بنی ہے اسی طرح دریائی جانور اپنے معدن اور مسکن یعنی پانی میں مرجائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے بھی کہ اس میں خون نہیں ہے، اسلئے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا، اور خون ہی ناپاک ہے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا۔ اور جب خون نہیں ہے تو اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۴ اور پانی کے علاوہ میں بعض نے کہا کہ مچھلی کے علاوہ ناپاک کر دے گا اسلئے کہ مسکن نہیں ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ ناپاک نہیں کرے گا اسلئے کہ خون نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

لایفسده لعدم الدم، وهو الاصح ۵؎ والضفدع البحری، والبری سواء وقیل البری یفسدلوجودالدم، وعدم المعدن ٦؎ ومایعیش فی الماء مایکون تولده، ومثواه فی الماء ٧؎ ومائی المعاش دون مائی المولد مفسد.

تشریح: دریائی جانور پانی کے علاوہ کسی اور چیز میں، مثلا کھانے میں گر کر مر گیا تو اسکو ناپاک کرے گا یا نہیں۔ اس بارے میں بعض نے فرمایا کہ مچھلی تو اور چیز کو بھی ناپاک نہیں کرے گی اسلئے کہ وہ حلال ہے۔ البتہ مچھلی کے علاوہ جتنے جانور ہیں وہ ناپاک کر دیں گے کیونکہ وہ حلال نہیں اور اور یہ اسکے رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے اسکے رہنے کی جگہ تو پانی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ناپاک نہیں کرے گا اسلئے کہ ان میں خون نہیں ہے، جو ناپاکی کی جڑ ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے۔

ترجمه: ۵؎ سمندری مینڈک اور خشکی کا مینڈک حکم میں برابر ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خشکی کا مینڈک پانی کو ناپاک کر دے گا خون کے پائے جانے کی وجہ سے اور اسکے رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔

تشریح: جو مینڈک پانی ہی میں رہتا ہے اس کا مسکن بھی پانی ہوا اور اس میں خون بھی نہیں ہے اسلئے اسکے پانی میں مرنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن جو مینڈک صرف خشکی میں رہتا ہے پانی میں وہ مر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں خون ہے اسی لئے تو وہ پانی میں نہیں رہ سکتا۔ اور پانی اسکا مسکن بھی نہیں ہے کیونکہ اسکے رہنے کی جگہ تو خشکی ہے۔ اسلئے اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمه: ٦؎ اور پانی میں رہنے والے جانور وہ ہیں جنکے انڈے اور بچے بھی پانی میں ہوتے ہوں اور رہنے کا مکان بھی پانی میں ہو۔

تشریح: دریائی جانور کون ہے اسکی تعریف کرتے ہیں۔ کہ جنکا انڈا اور بچہ پانی میں ہوتا ہو اور زندگی بھی پانی میں گزارتا ہو اسکو دریائی جانور کہتے ہیں اور اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمه: ٧؎ اور پانی میں زندگی گزارنے والا نہ کہ اس میں انڈا بچہ دینے والا جانور پانی کو ناپاک کرنے والا ہے۔

تشریح: اور جو جانور پانی میں زندگی گزارتا ہو، اسی سے کھانا کھاتا ہو، لیکن انڈا اور بچہ خشکی میں دیتا ہو جیسے بطخ، تو وہ خشکی کا جانور ہے اس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے اور اسکا مسکن بھی پانی نہیں ہے اسلئے یہ پانی میں مر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لغت: الضفدع: مینڈک۔ السرطان: کیکڑا۔ معدن: عدن سے مشتق ہے، اقامت کرنا، وہاں رہنا، مسکن۔ مح: انڈے کی زردی۔ یعیش: زندگی گزارتا ہے، اسی سے ہے معاش، زندگی گزارنے کی چیز۔ توالد: ولادۃ سے مشتق ہے بچہ دینا، نسل بڑھانا۔ مثواہ: ٹھہرنے کی جگہ۔

(۴۹) قال (القدوری) الماء المستعمل لا يطهر الا حداث

ترجمہ: (۴۹) اور ماء مستعمل نہیں جائز ہے اس کا استعمال کرنا حدث کے پاک کرنے میں۔

تشریح: جس پانی کو حدث غسل یا حدث وضو کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا قربت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ایسے پانی کو دوبارہ حدث غسل یا حدث وضو کو پاک کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پانی مستعمل ہو چکا ہے۔ اور ماء مستعمل خود پاک تو ہے لیکن حدث کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وجہ: (۱) پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماء مستعمل صحابہ کے کپڑوں میں وضو اور غسل کے بعد لگتا رہا لیکن آج تک کسی نے ماء مستعمل کی وجہ سے کپڑا نہیں دھویا۔ اور پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب کو پانی کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود کسی نے ماء مستعمل استعمال کر کے وضو یا غسل نہیں کیا۔ اور نہ اس کو دوسرے برتن میں وضو یا غسل کے لئے رکھا ہو (۲) پاک ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں حضورؐ نے وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی مریضوں کو پلایا ہے۔ اگر ماء مستعمل پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کو بیماروں کو کیسے پلاتے؟ حدیث میں ہے **عن جابر يقول جاء رسول الله ﷺ يعودني وانا مريض لااعقل فتوضأ وصب على من وضوئه فعقلت** ۔ (بخاری شریف، باب صب النبی ﷺ وضوءہ علی المغمی علیہ ص ۳۲ نمبر ۱۹۴) (۳) **سمعت السائب بن يزيد يقول ذهبت بي خالتي الى النبيؐ فقالت يا رسول الله ان ابن اختي وقع فمسح رأسي ودعا لي بالبركة ثم توضأ فشربت من وضوءه.** (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس ص ۳۱ نمبر ۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے تب ہی تو وضو کا پانی پلایا۔ اور (السنن الکبری للبیھقی، باب طھارۃ الماء المستعمل ج اول ص ۳۵۹، نمبر ۱۱۱۷) میں اس سلسلے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور ماء مستعمل کے پاک نہ کرنے کے سلسلے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں آپؐ نے ہر عضو کے لئے نیا پانی لیا ہے۔ اگر ماء مستعمل طہور ہوتا تو ماء مستعمل ہی کو دوبارہ استعمال کر لیتے اور ہر عضو کے لئے نیا پانی نہ لیتے۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس اتحبون ان اريكم كيف كان رسول الله ﷺ يتوضأ فدعا باناء فيه ماء فاغترف غرفة بيده اليمنى فتمضمض واستنشق ثم اخذ اخرى فجمع بها يديه ثم غسل وجهه الخ .** (ابوداؤد، باب فی الوضوء مرتین ص ۲۰ نمبر ۱۳۷) اس حدیث میں ہر عضو کے لئے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔ یہ اسی لئے کیا ہوگا کہ پہلا پانی مستعمل ہو گیا اب اس سے دوسرے عضو کو نہیں دھو سکتے اسلئے دوسرے عضو کے لئے دوسرا پانی لیا۔ ایک اور حدیث میں تھوڑے پانی میں جنابت کے غسل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو منع کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ماء مستعمل ہونے کے بعد وہ پانی دوسروں کے کام نہیں آ سکتا۔ اس لئے اس میں گھس کر پانی کو مستعمل کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث میں ہے **ابو هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لايغتسل احدكم في الماء الدائم وهو**

لـ خلافالمالک، والشافعیؒ هما يقولان ان الطهور ما يطهر غيره مرة بعد اخرى كالقطوع، ٢وقال زفر و هو احد قولي الشافعي ان كان المستعمل متوضياًفهو طهور و ان كان محدثا فهو طاهر غير طهور لان العضو طاهر حقيقة وباعتباره يكون الماء طاهرا لكنه نجس حكما و باعتباره يكون الماء نجسا فقلنا بانتفاء الطهورية و بقاء الطهارة عملا بالشبهين

جنب ۔(مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ترجمہ : لـ برخلاف امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے، وہ دونوں فرماتے ہیں کہ طھور اسکو کہتے ہیں جو دوسروں کو بار بار پاک کرے ، جیسے قطوع: کا ترجمہ ہے جو بار بار لکڑی کو کاٹے۔

تشریح : امام مالک، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک بھی ہے اور دوسرے کو پاک کرنے والا بھی ہے، یعنی اس پانی سے دوبارہ وضو کیا جا سکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں پانی کو طھور کہا گیا ہے اور طھور مبالغہ کا صیغہ ہے جسکا معنی ہے بار بار پاک کرنا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد وضو کرنے کے قابل ہو، بشرطیکہ ناپاکی میں استعمال نہ ہوا ہو۔ آیت یہ ہے. و انزلنا من السماء ماء طهوراً ۔(آیت ۴۸، سورۃ الفرقان ۲۵)۔ جیسے لفظ، قطوع، مبالغے کا صیغہ ہے جسکا معنی ہے بار بار کاٹنا، اسی طرح طھور کا معنی ہونا چاہئے بار بار پاک کرنا۔

ترجمہ: ٢ امام زفرؒ نے فرمایا اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ اگر استعمال کرنے والا وضو کیا ہوا ہے تو پانی پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی رہے گا، اور اگر استعمال کرنے والا محدث ہے تو پانی پاک رہے گا لیکن پاک کرنے والا نہیں رہے گا۔ اسلئے کہ عضو حقیقت میں پاک ہے اسلئے پانی پاک رہیگا، لیکن عضو حکما نجس ہے اس اعتبار سے پانی ناپاک ہوگا۔ اسلئے ہمنے کہا کہ پاک کرنے والا نہیں ہے اور خود پاک ہے، دونوں مشابہت پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح : امام زفرؒ کا مسلک اور امام شافعیؒ کا اصل مسلک یہی ہے کہ استعمال کرنے والا وضو کیا ہوا ہے تو پانی پاک رہے گا۔ اور اگر وہ محدث ہے تو پانی پاک رہے گا البتہ وہ دوسرے کو پاک نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عضو حقیقت میں پاک ہے اس پر ظاہری طور پر کوئی ناپاکی نہیں ہے اس اعتبار سے پانی پاک رہے گا تا کہ اس مشابہت پر عمل ہو جائے۔ لیکن حکمی اعتبار سے عضو ناپاک ہے اسلئے کہ وہ محدث ہے اسکی وجہ سے پانی سے دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، تا کہ عضو جو حکما ناپاک ہے اسکی مشابہت پر عمل ہو جائے۔ اسلئے پانی طاھر رہیگا لیکن غیر مطھر ہوگا۔

امام شافعیؒ کا اصل مسلک یہی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال

۳؎ و قال محمدؒ وهو رواية عن ابى حنيفةؒ هو طاهر غير طهور لان ملاقاة الطاهر الطاهر لا توجب التنجس الا انه اقيمت به قربة فتغيرت به صفته، كمال الصدقة ۴؎ وقال ابو حنيفة و ابو يوسفؒ هو نجس لقوله عليه السلام: لا يبولن احدكم فى الماء الدائم و لا يغتسلن فيه من الجنابة

الشافعیؒ و لو توضأ بماء توضأ به رجل لا نجاسة على أعضائه لم يجز ه ،لانه ماء قد توضیء به ۔(موسوعة ،باب حکم الماء المستعمل ،ج اول ،ص ۵۲ ،نمبر ۱۹۴) اس سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں بھی ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ پانی پاک ہے البتہ پاک کرنے والا نہیں ہے۔اسلئے کہ پاک پانی پاک عضو کے ساتھ ملنے سے ناپاکی واجب نہیں کرتا ،مگر اس سے قربت حاصل کی ہے اسلئے اسکے پاک کرنے کی صفت بدل جائے گی۔جیسے کے صدقے کا مال۔

تشریح: امام محمد کا مسلک اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ کی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے۔اسلئے کہ جسم پاک ہے اس سے جب پاک پانی ملا تو اس سے ناپاک تو نہیں ہو جائے گا۔البتہ وضو کر کے اللہ کی قربت حاصل کی ہے اور حکمی طور پر طہارت حاصل کی ہے اسلئے پانی کی پاک کرنے والی صفت بدل جائے گی ،اور وہ پاک کرنے والا نہیں رہے گا۔جیسے کہ صدقے کا مال، کہ وہ مال ہی ہے لیکن زکوۃ کی نیت کرنے کے بعد وہ مالداروں کے لئے حلال نہیں رہتا۔اس میں حلت کی صفت کم ہوگئی۔اسی طرح یہاں بھی پاک کرنے کی صفت کم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ماء مستعمل ناپاک ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ: تم میں سے کوئی ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔(اور دوسری حدیث) اور پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ماء مستعمل ناپاک ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نے ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔یا ٹھرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل کرنے سے منع فرمایا۔جسکی وجہ یہ ہے کہ غسل جنابت سے تھوڑا پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔جب نجاست حقیقیہ سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ یعنی وضو سے بھی پانی ناپاک ہوجائے گا۔پیشاب کے بارے میں حدیث یہ ہے ۔ سمع ابو هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول لايبولن احدكم فى الماء الدائم الذى لايجرى ثم يغتسل فيه ۔(بخاری شریف ،باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ رمسلم شریف ،باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۲/۶۵۶) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے سمع أبا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لا يغتسل احدكم فى الماء الدائم وهو جنب . (مسلم شریف ،باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳/۶۵۸)۔اس

۵ ولانه ماء ازيلت به النجاسة الحكمية فيعتبر بماء ازيلت به النجاسة الحقيقية، ۶ ثم فى رواية الحسن عن ابى حنيفةؒ نجاسة غليظة اعتباراً بالمستعمل فى الحقيقية، ۷ وفى رواية ابى يوسفؒ عنه و هو قوله: نجاسة خفيفة لمكان الاختلاف (۵۰) والماء المستعمل: هو ماء ازيل به حدث، او

حدیث میں نجاست حقیقیہ سے پانی ناپاک قرار دیا ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ سے بھی پانی ناپاک ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور اسلئے بھی کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اس سے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہے، پس قیاس کیا جائے گا اس پانی پر جس سے نجاست حقیقیہ زائل کی گئی ہو۔

تشریح: جس پانی سے نجاست حقیقیہ زائل کی گئی ہو تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح جس پانی سے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ یہ دلیل عقلی ہے، اور قیاس ہے۔

ترجمہ: ۶ امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسنؒ کی روایت میں یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست غلیظہ ہے، وہ قیاس کرتے ہیں نجاست حقیقیہ میں ماء مستعمل پر۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی روایت حضرت حسنؒ سے یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست غلیظہ ہے، یعنی ایک درھم بھی لگ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پانی سے نجاست حقیقیہ، مثلا پیشاب اور پیخانہ دھویا جائے تو وہ پانی بالکل ناپاک ہوتا ہے، بلکہ پانی خود نجاست غلیظہ بن جاتا ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہو یعنی وضو کیا گیا ہو تو اس سے پانی ناپاک ہوگا اور نجاست غلیظہ والا ناپاک ہوگا۔ گویا کہ انہوں نے نجاست حکمیہ کو نجاست غلیظہ پر قیاس کیا۔ تاہم یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست خفیفہ ہے، کیونکہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ ماء مستعمل نجاست خفیفہ ہے۔ اسکی دلیل یہ بتلاتے ہیں کہ ماء مستعمل کے پاک ہونے میں اور ناپاک ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی بات میں ائمہ کا اختلاف ہو جائے تو اس میں تخفیف ہو جاتی ہے اسلئے ماء مستعمل میں تخفیف ہوگی اور وہ نجاست خفیفہ ہو جائے گا۔

حاصل: ماء مستعمل کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی تین رائیں ہوگئیں (۱) امام محمدؒ سے کہ وہ پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے۔ اور فتوی اسی پر ہے۔ (۲) حضرت حسنؒ سے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے۔ (۳) امام ابو یوسفؒ سے کہ وہ نجاست خفیفہ ہے۔

ترجمہ (۵۰) ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث زائل کیا گیا ہو (۲) یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

تشریح: (۱) اگر عینی نجاست بدن یا کپڑے پر ہو اس کو پانی سے دور کیا تو وہ پانی ناپاک ہے۔ البتہ نجاست عینی نہ ہو صرف حدث

استعمل فی البدن علی وجه القربة﴾ ا قال هذا عند ابی یوسفؒ و قیل هو قول ابی حنیفةؒ ایضاً ۲ و قال محمدؒ لایصیر مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال بانتقال نجاسة الآثام الیه، وانها تزال بالقربة، ۳ و ابو یوسفؒ یقول اسقاط الفرض مئوثر ایضاً فیثبت الفساد بالامرین،

اکبر جنابت یا حدث اصغر یعنی وضو کرنے کے لئے پانی استعال کیا تو وہ ماء مستعمل ہوتا ہے (۲) یا پہلے سے وضو موجود ہو لیکن قربت الہی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضو کرے تو یہ بھی ماء مستعمل ہو جاتا ہے۔ جس کا حکم اوپر گذر چکا۔

ترجمہ: ا مصنف فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی امام ابو حنیفہؒ کا بھی قول ہے۔

تشریح: اوپر دو صورتوں سے پانی مستعمل ہونے کا تذکرہ تھا۔ ایک تو یہ کہ محدث آدمی وضو کر کے حدث زائل کرنے کا ارادہ کرے تو پانی مستعمل ہوتا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وضو کیا ہوا آدمی ثواب کے لئے اور قربت حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضو کرے تو اس سے بھی پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ یہ مسلک امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

وجہ: حدیث میں وضو کرنے کا تذکرہ گزرا جس سے پانی مستعمل ہونے پر استدلال کیا، اس وضو کا دونوں مطلب ہو سکتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے حدث زائل کرنے کے لئے وضو کیا تھا جس سے پانی مستعمل ہوا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثواب کے لئے وضو پر وضو کیا تھا جس سے پانی مستعمل ہوا۔ (۲) حدث زائل کیا تو نجاست حکمیہ زائل ہوئی اسلئے اس سے پانی مستعمل ہونا چاہئے۔ اور ثواب کی نیت کی تو اس سے بھی ایک گونہ گناہ جھڑتا ہے اسلئے اس سے بھی پانی مستعمل ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی مستعمل نہیں ہوگا مگر قربت کے قائم کرنے سے، اسلئے کہ پانی مستعمل ہوتا ہے گناہوں کی نجاست اسکی طرف منتقل ہونے سے، اور گناہوں کی نجاست زائل ہوتی ہے قربت کی نیت کرنے سے۔

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ گناہوں کی نجاست پانی کی طرف منتقل ہو تب وہ مستعمل ہوگا اور گناہ زائل ہوتا ہے اور پانی کی طرف منتقل ہوتا ہے قربت کی نیت کرنے سے، اسلئے وضو کرتے وقت قربت کی نیت اور ثواب کی نیت کرے گا تب پانی مستعمل ہو گا، اور اگر ثواب کی نیت نہیں کی صرف حدث زائل کرنے کی نیت کی تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا بھی پانی کو مستعمل بنانے میں موثر ہے اسلئے فساد یعنی مستعمل بنانا دونوں باتوں سے ثابت ہوگا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر ثواب کی نیت کے وضو کر لیا تو وضو ہو گیا اور وضو کرنا جو فرض تھا وہ ساقط ہو گیا اور حدث زائل ہو گیا تو حدث کا زائل ہونا بھی پانی مستعمل ہونے میں موثر ہے اسلئے اس سے بھی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ جس طرح

۴ و متی یصیر الماء مستعملا، الصحیح انه کما زال عن العضو صار مستعملا لان سقوط حکم الاستعمال قبل الانفصال للضرورة و لا ضرورة بعده ۵ و الجنب اذا انغمس فی البیر لطلب الدلو، فعند ابی یوسفؒ الرجل بحاله لعدم الصب و هو شرط عند ہ لاسقاط الفرض، و الماء بحاله لعدم

قربت کی نیت کرنے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے

ترجمہ : ۴ اور پانی مستعمل کب ہوگا؟ تو صحیح بات یہ ہے کہ جیسے ہی عضو سے جدا ہوا تو پانی مستعمل ہوگیا، اسلئے کہ مستعمل ہونے کا حکم عضو سے جدا ہونے سے پہلے ضرورت کی بناء پر ساقط کیا گیا، اور جدا ہونے کے کوئی ضرورت نہیں رہی۔

تشریح : پانی کب مستعمل ہوگا اسکے تین مقامات ہیں (۱) عضو پر رہتے ہوئے ہی پانی مستعمل شمار کیا جائے۔ (۲) پانی جب عضو سے جدا ہوجائے تب مستعمل شمار کیا جائے۔ (۳) پانی عضو سے جدا ہوکر کسی مقام پر، مثلا برتن میں جمع ہوجائے تب مستعمل شمار کیا جائے۔ پانی جب عضو پر ہوتو کسی کے یہاں بھی مستعمل شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ اگر عضو پر رہتے ہوئے مستعمل شمار کردیا جائے تو عضو ہی کبھی پاک نہیں ہوگا۔

اودوسری صورت کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد فورا ہی مستعمل قرار دیا جائے کیونکہ اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ صحیح قول یہی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول یہ ہے کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد کسی مقام پر، مثلا برتن وغیرہ میں جمع ہوجائے تب جاکر پانی کو مستعمل قرار دیا جائے۔ اس سے پہلے پانی مستعمل نہیں شمار کیا جائے گا۔ صحیح کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے۔

﴿کنویں میں گھسنے کا بیان﴾

ترجمہ : ۵ جنبی نے اگر کنویں میں ڈول نکالنے کے غوطہ لگایا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جنبی اپنی حالت پر ناپاک ہے نہ بہانے کی وجہ سے، کیونکہ ان کے نزدیک فرض کو ساقط کرنے کے لئے بہانا شرط ہے۔ اور پانی اپنی حالت پر پاک ہے کیونکہ ازالہ حدث کی نیت بھی نہیں ہے اور قربت کی نیت بھی نہیں ہے۔ (نوٹ) کنواں دہ در دہ سے کم ہو۔ اور اگر دہ در دہ ہوتب تو اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کے بدلے بغیر ناپاک ہی نہیں ہوگا۔

تشریح : آدمی جنابت کی حالت میں ہے۔ لیکن اسکے جسم پر نجاست نہیں ہے، ہر جگہ سے نجاست دھوئی ہوئی ہے، ایسا آدمی ڈول نکالنے کے لئے کنویں میں غوطہ لگائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدمی ناپاک ہی رہے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے

الامرين، ۶ و عند محمد کلا هما طاهران، الرجل لعدم اشتراط الصب، والماء لعدم نية القربة ۷ وعندابی حنیفة کلاهما نجسان، الماء لاسقاط الفرض من البعض باول الملاقاة، و الرجل لبقاء الحدث فی بقية الاعضاء، ۸ وقيل عنده نجاسة الرجل بنجاسة الماء المستعمل

یہاں جنابت کے فرض کو ساقط کرنے کے لئے پانی کو جسم پر بہانا، یا بہانے کی نیت کرنا ضروری ہے، اور یہاں نہ بہایا ہے اور نہ بہانے کی نیت کی ہے، بلکہ نیت تو ڈول نکالنے کی کی ہے جسکی وجہ سے جسم پر خود پانی آ گیا۔ اسلئے آدمی اپنی پہلی حالت پر ناپاک ہی رہے گا ۔ اور کنویں کا پانی اپنی پہلی حالت پر پاک رہے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی دو وجھوں میں سے ایک سے مستعمل ہوتا ہے اور دونوں نہیں پائے گئے اسلئے پانی مستعمل نہیں ہوا۔ پانی مستعمل ہونے کے لئے یا تو ازالہ حدث کی نیت ہو، یا قربت کی نیت ہو، اور یہاں دونوں نہیں ہیں، کیونکہ وہ ڈول نکالنے کے لئے غوطہ مارا ہے، اسلئے پانی پاک رہے گا۔ عدم الامرین: کا یہی مطلب ہے۔

ترجمہ : ۶ اور امام محمدؒ کے نزدیک پانی اور آدمی دونوں پاک ہیں۔ آدمی پاک ہے بہانے کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور پانی پاک ہے قربت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : امام محمدؒ کے نزدیک محدث کے پاک ہونے کے لئے ازالہ حدث کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، یا پانی بہانا ضروری نہیں ہے بلکہ بغیر نیت کے بھی پانی میں غوطہ لگا دے گا تو آدمی پاک ہو جائے گا۔ یہاں بغیر ازالہ حدث کی نیت کے غوطہ لگایا ہے پھر بھی آدمی پاک ہو جائے گا اور کنویں کا پانی اس لئے مستعمل نہیں ہوگا کہ غوطہ لگانے والے نے قربت کی نیت نہیں کی۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک مستعمل ہونے لئے قربت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اسلئے پانی، آدمی دونوں پاک ہونگے۔

ترجمہ : ۷ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانی اور آدمی دونوں ناپاک ہیں۔ (یعنی آدمی ناپاک ہے اور پانی مستعمل ہے) پانی ناپاک ہے اول ملاقات میں بعض عضو سے فرض ساقط ہونے کی وجہ سے۔ اور آدمی ناپاک ہے باقی عضو میں حدث باقی رہنے کی وجہ سے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہونے لئے نیت کی ضرورت نہیں۔ ازالہ حدث کی نیت نہ کرے اور نہ قربت کی نیت کرے اور غوطہ لگا دے تو بھی آدمی پاک ہو جائے گا۔ اور پانی کے ناپاک ہونے کے لئے بھی نیت کی ضرورت نہیں۔ اسلئے غوطہ لگاتے ہی پانی ناپاک ہو جائے گا ۔ اب جیسے ہی جسم کا نچلا حصہ پانی میں گیا تو وہ پاک ہو گیا البتہ اوپر کا حصہ ناپاک رہا۔ اور پورا پانی ناپاک ہو گیا۔ اب جسم کا تھوڑا سا حصہ پاک ہے اور اکثر حصہ ناپاک ہے اسلئے آدمی ناپاک رہے گا ۔ اور پانی بھی ناپاک ہو گیا۔

ترجمہ : ۸ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک آدمی ناپاک ہو جائے گا ماء مستعمل کے ناپاک ہونے کی وجہ سے۔

۹ وعنه ان الرجل طاهرلان الماء لايعطى له حكم الاستعمال قبل الانفصال و هو اوفق الروات عنه

(۵۱) قال (القدوری) **و كل اهاب دبغ فقد طهر، جازت الصلوٰة فيه، والوضوء منه الا جلد الخنزير،والادمى**

تشریح : آدمی کے ناپاک ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آدمی کا نچلا حصہ جب پانی میں گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق مستعمل ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک ہوگیا۔اوراس آدمی کا کچھ حصہ پاک ہوگیا تھا لیکن جب یہ ناپاک پانی میں رہا تو دوبارہ وہ حصہ بھی ناپاک ہوگیا اور گویا کہ پورا آدمی ناپاک ہوگیا۔اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ناپاک پانی کی وجہ سے آدمی دوبارہ ناپاک ہوا۔

ترجمہ : **۹** امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ آدمی پاک ہے اسلئے کہ جدا ہونے سے پہلے پانی کو مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، یہ امام ابوحنیفہؒ سے تمام روایتوں میں سب سے زیادہ فقہ کے موافق روایت ہے ۔

تشریح : پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پانی جسم سے جدا ہو تب اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اس سے پہلے نہیں۔اس قاعدے کی بناء پر آدمی جب تک پانی کے اندر رہا اس وقت تک پانی مستعمل نہیں ہوا، اس دوران پورا آدمی دھل گیا، اور پاک ہوگیا ،اور جب کنویں سے باہر نکلا تو پاک ہی نکلا اس لئے آدمی پاک رہا۔اور اسکے نکلنے کے بعد پانی مستعمل ہوا، اس طرح بعد میں پانی ناپاک ہوا۔یہ روایت پچھلے قاعدے اور دلیل کے موافق ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی جلالت شان کے بھی موافق ہے۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لغت :حدث : حدث اصغر جیسے وضو کو واجب کرنے والی چیزیں، حدث اکبر جیسے جنابت۔نجاست عینی کو نجاست کہتے ہیں۔ وجه القربة : حدث دور کرنے کی نیت ہو یا وضو پر وضو کرنے کی نیت ہو۔آثام: اثم کی جمع ہے، گناہ۔تزال: زائل ہوتا ہے، منتقل ہو تا ہے۔امرین: دونوں امر سے یہاں مراد ہے، قربت کی نیت، یا ازالہ حدث کی نیت ۔ انغمس: گھس گیا، غوطہ لگایا۔الصب: پانی کا بہانا۔انفصال: جدا ہونا۔

﴿ چمڑے کے احکام ﴾

ترجمہ : (۵۱) کچا چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔اس پر نماز جائز ہے۔اور اس کے برتن سے وضو جائز ہے ۔مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا، پاک نہیں ہوگا۔

۱ لقوله علیہ السلام: ایما اھاب دبغ فقد طھر ۲ وھو بعمومہ حجة علی مالکؒ فی جلد المیتة

تشریح: انسان اور سور کے علاوہ کوئی جانور چاہے اسکا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو وہ مر جائے اور اسکی کھال نکال کر اسکو دباغت دے دے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسکو ذبح کر دیا جائے تو اسکا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر اسکا برتن بنالیا جائے تو اس برتن میں پانی رکھنا اور اسکو پینا یا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

وجہ: (۱) مردار کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو اس کی ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے اور بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے صرف چمڑا باقی رہ جاتا ہے اسلئے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اہل عرب کے پاس اکثر اسی قسم کے برتن ہوتے تھے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما اھاب دبغ فقد طھر** . (نسائی شریف، باب جلود المیتة ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶ رمسلم شریف، باب طھارة جلود المیتة بالدباغ، ص ۱۵۷، نمبر ۳۶۶ /۸۱۲ /ابوداود، نمبر ۴۱۲۳) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة عن النبی ﷺ قال: ذکوة المیتة دباغھا** (نسائی شریف، باب باب جلود المیتة ص، ۱۶۹، نمبر ۴۲۵۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

وجہ: سور نجس العین ہے اس لئے اس کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا۔ آیت میں ہے **او لحم خنزیر فانہ رجس** (آیت ۱۴۵، سورة الانعام ۶)۔ اور آدمی کا چمڑا عزت اور کرامت کی بنا پر دباغت دینے کے بعد بھی قابل استعمال نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے: کہ کسی بھی چمڑے کو دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔ (نسائی، نمبر ۴۲۴۶)

ترجمہ: ۲ یہ حدیث الفاظ کے عام ہونے کے اعتبار سے مردار کے چمڑے کے بارے میں امام مالکؒ پر حجت ہے۔

تشریح: امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے ۔ **عن عبد اللہ بن عکیم قال: قریء علینا کتاب رسول اللہ ﷺ بأرض جھینة و انا غلام شاب: أن لا تستمتعوا من المیتة باھاب، و لا عصب** . (ابوداود شریف، باب من روی أن لا یستنفع باھاب المیتة، ص ۵۸۱ نمبر ۴۱۲۷ رنسائی شریف، ما یدبغ بہ جلود المیتة، ص ۵۹۲ نمبر ۴۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کے چمڑے سے اور پٹھے سے نفع نہ اٹھاو۔ اسکے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں ہے ایما اھاب: ایما، کا لفظ عام ہے جسکا ترجمہ ہے کسی بھی چمڑے کو دباغت دو تو وہ پاک ہو جائے گا، اسلئے ہر مردار کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہو جائے گا، سوائے سور اور آدمی کے۔

۳ولا يعارض بالنهي الوارد عن الانتفاع من الميتة، وهو قوله عليه السلام: لاتنتفعو من الميتة باهاب، لانه اسم لغير المدبوغ ۴وحجة على الشافعي في جلد الكلب، وليس الكلب نجس العين

ترجمہ: ۳ مردار سے نفع حاصل کرنے سے جو منع کی حدیث وارد ہوئی ہے وہ اوپر کی حدیث کے معارض نہیں ہے اور وہ ہے حضورؐ کا قول: کہ مردار کے کچے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاو، اسلئے کہ اہاب نام ہے بغیر دباغت دئے ہوئے چمڑے کا۔

تشریح : اوپر حضرت امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث۔ أن لا تستمتعوا من الميتة باهاب ،و لا عصب .(ابوداود شریف، نمبر ۴۱۲۷) جس میں تھا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ، یہ حدیث اوپر والی حدیث .ايما اهاب دبغ فقد طهر . (نسائی شریف، باب جلود المیتۃ ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶) کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ جس حدیث میں اہاب سے فائدہ نہ اٹھانے کا حکم ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مردار کے کچے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ کیونکہ دباغت دینے سے پہلے ابھی وہ ناپاک ہے ،اسلئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اور جس حدیث میں ہے کہ کچا چمڑا پاک ہوجاتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ دباغت دینے کے بعد پاک ہوتا ہے، اسلئے دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے معارض نہیں ہیں۔

نوٹ: موطا امام مالکؒ میں یہ حدیث نقل کی ہے عن عبد الله بن عباس ان رسول الله ﷺ قال اذادبغ الاهاب فقد طهر ۔(موطا امام مالک، باب ما جاء فی جلود المیتۃ ،ص ۴۹۳) اس حدیث اور باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کا بھی اصل مسلک یہی ہے کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انکا دوسرا قول بھی ہو۔

ترجمہ : ۴ اور یہ حدیث حجت ہے امام شافعیؒ پر کتے کے چمڑے کے بارے میں، کیونکہ کتے کا چمڑا نجس العین نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں نگہبانی اور شکار پکڑنے کے لئے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک سور کی طرح کتا بھی نجس العین ہے، اسلئے کتے کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تب بھی وہ پاک نہیں ہوگا۔ موسوعۃ میں ہے۔ السباع کلھا طاھر الا الکلب والخنزیر۔(موسوعۃ ،باب الماء الراکد، ج اول ،ص ۱۵ ،نمبر ۳۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکے نزدیک کتا بھی سور کی طرح نجس العین ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کتے کے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : اذاشرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعاً ۔(بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء أحدکم فلیغسلہ سبعاً۔ص ۲۹، نمبر ۱۷۲) کسی اور جانور کے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کے لئے نہیں کہا صرف اسکے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کے لئے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نجس العین ہے۔ اسلئے دباغت دینے کے بعد بھی اسکا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے کیونکہ اس سے نگہبانی کرنے کا اور شکار کرنے کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ حدیث میں اسکی اجازت ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عبد الله بن عمر يقول : سمعت النبي ﷺ يقول : من اقتنى كلباً .الا كلبا ضاريا

الاترى انه ينتفع به حراسة واصطيادا ۵ بخلاف الخنزير لانه نجس العين اذ الهاء فى قوله تعالى: فانه رجس، منصرف اليه لقربه ۶ وحرمة الانتفاع باجزاء الآدمى لكرامته فخرجا عما روينا ہ ۷ ثم مايمتنع النتن، والفساد فهو دباغ وان كان تشميتاًاوتتريباًلان المقصود يحصل به فلامعنى لاشتراط غيره

لصيد أو كلب ماشية . فانه ينقص من اجره كل يوم قيراتان . (بخاری شریف، باب من اقتنی کلبا لیس بکلب صیداًو ماشیۃ،ص ۹۷۶ نمبر ۵۴۸۱)اس حدیث میں شکاراور نگہبانی کے لئے کتا رکھنے کی اجازت ہے جس سے معلوم ہوا کہ کتا نجس العین نہیں ہے، کیونکہ اگر نجس العین ہوتو اسکے دانت سے شکار کیا ہوا کیسے حلال ہوگا۔ اسلئے اسکے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو چمڑا پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۵ بخلاف سور کے اسلئے کہ وہ نجس العین ہے اسلئے کہ،ہ، ضمیر اللہ تعالی کا قول: فانہ رجس، میں خنزیر کی طرف ہی لوٹتی ہے کیونکہ وہی قریب ہے۔

تشریح : بخلاف سور کے کیونکہ وہ نجس العین ہے اسلئے اسکے چمڑے کو دباغت دیں تب بھی پاک نہیں ہوگا اسلئے کہ آیت میں اسکو نجس العین کہا ہے۔آیت یہ ہے۔ الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (آیت ۱۴۵،سورۃ الانعام ۶)اس آیت میں فانہ رجس کی ،ہ، ضمیر خنزیر کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہی قریب میں ہے،اسلئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر کا گوشت نجس ہے یعنی وہ خود نجس العین ہے۔اسلئے اسکی کھال دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۶ اور آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا حرام ہے اسکی عزت کی بناء پر۔اسلئے سوراور آدمی ہماری روایت کی ہوئی حدیث سے نکل گئے۔

تشریح : آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا حرام ہے،اور اسکی کھال کو دباغت دیں تو وہ پاک نہیں ہوگی،اسلئے کہ اسکی عزت اور احترام ہے۔اسلئے ہم نے جو اوپر حدیث .ایما اهاب دبغ فقد طهر. (نسائی،نمبر ۴۲۴۶)نقل کی ہے۔جسکا مطلب یہ تھا کہ تمام مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد پاک ہو جائے گا ۔اس تمام میں سے سوراور آدمی نکل گئے اسلئے اسکی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۷ پھر جو چیز بھی بدبو اور فساد کو روک دے وہ دباغت ہے اگر چہ دھوپ میں سکھانا ہو یا مٹی لگانا ہو اسلئے کہ اس سے مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے اسلئے دوسری چیزوں کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں ہے ۔

تشریح :جن چیزوں سے کھال کی بدبو ختم ہو جائے اور وہ بگڑنے سے رک جائے اس سے دباغت ہو جائے گی۔مثلا دھوپ میں سکھا دیا، یا مٹی لگا دیا، یا قرظ گھاس ڈال کر دھو دیا جس سے کھال کی بدبو ختم ہوگئی تو ان سے دباغت ہو جائے گی۔حدیث میں ہے کہ

۸ۓ ثم ما يطهر جلده بالدباغ يطهر بالذكاة لانه يعمل عمل الدباغ فی ازالة الرطوبات النجسة، و كذالك يطهر لحمه، وهو الصحيح، وان لم يكن ماكولا

کسی بھی چیز سے دباغت دی جائے تو پاک ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے. **عن عائشة قالت : قال النبی ﷺ استمتعوا بجلود المیتة اذا ھی دبغت ترابا کان او رمادا او ملحا او ما کان بعد ان ترید صلاحه .** (دار قطنی، باب الدباغ ج اول ص ۴۴ نمبر ۱۲۳ رسنن للبیھقی، باب وقوع الدباغ بالقرظ او مایقوم مقامه، ج اول، ص ۳۱ نمبر ۶۶) (۲) اور اثر میں بھی اسکی صراحت ہے۔ **عن ابراھیم قال : کل شیء منع الجلد من الفساد فھو دباغ ،قال محمد و به نأخذ ، وھو قول ابی حنیفة** ۔ (کتاب الاثار لامام محمد، باب لباس جلود الثعالب، ودباغ الجلد، ص ۱۸۸، نمبر ۸۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز سے دباغت ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ قرظ گھاس سے ہی دباغت ہوگی۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **أن میمونة زوج النبی ﷺ حدثتھا ..... قالوا انھا میتة ؟ فقال رسول الله ﷺ : یطھرھا الماء و القرظ** ۔ (نسائی شریف، مایدبغ بہ جلود المیتۃ، ص ۵۹۲ نمبر ۴۲۵۳) اس حدیث میں ہے کہ قرظ یعنی ببول کی پتی سے دباغت ہوگی۔

ترجمہ: ۸ۓ پھر دباغت سے جس جانور کا چمڑا پاک ہوتا ہے ذبح کرنے سے بھی اسکا چمڑا پاک ہوگا اسلئے کہ وہ بھی دباغت کا ہی عمل کرتا ہے ناپاک رطوبت کے زائل کرنے میں، اور ایسے ہی اسکا گوشت بھی پاک ہو جائے گا صحیح بات یہی ہے چاہے وہ کھانے کے قابل نہ ہو۔

تشریح : جن جانوروں کے چمڑے دباغت دینے سے پاک ہو جاتے ہیں ان جانوروں کو ذبح کر دیا جائے تب بھی اسکے چمڑے پاک ہو جائیں گے اور اسکا گوشت بھی پاک ہو جائے گا اسکو جیب میں رکھکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جانور غیر ماکول اللحم ہو تو وہ گوشت کھانے کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ چمڑے کو دباغت دینا اسکو ذبح کرنے کی طرح ہے، جسکا مطلب یہ ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوگا۔ اسلئے کہ چمڑا پاک کرنے کے لئے ذبح کرنا ہی اصل ہے ۔حدیث یہ ہے **عن عائشة قالت : سئل رسول الله ﷺ عن جلود المیتة فقال : دباغھا ذکاتھا** ۔ (نسائی شریف ، باب جلود المیتۃ، ص ۵۹۲، نمبر ۴۲۵۰) یہاں حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ چمڑے کو دباغت دینا گویا کہ اسکو ذبح کرکے پاک کرنا ہے، اسلئے ذبح کرنے سے بھی غیر ماکول اللحم جانور کا چمڑا پاک ہو جائے گا اب دوبارہ اسکو دباغت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب چمڑا پاک ہو گیا تو اس کا گوشت بھی اسی درجے میں ہے اسلئے وہ بھی ذبح کرنے سے پاک ہو جائے گا۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ذبح کئے ہوئے چمڑے کو چھویا پھر وضو نہیں کیا اور نماز پڑھی، جس سے

(۵۲) و شعر الميتة، وعظمها طاهر﴾

معلوم ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔حدیث یہ ہے عن ابی سعید : ان النبی ﷺ مر بغلام یسلخ شاة فقال له رسول الله ﷺ : تنح حتی أریک ، فأدخل یده بین الجلد و اللحم فدحس بها حتی توارت الی الابط ثم مضی للناس و لم یتوضأ .زاد عمر فی حدیثه : یعنی لم یمس ماء ۔(ابوداودشریف، باب الوضوء من مس اللحم النیء وغسلہ ،ص ۲۸ نمبر ۱۸۵ /ابن ماجۃ ، باب السلخ ،ص ۴۶۲ نمبر ۳۱۷۹)اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے ذبح کیا ہوا چمڑا چھویا اور دوبارہ وضو نہیں کیا،جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوجاتا ہے (۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح دباغت دینے سے بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور ناپاک رطوبت بھی نکل جاتی ہے اسی طرح ذبح کرنے سے بھی بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور ناپاک رطوبت بھی نکل جاتی ہے اسلئے بھی ذبح کرنے سے چمڑا اور گوشت پاک ہوجائیں گے۔(۴) ذبح کرنے سے بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور گوشت پاک ہوجاتا ہے اور کھانے کے لئے حلال ہوجاتا ہے،اسلئے ذبح کرنے سے چمڑا بھی پاک ہوجائے گا

فائدۃ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے ذبح کرنے سے اسکا چمڑا پاک نہیں ہوگا جب تک کہ دوبارہ اس پر دباغت نہ دیا جائے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی الملیح ابن اسامة عن أبیه : أن رسول الله ﷺ نهی عن جلود السباع . (ابوداودشریف، باب فی جلود النمور والسباع ،ص ۵۸۱ نمبر ۴۱۳۲)اس حدیث میں ہے کہ پھاڑ کھانے والے یعنی غیر ماکول اللحم کے چمڑے سے منع فرمایا،اسکی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسکا چمڑا بغیر دباغت سے پاک نہیں ہوگا۔

لغت : اهاب: کچا چمڑا۔دباغت: ببول کی پتی ڈال کر چمڑے کو پکاتے ہیں جس سے چمڑا پاک ہوجاتا ہے اسکو دباغت کہتے ہیں ۔حراسة: نگہبانی کرنا. اصطیاد :صید سے مشتق ہے شکار کرنا۔رجس: ناپاک۔کرامة :عزت،احترام۔النتن: بدبو۔فساد : بگڑنا اور خراب ہونا. تشمیسا: شمس سے مشتق،دھوپ میں ڈالنا۔تتریبا : تراب سے مشتق ہے مٹی میں ڈالنا۔الذکاة: ذبح کرنا ۔رطوبة: چمڑے میں اور گوشت میں جو پانی ہوتا ہے اسکو رطوبت کہتے ہیں۔ماکول : اکل سے مشتق ہے وہ جانور جسکا گوشت کھانا حلال ہے۔

ترجمه: (۵۲) مردار کا بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

تشریح : مردار چاہے ماکول اللحم ہو چاہے غیر ماکول اللحم ہو اسکی وہ چیزیں جن میں خون یا رطوبت نہیں ہوتی وہ چیزیں بغیر دباغت دئے بھی پاک ہیں۔جیسے بال،سینگ،ہڈی،کھر وغیرہ۔البتہ ان پر رطوبت لگی ہوی ہو تو دھوئے بغیر استعمال نہ کرے کیونکہ وہ تو پاک ہیں لیکن ان پر لگی ہوئی رطوبت ناپاک ہے۔

وجه: (۱) بال،ہڈی،کھر اور سینگ میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور نہ ناپاک رطوبت ہوتی ہے اس لئے مردار کی یہ چیزیں

۱؂ و قال الشافعیؒ نجس لانہ من اجزاء المیتۃ ۲؂ ولنا انہ لاحیوٰۃ فیھما، و لھذا لا یتالم بقطعھمافلایحلھماالموت اذالموت زوال الحیوٰۃ.

پاک ہیں (۲) حدیث میں ہے قال رسول اللہ ﷺ یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج. (ابوداؤد شریف، باب فی الانتفاع بالعاج جلد ثانی ص ۲۲۷ نمبر ۴۲۱۳) اول کتاب الخاتم سے پہلے ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کا پٹھہ بھی پاک ہے اور ہاتھی کے دانت بھی پاک ہیں۔ ورنہ آپؐ پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کا کنگن خریدنے کے لئے کیسے فرماتے۔ (۳) سمعت ام سلمۃ زوج النبی ﷺ تقول : سمعت رسول اللہؐ یقول : لا بأس بمسک المیتۃ اذا دبغ ، ولا بأس بصوفھا و شعرھا و قرونھا اذا غسل بالماء۔ (دار قطنی، باب الدباغ، ج اول، ص ۴۲، نمبر ۱۱۳/ سنن للبیھقی، باب منع من الانتفاع بشعر المیتۃ، ج اول ص ۳۷ نمبر ۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی ہڈی، بال اون اور سینگ پاک ہیں۔

ترجمہ: ۱؂ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ ناپاک ہیں اسلئے کہ مردار کے اجزا میں سے ہیں۔

تشریح : امام شافعیؒ کھال کے علاوہ سب کو ناپاک کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عکیم قال کتب الینا رسول اللہ ان لا تستمتعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب. (نسائی شریف، باب ما یدبغ بہ جلود المیتۃ، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۴۲۵۵/ ابن ماجہ شریف، باب من کان لا ینتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب، ص ۵۲۰، نمبر ۳۶۱۳/ دار قطنی، باب الدباغۃ ج اول ص ۴۲ نمبر ۱۱۳) اس حدیث میں مردے کے چمڑے اور پٹھے سے منع فرمایا ہے لیکن چمڑے کی اجازت اوپر کی حدیث کی دباغت والی حدیث کی وجہ سے دیدی لیکن دوسری چیزیں تو اپنی حالت پر رہے گی۔ کیونکہ وہ مردار کے اجزا میں سے ہیں۔ (۲) چنانچہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ : ادفنوا الاظفار، و الشعر، و الدم فانھا میتۃ (سنن للبیھقی، باب المنع من الانتفاع بشعر المیتۃ، ج اول، ص ۳۴ نمبر ۷۶) اس حدیث میں ناخن اور بال سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ مردار ہیں اسلئے وہ پاک نہیں ہیں۔

ترجمہ : ۲؂ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں زندگی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی اسلئے ان دونوں میں موت بھی اثر نہیں کرے گی اسلئے کہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے (اسلئے میت کے بال اور اسکی ہڈی مردے نہیں ہوئے اسلئے وہ پاک ہونگے)

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو عقلی جواب ہے۔ کہ بال اور ہڈیوں میں زندگی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ بال کو کاٹو تو تکلیف نہیں ہوگی اور جب ان میں زندگی نہیں ہوتی تو اس میں موت بھی اثر انداز نہیں ہوگی اور جب ان میں موت نہیں ہوئی تو یہ مردار بھی نہیں ہوئے اسلئے

(۵۳)وشعر الانسان،وعظمه طاهر ۱وقال الشافعیؒ نجس لانه لا ینتفع به و لا یجوز بیعه ۲ ولنا ان عدم الانتفاع و البیع لکرامته فلا یدل علی نجاستة

حدیث کے اعتبار سے یہ ناپاک بھی نہیں ہوئے اسلئے یہ پاک ہوئے۔اصل وجہ اوپر کی حدیث ہے جس کی وجہ سے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

ترجمہ:(۵۳)اور انسان کا بال اور اسکی ہڈی پاک ہیں۔

تشریح : جس طرح اور مردار کی ہڈی اور بال پاک ہیں اسی طرح انسان کی ہڈی اور بال پاک ہیں۔

وجہ : (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ ان میں ناپاک رطوبت نہیں ہوتی اور نہ خون ہوتا ہے جو ناپاکی کی اصل بنیاد ہے اسلئے وہ پاک ہیں۔حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے بال مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اگر وہ پاک نہیں ہوتا تو تقسیم کیسے فرماتے! حدیث یہ ہے عن انس بن مالک أن رسول اللہ ﷺ رمی جمرة العقبة یوم النحر ثم رجع الی منزلہ بمنی فدعابذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الایمن فحلقه فجعل یقسم بین من یلیه الشعرة و الشعرتین ، ثم أخذ بشق رأسه الایسر فحلقه ثم قال ھٰھنا أبو طلحة ،فدفعه الی ابی طلحة ۔(ابو داؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ،ص ۲۲۸ نمبر ۱۹۸۱)اس حدیث میں بال صحابہ میں تقسیم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بال پاک ہے اور اسی پر قیاس کر کے ہڈی بھی پاک ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ نجس ہیں اسلئے کہ ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اور نہ انکو بیچا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ کہ فائدہ نہ اٹھانا اور نہ بیچنا اسکی عزت کی وجہ سے ہے اسلئے وہ نجاست پر دلالت نہیں کرتا۔

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کے بال کو نہ بیچ سکتے ہیں اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ باعزت چیز ہے اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ناپاک ہے اسلئے انسان کا بال اور اسکی ہڈی پاک ہیں۔عزت کی دلیل یہ آیت ہے و لقد کرمنا بنی آدم (آیت ۷۰ سورة الاسراء ۱۷)

اصول : جن ہڈیوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پاک ہیں ۔

لغت : اھاب : کچا چمڑا، دباغت دنہ دیا ہوا چمڑا۔یتالم :تکلیف محسوس کرتا ہے۔یحل : حلول سے مشتق ہے اندر جانا، حلول کرنا۔

CLIPART\26540.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی البیر﴾

(۵۴) و اذا وقعت فی البیر نجاسة نزحت،وکان نزح مافیها من الماء طهارةلها﴾ ل باجماع السلف

﴿ کنویں کے مسائل ﴾

ترجمه : (۵۴) اگر کنویں میں ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا۔اور جو اس میں پانی ہے اس کا نکالنا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ بڑے تالاب کی طرح کنواں ہو تو وہ تھوڑی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔لیکن کنویں کی لمبائی اور چوڑائی کم ہو تو ناپاکی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلی جائے گی اور ناپاکی نیچے اتر اتر کر گہرائی کی طرف چلی جائے گی اس لئے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

پورے کنویں کا پانی بار بار نکالنا مشکل ہے اس لئے صحرا اور جنگل میں جو نجاست بار بار کنویں میں گرتی ہے مثلا گوبر۔لید وغیرہ تو اس کے بہت سے گرنے سے ناپاک ہوگا۔اور جو نجاست کبھی کبھار گرتی ہے جیسے خون تو اس کا ایک قطرہ گرنے سے کنواں ناپاک ہوگا۔اسی طرح ناپاک پانی سے کنویں کی دیوار ناپاک ہوگی لیکن اس کو دھونا مشکل ہے اس لئے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں صرف پانی نکالنے سے دیوار پاک ہو جائے گی۔اسی طرح کیچڑ اور باقی ماندہ پانی بھی نکالنے کی ضرورت نہیں وہ بھی پانی نکالنے سے پاک ہو جائیں گے۔ یہ سہولت مجبوری کی بنا پر شریعت نے دی ہے۔اس لئے اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ پورا کنواں ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے **عن محمد بن سیرین أن زنجیا وقع فی زمزم یعنی فمات فأمر به ابن عباس ؓ فأخرج و أمر بها أن تنزح ،قال : فغلبهم عین جائتهم من الرکن ،فأمر بها فدسمت بالقباطی و المطارف حتی نزحوها ، فلما نزحوها انفجرت علیهم** ۔(دار قطنی ، باب البئر اذا وقع فیها حیوان، ج اول،ص ۲۷،نمبر ۶۲ /مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیه الدابۃ ،ج اول ص ۸۲،نمبر ۲۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ انسان کے مرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔اسی طرح ناپاکی گرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک گذر گیا ہے کہ دو مٹکے کنویں میں پانی ہو تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حدیث قلتین گزر گئی۔

امام مالکؒ کا بھی مسلک گزر گیا کہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ جب تک ناپاکی کی وجہ سے مزہ، یا بو یا، رنگ نہ بدلے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه: ل سلف کے اجماع کی وجہ سے۔یعنی یہ مسئلہ عموما اجماع سلف سے ثابت ہے۔

۲؎ ومسائل البیر مبنیة علی الاثار دون القیاس (۵۵) فان وقعت فیها بعرة او بعرتان من بعر الابل، او الغنم لم تفسد الماء ﴾ ۱؎ استحسانا، والقیاس ان تفسده لوقوع النجاسة فی الماء القلیل، وجه الاستحسان ان آبار الفلوات لیست لها رؤس حاجزة والمواشی تبعر حولها فتلقیها الریح فیها فجعل القلیل عفوا للضرورة، ولا ضرورة فی الکثیر ۲؎ وهو ما یستکثره الناظر الیه فی المروی عن ابی حنیفة، و علیه الاعتماد،

ترجمہ: ۲؎ کنویں کا مسئلہ آثار کی اتباع پر مبنی ہے نہ کہ قیاس پر۔

تشریح : کنویں کے مسئلے میں بعض میں مرتبہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک ہو جائے لیکن امت کی مجبوری کی وجہ سے اثار میں سہولت دی گئی ،اسلئے کنویں کا مسئلہ قیاس پر نہیں ہے بلکہ آثار کی اتباع پر ہے۔

ترجمہ: (۵۵) پس اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک مینگنی، یا دو مینگنی گر گئی تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

نوٹ: (مسئلہ ۵۵ سے ۵۸ تک جامع صغیر، باب فی النجاسة، ص ۷۸ سے لیا گیا ہے)

ترجمہ : ۱؎ استحسان کے طور پر یہ ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ پانی کو ناپاک کر دے تھوڑے پانی میں ناپاکی گرنے کی وجہ سے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ بیابانوں کے کنویں کے لئے روکنے والے منڈیر نہیں ہوتے اور مویشی اسکے ارد گرد مینگنی کرتے ہیں، پھر ہوائیں اسکو کنویں میں ڈال دیتی ہے، اسلئے تھوڑی ناپاکی کو معاف کر دیا گیا ضرورت کی بناء پر اور زیادہ ناپاکی میں ضرورت نہیں ہے

تشریح : کنواں دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا نہیں ہے، گویا تھوڑا پانی ہے اس میں ایک دو مینگنی گر گئی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک ہو جائے لیکن اثر کی وجہ سے استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک نہ ہو۔ کیونکہ یہاں ضرورت ہے۔ اور ضرورت یہ ہے کہ قافلے کے لوگ جنگل کے کنویں سے پانی پیتے ہیں، اور ان کنووں کے ارد گرد روکنے والا سر، یعنی منڈیر نہیں ہوتا جو نجاست روک لے اور اسکے ارد گرد مویشی چرتے ہیں اور پیخانہ بھی کرتے ہیں پھر ہوا چلتی ہے تو وہ پیخانہ کنویں میں گرتا ہے اب اگر کنواں ناپاک قرار دیں تو اسکا پانی کون نکالے گا اور اسکو پاک کرے گا، اور اس ناپاک کنویں سے قافلہ والے کیسے پانی استعمال کریں گے اسلئے استحسان کے طور ایک دو مینگنی سے کنواں ناپاک قرار نہ دیا جائے۔

ترجمہ: ۲؎ اور کثیر وہ ہے جسکو دیکھنے والا کثیر سمجھے، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہی روایت ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

تشریح : بعض لوگوں نے کہا کہ چوتھائی کنواں مینگنی ہو جائے تو ناپاک ہوگا، اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف نے فرمایا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ کنواں میں مینگنیاں بہت ہے تو اسی کو کثیر کہا جائے گا اور اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک منقول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

۳؎ ولا فرق بین الرطب، والیابس، والصحیح، والمنکسر، والروث، والخثی، و البعر لان الضرورة تشمل الکل، ۴؎ و فی شاة تبعر فی المحلب بعرة او بعرتین قالو یرمی البعرة و یشرب اللبن لمکان الضرورة ۵؎ ولایعفی القلیل فی الاناء علی ما قیل لعدم الضرورة ۶؎ وعن ابی حنیفةؒ انه کالبیر فی حق البعرة و البعرتین

ترجمہ: ۳؎ اورکوئی فرق نہیں ہے کہ مینگنی تر ہو یا خشک، صحیح سالم ہو یا ٹوٹی ہوئی، پھر گھوڑے کی لید ہو، یا گوبر، یا مینگنی اسلئے کہ ضرورت تمام کو شامل ہے۔

تشریح : ایک دو مینگنی تر گرے، یا خشک گرے، ٹوٹی ہوئی گرے یا صحیح سالم گرے اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اسلئے کہ کنویں میں یہ سب قسم کی میگنیاں گرتی ہیں اسلئے ایک دو مینگنیوں میں پانی پاک قرار دینے کی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح مینگنی میں ضرورت ہے اسی طرح گوبر اور لید میں بھی ضرورت ہے اسلئے اگر گوبر اور لید بھی ایک دو ٹکڑا گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اس لئے کہ اس میں بھی ضرورت ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور بکری مینگنی کردے دودھ دوہنے کے برتن میں ایک مینگنی اور دو مینگنیاں تو علمانے فرمایا کہ مینگنی پھینک دے اور دودھ پی لے ضرورت کی وجہ سے۔ تشریح: ۔ بکری اور بھیڑ کو لوگ پیچھے سے دوہتے ہیں اور ان جانوروں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ دوہتے وقت مینگنیاں کرتی ہیں اور بعض مرتبہ مینگنی دودھ کے برتن میں چلی جاتی ہے اسلئے اگر دودھ کو ناپاک قرار دیں تو چرواہے کا بہت نقصان ہے اسلئے ایک دو مینگنی سے دودھ ناپاک قرار نہ دیا جائے۔۔ حدیث میں ہے کہ بلی گھر میں رہتی ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہے اگر چہ اسکا گوشت ناپاک ہے۔ حدیث یہ ہے قال ان رسول اللہ ﷺ قال انها لیست بنجس انما هی من الطوافین علیکم و الطوافات (ترمذی نمبر۹۲/

ترجمہ: ۵؎ اور عام برتن میں تھوڑا سا بھی معاف نہ ہوگا ، جیسا کہ علمانے فرمایا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : دوہنے کے برتن میں نہیں بلکہ عام برتن کے دودھ میں ایک دو مینگنی گر گئی تو فرمایا کہ اس سے دودھ ناپاک ہو جائے گا ، اسکی وجہ یہ ہے کہ دوہتے وقت تو بار بار مینگنی کرتی ہے اسلئے وہاں ضرورت ہے جسکی بناء پر دودھ پاک قرار دیا لیکن عام برتن میں اسکی ضرورت نہیں ہے اسلئے اس سے دودھ ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۶؎ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ برتن بھی ایک دو مینگنی کے حق میں کنویں کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح کنویں میں ایک دو مینگنی گر جائے تو ناپاک قرار نہیں دیا جاتا ہے اسی طرح عام برتن میں بھی ایک دو مینگنی گر جائے تو عام برتن ناپاک نہیں ہوگا۔

اصول : ضرورت کی وجہ سے سہولت ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ اصول مترشح ہوتا ہے عن ابی سعید الخدری قال :

(۵۶) فان وقع فیها خرء الحمام، او العصفور لا یفسده ۱؎ خلافا للشافعیؒ،لھانه استحال الی نتن وفسادفاشبه خرء الدجاجة، ۲؎ ولنااجماع المسلمین علی اقتناء الحمامات فی المساجد مع ورود الامر بتطهیر ها،

قیل یا رسول الله أنتوضا من بئر بضاعة ، وهی بئر یلقی فیها الحیض و لحوم الکلاب و النتن ؟ فقال رسول الله ﷺ : ان الماء طهور لا ینجسه شیء ۔(ترمذی شریف،باب ماجاءأن الماءلاینجسہ شی ء،ص۲۱،نمبر۶۶)اس حدیث میں ہے کہ تھوڑی بہت ناپا کی سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمہ: (۵۶) پس اگر کنویں میں کبوتر کی بیٹ یا گوریے کی بیٹ گر جائے تو کنواں کو ناپاک نہیں کرے گی۔

تشریح : کبوتر اور چڑیا عام طور پر کنویں میں گھونسلا بناتی ہیں اوراس میں پیخانہ بھی کرتی ہیں،پس اگراس طرح اسکو ناپاک قرار دے دیں تو اسکے پانی کو کون نکالے گا اور کون اسکو روزانہ پاک کریگا اسلئے ضرورت کی بناء پر اسکے پانی کو ناپاک قرار نہ دیا جائے ۔

ترجمہ : ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے انکی دلیل یہ ہے کہ بیٹ بدبو اور گندگی میں تبدیل ہوجاتی ہے اسلئے مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہو گئی۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے کہ کبوتر اور چڑیے کی بیٹ میں بدبو اور گندگی ہوتی ہے اس لئے کنویں میں اسکے گرنے سے کنواں ناپاک ہوگا۔جیسے مرغی کی بیٹ کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوجاتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کبوتروں کو مسجدوں میں چھوڑے رکھنے کا حال آنکہ حکم وارد ہے مسجدوں کو پاک رکھنے کا۔

تشریح : کبوتر کی بیٹ پاک ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے سے اب تک لوگ کبوتروں کو مسجدوں میں ٹھہرنے دیتے ہیں اور وہ پیخانہ بھی کرتے ہیں حالانکہ مسجدوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ حضورؐ ہجرت کی رات میں غار میں چھپے تو کبوتروں نے اسکے منہ پر انڈا دیا تو آپؐ نے انکے لئے دعا کی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تمہیں حرم میں جگہ دے،جس سے معلوم ہوا کہ اسکی بیٹ پاک ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے أدرکت أنس بن مالک و زید بن ارقم و المغیرة بن شعبة فسمعتهم یتحدثون أن النبی ؐ .....قال رأیت بفمه حمامتین فعرفت أنه لیس فیه أحد ،فسمع النبیؐ ما قال فعرف أن الله قد درأ عنه بهما فدعا لهما ، وسمت علیهن و أقرن فی الحرم و فرض جزائهن . (نصب الرایۃ،فصل فی البئر ،ج اول،ص۱۷۵)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے کبوتروں کے لئے حرم اور مسجدوں میں ٹھہرنے کی دعا کی جس سے معلوم ہوا کہ اسکی بیٹ پاک ہے۔اور مسجدوں کو پاک رکھنے کی تاکید اس آیت میں ہے۔وعهدنا الی

۳؎ واستحالته لا الی نتن رائحة فاشبه الحمأة(۵۷) فان بالت فیها شاة نزح الماء کله عند ابی حنیفةؒ و ابی یوسفؒ، وقال محمد لا ینزح الا اذا غلب علی الماء، فیخرج من ان یکون طهوراً ﴾ ۱؎ و اصله ان بول ما یوکل لحمه طاهر عنده، نجس عند هما، له ان النبی علیه السلام امر العرنیین بشرب ابوال الابل و البانها،

ابراهیم و اسماعیل أن طهرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود .(آیت۱۲۵،سورۃ بقرۃ۲)

ترجمہ: ۳؎ اور پیخانہ کا بدلنا بدبو کی طرف نہیں ہے اسلئے وہ کالی مٹی کی طرح ہوگئی۔یعنی اسکی بیٹ بد بو اور فساد میں تبدیل نہیں ہو تی اسلئے وہ کالی مٹی اور کیچڑ کی طرح ہوگئی ،اور کیچڑ میں تھوڑی بہت بد بو ہوتی ہے پھر بھی پانی کے اندر رہنے کے باوجود اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح کبوتر اور چڑیے کی بیٹ سے کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

لغت: خرء:بیٹ۔الحمام: کبوتر،اسی کی جمع ہے حمامات۔العصفور: گوریا، چڑیا۔نتن :بد بو ۔فساد: گندگی،فساد ہونا۔الدجاجۃ: مرغی۔اقتناء:ٹھہرنے کے لئے دینا۔الحمأۃ: کالی مٹی،کیچڑ۔

ترجمہ: (۵۷) پس اگر کنویں میں بکری نے پیشاب کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا پانی نکالا جائے گا ،اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی نہیں نکالا جائے گا،مگر اگر پانی پر پیشاب غالب آگیا تو پانی دوسرے کو پاک کرنے سے نکل جائے گا۔

تشریح: یہاں بکری سے مراد تمام گوشت کھائے جانے والے جانور ہیں،اگر اس نے کنویں میں پیشاب کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا کنواں ناپاک ہوگیا اسلئے پورا کنواں نکالا جائے گا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک کنواں ناپاک نہیں ہوگا ،البتہ اگر اتنا زیادہ پیشاب کر دیا کہ پانی پر پیشاب غالب ہوگیا تو یہ پانی پاک تو ہے لیکن دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں رہے گا ۔اسکی وجہ آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناپاک ہے۔امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کو حکم دیا کہ اونٹ کے پیشاب پینے کا اور اسکے دودھ پینے کا۔پیشاب سے کنواں ناپاک ہوگا اور پورا کنواں نکالنا پڑے گا اسکی دلیل یہ اثر ہے۔أن علیا سئل عن صبی بال فی البئر قال : ینزح ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول،ص۱۴۹،نمبر۱۷۲۰)اس اثر میں ہے کہ بچہ اگر کنویں میں پیشاب کر دے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا،اسی پر قیاس کرتے ہوئے بکری، یا حلال جانور پیشاب کرے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر متفرع ہے کہ شیخین کے نزدیک گوشت کھائے جانے والے جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے

۲؎ ولهما قوله علیه السلام استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه. من غير فصل ۳؎ ولانه يستحيل الى نتن و فساد فصار كبول ما لا يؤكل لحمه،

اسلئے کنویں میں اسکے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا۔اورامام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا پیشاب پاک ہے اسلئے اسکے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا ۔اسکی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کے آدمی کو کہا کہ اونٹ کے پیشاب کو پیو اور اسکے دودھ کو پیو۔ پیشاب پینے کا حکم اسی لئے دیا ہوگا کہ وہ پاک ہے ورنہ حضورؐ ناپاک چیز کے پینے کا حکم کیسے دے سکتے تھے،حدیث یہ ہے **عن انسؓ قال قدم أناس من عكل أو عرينة فاجتووا المدينة فأمر هم النبى ﷺ بلقاح و أن يشربوا من ابوالها و البانها** ۔(بخاری شریف، باب الابل والدواب والغنم ومرابضھا،ص ۳۷،نمبر ۲۳۳ رمسلم شریف، باب حکم المحاربین والمرتدین،ص ۷۳۸،نمبر ۱۶۷۱/۴۳۵۳)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اھل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل حضورؐ کا قول کہ پیشاب سے بچو اسلئے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی پیشاب سے ہوتا ہے۔اور اس میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح : شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے پیشاب سے بچنے کے لئے کہا کیونکہ عام طور پر عذاب اسی سے ہوتا ہے،اور اس میں یہ فرق نہیں کی گوشت کھائے جانے والے جانور کے پیشاب سے بچنا ضروری نہیں اور جنکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو اسکے پیشاب سے بچو۔اسلئے دونوں کا پیشاب ناپاک ہوگا۔حدیث یہ ہے **عن ابى هريرة أن رسول الله ﷺ قال : استنزهوا من البول ،فان عامة عذاب القبر منه** ۔(دار قطنی ،باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ،ج اول،ص ۱۳۶،نمبر ۴۵۸)اور مستدرک میں یوں ہے **عن ابن عباس رفعه الى النبىؐ قال : عامة عذاب القبر من البول** ۔(مستدرک للحاکم،کتاب الطھارۃ،ج اول ص ۲۹۳ نمبر ۶۵۴) ان دونوں حدیثوں میں بول عام ہے ماکول اللحم،اور غیر ماکول اللحم کی قید نہیں ہے اسلئے دونوں کے پیشاب ناپاک ہوگا۔

نوٹ: البتہ بخاری شریف میں من بولہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ صحابی جنکو عذاب قبر ہو رہا تھا وہ خود اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا جسکا مطلب یہ نکلا کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے،باقی دوسرے جانور کا پیشاب ناپاک ہے یا پاک اس بارے میں اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔حدیث یہ ہے **عن عباسؓ مر النبى ﷺ على قبرين فقال انهما ليعذبان و ما يعذبان فى كبير ،ثم قال بلى أما احدهما فكان يسعى بالنميمة و اما الآخر فكان لا يستتر من بوله** . (بخاری شریف،باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول،ص ۲۲۱،نمبر ۱۳۷۸/) اس حدیث میں ہے کہ وہ صحابی خود اپنے پیشاب سے نہیں بچا کرتے تھے جسکی وجہ سے انکو عذاب قبر ہوا۔

ترجمہ : ۳؎ اور اسلئے کہ وہ تبدیل ہوتا ہے بدبو اور گندگی کی طرف تو جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے انکا پیشاب ان

۴ وتاویل ماروی انه عرف شفاؤهم وحیاً ۵ ثم عند ابی حنیفةؒ لایحل شربه للتداوی لانه لایتیقن بالشفاء فیه فلا یعرض عن الحرمة، ٦ و عند ابی یوسفؒ یحل للتداوی للقصة ۷ و عند محمد یحل للتداوی، و غیر ہ لطهارته عند ہ،

جانوروں کے پیشاب کی طرح ہوگیا جنکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔

تشریح : جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکے پیشاب میں بھی گندگی اور بدبو ہوتی ہے اسلئے اسکا پیشاب بھی ناپاک ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۴ اورامام محمدؒ نے جوروایت کی ہے اسکی تاویل یہ ہے کہ عرینہ والوں کا شفاء وحی سے معلوم ہوگیا تھا۔

تشریح : امام محمدؒ نے جوحدیث پیش کی تھی کہ عرینہ والے بیمار ہوئے تو اسکو پیشاب پینے کی اجازت دی، اسکا مطلب یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ پیشاب پینے سے انکو شفا ہوگی اسلئے پینے کا حکم دیا، تاہم جن جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب ناپاک ہے۔

ترجمه : ۵ پھرامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوا کے لئے بھی پینا حلال نہیں، اسلئے کہ اس میں شفا یقینی نہیں ہے اسلئے حرام سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : حضورؐ کو وحی کے ذریعہ شفا کا علم ہوا تھا اور دوسروں کو وحی کے ذریعہ علم نہیں ہوسکتا اور پیشاب میں شفا یقینی نہیں ہے اسلئے حرام چیز کو دوا کے لئے بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے اور حرمت سے اعراض نہیں کرنا چاہئے۔ **قال ابن مسعود فی السکر : ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم** (. بخاری، باب شراب الحلواء والعسل، ص ۹۹۵ نمبر ۵۶۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرام میں شفا نہیں ہے

ترجمه: ٦ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہے دوا کے لئے عرینہ والے کے قصے کی وجہ سے۔

تشریح : پیچھے قبیلہ عرینہ والے کا قصہ گزرا جس میں تھا کہ وہ بیمار ہوئے تو حضورؐ نے اسکو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا، جس سے معلوم ہوا کہ دوا کے طور پر گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پینا جائز ہے اگر چہ وہ ناپاک ہے، حدیث یہ ہے ۔ **فأمر هم النبی ﷺ بلقاح و أن یشربوا من ابوالها و البانها** ۔ (بخاری شریف، نمبر ۲۳۳) تاہم دوا کے علاوہ انکے یہاں بھی حرام اور ناپاک ہے۔

ترجمه: ۷ اورامام محمدؒ کے نزدیک دوا اور اسکے علاوہ کے لئے بھی حلال ہے انکے نزدیک پیشاب پاک ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پاک ہے اسلئے دوا کے طور پر بھی پینا جائز ہے

(۵۸) و ان ماتت فيها فارة، او عصفورة، اوسودانية، اوصعوة، اوسام ابرص نزح منهاعشرون دلواًالى ثلثين بحسب كبرالدلو وصغرها ﴾ ؎۱ يعنى بعداخراج الفارة، ؎۲ لحديث انس رضانه قال فى الفارة اذا ماتت فى البيرواخرجت من ساعته ينزح منهاعشرون دلواً،والعصفورةونحوها تعادل الفارة فى الجثة فاخذت حكمها

اوردوا کے بغیر بھی پینا جائز ہے۔انکا مستدل بھی اوپر کی عرینہ والی حدیث ہے۔

ترجمہ : (۵۸) اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا مولا یا بجنگا یا چھپکلی مرجائے تو بیس سے لیکر تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے۔

تشریح : یعنی چوہا یا اس جیسا چھوٹا جانور کنویں میں گر کر مرجائے اور ابھی پھولے، پھٹے نہیں تو بیس سے تیس ڈول تک نکالا جائے گا۔یعنی وجوب کے طور پر بیس ڈول اور استحباب کے طور پر تیس ڈول۔یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بڑا ڈول ہو تو بیس ڈول اور چھوٹا ڈول ہو تو تیس ڈول نکالا جائے گا۔

وجہ : (۱) **عن علی قال اذا سقطت الفارة او الدابة فی البئر فانزحها حتی یغلبک الماء.** (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶ / مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۱ نمبر ۲۷۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ اشباھھما تقع فی البئر ،ج اول،ص ۱۴۹،نمبر ۱۷۱۱) یہ حدیث پھولنے پھٹنے پر محمول ہے۔کہ چوہا پھولے پھٹے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔ورنہ بیس سے تیس ڈول نکالا جائے۔

ترجمہ : ؎۱ یعنی چوہا نکالنے کے بعد۔یعنی مرا ہوا جانور نکالنے کے بعد بیس یا تیس ڈول نکالے گا تب کنواں پاک ہوگا اور اگر مردہ کنویں میں رہتے ہوئے پانی نکالے گا تو کبھی کنواں پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ؎۲ حضرت انس رضکی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے چوہے کے بارے میں فرمایا کہ اگر کنویں میں مرجائے اور اسی وقت نکالا گیا تو اس سے بیس ڈول نکالا جائے گا۔اور چڑیا اور اسکے مانند جو جسم و جثّہ میں چوہے کے برابر ہو تو وہی حکم دیا جائے گا۔

تشریح : حضرت انس رض نے فرمایا کہ کنویں میں چوہا گر کر مرجائے، یا اسکے برابر کوئی جانور مثلا چڑیا مرجائے اور اسی وقت کنویں سے نکال دیا گیا ہو تو بیس سے تیس ڈول نکالا جائے۔

نوٹ : صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث نہیں ملتی جس میں بیس سے تیس ڈول کی دلیل ہو۔البتہ چالیس ڈول کا اثر ملتا ہے، وہ یہ ہے۔ **أخبرنی من سمع الحسن یقول : اذا مات الدابة فی البئر أخذ منها اربعین دلواً** ۔(مصنف عندالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ، ج اول ص ۸۱،نمبر ۲۷۲) اس اثر میں ہے کہ جانور مرجائے تو چالیس ڈول نکالو

۳؎ والعشرون بطریق الایجاب، والثلثون بطریق الاستحباب (۵۹) فان ماتت فیها حمامة او نحوها کالدجاجة، و السنور نزح منها ما بین اربعین دلواً الی ستین ﴾ ۱؎ و فی الجامع الصغیر، اربعون، اوخمسون، وهوالاظهر، ۲؎ لماروی عن ابی سعید الخدریؓ انه قال فی الدجاجة اذا ماتت فی البئر ینزح منها اربعون دلواً، هذا لبیان الایجاب، والخمسون بطریق الاستحباب

ترجمہ: ۳؎ اوربیس بطریق ایجاب کے ہیں اورتیس بطریق استحباب کے ہیں۔ یہ متن کی عبارت کی تفصیل ہے کہ متن میں جو بیان کیا ہے کہ بیس یا تیس، تو اسکا مطلب یہ ہے کہ بیس ڈول نکالنا واجب ہے اورتیس ڈول نکالنا مستحب ہے۔

لغت: عصفورة: چڑیا۔ صعوة: مولا۔ سودانیة: بھجنگا۔ سام ابرص: گرگٹ۔ الجثة: جسم وجثہ۔

ترجمہ: (۵۹) اوراگر کنویں میں کبوتر یا اسکے مانند جیسے مرغی یا بلی مرجائے تو کنویں سے چالیس سے ساٹھ ڈول تک نکالے جائیں گے۔

وجه: (۱) **عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحوهما یقع فی البئر قال نزح منها اربعون دلوا**. (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶/مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول نمبر ۱۷۲۲/مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۱۷۱۳)(۲) **عن سلمه بن کهیل فی الدجاجة تقع فی البئر قال: یستقی منها أربعون دلواً**۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ وأشباھھما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۹) ان دونوں اثروں میں ہے کہ مرغی یا بلی مر جائے تو چالیس ڈول نکالا جائے۔

ترجمہ: ۱؎ اورجامع صغیر میں ہے کہ چالیس یا پچاس، اوریہی زیادہ ظاہر ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے **و ان کانت دجاجة أو سنور فأربعون أو خمسون**. (جامع صغیر، باب فی النجاسۃ فی الماء، ص ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ چالیس سے پچاس ڈول نکالے، اوریہی عبارت قدوری کی بھی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ مرغی اگر کنویں میں گرکر مرجائے تو اس سے چالیس ڈول نکالا جائے، یہ وجوب کا بیان ہے اور پچاس استحباب کے طور پر ہے۔

تشریح: ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ مرغی مرجائے تو چالیس ڈول نکالا جائے، یہ وجوب کے طور پر ہے اور پچاس استحباب کے طور پر ہے تاہم یہ اثر ابوسعید خدریؓ کی نہیں ہے بلکہ حضرت حسن، حضرت شعبی، اور حضرت سلمہ بن کہیل سے منقول ہے جو اوپر ذکر کردیا گیا۔

۳؎ ثم المعتبرفی کل بیر دلوهاالذی یستقی به منها، ۴؎ و قیل دلویسع فیه صا ع،

۵؎ و لـو نـزح مـنها بدلو عظیم مرة مقدار عشرین دلوا جاز لحصول المقصود. (۶۰)وان ماتت فیها شـاة،او آدمی،او کلب نزح جمیع ما فیها من الماء ﴾ ۱؎ لان ابـن عباسؓ وابن الزبیر افتیا بنزح الماء کله حین مات زنجی فی بیرزمزم،

ترجمه: ۳؎ پھر معتبر ہر کنویں میں وہ ڈول ہے جسکے ذریعہ اس سے پانی نکالا جاتا ہے۔

تشریح: کسی ملک کے لوگ طاقت ور ہوتے ہیں اور کسی ملک کے لوگ کمزور ہوتے ہیں اسلئے جس ملک میں جو ڈول ستعمال ہوتے ہوں اسی ڈول کا اعتبار ہے۔

نوٹ: شریعت میں ہمیشہ اوسط کا اعتبار ہوتا ہے۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم (آیت ۸۹،سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں اوسط کھانا کا حکم دیا گیا ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور کہا گیا کہ ایسا ڈول جس میں ایک صاع پانی آتا ہو،اسکا اعتبار ہے۔۔ایک صاع پانی 3.538 کیلوگرام ہوتا ہے۔یا 5.88 لیٹر پانی ہوتا ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ اتنا بڑا ڈول ہو جس میں پانچ سوا اٹھاسی لیٹر پانی آتا ہو ۔اسکی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے سـمـعـت ابـا سلمة یقول دخلت أنا و اخوعائشة علی عائشة فسألها أخوها عن غسل النبی ﷺ فـدعـت باناء نحو من صا ع فاغتسلت و أفاضت علی رأسها ۔(بخاری شریف،باب الغسل بالصاع ونحوہ ،ص ۳۹،نمبر ۲۵۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے اسلئے ایک ڈول کا وزن ایک صاع ہوسکتا ہے۔

ترجمه: ۵؎ اور اگر کنویں سے بڑے ڈول سے ایک مرتبہ بیس ڈول کی مقدار نکالا تو جائز ہو جائے گا مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اصل مقصود بیس ڈول کی مقدار پانی نکالنا ہے چاہے بیس مرتبہ نکالے یا ایک مرتبہ بیس ڈول کی مقدار نکال دے ،دونوں طریقوں سے کنواں پاک ہو جائے گا ۔

ترجمه: (۶۰) اور اگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی مر جائے تو تمام پانی نکالا جائے۔

وجه: (۱) یہ جانور بڑے ہوتے ہیں اس کے مرتے ہی پورے کنویں میں نجاست پھیل جائے گی اس لئے پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) عـن عـطـاء قال اذا سقط الکلب فی البئر فاخرج منها حین سقط نزح منها عشرون دلوا فان اخـرج حیـن مات نز ح منها ستون دلواو سبعون دلوا فان تفسخ فیها نزح منهاماء ها فان لم تستطیعوا نزح مـائة دلـو و عشـرون و مائة (مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۷۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۸ فی

(۶۱) فـان انتـفـخ الحيو ان فيها، او تفسخ نزح جميع ما فيها صغر الحيوان، او كبره ﴾ ل لانتشار البلة فی اجزاء الماء

الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۴)

ترجمه: ل اسلئے کہ حضرت ابن عباس اور ابن زبیرؓ نے فتوی دیا تھا تمام پانی نکالنے کا جس وقت حبشی زمزم کے کنویں میں مر گیا۔

تشریح : حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس، اور حضرت ابن زبیرؓ نے فتوی دیا تھا کہ کنویں کا پورا پانی نکالا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ آدمی یا اس جیسا جانور مثلا بکری مر جائے تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا ہوگا۔ اثر یہ ہے ۔عـن مـحـمـد بـن سيـرين أن زنجيا وقع فی زمزم يعنی مات ،فأمر به ابن عباس ؓ فأخرج و أمر بها أن تنزح ،قـال فـغـلبتهـم عيـن جاء تهم من الركن فأمر بها فدسمت بالقباطی و المطارف حتی نزحوها ،فلمانزحوها انفجرت عليهم ۔(دارقطنی، باب البئر اذا وقع فیھا حیوان، ج اول، ص ۲۷ ،نمبر ۶۲) اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں ابن زبیرؓ کا اثر یہ ہے عـن عـطـاء أن حبشيـا وقـع فی زمزم فمات قال فأمر ابن الزبير أن ينزف ماء زمزم ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول ،ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۲۱) اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا فتوی ہے کہ کنویں میں بڑا جانور گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالنا ہوگا۔

ترجمه: (۶۱) اگر جانور کنویں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

وجه: (۱) پھولنے اور پھٹنے کے زمانے تک نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے اس لئے چھوٹا جانور ہو یا بڑا جانور ہو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ چوہا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔عـــن عـلـیؓ فی الفارة تقع فی البئرقال : ينزح الی ان يغلبهم الماء . (مصنف ابن ابی شیبۃ، فی الفارۃ تقع فی البئر ،نمبر ۱۷۱۱) (۳) اور یہ اثر ابھی گزرا پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا۔عـن عـطاء قال اذا سقط الكلب فی البئر فاخرج منها حيـن سـقـط نـزح منها عشرون دلوا فان اخرج حين مات نزح منها ستون دلواا و سبعون دلوا فان تفسخ فيها نـزح مـنهاماء ها فان لم تستطيعوا نزح مائة دلوو عشرون و مائة (مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۷۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸ فی الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پھول پھٹ جائے تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا ہوگا۔

ترجمه : ل تری کے پھیل جانے کی وجہ سے پانی کے اجزا میں ۔یعنی پانی کے اجزا میں ناپاکی کی تری پھیل جائے گی اسلئے پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۶۲)و ان كـانـت البير معينة بحيث لايمكن نزحها اخرجوا مقدارماكان فيها من الماء﴾ ۱؎ وطريق معرفته ان تحفرحفر مثل موضع الماء من البئرويصب فيهاماينزح منهاالى ان تمتلى ۲؎ أو ترسل فيها قصبة و تجعل لمبلغ الماء علامة ثم ينزح منهامثلا عشر دلاء ثم تعاد القصبة فينظر كم انتقص فينزح

لغت : انتفخ : پھول جائے۔ تفسخ : پھٹ جائے۔

ترجمہ: (۶۲) اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ پورا پانی نہیں نکالا جا سکتا ہو تو واجب ہے اتنا نکالنا جتنی مقدار اس میں پانی ہے۔

تشریح : کنویں کے اندر چشمہ جاری ہے اور اتنا پانی نکلتا رہتا ہے کہ سب پانی بیک وقت نکال کر سکھانا مشکل ہے تو یہ کیا جائے کہ ابھی کنویں میں جتنا پانی ہے اسکو نکال دیا جائے اور جو پانی آرہا ہے اسکو چھوڑ دیا جائے۔ زمزم کنویں میں حبشی گرا تھا جس کی وجہ سے پورا پانی نکالنا چاہا لیکن چشمے کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔لیکن جتنا پانی کنویں میں تھا اس کو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا اتنا نکالنا کافی ہے۔عبارت یہ ہے۔**فنظرو فاذا عين تنبع من قبل الحجر الاسود قال فقال ابن الزبير حسبكم**(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول،ص ۱۵۰،نمبر ۱۷۲۱) اس اثر میں ہے کہ کنویں میں جتنا پانی تھا اتنا نکال دینا کافی ہے۔کنویں میں پانی ہے اسکو اندازہ کرنے کے لئے کئی طریقہ بیان کیا جارہا ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسکے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں کے پانی کے مطابق گڑھا کھودا جائے پھر جو پانی کنویں سے نکالا جائے وہ اس میں ڈالا جائے یہاں تک کہ گڑھا بھر جائے۔

تشریح : کنویں میں جتنا پانی ہے وہ سب نکل گیا اور کنواں پاک ہو گیا اسکا اندازہ کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ ہے کہ کنواں میں مثلا دس فٹ گہرا اور چار فٹ چوڑا پانی ہے،اسی طرح دس فٹ گہرا اور چار فٹ چوڑا گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے نکال نکال کر اس میں پانی بھرا جاے جب یہ گڑھا بھر جائے تو سمجھو کہ اتنا پانی نکل گیا جتنا پانی کنویں میں پہلے تھا۔اور اتنا ہی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا ۔

ترجمہ : ۲؎ یا کنویں میں بانس ڈالا جائے اور پانی کے پہنچنے تک علامت لگائی جائے پھر کنویں سے مثلا دس ڈول نکالا جائے پھر بانس ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا ہے پھر ہر مقدار کے لئے دس ڈول نکالے جائیں ،اور یہ دونوں طریقے امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔

تشریح : کنویں میں کتنا پانی ہے اسکا اندازہ کرنے کے لئے یہ دوسری شکل ہے۔کہ کنواں میں بانس ڈالا جائے اور جہاں تک پانی آئے اس پر نشان لگا دیا جائے ،اسکے بعد مثلا دس ڈول نکالا جائے پھر دوبارہ بانس ڈال کر دیکھے کہ کتنا کم ہوا،مثلا دس ڈول نکالنے پر آدھا فٹ کم ہوا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ دس ڈول میں آدھا فٹ کم ہوتا ہے اور کنویں میں دس فٹ گہرا پانی ہے اسلئے دس کو بیس سے

لکل قدر منھا عشر دلاء، وھذان عندابی یوسفؒ ۳؎ و عن محمدؒ نزح مائتا دلو الی ثلث مائۃ، فکانہ بنی قولہ علی ما شاھدفی بلدہ ۴؎ وعن ابی حنیفۃؒ فی الجامع الصغیر فی مثلہ ینزح حتی یغلبھم الماء، ولم یقدر الغلبۃ بشیء کما ھو دابہ ۵؎ وقیل یؤخذ بقول رجلین لھما بصارۃ فی امر الماء وھذا اشبہ بالفقہ

ضرب دیں تو دوسو ڈول نکالنے سے گویا کہ پورے کنویں کا پانی نکل جائے گا۔ یہ رائے امام ابو یوسفؒ کی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ دوسو سے تین سو ڈول نکالا جائے، گویا کہ اپنے قول کی بنیاد انہوں نے اس پر رکھی جو اپنے شہر کے کنویں میں دیکھا۔

تشریح : اپنے شہر بغداد میں دیکھا کہ عام طور پر انکے کنوؤں میں دوسو سے تین سو ڈول تک پانی ہوتا ہے اسلئے یہ فرمایا کہ دوسو سے تین سو ڈول تک نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ اس میں عوام کے لئے سہولت ہے۔ کہ تین سو ڈول نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ اور امام ابو حنیفہؒ سے جامع صغیر میں اس جیسے چشمے دار کنویں کے بارے میں یہ ہے کہ اتنا پانی نکالو کہ پانی غالب آجائے، البتہ کسی چیز سے غلبہ کی تعیین نہیں کی، جیسا کہ انکا طریقہ ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ چشمے دار کنواں ہو اور ناپاک ہو جائے تو اتنا پانی نکالو کہ پانی غالب آجائے اور مزید نکالنا مشکل ہو جائے۔ عبارت یہ ہے **و ان کانت شاۃ نزحت حتی یغلب الماء و کذالک ان انتفخت شیء من ذالک أو تفسخ** ۔ (جامع صغیر، باب فی النجاسۃ تقع فی الماء، ص ۷۸)۔ یہ مسلک ایک اثر سے مستنبط ہے ، اثر یہ ہے **عن علیؓ فی الفارۃ تقع فی البئر قال : ینزح الی أن یغلبھم الماء** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، فی الفارۃ ج اول ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۱) اس اثر میں ہے کہ پانی نکالنا جب تک مشکل نہ ہو پانی نکالتا رہے۔

ترجمہ : ۵؎ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو ایسے آدمیوں کی بات لی جائے جنکو پانی کی مقدار کے معاملے میں مہارت ہو، اور یہ فقہ کے زیادہ مناسب ہے۔

لغت : معینا : چشمہ والا کنواں، عین سے مشتق ہے۔ تحفر: کنواں کھودنا۔ یصب : پانی بہایا جائے۔ تمتلی: بھر جائے، ملأ سے مشتق ہے۔ ترسل :ڈالا جائے۔ قصبۃ: بانس۔ مبلغ : جہاں تک پانی پہنچے۔ دلاء: دلو کا جمع ہے، ڈول۔ دأب: طریقہ، عادت ۔ بصارۃ :مہارت۔

نوٹ: مردہ جانور پہلے نکالے اس کے بعد ڈول سے یہ سب مقدار نکالے تب پاک ہوگا۔

اصول: اصل مقصد کنویں میں موجود تمام پانی کو نکالنا ہے۔

(۶۳) وان وجدوا فی البئرفارة اوغیرھاولایدری متی وقعت ولم ینتفخ اعادوا صلوة یوم و لیلة اذا کانوا توضؤا منھا و غسلوا کل شیء اصابه ماؤھا ﴾ (۶۴) وان کانت قد انتفخت اوتفسخت اعادوا صلوة ثلثة ایام ولیالیھاوھذاعندابی حنیفة ﴾ (۶۵) وقالالیس علیھم اعادة شیء حتی یتحققواانھا متی وقعت ﴾ ۱لان الیقین لایزول بالشک، وصار کمن رأی فی ثوبه النجاسة ولایدری

ترجمہ: (۶۳) اگرکنویں میں چوہا پایا، یااس کے علاوہ مراہوا پایا جائے اورنہیں معلوم کہ کب گرا ہےاورابھی پھولا اور پھٹانہیں ہےتو ایک دن اورایک رات کی نماز لوٹائی جائے گی جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو۔اوران تمام چیزوں کو دوبارہ دھویا جائے گا جن میں اس کا پانی لگا ہو۔

وجہ: جانورکنویں میں مراہوا ملااورکوئی علامت نہیں ہے کہ کب گرا ہےاورکب مرا ہےتو ایک دو گھنٹے کا کوئی معیارنہیں ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ ایک دن ایک رات پہلے مرا ہےاوراس درمیان جن جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا ہے اس کو وہ تمام نمازیں لوٹانی ہوگی ۔ کیونکہ ناپاک پانی سے نہ وضوہوااور نہ نماز ہوئی ۔اوراس پانی سے ایک دن اورایک رات کے درمیان جن لوگوں نے غسل کیا ہے یا کپڑا دھویا ہےان کوبھی غسل اورنماز لوٹانی ہوگی ۔ کیونکہ ناپاک پانی سے غسل کیا ہےاورکپڑے دھویا ہے

اصول: احتیاط پرعمل کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۶۴) اوراگر جانور پھول گیایا پھٹ گیاتو تین دن اورتین راتوں کی نماز لوٹائے گاابوحنیفہؒ کےقول میں ۔

وجہ: عموما جانورتین دن تین راتوں میں پھولتا اور پھٹتا ہے۔اوراس کے خلاف علامت نہیں ہےاس لئے یہی کہا جائے گا کہ جانورتین دن پہلے گرا تھااورمرا تھااوراب تین دن میں پھولا اور پھٹا ہے۔اس لئے جن لوگوں نے اس دوران اس پانی کے وضواور غسل سےنماز پڑھی وہ لوٹائیں گے۔حضرتؒ کا قول یقین اوراحتیاط پرمبنی ہے۔

ترجمہ: (۶۵) اورصاحبین فرماتے ہیں کہ وضوکرنے والوں پرکسی چیز کالوٹانا نہیں ہے جب تک تحقیق نہ ہوجائے کہ کب گرا ہے۔

وجہ: (۱)حضرت امام ابویوسف نے دیکھا کہ ایک پرندہ نے مردہ کولاکرکنویں میں ڈالا جس سے وہ رجوع کر گئےاورفرمانے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ ابھی پھولے ہوئے چوہے کوکنویں میں ڈالا ہو۔اس لئے تین دن پہلے کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲) یقین ہے کہ پانی پاک ہےاورشک ہے کہ تین دن پہلے جانورگرا ہوتو یقین پرعمل کرتے ہوئے ابھی تک پانی پاک قراردیا جائے گا۔اور جب سے مردہ جانورکوکنویں میں دیکھا ہےاس وقت سے کنواں ناپاک قراردیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا،توایسا ہوا کہ اپنے کپڑے میں نجاست دیکھی اورنہیں جانتا ہے کہ کب لگی ہے۔

متی اصابته، ۲ ولابی حنیفةؒ ان للموت سبباً ظاهرا وهو الوقوع فی الماء فیحال به علیه الا ان الانتفاخ دلیل التقادم فیقدر بالثلث، وعدم الانتفاخ، و التفسخ دلیل قرب العهد فقدرناه بیوم و لیلة لان ما دون ذالک ساعات لا یمکن ضبطها ۳ واما، مسئلة النجاسة فقد قال المعلی: ھی علی الخلاف فیقدر بالثلث فی البالی، ویوم ولیلة فی الطری ۴ و لوسلم فالثوب بمرأی عینه و البئر غایبة

تشریح : یقین ہے کہ پانی پاک ہے البتہ شک ہے کہ تین دن پہلے جانور گر کر مرا ہوگا اسلئے صرف شک سے تین دن پہلے سے پانی ناپاک نہیں قرار دیا جائیگا۔ جیسے کپڑا پر ناپاکی لگ گئی ہو اور شک ہو کہ تین دن پہلے لگی ہوگی پھر بھی تین دن پہلے سے ناپاکہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جس وقت دیکھا اسی وقت سے ناپاک ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی جسوقت دیکھا اسی وقت سے ناپاک ہونے کا فیصکہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۲ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت کا سبب ظاہر ہے اور وہ پانی میں گرنا ہے اسلئے موت کو اسی پر محمول کیا جائے گا، مگر یہ کہ پھولنا پرانے ہونے کی دلیل ہے اسلئے تین دن سے اندازہ لگایا جائے گا، اور نہ پھولنا اور نہ پھٹنا قریب ہونے کی دلیل ہے اسلئے اسکا اندازہ لگایا جائے گا کہ ایک دن اور ایک رات پہلے جانور گر کر مرا ہے اس لئے کہ اس سے کم تو کچھ گھنٹے ہوتے ہیں جسکا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کے مرنے کا سبب ظاہر یہی ہے کہ پانی میں ہی گر کر مرا ہوگا اسلئے یہی سمجھا جائے گا اسی سے مرا ہے۔ اب اگر پھول پھٹ گیا ہو تو اندازہ ہوا کہ تین دن پہلے گرا ہے کیونکہ تین دن میں پھولتا اور پھٹتا ہے، اور اگر پھولا پھٹا نہ ہو تو اندازہ یہ ہے گرنے کا وقت قریب ہے اسلئے ایک دن کا فیصلہ کیا جائے ، کیونکہ اس سے پہلے تو کچھ گھنٹے ہونگے جسکا منضبط کرنا مشکل ہے۔

ترجمہ : ۳ بہر حال نجاست کا مسئلہ تو معلیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی اختلاف پر ہے اسلئے خشک نجاست میں تین دن کا اندازہ لگایا جائیگا اور تر نجاست میں ایک دن اور ایک رات کا اندازہ لگایا جائیگا۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے کہ نجاست کے مسئلے میں اتفاق نہیں ہے کہ آپ اس سے استدلال کر سکیں بلکہ اس میں اختلاف ہے، چنانچہ حضرت معلیٰ ابن منصور نے فرمایا کہ کپڑے میں نجاست لگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ کب لگی ہے تو اگر خشک ہو تو تین دن اور تین رات پہلے لگی ہوئی سمجھی جائے اور اگر تر ہو تو یہ سمجھا جائے کہ ایک دن ایک رات پہلے لگی ہوگی۔ کیونکہ ظاہری آثار یہی ہیں البتہ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے لگی ہے تو کچھ دیر پہلے پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۴ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو کپڑے کا حال یہ ہے کہ وہ آنکھ کے سامنے ہیں اور کنواں آنکھ سے غائب ہے اسلئے دونوں

عن بصره فيفترقان

میں فرق ہو گیا۔

تشــریح : کپڑا آنکھ کے سامنے ہے اسلئے اگر تین دن پہلے نجاست لگی ہوتی تو ضرور نظر آئی ہوتی اسلئے یہی خیال کیا جائے گا کہ کچھ دیر پہلے لگی ہے اور کچھ گھنٹوں کا فیصلہ کرنا مشکل ہے اسلئے ایک دن کا ہی فیصلہ کیا جائے گا۔اور کنواں میں تو اندھیرا ہے اسلئے کچھ پتہ نہیں ہے کہ کب گری ہے اسلئے مردے کی حالت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ اگر پھول پھٹ گیا ہے تو تین دن پہلے گرا ہوگا اور اگر پھولا پھٹا نہیں ہے تو ایک دن پہلے گرا ہوگا ۔اسلئے کپڑے اور کنویں میں فرق ہے۔قرینے سے فیصلہ کرنے کی دلیل یہ آیت ہے و **شهد شاهد من اهلها أن كان قميصه قد من قبل ف صدقت وهو من الكاذبن 0 و ان كان قميصه قد من دبر فكذبت و هو من الصادقين 0فلما ر ء ا قميصه قد من دبر قال انه من كيدكن ان كيد كن عظيم .** (آیت ۲۶ ۔۲۸ سورۃ یوسف ۱۲)اس آیت میں قمیص کے قرینے کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا فیصلہ کیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی علامت ظاہرہ نہ ہو تو قرینہ سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

لغت:۔ **یحال** : **حول** سے مشتق ہے،اس پر محمول کیا جائے گا،اس پر پھیرا جائے گا۔: **تقادم** : **قدم** سے مشتق ہے، پرانا ہونا ۔**قدرنا** : اندازہ لگایا۔ساعات: چند گھنٹے،المعلی: یہ معلٰی بن منصور ہیں جو اپنے زمانے میں بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے،البالی: خشک،طری: تر چیز۔

not found.

﴿فصل فی الآسار﴾

(٦٦) وعرق کل شئ معتبر بسؤره ﴾ ل لانهما یتولدان من لحمه فاخذ احدهما حکم صاحبه
(٦٧) وسور الآدمی و ما یو کل لحمه طاھر ﴾

﴿فصل جوٹھے اور اسکے علاوہ کے بارے میں ﴾

(ضروری نوٹ) جوٹھے کی چار قسمیں ہیں۔(۱) پاک، جیسے آدمی کا جوٹھا، اور حلال جانور کا جوٹھا۔(۲) مکروہ، جیسے بلی کا جوٹھا ۔(۳) ناپاک، جیسے سور اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا۔(۴) مشکوک، جیسے گدھے اور خچر کا جوٹھا۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس قسم کا گوشت ہوگا اسی قسم کا اسکا جوٹھا ہوگا۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمه: (٦٦) ہر جانور کے پسینے کا اعتبار اسکے جوٹھے کے ساتھ ہے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ دونوں اسکے گوشت سے پیدا ہوتا ہے، اسلئے ایک کا حکم دوسرے کے لئے ہوگا۔

تشریح: ۔یعنی پسینہ اور تھوک دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں، اسلئے جسکا گوشت حلال ہے اسکا جوٹھا اور پسینہ پاک ہونگے اسلئے کہ حلال گوشت سے دونوں پیدا ہوئے، اور جسکا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اسکا جوٹھا اور پسینہ دونوں ناپاک ہونگے کیونکہ یہ دونوں حرام گوشت سے پیدا ہوئے۔ اسلئے جو حکم گوشت کا ہوگا وہی حکم اسکے پسینہ اور اسکے تھوک کا ہوگا۔

وجه: (۱) یہ ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور تھوک ہی پانی سے ملتا ہے اسلئے جسکا گوشت حلال ہے اور کھانے کے قابل ہے تو اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا (۲) دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول الله ما اکل لحمه فلا بأس بسؤره (سنن بیھقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر ما یوکل لحمہ ج اول، ص ۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳، فی الوضوء بسور الفرس والبعیر، ج اول ص ٣٦ نمبر ٣٢١) اس حدیث میں ہے کہ جسکا گوشت حلال ہے اسکا جوٹھا بھی پاک ہے۔

ترجمه: (٦٧) آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔

وجه: (۱) تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔ آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی۔ اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہوگا اور جوٹھا پاک ہوگا (۲) عن ابن عباس قال دخلت مع رسول الله ﷺ انا و خالد بن الولید علی میمونة فجاء تنا باناء من لبن فشرب رسول الله ﷺ وانا علی یمینه و خالد علی شماله فقال لی الشربة لک فان شئت اثرت بها خالدا فقلت ما کنت لاوثر علی سورک احدا. (شمائل ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ شراب رسول اللہ ﷺ ص ۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔ تب ہی تو آپ ؐ نے اپنا جوٹھا دوسرے کو پینے دیا۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں۔ حلال جانور کا جوٹھا پاک ہونے کی دلیل (۲) اور جن جانورں کا گوشت کھایا

۱؎ لان المختلط به اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر ۲؎ و یدخل فی هذا الجواب الجنب، والحائض، و الکافر

جاتا ہے انکا جوٹھا پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن البراء قال قال رسول الله ما اکل لحمه فلا بأس بسؤره** (سنن بیہقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر ما یوکل لحمہ ج اول، ص ۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹) اس حدیث میں ہے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ پانی کے ساتھ لعاب ملتا ہے، اور لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے، اسلئے لعاب اور تھوک پاک ہوگا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا تھوک پاک ہے کیونکہ تھوک میں لعاب ملا ہوگا، اور لعاب حلال گوشت سے پیدا ہوا ہے اور پانی پیتے وقت لعاب ہی پانی سے ملتا ہے اسلئے حلال جانوروں کا جوٹھا انکے تھوک کی طرح پاک ہے۔ باقی رہا کہ انسان کا گوشت نہیں کھا سکتے وہ اسکی کراہت کی وجہ سے نہیں کھا سکتے، ورنہ بنفسہ اسکا گوشت حلال ہے، اسلئے اسکا جوٹھا بھی پاک ہوگا، حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اس جواب میں جنبی اور حائضہ عورت اور کافر کا جوٹھا بھی شامل ہوگا۔

تشریح: یعنی جنبی مرد اور جنبی عورت کا جوٹھا بھی پاک ہے، اسی طرح حائضہ عورت اور کافر کا جوٹھا بھی پاک ہے، اسلئے کہ ان میں جو نجاست ہے وہ باطنی ہے، منہ اور تھوک میں نہیں ہے۔

وجہ: جنبی کا تھوک ناپاک نہیں ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هريرة أنه لقی النبی ﷺ فی طريق من طرق المدينة .....قال يا رسول ﷺ لقيتنی و انا جنب فكرهت أن اجالسک حتی اغتسل . فقال رسول الله ﷺ : سبحان الله ! ان المؤمن لاينجس** ۔ (مسلم شریف، باب الدلیل علی أن المسلم لا ینجس، ص ۱۶۲ نمبر ۳۷۱ / ۸۲۴ / بخاری شریف، باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس، ص ۴۲ نمبر ۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی کا پسینہ ناپاک نہیں، اور اسی سے معلوم ہوا کہ اسکا تھوک بھی ناپاک نہیں ہے۔ حائضہ کا تھوک پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت: کنت اشرب وأنا حائض، ثم اناوله النبی ﷺ فیضع فاه علی موضع فیّ فیشرب ۔ (مسلم شریف، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، الخص ۱۴۳ نمبر ۳۰۰ / ۶۹۲ / ابو داود شریف، باب مواکلة الحائض ومجامعتها، ص ۳۹ نمبر ۲۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا جوٹھا پاک ہے۔ اور مشرک ظاہری طور ناپاک نہیں ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے **سمع أبا هريرة قال بعث النبی ﷺ خيلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنيفة يقال له ثمامة بن أثال ، فربطوه بسارية من سواری المسجد فخرج اليه النبی ﷺ فقال ماذا عندک يا ثمامة ؟** ۔ (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن أثال، ص ۷۱۴ نمبر ۴۳۷۲) اس حدیث میں ایک کافر کو مسجد میں باندھا، اگر یہ ظاہری طور پر ناپاک ہوتا تو اسکو مسجد میں نہ باندھتے

(٦٨) وسؤ رالکلب نجس،ويغسل الاناء من ولوغه ثلاثا ﴾ ا لقوله عليه السلام: يغسل الاناء من ولوغ الكلب ثلاثا،ولسانه يلاقی الماء دون الاناء، فلما تنجس الاناء فالماء اولی، وهذا يفيد النجاسة، والعدد فی الغسل

،اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ۔انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا ۔(آیت ۲۸ سورۃ التوبۃ ۹) سے مراد باطنی نجاست ہے۔اسلئے کافر کا جوٹھا بھی پاک ہے ۔

ترجمہ: (٦٨) کتے کا جوٹھا ناپاک ہے اسکے برتن میں منہ ڈالنے سے تین مرتبہ دھویا جائے گا ۔

وجہ: (۱) کتا،سوراور پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا تھوک اور جوٹھا بھی ناپاک ہے (۲) کتے کا جوٹھا ناپاک ہونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا شرب الكلب فی اناء احدكم فليغسله سبعا (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا ،ص ۲۹،نمبر ۱۷۲)(۳) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے عن ابی هريرة قال اذا ولغ الكلب فی الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دار قطنی ، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ٦٦ نمبر ۱۹۳ رمصنف عبد الرزاق ، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶) اس فتوی سے معلوم ہوا کہ کتے کا جوٹھا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا (۴) اصل بات یہ ہے کہ ناپاکی زائل ہونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔اور اس سے غلیظ ناپاکی پاخانہ اور پیشاب تین مرتبہ دھونے سے زائل ہوجاتی ہے اور برتن پاک ہوجاتا ہے تو جوٹھا بدرجہ اولی پاک ہوجانا چاہئے۔البتہ حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھوئیگا تو ثواب ملے گا۔

ترجمہ: ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ برتن کو کتے کے منہ ڈالنے کیوجہ سے تین مرتبہ دھویا جائے گا،اور اسکی زبان پانی کو لگتی ہے نہ کہ برتن کو، پس جبکہ برتن ناپاک ہوجاتا ہے تو پانی بدرجہ اولی ناپاک ہوگا۔اور اس حدیث نے ناپاک ہونے میں بھی فائدہ دیا اور دھونے کے تعداد کے بارے میں بھی۔

تشریح: اوپر حدیث مرسل بیان ہوئی کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھویا جائے۔اس سے دو باتیں معلوم ہوئی (۱) ایک تو یہ کہ کتے کی زبان پانی کو لگتی ہے برتن کو نہیں لگتی پھر بھی برتن ناپاک ہوگیا اور اسکو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا پس جب پانی میں زبان لگتی ہے تو بدرجہ اولی وہ ناپاک ہوگا۔(۲) حدیث سے دوسری بات معلوم ہوئی کہ تین مرتبہ دھویا جائے گا سات مرتبہ نہیں ۔حدیث یہ تھی ۔عن ابی هريرة قال اذا ولغ الكلب فی الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دار قطنی ، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ٦٦ نمبر ۱۹۳ رمصنف عبد الرزاق ، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶) اس حدیث مرسل

۲ وھو حجة علی الشافعیؒ فی اشتراط السبع ۳ ولان ما یصیبه بوله یطهر بالثلث فما یصیبه سورہ و هو دونه اولی ۴ والامر الوارد بالسبع محمول علی ابتداء الاسلام. (٦٩) وسور الخنزیر نجس

میں تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے

ترجمہ: ۲ اور یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے سات مرتبہ دھونے کی شرط لگانے کے بارے میں۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتا برتن میں منہ ڈالدے تو اسکو سات مرتبہ دھو وتب پاک ہوگا، موسوعۃ میں یہ عبارت ہے قال الربیع سألت الشافعیؒ عن الکلب یلغ فی الاناء لا یکون فیہ قلتان أو فی اللبن أو المرق، فقال یھراق الماء واللبن والمرق، لا ینتفعون بہ، ویغسل الاناء سبع مرات۔ (موسوعۃ، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول، ص ۴۸ نمبر ۱۷۵) انکی دلیل اوپر کی حدیث ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا شرب الكلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا، ص ۲۹، نمبر ۱۷۲/ابوداود شریف، باب ماجاء فی سور الکلب، ص ۲۷ نمبر ۹۱) اس حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے بھی کہ برتن کو کتے کا پیشاب لگ جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے تو جسکو اسکا جوٹھا لگ جائے جو پیشاب سے کم ہے تو بدرجہ اولی تین مرتبہ میں پاک ہوجائے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ کتے کا پیشاب اسکے تھوک سے بھی زیادہ ناپاک ہے پھر بھی اسکو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔ تو جوٹھا اس سے کم ناپاک ہے تو تین مرتبہ دھونے سے بدرجہ اولی پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۴ اور سات مرتبہ کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ شروع اسلام کا ہے۔

تشریح: یہ جو حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ شروع اسلام میں تھا بعد میں اسکی تسہیل کردی گئی۔ شروع اسلام میں کتوں سے نفرت دلانے کے لئے اسکو مارنے کا بھی حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال أمر نبی الله بقتل الکلاب حتی ان کانت المرأة تقدم من البادیة یعنی بالکلب فنقتله، ثم نهانا عن قتلها و قال: علیکم بالاسود۔ (ابوداود شریف، باب اتخاذ الکلب للصید وغیرہ، ص ۴۱۴ نمبر ۲۸۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کے بارے میں پہلے شدت تھی بعد میں تسہیل ہوگئی۔ اسی طرح اسکے جوٹھے کے بارے میں پہلے شدت تھی اس وقت سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا بعد میں تسہیل ہوگئی تو تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔

ترجمہ: (٦٩) اور سور کا جوٹھا نجس ہے۔

ل لانہ نجس العین علی ما مر. (۷۰) وسور سباع البھائم نجس ﴾ ل خلافا للشافعیؒ فیما سوی

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ نجس العین ہے۔

تشریح : سور خود نجس العین ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی نجس ہوگا۔سور نجس العین ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے ۔ **ولحم خنزیر فانہ رجس** (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں سور کو نجس کہا گیا ہے۔اسلئے اسکا جوٹھا بھی نجس ہے۔

ترجمہ: (۷۰) اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک ہے۔

وجہ : پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہے۔اس لئے کہ وہ سبع یعنی درندہ جانور ہے۔حدیث یہ ہے **عن ابی ثعلبۃ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع** (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع نمبر ۵۵۳۰ رمسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر ،ص ۸۶۳ نمبر ۱۹۳۲/۴۹۸۹) پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جس جانور کا گوشت حرام ہے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہے، پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہوگا۔(یہ حدیث بھی انکا متدل ہے، **أن عمر بن الخطاب خرج فی رکب فیھم عمر و بن العاص حتی وردوا حوضا فقال عمر و بن العاص لصاحب الحوض ھل ترد حوضک السباع ؟ فقال عمر بن الخطاب : یاصاحب الحوض لا تخبرنا فانا نردعلی السباع و ترد علینا** ۔(سنن للبیھقی ، باب سور سائر الحیوانات سوی الکلب والخنزیر، ج اول ص ۳۷۹ نمبر ۱۱۸۱)اس اثر میں ہے کہ ہمیں پھاڑ کھانے والے جانور کے پینے کے بارے میں خبر نہ دیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا جوٹھا ناپاک ہے تب ہی تو فرمایا کہ خبر نہ دیں کیونکہ خبر دینے سے پانی ناپاک ہو جائے گا ہم لوگ اسکو استعمال نہیں کر سکیں گے۔

ترجمہ: ل خلاف امام شافعیؒ کے کتے اور سور کے علاوہ میں۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتا اور سور کا جوٹھا تو ناپاک ہے، باقی دوسرے کسی پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک نہیں ہے، موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال: و لیس فی حی من بنی آدم ، ولا البھائم نجاسۃ الا فی ان یماس نجاسۃ ، و کل ما ادخل فیہ آدمی ، مسلم أو کافر یدہ أو شربت منہ دابۃ ما کانت ، فلیس ینجس الا دابتان : الکلب ، و الخنزیر** ۔(موسوعۃ ، ماینجس الماء مما خالطہ، ج اول ص ۲۵ نمبر ۶۴)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دو جانور، یعنی کتا اور سور

کا جوٹھا ناپاک ہے باقی کا نہیں۔

وجہ : انکی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال : قیل یا رسول اللہ أ نتوضأ بما أفضلت الحمر ؟ قال و بما**

الکلب والخنزیر ۲؎ لان لحمهما نجس، و منه یتولد اللعاب و هو المعتبر فی الباب. (۱۷) و سوء ر الهرة مکروه ﴾ ۱؎ و عن ابی یوسف انه غیر مکروه لان النبی علیه السلام کان یصغی لها الاناء

أفضلت السباع (دارقطنی، باب الآسار، ج اول ص ۶۱ نمبر ۱۷۳ ارسنن للبیهقی، باب سؤر سائر الحیوانات سوی الکلب والخنزیر، ج اول، ص ۳۷۸، نمبر ۱۱۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے جانوروں کا جوٹھا پاک ہے، تبھی تو آپ نے سب جانوروں کے جوٹھے سے وضو کرنے کے لئے فرمایا، سوائے کتا اور سور کے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ان دونوں کا گوشت نجس ہے اور اسی نجس گوشت سے لعاب پیدا ہوتا ہے، اور اس باب میں وہی معتبر ہے۔

تشریح: یہ عبارت امام شافعیؒ کی بھی دلیل ہے اور حنفیہ کی بھی دلیل ہے، کہ کتے اور سور کا گوشت نجس ہے اور لعاب نجس گوشت سے پیدا ہوا اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہے ۔ کیونکہ گوشت ہی اس باب میں معتبر ہے۔ جیسا گوشت ویسا اسکا جوٹھا۔

ترجمہ: (۱۷) بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے شریعت نے تسہیل دیدی اور اس کا جوٹھا مکروہ ہوا۔ (۲) حدیث میں ہے **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال یغسل الاناء اذا ولغ فیه الکلب سبع مرات اولاهن واخراهن بالتراب واذا ولغت فیه الهرة غسل مرة.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الکلب ص ۲۷ نمبر ۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جوٹھا ناپاک ہے تب ہی تو ایک مرتبہ دھونے کے لئے کہا (۲) **عن ابی هریرة قال النبی ﷺ السنور سبع** (سنن البیهقی، باب سور الهرة ج اول ص ۳۷۷/۱۱۷۶/دار قطنی باب سؤر الهرة ج اول ۷۱/نمبر ۲۱۷) جب بلی پھاڑ کھانے والی ہے تو اسکا گوشت ناپاک ہوا، اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہوگا۔ لیکن دوسری حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے جوٹھے میں تسہیل ہے کیونکہ یہ ہمیشہ گھر میں رہتی ہے اسلئے اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار دیں تو معاملہ مشکل ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن کبشة بنت کعب بن مالک. ان ابا قتادة دخل علیها قالت فسکبت له وضوءا قالت فجائت هرة تشرب فأصغی لها الاناء حتی شربت، قالت کبشة فرأنی انظر الیه فقال أتعجبین یا ابنة اخی ؟ فقلت نعم، قال ان رسول الله ﷺ قال انها لیست بنجس انما هی من الطوافین علیکم والطوافات** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الهرة ص ۲۷ نمبر ۹۲/ابوداؤد شریف، باب سؤر الهرة، ص ۱۲، نمبر ۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ اس لئے دونوں حدیثوں کو ملانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہی حال گھر میں رہنے والے تمام جانوروں کا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بلی کا جوٹھا مکروہ نہیں ہے، اسلئے کے حضور اسکے لئے برتن کو ٹیڑھا کرتے

فتشرب منه ثم يتوضأمنه، ۲ ولهما قوله عليه السلام: الهرة سبع، و المراد بيان الحكم الاانه سقطت النجاسةلعلة الطواف فبقيت الكراهة ۳ ومارواه محمول على ماقبل التحريم ۴ ثم قيل كراهيته لحرمةاللحم،وقيل لعدم تحاميهاالنجاسةوهذايشيرالى التنزه، والاول الى القرب من التحريم

تھے، پھر بلی اس سے پیتی تھی پھر آپ اس سے وضوفرماتے تھے۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔**عن عائشة أنها قالت : كان رسول الله** ﷺ **يمر به الهرة فيصغى لها الاناء ، فتشرب ، ثم يتوضأ بفضلها** ۔(دارقطنی ،باب سؤر الھر ،ج اول،ص ۶۷ نمبر ۱۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کیااور اسکے پینے کے بعد آپؐ نے اس سے وضوفرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بلی کا جوٹھا پاک ہے

ترجمہ : ۲ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ بلی پھاڑ کھانے والے جانور میں سے ہے،اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے،مگر یہ کہ نجاست ساقط ہوگئی بار بار گھر آنے کی وجہ سے اسلئے کراہیت باقی رہی۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بلی پھاڑ کھانے والے جانور میں سے ہےاور اس سے مراد ہے حکم کا بیان کرنا،یعنی پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے،حدیث گزر چکی ہے **عن ابی هريرة قال النبی** ﷺ **السنور سبع** (سنن للبیھقی ،باب سور الھرۃ ج اول ص ۳۷۷ ،نمبر ۱۱۷۶ /دار قطنی ،باب سؤر الھرۃ ،ج اول ،ص ۷۱،نمبر ۲۱۷)اس حدیث کی بنا پر بلی کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے اسکا جوٹھا مکروہ قرار دے دیا گیا۔ اور بار بار گھر میں آنے کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔**قال ان رسول الله** ﷺ **قال انها ليست بنجس انما هى من الطوافين عليكم و الطوافات** (ترمذی شریف ،باب ماجاء فی سور الھرۃ ص ۲۷ نمبر ۹۲) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہی ہوگا کہ بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ۳ اور جو حدیث امام ابو یوسفؒ نے ذکر کی وہ حرام ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔یعنی امام یوسفؒ نے جو حدیث پیش کی کہ حضورؐ بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کرتے تھے اور بلی اس سے پیتی تھی اور اسی پانی سے آپؐ وضو فرماتے تھے،جسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ پاک ہے،اسکا مطلب یہ ہے کہ شروع اسلام میں اسکا جوٹھا پاک تھا بعد میں اسکو مکروہ قرار دے دیا گیا،اسلئے وہ حدیث حرام ہونے سے پہلے کی ہے ۔

ترجمہ: ۴ پھر کہا گیا ہے کراہیت اسکے گوشت کی حرمت کی وجہ سے ہے،اور یہ بھی کہا گیا کہ اسکے نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے ہے،اور یہ اشارہ کرتا ہے کہ مکروہ تنزیہی کی طرف اور پہلی دلیل شارہ کرتی ہے حرام کے قریب کی طرف۔

تشریح : بلی کا جوٹھا مکروہ ہے اسکی دو وجہ بیان کی جارہی ہیں۔(۱) ایک یہ کہ بلی کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہے،

(۲۷)و لو اکلت الفارة ثم شربت علی فوره الماء یتنجس الا اذا مکثت ساعة ۱؎ لغسلها فمها بلعابها ۲؎ و الاستثناء علی مذهب ابی حنیفة و ابی یوسف و یسقط اعتبار الصب للضرورة.

اگر گوشت کی حرمت کو دلیل بنائیں تو اسکا جوٹھا حرام کے قریب ہونا چاہئے ،(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بلی نجاست سے نہیں بچتی ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہے، پس اگر اسکو وجہ بنائیں تو اسکا جوٹھا مکروہ ہونا چاہئے کیونکہ اصل کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہوا بلکہ نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے مکروہ ہوا ۔

لغت : یصغی : ٹیڑھا کرنا۔سبع : پھاڑ کھانے والا جانور. طواف : بار بار جانا۔تحامی: بچنا، پرہیز کرنا۔ تنزہ :مکروہ تنزیہی۔

ترجمہ:۔(۲۷) اور اگر چوہا کھایا پھر فوراپانی پیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا،مگر جبکہ کچھ دیر ٹھہر گئی ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اپنے لعاب سے اپنے منہ کو دھونے کی وجہ سے۔

تشریح : جن حضرات کے یہاں بلی کا جوٹھا مکروہ ہے یا پاک ہے،اسکے نزدیک یہ ہے کہ بلی نے چوہا کھایا اور ابھی منہ بھی صاف نہیں کیا کہ پانی میں منہ ڈال دیا تو وہ پانی چوہے کے ناپاک خون کی وجہ سے ناپاک ہو گیا،لیکن اگر تھوڑی دیر ٹھہر گئی اور منہ کو صاف کر لیا پھر منہ ڈالا تو اب پانی ناپاک نہیں ہوگا یا تو پاک رہے گا یا زیادہ سے زیادہ مکروہ ہوگا۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک کی جا سکتی ہے اور اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ پاک کرنے کی نیت سے بہائے اسلئے بلی نے اپنے تھوک سے بار بار منہ صاف کر لیا تو اب منہ پاک ہو گیا اسکے بعد پانی میں منہ ڈالا تو پانی پاک رہے گا۔البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی نجاست کو پاک کرنے کے لئے پاکی کی نیت سے بہانا شرط ہے۔اور بلی پاکی نیت کر کے نہیں بہا سکتی ،اسلئے انکے یہاں زبان پاک نہیں ہونا چاہئے۔لیکن انکے یہاں بھی پاک ہو جائے گی ،اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں پاک کرنے کی ضرورت ہے اسلئے ضرورت کی وجہ سے نیت کر کے بہانے کی شرط ساقط ہو جائے گی اور صرف خون صاف ہونے کی وجہ سے زبان پاک ہو جائے گی ۔

ترجمہ : ۲؎ اور استثناء امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب پر ہوگی ،اور بہانے کی شرط ضرورت کی بناء پر ساقط ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب اوپر گزر گیا کہ شیخین کے یہاں کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک ہو سکتی ہے ۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نیت کر کے بہانے کی جو شرط ہے وہ بھی ضرورت کی بناء پر ساقط ہو جائے گی۔

البتہ امام محمدؒ کے نزدیک کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک نہیں کر سکتے بلکہ پانی ہی سے نجاست پاک ہوگی ،اور یہاں بلی نے لعاب سے خون صاف کیا ہے،اسلئے اسکی زبان پاک نہیں ہوئی اسلئے اس نے پانی میں منہ ڈالا تو پانی ناپاک ہو جائے گا، چاہے ایک

(۷۳) و سؤ رالدجاجة المخلاة مكروه ﴾ ١ لانها تخالط النجاسة، و لو كانت محبوسة بحيث لا يصل منقارها الى ما تحت قدميها لا يكره لوقوع الامن عن المخالطة (۷۴) و كذا سوء ر سباع الطير ﴾

گھنٹہ بعد تک بلی زبان سے خون صاف کرتی رہی ہو۔ اسلئے امام محمد کے مسلک پر متن کی عبارت الا اذا مکثت ساعة ۔ نہیں ہوگا ، کیونکہ ایک گھنٹے کے بعد بھی اسکی زبان پاک نہیں ہو پائے گی۔

ترجمہ: (۷۳) اور کھلی پھرنے والی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ وہ نجاست کے ساتھ لتھڑ جاتی ہے، چنانچہ اگر وہ اس طرح بندھی ہوئی ہو کہ اسکی چونچ اسکے قدم کے نیچے تک نہ پہونچتی ہو تو مکروہ نہ ہوگا نجاست کے ساتھ ملنے سے امن ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : مرغی کا گوشت پاک ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی پاک ہونا چاہئے البتہ اگر اسکی چونچ پر ناپا کی لگی ہوئی ہو اور اسی حالت اس نے اپنا چونچ میں پانی میں ڈال دیا تو اس ناپا کی کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا ہاں اگر اسکی چونچ پر ناپا کی نہ لگی ہوئی ہو اور مرغی یونہی کھلی پھر رہی ہو اور پانی میں منہ ڈال دے تو پانی مکروہ ہوگا چونچ پہ ناپا کی ہونے کے احتمال کی بنیاد پر۔ اثر میں اسکا ثبوت ہے ۔عن الحسن انه كان يقول : في الدجاجة تشرب من الاناء يكره ان يتوضأ به . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۴ الوضوء بسور الدجاجۃ، ج اول، ص ۳۶ نمبر ۳۲۳) اس اثر میں ہے کہ مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے اور اسی شکل میں ہے کہ مرغی کے چونچ پر نجاست ہونے یا نہ ہونے کا احتمال ہو، ورنہ تو اسکا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہونا چاہئے ۔

ہاں اگر مرغی اس طرح بندھی ہوئی ہو کہ اسکی چونچ کسی اور کی نجاست میں بھی نہ جاتی ہو اور وہ خود بھی جو پاخانہ کرتی ہے اور بندھی ہوئی مرغی کا پاؤں اس پر رگڑ تا ہے، اور اپنے چونچ کو پاؤں پر مارتی ہے جس سے اسکی چونچ ناپاک ہوتی ہے اس طرح بھی نہ ہو تو اب اسکی چونچ پاک ہوگی اور یہ مرغی پانی میں منہ ڈالے گی تو پانی مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

لغت : المخلاة : خلو سے مشتق ہے کھلی پھرنے والی۔ تخالط: لتھڑ جاتی ہے، گھل مل جاتی ہے۔ اسی سے ہے مخالطة : گھل مل جانا۔ محبوس : حبس سے مشتق ہے، بندھی ہوئی۔ منقار : چونچ۔

ترجمہ: (۷۴) اور ایسے ہی پھاڑ کھانے والے پرندے کا جوٹھا مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) پھاڑ کھانے والا پرندہ آسمان میں اڑتا ہے اور کہیں بھی پانی میں منہ ڈال دیتا ہے اب اگر اسکے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار دیں تو امت کے لئے اس سے بچنا مشکل ہوگا اور وہ پریشانی میں پھنس جائیں گے، اس ضرورت کے تحت اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار نہیں دیا۔ لیکن اسکا گوشت حرام ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ جوٹھے کا مدار اسکے گوشت پر ہے اسلئے

ل لانها تأ كل الميتات فاشبه الدجاجة المخلاة، ۲ وعن ابی یوسفؒ انها اذا كانت محبوسة يعلم صاحبها انه لايقدرعلى منقارهالايكره لوقوع الامن عن المخالطة، واستحسن المشائخ هذه الرواية. (۷۵)و سوء رما یسکن البیوت کالحية، والفارة مكروه ﴾ ل لان حرمة اللحم اوجبت نجاسة السؤر الا انه سقطت النجاسة لعلة الطواف فبقيت الكراهية

اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے ،لیکن ضرورت کی وجہ سے اسکے جوٹھے کومکمل ناپاک کے بجائے مکروہ قرار دیا۔(۲) اثر میں ہے کہ پرندے کی بیٹ ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس میں مجبوری ہے ،جب اسکی بیٹ ناپاک نہیں تو اسکا تھوک بدرجہ اولی ناپاک نہیں ہونا چاہئے۔اثر یہ ہے۔عن الحسن قال : سقطت هائمة على الحسن فذرقت عليه فقال له بعض القوم : نأتيک بماء تغسله فقال : لا ، و جعل يمسحه عنه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۵ الذی یصلی وفی ثوبہ خرء الطیر ،ج اول،ص ۱۱۰ نمبر ۱۲۵۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ پرندے کی بیٹ ناپاک نہیں ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ مردہ کھاتا ہے اسلئے وہ کھلی ہوئی مرغی کی طرح ہو گیا۔

تشریح : یہ پرندہ مردہ کھاتا ہے اسلئے جس طرح کھلی ہوئی مرغی کے چونچ میں ناپاکی ہونے کے احتمال کے باوجود اسکا جوٹھا مکروہ ہے اسی طرح پھاڑ کھانے والے پرندے کا جھوٹا اس گوشت حرام ہونے کے باوجود مکروہ ہوگا، کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

ترجمہ : ۲ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر پرندہ محبوس ہو اور اسکا مالک جانتا ہو کہ اسکی چونچ پر گندگی نہیں ہے تو مکروہ بھی نہیں ہے، گندگی سے اختلاط سے مامون ہونے کی وجہ سے ۔اور مشائخ نے اس روایت کو اچھا سمجھا۔

تشریح : اس روایت کا مدار اس بات پر ہے کہ پرندے کی چونچ پر نجاست کی گندگی ہو تو پانی ناپاک ہوگا اور گندگی نہ ہو تو ناپاک نہیں ہوگا۔اس روایت کا مدار اس پر نہیں ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے یا حرام، کیونکہ اگر اس پر ہوتا تو اسکا گوشت حرام تھا اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے اب عبارت کا مطلب یہ ہے کہ پرندہ اس طرح مقید ہو کہ اسکا مالک جانتا ہو کہ اسکی چونچ پر گندگی نہیں ہے تو اسکا جوٹھا مکروہ بھی نہیں ہے۔کیونکہ اس بات سے امن ہے کہ اسکی چونچ پر نجاست کی گندگی نہیں ہے۔اور چونکہ امت کے لئے مجبوری ہے اسلئے مشائخ نے اس روایت کو اچھا سمجھا۔

ترجمہ: (۷۵) اور جو جانور گھروں میں ٹھہرتے ہیں، جیسے سانپ اور چوہا اسکا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ گوشت کا حرام ہونا واجب کرتا ہے جوٹھے کی نجاست کو مگر یہ کہ بار بار آنے کی علت کی وجہ سے ناپاکی ساقط ہوگئی اسلئے کراہیت باقی رہی۔

تشریح : گھر میں رہنے والے جانور جیسے سانپ اور چوہا وغیرہ کا جوٹھا مکروہ ہے۔اسکی وجہ یہ کہ ان جانوروں کا گوشت حرام

۲والتنبيه على العلة فى الهرة. (٦٧) وسور الحمار والبغل مشكوك فيه ﴾

ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے، لیکن یہ جانور گھر ہی میں رہتے ہیں اسلئے ناپاک قرار دینے سے حرج لازم آئیگا اسلئے حرام کے بجائے مکروہ قرار دیا۔ بلی بار بار گھر میں آتی ہے جسکی وجہ سے اسکا جوٹھا مکروہ قرار دیا اسکے لئے حدیث گزر چکی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن كبشة بنت كعب بن مالک. ان ابا قتادة دخل عليها قالت فسكبت له وضوءا قالت فجائت هرة تشرب فأصغى لها الاناء حتى شربت، قالت كبشة فرأنى انظر اليه فقال أ تعجبين يا ابنة اخى ؟ فقلت نعم ،قال ان رسول الله ﷺ قال انها ليست بنجس انما هى من الطوافين عليكم والطوافات (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الھرۃ ص ۲۷ نمبر ۹۲/ ابوداؤد شریف، باب سؤر الھرۃ، ص ۱۲، نمبر ۷۵) اس حدیث میں ہے کہ چونکہ بلی بار بار گھر میں آتی ہے اسلئے اسکے جوٹھے کو ناپاک کے بجائے مکروہ قرار دیا اسی طرح ان جانوروں کے جوٹھے کو بھی مکروہ قرار دیا جائے گا۔

اصول: مجبوری جہاں ہو وہاں سہولت ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۲ علت اور وجہ پر تنبیہ بلی کے مسئلے میں ہو چکی ہے۔

تشریح : بلی کے مسئلے میں گزر چکا ہے کہ بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے ناپاک کرنے کے بجائے مکروہ قرار دیا۔ یہ حدیث ابھی اوپر گزری۔

لغت : الدجاجۃ: مرغی۔ المخلاۃ: جو کھلی پھرتی ہو۔ سباع الطیور: وہ پرندے جو شکار کرکے کھاتے ہیں۔ الحیۃ: سانپ۔ الفارۃ: چوہا۔

ترجمہ: (٦٧) گدھے کا جوٹھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔

وجہ : مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گدھے کے گوشت اور پسینے کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں۔ آپ ؐ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اور جب گوشت حلال نہیں ہوگا تو اس کا نکلا ہوا تھوک بھی نجس ہوگا۔ اس اعتبار سے گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے۔ لیکن آپ گدھے پر سوار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ ؐ کے کپڑے پر گدھے کا پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ گوشت سے نکلتا ہے اور پسینے کا حکم بھی وہی ہے جو تھوک کا حکم ہے۔ اس لئے اگر پسینہ لگنے سے کپڑا نہیں دھویا اور پسینہ پاک ہے تو اس اعتبار سے تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔ تو

گویا کہ گدھے کے تھوک کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں اس لئے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔ نجس ہونے کی دلیل یہ ہے عن جابر بن عبد الله قال نهى رسول الله ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر ورخص فى الخيل (بخاری شریف، باب غزوۃ خیبر ج ثانی ص ۶۰۶ نمبر ۴۲۱۹/ مسلم شریف، باب تحریم أکل لحم الحمر الانسیۃ، ص ۸۶۶ نمبر ۱۹۳۶/ ۵۰۰۵) جب گوشت حلال

ل قیل الشک فی طھارتہ لانہ لو کان طاھر ا لکان طھوراًمالم یغلب اللعاب علی الماء،

نہیں توتھوک بھی پاک نہیں ہوگا۔((۲)اثر میں ہے کہ گدھے کا جوٹھامکروہ ہے۔**عن ابن عمر أنہ کان یکرہ سئور الحمار** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۱فی الوضوء بسور الحمار والکلب من کرھہ ،ج اول،ص ۳۵نمبر۳۰۴)اس اثر میں ہے کہ گدھے کا جوٹھامکروہ ہے۔

(۲) اورتھوک پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔**عن معاذ قال کنت ردف النبی ﷺ علی حمار یقال لہ عفیر**. (بخاری شریف،باب اسم الفرس والحمار ص ۴۰۰نمبر ۲۸۵۶) آپ گدھے پر سوار ہوئے تو کپڑے پر پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ پاک ہے تو تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔(۲) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اصل کے اعتبار سے گدھے کا گوشت ابھی بھی حلال ہے۔حدیث یہ ہے**عن غالب ابن ابجر قال اصابتنا سنة فلم یکن فی مالی شیء أطعم اھلی الا شیء من حمر و قد کان النبی ﷺ حرم لحوم الحمر الاھلیة .....فقال : أطعم اھلک من سمین حمرک فانما حرمتھا من اجل جوال القریة ،یعنی الجلالة** (ابوداود شریف،باب فی اکل لحوم الحمر الاھلیۃ ،ص ۴۳ ۵ نمبر)اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت حلال ہے۔اور جب گوشت حلال ہوگا تو اسکا پسینہ اور جوٹھا بھی پاک ہوگا۔(۳) گدھے کے جوٹھے کے پاک ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن عطاء أنه کان لا یری بأسا بسور الحمار** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۲من قال لابأ س بسور الحمار ،ج اول،ص ۳۵نمبر ۳۱۲)اس اثر میں گدھے کے جوٹھے کوتقریبا پاک کہا ہے۔ان دونوں قسم کے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھاپاک ہے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال: و لیس فی حی من بنی آدم ، ولا البھائم نجاسة الا فی ان یماس نجاسة ، و کل ما ادخل فیه آدمی ، مسلم أو کافر یدہ أو شربت منه دابة ما کانت ، فلیس ینجس الا دابتان : الکلب ، و الخنزیر** ۔(موسوعۃ ،ماینجس الماء مما خالطہ،ج اول ص ۲۵ نمبر۶۴)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دو جانور ،یعنی کتا اور سور کا جوٹھا ناپاک ہے باقی کا نہیں۔

ترجمہ: ل کہا گیا ہے کہ شک اسکے پاک ہونے میں ہے اسلئے کہ اگر پاک ہوتا تو پاک کرنے والا بھی ہوتا، جب تک پانی پر لعاب غالب نہ ہوجائے۔

تشریح : شک گدھے کے جوٹے کے پاک ہونے میں ہے یا خودتو پاک ہے لیکن دوسرے کو پاک کرنے میں ہے۔تو فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ شک خود اسکے جوٹھے کے پاک ہونے میں ہے،یعنی جوٹھا خود پاک نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ پاک ہوتا

۲؎ وقيل الشک فی طهوريته لانه لو وجد الماء لايجب عليه غسل رأسه ۳؎ وكذالبنه طاهر ۴؎ وعرقه لا يمنع جواز الصلاة و ان فحش فكذا سوره، وهو الاصح،

تو دوسروں کو بھی پاک کرتا۔ جب تک کہ لعاب پانی پر غالب نہ ہو جائے، کیونکہ پانی پر لعاب غالب ہو جائے تو سب کے نزدیک اس سے طھارت نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۲؎ اور کہا گیا ہے کہ شک دوسری چیز کو پاک کرنے میں ہے۔ اسلئے کہ مشکوک پانی سے مسح کرنے کے بعد اگر پانی پائے تو اس پر سر دھونا واجب نہیں۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ گدھے کا جوٹھا خود تو پاک ہے لیکن دوسری چیز کو پاک کر سکے گا یا نہیں اس میں شک ہے۔ کیونکہ کسی آدمی نے گدھے کے جوٹھے سے سر پر مسح کیا بعد میں اچھا پانی مل گیا تو سر کو دوبارہ دھونا واجب نہیں ہے اگر گدھے کے جوٹھے پانی کے پاک ہونے میں شک ہوتا تو سر کو دوبارہ پاک پانی سے دھونا چاہئے، کیونکہ اسکا سر مشکوک ہو چکا ہے، لیکن دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ خود پانی کے پاک ہونے میں شک نہیں ہے بلکہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک ہے۔

ترجمه: ۳؎ ایسے ہی اسکا دودھ پاک ہے۔

وجه : یعنی گدھی کا دودھ پاک ہے، اسلئے کہ اسکا گوشت اصل کے اعتبار سے پاک ہے، اسکے گوشت کو جو حرام کیا وہ اسلئے کہ جہاد کے سامان اٹھانے میں جانور کی کمی نہ ہو جائے۔ اسلئے جب اصل کے اعتبار سے گوشت پاک ہے تو اسکا دودھ بھی پاک ہوگا۔ یعنی اگر اسکا دودھ کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ اصل کے اعتبار سکا گوشت پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس بن مالک أن رسول الله ﷺ جاءه جاء فقال أكلت الحمر، ثم جاءه جاء فقال اكلت الحمر، ثم جاءه جاء فقال أفنيت الحمر فأمر منادیا فنادی فی الناس : ان الله و رسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر الاهلية فانها رجس . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ، ص ۹۸۳ نمبر ۵۵۲۸ مسلم شریف، باب تحریماً کل لحم الحمر الانسیۃ، ص ۸۶۸ نمبر ۱۹۴۰/۵۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ جہاد کا جانور نہ ختم ہو جائے اسلئے گدھے کے گوشت کو حرام کیا، اسلئے اصل کے اعتبار سے گدھے کا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا دودھ بھی پاک ہونا چاہئے۔ البتہ اس سے چائے بنا کر پینے میں مشکوک ہوگا۔

ترجمه : ۴؎ اور گدھے کا پسینہ نماز کے جائز ہونے کو نہیں روکتا اگر چہ بہت زیادہ ہو۔ تو ایسے ہی اسکا جوٹھا بھی ہوگا، صحیح روایت یہی ہے۔

تشریح : چونکہ گدھے کا گوشت اصل کے اعتبار سے حلال ہے اسلئے اسکا پسینہ بھی پاک ہے، اسلئے اگر اسکا پسینہ بہت زیادہ کپڑے میں لگ جائے پھر بھی اس میں نماز جائز ہوگی، چنانچہ اوپر حدیث گزری کہ حضور گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اسکا پسینہ بھی

۵ و یروی نص محمد علی طهارته، ٦ وسبب الشک تعارض الادلة فی اباحته و حرمته، او اختلاف الصحابة عنهم فی نجاسته و طهارته، ۷ وعن ابی حنیفةؒ انه نجس ترجیحا للحرمة والنجاسة، ۸ والبغل من نسل الحمار فیکون بمنزلته

کپڑے میں لگتا تھا پھر بھی آپؐ اس کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ اور جب اسکا پسینہ پاک ہے تو اسکا جوٹھا بھی پاک ہوگا کیونکہ اسکا جوٹھا بھی گوشت سے ہی نکلتا ہے۔ اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرسکتا ہے یا نہیں اس میں شک ہے ۔ یہ عبارت اس بات کی تائید میں ہے کہ جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک ہے۔

ترجمہ : ۵ اور روایت کی ہے کہ امام محمدؒ نے اسکے پاک ہونے کی تصریح ہے۔ اگر ان سے پاک ہونے کی تصریح ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اسکا جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک رہے گا۔

ترجمہ : ٦ اور شک کا سبب اسکے مباح ہونے اور اسکے حرام ہونے میں دلائل کا تعارض ہے، یا اسکے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہے اسکے ناپاک اور اسکے پاک ہونے کے سلسلے میں۔

تشریح : گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے اسکی وجہ، یا تو یہ ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسکا گوشت حلال نہیں ہے، چونکہ دلائل دونوں طرح کے ہیں اسلئے اسکا جوٹھا مشکوک ہوگیا، اسی طرح صحابہ میں اختلاف ہے کسی نے فرمایا کہ اسکا جوٹھا پاک ہے اور کسی نے فرمایا کہ اسکا جوٹھا ناپاک ہے۔ اسلئے یہ مشکوک ہوگیا۔ اوپر دونوں قسم کے دلائل گزر گئے۔ دیکھ لیں۔

ترجمہ: ۷ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ گدھے کا جوٹھا نجس ہے حرمت اور نجاست کو ترجیح دینے کے لئے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ بہت محتاط آدمی تھے اسلئے انکا قاعدہ یہ ہے کہ حرمت اور اباحت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوگی اسی طرح پاکی اور ناپاکی میں تعارض ہو تو ناپاکی کو ترجیح ہوگی، اس قاعدے کی بنیاد پر گدھے کے جوٹھے میں حرمت اور نجاست کو ترجیح ہو گی۔ اسکے لئے اثر اور عبارت یہ ہے۔ عن ابراهیم قال لا خیر فی سور البغل و الحمار ، و لا یتوضأ أحد بسور البغل و الحمار ، و یتوضأ من سور الفرس و البرذون ، و الشاة و البعیر . قال محمدؒ و هو قول أبی حنیفة ، و به نأخذ (کتاب الاثار لامام محمد، باب ما یجزی ء فی الوضوء من سور الفرس والبغل والحمار والسنور، ص ۲، نمبر ۷) اس اثر میں ہے کہ گدھے کے جوٹھے میں خیر نہیں ہے یعنی ناپاک ہے۔

ترجمہ: ۸ اور خچر گدھے کی نسل سے ہے اسلئے اسکا حکم بھی گدھے کے درجے میں ہے، یعنی مشکوک ہے

وجہ : (۱) جس خچر کی ماں گدھی ہو اور باپ گھوڑا ہو اس خچر کا حکم اسکی ماں کی طرح ہے یعنی اسکا جوٹھا مشکوک ہے کیونکہ

(۷۷) فان لم تجد غیرهما یتوضأ بهما و یتیمم، و یجوز ایهما قدم ﴾۱﴿ وقال زفرؒ لا یجوز الا ان یقدم الوضوء لانه ماء واجب الاستعمال فاشبه الماء المطلق ۲؎ ولنا ان المطهر احدهما فیفید الجمع دون الترتیب،

جانور منسوب ماں کی طرف ہوتا ہے اسلئے ماں کے جوٹھے کی طرح مشکوک ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے کہ خچر کا گوشت گدھے کی طرح مکروہ ہے، حدیث یہ ہے عن جابر بن عبد الله قال : ذبحنا یوم خیبر الخیل و البغال و الحمیر ، فنهانا رسول الله ﷺ عن البغال و الحمیر ، و لم ینهنا عن الخیل ۔(ابوداود شریف، باب فی اکل لحوم الخیل، ص ۵۴۱ نمبر ۳۷۸۹) اس حدیث میں ہے کہ خچر کا گوشت گدھے کی طرح ممنوع ہے۔(۳) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن حماد قال : البغل من الحمار (مصنف ابن ابی شیبة نمبر ۳۰۸)(۴) دوسری روایت میں ہے۔ عن ابراهیم قال : کان یکره سئور البغل ، و الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبة ، ۳۱ فی الوضوء بسور الحمار والکلب من کرهه، ج اول، ص ۳۵ نمبر ۳۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گدھے اور خچر کا حکم ایک ہے ۔

ترجمہ: (۷۷) پس اگر ان دونوں پانی کے علاوہ نہ پائے تو ان دونوں سے وضو کرے اور تیمّم بھی کرے۔ اور جائز ہے کہ کسی ایک کو مقدم کر لے۔

تشریح : کسی کے پاس پاک پانی نہیں ہے صرف گدھے یا خچر کا جوٹھا ہے جسکو مشکوک پانی کہتے ہیں، تو چونکہ وہ پاک بھی اور پاک نہیں بھی ہے اسلئے پاک ہونے کی حیثیت سے اس سے وضو کرے گا اور ہوسکتا ہو کہ ناپاک ہو اسلئے اسکے بعد تیمّم بھی کر لے تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے ۔ اسکی گنجائش ہے کہ چاہے پہلے تیمّم کرے بعد میں وضو کرے اور اسکی بھی گنجائش ہے کہ پہلے وضو کرے اور بعد میں تیمّم کر لے۔ اسلئے کہ اس وقت دونوں میں سے ایک پاک کرنے والی چیز ہے اسلئے دونوں کو کر لینا کافی ہے۔ کون مقدم ہو اور کون موخر ہو اسکی خاص ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: ۱؎ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ وضو کو مقدم کرے، اسلئے کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اسکا استعمال کرنا واجب ہے اسلئے یہ مطلق پانی کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : امام زفرؒ کے یہاں یہ کہ گدھے کا جوٹھا ہو تو پہلے اس سے وضو کرے بعد میں تیمّم کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ بہر حال پانی ہے اور مٹی پر اسکی فضیلت ہے اسلئے اسکو پہلے استعمال کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال کرنا ضروری ہے اسکے ہوتے ہوئے صرف تیمّم نہیں کر سکتا اسلئے یہ مطلق پانی کی طرح ہو گیا اس لئے اسکو پہلے استعمال کرے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عضو کو پاک کرنے والی دونوں میں سے ایک چیز ہے اسلئے دونوں کو جمع کا فائدہ دیا نہ کہ

۳؎ وسوء ر الفرس طاهر عندهما لان لحمه ماكول، و كذا عنده فى الصحيح لان الكراهة لاظهار شرفه (۷۸) فان لم يجد الانبيذ التمر قال ابو حنيفة يتوضأبه و لا يتيمم ﴾ ا؎ الحديث ليلة الجن فان النبى عليه السلام توضأ به حين لم يجد الماء

ترتیب کا۔

تشریح : یعنی دونوں کو کر لینا ہے چاہے جسکو مقدم کرے۔ترتیب سے کرنا ضروری نہیں ہے

ترجمہ : ۳؎ اور گھوڑا کا جوٹھا پاک ہے صاحبینؒ کے نزدیک اسلئے کہ اسکا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور یہی روایت امام ابوحنیفہؒ سے ہے صحیح روایت میں اسلئے کہ کراہیت اسکی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وجہ:۔صحیح روایت یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک گھوڑے کا جوٹھا پاک ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے۔حدیث یہ ہے ۔عن جابر بن عبد الله قال : نهى النبى ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر و رخص فى لحوم الخيل ۔(بخاری شریف، باب لحوم الخیل، ص۹۸۳، نمبر ۵۵۲۰/ مسلم شریف، نمبر ۵۰۲۲/ ابوداود شریف، باب فی اکل لحوم الخیل، ص۵۴۰ نمبر ۳۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہونا چاہئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت میں ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا مکروہ ہے اسکی وجہ یہ حدیث ہے عن خالد ابن الوليد ،أن رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحوم الخيل و البغال و الحمير ۔(ابوداؤد شریف، باب فی أکل لحوم الخیل، ص۵۴۱ نمبر ۳۷۹۰) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت سے منع فرمایا، جسکا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حلال نہیں ہے، اور جب گوشت حلال نہیں ہے تو اسکا جوٹھا بھی مکروہ ہوگا ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ گوشت کھانے سے ممانعت اسکی شرف اور فضیلت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ جہاد میں کام آتا ہے۔

ترجمہ: (۷۸) پس اگر پانی نہ ملے سوائے نبیذ تمر کے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرے اور تیمّم نہ کرے۔

تشریح : نبیذ کی تین قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔(۱) پانی میں کھجور ڈال دے اور اتنی دیر چھوڑ دے کہ اس میں مٹھاس آجائے اور پانی کی طرح رقت اور سیلان باقی رہے تو اسکو نبیذ تمر کہتے ہیں۔اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ۔اتنا گاڑھی ہوگئی ہے کہ رقت اور سیلان ختم ہو گیا ہو تو بالاتفاق اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے چاہے اسکا پینا جائز ہو (۳) اور تیسری قسم یہ ہے کہ۔اس میں نشہ آگیا ہو تو اسکو پینا بھی جائز نہیں ہے، شراب کی طرح اسکا پینا حرام ہوگا۔

وجہ : (۱) لیلۃ الجن کے بارے میں حدیث میں اضطراب ہے کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ تھے اسلئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے۔اور کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں

۲ وقال ابویوسف یتیمم ولایتوضأبه، وهو روایة عن ابی حنیفةؒ، و به قال الشافعیؒ عملا بآیة التیمم لانها اقوی، او هو منسوخ بها لانها مدنیة و لیلة الجنة کانت بمکة

تھےاسلئے امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے ۔امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے

وجہ : (۱) لیلۃ الجن کی حدیث کی بنا پر، اسلئے کہ حضورؐ نے نبیذ تمر سے وضو فرمایا ہے جب پانی نہیں پایا۔حدیث یہ ہے۔**عن عبد اللہ بن مسعود قال : سألنی رسول اللہ ﷺ : ما فی اداوتک ؟ فقلت نبیذ ، فقال : تمرة طیبة و ماء طھور ، قال : فتوضاء منه** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء بالنبیذ، ۲۵ نمبر ۸۸)(۲)**عن عبد اللہ بن مسعود ان النبی ﷺ قال له لیلة الجن: ما فی اداوتک ؟ قال نبیذ .قال تمرة طیبة و ماء طھور** ۔(ابوداود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص ۱۳ نمبر ۸۴ /ابن ماجۃ، باب الوضوء بالنبیذ، ص ۵۷ نمبر ۳۸۴ /مسند احمد شریف، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج اول ص ۶۶۳ نمبر ۳۸۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز ہے۔ اسی کو امام ابو حنیفہؒ نے لیا ہے۔(۳) لیکن یہ بھی یاد رہے کہ پانی موجود ہو تو نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں یہ اس وقت جائز ہے جب مطلق پانی موجود نہ ہو۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔**عن ابن عباس قال : قال رسول اللہ ﷺ : النبیذ وضوء لمن لم یجد الماء** ۔(دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص ۶۷ نمبر ۲۳۱ /سنن للبیھقی، باب منع التطھیر بالنبیذ، ج اول، ص ۱۹، نمبر ۳۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر سے اس وقت وضو کرے جب مطلق پانی نہ ہو۔لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ نہیں تھے۔حدیث یہ ہے **سألت علقمة هل کان ابن مسعود شھد مع رسول اللہ ﷺ لیلة لجن؟ قال فقال علقمة أنا سألت ابن مسعود دقلت هل شھد احد منکم مع رسول اللہ ﷺ لیلة الجن ؟ قال : لا و لکنا کنا مع رسول اللہ ذات لیلة ففقدناه ،الخ .** (مسلم شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، ص ۱۸۴ نمبر ۴۵۰ /۱۰۰۷ /ابوداود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص ۱۳، نمبر ۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔اسلئے دونوں حدیثوں میں اضطراب ہو گیا۔اسلئے امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس بات کے طرف گئے ہیں کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے ۔

ترجمہ : ۲ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تیمّم کرے اور اس سے وضو نہ کرے، یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے ہے اور یہی امام شافعیؒ نے بھی فرمایا تیمّم کی آیت پر عمل کرتے ہوئے، اسلئے کہ تیمّم کی آیت حدیث سے زیادہ قوی ہے۔یا حدیث آیت سے منسوخ ہے اسلئے کہ آیت مدنی ہے اور حدیث مکی ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ صرف نبیذ تمر ہو تو اس وقت تیمّم کرے اس سے وضو نہ کرے۔

۳؎ وقال محمد يتوضأ به و يتيمم لان فى الحديث اضطرابا و فى التاريخ جهالة فوجب الجمع احتياطا ۴؎ قلنا ليلة الجن كانت غير واحدة فلا يصح دعوى النسخ

وجہ : اوراسکی دو وجہ بیان فرماتے ہیں (۱) ایک تو یہ کہ آیت تیمّم آیت ہے اسلئے وہ حدیث سے زیادہ مضبوط ہے، اور آیت میں یہ ہے کہ پانی نہ ملے تو تیمّم کرو. فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيباً. (آیت ۶، سورۃ المائدۃ مدنیۃ ۵) اور یہاں تو مطلق پانی نہیں ہے، نبیذ تمر ہے اسلئے تیمّم کرنا چاہئے۔ خصوصا جب حدیث میں اضطراب ہو تو آیت کے مقابلے میں حدیث اور بھی کمزور ہو جاتی ہے اسلئے اسکو تیمّم کرنا چاہئے۔(۲) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آیت تیمّم مدنی ہے اور حدیث مکی ہے اسلئے ممکن ہے کہ حدیث آیت کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہو۔ حدیث مکی ہے اسکی تصریح اس طرح ہے۔ سألت علقمة هل كان ابن مسعود شهد مع رسول الله ﷺ ليلة لجن؟ قال فقال علقمة أنا سألت ابن مسعود وقلت هل شهد احد منكم مع رسول الله ﷺ ليلة الجن ؟ قال : لا و لكنا كنا مع رسول الله ذات ليلة ففقدناه .....فلما أصبحنا اذ هو جاء من قبل حراء، الخ . (مسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، ص ۱۸۴ نمبر ۴۵۰/۱۰۰۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ حراء کی جانب سے تشریف لائے جو مکہ مکرمہ میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث مکی ہے۔ مسند احمد میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن عبد الله بن مسعود قال : بينما نحن مع رسول الله ﷺ بمكة و هو فى نفر من اصحابه اذ قال .الخ ۔(مسند احمد، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج ثانی، ص ۴۴ نمبر ۴۳۶۸) اس حدیث میں بھی مکہ مکرمہ کی تصریح ہے اسلئے حدیث مکی ہے اور آیت سے منسوخ ہو سکتی ہے۔(۳) اثر میں ہے کہ نبیذ سے وضو کرنا مکروہ ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن عطاء قال : انه كره الوضوء باللبن و النبيذ ، و قال ان التيمم أعجب الى منه .(ابو داود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص ۱۳، نمبر ۸۶/ مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص ۱۷۹ نمبر ۶۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نبیذ سے وضو کرنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا نبیذ تمر سے وضو کرے اور تیمّم بھی کرے۔ اسلئے کہ حدیث میں اضطراب ہے اور اور تاریخ میں جہالت ہے اسلئے احتیاطا دونوں کو جمع کرنا واجب ہے۔ وجہ؛۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو جمع کرے یعنی نبیذ سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی کر لے۔ اسکی وجہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ (۱) حدیث میں اضطراب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ (۲) اور دوسری وجہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کب پیش آیا اس میں جہالت ہے اسلئے احتیاطا جمع کرنا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۴؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے اسلئے آیت تیمّم مدنی سے منسوخ ہونے کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا تھا کہ حدیث نبیذ آیت تیمّم سے منسوخ ہے کیونکہ آیت تیمّم مدنی ہے اور حدیث میں

تصریح ہے کہ وہ مکی ہے۔ یہاں سے اسکا جواب دے رہے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ مدینے میں بھی پیش آیا ہے کیونکہ حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا ہے۔ اسلئے ہوسکتا ہے کہ آیت تیمّم جو مدنی ہے اسکے بعد مدینے میں لیلۃ الجن کا واقعہ پیش آیا ہو اور آیت تیمّم کے بعد نبیذ سے وضو کرنے کی اجازت ہوئی ہو۔ اسلئے امام ابو یوسف کا منسوخ ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

﴿واقعات جن یہ ہیں﴾

(۱) یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ نہیں تھے۔ اور نبیذ کا مسئلہ بھی پیش نہیں آیا۔ حدیث یہ ہے۔ **فقال علقمة أنا سألت ابن مسعوفقلت هل شهد احد منكم مع رسول الله ﷺ ليلة الجن ؟ قال : لا و لكنا كنا مع رسول الله ذات ليلة ففقدناه .....فلما أصبحنا اذ هو جاء من قبل حراء.....أتاني داعي الجن فذهبت معه .الخ** (مسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، ص۱۸۴ نمبر ۱۰۰۷/۴۵۰) اس حدیث میں نبیذ تمر کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ تھے اور نبیذ کا مسئلہ بھی پیش آیا۔ حدیث یہ ہے **.عن عبد الله بن مسعود قال : بينما نحن مع رسول الله ﷺ بمكة و هو فى نفر من اصحابه اذ قال .....فقال رسول الله ﷺ تمرة طيبة و ماء طهور .الخ** ۔(مسند احمد، مسند عبداللہ بن مسعود، ج ثانی، ص۴۴ نمبر ۴۳۶۸)

(۳) یہ واقعہ بھی مکہ مکرمہ میں مقام نخلہ کے پاس پیش آیا جس میں سورہ جن نازل ہوئی اور نبیذ کا مسئلہ پیش نہیں آیا ۔ اس میں کچھ صحابہ آپکے ساتھ ہیں۔ حدیث کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال انطلق النبى ﷺ فى طائفة من اصحابه عامدين الى سوق عكاظ و قد حيل بين الشياطين و بين خبر السماء ، ....فانصرف أوليك الذين توجهوا نحو تهامة الى النبى ﷺ وهو بنخلة عامدين الى سوق عكاظ و هو يصلى بأصحابه صلاة الفجر .** (بخاری شریف، باب الجہر بقراءۃ صلاۃ الصبح ،ص۱۰۱ نمبر ۷۷۳/مسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقرءۃ علی الجن ،ص۱۸۴ نمبر ۱۰۰۶/۴۴۹)

(۴) یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں بقیع الغرقد کے پاس پیش آیا اس میں عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ تھے، اور نبیذ کا تذکرہ نہیں ہے ۔ حدیث یہ ہے۔ **أتيت عبد الله بن مسعود ...قال ان اهل الصفة أخذ كل رجل منهم رجلا يعشيه الا انا ....فخرج رسول الله ﷺ ...فانطلقنا حتى أتينا بقيع الغرقد فخط بعصاه خطة** ۔(کتاب دلائل النبوۃ لابی نعیم ۔نصب الرایۃ فصل فی الآثار)

۵ و الحديث مشهور عملت به الصحابة و بمثله يزاد على الكتاب، ٦ واما الاغتسال به فقد قيل يجوز عنده اعتبارا ً بالوضوء، و قيل لا يجوز لانه فوقه ٧ والنبيذ المختلف فيه ان يكون حلو ا رقيقا ً يسيل على الاعضاء كالماء، و ما اشتد منها صار حراما لا يجوز التوضى به

---

(۵) اس واقعے میں حضرت بن العوام حضورؐ کے ساتھ ہیں۔اور مدینہ طیبہ میں ارض براز یعنی کھلی جگہ میں پیش آیا۔اس میں بھی نبیذ کا تذکرہ نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔حدثنی الزبير بن العوام قال : صلى بنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح فی مسجدالمدينة فلما انصرف قال ايكم يتبعنى الى وفد الجن الليلةفاسكت القوم ثلاثا ، فمر بی فأخذ بيدی ۔(نصب الرایۃ ،فصل فی الآسار وغیرھا، ج اول ،ص ۱۹۹)

ترجمہ: ۵ حدیث نبیذ مشہور ہے،اوراس پر صحابہؓ نے بھی عمل کیا ہے اسلئے اس جیسی حدیث سے کتاب اللہ پر زیاتی کی جاسکتی ہے۔

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ حدیث تمر مشہور ہے اسلئے اسکی وجہ سے پانی نہ ہونے پر وضو کرسکتا ہے۔مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ کے ان کتابوں میں ہے ۔(۱) ابوداود شریف نمبر ۸۴ (۲) ترمذی شریف نمبر ۸۸ (۳) ابن ماجہ شریف نمبر ۳۸۴ (۴) مسند احمد نمبر ۳۸۰۰ ۔اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے ۔دوسری بات یہ ہے کہ خود صحابہ نے بھی اس حدیث پر عمل فرمایا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے عن علیؓ قال : كان لا يرى بأسا بالوضوء من النبيذ ۔(دار قطنی ، باب الوضوء بالنبیذ ، ج اول ،ص ۸۱ ،نمبر ۲۵۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۶ فی الوضوء بالنبیذ ، ج اول ،ص ۳۲ ،نمبر ۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے بھی اس حدیث پر عمل فرمایا۔اسلئے نبیذ سے وضو کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ : ٦ بہرحال نبیذ سے غسل کرنا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے وضو پر قیاس کرتے ہوئے ،اور بعض نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ غسل وضو سے اوپر ہے۔

وجہ :۔نبیذ سے غسل جائز ہے یا نہیں ۔اس بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔کیونکہ جب اس سے وضو جائز ہے تو غسل بھی جائز ہوگا ، کیونکہ دونوں میں طھارت مطلوب ہے ۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ غسل وضو سے اوپر کا درجہ ہے اور کبھی کبھی پیش آتا ہے۔اس اثر میں بھی ہے کہ اس سے غسل نہ کرے۔ سألت أبا العالية عن رجل أصابته جنابة ، و ليس عنده ماء و عنده نبيذ ، أيغتسل به ؟ قال : لا ۔(ابوداود شریف، باب الوضوء بالنبیذ ،ص ۱۳ نمبر ۸۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۶ فی الوضوء بالنبیذ ، ج اول ،ص ۳۲ نمبر ۲۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نبیذ سے غسل نہ کرے۔

ترجمہ: ۷ اور وہ نبیذ جس میں اختلاف ہے یہ کہ میٹھی ہو، پتلی ہو،عضو پر پانی کی طرح بہتی ہو،اور جو گاڑھی ہوگئی وہ حرام ہوگئی،

۸وان غیرته النار فمادام حلوا فهو علی الخلاف و ان اشتد فعند ابی حنیفةؒ یجوز التوضی به لانه یحل شربه عنده، ۹ وعند محمدؒ لا یتوضأ به لحرمة شربه عنده

اس سے وضو جائز نہیں۔

وجہ: عرب کا پانی کھارا ہوتا تھا اسلئے اس میں کھجور ڈال دیتے تھے اور کچھ دیر کے لئے چھوڑ دیتے تھے تا کہ پانی میٹھا ہو جائے اسی کو نبیذ کہتے ہیں اگر یہ پانی کی طرح پتلا ہے تو اس سے وضو کرنے میں اختلاف ہے۔ اور اگر گاڑھا ہو گیا تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں۔ تاہم اگر نشہ نہ پیدا ہوا ہو تو اسکا پینا جائز ہوگا، اور اگر نشہ پیدا ہو چکا ہو تو اب پینا بھی جائز نہیں ہے۔ ہر ایک کی دلیل یہ ہے۔ نبیذ پتلی ہو اسکا استدلال اس حدیث سے ہے۔ عن عبد الله بن الدیلمی عن ابیه قال اتینا النبی ﷺ .....قالنا ما نصنع بالزبیب ؟ قال : انبذوه علی غدائکم و اشربوه علی عشائکم ، و انبذوه عشائکم و اشربوه علی غدائکم ۔ (ابو داود شریف، باب فی صفۃ النبیذ، ص ۵۳۱ نمبر ۳۷۱۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الانتباذ فی السقاء ص ۴۳۹ نمبر ۱۸۷۱) جب کھجور صبح پانی میں ڈالے اور شام کو پی لے تو نبیذ پتلی ہی ہوگی۔ اور گاڑھی ہونے کے بعد شوربے کی طرح ہوگئی اسلئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس میں نشہ آ گیا ہو تو اسکا پینا بھی حرام ہے۔ اس حدیث میں ہے عن ابی هریرة قال علمت ان رسول الله ﷺ کان یصوم فتحینت فطره بنبیذ صنعته فی دباء ثم أتیته به فاذا هو ینش ، فقال اضرب بهذا الحائط فان هذا شراب من لا یومن باللهو الیم الآخر ۔ (ابو داود شریف، باب فی النبیذ اذا غلا، ص ۵۳۲ نمبر ۳۷۱۶) اس حدیث میں ہے کہ نشہ آ جائے تو اسکا پینا بھی حرام ہے۔

ترجمہ: ۸ اور اگر آگ میں پک کر بدل گئی تو جب تک میٹھی ہے تو اسی اختلاف پر ہے اور اگر گاڑھی ہوگئی پھر بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ انکے نزدیک اسکا پینا جائز ہے،

تشریح: اگر نبیذ کو آگ میں پکالی گئی لیکن جب تک میٹی ہے اور پتلی ہے کہ عضو پر بہتی ہے تو اسی اختلاف پر ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمّم کرے۔ اور اگر پکانے کی وجہ سے گاڑھی ہوگئی لیکن نشہ نہیں ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضو جائز ہے اسلئے کہ اسکا پینا حلال ہے۔ اور جب پینا حلال ہے تو وضو بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۹ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو نہیں کیا جائے گا پینے کی حرمت کی وجہ سے ان کے نزدیک۔

تشریح: نبیذ پکا دی گئی اور گاڑھی ہوگئی تو امام محمدؒ کے نزدیک اسکا پینا حرام ہے اسلئے اس سے وضو بھی جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گاڑھی ہونے کے بعد اس میں نشہ آنا شروع ہو جاتا ہے اسلئے اسکو حرام ہی پر محمول کریں تا کہ لوگ اس سے بچیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ۔ عن ابن عباس قال : کان ینبذ للنبی ﷺ الزبیب فیشربه الیوم و الغد و بعد

۱۰ ولايجوز التوضی بما سواه من الانبذة جريا علی قضية القياس.

الغد الی مساء الثالثة ثم يأمر به فيسقی الخدم او يهراق ۔(ابوداود شریف، باب فی صفة النبیذ ،ص۵۳۲ نمبر ۳۷۱۳)اس حدیث میں دوسرے دن کی شام کو نبیذ بہانے کے لئے فرماتے تھے کیونکہ وہ گاڑھی ہو جاتی تھی۔اسلئے گاڑھی ہونے کے بعد اسکو پینا حرام ہے اسلئے کہ نشہ آنے کے قریب ہوگئی ہے(۲)اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے۔عن عائشة أن رسول الله ﷺ سئل عن البتع فقال : كل شراب أسكر فهو حرام ۔(بخاری شریف، باب الخمر من العسل وهو البتع ،ص۹۹۱ نمبر ۵۵۸۵/ابوداود شریف، باب ما جاء فی السکر ،ص ۵۲۸ ،نمبر ۳۶۸۱)اس حدیث میں نشہ والی چیز کو حرام فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۱۰ اور نہیں جائز ہے وضو کرنا اسکے علاوہ کی نبیذ سے قیاس پر جاری کرتے ہوئے۔

تشریح : چونکہ حدیث میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے اسلئے اس سے وضو جائز کہتے ہیں ورنہ کسی اور چیز کی نبیذ سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ اب اسکا نام مطلق پانی نہیں رہا بلکہ نبیذ ہوگیا۔اسلئے انگور، کشمش،اور جو وغیرہ کی نبیذ سے وضو جائز نہیں ہے۔

not found.

﴿باب التیمم﴾

(۷۹) ومن لم یجد الماء وھو مسافر، اوخارج المصر بینه و بین المصر میل او اکثر یتیمم بالصعید ﴾ لقوله تعالی: فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً ۲ وقوله علیه السلام: التراب

﴿ باب التیمم ﴾

ضروری نوٹ: التیمم : تیمّم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔اور شریعت میں حدث سے پاک ہونے کے لئے مٹی کا ارادہ کرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے و ان کنتم جنبا فاطھروا و ان کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدو ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطھر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت۶ سورۃ المائدۃ۵)اس آیت میں ہے کہ پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کرے

ترجمه : (۷۹) جو پانی نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس آدمی کے درمیان اور شہر کے درمیان تقریبا ایک میل یا اس سے زیادہ ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کریگا۔

وجه : (۱) پانی نہ پانے کے وقت تیمّم کرنے کا حکم اس آیت میں ہے وان کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم ..(آیت۴۳ سورۃ النساء۴)(۲) حدیث میں ہے عن ابی ذر...قال رسول الله ﷺ الصعید الطیب وضوء المسلم ولو الی عشر سنین (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص۵۳ نمبر۳۳۲ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی التیمم للجنب اذا لم یجد الماء، ۳۲، نمبر۱۲۴) اس حدیث میں ہے کہ پانی نہ ملے تو دس سال تک جنبی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔یعنی پانی نہ ملے یا پانی پر قدرت نہ ہو تو ایک زمانہ تک تیمّم کر سکتا ہے۔

آیت میں ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمّم کر سکتا ہے۔اب پانی نہ پانے کی مصنفؒ نے چار صورتیں بیان کی ہیں (۱) مسافر ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو (۲) یا شہر سے باہر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو تو تیمّم کر سکتا ہے (۳) آدمی اتنا بیمار ہو کہ پانی اسکو نقصان دیتا ہو ۔(۴) جنبی کو خوف ہو کہ اگر پانی سے غسل کیا تو ٹھنڈک سے بیمار ہو جائے گا۔تو وہ تیمّم کر سکتا ہے۔ ہر ایک کی دلیل یہ ہے۔

ترجمه: ۱ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ جب تک تم پانی نہ پاؤ پاک مٹی سے تیمّم کرتے رہو۔ یہ آیت اوپر گزر گئی۔

ترجمه : ۲ اور حضورؐ کا قول کہ مٹی مسلمان کو پاک کرنے کی چیز ہے اگر چہ دس سال تک ہو جب تک کہ پانی نہ پائے۔ یہ حدیث بھی اوپر گزر گئی۔البتہ مصنف ابن ابی شیبۃ میں عشر سنین کے بجائے عشر حجج کا لفظ ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ذر عن النبی

طهور المسلم و لو الی عشر حجج ما لم یجد الماء ٣؎ و المیل هو المختار فی المقدار لانه یلحقه الحرج بدخول المصر و الماء معدوم حقیقة ٤؎ والمعتبر المسافة دون خوف الفوت لان التفریط یأتی من قبله.

ﷺ قال : الصعید الطیب طهور ما لم یوجد الماء و لو الی عشر حجج ، فاذا وجدت الماء فأمسه بشرتک ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،١٩١ الرجل یجنب ولیس یقدر علی الماء، ج اول، ص ١٤٤ نمبر ١٦٦١) اس حدیث میں دس سال تک تیمّم کرنے کی گنجائش ہے۔

ترجمہ : ٣؎ اور میل ہی کا اعتبار ہے مقدار میں اسلئے کہ شہر میں داخل ہونے میں اس کو حرج لازم ہوگا، اور پانی تو واقعی موجود نہیں ہے۔

تشریح : پانی کتنی دوری پر ہو تو آدمی تیمّم کرسکتا ہے اس بارے میں ائمہ کے کئی اقوال ہیں، ہمارے نزدیک مختار قول یہی ہے کہ ایک میل دور ہو تو تیمّم کرسکتا ہے، کیونکہ آیت فلم تجدوا ماء، کے مطابق پانی واقعی موجود نہیں ہے اور ایک میل دور سے شہر جائے اس میں حرج ہے اور آیت میں ہے کہ دین کے بارے میں امت پر حرج نہیں کیا یہ آیت گزر چکی ہے۔ ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطهر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ٦ سورة المائدة ٥) اور ایک میل جانے میں حرج ہے اسلئے تیمّم کرے۔

کیونکہ ایک میل سے کم فاصلہ ہو تو گویا کہ وہ پانی کے پاس ہے۔ کیونکہ پندرہ منٹ میں پانی لیکر آجائیگا اس لئے کوئی حرج نہیں ہوگا۔ ایک میل دور ہونے کی دلیل ابن عمرؓ کا اثر ہے۔ عن نافع یتیمم ابن عمر علی رأس میل او میلین من المدینة فصلی العصر فقدم والشمس مرتفعة. (دار قطنی ، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ وقدرہ من البلد وطلب الماء ج اول ص ١٩٥ نمبر ٧٠٩) بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مربد الغنم میں تیمّم کیا اور نماز پڑھی۔ و أقبل ابن عمر من أرضه بالجرف فحضرت العصر بمربد الغنم فصلی ثم دخل المدینة و الشمس مرتفعة فلم یعد . (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء، ج اول، ص ٤٨، نمبر ٣٣٧) اور مربد کے بارے میں دار قطنی میں ہے کہ وہ مدینہ سے تین میل پر ہے۔ ان ابن عمرؓ تیمم بمربد النعم وصلی وهو علی ثلثة امیال من المدینة (دار قطنی ، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ض ١٩٥ نمبر ٧٠٧) ان آثار میں اگر چہ دو میل اور تین میل کا تذکرہ ہے لیکن احتیاط کے طور پر صرف ایک میل پر تیمّم کی اجازت دی گئی کیونکہ اس میں بھی حرج ہے۔

ترجمہ : ٤؎ اور معتبر ایک میل کی مسافت ہے نماز کے فوت ہونے کا اعتبار نہیں، اسلئے کہ تفریط خود اسکی جانب سے آئی ہے۔

(٨٠) ولو كان يجد الماء الا انه مريض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه يتيمم

تشریح : پانی ایک میل سے کم میں ہے لیکن نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے تب بھی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمّم کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، جب تک پانی ایک میل دور نہ ہو، کیونکہ زیادتی یعنی وقت کی تاخیر خود نمازی کی جانب سے آئی ہے۔اسلئے اس کو تیمّم کی سہولت نہیں دی جائے گی۔

لغت :۔ الصعید: پاک مٹی،اوپر کی مٹی۔التراب :مٹی۔ حجج : حجة سے مشتق ہے سال۔المیل:شرعی میل دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔کیونکہ درمختار میں ہے کہ ایک میل چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے،اور ایک ہاتھ آدھا گز ہوتا ہے،اسلئے چار ہزار ہاتھ دو ہزار گز ہوا، عبارت یہ ہے ۔و المیل اربعة آلاف ذراع . (ردالمختار علی درالمختار، باب صلوٰۃ المسافر، ج ثانی ص ۷۲۵)اور انگریزی میل سترہ سو ساٹھ گز 1760 کا ہوتا ہے اسلئے انگریزی میل شرعی میل سے 1.1363 چھوٹا ہے اسلئے انگریزی میل سے ناپیں تو پانی 1.1363 میل دور ہو یعنی گز دور ہو تب تیمّم کرسکتا ہے ۔اور کیلو میٹر شرعی میل سے 1.82869 چھوٹا ہوتا ہے اسلئے 1.82869 کیلو میٹر یعنی 1828.69 میٹر پانی سے دور ہو تب تیمّم کرسکتا ہے۔

ترجمہ : (۸۰)اگر پانی تو پاتا ہو مگر یہ کہ بیمار ہو پس خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو تیمّم کرسکتا ہے۔

وجہ : (۱) شریعت انسان کو مشقت شدیدہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی اس لئے اگر بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا بیمار ہو جانے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کرسکتا ہے (۲) آیت لا یکلف الله نفسا الا وسعها . (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ) (۳) اور یہ آیت بھی گزری کہ اللہ تعالی امت کو حرج میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے ۔ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطهر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) (۴) حدیث میں ہے کہ بیمار ہونے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کرسکتا ہے عمرو ابن العاص یذکر ان عمر ابن العاص اجنب فی لیلة باردة فتیمم وتلا ولاتقتلوا انفسکم ان الله کان بکم رحیما فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف (بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم ، ج اول ،ص ۴۹، نمبر ۳۴۵) معلوم ہوا کہ سردی سے مرض بڑھنے کا خوف ہو یا بیمار ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کرسکتا ہے۔ (۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کا خطرہ ہو تو تیمّم کرسکتا ہے۔حدیث یہ ہے۔عن عمرو ابن العاص قال : احتلمت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل ، فاشفقت أن أغتسل فأ هلک فتیممت ثم صلیت بأصحابی الصبح ، فذکروا ذالک لرسول الله ﷺ فقال یا عمرو ! صلیت بأصحابک و أنت جنب ؟ فأخبرته بالذی منعنی من الاغتسال و قلت انی سمعت الله یقول : و لا تقتلوا أنفسکم ان الله کان

۱؎ لما تلونا ۲؎ و لان الضرر فی زیادة المرض فوق الضرر فی زیادة ثمن الماء و ذالک یبیح التیمم فهذا اولی، ۳؎ ولا فرق بین ان یشتد مرضه بالتحریک او بالاستعمال ۴؎ واعتبر الشافعیؒ خوف التلف و هو مردود بظاهر النص

بکم رحیماً . (آیت ۲۹ سورة النساء ۴) فضحک رسول الله ﷺ ولم یقل شیئاً۔(ابوداود شریف باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم ؟ ص ۵۴ نمبر ۳۳۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرض بڑھنے کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس آیت کی بنا پر جو میں نے پہلے تلاوت کی۔ یہ آیت اوپر گزر گئی۔ ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطهر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورة المائدة ۵)۔اس آیت میں ہے کہ حرج ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور اسلئے کہ بیماری کی زیادتی کا نقصان پانی کی قیمت کی زیادتی کے نقصان سے زیادہ ہے اور وہ تیمّم کو مباح کرتی ہے تو یہ بدرجہ اولی مباح کریگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ پانی کی قیمت عام قیمت سے زیادہ کہہ رہا ہو تو آدمی کے لئے مباح ہے کہ پانی نہ خریدے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، کیونکہ اس میں زیادہ قیمت دینے کا نقصان ہے، اب اگر پانی استعمال کرے گا تو بیماری کے زیادہ ہونے کا خطرہ ہے، تو بیماری کا زیادہ ہونا بڑا نقصان ہے اور پانی کی قیمت کا زیادہ ہونا چھوٹا نقصان ہے، پس جب چھوٹے نقصان کی وجہ سے تیمّم کر سکتا ہے تو بڑا نقصان یعنی مرض کا زیادہ ہونے سے بدرجہ اولی تیمّم کر سکتا ہے۔ اسلئے مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور کوئی فرق نہیں اس بارے میں کہ مرض حرکت دینے سے زیادہ ہو یا پانی استعمال کرنے سے۔

تشریح : مثلا کسی آدمی کا پاؤں ٹوٹا ہوا ہے، وہ پانی استعمال کرے گا تو کوئی نقصان نہیں دے گا لیکن اگر پانی لانے جائے گا تو تکلیف بڑھ جائے گی اور پانی دور سے لانے والا کوئی نہیں ہے اسلئے ایسی صورت میں بھی وہ تیمّم کر سکتا ہے کیونکہ حرکت کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خطرہ ہے۔ اور اگر پانی استعمال کرنے سے مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تب بھی تیمّم کر سکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام شافعیؒ نے اعتبار کیا ضائع ہونے کے خوف کا حالانکہ وہ ظاہری نص سے رد معلوم ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، یا آدمی کے ھلاک ہونے کا خطرہ ہو تب تیمّم کر سکتا ہے۔ صرف مرض کے بڑھنے کا خوف ہو تو تیمّم نہیں کر سکتا ہے۔ انکی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں صحابی نے فرمایا تھا کہ مجھے ھلاک ہونیکا خطرہ تھا اسلئے میں نے تیمّم کیا۔ حدیث کا جملہ یہ تھا ۔فاشفقت أن أغتسل فأ هلک فتیممت ثم صلیت (ابوداود

(۸۱)ولو خاف الجنب ان اغتسل ان يقتله البرد اويمرضه يتيمم بالصعيد ﴾ ل وهذا اذا كان خارج المصر لمابينا،ولو كان فی المصرفكذالك عندابی حنيفةؒ

نمبر۳۳۴)اسلئے ھلاک ہونے کا خطرہ ہوتب تیمّم کرسکتا ہے(۲)اورآیت میں بھی ہے کہ اپنے آپ کوقتل نہ کرو،آیت یہ ہے .و لا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيماً . (آیت ۲۹ سورة النساء ۴) اسلئے قتل یعنی ھلاک ہونے کا خطرہ ہوتب تیمّم کرسکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک صرف حرج ہو یعنی مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو، یا بیمار ہوجانے کا خطرہ ہوتو تیمّم کرسکتا ہے۔کیونکہ آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حرج میں مبتلاء نہیں کرنا چاہتے ،جسکا مطلب یہ ہوا کہ حرج ہوتو تیمّم کرسکتا ہےاورمرض کے بڑھنے میں حرج ہے اسلئے تیمّم کر سکتا ہے۔آیت یہ تھی ۔ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج و لكن يريد ليطهر كم و ليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون ۔(آیت ۶ سورة المائدة ۵) اسلئے حرج یعنی مرض بڑھنے میں تیمّم کرسکتا ہے۔

ترجمه : (۸۱) اوراگرجنبی خوف کرے کہ اگر وہ غسل کرے گا تو ٹھنڈک اسکو ماردیگی، یا اسکو بیمار کردیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرسکتا ہے۔

وجه : جنبی آدمی کوخوف ہو کہ اگر غسل کرونگا تو ٹھنڈک اسکو ماردیگی، یا اسکو بیمار کردیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرسکتا ہے۔دلیل اوپر گزر گئی،ایک حدیث یہ بھی ہے۔عن جابر قال خرجنا فی سفر فأصاب رجلا منا حجر فشجه فی رأسه ثم احتلم فسأل أصحابه فقال هل تجدون لی رخصة فی التیمم ؟ قالو ا ما نجد لک رخصة و أنت تقدر علی الماء فاغسل فمات فلما قدمنا علی النبی ﷺ أخبر بذالک فقال : قتلوه قتلهم الله ألا سألو اذا لم یعلموا فانما شفاء العی السوال ۔(ابوداود شریف، باب المجدور یتیمم ،ص ۵۴ نمبر ۳۳۶)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرض بڑھنے کا خطرہ ہوتو تیمّم کرسکتا ہے۔

ترجمه: ل یہ جب ہے کہ آدمی شہر سے باہر ہو،اور اگر شہر میں ہوتب بھی ایسے ہی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۔

تشریح : شہر سے باہر ہواور سردی کا خوف ہوتو تیمّم کرکے نماز پڑھے۔جیسا کہ اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مدینے سے تین میل باہر تیمّم کرکے نماز پڑھی ۔یہ اثر گزر گیا ہے۔ان ابن عمرؓ تیمم بمربد النعم وصلی وهو علی ثلثة امیال من المدینة (دار قطنی ،باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۰۷)،لیکن اگر شہر کے اندر ہواور سردی کا خوف ہو اور پانی گرم کرنے کا کوئی راستہ نہ ہوتو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر کے اندر بھی تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں پانی گرم کرنے کی سہولت شہر میں ہوتی ہے لیکن خدانہ خواستہ پانی گرم کرنے کی کوئی سہولت نہ ہوتو یہ فتوی دیناہی پڑے گا

۲؎ خلافا لهما، هما یقولان ان تحقق هذه الحالة نادر فی المصر فلا یعتبر ۳؎ وله ان العجز ثابت حقیقة فلابد من اعتباره (۸۲) والتیمم ضربتان یمسح باحدٰهما وجهه وبالاخری یدیه الی المرفقین ؎
۱؎ لقوله علیہ السلام: التیمم ضرنتان : ضربة للوجه، و ضربة للیدین

کہ وہ تیمّم کرلے کیونکہ حرج موجود ہے

ترجمہ: ۲؎ برخلاف صاحبین کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حالت کا متحقق ہونا شہر میں نادر ہے اسلئے اسکا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ شہر میں پانی گرم کرنے کی سہولت نہ ہوا یسا نادر ہے اور بہت کم ہے اسلئے شہر میں رہتے ہوئے تیمّم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ وہاں حرج کا وقوع نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عجز حقیقتاً ثابت ہے لہذا اس کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے خائف جنبی کے لئے غسل کرنے سے عاجز ہونا حقیقت میں ثابت ہے۔ لہذا اس کا اعتبار کیا جانا ضرری ہے۔ اور اس کو تیمّم کی اجازت ہوگی۔

ترجمہ: (۸۲) تیمّم کے لئے دو ضربے ہیں۔ ایک کو چہرے پر ملے اور دوسرے کو دونوں ہاتھوں پیر کہنیوں سمیت۔

تشریح: تیمّم کے لئے دو ضربے ہونگے۔ ایک ضربہ زمین پر مار کر چہرے پر ملیگا اور دوسرا زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر ملیگا کہنیوں سمیت وجہ حدیث میں ہے عن عمار بن یاسر حین تیمموا مع رسول الله ﷺ فامر المسلمین فضربوا باکفهم التراب ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بوجوههم مسحة واحدة ثم عادوا فضربوا باکفهم الصعید مرة اخری فمسحوا بایدیهم۔ (ابن ماجہ شریف، باب فی التیمم ضربتین، ص۸۱، نمبر ۵۷۱/ابوداؤدشریف، باب التیمم ص۵۱ نمبر ۳۱۸) (۲) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صربة للوجه و ضربة للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴)

ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئی ایک تو یہ کہ تیمّم کے لئے دو ضربہ ہے، اور دوسری یہ کہ کہنیوں تک مسح کرے۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ تیمّم دو ضربے ہیں، ایک ضربہ چہرے کے لئے اور ایک ضربہ ہاتھ کے لئے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صربة للوجه و ضربة للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴/ سنن للبیهقی، باب کیف التیمم، ج اول ص ۳۲۹ نمبر ۹۹۹) اس حدیث میں ہے کہ تیمّم کے لئے دو ضربے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کہنیوں تک مسح کرے تب مسح ہوگا۔

فائدہ: صحاح ستہ کی کتابوں میں ایک ضربہ کا تذکرہ ہے اس لئے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کی رائے ہے کہ ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ

۲؎و ینفض یدیه بقدر مایتناثر التراب کیلایصیر مثلة.(۸۳) و لا بد من الاستیعاب فی ظاهر الروایة۱؎لقیامه مقام الوضوء ولهذا قالوا یخلل الاصابع وینزع الخاتم لیتم المسح

ملنا کافی ہے۔البتہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دو ضربے ضروری ہیں۔امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمار بن یاسر قال سألت النبی ﷺ عن التیمم فامر نی ضربة واحدة للوجه و الکفین (ابو اؤد شریف، باب التیمم، ص۵۲ نمبر ۳۲۷/ بخاری شریف، باب التیمم ضربۃ، نمبر ۳۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے اور ہاتھ کے لئے ایک ہی ضربہ کافی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور دونوں ہاتھوں کو اتنا جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے تا کہ مثلہ نہ ہو جائے۔

وجه:۔دونوں ہاتھوں کو جھاڑنے کے لئے یہ حدیث ہے۔جاء رجل الی عمر بن الخطاب ....فقال النبی ﷺ انما کان یکفیک هکذا ، وضرب النبی ﷺ بکفیه الارض ، و نفخ فیهما ، ثم مسح بهما وجهه و کفیه۔(بخاری شریف، باب المتیمم هل ینفخ فیهما ؟ ص۴۸ نمبر ۳۳۸/ مسلم شریف، باب التیمم ،ص۱۵۹ نمبر ۳۶۸/۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ پھونک مار کر مٹی جھاڑے تا کہ چہرہ گندہ نہ ہو جائے۔اور یہ بھی پتہ چلا کہ صرف ہتھیلی پر مسح کرنا کافی ہے۔

لغت : المرفقین :دونوں کہنی۔ضربة: تیمّم کے لئے مٹی پر ہاتھ مارنے کو ضربہ کہتے ہیں۔ینفض: مٹی جھاڑنا۔ یتناثر :نثر سے مشتق ہے مٹی بکھیرنا، ۔مثلہ: چہرہ گندہ ہونے کو مثلہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۳) اور ضروری ہے گھیرنا ظاہر روایت میں۔

وجہ : صحاح ستہ کی کتابوں میں ہے اور اوپر بخاری کی حدیث گزری کہ تیمّم میں چہرے پر مسح کیا اور ہتھیلی پر مسح کیا۔ثم مسح بهما وجهه و کفیه ۔(بخاری شریف، باب المتیمم هل ینفخ فیهما ؟ ص۴۸ نمبر ۳۳۸/ مسلم ،نمبر ۸۱۹)،اسلئے مصنف فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ صرف ہتھیلی پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ہاتھ پر کہنی سمیت مسح کرنا ہوگا تب تیمّم ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دار قطنی اور بیہقی کی حدیث اوپر گزر گئی کہ ہاتھ پر کہنیوں سمیت تیمّم کرے،حدیث یہ ہے۔ و ضربة للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴/ سنن للبیہقی ، باب کیف التیمم ، ج اول، ص ۳۲۹ نمبر ۹۹۹) (۲)اس حدیث مرسل میں اسکی پوری وضاحت ہے۔قال یحی بن اسحاق فی حدیثه فأرانی رسول الله ﷺ کیف امسح فمسحت ، قال فضرب بکفیه الارض ، ثم رفعهما لوجهه ، ثم ضرب ضربة أخری فمسح ذراعیه باطنهما و ظاهر هما ، حتی مس بیدیه المرفقین . (دار قطنی ،باب التیمم ،ج اول،ص)

ترجمہ :۱؎ تیمّم کے وضو کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے۔اور اسی لئے ائمہ فرماتے ہیں کہ انگلیوں کا بھی خلال کرے اور انگوٹھی کو بھی کھول لے تا کہ مسح مکمل ہو جائے۔

(۸۴)والحدث و الجنابة فيه سواء، و كذا الحيض، و النفاس ﴿ ۱ لما روى ان قوما جاء وا الى رسول الله ﷺ و قالوا انا قوم نسكن هذه الرمال، ولا نجدالماء شهرااوشهرين، وفينا الجنب، والحائض،والنفساء فقال : عليكم بارضكم.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اسلئے جس طرح وضو میں کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا پڑتا ہے اسی طرح تیمّم میں بھی کہنیوں سمیت ہاتھ کا مسح کرنا ہوگا،اور پوری کہنی گھیرنا ہوگا ، ہاتھ کے ہر ہر بال پر مسح ہوجائے اسی لئے ائمہ نے فرمایا ہے کہ مسح کے وقت انگلیوں کا بھی خلال کرے،اور انگوٹھی بھی نکال کر مسح کرے تا کہ ہاتھ کے ہر مقام پر مسح ہو جائے ۔جس طرح وضو میں ہر مقام میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۸۴) تیمّم جنابت اور حدث کے لئے برابر ہے۔اور ایسے ہی حیض اور نفاس کے لئے

وجہ: تیمّم جنابت کے لئے اور حیض اور نفاس کے غسل کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور حدث اصغر یعنی وضو کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور سب کے لئے دو ہی ضربے ہیں۔ایک چہرے کے لئے اور دوسرا ہاتھ کے لئے۔سر اور پاؤں پر تیمّم ساقط ہوجائیگا۔حدیث میں ہے (۱)اوپر مسئلہ نمبر۲ میں عمرو بن عاص کی حدیث گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم جنبی کے لئے بھی جائز ہے(۲) آیت میں ہے کہ جنبی بھی تیمّم کرسکتا ہے۔او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا (آیت ۴۳،سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے اولامستم النساء۔یعنی جس نے صحبت کی ہو وہ بھی پانی نہ پائے تو تیمّم کرسکتا ہے۔اور حیض اور نفاس والی عورت کی دلیل یہ حدیث ہے(۳)عن ابى هريرة قال جاء اعرابى الى رسول الله ﷺ فقال انا نكون فى الرمل وفينا الحائض والجنب والنفساء فيأتى علينا اربعة اشهر لا نجد الماء قال عليك بالتراب يعنى التيمم (سنن للبیھقی ،باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیھما التیمم عند انقطاع الدم اذا عدمتا الماء ج،اول ص ۳۳۳،نمبر ۱۰۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورتیں بھی پانی پر قدرت نہ ہوتے وقت غسل کے لئے تیمّم کریں گی۔اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی صرف چہرے اور ہاتھ پر تیمّم کرے گا۔ پاؤں اور سر ساقط ہوں گے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔الم تسمع قول عمار لعمر ان رسول اللهؐ بعثنى انا وانت فاجنبت فتمعكت بالصعيد فاتينا رسول اللهؐ فاخبرناه فقال انما كان يكفيك هكذا ومسح وجهه وكفيه واحدة . (بخاری شریف،باب التیمم ضربۃ ،ص ۵۰،نمبر ۳۴۷ مسلم شریف،باب التیمم ،ص ۱۵۹ نمبر ۸۱۸/۳۶۸)اس حدیث میں ہے کہ جنبی کو پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کرے۔

ترجمہ :۱ کیونکہ روایت ہے کہ ایک قوم حضورؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ اس صحرا میں قیام کرتے ہیں اور ایک مہینہ اور دو مہینے پانی نہیں ملتا ہے اور ہم میں جنبی اور حائضہ اور نفاس والی عورت بھی ہوتی ہے،تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنی مٹی

(۸۵)ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمدؒ بکل ما کان من جنس الارض کالتراب، و الرمل، و الحجر،والجص، والنورة، والکحل، و الزرنیخ، و قال ابو یوسفؒ لایجوز الا بالتراب، و الرمل ۱؎ و قال الشافعیؒ لایجوزالا بالتراب المنبت و هورواية عن ابی یو سفؒ، لقوله تعالی فتیمموا صعیدا طیباً، ای منبتاً، قاله ابن عباسؓ، غیر ان ابا یوسفؒ زاد علیه الرمل بالحدیث الذی رویناه

سے تیمّم کرلیا کرو۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة أن اعرابیا أتو ا النبی ﷺ فقالوا : یا رسول الله انا نکون فی هذه الرمال لا نقدر علی الماء و لا نری الماء ثلاثة أشهر أو اربعة اشهر. شک ابو الربیع . و فینا النفساء و الحائض و الجنب قال : علیکم بالارض (سنن للبیهقی ،باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیهما التیمم عندانقطاع الدم اذا عدمتا الماء ج،اول ص۳۳۳،نمبر۱۰۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی ، حائضہ اور نفساء سبھی تیمّم کر سکتے ہیں۔

ترجمہ : (۸۵) جائز ہے تیمّم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص طور پر۔

وجہ : (۱)أخبرنا جابر بن عبدالله ان النبی ﷺ قال .....جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمین سے تیمّم کر سکتے ہیں۔تو زمین کی جنس سے جتنی چیزیں ہیں ان تمام سے تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ جیسے پتھر وغیرہ (۲) آیت تیمّم میں ہے فتیمموا صعیدا طیبا اور صعید کے معنی زمین کا اوپر کا حصہ ہے چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ اس لئے ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے بھی تیمّم کرسکتا ہے۔ اثر میں ہے۔عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ،۱۹۶ مایجزی الرجل فی تیممہ، ج اول ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۴) اس اثر سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہیکہ گچ اور پہاڑ یعنی پتھر، اور ریت سے بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: ہر وہ چیز جو آگ میں جلے نہیں اور پگھلے نہیں وہ تمام چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔

ترجمہ : ۱؎ اور کہا امام شافعیؒ نے کہ نہیں جائز ہے مگر اگانے والی مٹی سے اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے۔ اللہ تعالی کا قول ''صعیدا طیبا''۔ یعنی اگانے والی مٹی، کی وجہ سے، حضرت ابن عباسؓ نے صعیدا طیبا کی یہی تفسیر کی ہے علاوہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ نے وہ حدیث جسکو میں نے روایت کی اسکی بنا پر ریت کو اس پر زیادہ کیا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اگانے والی مٹی سے تیمّم کیا جائے اور یہی بات امام ابو یوسفؒ بھی فرماتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ ریت، پتھر، دیوار، اینٹ، اور ایسی چیز جو مٹی کی جنس سے تو ہو لیکن پودے اگانے کے قابل نہ ہو تو اس سے تیمّم جائز

نہیں ہے۔

وجه: اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا (آیت ۴۳ سورۃ النساء ۴) کہ پانی نہ پاؤ تو صعید اطیبا سے تیمّم کرو اور صعید کا معنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگانے والی مٹی اسلئے اگانے والی مٹی ہی سے تیمّم جائز ہے ۔حضرت ابن عباسؓ کا اثر یہ ہے۔ عن ابن عباس قال اطیب الصعید الحرث والارض الحرث (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ ،ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۲/ مصنف عبد الرزاق، باب ای الصعید اطیب، ج اول ،ص ۲۱۱، نمبر ۸۱۴) اس اثر میں ہے کہ صعید سے مراد حرث یعنی اگانے والی مٹی ہے ۔(۲) مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ تراب سے تیمّم جائز ہے اور تراب کا ترجمہ ہے اگانے والی مٹی ۔حدیث یہ ہے۔عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ فضلنا علی الناس بثلاث : جعلت صفوفنا کصفوف الملائکة ، و جعلت لنا الارض کلها مسجداً ، و جعلت تربتها لنا طهوراً اذا لم یجد الماء۔(مسلم شریف، باب المساجد و مواضع الصلاۃ ،ص ۱۹۹ نمبر ۱۱۶۵/۵۲۲) اس حدیث میں تربتھا، سے مراد اگانے والی مٹی ہے اسلئے اگانے والی مٹی سے ہی تیمّم جائز ہوگا ۔

اور امام ابو یوسفؒ نے اگانے والی مٹی کے ساتھ ریت کو بھی شامل فرمایا کہ ریت سے بھی تیمّم کرسکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ دیہاتی والی حدیث میں ہے کہ ہم لوگ اس ریگستان میں رہتے ہیں اور پانی نہیں ملتا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ تم اس زمین سے تیمّم کرلیا کرو جس کا مطلب یہ نکلا کہ اس ریت سے تیمّم کرلیا کرو اسلئے ریت سے بھی تیمّم جائز ہوگا۔حدیث یہ ہے عن ابی هریرة أن اعرابیا أتوا النبی ﷺ فقالوا : یا رسول الله انا نکون فی هذه الرمال لا نقدر علی الماء و لا نری الماء ثلاثة أشهر أو اربعة اشهر. شک ابو الربیع . و فینا النفساء و الحائض و الجنب قال : علیکم بالارض ۔(سنن للبیهقی ،باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیهما التیمم عند انقطاع الدم اذا عدمتا الماء ،ج ،اول ص ۳۳۳، نمبر ۱۰۳۹) اس حدیث میں هذه الرمال کا ،مطلب ہے ہم لوگ ریگستان میں رہتے ہیں، اور آپ ؐ نے جب کہا کہ تم اپنی زمین سے تیمّم کرلیا کرو تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ریت سے تیمّم کرلیا کرو اسلئے ریت سے بھی تیمّم جائز ہے ۔(۲) اوپر کی حدیث میں ارض کا لفظ تھا اور ارض کے معنی میں ریت بھی شامل ہے اسلئے ریت سے بھی تیمّم کرسکتا ہے حدیث یہ ہے۔أخبرنا جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ قال .....جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵/ ابو داود شریف ، باب التیمم ،ص ۵۰ نمبر ۳۲۳) اس حدیث میں ارض ، ہے جسکا ترجمہ اگانے والی مٹی کے ساتھ ریت بھی شامل ہے ۔(۲) اوپر کے ایک اثر میں بھی ریت کا لفظ ہے جسکی وجہ سے ریت سے بھی تیمّم کیا جاسکتا ہے۔اثر یہ ہے ۔عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ ، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۴) اس اثر میں الرمل کا لفظ ہے جسکا ترجمہ ہے کہ ریت سے تیمّم کیا جاسکتا ہے۔

۲؎ ولهما ان الصعيد اسم لوجه الارض سمى به لصعوده، ۳؎ والطيب يحتمل الطاهر فحمل عليه لانه اليق بموضع الطهارة، ۴؎ او هو مراد بالاجماع.

ترجمه : ۲؎ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں صعید نام ہے زمین کے اوپر کے حصے کے لئے اسکے اوپر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : آیت میں جولفظ ''صعیداً''، ہے اسکے دوترجمے ہیں، ایک ترجمہ ہے اگانے والی جسکوامام شافعیؒ نے لیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صعید کو صعد سے مشتق مانیں جسکا ترجمہ ہے اوپر چڑھنا، اور مطلب ہوگا زمین کے اوپر کا حصہ (روے زمین) جس میں زمین کے جنس کی ساری چیزیں شامل ہوجائیں گی، اورسب سے تیمّم کرنا جائز ہوگا، اوپر کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں ارض کالفظ ہے جس سے زمیں کے جنس کی ساری چیزیں مرادہوں گی، حدیث یہ ہے۔ جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص۴۸ نمبر۳۳۵) اس حدیث میں ارض سے مرادزمین کے جنس کی ساری چیزیں ہوسکتی ہیں، اسلئے صعید کا ترجمہ بھی زمین کی ساری چیزیں ہونگیں۔ (۲) اوپر کے حضرت حمادؒ کے اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے گچ، پہاڑ اور ریت مراد ہے۔

ترجمه : ۳؎ اورآیت میں لفظ، طیب، احتمال رکھتا ہے طاہر کے معنی کا بھی، اسلئے اسی پرمحمول کیا جائے گا اسلئے کہ وہ طہارت کی جگہ کے زیادہ مناسب ہے۔

تشریح : یہاں سے آیت میں لفظ، طیب، ہے اسکا ترجمہ بیان کررہے ہیں۔ کہ طیب کا ترجمہ ہے اچھی مٹی، یعنی اگانے والی مٹی، اوپر کی حدیث اورقول ابن عباسؓ کی وجہ سے یہ ترجمہ حضرت امام شافعیؒ نے لیا۔ اور دوسرا ترجمہ ہے پاک مٹی، اوپر کی حدیث۔ جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص۴۸ نمبر۳۳۵) میں طھوراً کے لفظ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ طیب کا ترجمہ طھور، یعنی پاک لیا جائے، اورآیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ اورمسئلہ بھی یہی ہے کہ ناپاک مٹی سے تیمّم جائزنہیں ہے اسلئے طھارت کے موضوع کی مناسبت سے پاک مٹی ہی لینا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمه: ۴؎ یا آیت میں طیب سے، پاک مٹی مراد لینا بالاجماع ہے۔

تشریح : یہ توسب اماموں کے نزدیک ہے کہ ناپاک مٹی سے تیمّم جائزنہیں ہے صرف پاک مٹی سے جائز ہے اورسبھی ائمہ آیت کے طیبا کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ پاک مٹی ہونی چاہئے اسلئے طیبا کا معنی پاک ہے اس پرسب امام متفق ہیں اسلئے ہم بھی طیبا کا معنی پاک ہی مراد لیتے ہیں اسی پرسب کا اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے طیبا کا ایک اورمعنی بھی مراد لے لیا۔ یعنی اگانے والی مٹی، لیکن یہ انکا انفرادی معنی ہے۔ جبکہ ہم اجماعی معنی مراد لے رہے ہیں۔

(۸۶) ثم لا یشترط ان یکون علیه غبار عند ابی حنیفۃؒ ﴿ لاطلاق ماتلونا.

لغت التراب: مٹی۔ الرمل: ریت، الجص: گچ، النورۃ: چونہ، الکحل: سرمہ، الزرنیخ: ہڑتال (ایک قسم کی دھات ہوتی ہے)۔ المنبت: اگانے والی مٹی۔

ترجمہ: (۸۶) پھر یہ شرط نہیں ہے کہ اس چیز پر غبار ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱ اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے اوپر تلاوت کی۔

تشریح: مثلا پتھر مٹی کی جنس میں سے ہے اس پر تیمّم کرنے کے لئے اس پر غبار ہونا ضروری نہیں بلکہ بغیر غبار کے بھی تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم ہو جائیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں **فتیمموا صعیدا طیبا** ۔ (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) پاک مٹی سے تیمّم کرو ہے اس میں غبار ہونے کی شرط نہیں ہے اس لئے تیمّم کرنے کے لئے غبار ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آیت غبار اور عدم غبار سے مطلق ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دیوار پر تیمّم فرمایا، اور ظاہر ہے کہ دیوار پر مٹی تو ہے لیکن غبار نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ بغیر غبار کے تیمّم جائز ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **قال انطلقت مع ابن عمر فی حاجۃ الی ابن عباس .....حتی اذا کان الرجل أن یتواری فی السکۃ ، فضرب بیدیہ علی الحائط و مسح بھما وجھہ** ۔ (ابو داود شریف، باب التیمم فی الحضر، ص ۵۳، نمبر ۳۳۰) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے دیوار پر مسح کیا ۔ (۳) اثر میں ہے کہ پہاڑ سے تیمّم کرنا جائز ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ غبار ہو اسلئے بغیر غبار کے بھی تیمّم جائز ہے اثر یہ ہے۔ **عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل** (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۴) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ غبار ہونا ضروری نہیں ہے (۴) اصل میں یہ امر تعبدی ہے کہ شریعت نے جیسا کرنے کے لئے کہا وہ کرلیا اور پاکی حاصل ہوگئی چاہے ہاتھ میں غبار لگے یا نہ لگے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک غبار والی مٹی پر ہی تیمّم جائز ہے اور اسکے علاوہ پر نہیں۔ موسوعۃ کی عبارت یہ ہے **قال الشافعیؒ و کل ما وقع علیہ اسم صعید ، لم تخالطہ نجاسۃ ، فھو صعید طیب یتیمم بہ ، و کل ما حال عن اسم صعید لم یتیمم بہ ، ولا یقع اسم صعید الا تراب ذی غبار** . (موسوعۃ للامام الشافعی باب التراب الذی یتیمم بہ ولا یتیمم، ج اول، ص ۱۹۷ نمبر ۶۵۵) اس عبارت میں ہے کہ بغیر غبار کے تیمّم جائز نہیں ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ صعید کا معنی ہے غبار والی مٹی۔ اور حدیث میں اسکا ثبوت ہے **و جعلت تربتھا لنا طھوراً اذا لم یجد الماء** ۔ (مسلم شریف، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ص ۱۹۹ نمبر ۵۲۲/۱۱۶۵) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی تربت پاک ہے، اور تربت کا معنی غبار ہے اسلئے تیمّم کے لئے غبار ہونا

(۸۷) وكذا يجوز بالغبار مع القدرة على الصعيد عند ابى حنيفة، و محمدؒ ﴾ ل لانه تراب رقيق (۸۸) النية فرض فى التيمم ﴾ لوقال زفرؒ ليس بفرض لانه خلف عن الوضوء فلا يخالفه فى وصفه

ضروری ہے۔

ترجمہ: (۸۷) ایسے ہی صرف غبار سے تیمّم جائز ہے مٹی پر قدرت کے باوجود امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ بھی پتلی مٹی ہے۔

تشریح: مٹی موجود ہو پھر بھی صرف غبار سے تیمّم کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی پتلی مٹی ہے اسلئے اس سے تیمّم کرسکتا ہے۔ اوپر کی حدیث میں بھی تربتها لنا طهوراً کا لفظ گزرا جس سے معلوم ہوا کہ غبار سے تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۸۸) تیمّم میں نیت فرض ہے۔

وجہ: (۱) تیمّم کا معنی ہی ہے قصد اور ارادہ کرنے کے، اس لئے تیمّم میں تیمّم کرنے کا ارادہ اور نیت کی جائے گی تو پاکی ہوگی۔ اور بغیر ارادہ کے چہرہ اور ہاتھ پر مٹی پھر گئی تو پاکی نہیں ہوگی (۲) پانی بذاتہ خود طاہر اور طہور ہے۔ اس کے برخلاف مٹی سے تو چہرہ اور خراب ہوتا ہے۔ اس لئے وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں نیت کرنا مستحب ہے۔ اور مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے اس لئے نیت کرنے سے مطہر بنے گی۔ اس لئے تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے۔ آیت میں ہے۔ تيمموا صعيدا طيبا (آیت ۴۳، سورۃ النساء۴) اس کا ترجمہ ہے پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ جس سے ارادہ اور نیت کا ثبوت ہوا۔ (۳) اثر میں ہے کہ نیت کرے ،قال سفيان : اذا علّمت الرجل التيمم فلا يجزيك ذالك التيمم أن تصلى به الا ان نويت به أنك تيمم لنفسك ، و اذا علّمته الوضوء أجزأك ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یعلم التیمم أیجزیہ، ج اول، ص ۲۳۲ نمبر ۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ دوسرے کو تیمّم سکھانے کے لئے تیمّم کیا اور اپنے لئے تیمّم کی نیت نہیں کی تو وہ تیمّم نماز کے لئے کافی نہیں ، کیونکہ اسنے تیمّم کی نیت نہیں کی ہے، اور دوسرے کو وضو سکھانے کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے اسلئے کہ وضو میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ل امام زفرؒ نے فرمایا کہ تیمّم میں بھی نیت کرنا فرض نہیں ہے اسلئے کہ وہ وضو کا خلیفہ ہے اسلئے صفت میں وضو کے خلاف نہیں ہوگا۔

تشریح: وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بغیر نیت کے ہی وضو کرے گا تو نماز کیلئے کافی ہے ،اور تیمّم وضو کا خلیفہ

۲؎ ولنا انه ينبىء عن القصد فلا يتحقق دونه، ۳؎ او يجعل طهوراً فى حالة مخصوصة، و الماء طهور بنفسه على ما مر (۸۹)ثم اذانوى الطهارة او استباحة الصلوٰة اجزاه، ولايشترط نية التيمم للحدث، او للجنابة ۱؎ هو الصحيح من المذهب.

ہے اسلئے تیمّم میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، بغیر نیت کے بھی تیمّم کرے تو نماز کے لئے کافی ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ تیمّم، کا ترجمہ ہے ارادہ کرنا، اسلئے بغیر ارادے کے متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح: تیمّم کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے اسلئے بغیر ارادے اور نیت کے تیمّم متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس لفظ کا ترجمہ ہی نیت ہو وہ بغیر نیت کے کیسے متحقق ہوگا۔ اسلئے تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳؎ یا مٹی کو مخصوص حالت میں پاک کرنے والی قرار دی گئی، اور پانی خود بخود پاک کرنے والا ہے، جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے، کہ مٹی اصل میں تو چہرہ کو گندہ کرنے والی چیز ہے صرف مخصوص حالت میں پاک کرتی ہے وہ یہ کہ پانی نہ ہو اور نماز کا وقت ہو چکا ہو اسلئے نیت کرے گا تو مٹی پاک کرے گی اور نیت نہیں کرے گا تو وہ اپنی اصل کے اعتبار سے گندہ ہی کرے گی اسلئے پاک کرنے لئے نیت کی ضرورت ہوگی ۔ اور پانی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے صفائی کرتا ہے، اور ذات کے اعتبار سے طھور، یعنی دوسرے کو پاک کرنے والا ہے ۔ قرآن میں اسکو ذات کے اعتبار سے دوسرے کو پاک کرنے والا کہا ہے۔ و أنزلنا من السماء ماء طهورا ً. (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) اسلئے پانی کے استعمال کرتے وقت نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۸۹) پھر اگر طھارت کی نیت کرے، یا نماز مباح ہونے کی نیت کرے تب بھی کافی ہو جائے گا، اور حدث، یا جنابت کے لئے تیمّم کی نیت کی شرط نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ صحیح مذھب یہی ہے۔

تشریح: ایک ہے وضو یعنی حدث اصغر سے طہارت حاصل کرنا، اور دوسرا ہے غسل جنابت یعنی حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا، ان دونوں ہی میں طھارت ہے، البتہ ایک بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا ہے، تو کیا ہر ایک لئے الگ الگ نیت کرنی ہوگی، یا صرف طھارت کی نیت کافی ہے۔ تو مصنف فرماتے ہیں کہ صرف طھارت کی نیت کافی ہے حدث اصغر، یا جنابت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، یا نماز مباح کرنے کی نیت ہو تب بھی تیمّم ہو جائے گا، صحیح مذھب یہی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیثوں میں دونوں تیمموں میں کوئی فرق نہیں کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں ہی طھارت ہیں اسلئے مطلق طھارت کی نیت سے دونوں کی ادائیگی ہو جائے گی۔

(۹۰) فان تیمم نصرانی یرید بہ الاسلام ثم اسلم لم یکن متیمما عند ابی حنیفۃؒ و محمدؒ ، و قال ابو یوسفؒ ھو متیمم﴾

فائدہ : حضرت ابوبکر رازیؒ نے فرمایا کہ وضو چھوٹا حدث ہے اور غسل بہر حال بڑا ہے اسلئے وضو کے لئے الگ وضو کی نیت کرنی ہوگی ، اور غسل کے لئے غسل کی نیت کرنی ہوگی ۔ اگر غسل جنابت کی حاجت ہے اور مطلق طھارت کی نیت کی تو اس تیمّم سے نماز نہیں ہوگی ۔

ترجمہ : (۹۰) پس اگر نصرانی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمّم کیا پھر اسلام لایا تو امام ابوحنیفۃ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ تیمّم کرنے والا نہیں ہے ، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ تیمّم کرنے والا ہے ۔

تشریح : ایک غیر مسلم آدمی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمّم کیا پھر اسلام لانے کے بعد اسی تیمّم سے نماز پڑھنا چاہتا ہے ۔ تو کیا اسکا تیمّم صحیح ہے اور وہ اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے ؟ تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نہیں پڑھ سکتا ہے ۔ کیونکہ اسکا تیمّم ہی صحیح نہیں ہے ۔

وجہ : یہاں تین الگ الگ قاعدے ہیں اور ان پر چار مسئلے متفرع ہیں

(۱) تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے ۔ اسلئے نیت کرنے کا اھل بھی ہونا چاہئے ، یعنی مسلمان ہونا چاہئے ، اور نصرانی نیت کرنے کا اھل نہیں ہے اور نہ اسکی نیت کا اعتبار ہے اسلئے اس نے تیمّم کیا تو وہ تیمّم درست نہیں ہوا ، اور اس تیمّم سے نماز درست نہیں ہوگی ۔ متن کی عبارت کا مطلب یہی ہے ۔

(۲) ایسی عبادت کے لئے تیمّم کرے جو بغیر وضو کے جائز نہیں ہے ، تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے ، جیسے سجدۃ تلاوت کے لئے وضو کیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے ، لیکن اگر مسجد میں جانے کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا ، کیونکہ مسجد میں بغیر وضو کے جانا جائز ہے ۔

(۳) عبادت مقصودہ کے لئے تیمّم کیا ہو تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے ، لیکن ایسی عبادت جو خود مقصود نہ ہو بلکہ اسکے کرنے سے دوسری عبادت مقصود ہو تو اس عبادت کے لئے تیمّم کیا ہو تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا ، جیسے قرآن بغیر وضو کے نہیں چھو سکتا ، لیکن قران کا چھونا مقصد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد ہے قران پڑھنا ۔ اسلئے کسی نے قرآن چھونے کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا ، کیونکہ چھونا عبادت مقصودہ نہیں ہے اور نماز پڑھنا عبادت مقصودہ ہے ۔ اسکے سمجھنے کے بعد اب عبارت سمجھیں ۔ کہ نصرانی اور کافر اسلام لانے کے لئے تیمّم کرے تو اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا ہے ، کیونکہ اسلام لانا اگر چہ عبادت مقصودہ ہے لیکن بغیر وضو کے بھی درست ہے اس لئے اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا ، دوسری وجہ یہ ہے کہ ، تیمّم درست ہونے کے لئے نیت کرنا ضروری

۱؎ لانہ نوی قربۃ مقصودۃ بخلاف التیمم لدخول المسجد، و مس المصحف لانہ لیس بقربۃ مقصودۃ ۲؎ ولھما ان التراب ماجعل طھوراً الا فی حال ارادۃ قربۃ مقصودۃ لا تصح بدون الطھارۃ، والاسلام قربۃ مقصودۃ یصح بدونھا بخلاف سجدۃ التلاوۃ لانھا قربۃ مقصودۃ لا تصح بدون

ہےاور کافر کی نیت کا اعتبار نہیں ہےاس لئے اس کا تیمّم ہی اتنا مضبوط نہیں ہوا کہ اس سے نماز پڑھ سکے۔

ترجمہ : ۱؎ اورامام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ تیمم کرنے والا ہے اسلئے کہ اس نے قربت مقصودہ کی نیت کی ،بخلاف مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمّم ،اورقرآن چھونے کے لئے تیمّم اسلئے کہ وہ قربت مقصودہ نہیں ہیں۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانا قربت مقصودہ ہے بلکہ اہم مقصد ہے اسلئے چاہے نصرانی اورکافر ہی اسلام لانے کے لئے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے،اسلئے کہ نماز بھی عبادت مقصودہ ہےاوراسلام بھی عبادت مقصودہ ہے۔البتہ اگر مسجد میں داخل ہونے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا،اسلئے کہ مسجد میں داخل ہونا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اس میں داخل ہوکر نماز پڑھنا مقصد ہے۔اسی طرح قرآن کے چھونے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ قرآن چھونا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اسکو چھوکر اسکو پڑھنا مقصد ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ عبادت مقصودہ کے لئے تیمّم کیا ہوتب ہی اس سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مٹی کوطھور نہیں بنایا مگر ایسی قربت مقصودہ کے لئے جو بغیر وضو کے صحیح نہ ہو، اوراسلام لانا قربت مقصودہ تو ہے لیکن بغیر وضو کے صحیح ہے (اسلئے اس تیمّم سے نماز درست نہیں) بخلاف سجدۃ تلاوت کے کہ وہ قربت مقصودہ ہے اور بغیر وضو کے صحیح نہیں ہے (اسلئے اس تیمّم سے نماز درست ہے)

تشریح : یہاں تراب سے مراد تیمّم ہے۔اس تیمّم سے نماز درست ہوگی جو عبادت مقصودہ کے لئے کیا گیا ہو،اوردوسری شرط یہ ہے کہ ایسی عبادت مقصودہ ہو کہ وہ بغیر وضو کے درست نہ ہو،اور اسلام لانا عبادت مقصودہ تو ہے لیکن بغیر وضو کے بھی اسلام لانا درست ہے اسلئے اس تیمّم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔اسکے برخلاف سجدۃ تلاوت عبادت مقصودہ ہے،اور بغیر وضو کے جائز نہیں ہے اسلئے کسی نے سجدۃ تلاوت کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ پانی پر قادر نہ ہو۔اورایک وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ نصرانی مسلمان نہیں ہے اسلئے اسکی نیت کا اعتبار نہیں ہےاور تیمّم میں نیت کی ضرورت ہے اسلئے نصرانی کا تیمّم درست نہیں اور نہ اس تیمّم سے اسلام لانے کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس قاعدے پر متفرع ہے کہ تیمّم کے لئے نیت ضروری ہے۔اورنیت کے لئے اسکا اہل ہونا ضروری ہے۔

لغت : قربۃ مقصودۃ: وہ عبادت جو خود مقصود ہو، جیسے نماز پڑھنا خود مقصود ہے،اور قرآن کا چھونا خود مقصود نہیں ہے بلکہ اسکو پڑھنا

الطهارة (٩١) وان توضاء لايريد به الاسلام ثم اسلم فهو متوضئ ﴾ لـ خلافاً للشافعيؒ بناء على اشتراط النية، (٩٢) فان تيمم مسلم ثم ارتد و العياذ بالله ثم اسلم فهو على تيممه ﴾ لـ وقال زفرؒ يبطل تيممه لان الكفر ينافيه فيستوى فيه الابتداء و الانتهاء كالمحرمية فى النكاح

مقصود ہے۔مس: چھونا۔المصحف: قرآن کریم۔

ترجمہ : (٩١) اوراگر وضو کیا جس سے اسلام لانے کا ارادہ نہ ہو پھر اسلام لے آیا تو وہ وضو والا ہے (اس وضو سے نماز ہو جائے گی)

تشریح : نصرانی، یا کافر نے وضو کیا، اس وضو سے اسلام لانے کی نیت نہیں تھی، پھر اسلام لے آیا اب اس وضو سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، اسکا وضو صحیح ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وضو درست ہونے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے وضو کرنے لئے اھل ہونا یعنی مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے، اور جب وضو درست ہے تو اس وضو سے نماز بھی درست ہے۔

ترجمہ: لـ برخلاف امام شافعیؒ کے بنا کرتے ہوئے نیت کی شرط لگانے پر۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وضو کے لئے بھی نیت ضروری ہے۔اور نصرانی مسلمان نہیں ہے اور نہ وہ نیت کا اھل ہے اسلئے اسکا وضو درست نہیں اسلئے اس وضو سے نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں پڑھ سکتا۔

ترجمہ: (٩٢) اوراگر مسلمان نے تیمّم کیا اور العیاذ باللہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو وہ اپنے تیمّم پر برقرار ہے۔

تشریح : تیمّم کرتے وقت مسلمان تھا اسلئے اسکا تیمّم درست ہے، بیچ کے ارتداد سے تیمّم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اسلئے دوبارہ مسلمان ہو گیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک کفر ناقض نہیں ہے، اور نہ وہ تیمّم کے خلاف ہے۔

ترجمہ : لـ حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اسکا تیمّم باطل ہو جائے گا اسلئے کہ کفر تیمّم کے منافی ہے اور اس میں ابتداء اور انتہاء برابر ہے جیسے نکاح میں محرمات عورتیں۔

تشریح : حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفر کی حالت میں تیمّم کرنے سے تیمّم نہیں ہوتا کیونکہ کفر تیمّم کے منافی ہے، تو جس طرح شروع میں کفر ہو تو تیمّم نہیں ہوتا اسی طرح تیمّم کے درمیان کفر آجائے تو تیمّم توڑ دے گا، (١) جیسے محرمات عورتیں نکاح سے پہلے بھی حرام ہیں اور نکاح ہو جائے پھر بیوی یا شوہر محرمات بن جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔(٢) وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے کہ مرتد ہونے سے دنیا اور آخرت کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اور دنیا کے اعمال میں سے تیمّم بھی ہے اسلئے تیمّم بھی باطل ہو جائے گا۔آیت یہ ہے و من یرتدد منکم عن دینه فیمت و هو کافر فأولئک حبطت أعمالهم فی الدنیا و الآخرة.

۲؎ ولنا ان الباقی بعد التيمم صفة كونه طاهراً فاعتراض الكفر عليه لا ينافيه كما لو اعترض على الوضوء، ۳؎ و انما لا يصح من الكافر ابتداء لعدم النية منه. (۹۳) و ينقض التيمم كل شیء ينقض الوضوء ۱؎ لانه خلف عنه فاخذ حكمه. (۹۴) وينقضه ايضا رویة الماء اذا قدر على استعماله﴾

(آیت ۲۱۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمّم کرنے کے بعد اس صفت پر باقی ہے کہ وہ پاک ہے تو بیچ میں کفر کا پیش آنا تیمّم کے منافی نہیں، جیسے کی وضو پر پیش آ جائے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں تیمّم کیا ہے اسلئے تیمّم تو درست ہے اسلئے بیچ میں کفر کا آ جانا تیمّم کے منافی نہیں ہے، جیسے مسلمان وضو کیا ہو پھر مرتد ہو گیا تو ارتداد سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح ارتداد سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ بھی طھارت ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور کافر سے ابتداءً تیمّم صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس سے نیت نہیں ہے۔ کفر کی حالت میں ابتدائی طور پر تیمّم اسلئے صحیح نہیں کہ تیمّم میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور کافر کی نیت کا اعتبار نہیں ہے اسلئے اسکا تیمّم درست نہیں، لیکن تیمّم ہو جانے کے بعد ارتداد سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔

﴿ نواقض تیمّم کا بیان ﴾

ترجمہ: (۹۳) تیمّم کو وہ تمام چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے اسلئے وضو کا حکم لیا۔

وجہ: ۔ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے جو احداث وضو کو توڑتے ہیں وہ تمام تیمّم کو بھی توڑ دیں گے۔ اسی طرح غسل کا تیمّم غسل کے قائم مقام ہے۔ اس لئے جو جنابت، حیض اور نفاس غسل کو توڑتے ہیں وہ غسل کے تیمّم کو توڑ دیں گے۔

ترجمہ: (۹۴) نیز تیمّم کو توڑ دے گا پانی کو دیکھنا جب کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہو۔

وجہ: چونکہ تیمّم پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں جائز ہے اس لئے جوں ہی پانی پر قدرت ہو گی تیمّم ٹوٹ جائیگا۔ آیت میں ہے فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا. (آیت ۴۳، سورۃ النساء ۴) . کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو۔ اور اس نے پانی پا لیا اسلئے تیمّم ٹوٹ جائیگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پانی استعمال کرنے پر قدرت ہو، لیکن اگر پانی پایا اور بیمار ہونے کی وجہ سے پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے تو تیمّم نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہونا اصل ہے۔

۱ لان القدرة هی المراد بالوجود الذی هو غایة لطهوریة التراب ۲ وخائف السبع، والعدو، والعطش عاجز حکما ۳ والنائم عند ابی حنیفةؒ قادر تقدیراً، حتی لو مر النائم المتیمم علی الماء بطل تیممه عنده،

نوٹ: وضو کا تیمّم ٹوٹنے کے لئے وضو کی مقدار پانی اور غسل کے تیمّم کے لئے غسل کی مقدار پانی پر قدرت ہو تب تیمّم ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ آیت میں پانی پانے سے مراد اسکے استعمال پر قدرت ہونا ہے جو مٹی کے پاک کرنے کی غایت ہے۔

تشریح: آیت میں پانی پانے کا مطلب پانی کے استعمال پر قدرت ہونا ہے، اسلئے کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہو تب ہی مٹی سے پاک کرنے کو چھوڑا جا سکتا ہے اور اگر استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ جملہ آیت میں پانی پانے کی تشریح ہے۔

لغت: هو غاية لطهورية التراب : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم اس وقت تک کر سکتا ہے جب تک پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو اور جب پانی کے استعمال پر قدرت ہوگئی تو اب مٹی سے طھارت حاصل نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ۲ اور پھاڑ کھانے والے جانور سے خوف کرنے والا اور دشمن سے خوف کرنے والا، اور پیاسا حکما عاجز ہیں۔

تشریح: کسی کے قریب پانی تو ہے لیکن اگر سکو استعمال کرنے جائے گا تو خوف ہے کہ اسکو پھاڑ کھانے والا جانور پھاڑ کھائے گا، یا دشمن مار ڈالے گا، یا پانی کم ہے اگر اس پانی کو وضو میں استعمال کر لے تو بعد میں پیاس سے مر جائے گا اسلئے اسکے پاس پانی ہونے کے باوجود یہ سمجھا جائے گا کہ اسکے پاس پانی نہیں ہے، اور یہ پانی سے عاجز ہے اسلئے یہ لوگ تیمّم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ فلم تجدوا ماء ، میں داخل ہیں۔

ترجمہ: ۳ اور سونے والا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حکما پانی پر قدرت رکھنے والا ہے، چنانچہ اگر تیمّم کر کے سونے والا پانی پر گزرے تو انکے نزدیک اسکا تیمّم باطل ہو جائے گا۔

تشریح: غسل کا تیمّم کر کے کوئی آدمی سوتے ہوئے اتنے پانی پر گزر گیا کہ اس سے غسل کر سکتا تھا تو اسکا تیمّم ٹوٹ جائے گا اور اسکو دوبارہ غسل کا تیمّم کرنا ہوگا، اسلئے کہ سونے والا حکما پانی پر قدرت رکھتا ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک رائے ہے، اور اسکی ایک مثال یہ ہے کہ احرام باندھ کر عرفات میں سوتے ہوئے گزر جائے تو عرفات ادا ہو جاتا ہے چاہے اسکو معلوم نہ ہو کہ یہ عرفات ہے تو سوتے ہوئے عرفات میں گزرنا بھی عرفات پر قدرت رکھنا ہے، اسی طرح یہاں پانی پر سوتے ہوئے گزرنا بھی پانی پر قدرت رکھنا ہے۔ البتہ اکثر ائمہ اس بات کی طرف گئے کہ سوتے ہوئے پانی پر گزرنا پانی پر قدرت رکھنا نہیں ہے۔

لغت: السبع : پھاڑ کھانے والا جانور، العدو : دشمن، العطش : پیاسا، عاجز : عاجز ہے، گویا کہ پانی پانے والا نہیں ہے۔

۴ و المراد ما يكفي للوضوء لانه لا معتبر بما دونه ابتداءً فكذا انتهاء.

ترجمہ : ۴ اور پانی سے مراد اتنی مقدار ہے جو وضو کے لئے کافی ہو اسلئے کہ شروع میں اس سے کم کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے ایسے ہی اخیر میں اسکا کوئی اعتبار نہیں۔

تشریح : متن میں گزرا کہ پانی پر قدرت ہو جائے تو اس سے تیمّم ٹوٹ جائے گا، اب فرماتے ہیں کہ اس پانی سے اتنی مقدار ہے جس سے وضو کر سکے تو اس سے وضو کا تیمّم ٹوٹے گا، یا اتنا پانی ہو جس سے غسل کر سکے تو اس پانی سے غسل کا تیمّم ٹوٹے گا، اور اگر اس سے کم پانی ملا تو اس سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ شروع میں کم پانی ہو تو اس سے وضو واجب نہیں ہوتا بلکہ تیمّم کرنا واجب ہوتا ہے تو بعد میں کم پانی ملے تو اس سے تیمّم کیسے ٹوٹے گا؟۔ وضو کے لئے کم سے کم ایک مد پانی ہونا چاہئے، جو اس دور کے وزن کے اعتبار سے 884.5 گرام پانی ہوتا ہے، یا لیٹر کے اعتبار سے 1.470 لیٹر، یعنی ایک لیٹر اور 470 میلی لیٹر کا ہوتا ہے۔ یعنی اتنے پانی سے وضو ہو جائے گا اور اتنا پانی مل جائے تو وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اور غسل کے لئے کم سے کم ایک صاع پانی ہونا چاہئے جو اس دور کے وزن کے اعتبار سے 3.538 کیلو، یعنی 3 کیلو اور 538 گرام پانی، اور لیٹر کے اعتبار سے ایک صاع 5.880 لیٹر، یعنی 5 لیٹر اور 880 میلی لیٹر کا ہوتا ہے، یعنی اتنا پانی مل جائے تو غسل کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ حضورؐ وضو کے لئے ایک مد اور غسل کے لئے ایک صاع پانی استعمال فرماتے تھے، حدیث یہ ہے۔ قال سمعت أنسا يقول : كان النبیؐ يغسل أو كان يغتسل بالصاع الى خمسة أمداد و يتوضأ بالمد ۔(بخاری شریف، باب الوضوء بالمد، ص ۳۳، نمبر ۲۰۱ / مسلم شریف، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل الجنابۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۳۲۵ / ۷۳۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ایک صاع سے غسل جنابت فرماتے اور ایک مد سے وضو فرماتے تھے۔ انگریزی ناپ میں صاع اور مد کی مقدار ذیل میں دیکھیں۔

﴿ مد اور صاع کا وزن ایک نظر میں ﴾

فارمولہ				فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
ایک کیلو	=	1000 گرام		ایک ماشہ	=	8 رتی
8 رطل	=	ایک صاع		ایک تولہ	=	12 ماشہ
4 مد	=	ایک صاع		ایک تولہ	=	11.664 گرام
2 رطل	=	ایک مد		ایک قیراط	=	0.218 گرام
884.5 گرام کا ہوتا ہے	=	ایک مد		ایک مثقال	=	4.374 گرام

(۹۵) ولايتيمم الا بصعيد طاهر ﴿ ۱؎ لان الطيب اريدبه الطاهر ۲؎ ولانه آلة التطهير فلا بدمن طهارته في نفسه كالماء (۹۶) ويستحب لعادم الماء وهويرجوه ان يؤخرالصلوةالى آخرالوقت،فان وجد الماء يتوضأ،والاتيمم وصلى

5.880 لیٹر کا ہوتا ہے	=	ایک صاع		ایک رطل	=	442.25 گرام
1.470 لیٹر کا ہوتا ہے	=	ایک مد		ایک صاع	=	3538 گرام
				آدھا صاع	=	1769 گرام

ترجمہ:(۹۵)اور تیمّم جائز نہیں ہے مگر پاک مٹی سے۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے فتيمموا صعيدا طيبا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) کہ پاک مٹی سے تیمّم کرو۔اس لئے ناپاک مٹی سے تیمّم درست نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ پاک مٹی سے تیمّم درست ہوگا فقال ابو ذر... فقال رسول الله ﷺ يا ابا ذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين فاذا وجدت الماء فامسه جلدك (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) اس حدیث میں ہے کہ پاک مٹی پاک کرنے والی ہے اسلئے ناپاک مٹی سے تیمّم جائز نہیں ہوگا (۳) جب مٹی دوسرے کو پاک کرے گی تو خود بھی پاک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ آیت میں لفظ طیب سے مراد طاھر ہے۔اسلئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ مٹی پاک کرنے کا آلہ ہے اسلئے خود اسکا پاک ہونا ضروری ہے، جیسے کہ پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

تشریح : مٹی کے ذریعہ جسم کو پاک کیا جائے گا، تو ظاہر ہے کہ خود مٹی کو بھی پاک ہونا چاہئے، جس طرح پانی سے جسم پاک کرتے ہیں تو خود پانی کا پاک ہونا ضروری ہے، ورنہ تو یہ دوسرے کو پاک کیسے کرے گا! یہ جملہ مٹی کے پاک ہونے کی دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ : (۹۶) اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو پانی نہ پاتا ہو لیکن امید ہے کہ آخری وقت میں پانی پالیگا تو نماز آخری وقت تک مؤخر کردے۔پس اگر پانی پایا تو وضو کرے اور نماز پڑھے ورنہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ : (۱) جس کے پاس ابھی پانی نہیں ہے تو وہ ابھی بھی تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔کیونکہ حقیقت میں مجبوری تو ابھی ہے۔البتہ پانی ملنے کی امید ہے اس لئے اصل پر عمل کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے تک نماز مؤخر کرے۔پس اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے اصل پر نماز پڑھے ورنہ تو تیمّم کرکے نماز پڑھے (۲) حضرت علیؓ کا قول ہے۔ عن علی قال : اذا اجنب

۱؎ لیقع الاداء باکمل الطهارتین فصار کالطامع فی الجماعة ۲؎ وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ فی غیر روایة الاصول ان التاخیر حتم لان غالب الرأی کالمتحقق

الرجل فی السفر تلوم ما بینه و بین آخر الوقت فان لم یجد الماء تیمم و صلی. (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷/ سنن للبیہقی، باب من تلوم ما بینہ و بین آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی امید کرنے والوں کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

نوٹ: اول وقت میں نماز پڑھ لی پھر پانی پایا تو نماز نہیں لوٹائے گا۔ ابوداود کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن ابی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلاۃ و لیس معهما ماء فتیمما صعیدا طیبا فصلیا ثم وجدا الماء فی الوقت فأعاد أحدهما الصلاۃ و الوضوء و لم یعد الآخر، ثم أتیا رسول الله ﷺ فذکر اذالک له فقال للذی لم یعد ((أصبت السنة و أجزأتک صلاتک،))وقال للذی توضأ توضأ و أعاد ((لک الاجر مرتین)) (ابوداؤد شریف، باب المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت، ص ۵۵، نمبر ۳۳۸) اس حدیث میں ہے کہ تیمم کر کے نماز پڑھی اور وقت کے اندر ہی پانی پالیا تو دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تا کہ ادائگی دونوں طھارتوں میں سے اکمل پر ہو جائے تو ایسا ہوا کہ جیسے جماعت میں لالچ کرنے والا ہو۔

تشریح: کسی کو پانی کی امید ہو تو پانی کی تلاش میں آخر وقت تک انتظار کرے تا کہ پانی مل جائے تو طھارت کاملہ پر وضو کر کے نماز پڑھے، جس طرح جماعت پانے کی امید ہو تو تاخیر کرے تا کہ جماعت کے ساتھ اکمل پر نماز پڑھے، تاہم اگر پہلے نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے اصول کی روایت کے علاوہ میں ہے کہ پانی کے لئے تاخیر کرنا ضروری ہے، اسلئے کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے۔

تشریح: اصول کی جو کتاب ہے اسکے علاوہ میں یہ مذکور ہے کہ جسکو پانی نہ ملا ہو اور پانی پانے کی امید ہو تو اسپر تاخیر کرنا ضروری ہے، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ غالب گمان ہو کہ پانی مل جائے گا تو گویا کہ پانی مل گیا اسلئے پانی کے لئے موخر کرنا ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے قول میں تاکید ہے کہ پانی کی امید رکھنے والا ضرور نماز موخر کرے، اثر یہ ہے ۔عن علی قال : اذا اجنب الرجل فی السفر تلوم ما بینه و بین آخر الوقت فان لم یجد الماء تیمم و صلی. (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷/ سنن للبیہقی، باب من تلوم ما بینہ و بین آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰۱) اس اثر میں ہے کہ پانی کی امید رکھنے والا اخیر وقت تک موخر کرے ۔(۲) اس اثر میں بھی ہے کہ موخر کرے

٣؎ وجه الظاهر ان العجز ثابت حقيقة فلا يزول حكمه الا بيقين مثله (٩٧) ويصلى بتيممه ماشاء من الفرائض و النوافل ﴿١؎ وعند الشافعيؒ يتيمم لكل فرض لانه طهارة ضرورية

۔عن الحسن و ابن سيرين أنهماقالا : لا يتيمم ما رجاأن يقدر على الماء فى الوقت ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، من قال لا یتیمم مار جا أن یقدر علی الماء، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۰) اس اثر میں ہے کہ پانی کا امید رکھنے والا نماز موخر کرے۔

ترجمہ: ٣؎ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی حقیقۃ عجز ثابت ہے اسلئے اسکا حکم اسی کی طرح یقین کے بغیر زائل نہیں ہوگا۔

تشریح : ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی پانی ملا ہوا نہیں ہے اور حقیقت میں عاجزی ثابت ہے اسلئے جب تک حقیقت میں پانی نہ مل جائے اور پانی ملنے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک موخر کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مقام مربد النعم میں تھے وہاں سے مدینہ طیبہ سے قریب تین میل پر تھے اور پانی ملنے کی پوری امید تھی پھر بھی انہوں نے نماز موخر نہیں کی اور اول وقت میں نماز پڑھ لی، اگر نماز موخر کرنا ضروری ہوتا تو حضرت ابن عمر ضرور موخر کرتے۔ اثر یہ ہے۔عن نافع ، أن ابن عمر يتيمم بمربد النعم و صلى وهو على ثلاثلة أميال من المدينة ، ثم دخل المدينة و الشمس مرتفعة فلم يعد ،(دار قطنی، باب فی کراھیۃ امامۃ المتیمم المتوضئین، ص ۱۹۵، نمبر ۷۰۷/ باب ماروی فی طلب الماء وفی حد الطلب، ص ۳۵۵، نمبر ۱۱۰۳) اس اثر میں ہے کہ اول وقت میں حضرت ابن عمر نے تیمّم کر کے نماز پڑھی اور پانی کی امید میں تاخیر نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ تاخیر کرنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: (٩٧) ایک تیمّم سے جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

وجہ : (۱) تیمّم وضو کا مکمل نائب ہے۔جس طرح ایک وضو سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمّم سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ وقت ختم ہوتے ہی تیمّم ٹوٹ جائے گا (۲) آیت میں وضو، غسل اور تیمّم کے تذکرے کے بعد یہ فرمایا ۔ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم و ليتم نعمته عليكم (آیت ٦ سورۃ المائدہ ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمّم تینوں کے ذریعہ مکمل پاک کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے تیمّم سے بھی وضو کی طرح کئی نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) حدیث میں ہے۔ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجدالماء الى عشر سنين. (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) طھور کا مطلب ہے بار بار پاک کرنا، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یہ وضو کی طرح ایک ہی تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہو۔(۴) اثر میں ہے کہ ایک تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔عن عطاء قال : يصلى بالتيمم الصلوات كلها مالم يحدث ،(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۴ فی المتیمم کم یصلی بہ من صلاۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۱۶۹۴/ مصنف عبد الرزاق، باب کم یصلی بتیمم واحد، ص ۲۱۵، نمبر ۸۳۵) اس اثر میں ہے کہ ایک ہی تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ١؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تیمّم کرے گا ہر فرض کے لئے اسلئے کہ یہ طہارت ضروریہ ہے۔

۲ولنا انه طهور حال عدم الماء فيعمل عمله ما بقى شرطه (۹۸) و يتيمم الصحيح فى المصر اذا حضرت جنازة و الولى غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلوة ﴾ ل لانها لاتقضى فيتحقق العجز

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک تیمّم مجبوری کے درجے میں ہے کہ پانی نہ ملے تب تیمّم جائز ہوتا ہے جسکو طھارت ضروریۃ کہتے ہیں۔اسلئے جیسے ہی ایک نماز پڑھی تو ضرورت ختم ہوگئی،اور جب دوسری نماز کا وقت آیا اور پانی نہیں ملا تو اب تیمّم کی دوبارہ ضرورت پڑی اسلئے اب دوبارہ تیمّم کرے گا اور اس سے نماز پڑھے گا اسلئے ایک تیمّم سے ایک ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ جعل الله تعالى المواقيت للصلوة فلم يكن لاحد ان يصليها قبلها ، و انما امرنا بالقيام اليها اذا دخل وقتها ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب متی یتیمم للصلوۃ، ج اول، ص ۱۸۳ نمبر ۶۰۱) اس عبارت میں ہے کہ نماز کے وقت سے پہلے تیمّم نہ کرے،اس لئے ہر نماز کے لئے الگ الگ تیمّم ہوگا۔

وجه: (۱) تیمّم ان کے نزدیک طہارت ضروری ہے یعنی وقت آنے پر پانی نہ ملے تو اب اس وقت تیمّم کریں۔اس لئے تیمّم کی ابتدا وقت فرض آنے پر ہوگی (۲) حضرت عمرو ابن العاص، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے یتیمم لکل صلوۃ ۔(دار قطنی ، باب التیمم وانہ یفعل لکل صلوۃ ج اول ص ۱۹۳ نمبر ۶۹۸ / السنن للبیھقی ، باب التیمم لکل فریضۃ ، ج اول ، ص ۳۳۹ ، نمبر ۱۰۵۴) اس لئے وہ ہر نماز کے وقت الگ الگ تیمّم کرنا واجب قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی پانی نہ ہونے کی حالت میں بار بار پاک کرنے والی ہے اسلئے پانی کا ہی عمل کرے گی جب تک اسکی شرط باقی ہے۔یعنی جب تک پانی پر قدرت نہیں ہے تو اسکی جگہ پر مٹی موجود ہے اور ایک پانی کے وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے تو اسکا خلیفہ یعنی ایک تیمّم سے بھی کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔(۲) اثر اوپر گزر چکا ہے کہ ایک تیمّم سے تمام نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۹۸) جائز ہے تیمّم کرنا تندرست آدمی کے لئے جو مقیم ہو۔جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں مشغول ہو تو نماز جنازہ اس سے فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ نماز جنازہ کی قضا نہیں ہے اسلئے عجز متحقق ہے،اسلئے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔اس لئے جو آدمی میت کا ولی نہیں ہے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے ہمیشہ کے لئے وہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اب چاہے وہ تندرست ہے، مقیم ہے پانی ایک میل کے اندر ہے لیکن خوف ہے کہ وضو کرنے گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اس مجبوری کی بنا پر گویا کہ اس کو پانی پر قدرت نہیں

(۹۹) و كذا من حضر العيد فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته العيد يتيمم ﴿ لانها لا تعاد ٢ وقوله : الولي غيره اشارة الى انه لا يجوز للولي و هو رواية الحسن عن ابی حنيفةؒ هو الصحيح لان للولی

ہےاس لئے تیمّم کر کےنماز جنازہ پڑھ سکتا ہے

وجه: (۱) عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم و صلی. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل ان یخاف ان تفوتہ الصلوۃ علی الجنازۃ وھو غیر متوضی، ج ثانی، ص ۴۹۷، نمبر ۱۱۴۶۷، کتاب الجنائز) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوف ہو تو نماز جنازہ کے لئے تیمّم کر سکتا ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس لئے تیمّم کرنے کی مجبوری نہیں ہے۔اس لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے کے لئے تیمّم نہیں کر سکتا (۲) عن ابن عمر انه قال لا يصلى على الجنازة الا وهو طاهر. (السنن للبیھقی، باب الصحیح المقیم یتوضأ المکتوبۃ والجنازۃ والعید ولا یتیمم، ج اول، ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳) وہ طہارت سے صرف وضو کی طہارت مراد لیتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ مجبوری کے موقع پر تیمّم بھی طہارت ہے اس لئے ابن عمر کا قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوا (۳) اثر میں ہے عن عطاء في الرجل يحضر الجنازة فيخاف أن تفوته الصلاة عليها قال: لا يتيمم۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل یخاف أن تفوتہ الصلاۃ علی الجنازۃ وھو غیر متوضی ج ثانی، ص ۴۹۸، نمبر ۱۱۴۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تیمّم نہ کرے۔

نوٹ: خود ولی کی نماز جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم نہیں کر سکتا۔کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔اس لئے اس کے حق میں مجبوری نہیں ہوئی۔

ترجمہ: (۹۹) ایسے ہی جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس سے عید کی نماز فوت ہو جائے گی (تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے)

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ عید دوبارہ ادا نہیں کی جا سکتی۔

وجہ: (۱) نماز عید بھی امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اور وضو کے لئے جائے گا تو نماز فوت ہو جائے گی۔اس لئے گویا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے۔اس لئے تیمّم کر کے نماز عید پڑھ سکتا ہے۔باقی دلائل اوپر گزر گئے (۲) عن ابراهيم قال يتيمم للعيدين والجنازة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳۹ لرجل یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی ص ۹، نمبر ۵۸۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اور عید کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور متن میں یہ قول کہ ولی اسکے علاوہ ہو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھے، یہی امام ابو حنیفہؒ سے حضرت حسنؒ کی روایت ہے اور یہی صحیح ہے اسلئے کہ ولی کو نماز جنازہ لوٹانے کا حق ہے اسلئے

حق الاعادة فلا فوت فی حقه (۱۰۰)وان احدث الامام او المقتدی فی صلوة العید تیمم وبنی عند ابی حنیفةؒ، وقالا: لا یتیمم ﴿ ۱؎ لان اللاحق یصلی بعد فراغ الامام فلایخاف الفوت ۲؎ وله ان الخوف باق

اسکے حق میں فوت ہونا نہیں ہے۔

تشریح : مسئلہ نمبر ۹۸ میں تھا کہ ولی میت کے علاوہ ہو اور جنازے کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ خود ولی کو خوف ہو کہ جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ ولی سے نماز جنازہ فوت ہو جائے تو وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اسلئے اسکے حق میں فوت ہونے کا خوف نہیں ہے، اسلئے وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ حضرت حسنؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے یہی روایت ہے۔

اصول : اس مسئلہ کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ جسکے حق میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ترجمہ : (۱۰۰) اور اگر امام نے یا مقتدی نے عید کی نماز میں حدث کر دیا تو تیمّم کرے اور بناء کرے امام ابوحنیفہؒ، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تیمّم نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد نماز پوری کرلے گا اسلئے نماز عید کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔

تشریح: وضو کر کے امام یا مقتدی عید کی نماز پڑھ رہے تھے کہ درمیان میں حدث ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ چونکہ وضو کرنے جائے گا تو نماز عید کے فوت ہونے کا خوف ہے اسلئے وہیں تیمّم کرے اور نماز پوری کرلے۔

وجہ: اثر میں ہے کہ تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔ **عن عبد الرحمن بن قاسم فی الرجل یحدث فی العید و یخاف الفوت قال : یتیمم و یصلی اذا خاف** ، (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۳۹ فی من یحدث یوم العید مایصنع ، ج ثانی، ص ۱۰، نمبر ۵۸۶۸) اس اثر میں ہے کہ نماز عید میں حدث ہو جائے تو تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم نہ کرے اسلئے کہ یہ آدمی لاحق ہے اسلئے امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی نماز پوری کرلے گا اسلئے نماز عید کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔ اور جب فوت ہونے کا خوف نہیں ہے تو تیمّم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: اثر میں ہے۔ **عن الحسن فی الرجل یحدث یوم العید قال : یطلب الماء فلیوضأ و لا یتیمم** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۳۹ فی من یحدث یوم العید مایصنع ، ج ثانی، ص ۱۰، نمبر ۵۸۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تیمّم نہ کرے بلکہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز ٹوٹنے کا خوف باقی ہے اسلئے کہ عید کا دن بھیڑ کا دن ہے اسلئے اس پر کوئی عارض

لانـه يـوم زحمة فيعتريه عارض يفسد عليه صلوته ۳؎ و الـخلاف فيما اذا شرع بالوضوء، و لو شرع بـالتيـمـم تيـمـم و بـنـى بـالاتـفـاق لانـا لو اجبنا الوضوء يكون واجداً للماء فى صلاته فيفسد (۱۰۱)

ولايتيمم للجمعة وان خاف الفوت لو توضأ، فان ادرک الجمعة صلاها، و الا صلى الظهر اربعاً ﴾

پیش آسکتا ہے اور نماز فاسد ہوسکتی ہے۔

تشریح: یہ جملہ صاحبین کی دلیل کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ عید کی نماز کے درمیان حدث کرنے والا لاحق ہے یعنی امام کے ساتھ متصل ہے امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی وضو کر کے نماز پوری کر سکتا ہے اسلئے عید کی نماز کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے اسلئے وہ تیمّم نہیں کر سکتا ہے۔اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ عید کی نماز میں بہت بھیڑ ہوتی ہے اسلئے ایسا ہوسکتا ہے کہ وضو کرنے جائے تو بھیڑ کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے اور امام کی نماز کے ساتھ متصل نہ رکھ سکے،اور چونکہ عید کی نماز اکیلے دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اسلئے نماز کے فوت ہونے کا زبردست خطرہ ہے اسلئے اپنی جگہ پر تیمّم ہی کر کے نماز پڑھ لے۔(۲) اسکے لئے اثر اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور خلاف اس صورت میں ہے جب وضو کر کے نماز شروع کیا ہو،اور اگر تیمّم سے نماز عید شروع کی ہوتو تیمّم کرے اور بالاتفاق بناء کرے۔اسلئے کہ اگر ہم وضو کو واجب کرتے ہیں تو وہ نماز میں پانی کو پانے والا ہوگا جسکی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

تشریح: اوپر کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ وضو کر کے نماز عید شروع کی ہو پھر حدث ہوگیا ہوتو تیمّم کرے یا نہ کرے اس بارے میں اختلاف تھا،لیکن اگر تیمّم ہی کر کے نماز عید شروع کی ہو اور درمیان میں حدث پیش آجائے تو سب کی رائے ہے کہ تیمّم کر کے ہی نماز پوری کرے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر وضو کرنے جائے گا تو تیمّم کرنے والا درمیان میں پانی پالیا،تو اس سے پہلی نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ تیمّم کرنے والا پانی پالے تو اصل پر قدرت ہوگئی اسلئے فرع سے پڑھی ہوئی نماز فاسد ہوجائے گی۔اور جب پہلی نماز فاسد ہوگئی تو نہ یہ لاحق رہا اور نہ اسکی نماز امام کے ساتھ متصل رہی،اب وضو کر کے واپس آئے گا تو امام نماز عید سے فارغ ہو چکا ہوگا۔ اسلئے اسکو الگ سے نماز عید پڑھنی ہوگی،اور الگ سے نماز عید پڑھ نہیں سکتا اسلئے نماز فوت ہوجائے گی اسلئے اسکے لئے یہی ہے کہ تیمّم کر کے امام کے ساتھ والی نماز پر بنا کرے،اور اس اثر پر عمل کرے جس میں ہے کہ تیمّم کرے اور بنا کرے۔عن عبد الرحمن بن قاسم فى الرجل يحدث فى العيد و يخاف الفوت قال : يتيمم و يصلى اذا خاف،(مصنف ابن ابی شیبۃ،۴۳۹ فی من یحدث یوم العید ما یصنع ، ج ثانی،ص ۱۰،نمبر ۵۸۶۸)اس اثر میں ہے کہ نماز عید میں حدث ہو جائے تو تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔

ترجمہ: (۱۰۱)اور جمعہ کے لئے تیمّم نہ کرے اگر چہ اگر وضو کرے گا تو نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو،پس اگر جمعہ پایا تو وہ پڑھے گا ورنہ چار رکعت ظہر پڑھے گا۔

ل لانها تفوت الی خلف وهو الظهر، بخلاف العيد (۱۰۲) وكذا اذا خاف فوت الوقت لو توضأ لم يتيمم و يتوضأ و يقضي ما فاته ﴾ ل لان الفوات الى خلف وهو القضاء (۱۰۳) والمسافر اذا نسى الماء في رحله فتيمم و صلى ثم ذكر الماء لم يعد ها عند ابى حنيفة و محمد، و قال ابو يوسف يعيدها ﴾

وجه: جمعہ فوت ہو جائے تو اس کا خلیفہ ظہر کی نماز ہے۔اس لئے جمعہ کا فوت ہونا مکمل فوت ہونا نہیں ہے۔اس لئے تیمّم نہیں کریگا بلکہ وضو ہی کرے گا۔پس اگر جمعہ مل گیا تو وہ پڑھے ورنہ اس کا خلیفہ ظہر پڑھے۔اس اثر سے استدلال ہے۔سئل عن الحسن عن رجل احدث يوم الجمعة فذهب ليتوضأ فجاء وقد صلى الامام قال يصلى اربعا (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۸ الرجل یحدث یوم الجمعۃ، ج اول، ص ۴۸۴، نمبر ۵۵۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے وضو کرے، پس اگر وہ مل جائے تو جمعہ پڑھے ورنہ تو چار رکعت ظہر پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ جمعہ فوت ہوتا ہے خلیفہ چھوڑ کر اور وہ ظہر ہے بخلاف نماز عید کے۔

تشریح: جمعہ فوت ہو جائے تو اسکا خلیفہ ظہر ہے اسلئے گویا کہ وہ فوت نہیں ہوا اسلئے اسکے لئے تیمّم نہ کرے، بخلاف نماز عید کے کہ اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اسلئے اسکے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر کے نماز عید پڑھ لے

اصول: جو نماز فوت ہو جائے اور اس کا نائب نہ ہو اس کے لئے تیمّم کر سکتا ہے اور جس کا نائب ہو اس کے لئے تیمّم نہ کرے۔

ترجمہ: (۱۰۲) ایسے ہی اگر وقت تنگ ہو جائے۔پس ڈر ہو کہ اگر وضو کرے گا تو وقت فوت ہو جائے گا۔پھر بھی تیمّم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور نماز قضا کر کے پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ فوت ہونا خلیفہ کی طرف ہے، اور وہ قضا پڑھنا ہے۔

تشریح: کسی نے نماز میں اتنی تاخیر کی کہ وقت تنگ ہو گیا، اب اگر وضو کرنے جاتا ہے تو نماز ادا نہیں پڑھ سکے گا قضا پڑھے گا، اور تیمّم کر کے نماز پڑھے گا تو ادا پڑھ سکے گا، ایسی صورت میں وہ تیمّم کر کے ادا نہ پڑھے بلکہ وضو کرے اور قضا پڑھے۔

وجہ:۔ یہاں وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہو گی۔اور قضا ادا کا خلیفہ ہے۔اس لئے نماز مکمل فوت نہیں ہوئی۔اس لئے وضو کرے گا۔اور وقت فوت ہو گیا تو قضا نماز پڑھے گا۔ اصول اوپر گزر گیا۔

ترجمہ: (۱۰۳) اگر مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول گیا اور تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت میں پانی یاد آیا تو اپنی نماز نہیں لوٹا ئیگا امام ابو حنیفہ اور محمد رحمھما اللہ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا نماز لوٹائے گا۔

تشریح: مسافر کے کجاوے میں پانی تھا لیکن بھول کر تیمّم کر لیا اور نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ وضو

۱؎ والخلاف فیما اذا وضعه بنفسه او وضعه غیره بامره ، وذکره فی الوقت و بعده سواء ۲؎ له انه واجد للماء فصار کما اذا کان فی رحله ثوب فنسیه ۳؎ ولان رحل المسافر معدن للماء عادة فیفترض الطلب

کر کے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کجاوہ میں عموما پینے کا پانی رکھتے ہیں ، استعمال کرنے کے لئے اور وضو کرنے کے لئے پانی نہیں رکھتے اسلئے اگر پانی بھول گیا تو وہ معذور ہے اسلئے وضو کر کے دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کجاوہ پانی یاد دلانے والا نہیں ہے ۔

اصول: کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی نہیں ہے ۔

ترجمہ: ۱؎ اور اختلاف اس صورت میں ہے کہ پانی کو خود رکھا ہو ، یا دوسرے نے اسکے حکم سے رکھا ہو ، پھر وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد یاد آیا ہو دونوں برابر ہیں ۔

تشریح: کجاوے میں پانی خود رکھا ہو یا اسکے حکم سے رکھا تب تو یہ اختلاف ہے کہ نماز لوٹائے یا نہیں ، لیکن اگر اسکو بتلائے بغیر کسی اور نے پانی اسکے کجاوے میں رکھا ہو اور اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو بعد میں معلوم ہونے کے بعد نماز نہیں لوٹائے گا ، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکو کیا پتہ کہ اسکے کجاوے میں پانی ہے اسلئے یہ پانی پانے والا نہیں ہوا اسلئے یہ معذور ہے اسلئے اسکو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسافر پانی کو پانے والا ہے تو ایسا ہو گیا جیسا کہ کجاوے میں کپڑا ہو اور بھول گیا ہو ۔ تو دوبارہ نماز پڑھنی پڑتی ہے ایسے ہی یہاں دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی ۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسکے کجاوے میں حقیقت میں پانی تو ہے اسلئے یہ پانی پانے والا ہے اسلئے بھول کر نماز پڑھ لی تو نماز دہرانی ہوگی ۔ جس طرح کجاوے میں کپڑا موجود ہو اور بھول کر کپڑے کے بغیر نماز پڑھ لی تو کپڑا پہن کر اور ستر ڈھانک کر دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی ، اسی طرح یہاں وضو کر کے نماز دہرانی ہوگی ۔ یہ دلیل عقلی ہے ۔

ترجمہ: ۳؎ اور اسلئے کہ مسافر کا کجاوہ عادۃ پانی رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اسلئے تلاش کرنا فرض ہوگا ۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے ۔ کہ مسافر کا کجاوہ عادۃ پانی رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اسلئے اسکو ایک مرتبہ کجاوہ تلاش کر لینا چاہئے لیکن بغیر تلاش کئے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو یہ اسکی غلطی ہے اسلئے اسکو پانی پانے والا قرار دیکر نماز دہرانی ہوگی ۔

اصول: کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی ہے ۔

۴ ولهماانه لاقدرةبدون العلم وهى المرادبالوجود ۵ و ماء الرحل معدن للشرب لا للاستعمال، ۶ و مسألة الثوب على الاختلاف، و لو كان على الاتفاق ففرض الستر يفوت لا الى خلف، و الطهارة بالماء تفوت الى خلف و هو التيمم. (۱۰۴) و ليس على المتيمم طلب الماء اذا لم يغلب

ترجمه: ۴ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر علم کے اسکوقدرت نہیں ہےاور پانی کے پانے سے یہی مراد ہے۔

تشریح: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب بھول گیا تو اسکو پانی کا علم ہی نہیں ہے،اور آیت میں پانی پانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکو پانی کا علم ہو اسلئے وہ پانی پانے والا نہیں ہوا اسلئے نماز نہیں دہرائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور کجاوے کا پانی پینے کا معدن ہے استعمال کے لئے نہیں۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے،انہوں نے فرمایا تھا کہ کجاوہ پانی کا معدن ہے،تو جواب دیتے ہیں کہ معدن تو ہے لیکن پینے کے پانی کا معدن ہے وضو کے پانی کا معدن نہیں ہے،اسلئے آدمی کو خیال بھی نہیں آسکتا ہے کہ کجاوے میں وضو کا پانی ہے اسلئے پانی بھول گیا تو وہ معذور ہے۔

ترجمہ: ۶ اور کپڑے کا مسئلہ اختلاف پر ہے،اور اگر اتفاق پر بھی ہو تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ ستر کا فرض فوت ہوگا اور اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور پانی سے طہارت فوت ہوگا خلیفہ چھوڑ کر اور وہ تیمّم ہے۔

تشریح: یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب ہے،انہوں نے استدلال کیا تھا کہ کجاوے میں کپڑا بھول جائے اور نماز پڑھ لے تو نماز دہرانی پڑتی ہے،اسی پر قیاس کرتے ہوئے کجاوے میں پانی بھول جائے تو نماز دہرانی چاہئے۔اسکا جواب دیتے ہیں کہ کپڑے کے بارے میں بھی ہماری رائے یہی ہے کہ بھول کر بغیر ستر ڈھانکے نماز پڑھ لے تو اسکو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے،اور مسئلہ اختلاف پر ہے،لیکن اگر مسئلہ اتفاق پر ہو اور کپڑا بھولنے پر اور ستر ڈھانکے بغیر نماز پڑھنے پر نماز دہرانی پڑے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ ستر ڈھانکنا چھوڑ دیا تو اسکا کوئی بدل نہیں ہے،اور وضو کرنا چھوڑ دیا تو اسکا بدل تیمّم موجود ہے کہ اسنے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے تو چونکہ خلیفہ پر عمل کیا ہے اسلئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر مبنی ہے کہ پانی کا بھولنا عذر ہے یا نہیں۔طرفین کے نزدیک عذر ہے،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عذر نہیں ہے۔

لغت: رحل : کجاوہ۔معدن: کسی چیز کے رہنے کی جگہ۔خلف: خلیفہ۔

ترجمہ: (۱۰۴) تیمّم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کو غالب گمان نہیں ہے کہ اس کے قریب پانی ہے۔

على ظنه ان بقربه ماء﴾ ١ لان الغالب عدم الماء فى الفلوات و لا دليل على الوجود فلم يكن واجداً
(١٠٥) و ان غلب على ظنه ان هناک ماء لم يجز له ان يتيمم حتى يطلبه﴾

وجه : (١) جنگل اور صحرا میں ہے اور قرب و جوار میں پانی کے آثار نہیں ہیں اور غالب گمان نہیں ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ملے گا تو حقیقی طور پر بھی پانی پانے والا نہیں ہے اور آثار سے بھی پانی پانے والا نہیں ہے۔اس لئے اس پر پانی کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے (٢) اس کا اندازہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے عمل سے بھی ہوتا ہے عن نافع انه اقبل هو و عبد الله بن عمر من الجرف حتى اذا كانا بالمربدنزل عبد الله فتيمم صعيدا طيبا فمسح بوجهه ويديه الى المرفقين ثم صلى۔(مؤطاامام مالک، باب العمل فی التیمم ص ٤١) اور بخاری کی اسی حدیث میں اتنی عبارت زیادہ ہے ثم دخل المدينة و الشمس مرتفعة فلم يعد ۔(بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء ص ٤٨، نمبر ٣٣٧) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اگر پانی دور ہو اور قریب میں ملنے کی امید نہ ہو تو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے نہ مدینہ تک پانی تلاش کیا اور نہ مدینہ آنے کے بعد نماز لوٹائی۔

ترجمه : ١ اسلئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ بیاباں میں پانی نہیں ہوتا، اور پانی موجود ہونے پر کوئی دلیل نہیں اسلئے وہ پانی پانے والا نہیں ہے۔

تشریح : غالب گمان یہ ہے کہ وسیع بیاباں اور صحرا میں پانی نہیں ہوتا، اور پانی ملنے کی کوئی علامت بھی نہیں ہے اور نہ غالب گمان ہے کہ پانی ملے گا تو ایسی صورت میں پانی تلاش کرنا اور اسکے لئے نماز موخر کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ تلاش کر لے تو اچھا ہے۔

ترجمه : (١٠٥) اور اگر اس کو غالب گمان ہے کہ یہاں (قریب میں) پانی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ تیمّم کرے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

وجه : (١) غالب گمان یہ کہ پانی پانے کی علامت ہے۔اس لئے پانی پاتے وقت تیمّم نہیں کر سکتا جب تک کہ پانی تلاش کرنے کے بعد یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے (٢) حضرت علیؓ کا قول بھی ہے عن على اذا اجنب الرجل فى السفر تلوم ما بينه وبين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ١٩٥ نمبر ٧١٠/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ١٩٥ من قال لا یتیمم ما رجا ان یقدر علی الماء، ج اول، ص ١٤٨، نمبر ١٧٠١) (٣) اثر میں ہے۔عن الحسن و ابن سيرين أنهما قالا : لا يتيمم ما رجا أن يقدر على الماء فى الوقت. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ١٩٥ من قال لا یتیمم ما رجا أن یقدر علی الماء، ج اول، ص ١٤٨، نمبر ١٧٠٠) اس اثر میں ہے کہ وقت میں پانی ملنے کی امید ہو تو تیمّم موخر

۱؎ لانه واجد للماء نظرا الی الدلیل ۲؎ ثم یطلب مقدار الغلوة و لا یبلغ میلا کیلا ینقطع عن رفقته.

کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پانی کو پانے والا ہے۔یعنی علامت ظاہرہ اورغالب گمان یہ ہے کہ اسکو پانی مل ہی جائے گا اسلئے گویا کہ اس نے پانی پالیا اسلئے اسکے لئے تیمّم مناسب نہیں جب تک پانی تلاش نہ کرلے۔

اصول: علامت ظاہرہ اورغالب گمان پانی پانے کے درجے میں ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ پھرایک غلوۃ کی مقدارطلب کرے،اورایک میل دورنہ جائے تاکہ اپنے ساتھیوں سے منقطع نہ ہوجائے۔

تشریح: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پانی کتنی دور جاکرتلاش کرے،فرماتے ہیں کہ پانی تلاش کرنے کے لئے ایک میل تک نہ جائے کیونکہ اتنی دور جانے سے سفر کے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں گے،اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معلوم ہوکہ پانی ایک میل دور ہے پھر بھی تیمّم کرنا جائز ہے تو ایک میل تک جانے کی یوں بھی ضرورت نہیں ہے ۔اسلئے صرف ایک غلوۃ تک پانی تلاش کرے،مل جائے تو وضوکرلے اورنہ ملے تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لے۔

وجہ: غلوۃ کی دلیل اس اثر میں ہے۔عن ابن عمر أنه کان یکون فی السفر فتحضره الصلاة والماء منه علی غلوة أو غلوتین و نحو ذالک ثم لا یعدل الیه،(سنن للبیھقی،باب ماروی فی طلب الماء وفی حد الطلب،ج اول ص ۳۵۶ ،نمبر ۱۱۰۴)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایک غلوۃ سے زائد پر پانی تلاش کرنے نہیں جاتے،اسکا مطلب یہ ہوا کہ اس سے کم پر پانی کی امید ہوتو تلاش کرنے جاتے تھے۔

﴿غلوۃ کتنے گز کا ہوتا ہے﴾

درمختار میں ہے کہ غلوۃ تین سو ہاتھ کا ہوتا ہے۔عبارت یہ ہے۔ (قدر غلوة) ثلاث مائة ذراع (ردالمحتار علی درالمختار،مطلب فی تقدیر الغلوۃ،ج اول،ص ۴۶۲)ایک ہاتھ 18 انچ کا ہوتا ہے،یا آدھا گز کا ہوتا ہے اس حساب سے 300 ہاتھ 150 گز ہوا، یعنی ایک غلوۃ 150 گز کا ہوا۔اور میٹر کے حساب سے ایک غلوۃ 137.160 میٹر کا ہوگا

﴿میل شرعی کتنے گز ہوتا ہے﴾

ردالمحتار میں ہے کہ میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے،اورایک ہاتھ آدھا گز کا ہوتا ہے اس حساب سے چار ہزار ہاتھ دو ہزار گز ہو،رد مختار میں عبارت یہ ہے۔ و المیل اربعة آلاف ذراع ۔(ردالمحتار علی درالمختار،باب صلوۃ المسافر،ج ثانی،ص ۷۲۵) یعنی دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا،اور انگریزی میل صرف 1760 ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اسلئے وہ شرعی میل سے 1.1363 چھوٹا ہوتا ہے۔

(۱۰٦) و ان كـان مـع رفيقه ماء طلب منه قبل ان يتيمم﴾ ۱؎ لعـدم المنع غالبافان منعه يتيمم لتحقق العجز،

اور میٹر کے حساب سے ایک شرعی میل 1828.80 میٹر کا ہوگا، یا 1.8288 کیلومیٹر کا ہوگا۔

﴿ غلوۃ اور میل ایک نظر میں ﴾

فارمولہ				فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
ایک ہاتھ	=	18 انچ		ایک میل شرعی	=	2000 گز
300 ہاتھ	=	150 گز		ایک میل انگریزی	=	1760 گز
ایک غلوۃ	=	300 ہاتھ		ایک میل شرعی	=	1.13636 انگریزی میل
ایک غلوۃ	=	150 گز		ایک میل شرعی	=	1828.80 میٹر
ایک میل شرعی	=	4000 ہاتھ		ایک میل شرعی	=	1.8288 کیلومیٹر

ترجمہ: (۱۰٦) اور اگر اسکے ساتھی کے پاس زائد پانی ہے تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے۔

ترجمہ: ۱؎ عموما منع نہ کرنے کی وجہ سے، پس اگر پانی سے روک دے تو تیمّم کرے عاجزی کے متحقق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اگر ہمسفر کے پاس زائد پانی ہے تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے، کیونکہ عام طور پر ساتھیوں کے پاس زائد پانی ہو تو وہ دے ہی دیتے ہیں اسلئے اس سے مانگ لینا چاہئے، پس اگر دے دیا تو وضو کر لے اور اگر نہیں دیا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، کیونکہ اب تو عاجزی متحقق ہوگئی، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ پانی نہیں پا رہا ہے۔

وجہ: ایک اثر سے اشارہ ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے ساتھیوں سے پانی طلب کیا ہوگا، اثر یہ ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ استيقظ وحضرت الصلوة فالتمس الناس الماء فلم يجدوا. (سنن للبیھقی، باب اعواز الماء بعد طلبہ ج اول ص ۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پانی تلاش کیا، اسلئے اسکی بھی گنجائش ہے کہ ساتھیوں سے بھی مانگا ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پانی تلاش کیا، اسلئے اسکی بھی گنجائش ہے کہ ساتھیوں سے بھی مانگا ہوگا۔

(۱۰۷)و لو تیمم قبل الطلب اجزاه عند ابی حنیفةؒ ﴾ ١؎ لانه لا یلزم الطلب من ملک الغیر٢؎ وقالالایجزیه لان الماء مبذول عادة. (۱۰۸) ولوابی ان یعطیه الا بثمن المثل وعنده ثمنه لایجزیه التیمم﴾ ١؎ لتحقق القدرة ٢؎ ولایلزمه تحمل الغبن الفاحش لان الضرر مسقط

ترجمه: (۱۰۷) اوراگر مانگنے سے پہلے تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوجائے گا۔

ترجمه: ١؎ اسلئے کہ دوسرے کے ملک سے طلب کرنا ضروری نہیں ہے۔

تشریح: ساتھیوں سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز ہوجائے گی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی دوسرے کی ملکیت ہے اور دوسرے کی ملکیت کو مانگنا آدمی پر واجب نہیں ہوتا اسلئے اس پر پانی مانگنا واجب نہیں تھا اسلئے بغیر مانگے تیمّم کرلیا تو نماز جائز ہوجائے گی۔

ترجمه: ٢؎ اورصاحبینؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی اسلئے کہ پانی لوگ عادة دے دیا کرتے ہیں ۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ لوگ عادة پانی دے دیا کرتے ہیں اسلئے دوسرے کی ملکیت میں ہونے کے باوجود گویا کہ وہ اپنی ہی ملکیت میں ہے اسلئے اسکو مانگ ہی لینا چاہئے اور یہ پانی کو پانے والا ہے، اسلئے بغیر پانی مانگے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عادة مباح چیز اپنی ملکیت ہے یا نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنی ملکیت نہیں ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دوسرے کی ملکیت کا پانی بھی اپنا ہی ہے۔

لغت: مبذول: بذل سے مشتق ہے خرچ کیا ہوا، گری پڑی چیز جو لوگ دے دیا کرتے ہیں۔

ترجمه: (۱۰۸) اوراگر پانی دینے سے انکار کرتا ہے مگر مثل قیمت سے اور اسکے پاس اسکی قیمت بھی ہے تو تیمّم جائز نہیں ہے۔

ترجمه: ١؎ قدرت کے متحقق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: ساتھی کے پاس پانی ہے لیکن اتنی قیمت مانگتا ہے جو مناسب ہے اور اس آدمی کے پاس اتنی قیمت جیب میں ہے، تو اسکے لئے تیمّم کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ پانی پر قادر ہے، اسلئے اسکے لئے تیمّم کرنا جائز نہیں۔

ترجمه: ٢؎ اوراس پر غبن فاحش کا برداشت کرنا لازم نہیں، اسلئے کہ ضرر ساقط ہے۔

تشریح: اگر زیادہ قیمت میں پانی دیتا ہو تو زیادہ قیمت دیکر پانی لینا اور وضو کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ غبن فاحش ہے اور غبن فاحش کا برداشت کرنا آدمی پر ضروری نہیں ہے، آیت ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا، (آیت ۲۸۶ سورة البقرة ۲) اسلئے ایسی صورت میں تیمّم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

CLIPART\banner1.jpg not found.

﴿باب المسح علی الخفين﴾

(۱۰۹) المسح علی الخفين جائز بالسنة ﴾ ۱ والاخبار فيه مستفيضة حتی قيل ان من لم يره کان مبتدعاً لکن من رأه ثم لم يمسح آخذاً بالعزيمة کان ماجوراً (۱۱۰) و يجوز من کل حدث موجب للوضوء اذا لبسهما علی طهارة کاملة ثم احدث﴾

﴿موزوں پر مسح کرنے کا بیان﴾

ضروری نوٹ: مسح : کے معنی ہیں تر ہاتھ کو عضو پر پھیرنا، یا کسی چیز پر پھیرنا۔

دلیل عن ابی وقاص عن النبی ﷺ انه مسح علی الخفين. (بخاری شریف، باب المسح علی الخفین ص۳۳ نمبر ۲۰۲ رمسلم شریف، باب المسح علی الخفین، ص۱۳۲، نمبر ۶۲۶/۲۷۴) اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے موزے پر مسح فرمایا۔ مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ البتہ اگر۔ وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبين (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں ارجلکم کو کسرہ پڑھیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں مسح علی الخفین کا جواز نکلتا ہے۔ ورنہ اصل آیت میں تو پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اس لئے مسح علی الخفین کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔ مسح علی الخفین کی حدیث چالیس صحابہ سے منقول ہیں۔ اور بلا تاویل اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ صرف روافض اس کے خلاف ہیں۔

ترجمہ: (۱۰۹) موزے پر مسح جائز ہے حدیث کی وجہ سے۔

ترجمہ: ۱ اور احادیث اس میں مشہور ہیں، یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو موزے کے مسح کو جائز نہ سمجھے وہ بدعتی ہے، لیکن جو اسکو جائز سمجھے پھر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسح نہ کرے تو اسکو اجر و ثواب ملے گا۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ موزے پر مسح کرنے کا حکم آیت میں نہیں ہے، اس میں تو پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ موزے پر مسح کرنے کا حکم احادیث میں ہے اور اتنے احادیث میں ہے کہ یہ سب مل کر متواتر کا درجہ ہو جاتا ہے۔ اسلئے جو موزے کے مسح کا انکار کرے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔ صرف شیعہ حضرات اسکا انکار کرتے ہیں۔ البتہ کوئی موزے کے مسح کو جائز سمجھے لیکن عزیمت پر عمل کرنے کے لئے موزے پر مسح نہ کرے تو اسکو ثواب ملے گا۔ موزے پر مسح کے ثبوت کے لئے حدیث اوپر گزر چکی۔

ترجمہ : (۱۱۰) موزے پر مسح جائز ہے ہر وہ حدث سے جو وضو واجب کرنے والا ہو۔ جب کہ موزے کو طہارت کاملہ پر پہنا ہو پھر حدث ہوا ہو۔

تشریح : جن حدث اکبر میں غسل کی ضرورت ہو اس میں موزہ کھولنا ہوگا اور غسل کے ساتھ پاؤں دھونا ہوگا۔ صرف حدث اصغر

اِخصه بحدث موجب للوضوء لانه لا مسح من الجنابة علی ما نبین ان شاء الله.

یعنی وضو کے مقام میں موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو پھر حدث ہوا تب موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ طہارت پر پہننے کی صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں پہلے دھولیا پھر موزہ پہن لیا پھر ہاتھ دھویا، منہ دھویا اور سر پر مسح کیا۔ مکمل طہارت کے بعد حدث ہوا تو موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدث سے پہلے مکمل طہارت بھی ہے اور موزہ بھی پہنا ہوا ہے۔ غسل کی ضرورت کے وقت موزہ پر مسح جائز نہیں۔

وجہ: اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن صفوان بن عسال قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم۔ (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، ص ۱۸، نمبر ۱۲۷) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہوتو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔

اور دونوں پاؤں کو طہارت پر داخل کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن مغیرة بن شعبة قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر فاھویت لا نزع خفیه فقال دعھما فانی ادخلتھما طاھرتین فمسح علیھما. (بخاری شریف، باب اذا ادخل رجلیہ وھما طاھرتان ص ۳۳ نمبر ۲۰۶) اس حدیث سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ صرف پاؤں کو دھو کر موزہ پہن لیا اور بعد میں باقی اعضاء دھوئے تو جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں۔ (۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ أن سعد بن ابی وقاص خرج من الخلاء فتوضأ و مسح علی خفیه فقیل له : أتمسح علیھما و قد خرجت من الخلاء قال: نعم اذا ادخلت القدمین الخفین و ھما طاھرتان فامسح علیھما و لا تخلعھماالا لجنابة ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۲۱۸ من کان لا یوقت فی المسح شیئاً، ج اول، ص ۱۶۸، نمبر ۱۹۳۳ رمصنف عبدالرزاق، باب المسح علی الخفین، ج اول، ص ۱۹۶، نمبر ۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں جسکا مطلب یہ ہوا کہ چاہے پورا وضو نہ کیا ہو صرف پاؤں کو پاک کر کے موزے میں داخل کیا ہو تب بھی مسح جائز ہے۔ البتہ جس وقت حدث ہو رہا ہو اس وقت پورا وضو موجود ہو۔

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے بھی موزہ مکمل وضو سے پہلے پہن لے تو مسح جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ خاص کیا اسکو ایسے حدث کے ساتھ جو وضو کو واجب کرنے والا ہو اسلئے کہ جنابت سے مسح نہیں ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ ہم بیان کرینگے۔

تشریح: یہاں سے تین باتیں بیان فرما رہے ہیں۔ (۱) مسح ایسے حدث سے جائز ہے جو وضو کو واجب کرنے والا ہو، غسل

۲ وبحدث متاخر لان الخف عهد مانعاً، ولو جوزناه بحدث سابق كالمستحاضة اذا لبست، ثم خرج الوقت، و المتيمم اذا لبس ثم رأى الماء كان رافعاً.

واجب کرنے والا نہ ہو(۲) وضو کرنے کے بعد موزہ پہنا ہو اور اسکے بعد حدث ہوا ہو، اور اگر حدث موزہ پہننے سے پہلے ہوا ہو البتہ عذر کی وجہ سے یا تیمّم کی وجہ سے چھپا ہوا ہو اور مسح کے بعد حدث ظاہر ہوا ہو تو اس حدث کی وجہ سے مسح نہیں کر سکتے کیونکہ مسح مانع للحدث ہے رافع للحدث نہیں ہے۔(۳) اور تیسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ پاؤں کو موزے میں داخل کرتے وقت پاؤں پاک ہو چاہے پورا وضو کیا ہوا نہ ہو۔ البتہ جب حدث ہو رہا ہو اس وقت پورا وضو موجود ہو۔ تفصیل آگے دیکھیں۔

پہلی بات اس طرح ہے کہ ۔وضو کے بعد موز پہنا ہو پھر وضو توڑنے والا حدث ہوا ہو تو موزے پر مسح کرسکتا ہے لیکن اگر جنابت ہوگئی، یا حیض آگیا یا نفاس آگیا جو غسل کو واجب کرنے والی چیزیں ہیں تو اس سے مسح نہیں کرسکتا۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر چکی۔ الا من جنابة ولكن من غائط وبول ونوم۔(ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر ص ۱۸، نمبر ۱۲۷) اس حدیث میں ہے کہ جنابت سے مسح نہیں کرسکتا، البتہ پیشاب پیخانہ اور نیند سے مسح کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ اور متاخر حدث سے مسح جائز ہے اسلئے کہ موزہ خاص کیا روکنے والا ہو کر اور اگر ہم مسح کرنا پہلے حدث سے جائز قرار دیں، جیسے کہ مستحاضہ عورت جبکہ موزہ پہنی ہو پھر وقت نکل گیا ہو، یا تیمّم کرنے والا جبکہ موزہ پہنا ہو پھر پانی دیکھا ہو تو موزہ اٹھانے والا ہو جائے گا، روکنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دوسری بات کی تشریح ہے۔ یہ اس قاعدے پر ہے کہ موزہ حدث کو مانع۔ روکنے والا ہے، حدث کو رافع۔ اٹھانے والا نہیں ہے، وضو کر کے موزہ پہنا ہو اب حدث مثلا پیشاب، پیخانہ ہو جائے تو تو موزہ اسکو پاؤں تک سرایت کرنے سے روکے گا جسکی وجہ سے پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں، صرف موزے کے اوپر مسح کرنے سے وضو ہو جائے گا۔ لیکن اگر موزہ پہننے سے پہلے پاؤں پر حدث تھا لیکن کسی عذر کی بناء پر ابھی حدث ظاہر نہیں ہو رہا تھا، موزہ پہننے کے بعد عذر ختم ہو گیا اور حدث ظاہر ہو گیا تو چونکہ حدث پہلے سے پاؤں پر سرایت کیا ہوا تھا تو موزہ اس حدث کو اٹھائے گا نہیں کیونکہ موزہ رافع للحدث نہیں ہے، اور اب موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مثلا مستحاضہ عورت معذور ہے چاہے اسکا خون نکلتا رہے پھر بھی اسکا وضو جائز ہے، اب وہ وضو کر رہی تھی کہ خون آگیا، یا وضو کرنے کے بعد موزہ پہننے سے پہلے خون آگیا اس خون آنے کے باوجود وقت کے نکلنے تک اس وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے ،لیکن وقت نکلنے کے بعد موزے پر مسح کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی کیونکہ موزہ پہننے سے پہلے خون آگیا تھا اور اسکا حدث پاؤں پر سرایت کر چکا تھا اور اس سرایت شدہ حدث کو موزہ اٹھا نہیں سکتا اسلئے اب اس پر مسح نہیں کرسکتا اب تو دوبارہ پورا وضو کرنا ہوگا اور پاؤں

۳؎ وقوله: اذا لبسهما علی طهارة كاملة لا يفيد اشتراط الكمال وقت اللبس بل وقت الحدث، و هذا المذهب عند نا، حتی لو غسل رجليه و لبس خفيه ثم اكمل الطهارة ثم احدث يجزيه المسح ۴؎ وهذا لان الخف مانع حلول الحدث بالقدم، فيراعی كمال الطهارة وقت المنع، حتی لو كانت ناقصة عند ذالک كان الخف رافعاً

دھونا ہوگا۔ یا تیمّم کرنے والا تیمّم کرکے موزہ پہن لیا، تیمّم باقی ہی تھا کہ اس نے پانی پر قدرت پالیا جسکی وجہ سے اسکا تیمّم ختم ہوگیا اب اگر یہ اگلے وضو میں موزے پر مسح کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا کیونکہ جس وقت موزہ پہنا تھا اس سے پہلے ہی حدث پاؤں میں سرایت کر چکا تھا صرف تیمّم کی وجہ سے حدث ظاہر نہیں ہورہا تھا، جیسے ہی پانی دیکھا حدث ظاہر ہوگیا، اس حدث کو موزہ اٹھا نہیں سکتا، کیونکہ موزہ رافع للحدث نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم کرکے جب موزہ پہنا تو پاؤں دھوکر موزہ نہیں پہنا بلکہ بغیر پاؤں دھوئے موزہ پہنا حلانکہ پاؤں دھوکر موزہ پہنا شرط تھی اسلئے بھی اس موزے پر مسح نہیں کرسکتا۔

ترجمہ : ۳؎ مصنف کا قول جبکہ دونوں موزوں کو طہارت کاملہ پر پہنا ہو، یہ جملہ پہنتے وقت کامل وضو ہونے کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ حدث کے وقت کامل وضو ہو۔ اور یہ ہمارا مذہب ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں پاؤں دھولیا اور دونوں موزوں کو پہن لیا بعد میں وضو مکمل کیا اسکے بعد حدث ہوا تو مسح کافی ہوجائے گا۔

تشریح : متن میں ہے کہ طہارت کاملہ پر موزہ پہنا ہو (اذا لبسهما علی طهارة كاملة) مصنف اسکا مطلب یہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حدث ہورہا ہو اس وقت طہارت کاملہ ہو، چاہے موزہ پہنتے وقت صرف دونوں پاؤں کو دھویا ہو اور ابھی باقی وضو نہ کیا ہو بعد میں وضو مکمل کیا پھر حدث ہوا تب بھی مسح جائز ہوجائے گا۔ اسلئے موزہ پہنتے وقت مکمل وضو ہونے کی شرط نہیں ہے ۔حدث کے وقت مکمل وضو ہو تب بھی موزے پر مسح کرنا جائز ہوگا ۔اسکی دلیل او پر تھی۔ أن سعد بن ابی وقاص خرج من الخلاء فتوضأ و مسح علی خفيه فقيل له : أتمسح عليهما و قد خرجت من الخلاء قال: نعم اذا ادخلت القدمين الخفين و هما طاهرتان فامسح عليهما و لا تخلعهما الا لجنابة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۱۸ من كان لا يوقت فی المسح شيئاً، ج اول، ص ۱۶۸، نمبر ۱۹۳۳ / مصنف عبد الرزاق، باب المسح علی الخفين، ج اول، ص ۱۹۶، نمبر ۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ صرف دونوں پاؤں پاکی کی حالت میں موزے میں داخل کیا۔

ترجمہ : ۴؎ اسلئے یہ موزہ قدم پر حدث کو سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اسلئے مکمل طہارت کی شرط روکتے وقت ہوگی، چنانچہ اگر حدث کے وقت وضو ناقص ہو تو موزہ حدث کو اٹھانے والا بن جائے گا۔

تشریح : حدث کے وقت وضو کامل ہو چاہے موزہ پہنتے وقت صرف پاؤں دھویا ہوا سکی دلیل عقلی ہے۔ موزے کا کام یہ ہے

(۱۱۱) و یجوز للمقیم یوما و لیلة و للمسافر ثلا ثة ایام و لیالیها ۱؎ لقوله علیه السلام: یمسح المقیم یوما ً و لیلة و المسافر ثلاثة ایام و لیالیها (۱۱۲) قال: وابتداء ها عقیب الحدث ﴾

کہ حدث کے وقت حدث کو پاؤں پر سرایت کرنے سے روکے، چونکہ حدث کے وقت موزے کو روکنے کی ضرورت ہے اسلئے حدث کے وقت ہی طہارت کامل ہونا چاہئے اس سے پہلے نہ بھی ہوتو کوئی بات نہیں ہے۔البتہ اگر حدث کے وقت طہارت کامل نہیں ہے، مثلا ابھی تک ہاتھ نہیں دھویا ہے تو موزہ پہننے سے موزہ ہاتھ پر سرایت شدہ حدث کو نہیں اٹھائے گا، کیونکہ موزہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے۔اسلئے حدث کے وقت میں وضو مکمل ہونا چاہئے۔چاہے اس سے پہلے مکمل نہ ہو۔اصل دلیل تو اوپر کا اثر ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکمل وضو کر کے موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ان کے نزدیک وہ احادیث مستدل ہیں جن میں ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو۔حدیث یہ ہے۔**عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابیه عن النبی ﷺ أنه رخص للمسافر ثلاثة أیام و لیالیهن ، و للمقیم یوم و لیلة ، اذا تطهر و لبس خفیه أن یمسح علیهما** ۔(دار قطنی ، باب الرخصة فی المسح علی الخفین و ما فیه واختلاف الروایات ، ج اول ،ص ۲۰۲ ،نمبر ۷۳۷/سنن للبیهقی ، باب رخصة المسح لمن لبس الخفین علی الطهارة ، ج اول ،ص ۴۲۲ ،نمبر ۱۳۳۹)اس حدیث میں ہے ۔((**اذا تطهر و لبس**)) کہ پاک ہوا ہو پھر موزہ پہنا ہو ۔جس معلوم ہوا کہ طہارت کاملہ کے بعد موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے۔

لغت : **عهد** : جسکا عہد ہے، جسکو متعین کیا گیا ہے۔**مانعا**: روکنے والا۔**رافعا** : جو پہلے سے سرایت کر گیا ہو اسکو اٹھانے والا ۔**حلول**: داخل ہونا، سرایت کرنا۔

ترجمہ: (۱۱۱) اور جائز ہے مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات۔تک مسح کرتا رہے۔

ترجمہ : ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مقیم مسح کرے گا ایک دن اور ایک رات اور مسافر تین دن اور تین رات۔حدیث یہ ہے۔ **قال اتیت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام و لیالیهن للمسافر و یوما و لیلة للمقیم** ۔(مسلم شریف ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۶۳۹/۲۷۶/ابو داود شریف ، باب التوقیت فی المسح ،ص ۲۳ ،نمبر ۱۵۷/نسائی شریف ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم ،ص ۱۸ ،نمبر ۱۲۹) اس حدیث میں ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

نوٹ: جو احادیث تحدید مدت کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں اور علماء کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۱۱۲) اور مسح کی مدت کی ابتدا حدث کے بعد سے ہوگی۔

تشریح: مثلا فجر کے وقت وضو کیا، اور ظہر کے وقت پیر پر موزہ پہنا، اور عصر کے وقت حدث ہوا، تو عصر کے وقت سے مسح کی

لِ لان الخف مانع سراية الحدث فتعتبر المدة من وقت المنع (۱۱۳) والمسح على ظاهرهما خطوطا بالاصابع، يبدأ من قبل الاصابع الى الساق ﴾

مدت شروع ہوگی جو حدث کا وقت ہے۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابيه عن النبیؐ أنه رخص للمسافر اذا توضأ و لبس خفيه ثم أحدث وضوءاً أن يمسح ثلاثة أيام و لياليهن و للمقيم يوما و ليلة ۔(ابن ماجۃ، باب ما جاء فی التوقیت فی المسح للمقیم والمسافر، ص ۸۷ نمبر ۵۵۶) اس حدیث میں ہے ثم احدث وضوءاً، جسکا مطلب یہ ہے کہ وضو کا حدث ہوا ہو اس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی ۔(۲) اثر میں ہے۔عن الثوری فی المسح على الخفين قال : .....فانک تمسح من الحدث حتی کان العصر ، فانک تمسح عليهما حتى العصر من الغد .(مصنف عبدالرزاق، باب المسح علیہما من الحدث، ج اول، ص ۲۰۹، نمبر ۸۰۷) اس اثر میں ہے کہ حدث سے مسح کی مدت شروع ہوگی، اس سے پہلے نہیں۔آگے دلیل عقلی بھی ہے۔

ترجمہ: لِ اسلئے کہ موزہ حدث کو سرایت کرنے سے مانع ہے اسلئے حدث کو روکنے کے وقت سے مدت کا اعتبار کیا جائے گا ۔

تشریح: حدث کے وقت سے مسح کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا اسکے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔کہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اسلئے جس وقت حدث ہوگا اس وقت موزہ حدث کو روکے گا اور اسی وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی اس سے پہلے نہیں۔اسکے لئے حدیث کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۱۱۳) اور مسح یہ ہے کہ پاؤں کے ظاہری حصے پر انگلی سے کھینچتے ہوئے، شروع کیا جائے گا پاؤں کی انگلی کی جانب سے پنڈلی تک۔

تشریح: موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا جائیگا۔نیچے کے حصے پر نہیں کیا جائے گا۔اور تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے کھینچا جائے گا اور کھینچتے کھینچتے پنڈلی تک لے جایا جائے گا۔اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجہ: (۱) پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن علی قال لو كان الدين بالرأى لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه (ابوداؤد شریف، باب کیف المسح ص ۲۴ نمبر ۱۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا ضروری ہے۔اور جس حدیث میں پاؤں کے نیچے مسح کرنا ثابت ہے وہ فضیلت کے طور پر ہے۔اور تین انگلی سے پنڈلی تک کھینچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر.... قال رسول الله ﷺ بيده

(۱) لحديث مغيرة ان النبی علیہ وضع يديه على خفيه و مدهما من الاصابع الى اعلاهما مسحة واحدة،وكانی انظرالى اثرالمسح على خف رسول الله علیہ خطوطاً بالاصابع (۲) ثم المسح على الظاهرحتم حتی لايجوزعلى باطن الخف،وعقبه،وساقه لانه معدول به عن القياس فيراعى جميع ماورد به الشرع

هكذا من اطراف الاصابع الى اصل الساق و خطط بالاصابع. (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ ،ص ۸۷، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین انگلیاں ہوں۔

ترجمہ: (۱) حضرت مغیرہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں پاؤں پر رکھا اور دونوں کو پاؤں کی انگلی کی جانب سے اوپر کی طرف ایک مرتبہ کھینچا، اور گویا کہ میں حضورؐ کے موزے کے اوپر مسح کے اثر کو دیکھ رہا ہوں انگلی کے ذریعہ سے خط کھینچے ہوئے کو۔ صاحب ہدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔ عن المغيرة بن شعبة قال : رأيت رسول الله علیہ بال ثم جاء حتى توضأ ثم مسح على خفيه ووضع يده اليمنى على خفيه الايمن و يده اليسرى على خفيه الأيسر ثم مسح أعلاهما مسحة واحدة حتى كأنى أنظر الى أصابع رسول الله ؐ على الخفين ۔(سنن للبیہقی ،باب الاقتصار بالمسح علی ظاہر الخفین ،ج اول ،ص ۴۳۶ ،نمبر ۱۳۸۵) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو مسح کرتے دیکھا کہ موزے کے اوپر کے حصے پر مسح فرمایا اور پاؤں کی انگلی کی جانب سے کھینچتے ہوئے اوپر لے گئے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابھی بھی حضورؐ کی انگلیوں کو موزے کے اوپر دیکھ رہا ہوں ۔

لغت: خطوطا : خط کی طرح کھینچتے ہوئے، الساق : پنڈلی

ترجمہ: (۲) پھر مسح پاؤں کے اوپر کے حصے پر ضروری ہے، یہاں تک کہ موزے کے نچلے حصے پر، اور اسکی ایڑی پر، اور اسکی پنڈلی پر مسح جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسح قیاس سے الگ ہے اسلئے ان تمام باتوں کی رعایت کی جائے گی جسکے بارے میں شریعت وارد ہوئی ہے۔

تشریح: مسح موزے کے اوپر کے حصے پر کرنا ہوگا، چنانچہ موزے کے نیچے، یا موزے کی ایڑی کے حصے، یا موزے کی پنڈلی کے حصے پر مسح کرے گا تو مسح نہیں ہوگا۔ اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ موزے پر مسح خلاف قیاس ہے اسلئے احادیث میں جن جن باتوں کی شرط کے ساتھ مسح مشروع ہے انہیں شرطوں کے ساتھ مسح جائز ہوگا، اور اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ نے موزے کے اوپر مسح فرمایا اسلئے موزے کے اوپر ہی مسح ضروری ہوگا اسکے علاوہ پر مسح کرے گا تو مسح ہی نہیں ہوگا۔ عن علی قال لو كان الدين بالرأى

۳؎ والبداية من الاصابع استحباب اعتبارا بالاصل و هو الغسل. ۴؎ وفرض ذالک مقدار ثلاث اصابع من اصابع اليد، و قال الكرخیؒ من اصابع الرجل، والاول اصح اعتباراً لآلة المسح

لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح علی ظاهر خفيه ۔(ابوداؤد شریف، باب کیف المسح ص۲۴ نمبر۱۶۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے موزے کے اوپر مسح فرمایا۔

فائدة : بعض حدیث میں ہے کہ آپؐ نے موزے کے نیچے کے حصے پر مسح فرمایا۔عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله ﷺ مسح أعلى الخف و أسفله ۔(ابن ماجہ شریف، باب فی مسح أعلی الخف أسفلہ،ص ۸۷، نمبر ۵۵۰/ابوداود شریف، باب کیف المسح ،ص ۲۴ ،نمبر ۱۶۵)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے موزے کے نچلے حصے پر مسح فرمایا،لیکن اس پر علماء کا عمل نہیں ہے، کیونکہ نچلے حصے پر مسح کرنا استحبابی طور پر ہے ۔

ترجمه: ۳؎ اور انگلی سے شروع کرنا مستحب ہے اعتبار کرتے ہوئے اصل کا اور وہ غسل ہے۔

تشریح: پنڈلی کی جانب سے مسح شروع کرے اور پاؤں کی انگلی تک لائے تب بھی مسح ہو جائے گا،البتہ مستحب یہ ہے کہ پاؤں کی انگلی کی جانب سے شروع کرے اور پنڈلی تک کھینچتے کھینچتے لے جائے ۔ (۱)اسلئے کہ پاؤں دھونا جو وضو کی اصل ہے اس میں بھی مستحب یہی ہے کہ انگلی کی جانب سے شروع کرے اور دھوتے دھوتے پنڈلی تک لے جائے اسلئے فرع یعنی مسح میں بھی انگلی سے شروع کرنا مستحب ہے۔(۲)اوپر حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپؐ نے مسح کو انگلی سے شروع کی،حدیث یہ ہے۔عن جابر .... قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع الى اصل الساق و خطط بالاصابع. (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ،ص ۸۷،نمبر ۵۵۱)اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے۔

ترجمه : ۴؎ اور اسکا فرض ہاتھ کی انگلی سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ کہ پاؤں کی انگلی سے،لیکن اول صحیح ہے مسح کے آلے کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشریح: مسح کے لئے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجه : اوپر حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہاتھ کی انگلیوں سے کھینچا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن جابر .... قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع الى اصل الساق و خطط بالاصابع. (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ،ص ۸۷،نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں ہے و خطط بالاصابع ، اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جسکا کم سے کم درجہ تین انگلیاں ہیں اسلئے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار فرض ہے،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کی مقدار فرض ہے اسلئے کہ

(۱۱۴) و لا یجوز المسح علی خف فیه خرق کثیر یتبین منه قدر ثلاث اصابع من اصابع الرجل، و ان کان اقل من ذالک جاز ﴿ ۱؎ وقال زفر والشافعیؒ لا یجوز و ان قل لانه لما وجب غسل البادی یجب غسل الباقی

اوپر کی حدیث میں ہاتھ کی انگلی کا ذکر ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ہاتھ ہی مسح کا آلہ ہے اسلئے مقدار میں آلے کا اعتبار کرنا زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اسی سے کھینچنا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۴) مسح نہیں جائز ہے ایسے موزے پر جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو۔ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اگر اس سے کم ظاہر ہوتی ہو تو مسح جائز ہے۔

وجہ: اصل یہ ہے کہ موزہ اگر پاؤں سے کھل جائے تو پورا موزہ کھول کر پاؤں دھونا پڑتا ہے۔ اب تین انگلی پھٹنا بھی موزہ کا کھلنا ہے۔ کیونکہ چوتھائی کے بعض مقامات پر کل کا حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں اور تین انگلیاں اکثر قدم ہے۔ اس لئے تین انگلیوں کی مقدار پھٹنے اور اتنی مقدار ظاہر ہونے سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ قدم کھل گیا۔ اس لئے اب موزہ کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔ موزہ کھلنے سے پاؤں دھونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه**۔ (السنن للبیھقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیھما ج اول ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۷۰) **سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع** (السنن للبیھقی، باب الخف الذی مسح علیہ رسول اللہؐ ج اول ص ۴۲۵، نمبر ۱۳۴۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۵۸) اس حدیث میں ہے کہ موزے میں پھٹن ہو اور پاؤں نکل جاتا ہو تو اس پر مسح نہ کرے اور کھول کر پاؤں دھوئے۔

نوٹ: اگر تین انگلیوں سے کم کی مقدار ایک موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور کہا امام زفر اور امام شافعیؒ نے نہیں جائز ہے اگر چہ کم پھٹا ہو اسلئے کہ جب کھلے ہوئے کو دھونا واجب ہے تو باقی کو دھونا بھی واجب ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا سا پھٹا ہے تو اس پر دھونا ضروری ہے تو اسکی وجہ سے باقی پر بھی دھونا ضروری ہو جائے گا۔ (۲) اوپر کا اثر بھی انکا متدل ہے کہ پاؤں ظاہر ہو جائے تو پورے موزے کو کھول کر پاؤں دھوئے۔ اثر یہ ہے۔ **عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه**۔ (السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۷۰) اس اثر میں ہے کہ پاؤں ظاہر ہو جائے تو

۲؎ ولنا ان الخفاف لاتخلو عن قلیل خرق عادۃ فیلحقھم الحرج فی النزع، و تخلو عن الکثیر فلا حرج. ۳؎ والکثیر ان ینکشف قدرثلاث اصابع الرجل اصغرھا،ھوالصحیح، لان الاصل فی القدم ھوالاصابع والثلاث اکثرھافتقام مقام الکل،واعتبار الاصغرللاحتیاط ۴؎ولا معتبربدخول الانامل اذا کان لا ینفرج عند المشی

پورا پاؤں کھول کر دھوئے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موزہ تھوڑے بہت پھٹن سے عادۃ خالی نہیں ہوتا اسلئے لوگوں کو بار بار کھولنے میں حرج ہوگا، اور زیادہ پھٹن سے خالی ہوتا ہے اسلئے اس میں حرج نہیں ہے۔

وجہ : (۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ۔موزہ عادۃ تھوڑا بہت پھٹا ہوتا ہی ہے اسلئے تھوڑے بہت پھٹے ہونے سے موزے کو نکالنا لازم کریں تو لوگوں پر حرج لازم ہوجائے گا اسلئے تھوڑے بہت پھٹے ہونے سے بھی مسح درست ہے، البتہ زیادہ پھٹے ہونے سے موزہ خالی ہوتا ہے اسلئے اسکے بارے میں یہ کہا جائے کہ مسح درست نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے موزہ زیادہ پھٹا ہو تو مسح درست نہیں ہوگا اور زیادہ کی مقدار پاؤں کی انگلی سے تین انگلیوں کے برابر ہے۔ (۲) اوپر اثر میں تھا کہ موضع وضو کھل جائے تو اب پورے پاؤں دھوئے، اور موضع وضو تین انگلیوں کی مقدار ہے اس لئے تین انگلیوں کی مقدار کھلے تب پورے پاؤں کو کھولنا ہوگا۔اثر یہ ہے۔ سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع (السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۴۷/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱، نمبر ۱۹۵۸) اس اثر میں ہے کہ موضع وضو کھلے تو پورا پاؤں کھولو۔اور موضع وضو کم سے کم تین انگلیاں ہوگی اسلئے تین انگلیوں کی مقدار کھلنے سے مسح جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ اور کثیر یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کھلے، یہی صحیح ہے اسلئے کہ اصل قدم میں انگلیاں ہیں اور تین انکا اکثر ہیں اسلئے وہ کل کے قائم مقام ہونگے، اور چھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط کے لئے ہے۔

تشریح : متن میں تھا کہ خرق کثیر، زیادہ پھٹن، سے مسح جائز نہیں ہوگا اب اسکی تفصیل فرماتے ہیں کہ خرق کثیر یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار پھٹن ہو، اسکی وجہ یہ ہے کہ اصل قاعدہ یہ گزرا کہ پاؤں کھلے تو موزہ نکالنا ہوگا۔اور پاؤں میں اصل انگلیاں ہیں اسلئے انگلیوں کے کھلنے کا اعتبار کیا، اور پانچ انگلیوں میں سے تین انگلیاں اکثر ہیں اسلئے تین انگلیوں کا اعتبار کیا، اور چھوٹی تین انگلیوں کا اعتبار احتیاط کے لئے کرلیا، ورنہ بڑی تین انگلیوں کا اعتبار بھی کر سکتے تھے۔

ترجمہ: ۴؎ اور کوئی اعتبار نہیں ہے پوروں کے داخل ہونے کا اگر چلتے وقت نہ کھلتا ہو۔

تشریح : موزہ اتنا پھٹا ہوا کہ اس سے پورا نکل سکتا ہے لیکن چلتے وقت نکلتا نہیں ہے بلکہ موزہ بند ہی رہتا ہے تو اس پھٹن سے

۵ و یعتبر هٰذا المقدار فی کل خف علی حدة فیجمع الخرق فی خف واحد و لا یجمع فی خفین لان الخرق فی احدهما لا یمنع قطع السفر بالآخر ۶ بخلاف النجاسة المتفرقة لانه حامل للکل

مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ چلتے وقت موزہ کھل جائے تب مسح ناجائز ہوگا۔ کیونکہ پہلے اثر میں ثم یبد ولہ، کا لفظ ہے اور دوسرے اثر میں اذا اخرج من مواضع الوضوء ہے جس سے معلوم ہوا کہ چلتے وقت پاؤں ظاہر ہو جائے تب مسح ناجائز ہوگا۔ دونوں اثر یہ ہیں۔عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه ۔(السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۷۰) سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه و اخلع (السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۴۷ر مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۱۹۵۸) ان اثار سے معلوم ہوا کہ چلتے وقت پاؤں ظاہر ہو تب مسح ناجائز ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور اعتبار کیا جائے گا اس مقدار کا ہر موزے میں الگ الگ تو تمام پھٹن کو جمع کیا جائے گا ایک موزے میں اور نہیں جمع کیا جائے گا دونوں موزے ہیں اسلئے کہ دونوں میں سے ایک میں پھٹن ہو تو دوسرے کے ذریعہ سفر کرنے کو منقطع نہیں کرتا۔

تشریح: ایک ہی موزے کے تمام پھٹن کو جمع کر کے دیکھا جائے کہ تین انگلیوں کے برابر ہو جائے تو مسح کرنا ممنوع ہوگا۔ لیکن دوسرے موزے کے پھٹن کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا دوسرے موزے کا پھٹن دوسرے موزے ہی میں شامل ہوگا۔ چنانچہ دونوں موزوں میں تھوڑا تھوڑا پھٹن ہو اور دونوں کو ملا کر تین انگلی سے زائد ہو لیکن ہر ایک موزے کا پھٹن تین انگلی سے کم ہو تو دونوں پر مسح جائز ہے ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک موزے میں بہت پھٹن ہو تو دوسرے موزے کو استعمال کر سکتا ہے اور اس سے سفر کر سکتا ہے، تو جب ایک موزے کا پھٹن دوسرے موزے کو استعمال سے نہیں روکتا، تو ایک موزے کا پھٹن مسح کے لئے بھی دوسرے موزے میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ۶ بخلاف الگ الگ نجاست کے اسلئے کہ آدمی کل کو اٹھانے والا ہے۔

تشریح: نجاست کا معاملہ موزے کے پھٹن سے الگ ہے۔تھوڑی تھوڑی نجاست دونوں موزوں پر لگی ہو تو دونوں نجاستوں کو ایک مانا جائے گا، پس اگر دونوں مل کر ایک درھم کے برابر ہو جائے تو اس میں نماز جائز نہیں ہوگی، یہاں دونوں موزوں کی نجاستوں کو ایک مانا گیا جبکہ پھٹن میں الگ الگ مانا گیا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ نجاست کا معاملہ موزے پر نہیں ہے بلکہ خود آدمی پر ہے کہ ایک ہی آدمی دونوں موزوں کی نجاستوں کو اٹھانے والا ہے۔ چونکہ ایک ہی آدمی دونوں موزوں کی نجاستوں کو اٹھانے والا ہے اسلئے دونوں موزوں کی نجاستوں کو ایک ساتھ ملایا جائے گا یہ بھی دلیل عقلی ہے۔

ےوانکشاف العورة نظير النجاسة (١١٥)ولايجوزالمسح لمن وجب عليه الغسل ﴾ ١ لحديث صفوان بن عسالؓ انه قال: كان رسول الله ﷺ يأمرنا اذاكنا سفراان لا ننزع خفافنا ثلثةايام و لياليها الا عن جنابة و لكن عن بول او غائط او نوم ٢ ولان الجنابة لاتتكررعادة فلاحرج فى النزع بخلاف الحدث فانه يتكرر

ترجمه: ے اور ستر عورت کا کھلنا نجاست کی طرح ہے۔یعنی سب کو ملایا جائے گا۔

تشریح: مثلا دونوں رانوں میں تھوڑا تھوڑا کپڑا پھٹا ہوا ہے جس سے ستر عورت نظر آتا ہے اب دونوں رانوں کے پھٹنوں کو ملایا جائے تو چوتھائی جسم ہو جاتا ہے اور چوتھائی جسم ستر کھل جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔لیکن ایک ران کا پھٹن چوتھائی جسم سے کم ہے۔ یہاں دونوں رانوں کے پھٹن کو ملایا جائے گا اور چوتھائی جسم کھلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔کیونکہ ستر کا معاملہ نجاست کی طرح ہے۔ کیونکہ یہاں بھی تمام پھٹن کو ایک ہی آدمی اٹھائے ہوا ہے اسلئے تمام کو جمع کیا جائے گا۔

لغت: خرق : پھٹن، یتبین : ظاہر ہوتا ہے۔انامل: پوروا،انگلی کا اگلا حصہ۔ینفرج : فرج سے مشتق ہے،کھل جاتا ہے۔

ترجمه: (١١٥) موزے پر مسح جائز نہیں ہے اس آدمی کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

تشریح: اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ جن پر جنابت، یا حیض، یا نفاس کا غسل لازم ہو وہ موزے پر مسح نہیں کر سکتا،صرف وہ لوگ موزے پر مسح کر سکتے ہیں جن پر حدث اصغر کا وضو ہو۔

ترجمه: ١ (١) حضرت صفوان بن عسالؓ کی حدیث کی وجہ سے:انہوں نے کہا کہ حضورؐ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اگر ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزے کو تین دن اور تین رات تک نہ کھولیں مگر جنابت سے،لیکن پیشاب،اور پیخانہ،اور نیند کی وجہ سے نہ کھولیں۔ حدیث یہ ہے۔عن صفوان بن عسال قال كان رسول الله ﷺ يأمرنا اذا كنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ايام ولياليهن الا من جنابة ولكن من غائط وبول ونوم۔(ترمذی شریف،باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم ص ٢٧ نمبر ٩٦ رنسائی شریف، باب التوقيت فی المسح على الخفين للمسافر،ص ١٨،نمبر ١٢٧)اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔اور حدث اصغر ہو تو کر سکتا ہے۔

ترجمه: ٢ اور اسلئے بھی کہ جنابت عادۃ بار بار نہیں ہوتی اسلئے موزہ کھولنے میں حرج نہیں ہے بخلاف حدث کے کہ وہ بار بار ہوتا ہے۔

تشریح: جنابت عادۃ دن میں بار بار نہیں ہوتی اسلئے کبھی کبھار جنابت ہونے کے بعد موزہ کھول کر پاؤں دھونے میں حرج نہیں

(۱۱۶) وینقض المسح کل شیء ینقض الوضوء ﴾ ۱ؔ لانہ بعض الوضوء (۱۱۷) و ینقضہ ایضا نزع الخف﴾ ۱ؔ لسرایۃ الحدث الی القدم حیث زال المانع (۱۱۸) و کذا نزع احدھما﴾

ہے، اور حدث ایک دن میں کئی بار ہوتا ہے اسلئے بار بار موزہ کھول کر پاؤں دھونے میں حرج ہے اسلئے شریعت نے سہولت کے لئے موزے پر مسح کرنا جائز رکھا۔ اسلئے حدث اصغر میں موزہ نہیں کھولا جائے گا اور اکبر میں کھولا جائے گا۔۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: (۱۱۶) مسح کو توڑتی ہے وہ چیزیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

ترجمہ: ۱ؔ اسلئے کہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے

وجہ: جن حدثوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان حدثوں سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ موزہ پر مسح کرنا ہوگا۔ البتہ موزہ کھول کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مدت کے اندر موزہ پر دوبارہ مسح کر لینا کافی ہے۔ کیونکہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے اس لئے جس سے وضو ٹوٹے گا اس سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن موزہ پاؤں سے نکل جائے تو دونوں موزے کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۷) اور موزے کے مسح کو توڑ دیگا موزے کا نکلنا بھی۔

ترجمہ: ۱ؔ قدم تک حدث کے سرایت کرنے کی وجہ سے اسلئے کہ روکنے والی چیز زائل ہوگئی۔

تشریح: مدت مسح کے اندر بھی موزہ پاؤں سے نکل جائے یا ٹخنے تک آجائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے اب دونوں موزے مکمل نکال کر پاؤں دھوئے۔ حدث ہونے اور موزے نکلنے میں یہ فرق ہے کہ حدث ہونے سے صرف دوبارہ مسح کرنا ہوتا ہے، اور موزہ نکلنے سے دونوں پاؤں کو دوبارہ دھونا پڑتا ہے۔

وجہ: اسکی ایک وجہ تو یہ حدیث ہے۔ عن مغیرۃ بن شعبۃ قال غزونا مع رسول اللہ ﷺ فامرنا بالمسح علی الخفین ثلاثۃ ایام ولیالیھا للمسافر ویوما و لیلۃ للمقیم مالم یخلع . (سنن للبیھقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیھما ،ص۴۳۴، نمبر ۱۳۷۶/ مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم تخلعھا، ج اول،ص ۱۷۰،نمبر ۱۹۶۰) مالم تخلع سے پتہ چلتا ہے کہ موزہ پاؤں سے کھل جائے تو دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔(۲) یہ اثر بھی ہے۔ عن ابراھیم قال : اذا نزعتھما فاغسل قدمیک ، و بہ یأخذ الثوری . (مصنف عبدالرزاق، باب نزع الخفین بعد المسح، ج اول،ص ۲۱۰،نمبر ۸۱۳) اس اثر میں ہے کہ موزہ کھل جائے تو دونوں پاؤں کو دھوؤ۔(۳) اور تیسری دلیل عقلی یہ ہے کہ موزہ نکلتے ہی موزہ جو حدث کو روکنے والی چیز تھی وہ زائل ہوگئی جسکی وجہ سے پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا اسلئے اب پورا موزہ نکال کر دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا اور سرایت شدہ حدث کو پاک کرنا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۸) ایسے ہی دونوں موزوں میں سے ایک کا کھل جانا۔

ل لتعذر الجمع بين الغسل و المسح فی وظيفة واحدة. (۱۱۹) و كذا مضی المدة ل لما روينا (۱۲۰) و اذا تمت المدة نزع خفيه و غسل رجليه و ليس عليه اعادة بقية الوضوء

ترجمه: ل دھونے اور مسح کو ایک ہی وظیفے میں جمع کرنا متعذر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: دو موزوں میں سے ایک نکل گیا تو دونوں کو کھولنا ہوگا اور دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔ یہاں پر ایک کا کھلنا دونوں کا کھلنا ہے

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں ایک طرح کے ہیں اور دونوں کا ایک ہی کام ہے اسکے باوجود ایک کو دھوئے اور ایک پاؤں پر مسح کرے یہ متعذر ہے، اور اچھا نہیں لگتا ہے اسلئے دونوں ہی کو نکال کر دھونا ہوگا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اثر میں ہے کہ دونوں پاؤں کو نکال کر دھونا ہوگا۔ اثر یہ ہے۔ عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل يمسح على خفيه ثم يبدو له فينزعهما قال يغسل قدميه ۔ (السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۷۰) اس اثر میں ینزعھما، اور قدمیہ، تثنیہ کا صیغہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا، ایک پاؤں دھونا کافی نہیں ہے۔ (۳) اس اثر میں اسکی صراحت ہے۔ عن ابراهيم قال : اذا خلعهما أو أحدهما استأنف الوضوء . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۶۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں موزے کھل جائے یا ایک کھل جائے دونوں صورتوں میں شروع سے وضو کرے۔۔ وظیفۃ واحدۃ : سے مراد ایک کام ہے۔

ترجمه: (۱۱۹) اور مدت کا گزرنا بھی مسح توڑتا ہے۔ یعنی مدت گزر جائے تو مسح ٹوٹ جائیگا، اب دوبارہ مسح کرنا ہوگا۔

ترجمه: (۱۲۰) پس جب مدت گزر جائے تو دونوں موزوں کو کھولے اور دونوں پاؤں کو دھوئے اور نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مدت مسح ہے۔ پس یہ مدت مسح پر گزر جائے تو مسح کا وقت ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ موزہ حدث کے لئے مانع تھا۔ وقت گزرنے پر مانع ختم ہو گیا اور حدث پاؤں کے اندر سرایت کر گیا اس لئے موزہ کھولنا ہوگا اور پاؤں دھونا ہوگا۔

وجہ: اس حدیث، اور اثر میں ہے کہ مدت گزر جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔ عن عبد الرحمن بن أبی بكرة عن ابيه أن رسول الله سئل عن المسح على الخفين فقال : للمسافر ثلاثة أيام و لياليهن و للمقيم يو م و ليلة)) و كان أبی ينزع خفيه و يغسل رجليه ۔ (سنن للبیھقی، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ج اول، ص ۴۱۵، نمبر ۱۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ مدت گزرنے کے بعد حضرت ابو بکرۃؓ موزہ کھول دیا کرتے تھے اور دونوں پاؤں کو دھوتے تھے۔ اس حدیث کے اشارے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے سے وضو موجود ہو تو پورا وضو لوٹانے کی ضرورت نہیں صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے۔ آگے والے

ا؎ وکذا اذانزع قبل المدۃ ۲؎لان عندالنزع یسری الحدث السابق الی القدمین، کانہ لم یغسلھما
۳؎وحکم النزع یثبت بخروج القدم الی الساق لانہ لامعتبر بہ فی حق المسح

۴؎وکذا باکثر القدم، ھو الصحیح، (۱۲۱) و من ابتدأ المسح و ھو مقیم فسافر قبل تمام یوم و لیلۃ

اثر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ وضو ہو تو موزہ کھلنے پر صرف پاؤں دھوئے۔ مسئلہ نمبر ۱۱۸ اثر کا ٹکڑا یہ گزرا ۔ فینزعھما قال یغسل قدمیہ. (سنن للبیھقی ،نمبر ۱۳۷۰) جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دونوں قدموں کو دھونا لازم ہے۔ پورا وضو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: ا؎ اور ایسے ہی اگر موزہ مدت سے پہلے نکل گیا۔ تو دونوں موزے کھول کر دونوں پاؤں دھوئے۔ دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے موزہ کھلتے وقت پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا تو گویا کہ دونوں قدموں کو دھویا ہی نہیں ۔

یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ جب موزہ نکل گیا اور قدم کھل گیا تو پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا اور ایسا سمجھیں کہ دونوں پاؤں کو دھویا ہی نہیں اسلئے موزہ نکال کر دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔۔ اسکے لئے اثر اوپر گزر گیا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور نکلنے کا حکم ثابت ہوگا اس سے کہ قدم موزے کی پنڈلی تک نکل جائے ،اسلئے کہ مسح کے حق میں اسکا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح : موزے کا کتنا حصہ قدم سے باہر نکل جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا، اس سلسلے میں دو روایتیں پیش کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ موزے کا وہ حصہ جو پنڈلی پر لگتا ہے وہاں تک قدم آجائے تو گویا کہ موزہ نکل گیا اور پیر دھونا ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ موزے کی پنڈلی کا جو حصہ ہے مسح میں اسکا اعتبار نہیں ہے موزے میں وہ حصہ نہ بھی ہو تو مسح جائز ہے اور جب قدم وہاں تک آگیا تو گویا کہ موزہ قدم سے باہر نکل آگیا، اسلئے مسح ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور ایسے ہی اکثر قدم باہر نکل جائے تو موزے کا نکلنا ہے، صحیح یہی ہے ۔

قدم کا اکثر حصہ موزے کی پنڈلی میں آجائے تو گویا کہ موزہ نکل گیا اور مسح ٹوٹ گیا۔ صحیح یہی ہے، کیونکہ بہت سی جگہ پر اکثر کا حکم کل کا حکم ہے اسلئے اکثر قدم موزے کی پنڈلی میں آگیا تو گویا کہ پورا موزہ نکل گیا۔ اور حدیث کے مطابق۔ مالم یخلع . (سنن للبیھقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیھما، ص ۴۳۴، نمبر ۱۳۷۶) کا ثبوت ہو گیا۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ ایڑی کا اکثر حصہ موزے کی پنڈلی میں آجائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔

لغت نزع : نکالے۔ یسری: سرایت کر جائے۔ الساق: پنڈلی، یہاں مراد ہے موزے کی پنڈلی۔

ترجمہ : (۱۲۱) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مقیم تھا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کیا تو مسح

مسح ثلاثة ايام و لياليها﴾ ۱؎ عملاً باطلاق الحديث ۲؎ و لانه حكم متعلق بالوقت فيعتبر فيه آخره ۳؎ بخلاف ما اذا استكمل المدة للاقامة، ثم سافر لان الحدث قد سرى الى القدم، والخف ليس برافع،

کرے گا تین دن تین رات۔

ترجمہ: ۱؎ عمل کرتے ہوئے مطلق حدیث پر۔

وجہ: مقیم نے ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے سفر کیا تو حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مسافر بن گیا اس لئے مدت اب لمبی ہو کر مسافر کی مدت پر عمل کرے گا یعنی جب سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات تک پورا کرے گا۔ اور اگر ایک دن اور ایک رات پورا ہو جاتا تو حدث قدم پر سرایت کر جاتا اب وہ اٹھے گا نہیں۔ اب تو پاؤں کھول کر دھونا ہی ہوگا۔ اس صورت میں تین دن پورا نہیں کر سکتا ہے حدیث یہ ہے۔ قال اتيت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر و يوما وليلة للمقيم ۔(مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶/۶۳۹/ ابو داود شریف، باب التوقیت فی المسح، ص ۲۳، نمبر ۱۵۷/ نسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم، ص ۱۸، نمبر ۱۲۹) اس حدیث میں ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

اصول: حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مدت کا حکم بدل سکتا ہے۔ سرایت کرنے کے بعد نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ مسح کا حکم متعلق ہے وقت کے ساتھ اسلئے اعتبار کیا جائے گا آخری وقت کا۔

تشریح: مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے اسلئے یہ دیکھا جائے گا آخری وقت کا اعتبار ہوگا اور اخیر میں ابھی مقیم کے لئے بھی وقت باقی تھا اسلئے جب وہ مسافر بنا تو مسافرت کا وقت مقیم کے ساتھ مل کر تین دن لمبا ہو جائے گا۔ اور جس وقت سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات پوری کرے گا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جب کہ اقامت کی مدت پوری کر چکا ہو پھر سفر کیا ہو تو متصل نہیں ہوگا اسلئے کہ حدث قدم تک سرایت کر چکا ہے، اور موزہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے۔

تشریح: مقیم آدمی ایک رات ایک دن پوری کر چکا ہے اسکے بعد سفر کیا تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے گا، اور مسافرت کی مدت پوری نہیں کرے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسے ہی اقامت کی مدت ایک دن ایک رات پوری ہوئی تو پرانا حدث قدم میں سرایت کر گیا، اور موزہ سرایت شدہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے، وہ تو صرف آنے والا حدث کو روکنے والا نہیں ہے اسلئے مدت سفر اسکے ساتھ متصل نہیں ہوگا اور تین دن تین رات پورا نہیں کرے گا۔

(۱۲۲) و لو اقام و هو مسافر ان استکمل مدة الاقامة نزع ﴾ ۱؎ لان رخصة السفر لا تبقی بدونه، (۱۲۳)و ان لم یستکمل اتمها ﴾ ۱؎ لان هذه مدة الاقامة و هو مقیم (۱۲۴) و من لبس الجرموق فوق الخف مسح علیه﴾ ۱؎ خلافا للشافعیؒ فانه یقول : البدل لا یکون له بدل،

ترجمہ: (۱۲۲) اگرمسافر آدمی مقیم ہوگیا، اگراقامت کی مدت پوری کر چکا ہےتو موزہ کوکھولے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ سفر کی رخصت اسکے بغیر باقی نہیں رہتی۔

تشریح: مسافر آدمی تھا اسکوتین دن اورتین رات مدت مسافرت پوری کرنی تھی، لیکن وہ مقیم ہوگیا ،پس اگرمقیم کی مدت ایک دن ایک رات پوری کر چکا ہےتو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے ،اسلئے کہ اب وہ مسافرنہیں رہا اسلئے اسکے بغیر مسافرت کی سہولت بھی باقی نہیں رہے گی

ترجمہ: (۱۲۳) اوراگر مدت اقامت پوری نہیں کی ہےتو اسکو پوری کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ یہ مدت اقامت ہےاور وہ مقیم ہے۔

تشریح: سفرمیں تھا لیکن مسح کا ایک رات ایک دن پورانہیں ہوا تھا کہ وہ مقیم ہوگیا تو ایک دن ایک رات پورا کرے، کیونکہ یہ ابھی کم سے کم مقیم ہےاسلئے مدت اقامت پورا کرے گا۔سب کے دلائل مقیم اور مسافرت والی حدیث ہے جواوپر گزرگئی۔

ترجمہ: (۱۲۴) جس نے جرموق کوموزے کےاوپر پہنا تو اس پرمسح کرے گا۔

تشریح: ۔جرموق یا موق چمڑے کےاس موزے کوکہتے ہیں جو اچھے موزے کی حفاظت کے لئے اس کےاوپر پہنتے ہیں،اور جرموق پرمسح کرنے کے لئے وہی شرائط ہیں جوموزے پرمسح کرنے کے لئے ہیں تو گویا کہ دونوں موزے ہی ہیں۔اس لئے جرموق پرمسح کرسکتا ہے۔

وجہ: (۱)حدیث میں ہےعن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یمسح علی الموقین والخمار. (سنن للبیھقی ، باب المسح علی الموقین، ج اول، ص۴۳۲،نمبر ۱۳۶۸/ابوداؤدشریف، باب المسح علی الخفین ،ص ۲۳ نمبر۱۵۳)اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے جرموق پرمسح فرمایا۔ اسلئے جرموق پرمسح جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے،وہ فرماتے ہیں کہ موزہ پاؤں کا بدل ہے اسلئے اب موزے کے لئے بدل نہیں ہوسکتا۔

تشریح: وہ فرماتے ہیں کہ پاؤں کا بدل موزہ ہے،جس پرحدیث کی بناء پرخلاف قیاس مسح کرنے کی گنجائش ہوئی اسلئے اب موزے کا بدل جرموق ہو یہ صحیح نہیں ہے۔موسوعۃ میں ہے۔ثم احدث فأراد أن یمسح علی الجرموقین ، لم یکن ذالک له۔(موسوعۃ ، باب من لہ المسح ، ج اول،ص ۱۳۸،نمبر ۴۵۵)

۲ و لنا ان النبی علیہ السلام مسح علی الجرموقین ۳ و لانـه تبع للخف استعمالاً و غرضاًفصار کخف ذی طاقین ۴ وهـو بـدل عن الرجل لا عن الخف ۵ بـخـلاف مـا اذا لبـس الجرموق بعد ما احدث لان الـحدث حل بالخف فلا یتحول الی غیره ۶ و لـو کـان الجرموق من کرباس لا یجوز المسح علیه لانه لا یصلح بدلا عن الرجل الا ان تنفذ البلة الی الخف،

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے جرموق پر مسح فرمایا۔ یہ حدیث اوپر سنن للبیھقی نمبر ۱۳۶۸/ابوداود، نمبر ۱۵۳) میں گزر گئی ہے۔

ترجمه : ۳ اور اسلئے کہ جرموق استعمال اور غرض کے اعتبار سے موزے کے تابع ہے اسلئے وہ دو طاق والے موزے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ جرموق موزے کے بدلے میں موزہ ہو گیا۔ تو اسکا جواب یہ دے رہے ہیں کہ یہ موزے کے بدلے میں موزہ نہیں ہے بلکہ جرموق استعمال اور غرض کے اعتبار سے موزے کے تابع ہے، اور جرموق موزے کی حفاظت کے لئے ہے اسلئے جرموق موزے کا بدل نہیں ہوا اصل موزہ ہی رہا، بس یوں سمجھ لیں کہ ایک ہی موزہ دو طاق والا ہے، اور ایک ہی موزہ دو طاق والا ہو تو اس پر مسح کرنا درست ہے اسلئے جرموق پر بھی مسح کرنا جائز ہوگا۔

ترجمه: ۴ اور جرموق پاؤں کا بدل ہے نہ کہ موزے کا۔

تشریح: یہ دوسرا جواب ہے۔ کہ جرموق موزے کا بدل نہیں ہے کہ کہا جائے کہ پاؤں کا بدل موزہ اور موزے کا بدل جرموق ہو گیا۔ بلکہ جرموق براہ راست پاؤں کا بدل ہے، اسلئے جرموق پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

ترجمه : ۵ بخلاف جبکہ جرموق حدث ہونے کے بعد پہنا ہو اسلئے کہ حدث موزے میں سرایت کر گیا اسلئے وہ غیر کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر وضو کیا پھر موزہ پہنا پھر حدث ہوا اسکے بعد اس پر جرموق پہنا تو اس جرموق پر مسح نہیں کر سکتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدث موزے پر سرایت کر گیا اسکے بعد اسکے اوپر جرموق پہنا ہے اسلئے حدث موزے سے ہٹ کر جرموق پر نہیں آئے گا۔ اسلئے اب جرموق پر مسح نہیں کر سکتا۔ البتہ حدث سے پہلے جرموق پہنتا تو جرموق پر مسح کر سکتا تھا۔

ترجمه : ۶ اور اگر جرموق سوتی کپڑے کا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ وہ پاؤں کا بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، مگر یہ کہ تری موزے تک سرایت کر جائے۔ تو مسح کرنا جائز ہوگا۔

تشریح : موزے کے اوپر جو جرموق پہنا ہے وہ چمڑے کے بجائے سوتی کپڑے کا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسکی وجہ یہ

(۱۲۵) و لا یجوز المسح علی الجوربین عند ابی حنیفةؒ الا ان یکونا مجلدین او منعلین

ہے کہ سوتی کپڑا پاؤں کا بدل نہیں بن سکتا، حدیث کے اعتبار سے پاؤں کا بدل تو چمڑے کا موزہ بنتا ہے۔ ہاں اگر کپڑا اتنا باریک ہے کہ مسح کرتے وقت ہاتھ کی تری چمڑے کے موزے تک پہنچ جاتی ہے تو ایسے جرموق پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ جب تری موزے تک پہنچ گئی تو گویا کہ موزے پر ہی پانی والا ہاتھ پھیرا گیا، اور موزے پر ہی مسح کر لیا اسلئے اس جرموق پر مسح جائز ہے۔

لغت: جرموق اور موق: موزے پر جو موزے حفاظت کے لئے پہنتے ہیں اس کو جرموق یا موق کہتے ہیں۔ خف ذی طاقین: دوتہہ والا موزہ۔ حل: حلول کر گیا، سرایت کر گیا۔ یتحول: بدل جائے۔ کرباس: سوتی کپڑا۔ تنفذ: نفوذ کر جائے، سرایت کر جائے۔ البلۃ: تری

ترجمہ: (۱۲۵) نہیں جائز ہے مسح جوربین پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ دونوں مجلد ہوں یا منعل ہوں۔

تشریح: جورب سوت یا اون کے موزے کو کہتے ہیں چمڑے کے نہ ہوں۔ پھر اس موزے کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) موٹا ہو جس میں جلدی پانی پاس نہ ہوتا ہو۔ جس کو ثخینین: کہتے ہیں۔ ثخین کا ترجمہ ہے موٹا (۲) پتلا موزہ ہو جس سے آسانی سے پانی پاس ہوتا ہو۔ (۳) موزے کے تلوے میں اور اسکی کناری پر چمڑا لگا ہوا ہو جسکو: مجلدین: کہتے ہیں۔ چونکہ تلوے اور کناری دونوں ملا کر کافی چمڑا لگا ہوا ہے اسلئے اسکو مجلد کہتے ہیں۔ (۴) موزے کے صرف تلوے میں چمڑا لگا ہوا ہو جسکو، منعلین: کہتے ہیں۔ نعل کا معنی ہے ایڑی، چونکہ صرف تلوے پر چمڑا لگا ہوا ہے اسلئے اسکو منعلین: کہتے ہیں۔ ان میں سے پتلے موزے اور ثخینین پر مسح کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے صرف مجلدین اور منعلین پر مسح کرنا جائز ہے۔

وجہ: عن مغیرۃ بن شعبة قال توضأ النبی ﷺ ومسح علی الجوربین والنعلین۔ (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ / ابو داؤد، باب المسح علی الجوربین ص ۲۴ نمبر ۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جوربین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور والنعلین کا ترجمہ استاذ ابو الولیدؒ نے یہ کیا ہے جوربین جو منعلین ہو یعنی ایسا سوت کا موزہ جس میں نعل لگا ہوا ہو۔ عبارت یہ ہے وکان الاستاذ أبو الولیدؒ یوء ول حدیث المسح علی الجوربین و النعلین علی أنه مسح علی جوربین منعلین لا أنه جورب علی الانفراد و نعل علی الانفراد۔ (سنن للبیھقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین، ج اول، ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حدیث ترمذی میں جورب سے مراد منعل جورب ہے۔ ۔ اور راشد بن نجیح سے روایت ہے قال رأیت انس بن مالک دخل الخلاء وعلیه جوربان اسفلھما جلود واعلاھما خز فمسح علیھما۔ (السنن للبیھقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین، ج اول، ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے جو سوت کے موزے میں مجلدین اور منعلین ہونے کی قید لگائی ہے وہ ان روایات کی روشنی میں لگائی ہے۔ (۲) آگے ایک اور دلیل آرہی ہے کہ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس صرف حدیث کی بنا پر ہے، اور متواتر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ چمڑے کے

(۱۲۶) وقالا :يجوز اذا كاناثخينين لا يشفان ﴾ ل لما روى ان النبی علیہ السلام مسح على جوربيه، ٢ ولانه يمكنه المشي فيه اذا كان ثخيناً ، وهو ان يتمسک علی الساق من غير ان يربط بشیء فاشبه الخف

موزے پر مسح جائز ہے، اسلئے اس سے ہٹ کر اسی جورب پر مسح جائز ہوگا جو چمڑے کے قریب قریب ہو۔ چمڑے کے موزے کی خاص بات یہ ہے کہ صرف موزہ پہن کر اھل عرب ریت میں میلوں چل لیا کرتے تھے، اور سوتی موزے جو مجلدین، یا منعلین ہوں اسی سے میلوں چل سکیں گے، جو مجلدین، یا منعلین نہ ہوں اس سے میلوں نہیں چل سکیں گے اسلئے مجلدین اور منعلین کے علاوہ پر مسح جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۱۲۶) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اگر دونوں موزے موٹے ہوں اور چھنتے نہ ہوں

تشریح: صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین شرطیں ہوں تو سوت کے موزے پر مسح جائز ہے (۱) اتنا موٹا ہو کہ مسح کرتے وقت پانی پاؤں کی کھال تک سرایت نہ کرتا ہو (۲) بغیر باندھے پاؤں پر رکتا ہو (۳) ایک میل تک موزے میں چل سکتا ہو۔ تو اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں سے سوت کا موزہ چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں چمڑے کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے اس لئے یہ شرطیں لگائی گئیں۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ نبیؐ نے اپنے دونوں جورب پر مسح فرمایا ۔ حدیث یہ ہے۔ **عن مغيرة بن شعبة قال توضأ النبی علیہ السلام ومسح على الجوربين والنعلين** ۔ (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ / ابو داؤد، باب المسح علی الجوربین، ص ۲۴ نمبر ۱۵۹) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جوربین پر مسح فرمایا، اور ایسے جورب پر بھی مسح فرمایا جو منعلین تھا۔ (۲) اثر میں ہے۔ **سمعت ابن عمرؓ يقول : المسح على الجوربين كالمسح على الخفين** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۴ من قال : الجوربان بمنزلۃ الخفین ، ج اول ، ص ۱۷۳ ، نمبر ۱۹۹۴ / مصنف عبد الرزاق ، باب المسح علی الجوربین ، ج اول ، ص ۲۰۱ ، نمبر ۷۸۲) اس اثر میں ہے کہ جورب پر مسح کرنا چمڑے کے موزے پر مسح کرنے کی طرح ہے، اور اس میں نعلین، یا مجلدین کی کوئی قید نہیں ہے اسلئے مطلق جورب پر بھی مسح کرنا جائز ہوگا۔ (۳) جورب موٹا ہو اسکی قید اس اثر میں ہے۔ **عن سعيد بن المسيب و الحسن أنهما قالا : يمسح على الجوربين اذا كانا صفيقين** . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۳ فی المسح علی الجوربین، ج اول، ص ۱۷۱، نمبر ۱۹۷۶) اس اثر میں ہے کہ جورب موٹا ہو تو مسح کرے ورنہ نہیں۔

ترجمہ : ٢ اور اسلئے کہ ممکن ہے اس جورب میں چلنا جبکہ موٹا ہو اس حال میں کہ پنڈلی پر بغیر کسی چیز سے باندھے رکتا ہو تو وہ موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔

۳؎ و لہ انہ لیس فی معنی الخف لانہ لا یمکن مواظبۃ المشی فیہ الا اذا کان منعلاً، وھو محمل الحدیث ۴؎ و عنہ انہ رجع الی قولھما، و علیہ الفتوی (۱۲۷) و لا یجوز المسح علی العمامۃ، و القلنسوۃ، و البرقع، و القفازین

تشریح: جورب اتنا موٹا ہو کہ بغیر کسی چیز سے باندھے ہوئے پنڈلی پر رک جاتا ہو تو اس میں دور تک چلنا ممکن ہے اسلئے وہ بھی چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو گیا اسلئے اس ثخین پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ پوری تفصیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ ثخینین چمڑے کے موزے کے معنی میں نہیں ہے اسلئے کہ اس میں پیدر پے چلنا ممکن نہیں جب تک کہ منعلین نہ ہو اور حدیث کا محمل بھی یہی ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف ثخینین ہونے سے چمڑے کے موزے کی طرح نہیں ہو گیا کیونکہ اس میں پیدر پے چلنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس میں چمڑا لگا کر منعل، یا مجلد نہ کر دے اسلئے منعل یا مجلد چمڑے کے موزے کے درجے میں ہوگا اور اسی پر مسح بھی جائز ہوگا۔ اور حدیث جو ہے کہ جورب پر مسح کیا اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ نعل والے جورب پر مسح کیا۔ جیسا کہ استاذ ابو الولید کی تاویل سے ثابت کیا گیا۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے آخری عمر میں صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

تشریح: اوپر کی احادیث کی بناء پر حضرت امام اعظم نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا اور اب فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ کہ ثخینین پر مسح کرنا جائز ہے۔ عبارت یہ ہے سمعت ابا مقاتل السمرقندی یقول : دخلت علی ابی حنیفۃؒ فی مرضہ الذی مات فیہ ، فدعا بماء فتوضأ وعلیہ جوربان ، فمسح علیھما ، ثم قال : فعلت الیوم شیئاً لم اکن افعلہ : مسحت علی الجوربین و ھما غیر منعلین ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی المسح علی الجوربین والنعلین ،ص ۲۹، نمبر ۹۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آخیر عمر میں ثخینین کی طرف مسح کرنے میں رجوع فرمایا۔

لغت: خف: چمڑے کا موزہ، جوربین: سوت کا موزہ. ثخینین: ثخین کا تثنیہ ہے موٹا موزہ، یشفان: تثنیہ ہے یشف کا جس میں پانی چھن جاتا ہو۔ مجلد: جلد سے مشتق ہے، سوتی کے جس موزے کے تلوے اور کنارے پر چمڑا لگا ہوا ہو۔ منعل: نعل سے مشتق ہے، ایڑی، سوتی کے جس موزے کے صرف تلوے پر چمڑا لگا ہوا ہو۔ مواظبت: پیدر پے، ہمیشہ۔

ترجمہ: (۱۲۷) عمامہ پر، ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اب خبر آحاد حدیث کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس

لے لانـه لاحـرج فی نزع هذه الاشياء، و الرخصة لدفع الحرج (۱۲۸)و يـجوز المسح على الجبائر و ان شدها على غير وضوء﴾

لئے احادیث کی وجہ سے پگڑی، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پگڑی پر مسح کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا اور پگڑی پر بھی کر لیا (۲) چنانچہ حدیث میں اس طریقۂ کار کا ثبوت ہے۔ **عن انس بـن مالک قال رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسـه فلم ينقض العمامة** ۔(ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ص ۲۱ نمبر ۱۴۷) مسلم میں ہے **ان النبی ﷺ مسح على الـخـفـيـن ومقدم رأسه وعلى عمامته** (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سر پر مسح کیا اور پگڑی پر مسح کیا۔اس لئے صرف پگڑی پر مسح کافی نہیں ہے (۳) امام ترمذی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ کرلے عبارت یہ ہے۔ **و قـال غيـر واحـد من اهل العلم من أصحاب النبیؐ و التابعين : لا يمسح على العمامة الا ان يمسح برأسه مع العمامة وهو قول سفيان الثوری ومالک بن انس و ابن المبارک، والشافعی.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والعمامۃ ص ۲۹ نمبر ۱۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ عمامے کے ساتھ سر پر بھی مسح کرنا ہوگا صرف عمامے پر مسح کافی نہیں ہوگا۔(۴) دار قطنی نے باضابطہ باب باندھا ہے باب فی جواز المسح علی بعض الرأس ، اور اس کے تحت ایسی چار حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمامہ کے ساتھ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث یہ ہے۔ **عـن ابـن المغيرة عن ابيه أن النبیؐ مسح على الخفين ، و مقدم رأسـه ، و على عمامته** ۔(دار قطنی، باب فی جواز المسح علی بعض الرأس، ج اول ص ۲۲۰ نمبر ۷۲۸) اس حدیث میں ہے کہ عمامے کے ساتھ سر کے اگلے حصے پر بھی مسح فرمایا۔

دستانے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ھے ۔اس کے دلائل وہی ہیں جو مسح علی العمامۃ کے بارے میں گزرے ہیں (۲) ان چیزوں کے دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسح کرنا دفع حرج کے لئے ہے اس لئے ہاتھ کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمه: لے اور اسلئے کہ ان چیزوں کے کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور رخصت حرج کے دفع کے لئے ہوتا ہے۔

لغت: قلنسوۃ: ٹوپی۔ القفازین : دستانے

ترجمه: (۱۲۸) مسح جائز ہے زخم کی پٹیوں پر اگرچہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

وجـه : (۱) زخم کی پٹیوں کو کھولنا مشکل ہے اور حرج ہے۔اس لئے پٹی رہتے ہوئے اس پر مسح کیا جائے گا۔چاہے پٹی کو حدث کی حالت میں باندھا ہو (۲) ابوداؤد میں حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عـن جابر قال : خرجنا فی سفر ....انما يكفيه ان يتيمم و**

۱ لانه علیہ السلام فعل ذالک و امر علیاً به ۲ و لان الحرج فیه فوق الحرج فی نزع الخف فکان اولی بشرع المسح ۳ و یکتفی بالمسح علی اکثرها، ذکره الحسن ۴ ولا یتوقت لعدم التوقیف بالتوقیت

یعصر او یعصب شک موسی علی جرحه خرقه ثم یمسح علیها و یغسل سائر جسده ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المجدور یتیمم ص ۵۵ نمبر ۳۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زخم کے اوپر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرے (۳) عن علی بن ابی طالب قال : انکسرت احدی زندی فسألت النبی فأمرنی أن امسح علی الجبائر (ابن ماجه شریف باب المسح علی الجبائر، ص ۹۳، نمبر ۶۵۷ (دار قطنی، باب جواز المسح علی الجبائر، ص ۲۳۳ نمبر ۸۶۷/ السنن للبیہقی، باب المسح علی العصائب والجبائر ج اول، ص ۳۴۸، نمبر ۱۰۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھپچی پر مسح کرنا جائز ہے۔

نوٹ: عموماً زخم پر بغیر وضو کے ہی پٹی باندھتے تھے اس کے باوجود صحابہ اس پر مسح کرتے تھے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔ اس لئے بغیر وضو کے بھی پٹی باندھی تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضورؐ نے یہ کیا، اور حضرت علیؓ کو اسکا حکم بھی دیا ہے۔

یعنی حضورؐ نے پٹی پر مسح فرمایا۔ حدیث یہ ہے عن ابن عمر : أن النبی کان یمسح علی الجبائر ۔(دار قطنی، باب ما فی المسح علی الخفین من غیر توقیت، ج اول، ص ۲۱۲، نمبر ۷۷۴) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ پٹی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

، اور حضرت علیؓ کو پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا، یہ حدیث ابن ماجہ، نمبر ۶۵۷ کی اوپر گزر گئی ہے

ترجمہ : ۲ اور اسلئے بھی کہ اس میں جو حرج ہے وہ موزے کھولنے کے حرج سے زیادہ ہے اسلئے مسح کا مشروع ہونا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : موزہ کھولنے میں حرج ہے اسلئے اس پر مسح کرنے کی اجازت دی۔ تو پٹی کھولنے میں اس سے حرج اور تکلیف ہے اسلئے اس میں بدرجہ اولی مسح کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ : ۳ اور اکتفاء کرے مسح کرنے کا اکثر زخم پر۔ یعنی۔ جہاں تک پٹی باندھا ہے اس میں سے اکثر پر مسح کر لیا تو کافی ہو جائے گا، پورے پر نہ بھی کرے تو کافی ہو جائے گا۔ لیکن اگر آدھا، یا آدھا سے کم کیا تو کافی نہیں ہے۔ حضرت حسنؒ نے یہی ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ تکلیف کی وجہ سے پورے پر مسح کرنا بعض مرتبہ مشکل ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۴ اور پٹی کا مسح وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ حدیث میں وقت کی تعین نہیں ہے۔

تشریح : موزے کے مسح میں وقت کی تعین ہے کہ ایک دن یا تین دن ہو لیکن پٹی کے مسح میں وقت متعین نہیں ہے جب تک زخم

(۱۲۹) و ان سقطت الجبیرۃعن غیر برء لا یبطل المسح ﴾ ۱؎ لان العذر قائم والمسح علیها کالغسل لما تحتها ما دام العذر باقیا، (۱۳۰) و ان سقطت عن برء بطل ﴾ ۱؎ لزوال العذر، ۲؎ وان کان فی الصلوۃ استقبل لانه قدر علی الاصل قبل حصول المقصود بالبدل.

ٹھیک نہ ہو مسح کرتا رہے گا، کیونکہ حدیث میں بھی کسی وقت کا تعین نہیں ہے۔

لغت : الجبائر : جمع ہے جبیرۃ کی پٹی، کھپچی۔ شد: باندھا ہو۔ التوقیف : حدیث میں نہیں ہے۔ التوقیت: وقت کا تعین۔

ترجمہ: (۱۲۹) پس اگر بغیر زخم اچھا ہوئے پٹی گر گئی تو مسح باطل نہیں ہوگا۔

تشریح : وضو کر کے پٹی پر مسح کیا تھا اس درمیان ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ پٹی گر گئی تو پہلا مسح چلے گا۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ عذر ابھی باقی ہے، اور اس پر مسح کرنا نیچے کے زخم کو دھونے کی طرح ہے جب تک عذر باقی ہے۔

تشریح : جب تک زخم موجود ہے اور عذر باقی ہے تو پٹی پر مسح کرنا ایسا ہے جیسے وضو کے وقت زخم کو دھویا ہو۔ اور وضو کے وقت زخم کو دھویا ہو تو پٹی گرنے کے باوجود بھی نہ مسح کو لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے، اسی طرح یہاں بھی زخم ٹھیک ہوئے بغیر پٹی گر گئی تو نہ مسح ٹوٹے گا اور نہ وضو کو لوٹانے کی ضررت ہے۔

ترجمہ: (۱۳۰) اگر کھپچی زخم ٹھیک ہو کر گری ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ عذر کے زائل ہونے کی وجہ سے۔

وجہ: زخم ٹھیک ہو گیا تو اب مجبوری نہیں رہی اس لئے اصل پر آجائے گا اور مسح باطل ہو جائے گا۔ اب اس کو دوبارہ دھونا ہوگا۔

لغت: برء : زخم ٹھیک ہونا۔

ترجمہ : ۲؎ اور اگر نماز میں ہو تو اسکو شروع سے پڑھے گا، اسلئے کہ بدل کے ذریعہ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا۔

تشریح : نماز پڑھ رہا تھا کہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی، تو وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنا جو اصل ہے اس پر نماز ختم کرنے سے پہلے قادر ہو گیا۔ اسلئے بدل پر جو عمل کر رہا تھا وہ باطل ہو جائے گا اور اصل پر عمل کرنا ہوگا۔

اصول: مجبوری کے وقت ہی فرع پر عمل کر سکتا ہے اور مجبوری ختم ہو جائے تو اصل پر عمل کرنا ضروری ہے۔

JPEG CLIPART\26555.JPEG.jpg not found.

﴿باب الحیض﴾

(۱۳۱) اقل الحیض ثلاثة ایام و لیالیها، و ما نقص من ذالک فهو استحاضة ﴾ ۱؎ لقوله علیه السلام : اقل الحیض للجاریة البکر و الثیب ثلاثةایام و لیالیها، و اکثره عشرة ایام، ۲؎ وهو حجة علی الشافعیؒ فی التقدیر بیوم و لیلة

﴿حیض کا بیان﴾

ضروری نوٹ: حیض کے معنی بہنا ہے۔شریعت میں ایسی عورت جونا بالغہ نہ ہو،آئسہ نہ ہو، جریان خون کا مرض نہ ہواور حمل نہ ہواس کے رحم سے خون نکلے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔جس کو جریاں خون کا مرض ہو یا حاملہ ہو یا نا بالغہ ہو یا آئسہ ہواس کے رحم سے جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا ہے بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے ویسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن۔(آیت۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

ترجمہ: (۱۳۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین راتیں ہیں تو جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ ہے۔

تشریح : حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اس سے کم آکر رک جائے ، یا دس دن سے زیادہ آجائے تو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہونگے۔

ترجمہ : ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ باکرہ اور ثیبہ لڑکیوں کے لئے حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں،اور اسکی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔

وجہ: (۱) حدیث یہ ہے عن ابی امامة الباهلی قال قال رسول الله ﷺ لایکون الحیض للجاریة والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثة ایام ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فهی مستحاضة فمازاد علی ایام اقرائها قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقیق (دار قطنی ، نمبر ۸۳۴) (۲)عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحیض ثلاثة ایام و اکثره عشرة ایام ۔(دار قطنی ، کتاب الحیض ، ج اول ،ص ۲۲۵ /۸۳۶)دار قطنی میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔ اور اس سے کم یا زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور یہ حدیث حجت ہے امام شافعیؒ پر ایک دن اور ایک رات کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے حیض کی کم سے کم مدت ایک دن ایک رات متعین کی ہے انکے خلاف اوپر کی حدیث حجت ہوگی ، انکی دلیل یہ قول ہے عن عطاء قال اکثر الحیض خمسة عشرة وقال ادنی الحیض یوم ۔(دار قطنی ، کتاب الحیض ص ۲۱۶

۳؎ وعن ابی یوسفؒ انه یومان و الاکثر من الیوم الثالث اقامة للاکثر مقام الکل، ۴؎ قلنا: هذا نقص عن تقدیر الشرع (۱۳۲) و اکثره عشرة ایام، والزائد استحاضة ﴿ ۱؎ لما روینا وهو حجة علی الشافعیؒ فی التقدیر بخمسة عشر یوماً ۲؎ ثم الزائد والناقص استحاضة، لان تقدیر الشرع یمنع الحاق غیره به

نمبر ۷۸۹/۷۹۰/سنن للبیہقی، باب أقل الحیض، ج اول، ص ۴۷۶، نمبر ۱۵۳۲) اس قسم کے قول سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت میں کوئی حد تعیین نہیں ہے۔ کیوں کہ اوپر حضرت عطاء کا قول آیا کہ کم سے کم مدت ایک دن ہو سکتی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ، اکثر کو کل کے مقام پر قائم کرنے کے لئے۔

تشریح : حیض کی مدت کم سے کم پونے تین دن ہے، کیونکہ دو دن سے زیادہ ہو گیا تو گویا کہ تین دن پورے ہو گئے، کیونکہ اکثر کو کل کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ (۲) دوسری دلیل یہ اثر بھی ہے قال اسحاق : قا ل عبد الرحمن بن مهدی : کانت امرأة یقال لها أم العلاء قالت؛ حیضتی منذ أیام الدهر یومان. (سنن للبیہقی، باب أقل الحیض، ج اول، ص ۴۷۶، نمبر ۱۵۳۴) اس اثر میں ہے کہ ایک عورت دو دن حیض دیکھتی تھی، تو حضرت امام ابو یوسفؒ نے اوپر کی تین دن والی حدیث اور اس اثر کو ملا کر پونے تین دن حیض کا زمانہ قرار دیا۔

ترجمہ: ۴؎ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ شریعت کے تعین سے کم کرنا ہے۔ اسلئے یہ ٹھیک نہیں۔ ٹھیک پہلا ہی ہے۔

ترجمہ: (۱۳۲) اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں، اور اس سے زائد استحاضہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی وجہ سے جو اوپر ذکر کیا، اور وہ امام شافعیؒ پر حجت ہے پندرہ دن کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے، تو اوپر والی حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی۔ وہ حدیث اوپر گزر گئی، حدیث یہ تھی۔ ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فهی مستحاضة. (دار قطنی، نمبر ۸۳۴) اس حدیث میں ہے کہ اکثر مدت دس دن ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ پھر جو زائد ہے اور کم ہے وہ استحاضہ ہے، اسلئے کہ شریعت کا تعین دوسرے کو اسکے ساتھ ملانے سے روکتی ہے۔

تشریح : حیض تین دن سے کم آ کر مکمل رک گیا تو چونکہ یہ خون تین دن سے کم ہے اسلئے یہ استحاضہ ہوگا، اسی طرح جو خون دس دن سے زیادہ آئے وہ بھی استحاضہ ہے، اسلئے کہ شریعت میں حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن متعین

(۱۳۳) و ما تراھالمرأة من الحمرة، و الصفرة، و الکدرة حیض حتی تری البیاض خالصا ﴿ ۱؎ و قال ابو یوسف ؒ لا تکون الکدرة من الحیض الا بعد الدم، لانه لو کان من الرحم لتأخر خروج الکدر عن الصافی

ہے اسلئے اسکے علاوہ کو اس میں نہیں ملایا جائے گا، کیونکہ اسکے علاوہ کو ملانے سے شریعت روکتی ہے۔ حدیث یہ ہے عن ابی امامة الباھلی قال قال رسول الله ﷺ لایکون الحیض للجاریة والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثة ایام ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فھی مستحاضة فمازاد علی ایام اقرائھا قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوہ حمرة ودم المستحاضة اصفر رقیق (دار قطنی، کتاب الحیض ج اول ص ۲۲۵ ،نمبر ۸۳۴) اس حدیث میں ہے کہ دس دن سے جو زائد ہو وہ استحاضہ کا خون ہے۔

ترجمہ : (۱۳۳) اور عورت حیض کے زمانہ میں جو سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون دیکھتی ہے وہ سب حیض ہیں۔ یہاں تک کہ سفید خالص پانی دیکھے۔

تشریح : یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کون سا خون حیض ہے۔ خون سات رنگوں کا ہوتا ہے، (۱) کالا، (۲) لال، (۳) زرد، (۴) گدلا، (۵) سبز رنگ، (۶) مٹیالا، (۷) خالص سفید رنگ کا۔ البتہ یہ رنگ خون نہیں ہے بلکہ سفید پانی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ حیض کے زمانے میں عورت کالا خون، سرخ خون، زرد، مٹیالا اور سبز رنگ کا خون دیکھتی ہے ان میں سے سفید پانی تو حیض نہیں ہے۔ لیکن کالا خون، سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سفید خالص کے علاوہ تمام حیض ہیں۔ کن نساء یبعثن الی عائشة بالدرجة فیھا الکرسف فیه الصفرة فتقول لا یعجلن حتی ترین القصة البیضاء ترید بذلک الطھر من الحیضة. (بخاری شریف، باب اقبال المحیض وادبارہ، ص ۴۶ ،نمبر ۳۲۰ رمصنف عبد الرزاق، باب کیف الطھر، ج اول، ص ۳۰۲، نمبر ۱۱۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جب تک سفید پانی نہ نظر آئے باقی تمام رنگوں کا حال حیض ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مٹیالا خون حیض میں سے نہیں ہوگا مگر خون کے بعد، اسلئے کہ اگر وہ رحم سے ہوتا تو مٹیالا خون صاف خون کے بعد نکلتا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مٹیالا خون اگر حیض آنے سے پہلے نکلا ہے تو وہ حیض میں سے نہیں ہے، اور حیض آنے کے بعد نکلا ہے تو وہ حیض ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کے رحم کی بناوٹ ایسی ہے کہ صاف خون پہلے آتا ہے اور مٹیالا خون بعد میں آتا ہے، اسلئے اگر مٹیالا خون بعد میں آیا تو وہ صاف خون کا حصہ ہے اسلئے وہ حیض ہوگا، لیکن اگر صاف خون سے پہلے آ گیا تو معلوم ہوتا

۲؎ ولهما ماروی ان عائشةؓ جعلت ماسوی البیاض الخالص حیضاًوهذالایعرف الاسماعاً ۳؎ و فم الرحم منکوس فیخرج الکدر اولاً کالجرة اذا ثقب اسفلها، ۴؎و اما الخضرة فالصحیح ان المرأة اذاکانت من ذوات الاقراء تکون حیضاً،ویحمل علی فساد الغذاء،وان کانت کبیرةلاتری

ہے کہ وہ رحم سے نہیں آیا ہے کسی اور رگ سے آیا ہے اسلئے وہ حیض نہیں ہے (۲) انکی دلیل ام عطیۃ کی یہ روایت بھی ہے۔ عن ام عطیة قالت کنالا نعد الکدرة والصفرة شیئا۔ (بخاری شریف، باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیرایام الحیض ص ۴۷ نمبر ۳۲۶ /ابوداودشریف، باب فی المرأۃ تری الصفرۃ والکدرۃ بعدالطھر ،ص ۴۹ ،نمبر ۳۰۷) اس قول میں حیض کے زمانے کے علاوہ میں مٹیالا اور زرد رنگ کا خون حیض شمار نہیں کرتے تھے۔ اور حیض کے بعد جو مٹیالا اور زرد خون ہے اس کو حیض شمار کریں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے معلوم ہوا۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابوحنیفۃ اور امام محمدؒ کی دلیل اوپر والی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خالص سفید کے علاوہ کو حیض قرار دیا۔ اور یہی سمجھتے ہیں کہ حضورﷺ سے سن کر فرمائی ہونگی۔ یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ (بخاری شریف، نمبر ۳۲۰)

ترجمہ: ۳؎ اور رحم کا منہ الٹا ہے اسلئے پہلے مٹیالا نکلے گا (بعد میں سرخ خون) جیسے کہ مٹکا جبکہ نیچے سے سوراخ کیا جائے۔

تشریح : یہ جملہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ رحم سے پہلے سرخ خون نکلے گا بعد میں مٹیالا خون۔ اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ رحم کا منہ الٹا ہے اسلئے گدلا نیچے بیٹھا رہے گا اور صاف خون اوپر ہوگا، جیسے مٹکے میں صاف پانی اوپر ہوتا ہے اور گدلا پانی نیچے ہوتا ہے، پس اگر مٹکے کے پیندے میں سوراخ کریں تو نچلے حصے سے گدلا پانی پہلے نکلے گا اور اوپر سے صاف پانی بعد میں نکلے گا اسی طرح حیض کے لئے رحم کا منہ یعنی نچلا حصہ جب کھلتا ہے تو گدلا خون پہلے نکلتا ہے اور صاف اور لال خون بعد میں نکلتا ہے، اور گدلا اور لال دونوں رحم سے ہی نکلتے ہیں اور دونوں ہی حیض کے خون ہیں۔

ترجمہ : ۴؎ بہر حال سبز خون تو صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت حیض والی ہے تو وہ حیض ہوگا، اور محمول کیا جائے گا غذا کے خراب ہو نے پر، اور اگر اتنی بوڑھی ہے کہ سبز خون کے علاوہ کوئی دوسرا خون نہیں دیکھتی تو حمل کیا جائے گا رحم کے خرابی پر تو وہ حیض نہیں ہوگا۔

تشریح : سبز خون کے بارے میں بتاتے ہیں کہ، اگر ایسی عورت ہو جسکو حیض کا خون آتا ہو اور اسکو سبز خون آگیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ غذا کے ہضم میں کوئی خامی ہے جسکی وجہ سے خون سبز ہوگیا ہے تاہم یہ خون حیض کا ہی ہے۔۔ اور اگر اتنی بوڑھی ہے کہ اسکو صرف سبز خون ہی آتا ہے اور کسی رنگ کا خون نہیں آتا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس عورت کا رحم خراب ہے اور اب حیض کا خون نہیں آسکتا ہے اسلئے یہ خون حیض کا نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حائضہ عورت سے سبز خون آئے تو وہ حیض ہے اور آخری بوڑھی سے آئے تو وہ استحاضہ ہے۔

غیر الخضرة تحمل علی فساد المنبت فلا تکون حیضاً (۱۳۴) والحیض یسقط عن الحائض الصلوة، و یحرم علیها الصوم، و تقضی الصوم، ولا تقضی الصلوت﴾ ا لقول عائشةؓ کنت احدانا علی رسول الله ﷺ اذا طهرت من حیضها تقضی الصیام ولا تقضی الصلوت، ۲و لان فی قضاء الصلوت حرجاً لتضاعفها و لا حرج فی قضاء الصوم، (۱۳۵) و لا تدخل المسجد﴾

لغت : الصفرة : زرد رنگ، الکدرة : مٹیالا رنگ کا خون، گدلا رنگ کا خون۔ منکوس: نکس سے مشتق ہے، الٹا۔ الجرة: مٹکا ۔ثقب: سوراخ کرنا۔ خضرة: سبز رنگ کا خون، ہرے رنگ کا خون۔ ذوات الاقراء: حیض والی عورت۔ المنبت: نبت سے مشتق ہے ،اگنے کی جگہ، یہاں رحم اور بچہ دانی مراد ہے۔

ترجمہ :(۱۳۴) حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ عورت سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ۔ چنانچہ حائضہ قضا کرے گی روزہ اور نہیں قضا کرے گی نماز کو۔

تشریح : حیض کی حالت میں نماز شروع ہی سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔ اور روزہ واجب ہوتا ہے لیکن حیض کی حالت میں اس کو ادا نہیں کر سکتی۔ اس کا ادا کرنا حرام ہے اس لئے بعد میں قضا کرے گی

وجہ : (۱) دس روز کی نمازیں پچاس ہو جائینگی اور ہر ماہ میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے اس لئے نماز شروع ہی سے ساقط ہو جائے گی اور روزہ سال بھر میں صرف دس دن قضا کرنا ہوگا اس میں حرج نہیں ہے اس لئے روزہ فرض رہا البتہ بعد میں قضا کرے گی (۲) حدیث میں ہے عن معاذة قالت سألت عائشة فقلت ما بال الحائض تقضی الصوم ولا تقضی الصلوة؟ فقالت احروریة انت؟ قلت لست بحروریة ولکنی اسأل قالت کان یصیبنا ذلک فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة۔ (مسلم شریف، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوة ص ۱۵۳ نمبر ۳۳۵ /۷۶۳ / بخاری شریف، باب لا تقضی الحائض الصلوة ص ۴۶ نمبر ۳۲۱) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

ترجمہ : ا حضرت عائشہؓ کے قول کی وجہ سے، کہ حضورؐ کے زمانے میں ہم میں سے عورتیں جب حیض سے پاک ہوتی تو رزے کو قضا کرتی اور نماز کو قضا نہیں کرتی۔۔ یہ حدیث اوپر بخاری شریف نمبر ۳۲۱، اور مسلم شریف نمبر ۷۶۳ کی گزر گئی۔

ترجمہ : ۲ اور اسلئے کہ نماز کے قضا کرنے میں حرج ہے اسکے بہت ہونے کی وجہ سے، اور روزے کے قضا کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اوپر گزر گیا کہ نماز ہر ماہ میں پچاس ہو جائیں گی جنکا ادا کرنا مشکل ہے، اور روزہ سال بھر میں صرف دس ہونگے جنکا ادا کرنا مشکل نہیں۔

ترجمہ: (۱۳۵) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوگی۔

ل و کذا الجنب لقوله علیه السلام : فانی لا احل المسجد لحائض و لا جنب، و هو باطلاقه حجةعلی الشافعیؒ فی اباحةالدخول علی وجه العبور و المرور، (۱۳۶) و لا تطوف بالبیت ﴾ ل لان الطواف فی المسجد،

وجه : (ا)حدیث میں ہے کہ سمعت عائشة ... فقال وجهوا هذه البیوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض و لا جنب ۔(ابوداؤدشریف، باب فی الجنب یدخل المسجد ص۳۴ نمبر۲۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی ۔اور مسجد حرام میں طواف ہوتا ہے اس لئے وہ طواف بھی نہیں کرسکتی ۔(۲)عورتوں کو عیدین میں شریک ہونے کی اجازت ہے لیکن حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں کیونکہ عیدگاہ مسجد ہے اسلئے اس سے بھی حائضہ عورت کو الگ رہنے کا حکم دیا،حدیث یہ ہے عن ام عطیة قالت : أمرنا أن نخرج الحیض یوم العیدین و ذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم ، ویعتزل الحیض عن مصلاهن ۔(بخاری شریف، باب وجوب الصلاة فی الثیاب،ص ۵۱،نمبر ۳۵۱)اس حدیث میں ہے کہ حائضہ عورت عیدگاہ سے الگ رہے کیونکہ وہ بھی مسجد ہے۔

ترجمہ : ل اور ایسے ہی جنبی آدمی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوگا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا ہوں۔اور یہ حدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے گزرنے کے طور پر داخل ہونے کے مباح کرنے کے بارے میں۔

تشریح : اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ حدیث امام شافعیؒ پر بھی حجت ہوگی۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنبی آدمی گزرتے اور چلتے ہوئے مسجد میں داخل ہوکر نکل جائے تو جائز ہے البتہ یوں داخل نہیں ہوسکتا۔

وجہ : انکی دلیل آیت ہے جس میں ہے کہ جنبی گزرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوجائے تو اسکے لئے گنجائش ہے۔آیت یہ ہے یآیها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوة و انتم سکری حتی تعلموا ما تقولون و لا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا (آیت ۴۳ سورۃ النساء۴)اس آیت میں الا عابری سبیل ، ہے کہ گزرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوجائے تو اسکے لئے گنجائش ہے۔ہمارا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جنبی کو مطلقا مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اسلئے گزرتے ہوئے داخل ہونے سے بھی منع کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۳۶) حائضہ نہ بیت اللہ کا طواف کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے۔

تشریح : اوپر گزرا کہ حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی اور طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اسلئے حائضہ طواف بھی نہیں کرسکتی

(۱۳۷) و لا یاتیھا زوجھا ﴾ لقولہ تعالی: ولاتقربوھن حتی یطھرن، (۱۳۸) ولیس للحائض، و الجنب، و النفساء قرائۃ القرآن ﴾ لقولہ علیہ السلام: لا تقرأ الحائض و الجنب شیئاً من القرآن

(۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ حائضہ طواف نہیں کرسکتی۔ عن عائشۃؓ قال لعلک نفست؟ قلت نعم قال فان ذالک شیء کتبہ اللہ علی بنات آدم فافعل ما یفعل الحاج غیر لا تطوفی بالبیت حتی تطھری ۔(بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت ص ۴۴ نمبر ۳۰۵ رابوداود شریف، باب الحائض تھل بالحج، ۲۵۷، نمبر ۱۷۴۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت طواف نہیں کرے گی۔

ترجمہ: (۱۳۷) شوہر حائضہ بیوی سے وطی نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ﴾ اللہ تعالی کے قول و لا تقربو ھن حتی یطھرن، الخ کی وجہ سے۔

وجہ: آیت میں ہے ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوھن حتی یطھرن (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ حیض والی عورت کے قریب بھی مت جاؤ۔

نوٹ: وطی تو کرنا حرام ہے۔ البتہ عورت کو ازار پہنا کر اسکے ساتھ لیٹ سکتا ہے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے سمعت میمونۃ تقول : کان رسول اللہ علیہ السلام اذا اراد أن یباشر امرأۃ من نسائہ أمر ھا فاتزرت و ھی حائض ۔(بخاری شریف، باب مباشرۃ الحائض، ص ۴۴ نمبر ۳۰۳ رابوداود شریف، باب فی الرجل یصیب منھا ما دون الجماع، ص ۴۰، نمبر ۲۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حیض کی حالت میں ازار کے اوپر سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر اول حیض میں وطی کرلیا تو ایک دینار صدقہ کرے اور اخیر حیض میں وطی کرلیا تو آدھا دینار صدقہ کرے ۔ اثر یہ ہے عن ابن عباسؓ قال : اذا اصابھا فی اول الدم فدینار واذا اصابھا فی انقطاع الدم فنصف دینار. (ابوداؤد باب فی ایتان الحائض ص ۴۰ نمبر ۲۶۵) اس اثر میں ہے کہ حیض کے شروع میں وطی کرے تو ایک دینار صدقہ کرے اور آخیر میں کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ البتہ ایسا کرنا فرض نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۳۸) حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ﴾ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ یہ حدیث آگے ہے۔

وجہ: (۱) عن ابن عمر عن النبی علیہ السلام قال لا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجنب والحائض لایقرأ القرآن ص ۳۴ نمبر ۱۳۱ رابوداؤد شریف، باب فی الجنب یقرأ القرآن، ص ۳۴، نمبر ۲۲۹) علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے پڑھانا ہو تو آیت کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے پڑھائے۔ البتہ تسبیح اور تہلیل پڑھ سکتی ہے، دعا پڑھ سکتی ہے، اثر میں ہے عن ھشام بن حسان قال: الجنب یسبح و یحمد اللہ ، و یدعو، ولا یقرأ آیۃ واحدۃ ۔(مصنف عبدالرزاق،

۲؎ و ھو حجة علی مالکؒ فی الحائض ۳؎ وھو باطلاقه یتناول ما دون الآیةفیکون حجة علی الطحاوی فی اباحته (۱۳۹)ولیس لھم مس المصحف الا بغلافه، ولااخذدرھم فیه سورة من القرآن الا بصرته، وکذا المحدث لایمس المصحف الا بغلافه ﴿ ۱؎ لقوله علیه السلام:لایمس القرآن الاطاھر،

باب ھل تذکراللہ الحائض والجنب، ج اول،ص ۳۳۷،نمبر ۱۳۰۹)(۲)اورترمذی شریف میں اس طرح ہے۔ قالوا : لا تقرأ الحائض و لا الجنب من القرآن شیئا الا طرف الآیة و الحرف و نحو ذالک ، و رخصوا للجنب و الحائض فی التسبیح و التھلیل ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجنب والحائض انھما لایقرآن القرآن،ص ۳۴،نمبر ۱۳۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ پوری آیت نہیں پڑھ سکتے البتہ آیت کوتوڑتوڑکر پڑھ سکتے ہیں اور تسبیح اور تھلیل وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے حائضہ کے بارے میں۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جنبی تو فوری طور پر غسل کرسکتا ہے اسلئے اسکے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں، لیکن حائضہ عورت حیض ختم ہونے تک انتظار کرے گی اس سے پہلے وہ غسل نہیں کرسکتی، اسلئے اسکے لئے گنجائش ہے کہ وہ آیت پڑھے۔لیکن اوپر کی حدیث ان پر حجت ہے کہ حائضہ بھی قرآن کی آیت نہیں پڑھ سکتی۔

ترجمہ: ۳؎ اورحدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے آیت سے کم پر بھی شامل ہے اسلئے وہ امام طحاویؒ پر حجت ہے اسکے مباح کرنے میں۔

تشریح : امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ ایک سے کم پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتے ہیں۔انکی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ ولا یقرأ آیة واحدة (مصنف عبدالرزاق،نمبر ۱۳۰۹)نوٹ:۔طحاوی شریف ، باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوءوقرأتھم القرآن، ج اول،ص ۶۸)میں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی جس معلوم ہوتا ہو کہ حائضہ کے آیت سے کم پڑھنا جائز ہے،

ترجمہ: (۱۳۹) اورنہیں جائز ہے انکے لئے قرآن کا چھونا مگر اسکے غلاف کے ساتھ۔ اورنہیں جائز ہے درھم کو پکڑنا جس میں قرآن کی سورت ہو مگر ہمیانی کے ساتھ، اورایسے ہی محدث کے لئے نہیں جائز ہے قرآن کا چھونا مگر اسکے غلاف کے ساتھ۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ قرآن نہیں چھوئے مگر پاک لوگ۔

تشریح : جنبی، حائضہ، اورمحدث غلاف کے بغیر قرآن کا چھونا جائز نہیں، اسی طرح جس درھم میں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہو اسکو بھی غلاف کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے۔البتہ یہ لوگ زبانی آیت پڑھ سکتے ہیں، چھونہیں سکتے۔

وجہ: (۱)لا یمسه الا المطھرون (آیت ۷۹ سورۃ الواقعۃ ۵۶)(۲)حدیث میں ہے. عن عبد الله بن ابی بکر عن

۲؎ ثم الحدث، والجنابة حلا الید فیستویان فی حکم المس، و الجنابة حلت الفم دون الحدث فیفترقان فی حکم القرائة ۳؎ وغلافه مایکون متجافیاعنه دون ماھومتصل به کالجلد المشرز، ھو الصحیح

ابیه قال : کان فی کتاب النبیؐ لعمروبن حزم الا تمس القرآن الاعلی طھر ۔(دارقطنی ، باب فی نھی المحدث عن مس القرآن ج اول ص ۱۲۸ نمبر ۴۲۹ رسنن للبیہقی ، باب الحائض لاتمس المصحف ولاتقرأالقرآن ،ص ۴۶۱ ،نمبر ۱۴۷۸)اس قسم کی بہت سی احادیث دارقطنی میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے۔

درھم اور دینار کو بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں اسکے لئے یہ اثر ہے۔عن ابراھیم قال : لا یمس الدراھم غیر متوضی ء۔نمبر ۱۳۳۹، دوسری روایت میں ہے عن ابراھیم مثل ذالک الا انه قال : من وراء الثوب ۔(مصنف عبدالرزاق ، باب مس المصحف والدراھم التی فیھا القرآن ، ج اول ،ص ۳۴۴ ،نمبر ۱۳۳۹ ،نمبر ۱۳۴۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۳۷ الرجل یمس الدراھم وھوعلی غیر وضوء، ج اول ،ص ۱۰۷ نمبر ۱۲۱۴)اس اثر میں ہے کہ درھم پر آیت لکھی ہوئی ہوتو اسکو بغیر وضو کے نہ چھوئے ،البتہ ہمیانی جسکو درھم کی تھیلی کہتے ہیں اسکے ساتھ چھوسکتا ہے ۔

ترجمہ ۲؎ پھر حدث اور جنابت دونوں ہاتھ میں گھس چکے ہیں اسلئے چھونے کے حکم میں دونوں برابر ہیں (یعنی دونوں کے لئے چھونا جائز نہیں ہے)اور جنابت منہ میں گھستی ہے نہ کہ حدث اسلئے پڑھنے کے حکم میں دونوں الگ الک ہیں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ حدث اور جنابت دونوں ہی گویا کہ ہاتھ میں گھس گئے اسلئے جنبی اور محدث دونوں ہی قرآن پاک کونہیں چھوسکتے ،اسلئے کہ انکے ہاتھ میں ناپاکی ہے۔اور جنابت تو منہ میں بھی گھس جاتی ہے لیکن حدث نہیں گھستی اسلئے جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ اسکے منہ میں ناپاکی ہے۔البتہ محدث پڑھ سکتا ہے کیونکہ اسکے منہ میں ناپاکی نہیں ہے۔اسلئے پڑھنے کے حکم میں دونوں الگ الگ ہوگئے۔

ترجمہ ۳؎ قرآن کا غلاف وہ ہے جو قرآن سے جدا ہو،چپکی ہوئی جلد کی طرح اس سے متصل نہ ہو۔یہی صحیح ہے۔

تشریح : غلاف کا اطلاق تین قسم کے کپڑوں پر ہوسکتا ہے۔(۱) آدمی کی آستین (۲) وہ جلد جو قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی ہے جسکو جلد مشرز، کہتے ہیں۔(۳) جزدان اور بستہ جس میں قرآن کو رکھتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ متن میں جو غلاف کا تذکرہ ہے اس سے آدمی کی آستین مرادنہیں ہوسکتی کیونکہ وہ آدمی کے تابع ہے،اس کے ذریعہ قرآن کریم کو چھونا اچھانہیں۔اور قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی جلد بھی مرادنہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خود قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اور قرآن کے تابع ہے، بلکہ وہ قرآن کا حصہ ہے، غلاف وہ ہونا چاہئے جو کسی کے تابع نہ ہو۔ بلکہ غلاف سے جزدان اور بستہ مراد ہے جس میں قرآن رکھا جاتا ہے اور کسی کے تابع نہیں ہے، محدث

۴و یکرہ مسہ بالکم ھو الصحیح لانہ تابع لہ ۵بخلاف کتب الشریعة لاھلھا حیث یرخص فی مسھا بالکم لان فیہ ضرورۃ ۶ولا بأس بدفع المصحف الی الصبیان لان فی المنع تضییع حفظ القرآن، و فی الامر بالتطھیر حرجاً بھم، و ھذا ھو الصحیح،

کے لئے جائز ہے کہ اسکے ذریعہ قرآن کو چھوئے

وجہ : اثر میں ہے عن عامر و سالم قالا : لا یمس الرجل الدرھم فیھا کتاب اللہ و ھو جنب قال : و قال عطاء و القاسم : یمسھا اذا کانت مصرورۃ فی خرقۃ ،(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۳۸ الرجل یمس الدراھم وھو جنب ، ج اول، ص ۱۰۷، نمبر ۱۲۱۹ ر مصنف عبد الرزاق، باب مس المصحف والدراھم التی فیھا القرآن، ج اول، ص ۳۴۴، نمبر ۱۳۳۹، نمبر ۱۳۴۰) اس اثر میں ہے کہ درھم کو رکھنے کی جو تھیلی ہوتی ہے اسکے ذریعہ درھم کو چھوئے، اسی طرح قرآن کے رکھنے کا جو غلاف ہوتا ہے اسکے ذریعہ سے قرآن کو چھوئے۔

ترجمہ ۴ اور مکروہ ہے قرآن کو چھونا آستین کے ذریعہ سے، یہی صحیح ہے۔ اسلئے کہ آستین انسان کے تابع ہے۔

تشریح : آستین چونکہ انسان کے تابع ہے اسلئے اسکے ذریعہ سے قرآن کو چھونا مکروہ ہے۔

ترجمہ ۵ بخلاف شریعت کی کتابوں کے شریعت والوں کے لئے کہ آستین کے ساتھ اسکو چھونے میں رخصت دی ہے اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے

تشریح : جو لوگ ہر وقت حدیث اور فقہ کی کتابوں کو استعمال کرتے ہیں انکے لئے گنجائش ہے کہ وضو کی حالت میں نہ ہو تو اپنی آستین سے اسکو پکڑ لے اور اٹھا لے۔ کیونکہ ہر وقت وضو کرنے میں حرج ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی اہمیت قرآن سے کم ہے اسلئے اسکو آستین سے اٹھانے کی گنجائش دی گئی ہے۔

ترجمہ ۶ اور کوئی حرج نہیں ہے بچوں کو قرآن دینے میں، اسلئے کہ روکنے میں قرآن کو یاد کرنے کو ضائع کرنا ہے، اور وضو کے حکم دینے میں انکو حرج ہے۔ صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : قرآن پڑھنے کے لئے، یا اسکو حفظ یاد کرنے لئے بچوں کو قرآن دینا جائز ہے اور بغیر وضو کے وہ چھوئے تب بھی جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ (۱) وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں اسلئے انکو کسی حکم کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انکو بار بار وضو کرانے میں حرج عظیم ہے، اور اگر انکو قرآن ہی نہ دیں تو اگلی نسل قرآن یاد کیسے کرے گی، اس طرح قرآن ضائع ہو جائے گا۔ اسلئے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بچوں کے ہاتھ میں قرآن دینا جائز ہے، چاہے وہ بغیر وضو کے پڑھے۔ صحیح بات یہی ہے۔

لغت : المصحف : قرآن۔ صرۃ : درھم رکھنے کی تھیلی۔ حلا : حلول سے مشتق ہے، گھس جانا۔ متجافی : جوف

(۱۴۰) و اذا انقطع دم الحیض لاقل من عشرة ایام لم تحل وطیها حتی تغتسل ﴾ لان دم الحیض یدر تارة وینقطع اخریٰ فلا بدمن الاغتسال لیترجح جانب الانقطاع، (۱۴۱) ولولم تغتسل ومضی علیها ادنی وقت الصلوة بقدران تقدرعلی الاغتسال و التحریمة حل وطیها ﴾ لان الصلوة صارت دیناً فی ذمتها فطهرت حکماً

سے مشتق ہے، دور رہنا۔ المشرز :شرز سے مشتق ہے چپکا ہوا۔ الکم: آستین۔

ترجمہ: (۱۴۰) اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ غسل نہ کرے۔

وجہ: دس دن سے کم میں حیض منقطع ہوا ہے تو ممکن ہے کہ دوبارہ خون آجائے اور عورت کی عادت بدل جائے اس لئے یا تو عورت غسل کر لے تا کہ مکمل پاک ہو جائے آیت۔ و یسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض و لا تقربوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فأتوهن من حیث أمر کم الله ان الله یحب التوابین و یحب المتطهرین (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲) میں، یطهرن ،کوتشدید کے ساتھ پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت غسل کر لے (۲) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سأل انسان عطاء قال الحائض تری الطهر و لا تغتسل اتحل لزوجها؟قال لا حتی تغتسل. (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یصیب امرأتہ وقد رأت الطہر ولم تغتسل ج اول، ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷۳ /السنن للبیهقی ، باب الحائض لا توطأ حتی تطہر و تغتسل ، ج اول، ص ۴۶۲ ،نمبر ۱۴۸۳) اس اثر میں ہے کہ حائضہ دس دن سے پہلے پاک ہو جائے تو غسل سے پہلے اس سے شوہر وطی نہ کرے۔

ترجمہ: اِ اسلئے کہ خون کبھی بہتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے تو غسل کرنا ضروری ہے تا کہ انقطاع کی جانب راجح ہو جائے۔

تشریح : خون کا حال یہ ہے کہ کبھی بہا اور کبھی رک گیا اسلئے ممکن ہے کہ ابھی تھوڑی دیر کے لئے رکا ہو اور جب غسل کر لے گی تو راجح ہو جائے گا کہ خون مکمل ختم ہونے کے لئے رکا ہے۔ اسلئے غسل کر لے تب شوہر وطی کرے۔

ترجمہ: (۱۴۱) اور اگر غسل نہ کرے اور اس پر نماز کا ادنی وقت گزر جائے، اس مقدار کہ غسل کرنے پر اور تحریمہ باندھنے پر قادر ہو تب بھی اس سے وطی کرنا حلال ہوگا۔

ترجمہ اِ اسلئے کہ نماز اسکے ذمے میں قرض ہو گئی تو گویا کہ وہ حکما پاک ہو گئی۔

تشریح : عورت نے غسل تو نہیں کیا لیکن خون رکنے کے بعد نماز کا کوئی وقت اس پر گزر گیا، اور ابھی اتنا وقت گزرا کہ اس وقت میں وہ غسل کر سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی، مثلا پندرہ منٹ کا وقت گزر گیا تو اب اسکا شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ نماز کا وقت اس پر گزر گیا تو وہ نماز اس پر قرض ہو گئی اور وہ اللہ کے نزدیک گویا کہ حکما پاک ہو گئی، اسلئے اس سے وطی کر سکتا ہے۔

(۱۴۲)ولو کان انقطع الدم دون عادتها فوق الثلث لم يقربها حتى تمضى عادتها و ان اغتسلت ﴿ا﴾ لان العود فى العادة غالب فكان الاحتياط فى الاجتناب (۱۴۳)و ان انقطع الدم لعشرة ايام حل وطيها قبل الغسل ﴿ا﴾ لان الحيض لا مزيد له على عشرة ايام، الا انه لا يستحب قبل الاغتسال للنهى فى القراءة التشديد

ترجمہ: (۱۴۲) اور اگر خون منقطع ہو گیا عادت سے پہلے لیکن تین دن سے زیادہ میں تو اس سے وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ اسکی عادت گزر جائے اگر چہ وہ غسل کر چکی ہو۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ عادت میں لوٹنا غالب ہے اسلئے احتیاط پرہیز کرنے میں ہے۔

تشریح: مثلا ایک عورت کی عادت پانچ دن کی تھی اور چار دن پر خون رک گیا، یعنی تین دن گزرنے کے بعد رکا لیکن عادت جو پانچ دن تھی اس سے پہلے رک گیا، تو چاہے اس عورت نے غسل کر لیا ہو پھر بھی شوہر وطی نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عادت پوری ہونے میں ابھی ایک دن باقی ہے اسلئے غالب گمان یہ ہے کہ خون دوبارہ آجائے اسلئے چاہے غسل کر چکی ہو پھر بھی شوہر کے لئے صحبت کرنا جائز نہیں۔

ترجمہ: (۱۴۳) اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

وجہ: دس دن سے زیادہ تو حیض آ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اس لئے عورت نے غسل نہیں کیا ہے تب بھی اس سے وطی کر سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے تا کہ مکمل پاکی پر وطی ہو۔ اس صورت میں آیت حتی یطھرن (بغیر تشدید کے) پر عمل ہوگا۔ جس کی تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ پاک ہوگی۔ عبارت یہ ہے۔ عن مجاهد فى قوله عزوجل (ولا تقربوهن حتى يطهرن) حتى ينقطع الدم فاذا تطهرن قال يقول اذا اغتسلن (سنن للبیہقی، باب الحائض لا توطأ حتی تطہر و تغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۴۸۲) اس اثر میں خون منقطع ہونے کو غسل کرنا قرار دیا گیا ہے اسلئے غسل نہ بھی کرے تو صحبت جائز ہے۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا، مگر یہ کہ غسل کرنے سے پہلے وطی اچھی نہیں ہے تشدید کی قرأت میں روکنے کی وجہ سے۔

تشریح: دس دن پر حیض ختم ہوا ہو تو شوہر صحبت کر سکتا ہے البتہ اچھا نہیں ہے اسکی وجہ یہ کہ، آیت میں جو یطّھرن، تشدید کے ساتھ پڑھیں تو اسکا مطلب یہ گزرا کہ خوب خوب پاک ہو تب وطی کرے اس قرأت پر عمل کرتے ہوئے چاہے دس دن پر حیض ختم ہوا

(۱۴۴)والطهر اذا تخلل بين الدمين فى مدة الحيض فهو كالدم التوالى ﴾ لقالؒ هذه احدى الروايات عن ابى حنيفةؒ، ووجهه ان استيعاب الدم مدة الحيض ليس بشرط بالاجماع فيعتبر اوله و آخره كالنصاب فى باب الزكوة

ہو پھر بھی بغیر غسل کئے صحبت اچھی نہیں ہے۔اس لئے کہ خوب خوب پا کی اس وقت ہوگی جب وہ غسل بھی کر لے گی۔

فائدہ: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں غسل ہے۔ اس سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ان کے نزدیک حتی یطھرن کا ترجمہ طہارت بالماء ہے۔اور اثر بیھقی سے استدلال کرتے ہیں کہ مکمل طہارت ہونی چاہئے تب وطی کرے۔سأل انسان عطاء قال الحائض ترى الطهر ولا تغتسل اتحل لزوجها؟قال لا حتى تغتسل. (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصیب امرأتہ وقد رأت الطھر ولم تغتسل ج اول، ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷۳/السنن للبیھقی، باب الحائض لا توطأ حتی تطھر و تغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۴۸۳) اس اثر میں ہے کہ اس وقت تک غسل نہ کرے جب تک کہ غسل نہ کرلے۔

ترجمہ: (۱۴۴) وہ پاکی جو دو خون کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔

تشریح: عموما ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر خون آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، پھر آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، حیض کا خون مسلسل نہیں آتا رہتا ہے۔اس لئے حیض کی مدت کے درمیان پاکی اور طہر ہو تو اس کا حکم بھی خون آنے ہی کی طرح ہے۔یعنی اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ اس کا شوہر اس سے وطی کرے گا۔مثلا پہلے دن خون آیا پھر خون بند رہا پھر دسویں دن خون آیا تو پہلے دن سے لیکر دس دن تک حیض ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم حیض ہی کی طرح ہوگا۔

وجہ: جس طرح نصاب زکوۃ میں شروع سال اور اخیر سال میں نصاب پورا ہو جانا کافی ہے اسی طرح حیض کے شروع دن میں اور اخیر دن میں خون آجائے تو تمام دن حیض ہی شمار کر دیا جائے گا۔چاہے درمیان میں خون نہ آیا ہو(۲) عموما ہمیشہ خون آتا بھی نہیں ہے۔اس لئے مسلسل خون آنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔(۳) اس اثر میں ہے۔قلت لعطاء فحاضت فأدبر عنها الدم و هى ترى ماء أو ترية ؟قال : فلا تصلى حتى ترى الخفوف الطاهر ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ما تری أیام حیضتھا أو بعدھا، ج اول، ص ۳۰۳، نمبر ۱۱۶۳) اس اثر میں ہے کہ درمیان میں طہر دیکھے تو نماز نہ پڑھے جب تک پاک نہ ہو جائے۔

ترجمہ: لے مصنف فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مدت حیض میں خون کا گھیرنا بالاتفاق شرط نہیں ہے اسلئے اعتبار کیا جائے گا خون کے شروع کا اور خون کے آخیر کا، جیسے کہ زکوۃ کے باب میں نصاب۔

تشریح: طہر متخلل کے سلسلے میں امام صاحب کی کئی روایتیں ہیں ان میں سے ایک روایت اوپر گزری کہ مدت حیض میں پاکی آجائے تو وہ مسلسل خون کی طرح شمار کیا جائے گا۔مثلا پہلے دن خون آیا درمیان میں پاکی رہی پھر نویں دن خون آیا تو یہ دسوں دن

۲؎ و عن ابی یوسفؒ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃؒ ، وقیل ھو آخر اقوالہ: ان الطھر اذا کان اقل من خمسۃ عشر یوماً لا یفصل و ھو کالدم المتوالی لانہ طھر فاسد فیکون بمنزلۃ الدم، والاخذ بھذا القول ایسر، و تمامہ یعرف فی کتاب الحیض (۱۴۵) و اقل الطھر خمسۃ عشر یوماً

خون ہی شمار ہونگے اور دس دنوں تک حیض ہوگا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تمام ائمہ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مدت حیض میں مسلسل خون آنا شرط نہیں ہے، اسلئے شروع میں خون آجائے اور آخیر میں خون آجائے تو مسلسل خون شمار کر دیا جائے گا ۔ جس طرح زکوۃ کے باب میں شروع سال میں صاحب نصاب ہو اور آخیر میں صاحب نصاب ہو تو چاہے درمیان میں صاحب نصاب نہ بھی ہو پھر بھی اسکو پورا سال صاحب نصاب شمار کرتے ہیں اور اس پر زکوۃ لازم کرتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی یہی آخری قول ہے کہ طھر پندرہ دن سے کم ہو تو فصل نہیں ہو گا، اور وہ مسلسل خون کی طرح ہوگا اسلئے کہ یہ طھر فاسد ہے اسلئے یہ خون کے درجے میں ہے، اور اس قول کو لینا آسان ہے۔ اور پوری بات مبسوط کے کتاب الحیض میں ہے۔

تشریح :اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے دن خون آنے کے بعد دسویں دن بھی خون نہیں آیا بلکہ چودھویں دن خون آیا تو پہلے دن سے دس دن تک حیض ہوگا اور دس دن کے بعد چودھویں دن تک چار دن استحاضہ ہوگا۔ اس روایت میں حیض کے شروع اور آخیر میں بھی خون آنا ضروری نہیں ہے۔ یہ طھر فاسد ہے اور طھر کو بھی مسلسل خون کے درجے میں رکھا جائے گا۔

نوٹ : طھر متخلل کے بارے میں لمبی لمبی بحثیں موجود ہیں لیکن اسکے لئے کوئی حدیث یا اثر نہیں مل رہی ہے اسلئے میں اسکو لمبا نہیں کرر ہا ہوں۔ بلکہ اسکے خلاف یہ حدیث موجود ہے کہ کالا اور سرخ خون ہو تو اسکو حیض شمار کریں اور اسکے علاوہ کو استحاضہ شمار کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ حدیث یہ ہے۔ عن فاطمۃ بنت أبی حبیش أنھا کانت تستحاض فقال لھا النبی ﷺ : اذا کان دم الحیض فانہ دم اسود یعرف ، فاذا کان ذالک فأمسکی عن الصلاۃ فا ذا کان الآخر فتوضئی و صلی ۔ (ابو داود شریف، باب من قال توضأ لکل صلوۃ، ص ۴۸، نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ کالا خون ہو تو اسکو حیض شمار کرو اور اسکے علاوہ ہو تو اسکو استحاضہ شمار کرو۔

لغت : طھر متخلل: حیض کے دو خون کے درمیان جب خون آنا بند ہو جائے تو اسکو طھر متخلل، کہتے ہیں۔ المتوالی: ولایۃ سے مشتق ہے، پیدر پے۔ استیعاب: گھیرنا۔

ترجمہ: (۱۴۵) دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طھر پندرہ دن ہونگے۔

۱؎ ھکـذا نقل عن ابراھیم النخعی وانہ لا یعرف الاتوفیفاً، (۱۴۶)و لا غایۃ لاکثرہ ﴾ ۱؎ لانہ یمتد الی سنۃ وسنتین فلا یتقدر بتقدیر، ۲؎ الا اذا استمر بھا الدم یعرف ذالک فی کتاب الحیض

ترجمہ: ۱؎ ایسے ہی ابراھیمؒ سے نقل کیا گیا ہے، اور انکو بزرگوں سے سن کر ہی معلوم ہوا ہوگا۔

تشریح: دو حیضوں کے درمیان کم سے کم پندرہ دن طہر ہوگا، یہ بات حضرت ابراھیم نخعیؒ سے منقول ہے، اور یہ حضرت بڑوں سے سن کر ہی بیان کئے ہونگے۔

نوٹ: یہ قول مجھے نہیں ملا اور نہ صاحب درایہ کو ملا ہے (۲) البتہ اقامت کی مدت پندرہ دن ہے اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہو۔

ترجمہ: (۱۴۶) اور اکثر مدت کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ ایک سال اور دو سال بھی لمبی مدت ہوتی ہے اسلئے کوئی متعین بات نہیں کہی جا سکتی۔

تشریح: دو حیض کے درمیان کتنی مدت عورت پاک رہ سکتی ہے اسکے بارے میں کوئی متعین دن نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ بعض عورت کو دو دو سال تک حیض کا خون نہیں آتا، اسلئے کوئی متعین مقدار کہنا مشکل ہے۔

ترجمہ: ۲؎ مگر جبکہ خون بہتا ہی رہتا ہو۔ تو یہ مسئلہ امامؒ کے کتاب الحیض میں آپکو ملے گا۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کو شروع میں مثلا دس روز حیض آیا، پھر ایک سال طھر رہا، اسکے بعد خون جاری ہوا تو کبھی بند ہی نہیں ہوا تو اس عورت کے بارے میں وقت متعین کیا جائے گا۔ یعنی اسکی عادت کی طرف پھیرا جائے گا، کہ ہر سال میں دس روز حیض ہوگا اور اسکے بعد ایک سال تک طھر شمار کیا جائے گا اسی طرح اس مستحاضہ کو زندگی بھر رکھا جائے گا، کیونکہ شروع میں اسکی عادت ہی ایسی بن گئی ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ام سلمۃ زوجۃ النبی ﷺ قالت : ان امرۃ کانت تھراق الدماء علی عھد رسول اللہ ﷺ فاستفتت لھاأم سلمۃ رسول اللہ ﷺ فقال : لتنظرعدۃ اللیالی و الایام التی کانت تحیضھن من الشھر قبل ان یصیبھا الذی اصابھا فلتترک الصلوۃ قدر ذالک من الشھر فاذا خلفت ذالک فلتغتسل ۔(ابوداود شریف، باب فی المرأۃ تستحاض، ص ۴۱، نمبر ۲۷۴ ربخاری شریف، باب اقبال الحیض و ادبارھا، ۴۷، نمبر ۳۲۰) اس حدیث میں ہے کہ حیض آنے کی جو پہلے عادت ہے اسی کو حیض شمار کیا جائے اور باقی کو طھر شمار کیا جائے۔

لغت : توفیقاً: وقف سے مشتق ہے واقف ہونا، یہاں مراد ہے بڑوں سے سن کر کسی بات کو کہنا۔ غایۃ: انتہاء۔ یمتد: مد سے مشتق ہے، لمبا ہونا استمر: جاری رہنا، بہتا رہنا۔

(۱۴۷) و دم الاستحاضة کالرعاف ﴾ ۱؎ لا یمنع الصوم و لا الصلوة ولا الوطی ۲؎ لقوله علیه السلام : توضأی و صلی و ان قطر الدم علی الحصیر ۳؎ ولما عرف حکم الصلوة ثبت حکم الصوم والوطی بنتیجة الاجماع

﴿استحاضہ کا بیان﴾

ترجمہ: (۱۴۷) اوراستحاضہ کا خون نکسیر کے خون کی طرح ہے۔

ترجمہ: ۱؎ وہ نہیں روکتا ہے روزے کو نہ نماز کو اور نہ صحبت کو۔

تشریح : جس طرح نکسیر کا خون مسلسل بہتا رہے تو اسکے باوجود نماز بھی پڑھے گی اور روزے بھی رکھے گی، اور صحبت بھی کروائے گی اسی طرح استحاضہ کا خون مسلسل آتا ہو پھر بھی نماز، روزہ کرے گی اور صحبت بھی کروائیگی۔

وجہ : حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے (۱) **عن عائشة انها قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول الله ﷺ یا رسول الله انی لا اطهر؟ افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلک عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فاترکی الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم و صلی** ۔(بخاری شریف، باب الاستحاضۃ ص ۴۴ نمبر ۳۰۶ رمسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ نماز پڑھے گی۔اورروزہ نماز کی طرح ہے اس لئے روزہ بھی رکھے گی (۲) شوہر وطی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عکرمة قال کانت ام حبیبة تستحاض فکان زوجها یغشاها** (ابوداؤد، باب المستحاضۃ یغشاھا زوجھا ص ۴۹ نمبر ۳۰۹)(۳) مستحاضہ کا خون حدیث سے معلوم ہوا کہ نکسیر پھوٹنے کی طرح ہے۔اورنکسیر پھوٹنے کی حالت میں نماز، روزہ، اور وطی جائز ہیں اس لئے استحاضہ کی حالت میں بھی یہ سب جائز ہونگے۔

ترجمہ: ۲؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ وضو کرواور نماز پڑھو اگر چہ خون چٹائی پرٹپکتا رہے۔حدیث یہ ہے۔**عن عائشة قالت جاءت فاطمة بنت أبی حبیش الی رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله ! انی امرأة أستحاض فلا اطهر أفادع الصلاة ؟ قال : لا انما ذالک عرق و لیس بالحیضة اجتنبی الصلاة أیام محیضک ثم اغتسلی و توضئی لکل صلاة و ان قطر الدم علی الحصیر** ۔(ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی المستحاضۃ التی قد عدت أیام اقرائھا ،ص ۸۷، نمبر ۶۲۱ رنسائی شریف، باب ذکر الاستحاضۃ واقبال الدم وادبارہ، ص ۴۷، نمبر ۳۵۰ ردار قطنی، کتاب الحیض، ج اول ،ص ۲۱۹ ،نمبر ۸۰۸))(۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون نکسیر کی طرح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جب نماز کا حکم پہچانا گیا تو روزے اور وطی کا حکم اجماع کے نتیجے سے ثابت ہو جائے گا۔

(۱۴۸)و لو زاد الدم علی عشرۃ ایام و لها عادۃ معروفۃ دونها ردت الی ایام عادتها و الذی زاد استحاضۃ

تشریح : روزہ اور وطی نماز کی طرح ہیں اسلئے استحاضہ کی حالت میں اوپر کی حدیث کی بنا پر نماز جائز ہوگئی تو اجماع کے ذریعہ روزہ اور صحبت بھی جائز کر دے جائیں گے۔ حدیث میں بھی ہے کہ مستحاضہ روزہ رکھے گی حدیث یہ ہے ۔عن النبی ﷺ قال فی المستحاضۃ یدع الصلوۃ ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوۃ وتصوم وتصلی. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶) اور وطی کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ عن عکرمۃ قال کانت ام حبیبۃ تستحاض فکان زوجها یغشاها (ابوداؤد، باب المستحاضۃ یغشاها زوجها ص ۴۹، نمبر ۳۰۹) اس حدیث میں ہے کہ مستحاضہ سے شوہر وطی کرسکتا ہے

لغت: رعاف : ناک سے جو خون آتا ہے جس کو نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں، اس کو رعاف کہتے ہیں۔ الحصیر : چٹائی۔

نوٹ: جن اماموں کے نزدیک حیض کا خون ہونے کا مدار خون کے کالے یا خون کے سرخ ہونے پر ہے ان کے نزدیک استحاضہ کا مسئلہ بہت آسان ہے کہ جب کالا اور انتہائی سرخ خون آئے گا تو اس کو حیض شمار کریں گے۔ اور جب پیلا، زرد یا مٹیالا خون آئے گا تو اس کو استحاضہ شمار کریں گے۔ اور استحاضہ کی حالت میں عورت نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور شوہر سے وطی بھی کرائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورت متحیرہ ہو یعنی نہ عادت کا اندازہ ہو کہ مہینے میں کون کون سے دن حیض آتا تھا اور نہ یہ پتہ ہو کہ کب سے حیض شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا ہے تو ایسی عورت کے لئے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن فاطمۃ بنت ابی حبیش انها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوۃ فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی. (ابوداؤد، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) چنانچہ امام احمدؒ نے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کیا ہے۔

تحقیق حیض و استحاضۃ: رحم کے اندر چاروں طرف حیض کی جھلیاں ہوتی ہیں وہ بڑھتی رہتی ہیں۔ جب حیض کا زمانہ آتا ہے تو وہ کٹ کٹ کر خون کے ساتھ گرتی ہیں۔ اس لئے حیض کا خون گاڑھا اور کالا ہوتا ہے۔ لیکن رحم کی رگوں میں کوئی بیماری ہو تو حیض کے بعد بھی اس سے خون گرتا ہے۔ جس میں وہ جھلیاں نہیں ہوتی یا سرخ رنگ کا خون ہوتا ہے یا مٹیالا یا زرد رنگ کا خون ہوتا ہے، استحاضہ کا خون رحم میں خراش یا بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

ترجمہ: (۱۴۸) اگر خون دس دن سے زیادہ ہو جائے اور عورت کے لئے عادت معروف ہو تو اس کی عادت کے زمانے کی طرف لوٹا یا جائے گا۔ اور جو عادت معروفہ سے زیادہ ہوگا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

۱ لقوله ﷺ: المستحاضة تدع الصلوة ايام اقرا ئها ۲ ولان الزائد على العادة يجانس ما زاد على العشرة فيلحق به، ۳ وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقى استحاضة لانا عرفناه حيضاً فلا يخرج عنه بالشک، والله اعلم

تشریح: مثلاً کسی کی عادت ہر مہینے میں تین یا پانچ دن حیض آنے کی ہے۔اب اس کو نو دنوں تک خون آ گیا تو سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اور نو دن تک حیض شمار کیا جائے گا۔لیکن اگر اس کو دس دن سے بھی زیادہ خون آ گیا تو دس دن سے زیادہ جو خون ہے وہ استحاضہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی عادت پانچ روز تھی اس سے جو زیادہ خون آیا وہ بھی استحاضہ ہو جائے گا۔یعنی پانچ روز سے زیادہ تمام خون استحاضہ شمار کیا جائے گا۔اور عادت کے مطابق پانچ روز حیض کے ہوں گے۔

وجہ: حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے قالت عائشه رأيت مركنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امكثى قدر ما كانت تحبسک حيضتک ثم اغتسلى و صلى (مسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۴) اس حدیث میں ہے کہ پہلے جتنی عادت تھی اتنی ہی حیض ہوگا اسکے علاوہ سب استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے زمانے میں نماز چھوڑے گی۔حدیث یہ ہے (۲) عن النبى ﷺ قال فى المستحاضة يدع الصلوة ايام اقرائها التى كانت تحيض فيها ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلوة وتصوم وتصلى. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶ / ابو داود شریف، باب اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلاۃ، ص ۴۳، نمبر ۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آ گیا تو عادت سے زیادہ جتنا ہوگا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ جو عادت پر زائد ہے وہ اسکے مناسب ہے جو دس دن پر زائد ہے اسلئے اسی کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔مثلاً ایک عورت کی عادت پانچ دن حیض کی تھی اب اسکو اس مرتبہ بارہ دن خون آ گیا تو دس دن کے بعد جو دو دن ہیں وہ یقیناً استحاضہ کے ہیں۔اور پہلے پانچ دن عادت کے مطابق یقیناً حیض کے ہیں اب اسکے بعد جو پانچ دن ہیں انکے بارے میں شک ہے کہ اسکو استحاضہ کا شمار کریں یا حیض کا شمار کریں لیکن یہ استحاضہ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عادت جو پانچ دن تھی اسکے بعد آیا ہے اسلئے اسکو استحاضہ کے ساتھ ملا کر استحاضہ قرار دیا جائے۔کیونکہ حدیث میں عادت کو ہی اصل قرار دیا ہے کہ عادت کے بعد جو خون بھی آئے وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اگر بالغ ہونے کے بعد شروع سے مستحاضہ ہوئی ہے تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ میں اور باقی استحاضہ ہوگا۔ اسلئے کہ دس دن کے بارے میں معلوم ہوا کہ حیض ہے تو شک کی وجہ سے اس سے نہیں نکلیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

تشــریح: ایک عورت کو پہلا خون آیا اور دس دن سے زیادہ خون آیا اور مستحاضہ ہوگئی اس کی کوئی عادت نہ بن سکی جس پر محمول کیا جائے اور ہر وقت خون آتا ہے تو ایسی عورت کے لئے ہر ماہ میں دس دن حیض شمار کئے جائیں گے۔ اور باقی دن استحاضہ کے ہونگے۔

وجــہ: (۱) ہر ماہ میں تین دن تو یقینی طور پر حیض کا زمانہ ہے۔ باقی سات دنوں میں شک ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس لئے دس دن تک حیض ہی شمار کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ دس دن حیض کی مدت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی امامة الباهلی قال قال رسول الله ﷺ لایکون الحیض للجاریة والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثة ایام ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فهی مستحاضة فمازاد علی ایام اقرائها قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقیق** (دارقطنی، نمبر ۸۳۴) (۲) **عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحیض ثلاثة ایام و اکثره عشرة ایام**۔ (دار قطنی، کتاب الحیض، ج اول، ص ۲۲۵ / ۸۳۶)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن تک حیض ہے اسلئے جس عورت کی کوئی عادت نہ ہو وہ بالغ ہی مستحاضہ ہو کر ہوئی ہوا سکے لئے ہر مہینے میں دس روز حیض اور باقی بیس دن، یا انیس دن استحاضہ ہوگا

فــائدہ: امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نماز اور روزہ کے حق میں تین دن حیض ہوگا اور باقی دن نماز اور روزے ادا کرے گی اور وطی کے حق میں دس دن حیض شمار ہوگا تا کہ دس دن تک وطی نہ کرے۔ یہ مسئلہ احتیاط پر ہے۔

نوٹ: باضابطہ کوئی حدیث اس کے بارے میں نہیں ملی۔

فــائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون کالا یا سرخ ہے تو اس وقت حیض ہوگا اور باقی زمانہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کالے اور سرخ خون کو حیض کہا گیا ہے، انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن فاطمة بنت ابی حبیش انها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوة فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی.** (ابوداؤد، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ خون کالا ہو تو وہ حیض ہے اور اسکے علاوہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\My Pictures\JPEG CLIPART\3%20pt%20flower.jpg not found.

﴿فصل فی المستحاضۃ﴾

(۱۴۹) والمستحاضۃ ومن بہ سلس البول، والرعاف الدائم، والجرح الذی لایرقأ یتوضئون لوقت کل صلوۃ فیصلون بذالک الوضوء فی الوقت ماشاؤا من الفرائض والنوافل ﴿۱﴾ او قال الشافعیؒ تتوضأالمستحاضۃ لکل مکتوبۃ لقولہ علیہ السلام :المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ،

ترجمہ: (۱۴۹) مستحاضہ عورت اور جس کو سلسل البول ہے یا ہمیشہ نکسیر بہتی ہے یا وہ زخم ہو جو بند نہ ہوتا ہو تو وضو کریں گے ہر نماز کے وقت کے لئے اور نماز پڑھیں گے اس وضو سے وقت میں جتنی چاہے فرائض میں سے اور نوافل میں سے۔

تشریح: (۱) جس کو مسلسل استحاضہ کا خون آتا ہو (۲) یا مسلسل پیشاب آتا ہو (۳) یا نکسیر پھوٹی ہو اور ہمیشہ خون آتا رہتا ہو (۴) یا زخم سے خون بند نہ ہوتا ہو اور اتنا بھی وقت نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے اور فرض نماز پڑھ سکے تو ایسے لوگوں کو معذور کہتے ہیں۔ اور معذور کے لئے شریعت نے سہولت دی ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کریں گے اور اس وضو سے فرض اور نوافل جتنی چاہے پڑھیں۔ جب وقت نکل جائے گا تو اب ضرورت پوری ہوگئی اس لئے خون نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ خون تو نکل ہی رہا تھا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی تو خون نکلنے کا اعتبار کر لیا گیا اور وضو توڑ دیا گیا۔ اب نئے وقت کے لئے نیا وضو کریں گے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) عن النبی ﷺ انہ قال فی المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائھا التی کانت تحیض فیھا ثم تغتسل و تتوضأ عند کل صلوۃ وتصوم وتصلی ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶ / ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قد عدت ایام اقرائھا قبل ان یستمر الدم، ص ۸۸، نمبر ۶۲۴) ابن ماجہ شریف، میں یہ جملہ بھی ہے۔ توضئی لکل صلوۃ وان قطر الدم علی الحصیر ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ البتہ ہمارے یہاں نماز کی بجائے نماز کے وقت کے لئے معذور وضو کریں گے۔ کیونکہ محاورہ میں نماز بول کر نماز کا وقت مراد لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ظہر میں آؤ یعنی ظہر کے وقت میں آؤ۔ اس لئے عند لکل صلوۃ سے مراد لکل وقت صلوۃ ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایک وضو سے فرض کے تحت میں بہت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے حنفیہ اور شوافع کا مسلک قریب قریب ہوگیا۔

ترجمہ: ۱ اور کہا امام شافعیؒ نے کہ مستحاضہ وضو کرے گی ہر فرض کے لئے۔ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مستحاضہ وضو کرے گی ہر نماز کے لئے۔

تشریح : حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ معذور لوگ ہر فرض کے لئے الگ الگ وضو کریں اور اسکے تحت میں نوافل پڑھ لیں دلیل یہ حدیث گزر گئی۔ عن النبی ﷺ انہ قال فی المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائھا التی کانت

٢؎ ولان اعتبار طهارتها ضرورة اداء المکتوبة فلا تبقی بعد الفراغ منها ٣؎ ولنا قوله علیہ السلام: المستحاضة تتوضأ لوقت کل صلوة ٤؎ وهو المراد بالاول، لان اللام تستعار للوقت، یقال : آتیک لصلوة الظهر، ای وقتها، ٥؎ ولان الوقت اقیم مقام الاداء تیسیراً فیدار الحکم علیه

تحیض فیها ثم تغتسل و تتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی . (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ٣٣ نمبر ١٢٦/ ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قد عدت ایام اقرائھا قبل ان یستمر الدم، ص ٨٨، نمبر ٦٢٤) اس حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔

ترجمہ: ٢؎ اور اسلئے کہ مستحاضہ کی طہارت کا اعتبار فرض کی ادائیگی کی ضرورت کی بنا پر ہے، اسلئے اس سے فارغ ہونے کے بعد باقی نہیں رہے گی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ مستحاضہ اور معذور لوگوں سے مسلسل خون گر رہا ہے اسلئے قاعدے کے اعتبار سے انکا وضو ٹوٹ جانا چاہئے لیکن فرض کی ادائیگی کی ضرورت کے لئے وضو باقی رکھا، اور جب فرض کی ادائیگی ہوگئی تو اب ضرورت پوری ہوگئی اسلئے اب وضو باقی نہیں رہنا چاہئے۔ اب اگلے فرض کا وقت آئے گا اور وضو کی ضرورت پڑے گی تو پھر اسکے لئے نیا وضو کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣؎ اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے۔ یہ حدیث، کہ نماز کے وقت کے لئے نہیں ملتی، صاحب نصب الرایۃ نے غریب جدا، کہا ہے، (نصب الرایۃ ، باب الحیض والاستحاضہ، ج اول، ص ٢٦٦)

ترجمہ: ٤؎ اور وہی مراد ہے پہلی حدیث کی اسلئے کہ لام وقت کے لئے مستعار لیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، آتیک لصلوۃ الظہر۔ میں تمہارے پاس ظہر کی نماز کے لئے آونگا، یعنی ظہر کے وقت آونگا۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں جو **توضئی لکل صلوة** ، ہے اس لام کے معنی بھی وقت کے ہیں، کیونکہ لام کو وقت کے معنی میں مستعار لیا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں **آتیک لصلوة الظهر** ، اس کا ترجمہ صرف یہ نہیں ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز میں آونگا، بلکہ ترجمہ ہوتا ہے کہ میں تمہارے پاس ظہر کے وقت میں آونگا، تو لام وقت کے معنی میں ہے اور **توضئی لکل صلوة** ، کا ترجمہ ہوا ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو ۔

ترجمہ: ٥؎ اور اسلئے بھی کہ وقت کو ادا کے قائم مقام کیا گیا ہے آسانی کے لئے اسلئے حکم اسی پر رکھا جائے گا۔

تشریح: انسان کی سہولت کے لئے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا گیا ہے یعنی جب یہ وقت آجائے تو اس میں نماز ادا کرلو، پس جب وقت کو ادا کا سبب بنایا تو معذور کے وضو کے ٹوٹنے کا سبب بھی وقت ہی کو بنایا جائے، کہ جب نکل گیا تو پچھلا حدث لوٹ آیا اور اسکی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا۔

(۱۵۰) و اذا خرج الوقت بطل وضوء هم، واستانفوا الوضوء لصلوة اخرى ﴾ ۱؎ و هذا عنداصحابنا الثلاثة ؒ ۲؎ وقال زفرؒ استانفوا اذا دخل الوقت، (۱۵۱) فان توضئوا حين تطلع الشمس اجزاهم حتى يذهب وقت الظهر ﴾ ۱؎ وهذا عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ ۲؎ وقال ابو يوسفؒ و زفرؒ اجزاهم حتى يدخل وقت الظهر،

نوٹ: احادیث میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم گزرا وہ استحباب کے طور پر ہے یا علاج کے طور پر ہے۔

لغت: سلسل البول؛ جن کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو۔ **الرعاف الدائم**؛ ہمیشہ نکسیر پھوٹتی رہتی ہو۔ **لا یرقا**؛ خون بند نہ ہوتا ہو۔

ترجمہ: (۱۵۰) اور جب وقت نکل جائے تو ان سب کے وضو باطل ہو جائیں گے، دوسری نماز کے لئے یہ لوگ الگ سے وضو کریں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ ہمارے تینوں اصحاب کے نزدیک ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ معذور لوگوں کا وقت نکل جائے تو وقت کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جب وقت داخل ہو تو اس سے وضو شروع کرے۔

تشریح: امام زفرؒ نے فرمایا کہ وقت کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ وقت کے داخل ہونے سے وضو ٹوٹے گا۔ مثلا کسی معذور نے فجر کی نماز سے وضو کیا اور اس سے نماز پڑھی، پھر چھ بجے فجر کا وقت نکل گیا تو اس سے امام زفرؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹا، اب ساڑھے بارہ بجے ظہر کا وقت داخل ہو تو اس داخل ہونے سے اسکا وضو ٹوٹے گا۔

ترجمہ: (۱۵۱) پس اگر سورج کے طلوع ہوتے وقت وضو کیا تو اسکو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: قاعدہ گزر چکا ہے کہ ہمارے یہاں وقت کے نکلنے سے معذور کا وضو ٹوٹتا ہے، اسی قاعدے پر یہ مسئلہ متفرع ہے، کہ کسی نے سورج کے نکلنے کے بعد وضو کیا تو اگر کوئی حدث پیش نہیں آیا تو اس وضو سے ظہر کے وقت کے ختم ہونے تک نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ ساڑھے بارہ بجے ظہر کا وقت داخل ہوا ہے نماز کا کوئی وقت نہیں نکلا ہے، نماز کا وقت نکل رہا ہے ظہر کا وقت ختم ہونے پر اسلئے ظہر کے وقت ختم ہونے تک نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ نے کہ اسکو کافی ہوگا ظہر کے وقت داخل ہوتے وقت تک۔

٣ و حاصله ان طهارة المعذور تنتقض بخروج الوقت بالحدث السابق عند ابی حنیفةؒ و محمدؒ ، و بدخول الوقت عند زفرؒ ، و بایهما کان عند ابی یوسفؒ ، ٤ و فائدة الاختلاف لا تظهر الا فیمن توضأ قبل الزوال کما ذکرنا او قبل طلوع الشمس، ٥ لزفرؒ : ان اعتبار الطهارة مع المنافی للحاجة الی الاداء، و لا حاجة قبل الوقت فلا تعتبر،

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقت کے داخل ہونے سے بھی معذور کا وضوٹو ٹتا ہے اور وقت کے نکلنے سے بھی اسلئے ظہر کا وقت جیسے ہی داخل ہوا تو وضوٹوٹ جائے گا، اسی طرح امام زفرؒ کے نزدیک صرف وقت کے داخل ہونے سے وضوٹو ٹتا ہے اسلئے ظہر کا وقت جیسے ہی داخل ہو وضوٹوٹ جائیگا ۔

ترجمہ: ٣ اسکا حاصل یہ ہے کہ معذور کی طہارت وقت کے نکلنے سے ٹو ٹتا ہے حدث سابق کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور وقت کے داخل ہونے سے امام زفرؒ کے نزدیک اور دونوں میں سے جون سا بھی ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ۔

تشریح : یہ بات گزر گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وقت کے نکلنے سے معذور کا وضوٹو ٹتا ہے، اور امام زفرؒ کے نزدیک وقت کے داخل ہونے سے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقت کے نکلنے سے بھی اور وقت کے داخل ہونے سے بھی وضو ٹو ٹتا ہے۔

ترجمہ: ٤ اختلاف کا فائدہ نہیں ظاہر ہوگا مگر اس صورت میں کہ کسی نے زوال سے پہلے وضو کیا، جیسا کہ ذکر کیا، یا سورج طلوع سے پہلے۔

تشریح : قاعدے میں اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ کسی آدمی نے زوال سے پہلے وضو کیا تو ظہر کا وقت داخل ہو تے ہی امام زفر اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضوٹوٹ گیا اس لئے اس وضو سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پڑھ سکتا ہے کیونکہ کوئی وقت ابھی نکلا نہیں ہے بلکہ داخل ہوا ہے۔ اور اگر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وضو کیا تو سورج نکلنے کے بعد اس وضو سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہاں وقت نکلا ہے، اور امام زفرؒ کے نزدیک نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ کسی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہے۔

ترجمہ: ٥ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ منافی کے باوجود پاکی کا اعتبار ادا کی ضرورت کی بنا پر ہے اور وقت سے پہلے کوئی ضرورت نہیں ہے اسلئے پاکی کا اعتبار نہیں۔

تشریح : خون گر رہا ہے اسکے باوجود پاکی کا حکم لگانا اس وجہ سے ہے کہ نماز ادا ہو جائے ورنہ تو وہ نماز ہی نہیں پڑھ سکیں گے اور ادا کی ضرورت پڑے گی وقت داخل ہونے کے بعد اس سے پہلے وضو کی ضرورت نہیں ہے اس لئے وقت داخل ہونے سے پہلے جو

۶؎ و لابی یوسف: ان الحاجة مقصورة علی الوقت فلا یعتبر قبله و لا بعده ۷؎ ولهما انه لابد من تقدیم الطهارة علی الوقت لیتمکن من الاداء کما دخل الوقت و خروج الوقت دلیل زوال الحاجة، فظهر اعتبار الحدث عنده ۸؎ والمراد بالوقت: وقت المفروضة حتی لوتوضأ المعذور لصلوة العید له ان یصلی الظهربه عندهما، و هوالصحیح،لانها بمنزلة صلوة الضحی، ۹؎ و لو توضأ مرة للظهر فی وقته واخریٰ فیه للعصر فعندهمالیس له ان یصلی العصربه لانتقاضه بخروج وقت المفروضة،

وضو ہے وہ ختم ہوجائے گا۔

ترجمه: ۶؎ اورامام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت وقت پر منحصر ہے اسلئے اس سے پہلے بھی اسکا اعتبار نہیں اور اسکے بعد بھی اسکا اعتبار نہیں۔

ترجمه: ۷؎ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ طھارت کو وقت سے پہلے کرنا ضروری ہے تا کہ وقت داخل ہوتے ہی نماز ادا کرنا ممکن ہو، اور وقت کا نکلنا ضرورت کے ختم ہونے کی دلیل ہے اسلئے اس وقت حدث کا اعتبار ظاہر ہوا۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقت سے پہلے بھی وضو کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تا کہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی نماز پڑھ سکے اسلئے وقت کے داخل ہونے سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہئے، اور جب وقت نکل گیا تو اب اس نماز کے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی اسلئے اس وضو کی ضرورت نہیں رہی اسلئے وقت کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

حاصل : یہ ہے کہ معذور کی طھارت ضرورت کی بنا پر تھی اور وقت نکلنے سے ضرورت نہیں رہی اسلئے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمه: ۸؎ وقت سے فرض کا وقت مراد ہے، یہاں تک کہ اگر معذور نے عید کی نماز کے لئے وضو کیا تو اسکے لئے امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے، اور صحیح بات یہی ہے اسلئے کہ نماز عید چاشت کی نماز کی طرح ہے۔

تشریح : متن جو ہے کہ وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا اس وقت سے فرض کا وقت مراد ہے، چنانچہ اگر عید کی نماز کے لئے وضو کیا اور عید کا وقت نکل گیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ عید کا وقت فرض نہیں ہے وہ تو چاشت کی نماز کی طرح نفل ہے۔

ترجمه: ۹؎ اگر کسی نے ایک مرتبہ نماز ظہر کے لئے وضو کیا پھر ظہر ہی کے وقت میں دوسری مرتبہ نماز عصر کے لئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اسکے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے عصر کی نماز پڑھے اسلئے کہ فرض وقت نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا۔

تشریح : ایک آدمی نے ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے لئے وضو کیا، اسکو پڑھنے کے بعد پھر ظہر ہی کے وقت میں عصر کی نماز کے لئے دوبارہ وضو کیا، تو اس وضو سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وضو پر بھی ظہر کا وقت نکلا، اور وقت نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اسلئے اسکا وضو ٹوٹ گیا اسلئے اس سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

۱۰ و المستحاضة هی التی لا یمضی علیها وقت صلوة الا والحدث الذی ابتلیت به یوجد فیه،

۱۱ وکذا کل من هوفی معناها،و هو من ذکرناه، و من به استطلاق بطن، و انفلات ریح لان الضرورة بهذا یتحقق وهی تعم الکل

ترجمه : ۱۰ اور مستحاضہ وہ ہے کہ اس کا کوئی بھی نماز کا وقت نہیں گزرتا ہومگراس میں وہ حدث پایا جاتا ہوجس میں وہ مبتلا ہو۔

تشریح : کس وقت کسی کو معذور قرار دیا جائے گا اسکا قاعدہ بیان کیا جار ہا ہے۔فرماتے ہیں کہ،جب بھی نماز کا وقت آتا ہوتو یہ عذر پایا جاتا ہو، وقت میں اتنا بھی ٹائم نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے۔مثلا استحاضہ کا خون ہر وقت گرتا رہتا ہے دن کے پانچوں نمازوں میں پانچ منٹ کا بھی وقت نہیں ملتا کہ اس میں خون بند رہتا ہو،ایسی صورت میں اسکو معذور قرار دیا جائے گا۔جب اسکو معذور قرار دے دیا گیا تو چاہے اسکا خون گرتا رہے وضو نہیں ٹوٹے گا،البتہ اگر کوئی اور حدث ہوا تو اس سے وضو ٹوٹے گا۔بعد میں جب اتنا خون بند ہو جائے کہ نماز کے پورے وقت میں ایک مرتبہ بھی خون نہ آئے تو اب وہ معذور نہیں رہے گا۔

ترجمه: ۱۱ اور یہی حکم ہے ہر اس معذور کا جو اسکے معنی میں ہو،جسکو میں نے ذکر کیا،اور جسکو پیٹ چلنے کی بیماری ہو،اور ہوا نکلنے کی بیماری ہو، کیونکہ ضرورت اس عذر کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے،اور ضرورت سب کو عام ہے۔

تشریح : جن معذروں کا حال اس طرح ہے کہ عذر پورے وقت کو گھیرے ہوئے ہے اور پانچوں نمازوں میں،یعنی ایک دن ایک رات یہ صورت بحال رہے تو اس سے معذور ہو جاتا ہے اور اس پر معذور کا حکم لاگو ہو جاتا ہے، جیسے کسی کو مسلسل پیخانہ آنے کی بیماری ہو کہ نماز کے وقت میں پانچ منٹ بھی نہیں ملتا کہ پیخانہ آجاتا ہے تو وہ بھی معذور کے حکم میں ہو جائے گا اور چاہے پیخانہ آتا رہتا ہو پھر بھی اسکے لئے نماز پڑھنا جائز ہے۔اسی طرح کسی کو مسلسل ہوا نکلتی ہو کہ نماز کے وقت میں پانچ منٹ کا وقت بھی نہیں ملتا ہو تو وہ معذور کے حکم میں ہو جائے گا اور اسکے لئے ہوا نکلنے کے باوجود نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

اور معذور ہو جانے کے بعد جب اتنا افاقہ ہو جائے کہ نماز کے وقت میں ایک مرتبہ بھی وہ حدث نہ آئے تو اب اسکو صحت مند قرار دیں گے،اور اب یہ معذور نہیں رہے گا۔

لغت: یتمکن: قدرت ہو سکے گی۔صلاۃ الضحی : چاشت کی نماز۔ابتلیت: مبتلا ہوئی ہو۔استطلاق بطن : طلق کا ترجمہ ہے چھوٹنا، یہاں مراد ہے، پیٹ کا چلنا، ہر وقت پیخانہ ہوتے رہنا. انفلات ریح : فلت سے مشتق ہے چھوٹنا،اسلئے انفلات ریح کا ترجمہ ہوا اچانک ہوا نکل جانا۔

CLIPART\image4.jpg not found.

﴿فصل فی النفاس﴾

(۱۵۲)و النفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة﴾ لانه ما خوذ من تنفس الرحم بالدم، او من خروج النفس، بمعنى الولد، او بمعنى الدم (۱۵۳) و الدم الذى تراه الحامل ابتداء، او حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة، وان كان ممتدا ﴾

﴿ نفاس کا بیان ﴾

ترجمه: (۱۵۲) نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلے۔

ترجمه: لے اسلئے کہ نفاس تنفس الرحم بالدم، سے مشتق ہے، یا خروج النفس سے مشتق ہے، جسکا معنی ہے بچے کا نکلنا، یا خون کا نکلنا۔

تشریح : اس عبارت میں نفاس کا معنی بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ جملہ تنفس الرحم بالدم سے مشتق ہے، جسکا ترجمہ ہے رحم نے خون پھینکا۔ یا یہ مشتق ہے خروج النفس سے، اور نفس کے دو معنی ہیں خون یا بچہ، اگر خون لیا جائے تو ترجمہ ہوگا رحم سے خون نکلا، اور اگر بچہ مراد لیا جائے تو ترجمہ ہوگا رحم سے بچہ نکلا۔ بہر حال نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے نکلے۔

لغت : عقیب : بعد میں، پیچھے

ترجمه: (۱۵۳) وہ خون جو حاملہ عورت شروع میں دیکھے یا عورت جو ولادت کی حالت میں دیکھے بچہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے۔ چاہے خون کی مدت حیض کی مدت جتنی ہو ۔

تشریح: حاملہ عورت حمل کی حالت میں خون دیکھے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔ چاہے وہ خون تین دن سے زیادہ تک آتا رہا ہو، اور اسکی مدت حیض کی مدت تک ہو پھر بھی وہ خون استحاضہ کا ہی شمار کیا جائے گا۔

وجه: (۱) کیونکہ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو اور یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور حیض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ وہ خالی رحم سے نکلتا ہے اور یہاں رحم بچہ سے بھرا ہوا ہے (۲) حیض کی جھلیاں کٹ کٹ کر گرتی ہیں تو حیض ہوتا ہے اور بچہ کی حالت میں بچہ کا آنول جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوتا ہے اس لئے جھلیاں نہیں کٹ سکے گی اس لئے وہ حیض کا خون نہیں ہے۔ اسی طرح بچہ کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہے اس لئے نہ حیض آسکتا ہے اور نہ نفاس۔ اس لئے وہ استحاضہ کا خون ہے۔ (۳) اثر میں ہے۔ عن الحسن فى الحامل ترى الدم قالا : هى بمنزلة المستحاضة تغسل كل يوم مرة عند صلوة الظهر۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الحامل ترى الدم، ج اول، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ حاملہ عورت کا خون استحاضۃ ہے، اور چونکہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے تک حاملہ ہے اسلئے اس وقت بھی جو خون نکلے گا وہ اثر کی بنا پر استحاضۃ ہوگا۔

لےوقال الشافعیؒ:حیض اعتباراً بالنفاس، اذ هما جمیعا من الرحم، ۲ و لنا ان بالحمل ینسد فم الرحم کذا العادة،و النفاس بعد انفتاحه بخروج الولد، ۳ولهذا کان نفاساً بعد خروج بعض الولد فیما یروی عن ابی حنیفۃؒ و محمد لانه ینفتح فیتنفس به (۱۵۴)و السقط الذی استبان بعض خلقه ولد﴾لےحتی تصیر به نفساء، و تصیر الامة ام ولد به، و کذا العدة تنقضی به

ترجمہ: لے اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حیض ہے نفاس پر قیاس کرتے ہوئے اسلئے کہ دونوں خون رحم سے ہیں۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کے رحم سے جو خون نکلے وہ حیض کا خون ہے،اوراس پر حیض کے احکام جاری ہونگے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعدتو نفاس ہے اس سے قبل حیض ہونا چاہئے کیونکہ دونوں خون رحم سے ہی آتے ہیں۔نوٹ:۔اس سے زیادہ مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔(۲)عن الزهری و قتادة قالا: اذا رأت الحامل الدم و ان حیضتها علی قدر أقرا ئها فانها تمسک عن الصلوة کما تصنع الحائض . (مصنف عبدالرزاق،باب الحامل تری الدم،ج اول،ص۳۱۶،نمبر۱۲۰۹)اس اثر میں ہے کہ حاملہ عورت کا خون حیض کا خون ہوگا۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے عادت یہی ہے،اورنفاس بچے کے نکلنے کی وجہ سے رحم کے کھلنے کے بعد ہوتا ہے۔

تشریح : حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اسلئے نہ حیض نکل سکتا ہے اور نہ نفاس نکل سکتا ہے اسلئے اب استحاضہ ہی نکلے گا۔یہی وجہ ہے کہ نفاس بچہ نکلنے کے بعد آتا ہے۔اسلئے وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اسی لئے نفاس بچے کا کچھ حصہ نکلنے کے بعد ہوتا ہے،جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ سے روایت ہے اسلئے کہ اب رحم کھل گیا پس اسکی وجہ سے نفاس ہوگا۔

تشریح : چونکہ بچہ نکلنے کے بعد رحم کا منہ کھلتا ہے اور نفاس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی ایک روایت ہے کہ بچے کا کچھ حصہ رحم سے نکل جائے اوراسکے بعد خون آئے تو اس خون کو بھی نفاس کہا جائے گا کیونکہ بچے کا کچھ حصہ تو نکل گیا۔لیکن بچے کا کچھ حصہ بھی نہ نکلا ہو تو نفاس نہیں کہا جائے گا،وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: (۱۵۴)اور ناتمام بچہ جسکی بعض خلقت ظاہر ہو چکی ہو وہ پورا بچہ ہے۔

ترجمہ: لے یہاں تک کہ اس سے عورت نفساء ہو جائے گی،اور باندی ام ولد ہو جائے گی،ایسے ہی اس سے عدت پوری ہو جائے گی۔

تشریح: پورا بچہ پیدا ہو تو اس سے عورت نفاس والی ہوتی ہے لیکن ایسا بچہ پیدا ہو جو ابھی مکمل نہیں ہے صرف ہاتھ پاؤں اور

(١۵۵) و اقل النفاس لا حد له ﴾ ۱؎ لان تقدم الولد علم الخروج من الرحم فاغنی عن امتداد جعل علماً علیه، بخلاف الحیض

انگلیوں کے نشانات بنے ہیں (جسکو سقط کہتے ہیں) تو اس سے بھی عورت نفاس والی ہو جائے گی ، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بچے کے پیدا ہونے سے بھی رحم کا منہ کھل جاتا ہے اسلئے یہ عورت نفاس والی ہوگی اور اس پر نفاس کے تمام احکام جاری ہونگے ۔ مثلا (١) اگر باندی تھی اور آقا سے سقط پیدا ہوا تو باندی ام ولد بن جائے گی ، جس طرح پورا بچہ پیدا ہونے سے ام ولد بنتی ہے ۔ (٢) اگر حمل کی حالت میں طلاق ہوئی تھی اور وضع حمل اسکی عدت تھی تو سقط پیدا ہونے سے عدت گزر جائے گی ۔ کیونکہ یہ مکمل نفساء ہے ۔

ترجمہ: (١۵۵) نفاس کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔

وجہ : نفاس کی کم سے کم کوئی مدت نہیں ہے، وہ چند منٹ بھی ہو سکتی ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ وقت النفاس اربعون یوما الا ان تری الطهر قبل ذلک** . (دار قطنی ، کتاب الحیض ، ج اول ص ٢٢٦، نمبر ٨٤١ / ترمذی شریف حدیث نمبر ١٣٩) **الا ان تری الطهر قبل ذلک** سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے تو چاہے چند گھنٹے کے بعد خون بند ہو جائے عورت پاک ہو جائے گی ۔ (٢) **عن عبد اللہ بن عمرو قال :قال رسول اللہ ﷺ : تنتظر النفساء أربعین لیلة ، فان رأت الطهر قبل ذالک فهی طاهر ، و ان جاوزت الاربعین فهی بمنزلة المستحاضة ، تغتسل و تصلی ، فان غلبها الدم توضأت لکل صلوة** ۔ (دار قطنی ، باب الحیض ، ج اول ص ٢٢٨، نمبر ٨٤٧) اس حدیث میں ہے کہ چالیس دن سے پہلے بھی طہر دیکھے تو وہ پاک شمار کی جائے گی (٣) حدیث میں ہے ۔ **عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ قال : اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطهر فلتغتسل و لتصل** ۔ (سنن للبیہقی ، باب النفاس ، ج اول ، ص ۵٠۵ ، نمبر ١٦١٧) اس حدیث میں ہے کہ سات روز کے بعد پاک ہو جائے تو بھی پاک سمجھی جائے گی ، اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم کی کوئی حد نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ بچے کا پہلے آنا رحم سے نکلنے کی علامت ہے پس ایسے امتداد سے بے پروائی ہوئی جسکو اس پر علامت قرار دیا جائے بخلاف حیض کے۔

تشریح : حیض میں تین دن تک کی مدت کو حیض آنے کی علامت قرار دی گئی کہ تین دن تک آئے تو سمجھا جائے گا کہ یہ حیض ہے اور اس سے کم آئے تو سمجھا جائے گا کہ یہ استحاضہ ہے ۔ لیکن نفاس معلوم کرنے کے لئے کسی مدت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ رحم سے بچہ نکل چکا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اسکے بعد کا خون بہر حال نفاس ہے اور جب کسی مدت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں تو کم سے کم مدت متعین کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے اسلئے نفاس کے لئے کم سے کم مدت نہیں ہے ۔ یہ دلیل عقلی ہے

(١٥٦) و اکثرہ اربعون یوماً، و الزائد علیہ استحاضۃ ﴿ ١ لحدیث ام سلمۃؓ ان النبی علیہ السلام وقت للنفساء اربعین یوماً ٢ وھو حجۃ علی الشافعیؒ فی اعتبار الستین (١٥٧) ولو جاوز الدم الاربعین وکانت ولدت قبل ذالک ولھا عادۃ فی النفاس ردت الی ایام عادتھا لما بینا فی الحیض ﴾

ترجمہ: (١٥٦) اوراس کی زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہووہ استحاضہ ہے۔

ترجمہ: ١ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے نفساء کے لئے چالیس دن مقرر فرمایا۔

وجہ: حدیث میں ہے عن ام سلمۃ قالت کانت النفساء تجلس علی عھد رسول اللہ ﷺ اربعین یوما ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تمکث النفساء ص ٣٥ نمبر ١٣٩)اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ لا یأمر ھا النبی ﷺ بقضاء صلواۃ النفاس . (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی وقت النفساء ص ٤٩ نمبر ٣١٢)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔اور کم کی کوئی حد نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

ترجمہ: ٢ یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے ساٹھ دن کے اعتبار کرنے میں۔

امام شافعیؒ کا کوئی ضعیف قول ہے کہ ساٹھ دن تک بھی خون آئے تو وہ نفاس کا ہوگا اس پر یہ حدیث حجت ہوگی ،انکی دلیل یہ اثر ہوسکتا ہے۔قال الشعبیؒ : تنتظر کأ قصی ما ینتظر ، قال حسبتہ قال : شھرین ۔(مصنف عبدالرزاق، باب البکر والنفساء، ج اول ،ص ٣١٣ ،نمبر ١١٩٩ رسنن للبیھقی ، باب النفاس ، ج اول ،ص ٥٠٥ ،نمبر ١٦١٤) اس اثر میں ہے کہ ساٹھ دن بھی عورت نفاس والی رہ سکتی ہے۔

ترجمہ: (١٥٧) نفاس کا خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے حالانکہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی تھی اوراس کے لئے نفاس میں عادت تھی تو نفاس کا خون لوٹایا جائے گا اس کی عادت کی طرف (جیسے کہ کتاب الحیض میں بیان کیا)۔

تشریح: جس عورت کو پہلے بچہ پیدا ہو چکا ہو اور نفاس کے لئے اس کی ایک عادت ہو مثلا پچیس روز نفاس آتا ہو اب اس کو پچاس روز تک خون آگیا تو دس روز تو یقیناً استحاضہ ہے اس لئے اس دس روز کے ساتھ باقی پندرہ دن بھی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔اور اس کی پہلی عادت کے مطابق پچیس روز ہی نفاس ہوگا۔کیونکہ چالیس دن کے بعد والے دس دن استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ پچیس دن کے بعد بھی استحاضہ ہی آیا ہے۔اور اگر اس عورت کی کوئی عادت نہیں ہے تو حدیث کے مطابق چالیس روز نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔عادت کی طرف پھیرنے کی دلیل یہ حیض والی حدیث ہے۔قالت عائشہ رأیت مرکنھا ملآن دما فقال لھا رسول اللہ ﷺ امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی و صلی (مسلم شریف، باب المستحاضۃ و

(۱۵۸) و ان لم تکن لها عادة فابتداء نفاسها اربعون یوماً ﴾ ۱؎ لانه امکن جعله نفاساً (۱۵۹) فان ولدت ولدین فی بطن واحد فنفاسها من الولد الاول عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ و ان کان بین الولدین اربعون یوماً، و قال محمدؒ من الولد الآخر﴾

غسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۴)اس حدیث میں ہے کہ عادت کے بعد سب استحاضہ ہوگا (۲) عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة یدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوة ص ۳۳ نمبر ۱۲۶ /ابوداؤد شریف، باب اذا اقبلت الحیضة تدع الصلاة، ص ۴۳، نمبر ۲۸۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آگیا تو عادت سے زیادہ جتنا زیادہ ہوگا سب استحاضہ ہوگا اور اسی پر قیاس کر کے نفاس میں بھی عادت سے جتنا زیادہ ہوگا وہ سب استحاضہ ہوگا

ترجمہ: (۱۵۸) اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کے نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اسکو نفاس قرار دینا ممکن ہے۔

تشریح : اور جسکی عادت نہیں ہے اور اسکو مثلا پچاس دن خون آگیا تو اسکے لئے چالیس دن نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن عمرو قال :قال رسول الله ﷺ : تنتظر النفساء أربعین لیلة ، فان رأت الطهر قبل ذالک فهی طاهر ، و ان جاوزت الاربعین فهی بمنزلة المستحاضة ، تغتسل و تصلی ، فان غلبها الدم توضأت لکل صلوة ۔(دار قطنی ، باب الحیض ، ج اول ،ص ۲۲۸، نمبر ۸۴۷)اس حدیث میں ہے کہ چالیس دن سے جو زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

ترجمہ: (۱۵۹) کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دیئے تو اس کا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد نکلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اگر چہ دونوں بچوں کے درمیان چالیس دن ہی کیوں نہ ہوں،اور امام محمد اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچے کے بعد۔

تشریح : عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دئے تو پہلے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہیں سے نفاس شروع ہو جائے گا، چاہے دونوں بچے کے پیدا ہونے کے درمیان چالیس دن کا وقفہ ہو۔کیونکہ چھ مہینے سے پہلے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ایک ہی حمل سے شمار کیا جائے گا۔اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پہلے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہے،اور دوسرے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس کا خون ہوگا۔

وجہ: امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم کا منہ کھل گیا اور انسان بھی پیدا ہو گیا جس سے

۱؎ و ھو قول زفرؒ لانھا حامل بعد الوضع الاول فلا تصیر نفساء، کما انھا لا تحیض، و لھذا تنقضی العدۃ بالاخیر بالاجماع ۲؎ و لھما ان الحامل انما لا تحیض لانسداد فم الرحم علی ما ذکر نا، و قد انفتح بخروج الاول و تنفس بالدم فکان نفاساً

لفظ نفاس مشتق ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون نکلے گا وہ سب نفاس شمار کیا جائے گا۔ اور امام محمد اور زفر فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیٹ میں موجود ہے اس لئے عورت ابھی حاملہ ہے اور حمل کی حالت میں جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رحم کا منہ بھی پورا کھلا ہوا نہیں ہے جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا ہوکر منہ پورا نہ کھل جائے نفاس کا خون کیسے شمار کیا جائے گا۔

حاصل: طرفین کی نظر بچہ پیدا ہونے کی طرف گئی اور امام محمد کی نظر اندر جو بچہ ابھی تک موجود ہے اس کی طرف گئی۔

ترجمہ: ۱؎ یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اسلئے کہ عورت پہلا بچہ دینے کے بعد ابھی بھی حاملہ ہے اسلئے وہ نفاس والی نہیں ہوگی جیسے کہ حیض والی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدت بالا جماع آخیر سے پوری ہوتی ہے۔

تشریح: پہلا بچہ دینے کے بعد ابھی بھی پیٹ میں بچہ موجود ہے اسلئے وہ ابھی بھی حاملہ ہے اسلئے وہ نفاس والی نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ پیٹ میں حمل ہے اسلئے اس کے پیٹ سے حیض بھی نہیں نکل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق یہ مسئلہ ہے کہ دوسرا بچہ پیدا ہوگا تب اسکی عدت پوری ہوگی، پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد عدت پوری نہیں ہوگی، جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے بچے کے بعد نفاس ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رحم کا منہ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آسکتا، تاہم پہلا بچہ نکلنے کی وجہ سے کچھ منہ کھل چکا ہے اور خون باہر نکلا ہے اسلئے نفاس والی ہوگی۔

تشریح: یہ امام محمد کو جواب ہے کہ حیض تو اس وقت آتا ہے جب رحم کے اندر بچہ نہ ہو اور یہاں بچہ موجود ہے اسلئے حیض تو نہیں آسکتا، البتہ ایک بچہ باہر نکلنے کی وجہ سے رحم کا منہ کچھ نہ کچھ کھل چکا ہے اور اسی وجہ سے خون بھی آرہا ہے اسلئے یہ خون نفاس کا ہی ہے (۲) ڈاکٹری اعتبار سے بھی یہ خون نفاس کا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب پہلا بچہ رحم سے باہر نکلا تو اس بچے کا آنول جو رحم کی جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوا تھا وہ اکھڑ گیا، اس اکھڑنے کی وجہ سے یہ خون آرہا ہے، اور آنول اکھڑنے کے بعد جھلیوں سے جو خون آتا ہے اسی کو نفاس کا خون کہتے ہیں، اور یہ وہی ہے، اسلئے یہ نفاس کا خون ہے۔ اور جب رحم بچے سے خالی ہوتا ہے تو رحم کے چاروں طرف جھلیاں پیدا ہوتی ہیں پھر حیض کے موقع پر حیض کے خون کے ساتھ کٹ کٹ کر گرتی ہے اسی خون کا نام حیض ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جھلیاں کٹ کر نہیں گرے گی اسلئے یہ خون حیض نہیں ہے، نفاس ہی ہے۔ اور رحم میں کوئی زخم ہو اس سے خون آئے

۳؎ والعدة تعلقت بوضع حمل مضاف الیها فیتناول الجمیع

تو اسکو استحاضہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ اور عدت تعلق رکھتی ہے وضع حمل کے ساتھ جو منسوب ہے عورت کی طرف تو تمام کو شامل ہوگا۔

تشریح : یہ امام زفرؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال فرمایا تھا کہ عدت دوسرے بچے کے نکلنے کے بعد پوری ہوتی ہے اسلئے نفاس بھی دوسرے بچے کے نکلنے کے بعد شروع ہوگی، اسکا جواب یہ ہے کہ آیت، **و اولات الأحمال أجلهن أن یضعن حملهن**. (آیت ۴ سورۃ الطلاق ۶۵) میں یہ فرمایا کہ حمل والی عورت کی عدت حمل جننے سے پوری ہوگی، اور حمل جننا اسی وقت ہوگا جب پورا حمل جن دے اور وہ کسی طرح بھی حاملہ نہ کہلائے، ابھی ایک بچہ پیٹ میں ہے تو پورا حمل باہر نہیں نکلا اسلئے ابھی اسکی عدت پوری نہیں ہوگی جب تک دونوں بچے باہر نہ نکل جائے

لغت: عقیب : بعد میں۔ انقضی: پوری ہوئی۔ انسد: سد سے مشتق ہے، منہ کا بند ہونا۔ تنفس: خون کا باہر نکلنا۔

CLIPART\Big gift basket.jpg not found.

﴿باب الانجاس وتطهيرها﴾

(۱۶۰) تطهير النجاسة واجب من بدن المصلی، وثوبه، والمكان الذی يصلی عليه ﴾

﴿نجاست، اوراسکے پاک کرنے کا باب﴾

ضروری نوٹ: انجاس نجس کی جمع ہے ناپاکی۔ نجس کی دوقسمیں ہیں نجاست حکمیہ جیسے وضواورغسل کی ضرورت ہواورنجاست حقیقیہ جیسے پیشاب اور پاخانہ۔ یہاں اسی نجاست حقیقیہ کے احکام کے متعلق بحث ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) اورحدیث یہ ہے عن اسماء بنت ابی بكر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ارأيت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحيضة كيف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احداكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه. (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب، ص ۳۵ ،نمبر ۱۳۸)

ترجمہ: (۱۶۰) نجاست کو پاک کرنا واجب ہے (۱) نماز پڑھنے والے کے بدن سے (۲) اس کے کپڑے سے (۳) اوراس مکان سے جس پر نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: نماز پڑھنے والے کے لئے بدن، کپڑا اور مکان کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کی دلیل تو وضواورغسل کے ابواب میں گزری اورنجاست حقیقیہ سے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے۔

وجہ: (۱) نجاست حکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ۔مثلا پیشاب، پاخانہ لگا ہوتواس سے پاک ہونا بدرجۂ اولی ضروری ہوگا۔ کیونکہ یہ تواور بھی زیادہ گندی چیز ہے (۲) بدن پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالک يقول كان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته اجیء انا وغلام معنا اداوة من ماء يعنی يستنجی به. (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰)، پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔کپڑا پاک ہونے کی دلیل اوپر کی آیت ہے وثیابک فطهر اورحدیث میں ہے عن اسماء ابنة ابی بكر ان امرأة سألت النبی ﷺ عن الثوب يصيبه الدم من الحيضة؟ فقال رسول الله حتيه ثم اقرصيه بالماء ثم رشيه وصلی فيه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۳۵ نمبر ۱۳۸) اورمکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمران النبیؐ نهی ان يصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظهر بيت الله ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ وفیہ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان مقامات پر ناپاکی ہوتی ہے اس لئے ان مقامات پر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

۱؎ لقوله تعالى و ثيابک فطهر ،۲؎ وقال ؑ: حتيه ثم اقرصيه ثم اغسليه بالماء ولايضرک اثره ۳؎ واذاوجب التطهير في الثوب وجب في البدن والمکان لان الاستعمال في حالة الصلوة يشمل الکل

ترجمه: ۱؎ اللہ تعالی کے قول وثيابک فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) کی وجہ سے۔اس آیت میں کپڑے سے نجاست پاک کرنے کا حکم ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مصلی کے لئے نجاست پاک کرنا ضروری ہے ۔

ترجمه: ۲؎ اور حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ کپڑے کو رگڑو پھر چٹکی سے کھر چو پھر اسکو پانی سے دھوڈالو،اور اسکا اثر باقی رہنا کوئی نقصان نہیں دیتا۔

اس مفہوم کے قریب حدیث یہ ہے۔عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ارأيت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحيضة کيف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه. (بخاری شریف،باب غسل دم الحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ / مسلم شریف ، باب نجاسۃ الدم و کیفیۃ غسلہ ،ص ۱۴۰ ،نمبر ۲۹۱ / ۶۷۵ / ترمذی شریف،باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب،ص ۳۵ ،نمبر ۱۳۸)اس حدیث میں نجاست پاک کرنے کا حکم ہے۔

لا يضرک اثره :یہ جملہ کسی دوسری حدیث کا مفہوم ہے جسکو مصنف نے یہاں جوڑا ہے،حدیث یہ ہے عن ابی هريرة .....قالؓ : اذا طهرت فاغسليه ثم صلي فيه . فقالت : فان لم يخرج الدم ؟ قال : يکفيک غسل الدم و لا يضرک أثره (ابوداؤد شریف،باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۶۵ / مسند امام احمد۔مسند ابی ھریرۃ،ج ثالث،ص ۵۲،نمبر ۸۵۴۹)اس حدیث میں ہے ولایضرک اثرہ۔دوسری حدیث میں بھی اسکا مفہوم ہے حدیث یہ ہے ۔سألت عائشة عن الحائض يصيب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم يذهب اثره فلتغيره بشيء من صفرة (ابوداؤد شریف،باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷) حدیث میں ہے کہ،داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے اتنا ہی کافی ہے،مصنفؒ نے اسی حدیث کے مفہوم کو پچھلی حدیث کے ساتھ جوڑا ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور جب کپڑے میں پاک کرنا واجب ہوا تو بدن،اور مکان میں بھی واجب ہوگا اسلئے کہ نماز کی حالت میں یہ سارے استعمال ہوتے ہیں

تشريح : صاحب ھدایہ نے کپڑے کو پاک کرنے کے بارے میں حدیث لایا،اور فرمایا کہ بدن اور مکان بھی نماز کی حالت میں استعمال ہوتے ہیں اسلئے ان دونوں کو بھی کپڑے پر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ یہ دونوں بھی نماز کی حالت میں استعمال ہوتے

(۱٦۱) و يجوز تطهير ها بالماء و بكل مائع طاهر يمكن ازالتها به كالخل و ماء الورد ونحو ذالك مما اذا عصر انعصر﴾ ۱؎ و هذا عند ابی حنيفهؒ وابی يوسفؒ

ہیں اسلئے ان دونوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔لیکن بدن پاک کرنے کی مستقل دلیل یہ حدیث ہے **سمعت انس بن مالک يقول كان النبی علیہ السلام اذا خرج لحاجته اجیء انا وغلام معنا اداوة من ماء يعنی يستنجی به.** (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔ اورمکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمران النبیؐ نهی ان يصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظهر بيت الله۔** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ وفیہ ص ۸۱ نمبر ۳۴٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والے کا مکان بھی نجاست سے پاک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۱٦۱) نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی کے ذریعہ اور ہر وہ بہنے والی پاک چیز کے ذریعہ جن سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔ اور اس جیسی ایسی چیز کے ذریعہ کہ اسکو نچوڑے تو وہ نچڑ جاویں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے نجاست کے اجزاء دھل جاتے ہیں وہ پانی نہ بھی ہوں تب بھی ان چیزوں سے نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل ناپاکی تو اجزاء نجاست ہیں جب وہ ہی نہیں رہیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا البتہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز سے پاک کیا جارہا ہے وہ ایسا ہو کہ جب اسکو نچوڑیں تو وہ نچڑ جائے، تاکہ جب وہ خود نکلے تو اسکے ساتھ نجاست بھی نکل جائے ۔اس لئے گلاب کا پانی یا سرکہ جو پانی کی طرح پتلا ہوتے ہیں اور اجزاء نجاست کو دھوڈالتے ہیں اور انکو نچوڑو تو وہ نچڑ جاتے ہیں اسلئے ان سے نجاست کو دھوئے تو پاک ہو جائے گا۔البتہ یہ رس کی قسموں میں سے ہیں اس لئے ان سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۲) حدیث میں ہے **قالت عائشة ما كان لاحد انا الا ثوب واحد تحيض فيه فاذا اصابه شیء من دم قالت بريقها فقصعته بظفرها .** (بخاری شریف، باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲ رابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳٦۴)۔خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور اس کو تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ دیا اور خون زائل ہو گیا تو وہ چیز پاک ہو جائے گا،اور ظاہر ہے کہ تھوک پانی نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے بھی ناپاک چیز پاک ہو سکتی ہے (۳) جوتے پر نجاست لگی ہو اور زمین پر رگڑ دیا جائے اور نجاست زائل ہو جائے تو جوتا پاک ہو جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ نجاست کے زیلان سے کپڑا

۲؎ وقال محمدؒ وزفرؒ والشافعیؒ لایجوز الا بالماء لانه یتنجس باول الملاقات والنجس لایفید الطهارة الا ان هذا القیاس ترک فی الماء للضرورة ۳؎ ولهما ان المائع قالع والطهوریة بعلة القلع ۴؎ والنجاسة

پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمد اور امام زفر، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پاک کرنا جائز نہیں ہوگا مگر پانی سے، اسلئے کہ پانی اول ملاقات سے ناپاک ہوجائے گا اور ناپاک چیز پاک نہیں کرسکتا مگر یہ قیاس ضرورت کی بنا پر پانی کے بارے میں چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: امام محمد اور امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے نجاست زائل کرے گا تو پاک ہوگا۔ کسی دوسری بہنے والی چیز سے نجاست زائل کرے گا تو چیز پاک نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ پانی جب ناپاک چیز کے ساتھ ملتا ہے تو وہ خود بھی ناپاک ہوجاتا ہے، اور جتنی مرتبہ ناپاک چیز کے ساتھ ملے گا وہ ناپاک ہوتا جائے گا اسلئے وہ کبھی بھی پاک نہیں کرسکتا، البتہ پانی سے پاک کرنے کی ضرورت ہے اسلئے یہ قیاس پانی کے بارے میں چھوڑ دیا گیا، کہ اس سے پاک ہوجائے، البتہ دوسری چیزوں سے پاک نہیں ہوگا۔ (۲) یہ حضرات ان احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں پانی سے منی، خون، پیشاب پاک کرنے کا ذکر ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکرؓ ... اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلی فیه (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض، ص ۴۵، نمبر ۳۰۷/ مسلم شریف، باب نجاسة الدم وکیفیة غسله، ص ۱۴۰ نمبر ۶۷۵/۲۹۱) اس حدیث میں پانی سے ناپاکی دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے صرف پانی سے ناپاکی پاک ہوگی۔ (۳) و ینزل علیکم من السماء ماء لیطهر کم به (آیت ۱۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ پانی کو تم لوگوں پر پاک کرنے کے لئے اتارا، اس وجہ سے بھی پانی کو پاک کرنے والا کہا۔ (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ جس طرح پانی کے علاوہ سے نجاست حکمی یعنی وضو، غسل نہیں کرسکتے اسی طرح نجاست حقیقی بھی پاک نہیں کرسکتے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیزیں نجاست کو اکھیڑنے والی ہے اور پاک ہونا اکھیڑنے، اور زائل کرنے کی علت کی وجہ سے ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ شیخین کی دلیل اوپر بھی گزر چکی ہے کہ نجاست پاک ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نجاست وہاں سے زائل ہوجائے اور مکمل نکل جائے اب جن بہنے والی چیز میں یہ خوبی ہو کہ وہ نجاست کو اکھاڑ پھینکے اس سے نجاست پاک ہوجائے گی، اسلئے پانی کے علاوہ سے بھی نجاست پاک ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ اور نجس ہونا مجاورت کی وجہ سے ہے پس جب نجاست کے اجزاء ختم ہوگئے تو وہ چیز پاک رہ گئی۔

للمجاورة، فاذا انتهت اجزاء النجس یبقی طاهراً ۵ وجواب الکتاب لایفرق بین الثوب والبدن،وهذا قول ابی حنیفۃؒ واحدی الروایتین عن ابی یوسفؒ، و عنه انه فرق بینهما فلم یجز فی البدن بغیر الماء

(۱۶۲) و اذا اصاب الخف نجاسة لهاجرم کالروث،والعذرة، والمنی فجفت فدلکه بالارض جاز ﴾

ا وهذا استحسان

تشریح : یہ امام محمدؒ وغیرہ کو جواب ہے،انہوں نے فرمایا تھا کہ نجاست پانی کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اسکوبھی ناپاک کرتی رہے گی اور کسی چیز کو کبھی پاک نہیں ہونے دیگی ۔اسکا جواب یہ ہے کہ پانی یا بہنے والی چیز اس وقت تک ناپاک رہتی ہے جب تک اسکے ساتھ نجاست ملی ہوئی اور مجاور رہتی ہے،لیکن بار بار پانی ڈالنے کی وجہ سے جب ناپاکی وہاں سے بالکل نکل گئی اور اسکا ایک جز بھی وہاں نہیں رہا اب جو پانی وہاں ڈالیں گے اس میں نہ ناپاکی آئی اور نہ وہ پانی ناپاک ہوا اسلئے اب وہ ناپاک چیز بھی پاک ہوگئی ۔

ترجمہ: ۵ اور قدوری کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ کپڑے اور بدن میں کوئی فرق نہیں کرتا یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی ایک روایت ہے،اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے دونوں میں فرق کیا ہے اسلئے بدن پاک کرنے میں پانی کے علاوہ جائز نہیں۔

تشریح : قدوری کا جو متن ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدن اور کپڑے پاک کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کو کسی بہنے والی چیز سے پاک کر سکتے ہیں،امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہی ہے،لیکن امام ابو یوسفؒ کی ایک دوسری روایت بھی ہے کہ بدن اور کپڑا میں فرق ہے۔کپڑے کو کسی بہنے والی چیز سے پاک کر سکتے ہیں لیکن بدن کی نجاست کو صرف پانی سے پاک کر سکتے ہیں کسی اور چیز سے نہیں۔

لغت: مائع : ہر بہنے والی چیز، الخل : سرکا، ماءالورد : گلاب کا پانی۔ اعصر: نچوڑے اور اسی سے ہے انعصر : خود نچڑ جائے ۔قالع: اکھیڑنے والی چیز ۔مجاورۃ؛ ملا ہوا ہو، ساتھ ہو۔

نوٹ: جس بہنے والی چیز میں نجاست زائل کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۲) اگر موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کو جسم ہے، جیسے لید اور پاخانہ اور منی پھر وہ خشک ہو جائے پس اس کو رگڑ دے زمین سے تو اس موزے میں نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ا یہ مسئلہ استحسان پر ہے۔

تشریح: جس نجاست کو جسم ہے جیسے پاخانہ،لید، گوبر وغیرہ وہ چمڑے کے موزے یا جوتے پر لگ جائے پھر خشک ہو جائے پھر اس کو زمین سے اتنا رگڑ دے کہ پاخانہ لگا ہوا محسوس نہ ہو تو وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ رگڑنے سے

۲؂وقال محمدؒ:لا یجوز،وهو القیاس الافی المنی خاصة لان المتداخل فی الخف لایزیله الجفاف والدلک،بخلاف المنی علی ما نذکره ۳؂ولهما قوله علیه السلام فان کان بهما اذی فلیمسحهما

موزہ پاک نہ ہو کیونکہ چمڑے کے اندر ابھی بھی نجاست موجود ہے، لیکن آگے والی حدیث کی وجہ سے استحسانا موزے کو پاک قرار دیا ہے۔

وجہ: (ا) چمڑے میں جونا پاکی سرایت کی ہوگی وہ کم ہے اور سوکھنے کی وجہ سے ناپاکی کے جسم نے واپس چوس لیا اور چمڑے کے اندر بہت کم ناپاکی رہ گئی اور اوپر کے حصے کو زمین سے رگڑ دیا تو نجاست زائل ہوگئی اور پہلے بتایا گیا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے کپڑا یا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔اس لئے یہ جوتے یا موزے پاک ہو جائیں گے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور** ۔(ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵) رمسند احمد اور ابوداود میں لمبی حدیث کے آخیر میں یہ جملہ بھی ہے۔**عن ابی سعیدن الخدری .... فاذا جاء أحدکم الی المسجد فلینظر فی نعلیه ، فان رأی فیهما قذراً او قال اذی فلیمسحهما** (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث ،ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷ / ابوداود شریف ، باب الصلوۃ فی النعل ، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے رگڑنے کے بعد جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا

اصول: نجاست حقیقیہ کے زائل ہونے سے چیز پاک ہو جائیگی۔

ترجمہ: ۲؂ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ رگڑنے سے جائز نہیں ہے اور یہی قیاس کا تقاضا ہے، مگر خاص طور پر منی کے بارے میں ،اسکی وجہ یہ ہے کہ موزے کے اندر جو نجاست داخل ہوگئی خشک ہونا اور رگڑنا اسکو زائل نہیں کرے گی ، بخلاف منی کے جیسا کہ ہم اسکو ذکر کریں گے۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ موزے یا چمڑے کی چیز میں جرم والی نجاست لگ جائے اور خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی اسکو دھونا ہی پڑے گا ،اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، اسلئے کہ موزے کے اندر جو نجاست گھس گئی ہے خشک ہونے اور اسکو رگڑنے سے کیسے نکلے گی! رگڑنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اوپر کی نجاست جھڑ جائیگی لیکن اندر تو نجاست موجود ہے اسلئے چمڑا ناپاک رہے گا (۲) انکی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں نجاست کو پانی سے دھونے کا تذکرہ ہے۔البتہ منی کپڑے پر لگ جائے تو اسکو رگڑنے سے پاک ہو جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رگڑنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ یہ بحث آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۳؂ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل حضورؐ کا قول ہے، کہ ان دونوں موزوں میں کوئی گندگی ہو تو ان دونوں کو زمین سے رگڑ دو اسلئے کہ زمین دونوں کو پاک کرنے والی چیز ہے۔

بالارض فان الارض لهما طهور ٤ و لان الجلد لصلابته لا يتداخله اجزاء النجاسة الا قليل ثم يجتذبه الجرم اذا جف فاذا زال زال ما قام به (۱٦۳) و فی الرطب لا يجوز حتی يغسله ۱ لان المسح بالارض يكثره و لا يطهره

تشریح : یہ جملہ دوحدیثوں کا مجموعہ ہے، وہ دونوں ابوداود شریف اور مسند احمد کی حدیث اوپر گزر گئی پھر بھی حدیث یہ ہے۔ مسند احمد اور ابوداود میں لمبی حدیث کے آخیر میں یہ جملہ ہے۔عن ابی سعید الخدری ....فاذا جاء أحدكم الی المسجد فلينظر فی نعليه ، فان رأى فيهما قذراً او قال اذى فليمسحهما (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث، ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷ / ابوداود شریف، باب الصلوۃ فی النعل، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اور دوسری حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدكم بنعله الاذى فان التراب له طهور ۔(ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵ /) ھدایہ کا جملہ ان دوحدیثوں کا مجموعہ ہے۔

ترجمہ : ٤ اور اسلئے کہ چمڑا سخت ہونے کی وجہ سے نجاست کے اجزا اسکے اندر داخل نہیں ہونگے مگر بہت تھوڑے پھر نجاست کا جرم اسکو جذب کرلے گا جب خشک ہوگی، پس جب جرم زائل ہوگا تو وہ نجاست بھی زائل ہوجائے گی جو جرم کے ساتھ لگی تھی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، اور امام محمدؒ کو جواب ہے۔کہ چمڑا کافی سخت اور ٹھوس ہوتا ہے اسلئے نجاست کے اجزاء اندر بہت کم داخل ہونگے پھر موزے کے اوپر نجاست کا جرم جب سوکھے گا تو چمڑے کے اندر گھسی ہوئی نجاست جو تر پانی کی شکل میں ہے اسکو وہ جذب کرے گا، اور چمڑے کے اندر کی نجاست اوپر کے جرم کے ساتھ چپک جائے گی اور جب یہ جرم گرے گا تو اسکے ساتھ یہ نجاست بھی گر جائے گی اور زائل ہوجائے گی اور چمڑے کے اندر کا حصہ بھی پاک ہوجائے گا اور جرم گرنے سے اوپر کا حصہ بھی پاک ہوجائے گا۔اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے چیز پاک ہوجاتی ہے۔اصل تو اوپر کی حدیث ہے۔

لغت : جرم : جسم دار، روث: گوبر۔العذرة: پاخانہ جفت : خشک ہوگیا، دلک : رگڑا۔متداخل: دخل سے مشتق ہے، جو اندر گھس جائے، اذی: گندگی، نجاست۔صلابت: سخت ہونا، ٹھوس ہونا۔یجتذب: جذب سے مشتق ہے، جذب کرنا، چوسنا۔

ترجمہ : (۱۶۳) تر نجاست میں نہیں جائز ہے مگر یہ کہ اسکو دھوئے۔

ترجمہ ۱ اسلئے کہ زمین کے ساتھ رگڑنے سے نجاست کو پھیلائے گا، اسکو پاک نہیں کرے گا۔

تشریح : نجاست خشک ہو تب تو رگڑنے سے پاک ہوجاء گا، لیکن اگر تر ہو تو پانی سے چمڑے کو دھوئے گا تب پاک ہوگا، اسکی وجہ یہ ہے کہ نجاست زائل ہونے سے چمڑا پاک ہوتا ہے، اور تر نجاست کو زمین کے ساتھ رگڑیں تو نجاست مکمل زائل نہیں ہوگی بلکہ اور پھیل جائے گی اور بہت کچھ نجاست چمڑے کے اندر اور کچھ باہر باقی رہے گی اسلئے تر نجاست کو رگڑنے سے چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

۲ و عن ابی یوسفؒ انه اذا مسحه بالارض حتی لم یبق اثر النجاسة یطهر لعموم البلوی، و اطلاق ما یروی، و علیه مشائخناؒ (۱۶۴)فان اصابه بول فیبس لم یجز حتی یغسله ۱ وکذا کل ما لاجرم له

ترجمه: ۲ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر تر نجاست کو زمین سے اتنا رگڑے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو چمڑا پاک ہو جائے گا، عموم بلوی کی وجہ سے۔ اور اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جسکو میں نے روایت کی۔ اور اسی پر ہمارے مشائخ کا فتوی ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے کہ چمڑے پر تر نجاست ہو لیکن اسکو زمین سے اتنا رگڑے کے نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو چمڑا پاک ہو جائے گا، اسکی تین وجہ ہے (۱) ایک تو یہ ہے کہ نجاست بہت کم باقی رہے گی جو معفو عنہ ہے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عموم بلوی ہے، یعنی لوگ عام طور سے اس میں مبتلاء ہیں اگر رگڑنے سے پاک قرار نہ دیں تو لوگ حرج عظیم میں پڑ جائیں گے اسلئے رگڑنے سے پاک قرار دیا جائے۔ (۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اس میں یہ نہیں ہے کہ خشک نجاست پاک ہوگی اور تر نجاست پاک نہیں ہوگی چونکہ حدیث میں عام ہے کہ پاک ہو جائے گی اسلئے تر نجاست بھی رگڑنے سے پاک ہو جائے گی۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعیدن الخدری .... فاذا جاء أحدکم الی المسجد فلینظر فی نعلیه ، فان رأی فیهما قذراً او قال اذی فلیمسحهما (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث، ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷/ ابوداود شریف، باب الصلوۃ فی النعل، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اور دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵) اس حدیث میں قذرا عام ہے تر ہو یا خشک ہو دونوں پاک ہو جائیں گے۔ (۴) اس اثر میں تر نجاست کی صراحت ہے عن معمر قال: سألت عن رجل وطی روثا رطباً فقال: ان شاء مسح رجلیه بالارض۔ (مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب و روثها، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۶) اس اثر میں ہے تر نجاست کو بھی رگڑنے سے پاک ہوگا۔

ترجمه: (۱۶۴) پس اگر چمڑے کو پیشاب لگ گیا اور وہ خشک ہو گیا تو جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسکو دھو دے۔

ترجمه: ۱ ایسے ہی ہر اس نجاست کا حکم ہے جسکا جرم نہیں ہے جیسے شراب۔ اسلئے کہ اجزا اس میں پی لئے جاتے ہیں، اور کوئی جذب کرنے والی چیز نہیں ہے جو اسکو جذب کر کے نکال لے۔

تشریح : چمڑے پر ایسی نجاست لگی جسکو جرم اور جسم نہیں ہے، جیسے پیشاب، شراب وغیرہ تو اسکو دھونے سے ہی پاک ہوگا، رگڑنا کافی نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب یا شراب چمڑے کے اندر کافی گھس گیا ہے، اور اسکا کوئی جرم اور جسم نہیں ہے کہ اسکو جذب کر کے نکالے اسلئے سوکھنے کے بعد پیشاب چمڑے کے اندر ہی رہ جائے گا، نجاست کا زیلان نہیں پایا گیا، اسلئے پانی سے ہی دھونا ہوگا۔

كالخمر لان الاجزاء تتشرب فيه و لا جاذب يجذبها، ۲ و قيل ما يتصل به من الرمل جرم له، (۱۶۵) و الثوب لا يجزى فيه الا الغسل و ان يبس ﴾ ۱ لان الثوب لتخلخله يتداخله كثير من اجزاء النجاسة فلا يخرجها الا الغسل (۱۶۶) والمنى نجس يجب غسله رطباً فاذا جف على الثوب اجزاء فيه

ترجمہ: ۲ اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ ریت اسکے ساتھ لگ گئی وہی اسکا جرم ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ پیشاب وغیرہ بے جرم نجاست کو بھی رگڑنے سے موزہ پاک ہو جائے گا۔ اسکی (۱) ایک وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پیشاب، شراب پر کچھ ریت تو لگے گی، بس وہی ریت پیشاب کے لئے جرم اور جسم بن جائے گی اور ریت جب سوکھے گی تو چمڑے سے پیشاب کو جذب کر کے نکال لے گی اور جب ریت جھڑے گی تو گویا کہ پیشاب بھی پورے طور پر جھڑ گیا اور زائل ہو گیا اسلئے رگڑنے سے چمڑا پاک ہو گیا۔ اسکی دوسری وجہ بھی وہی عموم بلوی ہے اور اوپر والی مطلق حدیث ہے جس میں ہے کہ کوئی بھی نجاست رگڑنے سے پاک ہو جائے گی۔ پیشاب، شراب کے لئے بھی مطلق حدیث سے استدلال کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۶۵) اور کپڑے میں نہیں کافی ہوگا مگر دھونا چاہے خشک ہو جائے۔

تشریح : چمڑے کی بات اور تھی۔ کپڑے میں تر نجاست لگے یا خشک، جرم والی ہو یا بغیر جرم کے ہر حال میں وہ دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

وجہ : کپڑے کے بارے میں حدیث میں یہی ہے کہ اسکو دھوئے تب پاک ہوگا۔ حدیث یہ ہے سألت عائشة عن المنى يصيب الثوب؟ فقالت كنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فيخرج الى الصلوة و اثر الغسل فى ثوبه بقع الماء (بخاری شریف، باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ رمسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے يا عمار انما يغسل الثوب من خمس، من الغائط و البول و القيء و الدم و المنى (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ، ج اول، ص ۱۳۴، نمبر ۴۵۲) ان احادیث میں ہے کہ کپڑا دھونے سے پاک ہوگا۔ اور رگڑنے سے پاک ہونے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ کپڑے کے ٹھوس نہ ہونے کی وجہ سے نجاست کے بہت سے اجزا اس میں داخل ہو جاتے ہیں اسلئے دھونے کے علاوہ کوئی اور چیز اسکو نہیں نکال سکتی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ کپڑا ٹھوس نہیں ہوتا اسلئے اس میں نجاست کے اجزا بہت داخل ہو جاتے ہیں جو صرف دھونے ہی سے نکل سکتے ہیں رگڑنے سے نہیں نکل سکتے، اسلئے کپڑا دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۶) منی ناپاک ہے۔ تر منی کو دھونا واجب ہے۔ پس جب کپڑے پر سوکھ گئی تو پاک ہونے کے لئے رگڑنا کافی

الفرک ﴿القوله علیه السلام لعائشةؓ : فاغسلیه ان کان رطباً و افرکیه ان کان یابساً

ہے۔

تشریح: اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ایک تو یہ کہ منی ناپاک ہے۔دوسری بات یہ کہ تر منی کپڑے پر ہو تو اسکو دھونے سے پاک ہوگا، اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر منی خشک ہو جائے تو کپڑے کو اچھی طرح رگڑ دیا جائے تو اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔منی ناپاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔اور تر منی کو دھونے کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔

وجہ: (۱) منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔جس چیز پر غسل واجب ہو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود بھی ناپاک ہوگی (۲) حدیث میں ہے حضرت عائشہ تر منی کو حضورؐ کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔حدیث میں ہے۔سألت عائشة عن المنی یصیب الثوب؟ فقالت کنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فیخرج الی الصلوة و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء (بخاری شریف، باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ رمسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے۔عن عمار بن یاسر .... یا عمار انمایغسل الثوب من خمس، من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ منی ناپاک ہے تب ہی تو دھونے کی ضرورت پڑی! اور یہ بھی پتہ چلا کہ کپڑے کو دھونا ہی پڑے گا تب ہی تو حضرت عائشہؓ دھویا کرتی تھیں۔(۲) دوسری حدیث میں اسکی صراحت ہے عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا۔(دار قطنی، باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ تر منی ہو تو میں اسکو دھوتی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ تر منی کو دھونا پڑے گا۔

اور منی کپڑے پر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک قرار دیا جائے گا اسکی دلیل یہ ہے کہ رگڑنے سے منی جھڑ جائے گی اور جو تھوڑا بہت باقی رہے گی وہ معفو عنہ ہے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن عائشة لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول الله ﷺ فرکا فیصلی فیه. (مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ: لے حضرت عائشہؓ کے لئے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ منی کو دھو دو اگر تر ہے اور اسکو کھرچ دو اگر خشک ہے۔یہ جملہ اس حدیث کا مفہوم ہے۔

عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا۔(دار قطنی، باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا، ج اول، ص ۱۳۱، نمبر ۴۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح

۲؎ وقال الشافعیؒ : المنی طاهر، و الحجة علیه مارویناه ۳؎ و قال علیه السلام: انما یغسل الثوب من خمس و ذکر منها المنی، ۴؎ و لو اصاب البدن قال مشائخناؒ یطهر بالفرک لان البلوی فیه اشد

رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

ترجمه: ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ منی پاک ہے، اور انکے اوپر حجت وہ روایت ہے جسکو میں نے بیان کیا

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے۔ کپڑے میں لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ کتاب الام میں ہے۔ قال الشافعی: و المنی لیس بنجس . (موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب المنی، ج اول، ص ۲۱۹، نمبر ۴۴۷)

وجه : (۱) انکا استدلال ان احادیث سے جن میں ہے کہ حضورؐ کی منی کو کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا کرتی تھی۔ اگر نا پاک ہوتی تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اس لئے منی پاک ہے۔ عن عائشة لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول الله ﷺ فرکا فیصلی فیه (مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ منی کو رگڑتی تھی اور رگڑنے سے نجاست مکمل نہیں نکلے گی پھر بھی پاک قرار دیا تو اسکا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ منی پاک ہے (۲) منی سے انسان بلکہ انبیاء پیدا ہوتے ہیں جو پاک ہیں اس لئے منی بھی پاک ہونی چاہئے (۳) وہ عبد اللہ ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابن عباس قال سئل النبی ﷺ عن المنی یصیب الثوب قال انما هو بمنزلة المخاط و البزاق و انما یکفیک ان تمسحه بخرقة او باذخر ۔(دار قطنی، باب ماورد فی طهارۃ المنی وحکمه رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۱) ہم کہتے ہیں اس کی سند کمزور ہے۔ انکے خلاف وہ احادیث حجت ہیں جنکو ہمنے بیان کیا۔

ترجمه : ۳؎ حضورؐ نے فرمایا کہ کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جائے گا اور ان میں سے منی کا بھی ذکر کیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن عمار بن یاسر .... یا عمار انمایغسل الثوب من خمس، من الغائط و البول و القیء و الدم و المنی (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ منی دھوئی جائے گی۔

ترجمه: ۴؎ اور اگر منی بدن کو لگ جائے تو ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اسلئے کہ اس میں کپڑے سے زیادہ ابتلاء ہے،

تشریح : منی بدن پر لگ جائے تو ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی رگڑنے سے پاک ہو جائے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں جتنی مشقت ہے اس سے زیادہ مشقت بدن دھونے میں ہے اور جتنا عموم بلوی کپڑے میں ہے اس سے زیادہ بلوی بدن میں ہے اسلئے حدیث کی بنا پر جب کپڑے کو رگڑنے سے پاک ہوتا ہے تو بدن کو بھی رگڑنے سے پاک ہونا چاہئے۔

۵؎ وعن ابی حنیفۃؒ: انہ لا یطہر الا بالغسل لان حرارۃ البدن جاذبۃ فلا یعود الی الجرم، و البدن لا یمکن فرکہ، (۱۶۷) و النجاسۃ اذا اصابت المرأۃ، او السیف اکتفی بمسحہما ۱؎ لانہ لاتتداخلہما النجاسۃ وماعلی ظاہرہ یزول بالمسح، (۱۶۸) وان اصابت الارض نجسۃ فجفت بالشمس و ذہب اثرہا جازت الصلوۃ علی مکانہا

ترجمہ: ۵؎ اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوگا، اسلئے کہ بدن کی گرمی اندر کھینچتی ہے اسلئے نجاست جرم کی طرف واپس نہیں آئے گی، پھر یہ کہ بدن کو رگڑنا بھی ممکن نہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ منی بدن پر لگ جائے تو اسکو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا، دھونا ہی ہوگا، اسکی دو وجہ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بدن کی گرمی منی کی رطوبت کو اندر کی طرف کھینچ لیتی ہے جس کی وجہ سے جب منی خشک ہو رہی ہوگی اسوقت یہ رطوبت واپس منی کے جرم کی طرف نہیں آئے گی اور جب منی کے جرم کو رگڑیں گے تو رطوبت زائل نہیں ہوگی اسلئے جسم پاک نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جسم کو کپڑے کی طرح رگڑنا بھی ممکن نہیں کہ منی کا جرم مکمل جھڑ جائے اسلئے بدن کو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۷) نجاست جب کہ آئینہ کو یا تلوار کو لگ جائے تو کافی ہوگا ان دونوں کو پونچھ دینا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نجاست انکے اندر نہیں جائے گی، اور جو اسکے اوپر ہے وہ پونچھنے سے زائل ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) آئینہ اور تلوار چکنے ہوں کہ پونچھنے سے تمام نجاست صاف ہو جائے تو پونچھ دینے سے پاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ نجاست مکمل صاف ہونے کے بعد نجاست باقی نہیں رہی۔ اس لئے پاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تلوار یا آئینہ نقشین ہو یا کھردرا ہو اور نجاست مکمل صاف نہیں ہوتی تو پونچھنے سے پاک نہیں ہونگے۔ دھونا پڑے گا۔ (۲) صحابہ کرام قتال کرتے تھے اور تلوار کو صاف کر کے نماز پڑھ لیتے تھے دھونے کا اتفاق کم ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ کہ چکنی چیز پوچھ دینے سے صاف ہو جائے تو پاک ہو جائے گی۔ (۳) موزہ اتنا چکنا نہیں ہوتا پھر بھی رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے تو چکنا آئینہ اور تلوار بدرجہ اولی رگڑنے سے پاک ہو جائے گا۔

لغت: المرآۃ : آئینہ۔

ترجمہ: (۱۶۸) اگر زمین پر ناپاکی لگ جائے اور سورج سے خشک ہو جائے اور ناپاکی کا اثر ختم ہو جائے تو اس جگہ پر نماز جائز ہے۔

تشریح: پیشاب یا پاخانہ یا کوئی اور ناپاکی زمین پر لگی ہو لیکن سورج نے اس ناپاکی کو خشک کر دیا اور ناپاکی کے اثرات ختم ہو گئے اب پتہ نہیں چلتا کہ اس جگہ پیشاب یا پاخانہ تھا تو اب وہ جگہ پاک ہو گئی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۱؎ و قال زفرؒ و الشافعیؒ: لاتجوز لانه لم یوجد المزیل و لهذا لا یجوز التیمم بها ۲؎ و لنا قوله علیه السلام: ذکاة الارض یبسها

وجه: (۱) حدیث میں ہے قال عبد الله ابن عمر کنت ابیت فی المسجد فی عهد رسول الله ﷺ و کنت فتی شابا عزبا، و کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک ۔(ابوداود شریف، باب فی طهور الارض اذا یبست، ص۶۰ نمبر۳۸۲) کتا مسجد میں پیشاب کرتا ہو پھر اس کو کوئی دھوتا نہ ہو اور اسی پر نماز پڑھتا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد اور اس کے اثرات چلے جانے کے بعد جگہ پاک ہوگئی۔ ابوقلابہ کے قول میں توصاف ہے کہ زمین خشک ہوگئی تو پاک ہوگئی۔ (۲) عن ابی قلابة قال اذا جفت الارض فقد زکت. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷ من قال اذا کانت جافۃ فھو زکاتہا، ج اول، ص۵۹، نمبر۶۲۵)

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی، اسی لئے اس سے تیمّم جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر نجاست لگ جائے تو صرف سوکھ جانے سے وہ پاک نہیں ہوگی جب تک کہ پانی سے دھل نہ جائے، یا اس پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ نجاست مغلوب ہو جائے اور پانی غالب ہو جائے، موسوعۃ میں یہ ہے ۔فلا تطهر الارض حتی یصب علیها من الماء قدر ما یذهبه ۔(موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب ما یطہر الارض و ما لا یطہر ھا، ج اول، ص۲۰۶، نمبر۶۹۹)

وجه: (۱) پاک کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی (۲) حدیث میں ہے ان ابا هریرة قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناوله الناس فقال لهم النبی ﷺ دعوه وهریقوا علی بوله سجلا من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم میسرین لم تبعثوا معسرین ۔(بخاری شریف، باب صب الماء علی البول فی المسجد ص۳۵ نمبر۲۲۰ رابوداود شریف، باب الارض یصیبھا البول، ص۶۰ نمبر۳۸۰) اس حدیث میں ہے کہ پیشاب پر پانی بہایا جس سے معلوم ہوا کہ نجاست پر پانی بہانے سے ہی زمین پاک ہوگی۔ (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی تو اس سے تیمّم کرنا جائز ہوتا، لیکن اس زمین سے آپکے یہاں بھی تیمّم کرنا جائز نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ مٹی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ تر نجاست ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ یہاں پیشاب تر تھا اور جلدی میں نماز پڑھنی تھی اس لئے پانی سے پاک کی گئی۔ البتہ خشک کے لئے اوپر کی حدیث پر عمل ہوا۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ زمین کا پاک ہونا اسکا خشک ہونا ہے۔ شاید یہ حدیث نہیں قول صحابی ہے وہ یہ

۳؎ وانما لایجوز التیمم لان طهارة الصعید ثبت شرطا ً بنص الکتاب فلا تتادی بما ثبت بالحدیث (۱۶۹) و قدر الدرهم و مادونه من النجس المغلظ کالدم، و البول، و الخمر، و خرء الدجاج، و بول الحمار جازت الصلوة معه و ان زاد لم تجز ﴾

ہے۔عن ابی جعفر قال : زکاۃ الارض یبسها .(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۷ فی الرجل یطأ الموضع القذر یطأ بعدہ ماھو انظف، ج اول،ص ۵۹،نمبر ۶۲۴)اس اثر میں ہے کہ زمین کا خشک ہونا اسکا پاک ہونا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور تیمّم جائز اسلئے نہیں ہے کہ مٹی کا پاک ہونا آیت قرآنی سے شرط ثابت ہوئی ہے اسلئے اس سے ادا نہیں ہوگا جو حدیث سے ثابت ہو۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ایسی مٹی پر تیمّم جائز نہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ مٹی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوئی۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ تیمّم کیلئے مکمل پاک ہونا آیت سے شرط ہے اسلئے حدیث کی بنا پر آیت کو نہیں چھوڑ سکتے۔آیت یہ ہے۔فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا.(آیت ۴۳،سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بالکل پاک مٹی ہونی چاہئے اسلئے نجاست والی زمین خشک ہوجائے تو اس سے تیمّم جائز نہیں ہوگا،البتہ اس پر نماز جائز ہے

نوٹ: نجاست تر ہو یا اس کے اثرات باقی ہوں تو دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

لغت: جفت : خشک ہوگئی۔مزیل: زائل کرنے والی چیز۔یبس: خشک ہونا۔

ترجمہ: (۱۶۹) درھم کی مقدار یا اس سے کم نجاست مغلظہ ہو جیسے خون،اور پیشاب،اور شراب،اور مرغی کی بیٹ،اور گدھے کا پیشاب تو اسکے ساتھ نماز جائز ہے،اور اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

تشریح : جس نجاست کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہو کہ یہ نجاست ہے اسکو نجاست مغلظہ کہتے ہیں،اور جس کے بارے میں اختلاف ہو اسکو نجاست مخففہ کہتے ہیں۔نجاست مغلظہ جیسے خون، پیشاب،شراب،مرغی کی بیٹ،اور گدھے کا پیشاب ایک درم کی مقدار سے زیادہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو وہ ناپاک ہو گیا اسکے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں۔اور ایک درھم سے کم ہو تو اس سے کپڑا یا بدن ناپاک نہیں ہوگا اسکے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے،کیونکہ اتنی مقدار شریعت نے معاف کیا ہے۔البتہ اسکو دھو لینا بہتر ہے۔

وجہ : نجاست مغلظہ ایک درھم سے کم معاف ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے (۱) پتھر کے ذریعہ استنجا کی حدیث میں ہے کہ پتھر سے مقام پاخانہ صاف کر دیا جائے تو نماز جائز ہو جائے گی۔حالانکہ پتھر کے ذریعہ صفائی سے نجاست مکمل صاف نہیں ہوگی صرف کمی ہوگی اس کے باوجود نماز جائز کر دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار نجاست غلیظہ معاف ہے۔حدیث میں ہے عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال اذا ذهب احدکم الی الغائط فلیذهب معه بثلاثة احجار یستطیب بهن فانها

تجزئ عنه۔(ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰ رنسائی شریف، الاجتزاء فی الاستطابة بالحجارة دون غیرها، ص ۶ نمبر ۴۴)اس حدیث میں ہے کہ پاخانے کے مقام کو صرف پتھر سے صاف کر دینے سے اسکو پاک قرار دیا جائے گا حالآنکہ پتھر سے صاف کرنے سے نجاست بالکل ختم نہیں ہوگی صرف نجاست کم ہو جائے گی اسکے باوجود اسکے ساتھ نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ پیخانہ کے مقام کی مقدار جو درھم کے برابر ہے معاف ہے اس سے زیادہ لگی ہو تو دھونا پڑے گا، اسکے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی۔ حدیث میں اسکی تصریح ہے۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم (دار قطنی، باب قدر النجاسة التی تبطل الصلوة ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹ رسنن للبیھقی، باب ما یجب غسله من الدم، ج اول ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

﴿ہر ایک کے ناپاک ہونے کی دلیل﴾

نوٹ: خون، انسانی پیشاب، پاخانہ کے نجاست مغلظہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے یا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنى (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول ما یؤکل لحمہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲)

اسکے علاوہ بھی حیض کے خون کے بارے میں احادیث گزری جس میں خون کو دھونے کا حکم تھا جس سے معلوم ہوا کہ خون نجاست مغلظہ ہے۔

شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ثعلبة الخشنی انه سأل رسول الله قال انا نجاور اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير و يشربون فی آنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء وكلوا واشربوا. (ابوداؤد شریف، باب فی استعمال آنیۃ اہل الکتاب ج ثانی ص ۱۸۰ نمبر ۳۸۳۹)اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جس برتن میں شراب پیتے ہوں اگر اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ملے تو اس کو دھو کر اس میں پیو، دھونے کا حکم اس بات پر دال ہے کہ شراب ناپاک ہے اس لئے شراب والے برتن کو دھونا پڑیگا تب پاک ہوگا۔انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان (آیت ۹، سورۃ المائدۃ

۱؎ وقال زفر والشافعیؒ قلیل النجاسۃ و کثیرھا سواء لان النص الموجب للتطہیر لم یفصل ۲؎ و لنا ان القلیل لا یمکن التحرز عنہ فیجعل عفواً،

---

۵)اس آیت میں بھی شراب کو ناپاک قرار دیا ہے۔
مرغی کی بیٹ ناپاک ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن حماد انہ کرہ ذرق الدجاج** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۶ فی خرء الدجاج، ج اول، ص ۱۱۱، نمبر ۱۲۶۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرغی کی بیٹ ناپاک ہے۔
گدھے کا پیشاب اسلئے نجاست مغلظہ ہے کہ اسکا گوشت کھانا حلال نہیں ہے، اور وہ ماکول اللحم نہیں ہے، ماکول اللحم نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن انس بن مالک أن رسول اللہ ﷺ جاءہ جاء فقال أکلت الحمر ، ثم جاءہ جاء فقال اکلت الحمر ، ثم جاءہ جاء فقال أفنیت الحمر فأمر منادیا فنادی فی الناس : ان اللہ و رسولہ ینھیانکم عن لحوم الحمر الاھلیۃ فانھا رجس** . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ، ص ۹۸۳ نمبر ۵۵۲۸ ر مسلم شریف، باب تحریم أکل لحم الحمر الانسیۃ، ص ۸۶۸ نمبر ۱۹۴۰ ر ۵۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت نجس ہے اسلئے اسکا پیشاب بھی نجاست مغلظہ ہوگا۔
ترجمہ: ۱؎ اور زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تھوڑی نجاست اور زیادہ نجاست برابر ہے اسلئے کہ نص جو پاکی کو واجب کرتی ہے اس میں کم زیادہ کی تفصیل نہیں ہے۔
تشریح : امام زفر اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نجاست درھم کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ ہو ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا۔موسوعۃ میں اس طرح ہے۔فاذا کان الدم لمعۃ مجتمعۃ وان کانت اقل من موضع دینار أو فلس وجب علیہ غسلہ ۔(موسوعۃ للامام الشافعیؒ، باب طھارۃ الثیاب، ج اول، ص ۲۱۷، نمبر ۴۰۷) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نجاست کم ہو یا زیادہ ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا۔
وجہ: انکی دلیل یہی ہے کہ حیض کے خون کو دھونا ہی پڑتا ہے حالانکہ وہ عموما درھم سے کم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کم نجاست کو بھی دھونا ہی پڑے گا حدیث یہ ہے۔ **عن اسماء بنت ابی بکر انھا قالت سألت امرأۃ رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ ارأیت احدانا اذا اصاب ثوبھا الدم من الحیضۃ کیف تصنع فقال رسول اللہ اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ.** (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)اس حدیث میں ہے کہ حیض کا خون لگ جائے تو دھوء اور یہ تفصیل نہیں ہے کہ کم لگے تو مت دھوؤ اور زیادہ لگے تو دھوؤ، اسلئے کم زیادہ ہر حال میں دھونا واجب ہوگا۔
ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ تھوڑی نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہے اسلئے اسکو معاف قرار دیا گیا۔

۳؎ وقدرناه بقدر الدرهم آخذا عن موضع الاستنجاء ۴؎ ثم یروی اعتبار الدرهم من حیث المساحة و هو قدر عرض الکف، فی الصحیح

ترجمہ: ۳؎ اور ہمنے اسکو متعین کیا درہم کی مقدار استنجاء کی جگہ سے لیتے ہوئے۔

تشریح: ایک درہم تک نجاست غلیظہ معاف ہے اور اس سے زیادہ دھونا پڑے گا، تو ایک درہم کے تعین کی وجہ بتا رہے ہیں۔ کہ ابھی حدیث کے اندر گزرا کہ پتھر سے پیخانے کے مقام کو صاف کرے تو جائز ہے اور پیخانے کے مقام کی لمبائی چوڑائی تقریبا ایک درہم ہوتی ہے اس سے ہم متعین کرتے ہیں کہ ایک درہم کی مقدار نجاست معاف ہے۔ (۲) دوسری حدیث میں درہم کی مقدار کی صراحت ہے اس سے بھی درہم کی مقدار لی جاتی ہے، حدیث یہ ہے ۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ اذا کان فی الثوب قدر الدرهم من الدم غسل الثوب و أعيدت الصلاة (دار قطنی، باب قدر النجاسۃ التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۸۰ رسنن للبیھقی، باب ما یجب غسلہ من الدم، ج اول، ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث میں ہے کہ درہم کے برابر نجاست ہو تو نماز لوٹائے گا، ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ پھر روایت کیا درہم کا اعتبار مساحت کے اعتبار سے اور وہ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار ہے صحیح روایت میں۔

تشریح: نجاست کی معافی کے لئے درہم کا اعتبار کیا، تو درہم کی دو حیثیتیں ہیں ایک اسکی چوڑائی کا اعتبار، اور ایک اسکے وزن کا اعتبار۔ تو فرماتے ہیں کہ صحیح روایت یہ ہے کہ درہم کی چوڑائی کا اعتبار ہے۔ ہتھیلی کے درمیان میں جو چوڑا حصہ ہے وہ درہم کے برابر ہے اسی کا اعتبار ہے۔ مفتی رشید صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ۔ حضرات فقہاءؒ نے ہتھیلی کے گہراو کی وسعت کو معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ لکھا ہے کہ چلو میں پانی بھر کر ہتھیلی کو پھیلا دیا جائے، جتنی جگہ میں پانی ٹھرا رہے اتنی وسعت مراد ہے اکابر نے اسکی مقدار ایک روپے کے برابر تحریر فرمائی ہے، مگر آج کل دھات کا روپیہ بالکل غائب ہو چکا ہے، اور ہتھیلی کی پیمائش آسان نہیں اسلئے اسکی پیمائش کو ضبط کرنے کی ضرورت کو محسوس کر کے بندہ نے بطریق مذکور متعدد بار احتیاط سے پیمائش کی تو قطر =1.1 انچ، یا 2.75 سینٹی میٹر ہوا، اس کے بعد اتفاق سے ایک روپیہ دھات کا مل گیا تو اسکا قطر بھی اسکے مطابق پایا۔ (احسن الفتاوی، باب نجاست غلیظہ کی قدر عفو کی تحقیق، ج دوم، ص ۸۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نجاست پتلی ہو اور گولائی میں لگی تو اسکے درمیان کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہو، اور نجاست کی گولائی 8.6394 سینٹی میٹر ہو، یا قطر 1.1 انچ ہو اور نجاست کی گولائی 3.4557 انچ ہو تو وہ ایک درہم کے برابر ہے، یا ہتھیلی کے برابر ہے اسلئے اسکا دھونا ضروری ہے۔

نوٹ: درہم کے مساحت کے بارے میں کوئی اور تفصیل نہیں ملی اسلئے احسن الفتاوی کے قول پر حساب کی بنیاد رکھ دی، برطانیہ میں پچاس پینس کا جو سکہ ہوتا ہے وہ بھی اوپر والے درہم کے برابر ہی ہوتا ہے

۵ و یروی من حیث الوزن و هو الدرهم الکبیر المثقال : و هو ما یبلغ وزنه مثقالاً، ٦ و قیل فی التوفیق بینهما ان الاولی فی الرقیق و الثانیة فی الکثیف

ترجمہ: ۵ اورروایت کیا ہے وزن کے اعتبار سے وہ بڑا مثقال والا درھم ہے جسکا وزن ایک مثقال پہنچتا ہو۔

تشریح : اگر درھم کے وزن کا اعتبار کیا جائے تو اس درھم کا اعتبار ہوگا جو بڑا درھم ہے اور اسکا وزن ایک مثقال ہے۔ جو 4.375 گرام کا ہوتا ہے۔ یہ حساب احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶۔ سے لیا گیا ہے

﴿درھم کی قسمیں تین ہیں﴾

(۱) ایک بڑا درھم جسکا وزن ایک مثقال ہوتا ہے، یا 20 قیراط ہے، یا 0.375 تولہ، یا 4.375 گرام کا ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا درھم اس سے چھوٹا ہوتا ہے جسکا وزن 0.7 مثقال، یا 14 قیراط، 0.262 تولہ، یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔ ابھی اسی درھم سے زکوۃ کا حساب کرتے ہیں۔ نیچے سارا حساب اسی درھم کا دیا ہے، کیونکہ اسی کا اعتبار ہے اس درھم کو وزن سبعہ کہتے ہیں

(۳) ایک تیسرا درھم اس سے چھوٹا ہوتا تھا جسکا وزن 0,5 مثقال، یا 10 قیراط، یا 0.1875 تولہ، یا 2.1875 گرام وزن ہوتا ہے۔ یہ درھم اور بڑا درہم اب نہیں ہیں اسکو حضرت عمرؓ نے ختم فرما دیا تھا۔

ترجمہ: ٦ اور کہا گیا ہے کہ دونوں کے درمیان ترتیب یہ ہے کہ پہلی یعنی مساحت والی پتلی نجاست میں ہے اور دوسری یعنی وزن والی گاڑھی نجاست میں ہے۔

تشریح : اوپر درھم کے بارے میں دو قسم کی باتیں آئیں، ایک یہ کہ اسکے وزن کا اعتبار کیا جائے اور دوسری یہ کہ اسکی مساحت یعنی رقبے کا اعتبار کیا جائے تو دونوں قولوں میں ترتیب یہ دے رہے ہیں کہ جس قول میں مساحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ پتلی نجاست کے بارے میں ہے۔ کہ پتلی نجاست ہو تو درھم کے رقبے کا اعتبار کیا جائے اور 2.75 سینٹی میٹر نجاست ہو تو جگہ ناپاک ہوگی، اور جس قول میں وزن کا اعتبار ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ نجاست گاڑھی ہو تو درھم کے وزن کا اعتبار کیا جائے اور 4.374 گرام وزن نجاست ہو تو جگہ ناپاک قرار دیا جائے چاہے رقبے کے اعتبار سے 2.75 سینٹی میٹر سے کم رقبے پر ہی نجاست لگی ہو

﴿درھم کا حساب﴾

نوٹ : باب احکام المیاہ مسئلہ نمبر ۴٦، کے تحت ناپ کا فارمولہ مذکور ہے اور وہیں پائی 3.1416 یا 22بٹہ 7 یعنی 22 کو 7 سے تقسیم دیں اسکو پائی کہتے ہیں جو کسی گول چیز کو ناپنے کے لئے بہت ضروری ہے

حساب: کسی بھی گول چیز کی درمیانی قطر کو ناپ لیں پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو اس چیز کی گولائی معلوم ہو جائے گی۔

اب درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہے تو اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو درھم کی گولائی 8.6394 سینٹی میٹر نکل آئے گی۔
اور درھم کا قطر 1.1 انچ کو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو درھم کی گولائی 3.4557 انچ نکل آئے گی۔ یہ درھم کی گولائی ہوگی۔
اور اگر درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ناپنا ہو تو درھم کے قطر کو قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہو اسکو پائی سے ضرب دیں اور اس حاصل ضرب کو چار سے تقسیم کر دیں تو جو حاصل تقسیم ہوگا وہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔ مثال مذکور میں درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہے اسلئے 2.75 کو 2.75 سے ضرب دیں حاصل ضرب 7.5625 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں، حاصل ضرب 23.7583 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو 4 سے تقسیم دے دیں حاصل تقسیم 5.93958 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہے
اور انچ کے اعتبار سے درھم کا قطر 1.1 انچ ہے اسلئے 1.1 کو 1.1 سے ضرب دیں حاصل ضرب 1.21 مربع انچ ہوگا اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں حاصل ضرب 3.80133 مربع انچ ہوگا اسکو 4 سے تقسیم دیں تو حاصل تقسیم 0.95 مربع انچ ہوگا جو درھم کہ پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔

(نصاب اور اوزان کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔)

﴿ نصاب اور اوزان ایک نظر میں ﴾

فارمولہ				فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
8 رتی	=	ایک ماشہ		1000 گرام	=	ایک کیلو
12 ماشہ	=	ایک تولہ		3.061 گرام	=	ایک درہم
11.664 گرام	=	ایک تولہ		612.36 گرام	=	نصاب چاندی
0.218 گرام	=	ایک قیراط		4.374 گرام	=	ایک دینار
4.374 گرام	=	ایک مثقال		87.48 گرام	=	نصاب سونا
442.25 گرام	=	ایک رطل		ایک درھم	=	سینٹی میٹر قطر
3538 گرام	=	ایک صاع		ایک درھم	=	1.1 انچ قطر

ﮯ و انما كانت نجاسة هذه الاشياء مغلظة لانها ثبتت بدليل مقطوع به (۱۷۰) و ان كانت مخففة كبول مايوئكل لحمه جازت الصلوة معه حتى يبلغ ربع الثوب

1769 گرام = آدھا صاع

(چھوٹا، بڑا درھم)

درہم	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 بڑا درہم	1 مثقال	20	0.375	4.375	....
1 مروج درہم	0.7	40	0.262	3.061	....
200 درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

ترجمہ: ﮯ ان چیزوں کی نجاست مغلظہ اسلئے ہوئی کہ یقینی دلیل سے ثابت ہوئی ہے

تشریح : اس عبارت میں نجاست کے غلیظہ اور خفیفہ ہونے کا معیار بتا رہے ہیں کہ جس نجاست کی ناپا کی دلیل قطعی سے ثابت ہوا اسکو نجاست غلیظہ کہتے ہیں، اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ نجاست خفیفہ ہے

دوسری روایت یہ ہے کہ جس میں ایک ہی قسم کی دلیل ہو وہ نجاست غلیظہ ہے اور جس نجاست کی ناپا کی کے بارے میں دونوں قسم کے احادیث ہوں وہ نجاست خففیہ ہے ۔

تیسری روایت یہ ہے کہ جس نجاست کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہو وہ نجاست غلیظہ ہے اور جس نجاست کی ناپا کی کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے۔

لغت : خرء : بیٹ، خرء الدجاج ،مرغی کی بیٹ۔التحرج: بچنا۔المساحة: لمبائی چوڑائی ناپنے کے حساب کومساحت کہتے ہیں رقیق: پتلا۔کثیف: گاڑھا۔دلیل مقطوع: قطعی دلیل، یقینی دلیل۔

ترجمہ: (۱۷۰) اور اگر کپڑے یا بدن کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک چوتھائی کپڑے کو نہ پہنچ جائے۔

تشریح: نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کے دلائل ہوں، یا علماء میں اختلاف ہو۔ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کہ ان کے پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ پاک ہونے کی دلیل یہ ہے حدیث میں ہے (۱) عن انس ان ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم

رسول الله ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها وابوالها ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول ما یؤکل لحمہ ص ۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کواونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟(۲)عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اکل لحمه۔(دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول ما یؤکل لحمہ ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۴)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱)عن ابن عباس... فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما لا یستتر من بوله وکان الآخر یمشی بالنمیمة ۔(بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص ۳۵ نمبر ۲۱۶ رترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص ۱۳ نمبر ۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے وہ ناپاک ہے(۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ۔(دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأکول اللحم کے بارے میں ہیں۔اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہوگیا۔اس لئے اس کا پیشاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور دوسرے جانور یا انسان کے بارے میں پاکی کی احادیث نہیں ہیں اس لئے ان کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔

نجاست خفیفہ کے بارے میں اصل روایت یہ ہے کہ اتنا لگ جائے کہ لوگ اس کو کثیر اور زیادہ سمجھیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔دوسری روایت ہے کہ کپڑے کی چوتھائی ہوتو وہ گویا کہ کثیر ہوگیا اور کپڑا ناپاک ہوگا۔کیونکہ ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم مقام ہے۔احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں چوتھائی سر منڈوائے تو کل سر منڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہوجائے گا۔

وجہ : گائے، بھینس کے چرواہے کے لئے ان کے پیشاب سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اگر چوتھائی کپڑے میں پیشاب لگنے اور کیچڑ لگنے کو معاف نہ کیا جائے تو ان کے لئے حرج ہو جائے گا۔اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہوگی اگر چہ دھولینا چاہئے۔اس سہولت کی وجہ یہ حدیث ہے۔قلت لام سلمة ان امرأة اطیل ذیلی وامشی فی المکان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ یطهره ما بعده (۲)وعن عبد الله ابن مسعود قال کنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ رابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) دامن میں تھوڑی بہت ناپاکی لگ جائے اور بعد کے مکان اس کو جھاڑ دے تو نماز ہوجائے گی۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہو یا خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم ہوتو معفو عنہ ہیں ورنہ حرج ہوگا۔

فائدہ: امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔(۱) حدیث عرینہ اوپر ترمذی شریف، نمبر ۷۲

۱ یروی ذالک عن ابی حنیفۃؒ، لان التقدیر فیه بالکثیر الفاحش و الربع ملحق بالکل فی بعض الاحکام ۲ و عنه ربع ادنی ثوب تجوز فیه الصلوة کالمیزر ۳ و قیل ربع الموضع الذی اصابه کالذیل والدخریص ۴ وعن ابی یوسفؒ شبرفی شبر

کی حدیث گزری، (۲) اور دارقطنی نمبر ۴۵۴ کی حدیث گزری جس کی بنا پر گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پاک کہتے ہیں ۔(۳) اور یہ اثر بھی ہے عن جعفر عن أبیه و نافع قال : کانا لا یریان بأسا ببول البعیر ، قال : و أصابنی فلم یریابه بأسا . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۴۱) فی بول البعیر والشاۃ یصیب الثوب، ج اول، ص ۱۰۹، نمبر ۱۲۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ یعنی ماکول اللحم کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی وہ پاک ہے۔

ترجمہ: ۱ یہ روایت امام ابو حنیفہؒ کا ہے اسلئے کہ اندازہ اس میں کثیر فاحش کا ہے اور چوتھائی کل کے ساتھ ملحق ہے بعض احکام میں

تشریح : نجاست خفیفہ کتنی معاف ہے اس بارے میں کئی اقوال ہیں، امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول تو اوپر گزرا کہ پورے کپڑے کی چوتھائی سے کم ہو تو نجاست خفیفہ معاف ہے اور چوتھائی ہو تو دھونا پڑے گا۔ کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ دیکھنے والا اسکو بہت زیادہ سمجھے تو وہ کثیر فاحش ہے۔ اور یہ نجاست خفیفہ معاف نہیں، اور چوتھائی چیز بعض احکام میں کل کے قائم مقام ہے اسلئے وہ کثیر فاحش ہو گیا اسلئے چوتھائی کپڑا معاف نہیں۔ جیسے ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم مقام ہے۔ احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں چوتھائی سر منڈوائے تو کل سر منڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دوسری روایت ہے کہ ادنی کپڑا جس میں نماز جائز ہو جیسے لنگی۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی یہ دوسری روایت ہے کہ کم سے کم جتنے کپڑے میں مرد کی نماز جائز ہو جاتی ہے اتنے کپڑے کی چوتھائی میں نجاست خفیفہ معاف ہے، جیسے لنگی اور تہ بند کہ اس سے مرد کا اتنا ستر ڈھک جاتا ہے کہ اس میں نماز جائز ہو جاتی ہے اب لنگی کی چوتھائی سے کم نجاست خفیفہ لگ جائے تو نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ اور کہا گیا ہے کہ اس جگہ کی چوتھائی جہاں نجاست لگی ہو، جیسے دامن اور کلی۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ کپڑے کے جس حصے میں نجاست لگی ہو اسکی چوتھائی مراد ہے جیسے کرتے کی کلی میں نجاست لگی تو کلی کی چوتھائی مراد ہے، یا کرتے کے دامن میں نجاست لگی ہو تو اسکی چوتھائی معاف ہے اور اس سے زیادہ ہو تو دھونا پڑے گا۔

۵؎ وانما كان مخففا عند ابی حنيفةؒ وابی یوسفؒ لمكان الاختلاف فی نجاسته، اولتعارض النصين على اختلاف الاصلين (۱۷۱)و اذا اصاب الثوب من الروث، اومن اخثاء البقر اكثر من قدر الدرهم لم تجز الصلوة فيه عند ابی حنيفةؒ ۱؎ لان النص الوارد فی نجاسته، وهوماروی انه علیہ السلام: رمی بالروثة و قال : هذا رجس، او ركس، و لم يعارضه غيره، و بهذا يثبت التغليظ عنده و التخفيف بالتعارض

ترجمہ: ۴؎ اورامام ابویوسفؒ سے روایت ہے ایک بالشت لمبی اورایک بالشت چوڑی معاف ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی چوتھی روایت ہے جوامام ابویوسفؒ سے ہے کہ ایک بالشت لمبی اورایک بالشت چوڑی سے کم نجاست لگی ہوتو معاف ہے۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابوحنیفہ اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک جن جانورں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب نجاست خفیفہ ہے نجاست میں اختلاف ہونے کی وجہ سے ، یادونصوں کے تعارض ہونے کی وجہ سے، دونوں کے اصول کے اختلاف کی بنیاد پر ۔

تشریح : جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب نجاست خفیفہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اسلئے کہ اسکی نجاست کے بارے میں دوقسم کے نص ہیں جواوپر گزرگئے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پیشاب ناپاک ہے اور دوسرے حدیث عرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پیشاب پاک ہے ان دونوں حدیثوں کے تعارض کی بناپر اسکا پیشاب نجاست غلیظہ کے بجائے نجاست خفیفہ ہوگیا۔

اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ اسلئے ہوگیا کہ اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب ناپاک ہے اورامام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بناپر پاک ہے اسلئے اسکی نجاست میں تخفیف آگئی۔

اصول : دونصوں کا تعارض ہوتو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہوجاتی ہے۔اوردومجتہد کا اختلاف ہوتو امام ابویوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہوجاتی ہے۔

لغت: مخففۃ : ہلکی نجاست۔میزر: تہبند، لنگی۔الذیل: دامن۔الدخریص: کلی۔شبر: بالشت۔

ترجمہ: (۱۷۱) اگر کپڑے کولید یا گائے کا گوبر درھم کی مقدار سے زیادہ لگ جائے توامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں نماز جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نص اسکی نجاست کے بارے میں وارد ہوئی اوروہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے لید کو پھنک دیااورفرمایا کہ یہ رجس، یارکس یعنی ناپاک ہے اوراسکے معارض کوئی حدیث نہیں اوراس سے انکے نزدیک تغلیظ ثابت ہوتی ہے، اورتخفیف

۲ وقالا یجزیه حتی یفحش لان للاجتهاد فیه مساغاً، وبهذا یثبت التخفیف عندهما

تعارض نصین کی بنا پر ہوتی ہے ۔

تشریح : کپڑے پر ایک درھم سے زیادہ لید لگ جائے، یا گائے کا گوبر لگ جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے نماز پڑھنا جائز نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے، اور نجاست غلیظہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے لید پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے، حدیث یہ ہے انه سمع عبد الله یقول : أتی النبی ﷺ الغائط فأمرنی ان أتیه بثلاثة احجار فوجدت حجرین و التمست الثالث فلم أجد ، فأخذت روثة فأتیته بها فأخذالحجرین و ألقی الروثة و قال هذا رکس ۔ (بخاری شریف، باب لا یستنجی بروث، ص ۲۷، نمبر ۱۵۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالحجرین، ص ۱۰، نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ لید ناپاک ہے اسلئے وہ نجاست غلیظہ ہوگا کیونکہ اسکے مخالف کوئی اور نص نہیں ہے ۔ اور گوبر کے سلسلے میں یہ حدیث ہے ۔ عن سلمانؓ قال قیل له لقد علمکم نبیکم کل شیء حتی الخراءة ...و ان لا یستنجی أحدنا بأقل من ثلاثة أحجار ، أو نستنجی برجیع أو عظم . (ابوداود شریف، باب کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، ص ۳، نمبر ۷ / ترمذی شریف، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ص ۱۰، نمبر ۱۶) اس میں ہے کہ گوبر سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ گوبر نجاست ہے اور اسکے مخالف کوئی دلیل نہیں ہے اسلئے یہ نجاست غلیظہ ہوگا

ترجمہ: ۲ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ انسان کو کافی ہوگا یہاں تک کہ بہت زیادہ ہو جائے اسلئے کہ اجتہاد کی اس میں گنجائش ہے، اور اتنے ہی سے صاحبین کے نزدیک تخفیف ثابت ہو جاتی ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم کا پیخانہ جب تک بہت زیادہ نہ لگ جائے تب تک کپڑے کو پاک سمجھا جائے ، اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ماکول اللحم کے پیشاب میں نص کی وجہ سے اختلاف ہے اور اجتہاد کی گنجائش ہے تو اسی پیٹ سے پیخانہ بھی نکلتا ہے اسلئے اس پر قیاس کر کے اسکا پیخانہ بھی نجاست خفیفہ ہونا چاہئے ۔ کیونکہ جس میں بھی تعارض نص ہو، یا اجتہاد کی گنجائش ہو صاحبین کے نزدیک اس میں تخفیف ہو جاتی ہے اور وہ نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے ۔(۲) اس حدیث کے مفہوم سے بھی یہ ٹپکتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔ قلت لام سلمة ان امرأة اطیل ذیلی و امشی فی المکان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ یطهره ما بعده (۳) وعن عبد الله ابن مسعود قال کنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجله ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) اس حدیث میں ہے کہ روندی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے، اور روندی ہوئی چیز ماکول اللحم کا پیخانہ بھی ہو سکتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔(۴) اسکے لئے اثر بھی ہے .عن قتادة قال : کان لا یری بأرواث الدواب شیئاً ۔(مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب وروثها، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۸) اس

۳؎ ولان فيه ضرورة لامتلاء الطرق بها و هی موء ثرة فی التخفیف، ۴؎ بخلاف بول الحمار لان الارض تنشفه ۵؎ قلنا: الضرورة فی النعال و قد اثرت فی التخفیف مرة حتی تطهر بالمسح فتکفی موء نتها ۶؎ و لا فرق بین مأکول اللحم و غیرما کول اللحم،

اثر میں ہے کہ جانوروں کے پیخانہ سے کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نجاست خفیفہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے اس سے راستہ بھر جانے کی وجہ سے اور یہ تخفیف میں اثر انداز ہوتا ہے۔

تشریح: گوبر اور لید نجاست خفیفہ ہے اسکے لئے یہ بھی دلیل ہے کہ گوبر اور لید کو نجاست خفیفہ قرار دینے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ گوبر اور لید سے راستے بھرے ہوتے ہیں اور چلتے وقت وہ لگتے بھی ہیں اور عموم بلوی بھی ہے، اور ضرورت اور عموم بلوی سے تخفیف آتی ہے اسلئے اس میں بھی تخفیف آنی چاہئے۔ یہ پانچویں دلیل ہے۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف گدھے کے پیشاب کے اسلئے کہ زمین اسکو چوس لیتی ہے۔

تشریح: صاحبین کی جانب سے یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ گدھے کے پیشاب کو حضرات صاحبین بھی اوپر نجاست غلیظہ کہہ آئے ہیں، حالانکہ اس سے بھی تو راستے بھرے ہوتے ہیں اور عموم بلوی بھی ہے تو اسکو نجاست خفیفہ کیوں قرار نہیں دیتے! تو اسکا جوب دے رہے ہیں کہ پیشاب میں جرم نہیں ہوتا وہ پتلا ہوتا ہے اسلئے زمین اسکو چوس لیتی ہے، اور اس سے راستہ بھرا نہیں ہوتا اسلئے اسکو نجاست خفیفہ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور لید اور گوبر جسم والے ہیں وہ راستے میں ہفتوں موجود ہوتے ہیں اسلئے ان میں تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔۔ تخفیف کی اصل وجہ تو اوپر کی حدیث ہے۔

ترجمہ: ۵؎ ہم کہتے ہیں کہ کہ ضرورت جوتے میں ہے اور اس میں ایک مرتبہ تخفیف اثر انداز ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے، بس اتنا ہی تخفیف کافی ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے۔ کہ ٹھیک ہے کہ لید اور گوبر سے راستے بھرے ہوتے ہیں لیکن اسکے لئے تخفیف کی ضرورت کپڑے میں نہیں ہے بلکہ اسکے لئے جوتے میں سہولت دینے کی ضرورت ہے کیونکہ راستے کی لید اور گوبر جوتے میں لگتے ہے، اور جوتے میں یہ سہولت دی جا چکی ہے کہ اسکو زمین سے رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے، اور اتنا ہی کافی ہے اسلئے لید اور گوبر کو نجاست خفیفہ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو اور جن جانووں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح: جن جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو اور جن جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو دونوں کا پاخانہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جنکا گوشت کھایا جاتا ہو اسکا پاخانہ نجاست خفیفہ ہو اور جسکا گوشت نہیں

ے و زفرؒ فرق بينهما فوافق ابا حنيفةؒ فی غير ماكول اللحم، ووافقهما فی الماكول، ۸ وعن محمدؒ انه لما دخل الریّ و رأى البلوى افتی ان الكثير الفاحش لا يمنع ايضاً، ۹ وقاسوا عليها طين بخارا وعندذالک رجوعه فی الخف يروى

کھایا جاتا ہو اسکا نجاست غلیظہ ہو ایسا نہیں ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک دونوں کا پاخانہ نجاست خفیفہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ: ے اور زفرؒ نے فرق کیا دونوں کے درمیان پس غیر ماکول اللحم میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی، اور ماکول اللحم میں صاحبین کی موافقت کی۔

تشریح : امام زفرؒ نے گوشت نہ کھائے جانے والے جانور میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی اور فرمایا کہ غیر ماکول اللحم کا پاخانہ نجاست غلیظہ ہے۔ اور ماکول اللحم کے بارے میں صاحبین کی موافقت کی اور فرمایا گوشت کھائے جانے والے جانور کا پاخانہ نجاست خفیفہ ہے۔

ترجمہ: ۸ اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب وہ ری تشریف لے گئے اور بلوی عام دیکھا تو فتوی دیا کہ کثیر فاحش بھی نماز سے نہیں روکے گا۔

تشریح : امام محمدؒ جب ریّ تشریف لے گئے اور راستوں کو دیکھا کہ گوبر اور لید سے بھرے ہوئے ہیں اور بلوی عام میں لوگ مبتلا ہیں تو یہ فتوی دینے لگے کہ مٹی میں ملے ہوئے گوبر اور لید کتنے ہی لگ جائے پھر بھی نماز جائز ہے، شاید انہوں نے اس حدیث اور اثر سے استدلال فرمایا جس میں ہے کہ روندنے والی گندگی سے ہم لوگ وضو نہیں کرتے۔ یا اثر میں ہے کہ جانور کی لید سے حضرت قتادہ نماز کو ممنوع نہیں سمجھتے، حدیث اور اثر یہ ہیں۔ وعن عبد الله ابن مسعود قال كنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) اس حدیث میں ہے کہ روندی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے، اور روندی ہوئی چیز ماکول اللحم کا پیخانہ بھی ہوسکتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔ (۴) اسکے لئے اثر بھی ہے۔ عن قتادة قال : كا ن لا يرى بأرواث الدواب شيئاً۔ (مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب وروثها، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۸) اس اثر میں ہے کہ جانور کے پیخانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۹ اور اس پر بخارا کی مٹی کو قیاس کیا، اور اسی وقت موزے کے بارے میں ان سے رجوع ثابت ہے۔

تشریح : بخارا کی مٹی میں بھی گوبر اور لید ملی ہوئی ہوتی ہے اسلئے بخارا کی مٹی کو بھی ریّ کے راستے پر قیاس کیا کہ وہ بھی کثیر فاحش

(۱۷۲)واصابه بول الفرس لم یفسده حتی یفحش عندابی حنیفة وابی یوسفؒ وعندمحمدؒلاتمنع وان فحش ﴿۱﴾لان بول ما یوء کل لحمه طاهر عنده مخفف نجاسته عند ابی یوسفؒ، و لحمه ماکول عندهما

لگ جائے تب بھی اس میں نماز جائز ہے۔ غالبا پہلے امام محمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ رگڑنے سے موزہ پاک نہیں ہوگا لیکن جب ریّ تشریف لے گئے اور وہاں کے بلوی عام کو دیکھا تو اس سے رجوع کر گئے اور فرمایا کہ موزے پر نجاست لگ جائے تو اسکو رگڑنے پاک ہو جائیگا۔

لغت : . روث: لید۔ اختثاء: گوبر۔ رکس: ناپاکی۔ یفحش: اتنا زیادہ لگ جائے کہ لوگ سمجھے کہ یہ واقعی زیادہ ہے، دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ چوتھائی کپڑے کو فاحش کہتے ہیں۔ امتلاء: ملء سے مشتق ہے بھرنا۔ تنشف: چوس لینا۔ مئونة: کارگزاری، محنت۔ الری: پچھلے زمانے میں مشہور شہر رہا ہے جہاں حضرت امام محمدؒ کی وفات ہوئی ہے، اس وقت یہ شہر روس میں ہے۔ بلوی: جس کام میں لوگ بہت مبتلا ہوں اسکو بلوی کہتے ہیں۔

ترجمه: (۱۷۲) اور اگر کپڑے کو گھوڑے کا پیشاب لگ گیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناپاک نہیں کرے گا یہاں تک کہ فاحش ہو جائے ، اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک نہیں کرے گا چاہے فاحش ہو جائے۔

تشریح : گھوڑے کا گوشت حلال ہے لیکن جہاد کی وجہ سے منع فرمایا ہے اسلئے اور ماکول اللحم جانور کی طرح اسکے دونوں نصوں میں تعارض ہو گیا، اور تعارض نصین کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے۔ گھوڑے کے بارے میں دونوں قسم کی احادیث یہ ہیں۔ حرمت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن خالد بن ولید انه سمع رسول الله ﷺ یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر ۔ (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶ / ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔

حلت کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال نهی النبی ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی لحوم الخیل ۔ (بخاری شریف، باب لحوم الخیل ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۰ / مسلم شریف، باب اباحۃ اکل لحوم الخیل ص ۸۵۰ نمبر ۱۹۴۱) اسی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے۔ سمع جابر بن عبد الله یقول اکلنا زمن خیبر الخیل وحمر الوحش. (مسلم شریف، نمبر ۵۰۲۳/۱۹۴۱ / بخاری شریف، نمبر ۵۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے، اور گھوڑے کا گوشت دونوں کے نزدیک کھایا جائے گا۔

۲؎ و اما عند ابی حنیفہؒ فالتخفیف لتعارض الآثار (۱۷۳)و ان اصابہ خرء مالا یو کل لحمہ من الطیور اکثر من قدر الدرہم اجزأت الصلوۃ فیہ عندابی حنیفہؒ و ابی یوسفؒ ، و قال محمدؒ لا یجوز ﴾

تشریح : یہاں دو باتیں عرض کر رہے ہیں، ایک تو یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے چاہے اس وقت نہ کھاتے ہوں۔ اور جب گوشت حلال ہے تو اوپر کی احادیث کی وجہ سے حلال جانور کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی وجہ سے پاک ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب کتنا ہی لگ جائے امام محمد کے نزدیک کپڑا پاک رہے گا۔ گھوڑے کا حلال ہونے کی دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہو گیا، اور مجتہدین میں اختلاف کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تخفیف ہو جاتی ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف احادیث کے تعارض کی بنا پر ہوگی۔

تشریح : اوپر قاعدہ گزرا کہ ایک چیز کے بارے میں دو قسم کے احادیث آجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف ہو جاتی ہے، اور اوپر گھوڑے کے گوشت کے بارے میں دونوں قسم کی احادیث آگئیں اسلئے نجاست خفیفہ ہو جائے گا۔ پھر حلال جانور کے پیشاب کے بارے میں دو قسم کی احادیث گزری اسلئے وہ نجاست خفیفہ ہوگا۔ دونوں احادیث یہ ہیں ۔ پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) **عن انس ان ناسا من عرینۃ قدموا المدینۃ فاجتووھا فبعثھم رسول اللہ ﷺ فی ابل الصدقۃ وقال اشربوا من البانھا و ابوالھا** ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ ص ۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲) **عن البراء قال قال رسول اللہ ﷺ لا بأس ببول ما اکل لحمہ** ۔ (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱) **عن ابن عباس ... فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدھما لا یستتر من بولہ وکان الآخر یمشی بالنمیمۃ** ۔ (بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص ۳۵ نمبر ۲۱۶ / ترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص ۱۳ نمبر ۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے وہ ناپاک ہے (۲) **عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ تنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ** ۔ (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأکول اللحم کے پیشاب کے بارے میں ہیں۔ اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو گیا۔ اس لئے اس کا پیشاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔

۱؎ فقدقيل ان الاختلاف فى النجاسة، و قد قيل فى المقدار و هو الاصح

ترجمہ: (۱۷۳) اوراگر کپڑے کو گوشت نہ کھائے جانے والے پرندے کی بیٹ درھم کی مقدار سے زیادہ لگ گئی تب بھی اس میں امام ابوحنیفہ اور امام یوسفؒ کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے پرندے کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے جسکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پرندہ اڑتے ہوئے اوپر سے آدمی پر بیٹ کر دیتا ہے، یہ مجبوری ہے اسلئے ایک درھم سے زیادہ بھی ہو تو نماز جائز ہو جائے گی (۲) عن الحسن قال : سقطت هائمة على الحسن فذرقت عليه فقال له بعض القوم : نأتيك بماء تغسله فقال: لا، و جعل يمسحه عنه ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۵ الذی یصلی وفی ثوبہ خرء الطیر، ج اول، ص ۱۱۰، نمبر ۱۲۵۶/ مصنف عبدالرزاق، باب خرء الدجاج وطین المطر، ج اول، ص ۳۷۶، نمبر ۱۴۷۴) اس اثر میں ہے کہ پرندے کی بیٹ پاک ہے، یا نجاست خفیفہ ہے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک پرندے کی بیٹ درھم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو اس میں نماز جائز نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں یہ نجاست غلیظہ ہے۔ اور نجاست غلیظہ ہونے کی دلیل (۱) ایک تو یہ ہے کہ اسکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو اسکا پیخانہ نجاست غلیظہ ہے اسلئے اسکا پیخانہ بھی نجاست غلیظہ ہونا چاہئے (۲) پرندے بلی کی طرح گھر میں نہیں رہتے اور ہر وقت برتن میں منہ نہیں ڈالتے یہ تو کبھی کبھار اوپر سے پیخانہ کر دیتے ہیں اسلئے اس میں اتنی مجبوری نہیں ہے کہ اسکے پیخانہ کو نجاست غلیظہ کے بجائے نجاست خفیفہ قرار دیا جائے، اسلئے اسکا پیخانہ نجاست غلیظہ ہی رہے گا۔ (۳) اسکے لئے اثر بھی ہے عن اسرائيل بن موسى قال : كنت مع ابن سيرين فسقط عليه بول الخفاش فنضحه ، وقال : ما كنت ارى النضح شيئا حتى بلغنى عن ستة من أصحاب محمد ﷺ ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب بول الخفاش، ج اول ص ۳۷۶، نمبر ۱۴۷۲) اس اثر میں چمگادڑ کا پیشاب دھویا گیا جو پرندے کی قسم میں سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ پرندے کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ بعض لوگوں نے کہا کہ اختلاف نجاست کے بارے میں ہے۔ اور کہا گیا کہ اختلاف مقدار میں ہے اور وہی صحیح ہے۔

تشریح: امام کرخیؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف نجاست اور عدم نجاست کے بارے میں ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پرندے کی بیٹ پاک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تینوں حضرات کے یہاں پرندے کی بیٹ ناپاک ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے جس کی بنا پر

۲ھو یقول ان التخفیف للضرورۃ و لا ضرورۃ لعدم المخالطۃ فلا یخفف، ۳ و لھما انھا تذرق من الھواء و التحامی عنہ متعذر فتحققت الضرورۃ، ۴ و لو وقع فی الاناء قیل یفسد و قیل لا یفسد لتعذر صون الاوانی عنہ، (۱۷۴) و ان اصابہ من دم السمک، او من لعاب البغل، او الحمار اکثر من قدر الدرھم اجزأت الصلوۃ فیہ

درھم کی مقدار سے زیادہ بھی لگ جائے تو ناپاک نہیں کیونکہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے تک معاف ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اسلئے درھم کی مقدار لگ جائے تو معاف نہیں دھونا پڑے گا ۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اختلاط نہ ہونے کی وجہ سے اسلئے تخفیف نہیں کی۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے پیخانہ کرتے ہیں اور اس سے بچنا مشکل ہے اسلئے ضرورت متحقق ہوگئی۔

تشریح : یہ دونوں حضرات یہ فرماتے ہیں کہ پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے لوگوں پر بیٹ کر دیتے ہیں اور اس سے بچنا مشکل ہے اسلئے ضرورت متحقق ہوگئی، اور اسکی نجاست میں تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلئے یہ نجاست خفیفہ ہوگی۔ باقی دلائل اوپر گزر گئے۔

ترجمہ: ۴ اور اگر بیٹ برتن میں گر گئی تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکو ناپاک کر دے گی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکو ناپاک نہیں کرے گی، اسلئے کہ برتنوں کو بھی اس سے بچانا مشکل ہے۔

ان اقوال کا مدار اس بات پر ہے کہ برتن کو پرندے کی بیٹ سے بچانا متعذر ہے یا نہیں۔ امام ابو بکر اعمشؒ نے فرمایا کہ برتن گھر کے اندر محفوظ رہتا ہے اس میں اڑتے ہوئے پرندے بیٹ نہیں کر سکتے اور اسکو بیٹ سے بچانا بہت آسان ہے اسلئے اس میں تخفیف کی ضرورت نہیں، اگر برتن میں بیٹ کر دے تو برتن ناپاک ہو جائے گا۔ اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ برتن کو بھی بیٹ سے نہیں بچا سکتے اسلئے اس میں بھی تخفیف کی ضرورت ہے، اگر برتن میں بیٹ کر دیا تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ برتن کو بچانا متعذر ہے۔

لغت: خرء: پرندے کی بیٹ۔ المخالطۃ: اختلاط سے مشتق ہے: گھل مل جانا۔ تذرق: بیٹ کرنا، اڑتے ہوئے بیٹ کرنے کو تذرق کہتے ہیں۔ التحامی: بچنا۔ صون: بچنا، محفوظ رکھنا۔ اوانی : آنیۃ سے مشتق ہے، برتن۔

ترجمہ: (۱۷۴) اگر کسی کو درھم کی مقدار سے زیادہ مچھلی کا خون لگ گیا، یا خچر کا تھوک لگ گیا، یا گدھے کا تھوک لگ گیا تو اس میں نماز جائز ہے۔

تشریح : اس مسئلے کا مدار اس بات پر ہے کہ مچھلی کا خون پاک ہے، اور گدھے اور خچر کا لعاب یا تو پاک ہے، یا مشکوک ہے اسلئے

درھم سے زیادہ بھی لگ جائے تو کپڑا پاک رہے گا اور اس میں نماز پڑھنا جائز رہے گا۔

مچھلی کا خون اسلئے پاک ہے کہ مچھلی کو بغیر ذبح کئے ہوئے بھی کھانا حلال ہے ۔اور بغیر ذبح کے کھائے گا تو خون بھی اسکے ساتھ کھائے گا تو جب تک اسکا خون پاک نہیں ہے تو کھائے گا کیسے! اسلئے مچھلی کا خون پاک ہے اور کپڑے میں لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔بغیر ذبح کے کھانا حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ ﷺ ھو الطھور ماءہ الحل میتتہ** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص ۲۱ نمبر ۶۹ / ابوداود، باب الوضوء بماء البحر، ص ۱۳ نمبر ۸۳) اس حدیث میں ہے کہ مردہ یعنی مچھلی حلال ہے۔(۲) حدیث میں ہے۔**عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد** ۔(ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ / دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہے اسلئے اسکا خون بھی پاک ہوگا ۔

اور گدھے اور خچر کا لعاب پاک ہے اسلئے کہ اسکا گوشت پاک اور حلال ہے۔اسکے گوشت حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن غالب ابن أبجر قال : أصابتنا سنۃ .....فقال: أطعم أھلک من سمین حمرک فانما حرمتھا من أجل جوال القریۃ ، یعنی الجلالۃ** ۔(ابوداود شریف، باب فی أکل لحوم الحمر الاھلیۃ، ص ۵۴۳، نمبر ۳۸۰۹) اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت اصل کے اعتبار سے حلال ہے صرف گندگی پر پھرنے کی وجہ سے حرام کیا ہے اسلئے اسکا تھوک پاک ہوگا۔اور یہی حال خچر کا بھی ہوگا کیونکہ وہ بھی گدھے کی ہی نسل ہے۔

یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسکا لعاب مشکوک ہے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے گوشت کے سلسلے میں جہاں حلال کی حدیث ہے وہاں حرام ہونے کی بھی حدیث ہے، وہ یہ ہے ۔**عن ابن عمرؓ نھی النبی ﷺ عن لحوم الحمر الاھلیۃ یوم خیبر** . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۱ / مسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ، ص ۱۴۹، نمبر ۱۹۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ پہلے جائز تھا، جنگ خیبر میں حرام ہوگیا۔اور خچر کا گوشت حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن خالد بن الولید ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر وکل ذی ناب من السباع** . (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۷ / ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا خچر کا گوشت حلال نہیں ہے (۲) **عن خالد بن ولید انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر** ۔(نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶ / ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ ہوتا ہے کہ گدھے اور خچر کا گوشت مکروہ ہے اور اصل کے اعتبار سے اسکا گوشت حلال ہے اسلئے زیادہ سے زیادہ اسکا لعاب مشکوک ہے اسلئے کپڑے پر لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہو

۱ اما دم السمک فلانه لیس بدم علی التحقیق فلا یکون نجساً، ۲ و عن ابی یوسفؒ انه اعتبر فیه الکثیر الفاحش فاعتبر ہ نجساً ۳ و اما لعاب البغل و الحمار فلانه مشکوک فیه فلا یتنجس به الطاهر

گا۔

ترجمہ: ۱ بہرحال مچھلی کا خون تو تحقیق یہ ہے کہ وہ خون ہی نہیں ہے اسلئے وہ نجس نہیں ہے۔

تشریح : خون کی خاصیت یہ ہے کہ دھوپ میں رکھنے سے کالا ہو جاتا ہے اور مچھلی کے خون کو دھوپ میں رکھیں تو وہ کالا نہیں ہوگا بلکہ سفید مائل ہو جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ وہ خون نہیں ہے ، دوسری بات یہ ہے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا، اور مچھلی پانی میں رہتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا۔ اور جب خون نہیں ہے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ باقی دلائل اوپر گزرے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے اس میں کثیر فاحش کا اعتبار کیا ہے، تو گویا کہ انہوں نے اسکو ناپاک قرار دیا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بہت زیادہ ہو تو اسکو دھونا چاہئے، انکا مستدل یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال : لا بأس بدم السمک الا ان یقذر ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۳۰ فی دم السمک ، ج اول ،ص ۱۷۵، نمبر ۲۰۲۴) اس اثر میں ہے کہ عام حالات میں مچھلی کے خون سے کوئی حرج نہیں ہے البتہ بہت زیادہ ہو جائے تو دھونا چاہئے۔ اس مسلک کا حاصل یہ ہوگا کہ کسی نہ کسی درجے میں مچھلی کا خون ناپاک ہے۔

ترجمہ: ۳ بہرحال خچر اور گدھے کا تھوک تو وہ مشکوک ہے تو اس سے پاک چیز ناپاک نہیں ہوگی۔

تشریح: گدھے اور خچر کے تھوک کے بارے میں ابھی حدیث گزری کہ وہ مشکوک ہے اسلئے وہ پاک کپڑے پر لگ جائے تو چونکہ وہ یقینی طور پر پاک ہے اسلئے ایک مشکوک چیز پاک چیز کو ناپاک نہیں کرے گی۔ اس اثر میں اسکا ثبوت ہے عن عطاء أنه کان لا یری بأ سا بسور الحمار (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۲ من قال: لابأ س بسوء ر الحمار ، ج اول ،ص ۳۵، نمبر ۳۱۲) اس اثر میں ہے کہ گدھے کے جوٹھے سے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور مکروہ ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عمر أنه کان یکرہ سور الحمار (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۱ فی الوضوء بسور الحمار و الکلب ،من کرھہ ، ج اول ،ص ۳۵، نمبر ۳۰۴) اس اثر میں گدھے کے جوٹھے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور دونوں اثروں کو ملا کر تھوک مشکوک ہوگا۔

خچر کے بارے میں یہ اثر ہے۔ عن ابی عامر قال : لا بأس بسور البغل (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۲ من قال: لابأ س بسوء ر

(۱۷۵)فان انتضح علیه البول مثل رؤوس الابر فذالک لیس بشیء﴾ لے لانه لایستطاع الامتناع عنه

الحمار، ج اول،ص ۳۵،نمبر ۳۱۶)اس اثر میں ہے کہ خچر کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور دوسرا اثر یہ ہے۔عن ابراهیم قال کان یکره سور البغل و الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۱ فی الوضوء بسوء رالحمار والکلب ،من کرھه ، ج اول،ص ۳۵، نمبر ۳۰۷) اس اثر میں ہے کہ خچر کا جوٹھا مکرہ سمجھتے تھے۔دونوں کو ملا کر خچر کا جوٹھا مشکوک ہوا۔

ترجمہ: (۱۷۵) اگر انسان پر پیشاب کا چھینٹا پڑ جائے سوئی کے ناکے کے برابر تو یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔

تشریح : انسان کے کپڑے یا بدن پر پیشاب کے بہت سے چھینٹے پڑ گئے تو اس سے نماز جائز ہو جائے گی بشرطیکہ کثیر فاحش نہ ہو جائے ، یا ایک درھم کے برابر نہ ہو جائے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب کا باریک باریک چھینٹا نظر نہیں آتا اسلئے اسکو بار بار دھونے میں مشقت شدیدہ ہے اور اس میں حرج ہے اسلئے وہ معاف ہے۔

(۲)اس اثر سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔عن ابی جعفر و عطاء أنهما لم یریا بدم البراغیث و البعوض بأسا (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۲۹ فی دم البراغیث والذباب، ج اول،ص ۱۷۵،نمبر ۲۰۱۹)اس اثر میں ہے کہ مکھی کے خون سے کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ اسکا خون باریک باریک چھینٹے کی طرح ہوتا ہے اسلئے یہ معاف ہے(۳)عن ابراهیم قال : لا بأس بأبوال البهائم الا المستنقع .ای المجتمع ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ابوال الدواب وروثها، ج اول،ص ۳۷۷،نمبر ۱۴۸۰)اس اثر میں ہے کہ جانور کے پیشاب کے چھینٹے پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے البتہ بہت زیادہ ہو جائے تو پھر دھویا جائے گا ۔(۴)سألت الزهری عن رجل یغتسل من الجنابة فینتضح فی الاناء من جلده ، فقال : لا بأس به (مصنف عبد الرزاق، باب الماء یمسه الجنب أو یدخله، ج اول،ص ۹۲،نمبر ۳۱۱)اس اثر میں ہے کہ جنبی کے غسل کا چھینٹا پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں

CLIPART\bot006.JPEG.jpg not found.

(۱۷۶)والنجاسة ضربان، مرئية، وغيرمرئية، فما كان منها مرئياًفطهارتها بزوال عينها ﴾

ہے۔

﴿ نجاست پاک کرنے کا طریقہ ﴾

ترجمه: (۱۷۶) نجاست کی دوقسمیں ہیں(۱) نظر آنے والی (۲) اور نظر نہ آنے والی، پس جو نظر آنے والی ہے تو اسکی طھارت عین کے زائل کرنے سے ہوجائے گی

تشریح: نجاست کی دوقسمیں ہیں۔ایک تو نظر آنے والی اور دوسری نظر نہ آنے والی۔پس جو نظر آنے والی ہے اسکو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عین نجاست کو دھوکر زائل کردے وہ جگہ پاک ہوجائیگی چاہے ایک مرتبہ میں دھولے چاہے پانچ مرتبہ میں۔پھر اگر اسکا رنگ وغیرہ باقی رہ جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اسکا زائل کرنا بعض مرتبہ مشکل ہوتا ہے۔

وجه: (۱) نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سمعت امرأة تسأل رسول الله ﷺ كيف تصنع احدانا بثوبها اذا رأت الطهر اتصلى فيه قال تنظر فان رأت فيه دما فلتقرصه بشيء من ماء ولتنضح ما لم ترى وتصلى فيه (ج)(ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۳۶۱) اس حدیث میں ہے کہ پانی ڈالو جب تک کہ نجاست نظر آئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ زائل ہونے تک دھویا جائے گا (۲) مستحاضہ کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن عائشة قالت جائت فاطمة بنت ابی حبیش ... فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم و صلی. (مسلم شریف، باب المستحاضہ وغسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس میں یہ بتایا کہ خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو۔کتنی مرتبہ دھوؤ یہ نہیں بتایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ کے زائل ہونے تک دھوؤ۔

نجاست زائل ہوجائے مگر اس کی رنگت زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت کرنے پڑے تو اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کپڑا پھر بھی پاک ہوجائے گا۔جیسے گوبر لگنے کے بعد عام پانی سے دھونے سے گوبر زائل ہوجاتا ہے لیکن اس کا داغ باقی رہتا ہے تو اس کے زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت ضروری نہیں ہے۔عن ابی هریرة .....قالؐ : اذا طهرت فاغسليه ثم صلى فيه . فقالت : فان لم يخرج الدم ؟ قال : يكفيك غسل الدم و لا يضرك أثره (ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۶۵ رمسند امام احمد۔مسند ابی ھریرۃ، ج ثالث، ص ۵۲، نمبر ۸۵۴۹) اس حدیث میں ہے ولا یضرک اثرہ، جس سے معلوم ہوا کہ اثر باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے (۲) یہ حدیث بھی ہے۔ سألت عائشة عن الحائض يصيب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم يذهب اثره فلتغيره بشيء من صفرة (ابوداؤد شریف، باب

۱؎ لان النجاسة حلت المحل باعتبار العين فتزول بزواله ۲؎ الا ان يبقى من اثرها مايشق ازالته لان الحرج مدفوع، ۳؎ و هذا يشير الى انه لايشترط الغسل بعد زوال العين وان زال بالغسل مرة واحدة، وفيه كلام (۱۷۶) وماليس بمرئى فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر﴾

المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کوصفرہ سے بدل دیا جائے (۲) شریعت یوں بھی مشقت شدیدہ کی مکلّف نہیں بناتی۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نجاست عین کے اعتبار سے محل میں گھس چکی ہے اسلئے عین کو زائل کرنے سے نجاست زائل ہو جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ نجاست لگی ہوئی جگہ پر گویا کہ عین کے اعتبار سے گھس چکی ہے اسلئے عین نجاست کو زائل کر دیں تو نجاست زائل ہو جائے گی اور عین نجاست کے زائل ہونے سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ اوپر حدیث میں ۔ یکفیک غسل الدم و لا یضرک أثرہ (ابوداؤد شریف نمبر ۶۵) تھا جسکا مطلب تھا کہ عین خون کا زائل ہونا طھارت کے لئے کافی۔

ترجمہ: ۲؎ مگر یہ کہ اسکا اثر باقی رہے جسکا زائل کرنا مشکل ہو کیونکہ حرج شریعت میں دور کیا گیا ہے۔

تشریح: ابھی اوپر گزرا کہ عین نجاست زائل ہو جائے لیکن رنگت اور داغ زائل نہ ہوتے ہوں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اسلئے اسکے زائل کرنے میں مشقت شدیدہ ہے اور شریعت میں حرج سے بچنے کے لئے کہا گیا ہے اسلئے کپڑا اور جگہ رنگ کے باوجود بھی پاک ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عین نجاست کے زائل ہونے کے بعد پھر دھونے کی ضرورت نہیں چاہے ایک ہی مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے، اور اس میں کلام ہے۔

تشریح: اوپر یہ عبارت گزری کہ عین کا زائل ہونا کافی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے نجاست زائل ہو گئی تو پاک ہو گیا دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ عین نجاست کے زائل ہونے کے بعد دو مرتبہ مزید دھوئے، کیونکہ عین زائل ہونے کے بعد گویا کہ وہ غیر مرئی نجاست ہو گئی اور غیر مرئی نجاست کو تین مرتبہ دھوتے ہیں اسلئے اسکو بھی دو مرتبہ دھو دے تا کہ ملا کر تین مرتبہ ہو جائے۔

ترجمہ: (۱۷۶) جو نجاست نظر نہیں آتی اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ دھوتے رہے یہاں تک کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا۔

تشریح: جو ناپاکی خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب، شراب اس کو اتنی مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے کہ دھونے والے کو گمان ہونے لگے کہ تمام نجاست نکل کر اب کپڑا پاک ہو گیا ہے۔

ل ان التكرار لابد منه للاستخراج ولايقطع بزواله فاعتبر غالب الظن كما فى امر القبلة، ٢ وانما قدروا بالثلاث لان غالب الظن يحصل عنده فاقيم السبب الظاهر مقامه تيسيراً، و يتأيد ذالک بحديث المستيقظ من منامه

وجہ: دھونے کی تکرار سے نجاست نکلتی چلی جائے گی اور آخر تمام نجاست نکل جائے گی اور زیلان نجاست ہی سے کپڑا یا بدن پاک ہوجاتا ہے (۲) علماء نے کہا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده۔ (مسلم شریف، باب کراھۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸) یہاں نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا گیا تو اور نجاست غیر مرئیہ میں بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔(۲) عن ابی ھریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دار قطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳ / مصنف عبد الرزاق، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶) اس حدیث میں کتے کا جوٹھا غیر مرئی نجاست ہے جسکو تین مرتبہ دھونے سے پاک قرار دیا اس سے استدلال کیا کہ کسی بھی غیر مرئی نجاست کو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ کپڑے سے نجاست نکالنے کے لئے تکرار ضروری ہے اور زائل ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا اسلئے گمان غالب کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے قبلے کے معاملے میں ہے۔

تشریح: جو نجاست نظر نہیں آتی ہو اسکو دھونے کے لئے تکرار ضروری ہے تاکہ آہستہ آہستہ نجاست نکلتی جائے کیونکہ ایک مرتبہ دھونے سے پوری نجاست نہیں نکلے گی اسلئے بار بار دھونا ضروری ہے اور وہ تین مرتبہ ہے۔ پھر کئی بار دھونے سے واقعی تمام نجاست نکل ہی گئی یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، اسلئے گمان غالب کا اعتبار کیا جائے گا، کہ گمان غالب ہوجائے کہ نجاست نکل گئی اتنا ہی کافی ہے۔ جیسے دور والے بالکل عین قبلہ کی طرف منہ کر لے یہ ضروری نہیں ہے صرف گمان غالب ہوجائے کہ سمت قبلہ کی طرف منہ کرلیا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمہ: ٢ فقہاء نے تین مرتبہ کے ساتھ متعین کیا اسلئے دھل جانے کا غالب گمان اسی سے حاصل ہوتا ہے اسلئے آسانی کے لئے سبب ظاہر کو گمان غالب کے قائم مقام قرار دیا اور اسکی تائید نیند سے بیدار ہونے والی حدیث ہے۔

تشریح: اصل مقصد تو یہ تھا کہ اتنی بار دھوئے کہ غالب گمان ہوجائے کہ نجاست زائل ہوچکی ہوگی، تو پھر تین مرتبہ دھونے کو کیوں متعین کیا؟ تو اسکی وجہ بتا رہے ہیں کہ تین مرتبہ میں گمان غالب ہوجاتا ہے کہ نجاست زائل ہوچکی ہوگی، اسلئے ظاہری سبب تین

۳؎ ثم لا بد من العصر فی کل مرۃ فی ظاهر الروایۃ لانه هو المستخرج

مرتبہ دھونے کوگمان غالب کے قائم مقام کر دیا۔ اوراسکی تائیداوپر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ بیدار ہونے والا اپنے ہاتھ کو پانی میں نہ ڈالے جب تک اسکو تین مرتبہ نہ دھوڈالے۔ حدیث یہ گزری۔ عن ابی هریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده۔ (مسلم شریف، باب کراهۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستها فی الاناء قبل غسلها ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸)

ترجمه: ۳؎ پھر ظاہر روایت میں یہ ہے کہ ہر مرتبہ نچوڑے، کیونکہ وہی نجاست کو نکالنے والا ہے۔

تشریح : ظاہر روایت میں یہ ہے کہ جب جب پانی ڈالے تو ہر بار اسکو نچوڑے، کیونکہ نچوڑنے سے ہی نجاست نکلے گی، ورنہ صرف پانی ڈالنے سے نجاست نہیں نکلے گی اسلئے نچوڑنا بھی ضروری ہے۔ اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ عن اسماء قالت : جائت امرأۃ الی النبی ﷺ فقالت احدانا یصیب ثوبها من دم الحیضۃ ، کیف تصنع به ؟ قال : تحته ، ثم تقرصه بالماء ثم تنضحه ثم تصلی فیه ۔ (مسلم شریف، باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسله ،ص ۱۴۰ ،نمبر ۶۷۵/۲۹۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی غسل دم الحیض من الثوب ،ص ۳۵ ،نمبر ۱۳۸) اس حدیث میں حیض کے خون کو پانی سے رگڑنے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو نکالنے کے لئے نچوڑنا پڑے گا تا کہ پورے طور پر نجاست نکل جائے۔

CLIPART\DAISYJPEG.jpg not found.

﴿فصل فی الاستنجاء﴾

(۱۷۷) **الاستنجاء سنة لان النبی علیه السلام واظب علیه، و یجوز فیه الحجر و ما قام مقامه یمسحه حتی ینقیه﴾**

﴿ استنجاء کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : استنجاء: نجو سے مشتق ہے، اسکا ترجمہ ہے پاخانہ اور باب استفعال میں جا کر اسکا ترجمہ ہوگیا پاخانہ صاف کرنا۔ پاخانہ یا پیشاب پانی سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے اور ڈھیلے سے بھی، البتہ ڈھیلے سے صاف کرنے کے بعد پانی سے صاف کرنا زیادہ بہتر ہے، اور دونوں کو نہ ملا سکے تو پانی سے صاف کرنا بہتر ہے، اور پانی سے بھی صاف نہ کر سکے تو پھر ڈھیلا سے صاف کرے۔ اگر نجاست درھم کی مقدار سے زیادہ پھیل گئی ہو تو اب ڈھیلے سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا پانی سے دھونا ہوگا، کیونکہ درھم کی مقدار تو معاف ہے اس سے زیادہ نہیں۔ درھم کی مقدار معاف ہونے کی دلیل یہ ہے ۔**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم** (دار قطنی، باب قدر النجاسة التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹ رسنن للبیہقی، باب ما یجب غسلہ من الدم، ج اول، ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

پانی سے صاف کرنا زیادہ بہتر ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے کہ اھل قباء پانی سے دھوتے تھے تو انکی تعریف میں یہ آیت اتری۔**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: نزلت هذه الآیة فی اهل قباء ﴿فیه رجال یحبون أن یتطهروا﴾** آیت ۱۰۸ **سورة التوبة ۹) قال کانوا یستنجون بالماء فنزلت فیهم هذه الآیة** ۔(ابوداود شریف، باب فی الاستنجاء بالماء، ص ۷، نمبر ۴۴ رسنن للبیہقی، باب الاستنجاء بالماء، ج اول ص ۱۷۰، نمبر ۵۱۱) اس حدیث میں ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے اھل قبا کی اللہ تعالی نے تعریف کی ہے۔ اسلئے پانی سے دھونا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن چونکہ جنگل اور صحراوں میں انسان کی مجبوری ہوتی ہے اسلئے پتھر سے بھی صاف کرے تو جائز ہے۔ استنجاء صحیح ہونے کے لئے تین پتھر ہونا واجب نہیں ہے اس سے کم میں بھی جائز ہو جائے گا، البتہ حدیث کی وجہ سے تین پتھر لینا سنت ہے۔

ترجمہ: (۱۷۷) استنجاء سنت ہے اسلئے کہ نبی علیہ السلام اس پر ہمیشگی کی ہے اور اس میں پتھر بھی جائز ہے اور جو اسکے قائم مقام ہو اسکو اتنا پونچھے کہ مقام صاف کر دے۔

تشریح: اس عبارت میں تین باتیں بتائیں، ایک تو یہ کہ استنجاء سنت ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور ہمیشگی کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة قالت : ما رأیت رسول الله ﷺ خرج من غائط قط الا مس ماء ۔(ابن ماجہ شریف، باب الاستنجاء

لے لان المقصود هو الانقاء فيعتبر ما هو المقصود (۱۷۸)و ليس فيه عدد مسنون﴾

بالماء، ص۵۳، نمبر۳۵۴)اس حدیث میں ہے کہ پیخانہ کے بعد آپؐ نے مقعد کو ہمیشہ پانی سے دھویا۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ پتھر سے بھی صفائی ہو جائے گی اور اسکے قائم مقام جو چیز بھی ہو مثلا ڈھیلا، لکڑی وغیرہ اس سے بھی استنجاء ہو جائے گا۔اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن عبد الله قال : خرجت مع رسول الله ﷺ لحاجته فقال: ايتنى بشيء استنجي به و لا تقربني حائلاً و لا رجيعاً ۔(سنن للبیهقی باب الاستنجاء بما یقوم مقام الحجارة فی الانقاء دون ما نهی عن الاستنجاء به، ج اول، ص ۱۷۵، نمبر ۵۲۷) اس حدیث میں ہے کہ کوئی بھی ایسی چیز لاوجس سے میں استنجاء کرسکوں جس سے معلوم ہوا کہ پتھر کی طرح کسی بھی چیز سے استنجاء ہوسکتا ہے(۲)اثر میں ہے عن طاوس قال : الاستنجاء بثلاثة أحجار أو بثلاثة أعواد قلت : فان لم أجد ؟ قال : ثلاث حفنات من التراب ۔(سنن للبیهقی باب ماورد فی الاستنجاء بالتراب، ج اول ،ص ۱۷۸، نمبر ۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ پتھر نہ ملے تو لکڑی سے بھی استنجاء ہو جائے گا، اور وہ بھی نہ ہو تو تین مٹھی مٹی سے بھی استنجاء ہو جائے گا۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ اتنی مرتبہ پونچھے کہ مقام صاف ہو جائے، کیونکہ اصل مقصود مقام صاف کرنا ہے، چاہے تین مرتبہ میں ہو یا اس سے زیادہ میں ہو جائے۔اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان رسول الله قال: اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه ۔(ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰) حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پتھر اور ڈھیلا استنجاء کے لئے کافی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پتھر اس لئے ہونا چاہئے کہ ان سے عموما پاکی ہو جاتی ہے۔اسی لئے کہا فانها تجزئ عنها.

ترجمہ: لے اسلئے کہ مقصود مقام کو صاف کرنا ہے تو اسکا اعتبار کیا جائے گا جو مقصود ہے۔

تشریح : اصل مقصود مقام کو صاف کرنا ہے اسلئے جب وہ صاف ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا۔

ترجمہ: (۱۷۸) اور اس میں عدد مسنون نہیں ہے۔

تشریح : استجاء کرنے کے لئے تین پتھر ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اس سے کم سے بھی صفائی ہو جائے تو استنجاء ہو جائے گا۔البتہ حدیث کی وجہ سے تین پتھر لینا بہتر ہے۔اور اگر تین سے بھی صاف نہیں ہوا تو جتنے میں صاف ہو جائے اتنا پتھر استعمال کرنا ہوگا۔(۱) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال... و من استجمر فليوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص ۶ نمبر ۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنے پتھر سے صاف ہو جائے اتنے سے صاف کرے۔(۲)عن عبد الله قال : خرج النبی ﷺ لحاجته فقال : التمس لی ثلاثة أحجار ،قال: فأتيته

۱؎ و قال الشافعیؒ : لا بد من الثلث لقوله علیه السلام : و لیستنج منکم بثلاثة احجار، ۲؎ و لنا قوله علیه السلام : من استجمر فلیوتر، فمن فعل فحسن و من لا فلا حرج، ۳؎ و ما رواه متروک الظاهر، فانه لو استنجی بحجر له ثلاثة احرف جاز بالاجماع،

بحجرین و روثة ، فأخذ الحجرین و ألقی الروثة وقال انها رکس ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاستنجاء بالحجرین ،ص ۱۰، نمبر ۱۷/ بخاری شریف، باب: لا یستنجی بروث ،ص ۲۷، نمبر ۱۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے صرف دو پتھروں سے استنجاء فرمایا اور گوبر کو پھینک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تین پتھر ہونا ضروری نہیں ہے ورنہ ضرور تیسرے پتھر کو تلاش کرواتے۔ پھر امام ترمذیؒ نے الاستنجاء بالحجرین، باب باندھ کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ دو پتھر سے بھی استنجاء ہوسکتا ہے تین پتھر ضروری نہیں ہے۔

فائدة ترجمه: ۱؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تین پتھر ضروری ہیں۔ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ تمکو تین پتھر سے استنجاء کرنا چاہئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تین پتھر سے کم میں مقام صاف ہو جائے پھر بھی تین پتھر پورا کرے کیونکہ حدیث میں تین پتھر کا حکم ہے، موسوعة میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : فمن تخلی أو بال ، لم یجز ہ الا ان یتمسح بثلاثة احجار ثلاث مرات ۔(موسوعة للامام الشافعی، باب فی الاستنجاء، ج اول، ص ۹۵، نمبر ۳۴۲) اس عبارت میں ہے کہ تین پتھر سے استنجاء کرے۔

وجه : اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن سلمان قال قیل له قد علمکم بینکم صلی اللہ علیه وسلم کل شیء حتی الخرائة قال فقال اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجی بالیمین او ان نستنجی باقل من ثلثة احجار او ان نستنجی برجیع او بعظم ۔(مسلم شریف، باب الاستطابة ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲/ ۶۰۶/ ترمذی شریف ، باب الاستنجاء بالحجارة ،ص ۱۰، نمبر ۱۶) اس حدیث میں استنجا کرنے کے بہت سے آداب مذکور ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ تین پتھر سے کم سے استنجاء نہ کرے۔

ترجمه : ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول: جو استنجاء کرے تو طاق پتھر سے کرے جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی. عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال... ومن استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص ۶ نمبر ۳۵/ ابن ماجة، باب الارتیاد للغائط و البول، ص ۵۱، نمبر ۳۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر ضروری نہیں ہے البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے مستحب ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کیا ہے ظاہر اعتبار سے وہ متروک ہے اسلئے کہ کسی نے تین کونے والے سے استنجاء کر

(۱۷۹)و غسله بالماء افضل ﴾ ۱؎ لقوله تعالی : فیه رجال یحبون ان یتطهروا انزلت فی اقوام کانوا یتبعون الحجارة الماء، ۲؎ثم هو ادب، و قیل: سنة فی زماننا

لیا تو بالا جماع جائز ہو جائے گا۔حالانکہ وہ ایک ہی پتھر ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو عقلی جواب ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تین پتھر ہونا چاہئے حالانکہ اگر ایک ہی پتھر ہو اور اسکے تین کونے ہوں اور تینوں کونوں سے مقام صاف کر لے تو آپ کے یہاں بھی استنجاء ہو جاتا ہے، حالانکہ پتھر تو ایک ہی ہے تین تو نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں بھی ظاہری حدیث پر عمل نہیں ہے۔

لغت : المدر : ڈھیلا، ینقیہ : صاف کر دے۔استجمر :جمر سے مشتق ہے پتھر سے مقام صاف کرنا۔یوتر: طاق مرتبہ کسی کام کو کرنا۔احرف: حرف سے مشتق ہے کنارہ۔استنجاء: نجو سے مشتق ہے، نجو کا معنی ہے پیخانہ اور باب استفعال میں جا کر استنجاء کا ترجمہ ہے پیخانہ، یا پیشاب صاف کرنا۔

ترجمه:(۱۷۹) مقام کو پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے۔

ترجمه: ۱؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ صحابہ میں کچھ لوگ ہیں جو بہت زیادہ پاکی کو پسند کرتے ہیں۔یہ آیت ایسے حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے جو پتھر کے بعد پانی استعمال کرتے تھے۔

وجه : (۱) اوپر کی آیت یہ ہے۔ ﴿فیه رجال یحبون أن یتطهروا و الله یحب المطهرین ﴾آیت ۱۰۸ سورة التوبة ۹)(۲) اور حدیث یہ ہے .عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال:نزلت هذه الآیة فی اهل قباء ﴿فیه رجال یحبون أن یتطهروا ﴾آیت ۱۰۸ سورة التوبة ۹)قال کانوا یستنجون بالماء فنزلت فیهم هذه الآیة۔(ابوداود شریف، باب فی الاستنجاء بالماء، ص ۷، نمبر ۴۴ رسنن للبیهقی ، باب الاستنجاء بالماء، ج اول ص ۱۷۰، نمبر ۵۱۱) اس آیت اور حدیث میں اھل قباء کی تعریف کی گئی ہے جو استنجاء کے لئے پتھر کے بعد پانی بھی استعمال کیا کرتے تھے۔(۳) یہ حدیث بھی ہے۔سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته اجیء انا و غلام معنا اداوة من ماء یعنی یستنجی به. (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالماء، ص ۱۱، نمبر ۱۹)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ پانی استعمال کرتے تھے۔اور یہ افضل ہے۔

ترجمه: ۲؎ پھر دھونا ادب ہے۔اور کہا گیا کہ ہمارے زمانے میں سنت ہے۔

تشریح: پتھر سے بھی استنجاء ہو جائے گا لیکن پانی سے دھونا ادب ہے۔اور علماء نے فرمایا کہ اس زمانے میں سنت ہے، کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ عموما کھجور استعمال کرتے تھے یا خشک غذا استعمال کرتے تھے جسکی وجہ سے پیخانہ خشک ہوتا تھا اور پتھر سے تقریبا پورا صاف ہو جاتا تھا لیکن ہمارے زمانے میں لوگ تر غذائیں استعمال کرتے ہیں اسلئے پتھر سے پورا صاف نہیں ہوگا اسلئے پانی کا

۳؎ و يستعمل الماء الى ان يقع فى غالب ظنه انه قد طهر ،ولا يقدربالمرات الا اذا كان موسوساً فيقدر بالثلاث فى حقه، وقيل بالسبع (۱۸۰) و لو جاوزت النجاسة مخرجها لم يجز الا الماء ﴾

استعمال کرنا سنت ہے،اسکے لئے یہ اثر دلیل ہے۔قال على بن ابى طالب انهم كانوا يبعرون بعرا و انتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة الماء ۔(سنن للبیھقی ،باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء، ج اول ،ص۱۷۲،نمبر۵۱۷)اس اثر میں ہے کہ تم لوگ پتلا پیخانہ کرتے ہواسلئے پانی سے دھویا کرو۔

ترجمہ: ۳؎ اوراس وقت تک پانی استعمال کرتا رہے کہ غالب گمان ہوجائے کہ وہ پاک ہو چکا ہے۔کتنی مرتبہ دھوئے اسکو متعین نہیں کیا گیا،مگر وسوسہ والا ہوتو اسکے حق میں تین کے ساتھ متعین کیا،اور بعض حضرات نے کہا کہ سات کے ساتھ۔

تشریح: پانی استعمال کرنے کے لئے کوئی متعین تعداد سنت نہیں ہے،بس اتنی بار دھوئے کہ ظن غالب ہوجائے کہ مقام پاک ہو گیا ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ نجاست زائل کرو۔عن اسماء بنت أبى بكر الصديق : أن امرأة سألت النبى ﷺ عن الثوب يصيبه الدم من الخيضة ؟ فقال رسول الله ﷺ : حتيه ، ثم اقرصيه بالماء ثم رشيه ، و صلى فيه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب،ص ۳۵،نمبر ۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ کوشش کر کے خون زائل کرواور پانی کی تعداد نہیں بتائی اسلئے تعداد ضروری نہیں صرف نجاست کا زائل ہونا کافی ہے۔

البتہ اگر وسوسہ اور شک والا ہوتو اسکو کہا جائے کہ تین مرتبہ دھولیں ، کیونکہ کئی احادیث میں اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ آپ تین مرتبہ استنجاء کے لئے پانی لیتے تھے۔عن عائشة أن النبی ﷺ کان یغسل مقعدتہ ثلاثا ،قال ابن عمر: فعلناه فوجدناه دواء وطهورا۔(ابن ماجہ شریف، باب الاستنجاء بالماء،ص ۵۳،نمبر ۳۵۶)اس حدیث میں ہے کہ آپ اپنے مقعد کو تین مرتبہ دھوتے تھے۔(۲) دوسری حدیث میں بھی اسکا تذکرہ ہے ۔عن ابى هريرة قال اذا ولغ الكلب فى الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دار قطنی ،باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اورص ٦٦ نمبر ۱۹۳ رمصنف عبد الرزاق ،باب الکلب یلغ فی الاناء ،ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶) اس حدیث میں تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وسوسہ والے سات مرتبہ دھوئے،انکا استدلال یہ ہے کہ کتے کے جوٹھے میں سات مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے۔

ترجمہ: (۱۸۰) اگر نجاست مخرج سے زیادہ پھیل جائے تو اس میں جائز نہیں ہے مگر پانی ،

تشریح: شیخین کے نزدیک مخرج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے اور امام محمدؒ کے نزدیک مخرج کے

لـ او فی بعض النسخ الا المائع، و هذا یحقق اختلاف الروایتین فی تطهیر العضو بغیر الماء علی ما بینا

ساتھ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے۔اب پتھر سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا

وجہ : (۱) مخرج کو مجبوری کے درجہ میں پتھر سے صاف کرنا کافی قرار دیا اس لئے اس سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہوگا (۲) حضرت علیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔ **قال علی بن ابی طالب انهم کانوا یبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة الماء** ۔(سنن للبیهقی ، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء، ج اول،ص۱۷۲،نمبر ۵۱۷)اس سے معلوم ہوا کہ پتھر اس وقت کافی ہوگا جب نجاست مخرج تک ہو جیسا کہ صحابہ خشک پاخانہ کرتے تھے تو مخرج تک ہوتا تھا ۔لیکن مخرج سے زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا ہوگا ۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ درھم کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز لوٹانی ہوگی اسلئے پیخانہ نکلنے کے مخرج سے زیادہ ہو تو وہ درھم کی مقدار سے زیادہ ہو جائے گا اسلئے اب پانی سے دھونا ہوگا، حدیث یہ ہے۔**عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ اذا کان فی الثوب قدر الدرهم من الدم غسل الثوب و أعیدت الصلاة** (دار قطنی ، باب قدر النجاسة التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۸۰ر سنن للبیهقی ، باب ما یجب غسله من الدم، ج اول،ص ۵۶۶ ،نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث میں ہے کہ درھم کے برابر نجاست ہو تو نماز لوٹائے گا ،اسلئے یہاں بھی مخرج سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو وہ درھم سے زیادہ ہو جائے گا اسلئے پانی سے دھونا ہوگا۔

ترجمہ: لـ اور بعض نسخے میں ہے مگر بہنے والی چیز۔ یہ دو روایتوں کا اختلاف ہے عضو کے پاک کرنے کے بارے میں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : پیخانہ کے مقام کو پانی سے دھو سکتے ہیں، اور بعض روایت میں ہے کہ ہر اس بہنے والی چیز سے دھو سکتے ہیں جو نجاست کو زائل کر دے، مسئلہ نمبر ۱۶۱ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پانی کے علاوہ بہنے والی نجاست کو اکھیڑنے اور زائل کرنے والی ہو تو اس سے نجاست پاک کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس سے پاخانہ کا مقام دھونا بھی جائز ہے۔انکا استدلال اس حدیث سے ہے۔**قالت عائشة ما کان لاحد انا الا ثوب واحد تحیض فیه فاذا اصابه شیء من دم قالت بریقها فقصعته بظفرها** . (بخاری شریف، باب هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲ ر ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۳۶۴) اس حدیث میں ہے کہ حیض کا خون تھوک سے پاک کیا کرتیں تھیں اور تھوک پانی نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے بھی نجاست پاک کی جا سکتی ہے۔

اسی دونوں روایتوں کی بنیاد پر بعض نسخے میں صرف ماء، کا لفظ ہے اور بعض نسخے میں ماء کے ساتھ مائع ،یعنی ہر وہ بہنے والی چیز بھی ہے۔

۲؎و هذا لان المسح غیر مزیل الا انه اکتفی به فی موضع الاستنجاء فلا یتعداه ۳؎ ثم یعتبر بالمقدار المانع وراء موضع الاستنجاء عندابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ لسقوط اعتبار ذالک الموضع، ۴؎و عند محمدؒ مع موضع الاستنجاء اعتباراً بسائر المواضع (۱۸۱)ولایستنجی بعظم ولابروث ۱؎لان النبی علیہ السلام نهی عن ذالک

ترجمہ: ۲؎ مخرج سے زیادہ میں دھونے کی ضرورت اسلئے ہے کہ پونچھنا نجاست کوزائل کرنے والانہیں ہےمگر یہ کہ اسکے ذریعہ سے استنجاء کی جگہ میں اکتفاء کیا پس اس سے متعدی نہیں ہوگا۔

تشریح: پیخانہ نکلنے کی جگہ سے زیادہ نجاست لگ جائے تو اسکودھونے کا حکم ہےاسکی وجہ بیان کررہے ہیں۔کہ پتھر سے پونچھنے سے نجاست مکمل طور پر ختم نہیں ہوگی ، کچھ نہ کچھ باقی ہی رہ جائے گی ،اسلئے پیخانہ نکلنے کی جگہ کومعاف کردیا گیا کہ اتنا پیخانہ لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی حدیث گزری کہ درھم کے برابر معاف ہےاوراس سے زیادہ لگےتو دھونا پڑے گا۔

ترجمہ: ۳؎ پھر معاف کی ہوئی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا استنجاء کی جگہ کے علاوہ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس جگہ کے اعتبار کے ساقط ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ پیخانہ نکلنے کی جوجگہ ہے اس پر لگےاوراسکے علاوہ ایک درھم کے برابر لگ جائے تو بھی معاف ہےتو گویا کہ تقریباً دو درھم کے برابر معاف ہوا یعنی پیخانہ نکلنے کی جگہ میں نجاست لگ جائے اوراسکے علاوہ ایک درھم اور کے برابر پیخانہ لگ جائے اوراسکو پتھر سے پونچھ لےتب بھی نماز جائز ہے دھونے کی ضرورت نہیں ،اس سے زیادہ لگےگی تو دھونے کی ضرورت ہوگی ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پیخانہ کی جگہ شریعت نے حدیث استنجاء کی وجہ سے ساقط کردی اسلئے درھم والی حدیث کی وجہ سے درھم کی مقدار اسکےعلاوہ ہوگی۔گویا کہ انکے یہاں سہولت زیادہ ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک استنجاء کی جگہ کے ساتھ ہے دوسری جگہ پر قیاس کرتے ہوئے ۔

تشریح :امام محمدؒ فرماتے ہیں پیخانہ کی جگہ کے ساتھ کل ایک درھم معاف ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پیخانہ کے علاوہ دوسری جگہ نجاست لگ جائے تو کل ایک درھم معاف ہےتو اس پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی پیخانہ کی جگہ کے ساتھ کل ایک درھم ہی معاف ہے۔یہ حدیث گزرچکی ہے۔

ترجمہ: (۱۸۱) نہ استنجا کرے ہڈی سے،نہ لید سے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

وجہ : (۱) یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جوخود ناپاک ہوجیسے لید،سوکھا گوبر تو وہ دوسرے کو کیسے پاک کرے گی۔اس لئے ناپاک چیز سے

۲؎ و لو فعل یجزیه لحصول المقصود، ۳؎ و معنی النهی فی الروث النجاسة، و فی العظم کونه زاد الجن (۱۸۲) ولا بطعام ؎۱ لانه اضاعة و اسراف

استنجا کرنا جائز نہیں ہے (۲) ایسی چیز جو چکنی ہو جیسے ہڈی اس سے مقام صاف نہیں ہوگا صرف نجاست مزید پھیل جائے گی اس لئے اس سے بھی استنجا جائز نہیں ہے (۳) اسکے لئے حدیث یہ ہے **عن ابی هریرة قال: اتبعت النبی ﷺ و خرج لحاجته فکان لا یلتفت ، فدنوت منه فقال : ((ابغنی احجاراً أستنفض بها ، او نحوه . و لا تأتینی بعظم و لا روث))** ۔ (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ص ۲۷، نمبر ۱۵۵ / مسلم شریف، باب الاستطابۃ ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲ / ۶۰۷) اس حدیث میں ہے کہ ہڈی اور لید نہ لانا اس سے معلوم ہوا کہ لید اور ہڈی سے استنجاء کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر استنجاء کر لیا تو کافی ہو جائے گا۔ مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : ہڈی اور لید سے استنجاء کرنا اچھا نہیں ہے لیکن اگر کر لیا تو استنجاء ہو جائے گا اسلئے کہ اس سے صفائی کرنے سے صفائی ہو جائے گی، اور مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ لید کے بارے میں روکنے کی وجہ نجاست ہے، اور ہڈی کے بارے میں یہ ہے کہ جنات کی خوراک ہے۔

تشریح : لید سے استنجاء کرنے سے اسلئے منع فرمایا کہ وہ ناپاک چیز ہے، اور ناپاک چیز تو اور مقام کو ناپاک کرے گی اسلئے اس سے استنجاء کرنا اچھا نہیں۔ حدیث میں اسکا ثبوت ہے، حدیث یہ ہے **. انه سمع عبد الله یقول : أتی النبی ﷺ الغائط فأمرنی ان أتیه بثلاثة احجار فوجدت حجرین و التمست الثالث فلم أجد ، فأخذت روثة فأتیته بها فأخذ الحجرین و ألقی الروثة و قال هذا رکس** ۔ (بخاری شریف، باب لا یستنجی بروث، ص ۲۷، نمبر ۱۵۶ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاستنجاء بالحجرین، ص ۱۰، نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ لید ناپاک ہے۔

اور ہڈی ایک تو چکنی ہوتی ہے اس سے پونچھے گا تو نجاست اور پھیل جائے گی، اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ جنات کی خوراک ہے اور حضورؐ نے اس سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ : لا تستنجو بالروث و لا بالعظام فانه زاد اخوانکم من الجن** ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ ما یستنجی بہ، ص ۱۱، نمبر ۱۸ / بخاری شریف، باب ذکر الجن، ص ۶۴۷، نمبر ۳۸۶۰) اس حدیث میں ہے کہ ہڈی جن کی خوراک ہے۔

ترجمہ: (۱۸۲) اور نہ کھانے سے استنجاء صحیح ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اور اسراف کرنا ہے۔

تشریح : کھانے کی چیز مثلا روٹی سے استنجاء کرنا اچھا نہیں ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ وہ محترم چیز ہے اور محترم چیز کو استنجاء صاف

(۱۸۳) ولا بيمينه ﴾ ل لان النبی عليه السلام نهی عن الاستنجاء باليمين.

کے لئے استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی کہ اس میں کھانے کو ضائع کرنا ہے اور اسکا اسراف کرنا ہے (۲) اوپر حدیث گزری کہ جنات کا کھانا ہڈی سے بھی استنجاء نہ کرو تو انسان کے کھانے سے استنجاء کرنا کیسے جائز ہوگا! حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ : لا تستنجو بالروث و لا بالعظام فانه زاد اخونكم من الجن** ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ ما یستنجی بہ، ص ۱۱، نمبر ۱۸ / بخاری شریف، باب ذکر الجن، ص ۶۴۷، نمبر ۳۸۶۰) ہڈی جن کا کھانا ہے اس سے استنجاء جائز نہیں تو انسان کے کھانے سے کیسے جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۱۸۳) اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا جائز نہیں۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ حضورؐ نے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: دائیں ہاتھ سے آدمی کھانا کھاتا ہے اب اس سے استنجاء بھی صاف کرے یہ اچھا نہیں ہے البتہ مجبوری ہو تو اور بات ہے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن سلمان ... لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجی باليمين او ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجی برجيع او بعظم** (مسلم شریف، باب الاستطابۃ ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲ / ۶۰۶ / ترمذی شریف، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ص ۱۰، نمبر ۱۶) اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے اور لید سے اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

CLIPART\rose_sketch.jpg not found.

﴿کتاب الصلوۃ﴾

﴿باب المواقیت﴾

(۱۸۴) اوّل وقت الفجر اذطلع الفجرالثانی وھوالمعترض فی الافق واٰخروقتھا مالم تطلع

﴿ کتاب الصلوۃ ﴾

ضروری نوٹ: صلوۃ کے لغوی معنی دعا ہے۔شریعت میں ارکان معہودہ کوصلوۃ کہتے ہیں۔صلوۃ کے فرض ہونے کی دلیل قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں۔مثلاان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا. (آیت۱۰۳سورۃ النساء۴)(۲)نماز فرض ہونے کی دلیل حدیث میں یہ ہے۔کان ابو ذر یحدث أن رسول اللہ ﷺ قال فرج عن سقف بیتی و أنا بمکۃ .....قال النبی ﷺ : ففرض اللہ علی امتی خمسین صلاۃ فرجعت بذالک حتی مررت علی موسیٰ ....قال : ھن خمس و ھن خمسون ، لا یبدل القول لدیّ۔(بخاری شریف، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء،ص ۵۰،نمبر۳۴۹) اس حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں کیسے فرض ہوئیں

نوٹ : نمازاہم عبادت ہےاورطہارت اس کے لئے شرط ہے۔اس لئے طہارت کومقدم کیا۔اب طہارت کے ابحاث ختم ہونے کے بعدنماز کے مسائل کوشروع فرمایا

وقت : وقت نماز کے لئے شرط ہے اگروقت نہ ہوا ہوتو نماز ہی واجب نہیں ہوتی ۔وقت آنے پر ہی نماز واجب ہوتی ہے۔وجوب کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم ہے لیکن ہم اللہ کے ہروقت کے حکم کونہیں سن پاتے اس لئے علامت کے طور پر وقت کو رکھ دیا کہ جب وقت آئے توسمجھ لوکہ حکم آگیااورنمازشروع کرو۔وقت کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

ترجمہ: (۱۸۴) فجر کااول وقت جب کہ صبح صادق طلوع ہوجائے،فجر ثانی وہ افق میں پھیلی ہوئی سفید روشنی ہےاورفجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے۔

تشریح :اوپر کی آیت سے پتہ چلا کہ پانچوں نمازیں وقت کے ساتھ فرض ہیں اسلئے وقت کی بحث کولا رہے ہیں اور پانچوں اوقات کاتعین کررہے ہیں۔ان میں سے سب سے پہلے فجر کے وقت کو بتارہے ہیں کہ جب صبح صادق شروع ہوجائے اس وقت سے فجر کاوقت شروع ہوتاہےاور جب سورج نکل جائے تو اسکاوقت ختم ہوجاتا ہے

وجہ : فجر کی نمازفرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وسبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ومن اناء اللیل فسبح واطرافھا النھار لعلک ترضی (آیت۱۳۰سورہ طہ۲۰) بلکہ اس آیت میں تمام نمازوں کےاوقت کی طرف اشارہ ہوگیا۔اورنماز فجر کے وقت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔باقی دلیل آگے آرہی ہے۔

الشمس ﴿١﴾ لحديث امامة جبريل عليه السلام انه امّ رسولَ اللّٰه عليه السلام فيها فى اليوم الاوّل حين طلع الفجر وفى اليوم الثانى حين اَسفر جداوكادت الشمس تطلع ثم قال فى اٰخر الحديث مابين هذين الوقتين وقتٌ لك ولامتك ﴿٢﴾ ولا معتبر بالفجر الكاذب وهو البياض الذى يبدُو طولاثم يعقبه الظَّلامُ لقوله

ترجمه: ﴿١﴾ جبریل علیہ السلام کی حدیث کی بناء پر کہ انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام کی فجر میں امامت کی، پہلے دن میں جس وقت فجر طلوع ہوا اور دوسرے دن میں جس وقت بہت اسفار ہوگیا اور سورج طلوع ہونے کے قریب ہوگیا، پھر اس حدیث کے آخیر میں فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان آپ کا اور آپ کی امت کا وقت ہے۔

تشریح: حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور دو دن تک حضورؐ کی امامت فرماتے رہے اور پانچوں نمازوں کا وقت بتاتے رہے، پہلے دن میں تمام نمازیں اول وقت میں پڑھی اور دوسرے دن میں تمام نمازیں اخیر وقت میں پڑھی اور اسکے آخیر میں فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان آپ کے لئے اور آپکی امت کے لئے وقت ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ پہلے دن میں فجر کی نماز صبح صادق کے وقت پڑھی اور دوسرے دن میں اسفار کے وقت پڑھی، حدیث یہ ہے۔اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئيل عند البيت مرتين فصلى الظهر فى الاولى منهما حين كان الفىء مثل الشراك ثم صلى العصر حين كان كل شىء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلى المرة الثانية الظهر حين كان ظل كل شىء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلى العصر حين كان ظل كل شىء مثليه ثم صلى المغرب لوقته الاول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹ / ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ پہلے دن میں فجر کی نماز صبح صادق کے وقت پڑھی، اور دوسرے دن میں اسفار کے وقت فجر کی نماز پڑھی۔

ترجمه: ﴿٢﴾ اور فجر کاذب کا اعتبار نہیں ہے، اور وہ سفیدی ہے جو لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اسکے بعد اندھیرا ہوتا ہے۔حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ تمکو حضرت بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ لمبی فجر صرف افق میں پھیلی ہوئی فجر، یعنی منتشر فجر کا اعتبار ہے۔

تشریح: فجر کی دو قسمیں ہیں (۱) صبح کاذب (۲) صبح صادق۔صبح کاذب: مشرقی افق میں بھیڑئے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی

علیہ السلام لا یغرنکم اذان بلالؓ ولا الفجر المستطیل وانما الفجر المستطیر فی الافق ای المنتشر فیھا

(۱۸۵) واوّل وقت الظھر اذا ازالت الشمس ﴾ لے لا مامة جبریل علیہ السلام فی الیوم حین زالت الشمس

(۱۸۶) واٰخر وقتھا عند ابی حنیفةؒ اذا صار ظل کل شیئ مثلیه سوی فئ الزوال وقالا اذا صار الظل مثله وھو روایة عن ابی حنیفةؒ ﴾

ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے حدیث میں اسی کو فجر مستطیل کہتے ہیں۔اس کے تھوڑی دیر کے بعد محرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں۔بعض ماہرین فلکیات اس کو اٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اور بعض پندرہ ڈگری پر بتاتے ہیں۔دلائل دونوں طرف ہیں۔اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔اسی کی طرف مصنفؒ نے البیاض المعترض کہ کراشارہ کیا ہے۔حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ لا یغرنکم من سحورکم اذان بلال ولا بیاض الافق المستطیل ھکذا حتی یستطیر ھکذا (مسلم شریف، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، کتاب الصوم ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴/۲۵۴۶/ابوداود شریف، باب وقت السحور، ص ۳۴۱، نمبر ۲۳۴۶/ترمذی شریف، باب ما جاء فی بیان الفجر، ص ۱۷۹، نمبر ۷۰۵) حدیث سے پتہ چلا کہ روشنی جو لمبائی میں ہو وہ صبح صادق نہیں ہے۔ بلکہ یستطیر یعنی افق میں پھیلی ہوئی روشنی صبح صادق ہے۔(۲) آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر (آیت ۱۸۷ سورة البقرة ۲) تبین سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے جو صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔

لغت:. معترض : اعترض سے مشتق ہے پھیلی ہوئی۔اسفر: صبح کا بہت واضح ہونا۔ کاذب : جھوٹا۔صبح کی پہلی روشنی،جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ صبح صادق ہو۔ یبدو : ظاہر ہوتا ہے۔ یعقبه : عقب سے مشتق ہے،اسکے بعد آتا ہے. یغرنکم : غر سے مشتق ہے،دھوکا دے. مستطیر : طار سے مشتق ہے پھیلا ہوا ہونا،متفرق ہونا۔منتشر : انتشر سے مشتق ہے پھیلا ہوا ہونا۔

ترجمه: (۱۸۵) ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھل جائے۔

ترجمه: لے جبریل علیہ السلام کی پہلے دن میں امامت کی وجہ سے جب سورج ڈھل گیا)

ترجمه: (۱۸۶) اوراس کا آخری وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔اور صاحبین کے نزدیک جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے

تشریح : ظہر کا اول وقت زوال کے فوراً بعد سے شروع ہوتا ہے۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔البتہ اس کے آخری وقت

۱؎وفیئ الزوال هو الفیئ الذی یکون للاشیاء وقت الزوال ۲؎لهما امامة جبریل فی الیوم الاوّل للعصر فی هذا الوقت

کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک رہتا ہے۔اوراس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے

وجه : (۱)**عن ابی ذر قال کنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد، ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد،حتی رأینا فیء التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة .** (بخاری شریف،باب الابراد بالظہر فی السفر ص ۷۷نمبر ۵۳۹/ابوداودشریف،باب وقت صلاۃ الظہر ،۶۴،نمبر ۴۰۱) ٹیلہ پستہ قد ہوتا ہے اس کا سایہ نیچے نظر آنے لگے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو چکا ہو۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی گئی ہے۔اس لئے ظہر کا وقت دو مثل تک ہے (۲)**عن عبد الله بن عمر أنهما حدثاه عن رسول الله ﷺ أنه قال : اذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوة ، فان شدة الحر من فیح جهنم .** (بخاری شریف،باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر،ص ۷۷نمبر ۵۳۳/ابوداودشریف،باب وقت صلاۃ الظہر ،۶۴، نمبر ۴۰۲)اس حدیث میں بھی ہے کہ گرمی میں ظہر کی تاخیر کی ،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز دو مثل پر پڑھی ہوگی کیونکہ عرب میں دو مثل تک گرمی رہتی ہے۔

ترجمه: ۱؎ اورفیء زوال وہ سایہ ہے جو چیزوں کا زوال کے وقت میں ہوتا ہے۔

تشریح : جب سورج دو پہر کے وقت سر پرآ جائے ،اور پورب اور پچھم کے درمیان ٹھیک اتر یا دکھن کی طرف سورج ہوتو اس وقت کے سایہ کوفیء زوال، یا سایہ اصلی کہتے ہیں۔اس سے تھوڑا سا ہٹ جائے تو وہ وقت زوال ہے اوراس وقت سے تمام ائمہ کے نزدیک ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

ترجمه :۲؎ اورصاحبین کی دلیل حضرت جبرائیل کی امامت والی حدیث ہے،پہلے دن میں عصر کے لئے اسی وقت میں۔

تشریح :صاحبین فرماتے ہیں کہ جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے،اورعصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت جبرائیل نے پہلے دن میں حضورؐ کی عصر کی امامت ایک مثل پر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایک مثل پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے،اور دوسرے دن ظہر کی امامت ایک مثل پر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے ۔حدیث یہ ہے۔ **اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین**

۳؎ ولابی حنیفۃؒ قول النبی علیہ السلام ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم واشد الحر فی دیارھم فی ھذا الوقت ۴؎ واذا تعارضت الآثار لاینقضی الوقت بالشک

وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرۃ الثانیۃ الظھر حین کان ظل کل شیء مثلہ لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیہ ثم صلی المغرب لوقتہ الاول ثم صلی العشاء الآخرۃ حین ذھب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد ھذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین ھذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹ رابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں تمام نماز کے اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ اور ظہر کا آخری وقت ایک مثل بتایا گیا ہے۔ اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر صاحبین بھی اس طرف گئے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر نہ پڑھے اور دو مثل سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت بھی صاحبین کے مطابق ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اسلئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی میں سے ہے، اور عرب میں گرمی کی شدت ایک مثل پر بہت ہوتی ہے۔

تشریح: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر أنھما حدثاہ عن رسول اللہ ﷺ أنہ قال : اذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوۃ ، فان شدۃ الحر من فیح جھنم . (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، ص ۷۷ نمبر ۵۳۳ رابوداود شریف، باب وقت صلاۃ الظھر ، ۶۴، نمبر ۴۰۲) اس حدیث میں ہے کہ نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، اور عرب میں ایک مثل پر گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے اسلئے ٹھنڈا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مثل کے بعد نماز پڑھو اسلئے اشارۃ النص سے پتہ چلا کہ دو مثل تک ظہر کا وقت ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۴؎ اور جب دونوں حدیثیں متعارض ہوگئیں تو شک کی وجہ سے وقت ختم نہیں ہوگا۔

تشریح :۔ حضرت جبریلؑ کی امامت والی حدیث اور ٹھنڈا کر کے نماز پڑھنے والی حدیث متعارض ہوگئیں، تو شک ہوگیا کہ نماز کا وقت نکلا یا نہیں! اور پہلے سے ظہر کا وقت چل رہا تھا اسلئے شک کی بنا پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوگا بلکہ دو مثل تک باقی رہے گا۔

لغت : فئ الزوال : ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو اس وقت جو تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کو سایہ اصلی اور فئ الزوال کہتے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو تو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے۔ مثلا ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ

(۱۸۷)واول وقت العصر اذا خرج وقت الظھر علی القولین واٰخروقتھا ما لم تغرب الشمس ﴾

لے لقولہ علیہ السلام من ادرک رکعۃً من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرکھا

ہے۔تو سایہ اصلی کے علاوہ سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہو گیا۔اور سایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لمبا ہو گیا تو دو مثل ہو گیا۔فیح :گرمی کی شدت۔لاینقضی: ختم نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۱۸۷) عصر کا اول وقت جب کہ ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قول پر۔اوراس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔

ترجمہ: لے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جس نے عصر کی ایک رکعت پائی تو اس نے عصر پا لی۔

تشریح: صاحبین کے قول کے مطابق مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اورامام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اوربعض ائمہ نے دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثل کے بعد اور دو مثل سے پہلے وقت مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے اور نہ عصر کا وقت ہے۔

نوٹ : احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مہمل ہے اور نہ مشترک ہے۔پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کی آخری نماز دو مثل پر پڑھی گئی لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت موجود ہے۔البتہ آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز مکروہ ہونے لگتی ہے۔اس لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنی چاہئے۔تاہم غروب سے پہلے عصر کی نماز پڑھیگا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی۔کیونکہ ابھی وقت باقی ہے۔غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کے وقت ہونے کی دلیل۔

وجہ: (۱) وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا (آیت ۱۳۰ سورۂ طٰہٰ ۲۰) غروب سے پہلے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ، ص ۸۲، نمبر ۵۷۹/ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو گویا کہ پوری عصر کی نماز پالی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کا وقت ہے

آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز عصر ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی،اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔قال : دخلنا علی انس بن مالک بعد الظھر فقام یصلی العصر ....تلک صلوۃ المنافقین ، یجلس أحدھم حتی اذا اصفرت الشمس ،

(۱۸۸)واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخروقتها مالم يغب الشفق ﴾ ۱؎ وقال الشافعی مقدارمایصلی فیه ثلث رکعات لان جبریل علیه السلام اَمَّ فی یومین فی وقت واحد.

فکانت بین قرنی شیطان أو علی قرنی الشیطان ، قام فنقر أربعا لا یذکر الله عز وجل فیها الا قلیلاً ۔(ابوداود شریف، باب وقت العصر،ص۶۴،نمبر۴۱۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج زرد ہو جائے تو اس وقت منافق کی نماز ہوتی ہے اسلئے سورج زرد ہوتے وقت نماز مکروہ ہے۔ البتہ نماز ہو جائے گی۔اسلئے کہ ابھی وقت ہے۔دوسری حدیث بھی ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم العصر فانه وقت الی أن تصفر الشمس (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص۲۲۲ نمبر۶۱۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص۴۰ نمبر۱۵۱) اس حدیث میں سورج زرد ہونے تک مستحب وقت بتایا ہے۔

ترجمہ: (۱۸۸) مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔

تشریح : مغرب کے اول وقت کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن سورج غروب ہونے کے بعد ہی پڑھائی اس لئے کہ مستحب وقت وہی ہے۔لیکن مغرب کا آخری وقت حقیقت میں شفق کے غروب ہونے تک ہے۔

وجه : اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم المغرب فانه وقت الی ان یسقط الشفق (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص۲۲۲ نمبر۶۱۲/۱۳۸۵ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص۴۰ نمبر۱۵۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔شفق کی دو قسمیں ہیں۔شفق احمر۔اور شفق ابیض۔یہاں شفق سے کون سی شفق مراد ہے اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مغرب کا وقت اتنی مقدار ہے جس میں تین رکعت پڑھ سکے۔اسلئے کہ حضرت جبریلؑ نے دونوں دنوں میں مغرب کی امامت ایک ہی وقت میں کی ہے۔

تشریح : چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں مغرب کی امامت کی ہے اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کا وقت صرف اتنا ہے کہ آدمی صرف مغرب کی تین رکعتیں پڑھ سکے۔موسوعۃ میں ہے۔قال الشافعیؒ : لا وقت للمغرب الا واحد ، و ذالک حین تجب الشمس ، و ذالک بین فی حدیث امامة جبریل النبی ﷺ و فی غیره ۔(موسوعۃ، باب وقت المغرب، ج ثانی ص۲۹، نمبر۱۰۰۱) حدیث یہ ہے۔عن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین .... ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصائم ..... ثم صلی المغرب

۲؎ ولناوقوله عليه السلام اوّل وقت المغرب حين تغرب الشمس وآخروقته حين يغيب الشفق ۳؎ و ما رواه كان للتحرز عن الكراهية

لوقته الاول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ابوداؤد شریف، باب المواقیت،ص ۶۲،نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے دن مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن پڑھی تھی۔اسلئے مغرب کا وقت ایک ہی رہے گا۔(۲) عن سلمة قال كنا نصلى مع النبى ﷺ المغرب اذا توارت بالحجاب ۔(بخاری شریف، باب وقت المغرب،ص ۷۹، نمبر ۵۶۱/ابوداود شریف، باب وقت المغرب،ص ۶۴، ۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ سورج ڈوبتے ہی نماز پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ سورج ڈوبنے کے فورا بعد مغرب کا وقت ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول کہ مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے،اور اسکا آخر وقت جب شفق غائب ہوجائے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ ان للصلاة أولا و آخراً ....و ان اول وقت المغرب حين تغرب الشمس و ان آخروقتها حين يغيب الشفق ۔(ترمذی شریف، باب منہ (یعنی ماجاء فی مواقیت الصلوۃ) ص ۳۸، نمبر ۱۵۱/مسلم شریف، باب اوقات الصلوۃ الخمس ،ص ۲۲۱، نمبر ۶۱۲/ ۱۳۸۹) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو روایت کی ہے وہ کراہیت سے بچنے کے لئے ہے۔

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ مغرب کا اصلی وقت تو شفق ڈوبنے تک ہے،یعنی شفق ڈبنے تک بھی پڑھے گا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی البتہ بغیر عذر کے موخر کرنے سے مکروہ ہوگا،اسلئے امامت جبریلؑ میں موخر اسلئے نہیں کیا کہ مکروہ نہ ہو۔موخر کرنے سے مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔قدم علينا ابو ايوب غازيا و عقبه عامر يومئذ على مصر ، فأخر المغرب فقام اليه ابو ايوب فقال : أما سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تزال أمتى بخير ، أو قال : على الفطرة ، ما لم يو ء خر واالمغرب الى أن تشتبک النجوم ۔(ابوداود شریف، باب وقت المغرب،ص ۶۴،نمبر ۴۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز موءخر کرنا مکروہ ہے۔

(۱۸۹)ثم الشفق هو البياض الذى فى الافق بعد الحمرة عند ابى حنيفةؒ وعندهما هو الحمرة﴾
لـ وهو رواية عن ابى حنيفةؒ وهو قول الشافعى لقوله علیہ السلام الشفق الحمرة

﴿شفق ابیض یا شفق احمر﴾

ترجمہ: (۱۸۹) شفق وہ سفید روشنی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین کے نزدیک شفق وہ سرخی ہے۔

ترجمہ: لـ اور یہی ایک روایت امام ابوابوحنیفہؒ کا ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ شفق وہ سرخی ہے۔

تشریح : آفتاب ڈوبنے کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفید روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر سفید روشنی لمبی سی ہوتی ہے جس کو بیاض مستطیر اور پھر بیاض مستطیل کہتے ہیں۔ اس کے بعد افق پر مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سرخی کے بعد جو بیاض مستطیر ہوتی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے

شفق کیا ہے:۔ افق کے قریب بھاپ اور نمی بہت ہوتی ہے، سورج جب ڈوب جاتا ہے تو اسکی روشنی بھاپ اور نمی سے گزر کر ہماری طرف آنے لگتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ بھاپ کے درمیان سے گزر کر روشنی آئے تو وہ لال نظر آتی ہے اور تھوڑی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اسی لئے سورج ڈوبنے کے بعد جو روشنی نظر آتی ہے وہ لال ہوتی ہے جسکو شفق احمر کہتے ہیں۔ لیکن سورج جب بارہ ڈگری نیچے چلا جاتا ہے تو افق کے پاس جو بھاپ اور نمی ہے اس سے گزر کر روشنی نہیں آتی بلکہ سورج کی روشنی آسمان کی طرف لمبی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، چونکہ وہ بھاپ اور نمی سے گزر کر نہیں آتی اسلئے وہ روشنی سفید نظر آتی ہے، اور بہت ہلکی ہوتی ہے شفق احمر کے بعد مسلسل دیکھتے رہیں تب اس کا پتہ چلے گا ورنہ جلدی پتہ نہیں چلتا۔ اسی کو شفق ابیض کہتے ہیں۔

وجہ : (۱) فجر میں بیاض مستطیر فجر کا وقت ہے۔ اسی طرح بیاض مستطیر مغرب کا وقت ہونا چاہئے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی طرح ہیں (۲) حدیث میں ہے **سمعت ابا مسعود الانصارى يقول ... ويصلى المغرب حين تسقط الشمس ويصلى العشاء حين يسود الافق وربما اخرها حتى يجتمع الناس** ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی المواقیت ص ۶۲/۶۳ نمبر ۳۹۴) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ عشا کی نماز افق کالا ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور افق مکمل کالا اس وقت ہوگا جب سفید شفق بھی باقی نہ رہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض مستطیر تک مغرب کا وقت ہے۔ جو سرخی کے بعد آتی ہے۔ کیونکہ افق کالا سفیدی غائب ہونے کے بعد ہی ہوگا۔ (۳) اس کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔ **کتب عمر بن عبد العزيز ان صلوا صلوة العشاء اذا ذهب بياض الافق فيما بينكم و بين ثلث الليل** (مصنف عبد الرزاق، باب وقت العشاء الاخرة، ج اول، ص ۵۵۶، نمبر

۲؎ ولابی حنفيةؒ قوله علیہ السلام واٰخر وقت المغرب اذا اسودَّ الافق ۳؎ ومارواه موقوف على ابن عمرؓ ذكره

۲۱۱۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کے بیاض جانے یعنی شفق ابیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے۔(۴) اس آیت کے کنایہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ أقم الصلوۃ پڑھو جس سے کنایہ ہے کہ شفق ابیض ڈوبنے کے بعد جب مکمل اندھیرا ہو جائے وہاں سے عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

فائده : صاحبین اور جمہور ائمہ کے نزدیک بیض مستطیر کے پہلے جو سرخی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: الشفق الحمرة ،فاذا غاب الشفق وجبت الصلوة . (دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ،ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۴رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول،ص ۵۴۸،نمبر ۱۷۴۴)اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ شفق تک مغرب کا وقت ہے اس کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(۲)اثر میں ہے۔عن ابن عمر قال : الشفق الحمرۃ ۔(دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۵رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول،ص ۵۴۸،نمبر ۱۷۴۲)اس اثر میں بھی ہے کہ شفق وہ سرخی ہے۔

ترجمه :۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول مغرب کا آخر وقت جبکہ افق کالا ہوجائے۔

تشريح : اس معنی کی روایت اوپر گزری۔سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ویصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الافق وربما اخرھا حتی یجتمع الناس ۔(ابوداؤد شریف،باب فی المواقیت ص ۶۲ ر۶۳ نمبر ۳۹۴)اس حدیث میں ہے کہ افق کالا ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے تھے اور مکمل کالا اسی وقت ہوگا جب شفق ابیض بھی ڈوب جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شفق ابیض تک مغرب کا وقت ہے اور شفق ابیض ڈوبنے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور صاحبین نے جس حدیث کو روایت کی وہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے حضرت امام مالکؒ نے اپنے موطاء میں ذکر کی ہے۔

تشريح : امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے کہ الشفق الحمرۃ ،کا جملہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے اسلئے اس پر شفق احمر کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔قول یہ ہے۔ عن ابن عمر قال : الشفق الحمرۃ ۔(دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۵رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول،ص ۵۴۸،نمبر ۱۷۴۲) یہ دار قطنی اور بیھقی میں ہے۔اور موطاء امام مالک میں عبارت اس طرح ہے قال مالک : الشفق الحمرۃ التی فی المغرب فاذا ذھبت الحمرۃ فقد وجبت صلوۃ العشاء، و

مالک فی الموطأ ۓ وفیه اختلاف الصحابة (۱۹۰) واوّل وقت العشاء اذا غاب الشفق واٰخروقتها مالم یطلع الفجر

خرجت من وقت المغرب ۔(موطاء امام مالک، باب جامع الوقوت، ص ۸) موطاء میں حضرت ابن عمر کے بجائے خود حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔البتہ اس عبارت کے ساتھ اوپر حدیث بھی گزر گئی۔

ترجمه: ۓ شفق کے سلسلے میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہے۔

ترجمه: (۱۹۰) عشا کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق ابیض غائب ہونے کے بعد اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اور اسکا آخری وقت صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

وجه: شفق کے غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اسکی دلیل یہ ہے۔عن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین ....ثم صلی العشاء حین غاب الشفق .... ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ما جاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھی

(۲)عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ ان للصلاة أولا و آخراً ....و ان أول وقت العشاء الآخرة حین یغیب الافق ، و ان آخر وقتها حین ینتصف اللیل ۔(ترمذی شریف، باب منہ (یعنی ما جاء فی مواقیت الصلوۃ) ص ۳۸، نمبر ۱۵۱/ مسلم شریف، باب اوقات الصلوۃ الخمس، ص ۲۲۱، نمبر ۶۱۴/ ۱۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ عشاء کا وقت افق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے یعنی شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اور آخر وقت صبح صادق سے پہلے تک ہے اسکی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے۔ عن عائشة قالت اعتم النبی ﷺ ذات لیلة حتی ذهب عامة اللیل وحتی نام اهل المسجد (مسلم شریف، باب وقت العشاء وتأخیرها ص ۲۲۹ نمبر ۶۳۸/ ۱۴۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عامۃ اللیل رات کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔دوسری حدیث میں ہے کہ آدھی رات چلی گئی تھی۔اس لئے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثبوت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(۲) اور آخر رات تک عشا کے وقت ہونے کی دلیل صحابہ کا قول ہے ۔روینا عن ابن عباس انه قال : وقت العشاء الی الفجر۔ و عن عبد الرحمن بن عوف فی امرأة تطهر قبل طلوع الفجر صلت المغرب والعشاء ۔قال لابی هریرة ما افراط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر (السنن

ل قوله عليه السلام واٰخر وقت العشاء حين لم يطلع الفجر ۲ وهو حجة على الشافعیؒ فی تقديره بذهاب ثلث اللّيل (۱۹۱) واول وقت الوتر بعدالعشاء واٰخره مالم يطلع الفجر ل قوله عليه السلام فی الوتر فصلوها مابين العشاء الٰی طلوع الفجر

للبیهقی ، باب آخروقت الجواز لصلوة العشاء، ج اول ،ص ۵۵۳ ،نمبر ۱۷۶۳) صحابی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ عشا کا وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔تمام ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

ترجمه: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے عشاء کا آخری وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

تشريح : یہ عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے رويـنـا عـن ابـن عباس انه قال : وقت العشاء الی الفجر ۔ (السنن للبیهقی ،باب آخروقت الجواز لصلوة العشاء، ج اول ،ص ۵۵۳ ،نمبر ۱۷۶۳) اس اثر میں ہے کہ عشاء کا وقت فجر تک ہے۔

ترجمه: ۲ یہ اثر امام شافعیؒ پر حجت ہے کہ انہوں نے تہائی رات جانے تک عشاء کا وقت متعین فرمایا۔

تشريح :امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف تہائی رات تک عشاء کا وقت ہے۔موسوعة میں ہے۔و آخـر وقتها الی أن يمضی ثـلـث الـلـيـل (موسوعة للامام الشافعی ، باب وقت العشاء، ج الثانی ،ص ۳۲ ،نمبر ۱۰۱۰)اس عبارت میں ہے کہ عشاء کا وقت تہائی رات تک ہے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے (۱)عـن ابـی هـريـرة قـال قـال رسـول الـلـه ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامـرتهم ان يؤخروا العشاء الی ثلث الليل او نصفه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرة ص ۴۲ نمبر ۱۶۷/ ابوداؤدشریف، باب ماوقت العشاء الآخرة ص ۶۶ نمبر ۴۲۲) (۲)عباس ان الـنـبی ﷺ قـال امنی جبرئيل عند البيت مـرتيـن ....ثـم صـلی العشاء حين غاب الشفق .... ثم صلی العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلی الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلک والوقت فيما بيـن هـذيـن الوقتين . (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوة عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوة نمبر ۱۴۹/ابوداؤدشریف، باب المواقیت ،ص ۶۲ ،نمبر ۳۹۳)ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ عشاء کا وقت تہائی رات تک ہے۔

ترجمه: (۱۹۱) وتر کا اول وقت عشا کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو۔

ترجمه: ل وتر کے بارے میں حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے،اسکو عشاء اور صبح صادق کے درمیان پڑھو۔

وجه: اوپر کی حدیث یہ ہے (۱)عـن خـارجة بـن حـذافة انـه قـال خـرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله امـدكـم بصلوة هی خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء الی ان يطلع الفجر۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲/ابوداؤدشریف ،ابواب الوتر ، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس

۲؎ قال ھذا عندھما ۳؎ وعندابی حنیفۃؒ وقتہ وقت العشاء الا انہ لایقدم علیہ عند التذکیر للترتیب

سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشا کے بعد سے لیکر صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔اور حدیث میں امدکم یعنی ایک نماز زیادہ کی اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے۔تب ہی تو پانچ نماز پر زیادتی ہوگی۔ایک اور حدیث ہے عن مسروق انہ سأل عائشۃ عن وتر النبی ﷺ فقالت من کل اللیل قد اوتر اولہ واوسطہ وآخرہ فانتھی وترہ حین مات فی وجہ السحر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر اول اللیل وآخرہ ص۱۰۳ نمبر۴۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز اول، اوسط اور آخر رات میں پڑھی جا سکتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ فرمایا یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔

تشریح : صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ وتر کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے کیونکہ اوپر کی حدیث میں فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد فجر تک حدیث یہ گزری۔ فیما بین صلوۃ العشاء الی ان یطلع الفجر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ /ابوداؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸)اس حدیث میں ہے کہ عشاء اور فجر کے درمیان وتر پڑھو، جسکا مطلب یہ ہوا کہ عشاء کے بعد وتر کا وقت ہے۔چنانچہ اگر بھول کر یا جان کر وتر عشاء سے پہلے پڑھ لی تو وتر لوٹانی ہوگی، کیونکہ اسکا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وتر عشاء کے بعد کی سنت ہے اسلئے اسکے تابع کرکے پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا وقت ہے، لیکن یاد کے وقت ترتیب کی وجہ سے عشاء پر مقدم نہ کرے۔

تشریح : جو وقت عشاء کا ہے وہی وقت وتر کا بھی ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر یاد ہو کہ عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہے تو عشاء سے پہلے وتر نہیں چاہئے تا کہ عشاء اور وتر کے درمیان ترتیب باقی رہے، چنانچہ اگر جان کر وتر عشاء سے پہلے پڑھ لی تو عشاء کے بعد وتر دوبارہ پڑھنی ہوگی کیونکہ ترتیب واجب ہے، اور بھول کر وتر پہلے پڑھ لی تو وتر کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

وتر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا (ابوداود شریف، باب فیمن لم یوتر، ص۲۱۲، نمبر۱۴۱۹)اس حدیث میں ہے کہ وتر حق ہے اور جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے۔(۲) ایک حدیث اوپر بھی گزری۔عن خارجۃ بن حذافۃ انہ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ امدکم بصلوۃ ھی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعلہ اللہ لکم فیما بین صلوۃ العشاء الی

﴿فصـــــل اوقات مستحب﴾

(۱۹۲) ویستحب الاسفار بالفجر﴾ ۱؎ لقوله علیہ السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر ۲؎ وقال الشافعیؒ یستحب التعجیل فی کل صلوٰۃ والحجة علیه ماروینٰه وما نرویه

ان یطلع الفجر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص۱۰۳ نمبر۴۵۲/ابوداؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس حدیث میں ہے کہ فرض نماز پر ایک اور نماز کا اضافہ کیا اور وہ وتر ہے، تو یقینی بات ہے کہ وہ بھی فرض ہی ہوگی، جسکو ہم واجب کہتے ہیں۔ اسلئے وتر ہمارے نزدیک واجب ہے۔

﴿فصل اوقات مستحب﴾

ترجمہ: (۱۹۲) فجر میں اسفار کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ: فجر کو اسفار کر کے پڑھو اسلئے کہ اس میں اجر زیادہ ہے۔

تشریح : فجر کا اصل وقت تو طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔لیکن مستحب یہ ہے کہ اسفار کر کے فجر کی نماز شروع کرے۔

وجہ: (۱)اوپر کی حدیث یہ ہے۔ **عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاسفار بالفجر ص۴۰ نمبر۱۵۴/ابوداؤد شریف، باب وقت الصبح ص ۶۷ نمبر ۴۲۴) اس میں الفاظ یوں ہیں **اصبحوا بالصبح** اس سے معلوم ہوا کہ فجر کو اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔(۲) جماعت بڑی ہوگی ورنہ لوگ غلس اور اندھیرے میں کم آئیں گے اور جماعت کی قلت ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے۔اور ان پر وہ حدیث حجت ہے جو ہمنے روایت کی اور جو روایت کریں گے۔

فائدہ: امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔اور فجر کو غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **ان عائشة اخبرته قالت کن نساء المؤمنات یشهدن مع رسول الله ﷺ صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلن الی بیوتهن حین یقضین الصلوة لا یعرفهن احد من الغلس.**

(۱۹۳) والابرادبالظهر فی الصیف وتقدیمه فی الشتاء ﴾ ۱؎ لما رویناولروایة انسؓ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا کان فی الشتاء بکّر بالظھر و اذا کان فی الصیف ابردبھا

(بخاری شریف، باب وقت الفجر ص۸۲ نمبر ۵۷۸/ مسلم شریف، باب استحباب التبکیر بالصبح ص۲۳۰ نمبر ۶۴۵/۱۴۵۸) اس حدیث میں دیکھئے غلس اوراندھیرے میں نماز پڑھی گئی۔(۲) اور ہر نماز کواول وقت میں پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **۔عن ام فروة قالت : سئل رسول الله ﷺ ای الاعمال أفضل ؟ قال : الصلوة فی اول وقتھا ۔**(ابوداود شریف، باب المحافظة علی الصلوات، ص ۶۷، نمبر ۴۲۶/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، ص۴۲ نمبر ۱۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تمام نمازیں اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اوپر حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز اسفار کر کے پڑھو،(۲) اورآگے دوسری حدیث آرہی ہے کہ ٹھنڈی میں نماز جلدی پڑھتے اورگرمی میں نماز ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔ **سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة .** (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص۱۲۴ کتاب الجمعة نمبر ۹۰۶) اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں بالکل اول وقت میں پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ بعض نماز عذر کی وجہ سے تاخیر کر کے پڑھنا بھی افضل ہے۔ وما نرویہ سے یہی حدیث مراد ہے۔(۳) ہاں اگر مدینہ طیبہ کی طرح لوگ غلس میں مسجد میں آجاتے ہوں جیسے رمضان میں آجاتے ہیں تو غلس میں مستحب ہے اوراگر لوگ سوئے رہتے ہوں تو اسفار مستحب ہے۔

ترجمہ: (۱۹۳) مستحب ہے گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اورسردی میں اس کو مقدم کرنا۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی بنا پر جو ہمنے پہلے روایت کی۔اورحضرت انس کی روایت کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ جب سردی ہوتی تو ظہر کو جلدی پڑھتے، اور جب گرمی ہوتی ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔

تشریح: گرمی میں ظہر کی نماز اس وقت پڑھے جب دھوپ کم ہو جائے اورتھوڑی ٹھنڈی ہو جائے کیونکہ آدمی کو گرمی میں پریشان کرنا اچھا نہیں ہے اور جب سردی کا موسم ہو تو جلدی پڑھ لے کیونکہ اس میں آدمی کو کوئی تکلیف نہیں، اورتاخیر کرنے سے ممکن ہے کہ ظہر کا وقت نکل جائے۔ ماقبل کی روایت اورحضرت انسؓ کی روایت یہ ہیں۔

وجہ: (۱) ماقبل کی روایت یہ ہے) **عن عبد الله بن عمر حدثاه عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوه فان شدة الحر من فیح جھنم** (بخاری شریف، باب الابراد بالظھر فی شدة الحر ص۷۶ نمبر ۵۳۳/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر الظھر فی شدة الحر، ص۴۰، نمبر ۱۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی ہو تو ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے

(۱۹۴)وتاخیر العصر مالم تتغیر الشمس فی الصیف و الشتاء ﴾ ل لما فیه من تکثیر النوافل لکراھتها بعده

---

(۲) حضرت انس کی روایت یہ ہے۔ سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة . (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص۱۲۴ کتاب الجمعة نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔

(۳) سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اسکے لئے ایک روایت یہ بھی ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حین زاغت الشمس فصلی الظهر . (بخاری شریف، باب وقت الظہر عند الزوال ص ۷۷ نمبر ۵۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی ہو تو نماز جلدی پڑھی جائے۔

ترجمه: (۱۹۴) عصر مؤخر کرے جب تک سورج میں زردی نہ آجائے۔ چاہے گرمی میں ہو چاہے سردی میں۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول الله ﷺ الی المدینة فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیة (ابوداؤد شریف، باب فی وقت صلوة العصر ص ۶۵ نمبر ۴۰۸) (۲) دوسری حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ورأیته یصلی العصر والشمس مرتفعة بیضاء قبل ان تدخلها الصفرة ۔(دار قطنی ، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ اس صورت میں نوافل کی کثرت ہے، اسلئے کہ نوافل اسکے بعد مکروہ ہے۔

تشریح: عصر کو موءخر کر کے پڑھنے کی وجہ بتا رہے ہیں کہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے، اسلئے عصر کو موءخر کر کے پڑھے تا کہ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ سکے۔ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة قال : نهى رسول الله ﷺ عن صلاتين : بعد الفجر حتى تطلع الشمس ، و بعد العصر حتى تغرب ۔(بخاری شریف، باب لا تتحری الصلاة قبل غروب الشمس، ص ۸۲، نمبر ۵۸۸ / مسلم شریف ، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا، ص ۳۳۳ نمبر ۸۲۵ / ۱۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہے۔ اسلئے عصر تاخیر سے پڑھے تا کہ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ سکے۔ تا کہ عصر سے پہلے سنن اور نوافل پڑھ سکے۔ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکیں گے۔

۲ والمعتبر تغير القُرص وهو ان يصير بحال لاتحار فيه الاعيُن هو الصحيح والتاخير اليه مكروه (۱۹۵) ويستحب تعجيل المغرب

ترجمه : ۲ اوراعتبار ٹکیے کا بدلنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اس حال میں ہو کہ آنکھیں اس پر نہ چوندھیاویں، یہی صحیح ہے، اور وہاں تک تاخیر مکروہ ہے۔

تشریح : عصر کو موءخر کرنا افضل تو ہے لیکن اتنی تاخیر افضل ہے کہ سورج کے ٹکیہ پر زردی نہ آجائے وہاں تک موءخر کرنا افضل ہے لیکن اگر سورج کے ٹکیے پر زردی آگئی، اوراس پر نظر جمائیں تو اب آنکھیں نہ چوندھیائیں تو یہاں تک موءخر کرنا مکروہ ہے صحیح یہی ہے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔

وجه: (۱) سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ورأیته یصلی العصر والشمس مرتفعة بیضاء قبل ان تدخلها الصفرة ۔(دارقطنی، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔(۲) قال : دخلنا علی انس بن مالک بعد الظهر فقام یصلی العصر ....تلک صلوة المنافقین ، یجلس أحدهم حتی اذا اصفرت الشمس ، فکانت بین قرنی شیطان أو علی قرنی الشیطان ، قام فنقر أربعا لا یذکر الله عز وجل فیها الا قلیلاً ۔(ابوداود شریف، باب وقت العصر، ص ۶۴، نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج زرد ہو جائے تو اس وقت منافق کی نماز ہوتی ہے اسلئے سورج زرد ہوتے وقت نماز مکروہ ہے۔ البتہ نماز ہو جائے گی۔اسلئے کہ ابھی وقت ہے۔(۳) دوسری حدیث بھی ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم العصر فانه وقت الی أن تصفر الشمس (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲ رترمذی شریف، باب ما جاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث میں سورج زرد ہونے تک مستحب وقت بتایا ہے۔

ترجمه: (۱۹۵) مغرب کو جلدی پڑھنا (مستحب ہے)۔

وجه: (۱) اوپر کی حدیث میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں مغرب کی نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں مغرب کی نماز پڑھنا مستحب ہے اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین .... ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصائم .... ثم صلی المغرب لوقته الاول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ما جاء

ا لان تاخيرهامكروه لمافيه من التشبه باليهود ٢ وقال عليه السلام لا تزال امتى بخير ماعجلوا المغرب واخر والعشاء (۱۹۶)وتاخير العشاء الى ماقبل ثلث الليل ﴾ ا لقوله عليه السلام لولا ان اشقّ علىٰ امتى لاخرت العشاء الى ثلث الليل ٢ ولان فيه قطع السمر المنهى عنه بعده

مواقيت الصلوة عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوة نمبر ۱۴۹ /ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز سورج ڈوبتے ہی پڑھے۔(۲) حدیث میں ہے فقام اليه ابو ايوبؓ ... وقال اما سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تزال امتى بخير او قال على الفطرة مالم يؤخروا المغرب الى ان تشتبک النجوم ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸ /ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب، ص ۹۷، نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔

لغت: قرص: سورج کا ٹکیہ۔ تحار: آنکھ کا چوندھیانا، حیران سے مشتق ہے۔ اعین: عین کی جمع ہے۔ آنکھ

ترجمہ: ا اسلئے کہ مغرب کا موخر کرنا مکروہ ہے ، اسلئے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہ ہے۔

تشریح : یہود تاخیر کر کے عبادت کرتے ہیں، اسلئے اگر ہم بھی تاخیر کر کے مغرب کی نماز پڑھیں تو یہود کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی اسلئے جلدی سے مغرب کی نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ٢ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی جب تک مغرب جلدی پڑھتی رہے گی، اور عشاء موخر کر کے پڑھتی رہے گی۔۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ :(۱۹۶) عشاء کو تہائی رات سے پہلے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ، اگر امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو عشاء کو تہائی رات تک موخر کرتا ۔

وجہ : اوپر کی حدیث یہ ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق على امتى لامرتهم ان يؤخروا العشاء الى ثلث الليل او نصفه ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی تاخیر العشاء الآخرۃ ص ۴۲ نمبر ۱۶۷ /ابوداؤد شریف، باب ما وقت العشاء الآخرۃ ص ۶۶ نمبر ۴۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ عام حالات میں تہائی رات، رات کا دس بجے گا، دیہات کے لوگ اس وقت سونا چاہتے ہیں۔

ترجمہ: ٢ اور اسلئے کہ اس صورت میں گپ شپ کو منقطع کرنا ہے جو عشاء کے بعد روکا گیا ہے۔

حدیث یہ ہے۔ عن ابی برزة أن رسول الله ﷺ كان يكره النوم قبل العشاء و الحديث بعدها . (بخاری شریف ، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء، ص ۸۰، نمبر ۵۶۸ /ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ النوم قبل العشاء والسمر بعدھا، ص ۴۲ نمبر

۳؎ وقیل فی الصیف تعجل کیلاتتقلل الجماعة ۴؎ والتاخیر الیٰ نصف اللیل مباح لان دلیل الکراھة وھو تقلیل الجماعة عارضۂ دلیل الندب وھو قطع السمر بواحد فیثبت الاباحة الی النصف

---

۱۶۸)اس حدیث میں ہے کہ عشاء کے بعد گپ شپ کرنا مکروہ ہے اسلئے عشاء کو موءخر کر کے پڑھے تا کہ عشاء کے بعد فورا سو جائے اور گپ شپ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ترجمہ: ۳؎ اور یہ بھی کہا گیا کہ گرمی میں جلدی کرے تا کہ جماعت کی قلت نہ ہو۔

تشریح : گرمی میں سورج دیر سے ڈبتا ہے اور آدمی جلدی سونا چاہتا ہے۔اب اگر عشاء کی نماز کافی دیر کر کے پڑھے تو جماعت میں لوگ کم شریک ہونگے ،اسلئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ گرمی کے زمانے میں عشاء کی نماز تھوڑی جلدی کر کے پڑھے۔اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔**سألنا جابر بن عبد الله عن صلوة النبی ﷺ فقال : کان النبی ﷺ یصلی الظھر بالھاجرة ، و العصر و الشمس حیة ، و المغرب اذا وجبت ، و العشاء اذا کثر الناس عجل ، و اذا قلوا تأخر ، و الصبح بغلس** ۔(بخاری شریف، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس أو تأخروا،ص ۸۰،نمبر ۵۶۵) اس حدیث میں ہے کہ لوگ زیادہ جمع ہو جاتے تو عشاء جلدی پڑھتے ،اور کم ہوتے تو تاخیر کرتے تا کہ لوگ کثرت سے جمع ہو جائے ،اس سے معلوم ہوا کہ نماز تھوڑی مقدم یا موءخر کرنے میں لوگوں کے جمع ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔بشرطیکہ مکروہ وقت میں نہ چلا جائے۔

ترجمہ: ۴؎ اور آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ہے،اسلئے کہ مکروہ ہونے کی دلیل جماعت کا کم ہونا ہے۔اور آدھی رات تک مستحب ہونے کی دلیل اسکے معارض ہے،اور وہ ہے کہ بالکلیہ گپ شپ بند ہو جائے ،اسلئے آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ثابت ہوا۔

تشریح :تہائی رات تک عشاء کی نماز موءخر کرنا مستحب ہے اور آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ہے، یہاں دو قسم کی دلیلیں ہیں ۔آدھی رات تک موءخر کرے گا تو رات کے دس بجے اور بارہ بجے کے درمیان ہوگا اسلئے اسکے بعد گپ شپ کا کوئی موقع نہیں رہے گا ہر آدمی سونا چاہے گا ،اسلئے گپ شپ مکمل ختم کرنے کے لئے آدھی رات تک موءخر کرنا مستحب ہونا چاہئے ۔لیکن اس وقت کافی آدمی سو چکے ہونگے اسلئے جماعت میں بہت کمی واقع ہو جائے گی ،اور اتنی تاخیر جس سے جماعت میں انتہائی کمی واقع ہو جائے مکروہ ہے۔اب مکروہ اور مستحب دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے ،اسلئے مستحب کے بجائے آدھی رات تک یعنی دس بجے کے بعد اور بارہ بجے سے پہلے پہلے تک موءخر کرنا مباح رہ گیا۔یہ دلیل عقلی ہے۔(۲) آدھی رات موءخر کرنے کے لئے حدیث یہ ہے۔**عن انس قال : أخر النبی ﷺ صلاة العشاء الی نصف اللیل ،ثم صلی ، ثم قال : قد صلی الناس و ناموا ، أما**

۵والی النصف الاخیر مکروہ لما فیہ تقلیل الجماعة وقد انقطع السمر قبلہ (۱۹۷)ویستحب فی الوتر لمن یألف صلوٰة اللیل اٰخر اللیل فان لم یثق بالانتباہ اوتر قبل النوم ﴾ ۱ لقولہ علیہ السلام من خاف ان لایقوم اٰخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم اٰخر اللیل فلیوتر اٰخر اللیل

انکم فی صلوة ما انتظر تموھا ۔(بخاری شریف، باب وقت العشاء الی نصف اللیل، ص۸۱، نمبر ۵۷۲ رمسلم شریف، باب وقت العشاء وتأخیرھا، ص ۲۲۸، نمبر ۶۴۰/۱۴۴۹) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے آدھی رات تک عشاء موءخر کی، پھر آپؐ نے نماز کے بعد جومعذرت پیش کی کہ لوگ سوگئے اورتم لوگ ابھی نماز میں ہو،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات تک موءخر کرنا صرف مباح ہے مستحب نہیں ہے، پھراس کومستحب قرار دیں تو بارہ بجے تک کون جگے گا!

ترجمه: ۵ اورنصف آخیر تک موءخر کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ اس میں جماعت کا کم ہونا ہے،اور گپ شپ کرنا تو اس سے بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔

تشریح : نصف آخیر رات کے بارہ بجے کے بعد سے شروع ہوگا،اس وقت نماز عشاء پڑھے گا تو بہت کم لوگ شریک ہوسکیں گے جو مکرہ ہے،اور گپ شپ کرنا تو بہت پہلے ختم ہو چکا ہے،اسلئے بارہ بجے کے بعد نماز عشاء پڑھنا مکروہ ہے،البتہ چونکہ وقت باقی ہے اسلئے نماز ادا ہی ہوگی

لغت : ثلث اللیل: تہائی رات، پوری رات کو بارہ گھنٹہ مانیں تو تہائی رات مغرب کے بعد چار گھنٹہ ہوگا،اور تقریبا دس بجے رات ہوگی۔السمر :رات میں گپ شپ لگانا۔ندب: مستحب،افضل۔مباح: جائز تو ہولیکن افضل نہیں۔

ترجمه: (۱۹۷) وتر میں مستحب اس شخص کے لئے جس کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو یہ ہے کہ موٴخر کرے رات کے اخیر حصہ تک،اور اگر اعتماد نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھے سونے سے پہلے۔

ترجمه: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جسکو خوف ہو کہ آخیر رات میں نہ اٹھ سکے تو وہ شروع رات میں وتر پڑھ لے، اور جسکو امید ہو کہ آخیر رات میں اٹھ جائے گا تو آخیر رات میں وتر پڑھے۔

تشریح : جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو وہ وتر رات کے اخیر حصہ میں پڑھے۔اور جسکو جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے۔

وجه: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوة آخر اللیل مشھودة و ذلک افضل. (مسلم شریف، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ،ص ۲۵۸ ،نمبر ۷۵۵/۱۷۶۶/ابن ماجہ، باب ما جاء فی الوتر آخر اللیل، ص ۱۶۶، نمبر

(۱۹۸) واذا كان يوم غيم فالمستحب فی الفجر والظهر والمغرب تاخيرها فی العصر والعشاء تعجيلها ﴿ ل لان فی تاخير العشاء تقليل الجماعة علىٰ اعتبار المطر وفی تاخير العصر توهم الوقوع فی الوقت المكروه ولا توهم فی الفجر لان تلك المدة مديدة

۱۱۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر اخیر میں پڑھنا چاہئے۔لیکن اگر سو جانے کا خطرہ ہو تو سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔

لغت: یثق بالانتباہ : جاگنے پر اعتماد ہو۔یألف:جسکو الفت ہو،امید ہو۔طمع:لالچ ہو،امید ہو۔

ترجمہ : (۱۹۸) اگر بادل کا دن ہو تو فجر،اور ظہر اور مغرب میں مستحب ہے کہ اسکو موءخر کرے،اور عصر اور عشاء میں اسکو جلدی کرے۔

تشریح :اس مسئلے کا تعلق اس بات پر ہے کہ جن عذروں سے جماعت میں کمی واقع ہوتی ہو وہ موجود ہوں تو وقت کے اندر رہتے ہوئے تاخیر کے ساتھ یا جلدی نماز پڑھنا مستحب ہے تاکہ جماعت میں مصلی کی کثرت ہو۔اب بادل کا دن ہو تو فجر اور ظہر،اور مغرب میں تاخیر کر کے نماز پڑھے تاکہ بارش کے باوجود زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو سکے

وجہ : اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے (۱)**عن جابر قال : كنا مع النبی ﷺ فی سفر فأصابنا مطر فقال النبی ﷺ : من شاء فليصل فی رحله** ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء اذا کان المطر فالصلاۃ فی الرحال،ص۹۴ نمبر ۴۰۹) اس حدیث میں بارش کی وجہ سے اپنی منزل پر نماز پڑھنے کے لئے کہا تو جماعت کی کمی کی وجہ سے مقدم موءخر بھی کیا جا سکتا ہے۔(۲) **سمعت انس بن مالک يقول كان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بكر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة يعنی الجمعة** . (بخاری شریف،باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص۱۲۴ کتاب الجمعۃ نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔اسی سے یہ قاعدہ نکلا کہ جس وقت میں جماعت زیادہ ہو اس وقت میں نماز پڑھے۔ اور عصر اور عشاء میں جلدی کر کے نماز پڑھے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ عشاء میں تاخیر کرے گا تو بارش کی وجہ سے لوگ نہیں آئیں گے اسلئے عشاء میں جلدی کرے۔اور عصر میں جلدی اسلئے کرے کہ تاخیر کرنے سے کہیں مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے اور بادل کی وجہ سے آدمی کو پتہ بھی نہ چلے۔حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔**عن بريدة الاسلمی قال : كنا مع رسول الله ﷺ فی غزوة فقال : بكروا بالصلوة فی اليوم الغيم فانه من فاتته صلاة العصر حبط عمله** ۔(ابن ماجہ شریف،باب میقات الصلاۃ فی الغیم،ص ۹۸،نمبر ۶۹۴) اس حدیث میں ہے کہ بادل کے دن عصر کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے،تاخیر کی وجہ سے کہیں نماز فوت ہی نہ ہو جائے،یا مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ عشاء کو موءخر کرنے میں جماعت کی کمی ہوگی بارش کی وجہ سے،اور عصر کو موءخر کرنے میں مکروہ وقت میں

۲؎ وعن ابی حنیفةؒ التاخیر فی الکل للاحتیاط الا تری انه یجوز الا داء بعد الوقت لاقبل

داخل ہونے کا وھم ہے،اور فجر میں کوئی وھم نہیں ہے اسلئے کہ یہاں وقت لمبا ہے۔

تشریح : یہ نماز موءخر اور مقدم کرنے کی دلیل ہے۔کہ عشاء کو موءخر کریں تو بارش کی وجہ سے جماعت میں کمی واقع ہوگی اسلئے بادل کے دن عشاء کو جلدی پڑھیں۔اور عصر کو جلدی اسلئے کریں کہ کہیں مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے۔اور فجر کا وقت لمبا ہے اسلئے موء خر کرنے سے مکروہ وقت میں داخل ہونے کا خطرہ کم ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ احتیاط کے لئے تمام نمازوں میں تاخیر مستحب ہے،کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ وقت کے بعد ادا جائز ہے اس سے پہلے نہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بادل کے دن تمام نمازوں کو موءخر کر کے پڑھے،اسکی وجہ یہ ہے کہ جلدی کر نے میں جماعت کی کمی ہوگی،زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ بادل کی وجہ سے وقت نکل جائے گا اور آدمی کو پتہ نہیں چلے گا ۔لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے،کیونکہ وقت نکلے گا تو نماز قضا ہو جائے گی،اور مان لیا جائے کہ بادل کی وجہ سے وقت سے پہلے پڑھ لیا تو نماز ہی نہیں ہوگی،اسلئے تمام نمازوں میں موءخر کرنا مستحب ہے۔

CLIPART\DAF.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ﴾

(۱۹۹) لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عندقیامھا فی الظھیرۃ ولاعند غروبھا ﴾ ۱؎ لحدیث عقبۃبن عامرؓ قال ثلثۃ اوقات نھانارسول اللّٰہ علیہ السلام ان نصلی وان نقبرفیھا موتاناعندطلوع الشمس حتی ترتفع وعندزوالھاحتی تزول وحین تضیّف للغروب حتی تغرب ۲؎ والمراد بقولہٖ وان نقبر صلوٰۃ الجنازۃ لان الدفن غیر مکروہ

﴿فصل فی الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوۃ﴾

ترجمہ: (۱۹۹) نماز جائز نہیں ہے آفتاب کے طلوع ہوتے وقت، اور نہ ٹھیک دوپہر کے وقت، اور نہ اسکے غروب ہوتے وقت۔

ترجمہ: ۱؎ عقبہ بن عامر کی حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ تین اوقات میں ہمیں رسول اللہؐ نے روکا ہے کہ ہم اس میں نماز پڑھیں اور اپنے مردے کا نماز جنازہ پڑھیں: سورج طلوع ہوتے وقت، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، اور ٹھیک دوپہر کے وقت میں یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے، اور غروب کے لئے جائے، جب تک کہ غروب نہ ہو جائے۔

تشریح :ان تین اوقات میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے اور نماز جنازہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ان اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

وجہ : حدیث یہ ہے ۔ **سمعت عقبة بن عامر الجهني يقول : ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن ، أو أن نقبر فيهن موتانا : حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع ، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس ،و حين تضيّف الشمس للغروب حتى تغرب** (مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ، ص ۳۳۴، نمبر ۱۹۲۹/۸۳۱/ ابو داود شریف، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبھا، ص ۴۶۶، نمبر ۳۱۹۲/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں، اگر مسلمان نماز پڑھے تو شبہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی سورج کی پوجا کر رہے ہیں اسلئے مسلمانوں کو ان اوقات میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

ترجمہ: ۲؎ اور حدیث میں **ان نقبر فيهن موتانا**، سے مراد نماز جنازہ ہے، اسلئے کہ دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : اوپر حدیث میں **ان نقبر فيهن مو تا نا** ہے، اس کا ترجمہ تو یہ ہوتا ہے کہ ان تین اوقات میں مردے کو دفن کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسلئے اس حدیث کا مطلب بیان فرما رہے ہیں کہ، اسکا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ

۳؎ والحدیث باطلاقه حجة علی الشافعیؒ فی تخصیص الفرائض بمکة ۴؎ وحجة علیٰ ابی یوسفؒ فی اباحة النفل یوم الجمعة وقت الزوال (۲۰۰) قالو لاصلوٰة جنازة ۱؎ لما روینا

وہ بھی نماز ہے، باقی مردے کو تو دفن کر سکتے ہیں۔ و قال ابن المبارک : معنی هذا الحدیث أن نقبر فیهن موتانا ، یعنی الصلاة علی الجنازة و کره الصلاة علی الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الصلاۃ علی الجنازۃ عند طلوع الشمس وعند غروبھا، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۰) اس اثر میں ہے کہ نقبر کا مطلب جنازے پر نماز پڑھنا مکروہ ہے

ترجمہ: ۳؎ اور حدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے فرض کے خاص کرنے میں مکہ مکرمہ میں۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہ میں بھی فرض پڑھ سکتا ہے۔

وجہ :انکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جبیر بن مطعم : أن النبی ﷺ قال : یا بنی عبد مناف ! لا تمنعوا أحداً طاف بهذ البیت و صلی أیة ساعة شاء من لیل و نهار ۔(سنن نسائی، باب اباحۃ الصلاۃ فی الساعات کلھا بمکۃ، ص ۸۰، نمبر ۵۸۶) اس حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں کسی وقت میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے اسلئے اوقات مکروہ میں فرض بھی پڑھ سکتا ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف حجت ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور امام ابو یوسفؒ پر حجت ہے نفل کے مباح قرار دینے میں جمعہ کے دن زوال کے وقت میں۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن نفل ٹھیک دوپہر کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔انکا استدلال اس حدیث سے ہے۔عن جابر بن عبد الله قال : کنا نصلی مع رسول الله ﷺ الجمعة ثم نرجع فنریح نواضحنا قلت : ایة ساعة ؟ قال : زوال الشمس ۔(سنن نسائی، باب وقت الجمعۃ، ص ۱۹۷، نمبر ۱۳۹۱) اس حدیث میں ہے کہ زوال کے وقت جمعہ پڑھتے تھے تو جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل بھی پڑھنا جائز ہے۔(۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن ابی قتادة أن النبی ﷺ نهی عن الصلاة نصف النهار الا یوم الجمعة لان جهنم تسعر کل یوم الا یوم الجمعة ۔(سنن بیہقی ، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ نصف النہار الخ، ج الثالث، ص ۲۷۴، نمبر ۵۶۸۸) اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھ سکتا ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف بھی حجت ہے۔

ترجمہ :(۲۰۰) ان تین اوقات میں نماز جنازہ بھی جائز نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی بنا پر جو ہمنے روایت کی۔

تشریح : ان تین اوقات مکروہ میں نماز جنازہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔ سمعت عقبة بن عامر

(۲۰۱) ولا سجدة تلاوة ﴿ لانها فی معنی الصلوٰة (۲۰۲) الا عصریومه عند الغروب ﴾

الجهنی يقول : ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلی فيهن ، أو أن نقبر فيهن موتانا : حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع ، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس ،و حين تضيّف الشمس للغروب حتى تغرب (مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ ،ص ۳۳۴ ،نمبر ۱۹۲۹/۸۳۱ /ابوداود شریف، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبھا ،ص ۴۶۶ ،نمبر ۳۱۹۲ /ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ ،ص ۲۴۹ ،نمبر ۱۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ وقت مکروہ میں قبر میں دفن نہ کریں ،یعنی نماز جنازہ نہ پڑھیں ۔لیکن اگر ان وقتوں میں نماز جنازہ پڑھ لی تو ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی ۔

ترجمہ: (۲۰۱) ان وقتوں میں سجدہ تلاوت بھی نہ کرے ۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ یہ بھی نماز کے معنی میں ہے ۔

وجہ :ان وقتوں میں سجدہ تلاوت بھی نہ کرے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ان وقتوں میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان اسکے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے ۔اسلئے اگر مسلمان ان وقتوں میں سجدہ تلاوت کرے تو چونکہ سجدہ ہے اسلئے ایسا محسوس ہو سکتا ہے کہ سورج کو سجدہ کر رہا ہے ،اسلئے ان وقتوں میں سجدہ تلاوت سے بھی منع فرمایا (۲) اس لمبی حدیث کے ٹکڑے میں اسکا ثبوت ہے ۔ قال عمرو بن عبسة السلمی ....فقلت : يا نبی الله !أخبرنی عما علمک الله و أجهله ، أخبرنی عن الصلاة ؟ قال : صل صلاة الصبح ، ثم اقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع ، فانها تطلع حين تطلع بين قرنی شيطان ، و حينئذ يسجد لها الكفار ، ثم صل ، فان الصلاة مشهودة محضورة ، حتى يستقل الظل بالرمح ، ثم أقصر عن الصلاة فان حينئذ تسجر جهنم ، فاذا اقبل الفیء فصل ، فان الصلاة مشهودة محضورة حتى تصلی العصر ، ثم اقصر عن الصلاة حتى تغرب الشمس فانها تغرب بين قرنی الشيطان و حينئذ يسجد لها الكفار ۔(مسلم شریف، باب اسلام عمرو بن عبسۃ ۔ابواب صلاۃ المسافرین ،ص ۳۳۴ ،نمبر ۱۹۳۰/۸۳۲ /سنن نسائی، باب النھی عن الصلاۃ بعد العصر ،ص ۷۹ ،نمبر ۵۷۳) اس حدیث میں ہے کہ اس وقت کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں اسلئے مسلمانوں کو سجدہ نہیں کرنا چاہئے ،چاہے سجدہ تلاوت ہی کیوں نہ ہو ۔

ترجمہ: (۲۰۲) مگر اس دن کی عصر سورج غروب ہوتے وقت ۔

تشریح : سورج غروب ہوتے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے ،لیکن اسی دن کی عصر ابھی نہیں پڑھی ہے تو آفتاب کے غروب کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے ،نماز ہو جائے گی البتہ چونکہ مکروہ وقت میں پڑھ رہا ہے اسلئے مکروہ ہوگی ۔

ل لان السبب ھو الجزء القائم من الوقت لانہ لوتعلق بالکل لوجب الاداء بعدہ ولوتعلق بالجزء

وجہ : (ا) حدیث میں ہے کہ غروب سے پہلے ایک رکعت بھی پایا تو گویا کہ نماز عصر پالی، اور یہ یقینی بات ہے کہ ایک رکعت کے بعد جب مزید تین رکعتیں پڑھنے جائے گا تو آفتاب غروب ہو چکا ہوگا، تو اسکا مطلب یہ نکلا کہ عصر کی باقی تین رکعتیں غروب کے وقت پڑھنا جائز ہے، اسلئے اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوا کہ اس دن کی عصر سورج کے غروب کے وقت بھی پڑھنا جائز ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ، ص ۸۲، نمبر ۵۷۹ / ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) اس حدیث میں ہے کہ غروب سے پہلے ایک رکعت پالے تو عصر پالی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ غروب کے وقت عصر پڑھنا جائز ہے (۲) قال : دخلنا علی انس بن مالک بعد الظھر فقام یصلی العصر ....تلک صلوۃ المنافقین ، یجلس أحدھم حتی اذا اصفرت الشمس ، فکانت بین قرنی شیطان أو علی قرنی الشیطان ، قام فنقر أربعا لا یذکر اللہ عز و جل فیھا الا قلیلاً ۔(ابوداود شریف، باب وقت العصر، ص ۶۴، نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج شیطان کے سینگ کے درمیان ہوتا ہے اور منافق عصر کی نماز پڑھتا ہے، اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ سورج ڈوبنے جا رہا ہے، کیونکہ ڈوبنے کے وقت ہی سورج شیطان کے سینگ کے درمیان ہوتا ہے، اور اس وقت منافق کی نماز ہو جاتی ہے، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس دن کی عصر غروب کے وقت بھی ہو جائے گی۔البتہ یہ منافق کی نماز ہے اور وقت مکروہ میں ہے اسلئے نماز بہرحال مکروہ ہوگی۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ عصر کی نماز میں آخیر میں مکروہ وقت ہوتا ہے اور یہی وقت نماز کا سبب بنا، تو چونکہ مکروہ وقت نماز کا سبب بنا اسلئے غروب کے وقت مکروہ نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی۔

نوٹ : اس دن کی عصر کی نماز کے علاوہ کوئی اور نماز غروب کے وقت پڑھے گا تو روکنے والی حدیث کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔

چونکہ اس حدیث سے اوپر کی حدیث۔من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ، ص ۸۲، نمبر ۵۷۹ / کی تائید ہوتی ہے کہ عصر کی نماز ہو جائے گی اسلئے حنفیہ عصر کی نماز کے بارے میں قائل ہوئے کہ ہو جائے گی ، اور فجر کے بارے میں کوئی تائید نہیں ہوئی اسلئے فجر کے بارے میں یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع کے وقت اسی دن کی فجر پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ نماز کا سبب وقت کا وہ جز ہے جو ابھی موجود ہے، اسلئے کہ اگر سبب پورے وقت کے ساتھ متعلق ہوتو ادا کرنا

الماضی فالمؤدی فی اٰخر الوقت قاض واذا کان کذلک فقد اداھا کما وجبت

وقت کے بعد واجب ہونا چاہئے ،اور اگر گزرے ہوئے وقت کے ساتھ سبب متعلق ہوتو جو آخری وقت میں ادا کرنے والا ہوگا وہ قضا کرنے والا ہوگا ۔اور جب ایسا ہے تو جیسا واجب ہوا ویسا ادا کر دیا۔

تشریح : غروب کے وقت میں اس دن کی عصر ادا کرے تو وہ ادا ہو جائے گی اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔عصر میں تین قسم کا وقت ہے (١) سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے تک بہتر اور افضل وقت ہے (٢) اور سورج کے زرد ہونے کے بعد سے غروب ہونے سے پہلے پہلے تک مکروہ وقت ہے، (٣) اور سورج غروب ہونے کے وقت فساد کا وقت ہے۔

ایک اور قاعدہ یاد رکھنے کی ہے۔کہ نماز واجب ہونے کا سبب نماز شروع کرنے سے پہلے جو اس سے متصل وقت ہے وہ اسکا سبب ہے۔اگر وہ وقت مکروہ ہو، تو مکروہ واجب ہوگا اور مکروہ ہی ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔پورا وقت وہ بھی سبب نہیں ہے۔اور نماز سے دس منٹ پہلے جو وقت ہے وہ بھی سبب نہیں ہے۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر پورا وقت سبب ہوتو پورا وقت گزرنے کے بعد ہمیشہ نماز پڑھنی چاہئے ، کیونکہ سبب آنے کے بعد ہی مسبب واجب ہوتا ہے، حالانکہ لوگ وقت کے بعد نماز نہیں پڑھتے بلکہ وقت کے درمیان ہی نماز پڑھتے ہیں۔اسلئے پورا وقت نماز کا سبب نہیں ہے۔اور نماز سے دس منٹ پہلے جو وقت گزر گیا ہے وہ وقت بھی سبب نہیں ہے، اسلئے کہ مثلا تین بجے ظہر کا وقت ختم ہو رہا ہو اور کسی نے دو بجکر پچپن منٹ پر نماز شروع کی تو وہ نماز ادا نہیں قضا ہونی چاہئے کیونکہ سبب پانچ منٹ پہلے گزر چکا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ ادا ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز پہلے جو وقت گزر گیا ہے وہ بھی اسکا سبب نہیں ہے، بلکہ نماز سے جو وقت متصل ہے وہ اسکا سبب ہے۔۔اور جب نماز پہلے جو متصل وقت ہے وہ اسکا سبب ہے، تو سورج کے غروب سے پہلے مکروہ وقت ہے، وہ مکروہ وقت نماز عصر کے واجب ہونے کا سبب بنا، اور مکروہ وقت سبب بنا اسلئے مکروہ اور فساد کے وقت، یعنی غروب کے وقت میں ادا کر دیا تو نماز عصر ادا ہوگئی۔اسلئے اس دن کی عصر غروب کے وقت ادا کرے گا تو نماز ہو جائے گی۔۔اصل تو اوپر کی حدیث ہے جس سے نماز ادا ہوئی۔

نوٹ : فجر کا پورا وقت کامل ہے، اسکے آخیر میں مکروہ وقت نہیں ہے اسلئے اگر چہ یہ حدیث ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت سورج کے طلوع سے پہلے پایا اس نے فجر پالی اسکے باوجود سورج نکلتے وقت فجر پڑھے گا تو فجر فاسد ہو جائے گی، اسلئے کہ اسکا پورا وقت کامل ہے اسلئے کامل ہی ادا کرنا ہوگا۔پھر عصر کی نماز صحیح ہونے میں جو اوپر حدیث گزری وہ فجر کی نماز کے بارے میں نہیں ہے اسلئے یہاں فاسد ہو جائے گی۔فجر کے سلسلے میں یہ حدیث گزری. **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر** (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ ،ص ٨٢، نمبر ٥٧٩ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک

۲ بخلاف غیرها من الصلوات لانها وجبت کاملة فلا تتاذّی بالناقص ۳ قالؒ والمراد بالنفی المذکور فی صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ الکراهة حتی لو صلاها فیه او تلا سجدۃ فیه وسجدها جاز لانها ادیت ناقصة کما وجبت اذا لوجوب بحضور الجنازۃ والتلاوۃ

رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۹۵ نمبر ۱۸۶) فجر کے سلسلے میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا سورج کے طلوع ہونے سے کوئی بالغ ہوا، یا حائضہ پاک ہوئی تو ان پر فجر کی نماز واجب ہو جائے گی

ترجمہ: ۲ بخلاف اسکے علاوہ اور نمازوں کے اسلئے کہ وہ کامل واجب ہوئی ہے تو ناقص کے ذریعہ ادا نہیں کی جائے گی۔

تشریح: عصر کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں ان سبھوں کا وقت پورا پورا کامل ہے، اسلئے کامل ہی ادا کرنا ہوگا مکروہ وقت میں ادا کرے گا تو ادا نہیں ہوگا۔ مثلا فجر کا وقت پورا کامل ہے اسلئے سبب کامل ہوا، اسلئے ناقص وقت میں، یعنی سورج کے طلوع ہوتے وقت میں نماز پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ مصنف نے فرمایا کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کے بارے میں جو اوپر نفی مذکور ہوئی اس سے مراد کراہیت ہے، یہاں تک کہ اگر اس وقت میں نماز جنازہ پڑھ لیا، یا سجدے کی آیت اس وقت میں تلاوت کی اور اسی میں سجدہ کر لیا تو جائز ہے، اسلئے کہ ناقص ادا کی جیسا کہ ناقص واجب ہوا تھا۔ اسلئے کہ نماز واجب ہوتی ہے جنازے کے حاضر ہونے سے، اور سجدہ واجب ہوتا ہے تلاوت کرنے سے۔

تشریح : اوپر گزرا کہ ان اوقات مکروہ میں نماز جنازہ جائز نہیں ہے اور نہ سجدہ تلاوت جائز ہے، اور اسکے لئے حدیث پیش کی، تو اسکا مطلب بتلاتے ہیں کہ جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مکروہ ہیں، چنانچہ اگر کسی نے اوقات مکرہ میں نماز جنازہ پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی ، یا اوقات مکروہ میں آیت سجدہ تلاوت کی اور اسی وقت مکروہ میں سجدہ بھی کر لیا تو سجدہ ہو جائے گا البتہ مکروہ ہوگا۔

وجہ : نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب جنازہ آجاتا ہے تب نماز جنازہ واجب ہوتی ہے اور وہ آیا کروہ وقت میں تو مکروہ وقت نماز کا سبب بنا اسلئے مکروہ وقت ہی میں ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا، کیونکہ ناقص واجب ہو تو ناقص ادا کر دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔ (۲) حدیث میں اسکی تاکید ہے کہ جنازہ تیار ہو جائے تو جلدی نماز پڑھ کر دفن کرو اسلئے مکروہ وقت میں جنازہ آگیا تو مکروہ وقت ہی میں

نماز پڑھ کر دفن کر دینا جائز ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ بن أبی طالب، أن النبی ﷺ قال له : یا علی ، ثلاث لا

(۲۰۳)ویکرہ ان یتنفل بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب﴾ ۱؎ لما روی انه علیه السلام نھی عن ذٰلک (۲۰۴)ولا بأس بان یصلی فی ھذین الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوۃ ویصلی علی الجنازۃ﴾

توخرھا : الصلاۃ اذا آنت ، و الجنازۃ اذا حضرت ، و الایم اذا وجدت لھا کفوا ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل،ص۴۲،نمبر۱۷۱)اس حدیث میں ہے کہ جنازہ آجائے تو جلدی نماز پڑھ دو۔

اسی طرح سجدہ تلاوت کا سبب آیت سجدہ کا تلاوت کرنا ہے۔پس اگر مکروہ وقت میں تلاوت کی تو مکرہ وقت ہی سبب بنا اسلئے مکروہ وقت میں ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔البتہ مکروہ ہوگا۔(۲) پھر یہ کہ آیت سجدہ مکمل نماز نہیں ہے اسلئے بھی سجدہ کرنا جائز ہوگا۔

اصول : مکروہ وقت سبب بنے تو مکروہ وقت میں ادا کی جاسکتی ہے۔اور صحیح وقت سبب بنے تو صحیح وقت میں ہی ادا کرنا ہوگا۔

ترجمہ : (۲۰۳) اور مکروہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد نفل پڑھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے،اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس نماز سے روکا ہے۔

تشریح : صبح کے فرض کے بعد سورج طلوع ہونے تک نفل نماز مکروہ ہے اسی طرح عصر کے فرض کے بعد سورج غروب ہونے تک نفل نماز مکروہ ہے۔اسلئے کہ حضور ﷺ نے اس سے روکا ہے۔حدیث یہ ہے۔

وجہ : عن ابن عباس....أن النبی ﷺ نھی عن الصلاۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس ، و بعد العصر حتی تغرب (بخاری شریف، باب الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس،ص۸۲،نمبر۵۸۱رمسلم شریف، باب اسلام عمرو بن عبسۃ،ص ۳۳۴،نمبر۸۳۲ر۱۹۳۰) اس حدیث میں ہے کہ صبح کی فرض نماز کے بعد نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے،اور عصر کی فرض کے بعد نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

ترجمہ: (۲۰۴) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نماز پڑھیں،اور سجدہ تلاوت کریں،اور جنازے پر نماز پڑھیں۔

تشریح : اوپر بتایا کہ ان دو وقتوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر پہلے کے فرائض قضا ہوں، یا نماز جنازہ ہو، یا کوئی واجب نماز ہو، یا سجدہ تلاوت ہو، یا کوئی ایسی نماز ہو جسکا سبب واجب ہو، جیسے نذر کی نماز، یا طواف ختم کرنے کی وجہ سے رکعت طواف جو واجب ہے۔تو ان تمام نمازوں کو فجر کے فرض کے بعد،اور عصر کے فرض کے بعد پڑھ سکتا ہے۔

وجہ :(۱)حدیث میں ہے کہ ظہر کے بعد جو دو رکعت سنت پڑھتے تھے وہ چھوٹ گئی تو آپؐ نے اسکو عصر کے بعد پڑھی کیونکہ ظہر

۱؎ لان الکراھۃ کانت لحق الفرض لیصیر الوقت کالمشغول بہ لالمعنی فی الوقت ۲؎ فلم تظھرفی حق الفرائض وفیھا وجب لعینہ کسجدۃ التلاوۃ، وظھرفی حق المنذور لانہ تعلق وجوبہ بسبب من جھتہ وفی حق رکعتی الطواف وفی الذی شرع فیہ ثم افسدہ لان الوجوب لغیرہ وھو ختم الطواف وصیانۃ المؤدّی عن البطلان

کی سنت کی اہمیت تھی تو اسکو عصر کے بعد پڑھی، جس سے معلوم ہوا کہ اہم اور واجب نماز فجر اور عصر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن کریب مولی ابن عباس ....قالؑ : یا ابنۃ أبی أمیۃ ! سألت عن الرکعتین بعد العصر ، انہ أتانی أناس من بنی عبد القیس بالاسلام من قومھم ، فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظھر ، فھما ھاتان** ۔(مسلم شریف، باب معرفۃ الرکعتین اللتین کان یصلیھما النبی ﷺ بعد العصر، ص ۳۳۶، نمبر ۱۹۳۳/۸۳۴/ بخاری شریف ، باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا، ص ۸۳، نمبر ۵۹۰) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی سنت قضا کے طور پر آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی ہے۔جس سے اندازہ ہوا کہ فرائض اور واجبات فجر اور عصر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے۔(۲) ایک اور حدیث ہے **عن عائشۃ قالت : ما ترک رسول اللہ ﷺ رکعتین بعد العصر عندی قط** (مسلم شریف، باب معرفۃ الرکعتین اللتین کان یصلیھما النبی ﷺ بعد العصر، ص ۳۳۶، نمبر ۸۳۴/ ۱۹۳۵/ بخاری شریف، باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا، ص ۸۳، نمبر ۵۹۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ اسباب واجبہ والی نماز عصر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ کراہیت فرض کے حق کے لئے ہے تا کہ وقت فرض کے ساتھ مشغول کی طرح ہو جائے، وقت میں کسی کراہیت کے معنی کی وجہ سے نہیں ۔

تشریح : عصر اور فجر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور فرائض اور واجبات مکروہ نہیں ہیں اسکی یہ دلیل عقلی ہے ۔قاعدہ یہ ہے کہ فرض پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے تو ایسا سمجھو کہ وہ ابھی بھی فرض پڑھنے میں ہی مشغول ہے، اور فرض پڑھنے میں مشغول ہونا یہ اعلی درجہ ہے۔اب اگر نفل پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو گویا کہ ادنی درجہ میں مشغول ہو گیا، اسلئے ادنی درجہ میں مشغول ہونے سے روکا گیا ہے اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔لیکن اگر واجبات اور فرائض میں مشغول ہوا تو یہ بھی اعلی درجہ ہی ہوا اسلئے واجبات اور فرائض میں مشغول ہو سکتا اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔تاہم خود وقت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے فرض کے حق میں نہیں ظاہر ہوگا، اور اس میں بھی ظاہر نہیں ہوگا جو واجب لعینہ ہو جیسے سجدہ تلاوت، اور ظاہر ہوگا (۱) نذر کے حق میں، اسلئے کہ اسکے وجوب کا تعلق ایسے سبب سے ہے جو اپنی جانب سے ہے، (۲) طواف کے دو رکعت کے حق

میں، (۳) اور اس نفل میں جو شروع کیا ہو پھر اسکو فاسد کر دیا ہو اسلئے کہ وجوب غیر کی وجہ سے ہے، اور وہ ہے طواف کو ختم کرنا، اور ادا کئے ہوئے کو باطل ہونے سے بچانا۔

تشریح : یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وجوب بھی دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ جو شریعت کی جانب سے واجب ہوا ہو جیسے فرائض، واجبات، نماز جنازہ، کہ جنازہ آنے کی وجہ سے شریعت نے واجب کی کہ نماز جنازہ پڑھو، یا سجدہ تلاوت، کہ تلاوت کرنے کی وجہ سے شریعت نے سجدہ واجب کیا، تو ایسی چیز جو شریعت نے واجب کی ہو فجر اور عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ نہیں ہے ۔لیکن ایسی عبادت جو اپنی طرف سے واجب کیا ہو اسکو فجر اور عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ ہوگا، کیونکہ یہ وجوب شریعت کی جانب سے نہیں ہے اپنی جانب سے ہے جو حقیقت میں نفل کے درجے میں ہے۔ مثلا (۱) نذر مانی کہ عصر کے بعد، یا فجر کے بعد دو رکعت پڑھونگا، اب نذر ماننے کی وجہ سے یہ دو رکعتیں واجب ہیں، لیکن اسکا پڑھنا مکروہ ہوگا، اسلئے کہ حقیقت میں وہ دو رکعتیں نفل تھیں، اسکے نذر ماننے کی وجہ سے واجب ہوئی۔ (۲) یا طواف عصر کی نماز کے بعد ختم کیا ،تو اس پر طواف کی دو رکعت واجب ہوئی، لیکن عصر کے بعد اسکا پڑھنا مکروہ ہو گا، اسلئے وہ دو رکعتیں حقیقت میں نفل ہیں اسکے طواف کی وجہ سے واجب ہوئی ہے ، یہ وجوب شریعت کی جانب سے نہیں ہے بلکہ خود اپنی جانب سے ہے، (۳) یا عصر کے بعد، یا فجر کے بعد نفل شروع کی پھر اسکو توڑ دیا، تو اب ٹوٹے ہوئے نماز کو ادا کرنا واجب ہو گیا، اسکو عصر کے بعد یا فجر کے بعد ادا کرنا مکروہ ہوگا، اسلئے کہ یہ حقیقت میں نفل ہے، نماز توڑ کر اپنی جانب سے اسکو واجب کیا ہے اسلئے عصر اور فجر کے بعد اسکا ادا کرنا مکروہ ہے۔

اصول : شریعت کی جانب سے وجوب تو عصر اور فجر کے بعد اسکا ادا کرنا مکروہ نہیں، اور اپنی جانب سے وجوب ہو تو اسکا ادا کرنا مکروہ ہے۔

لغت : لا لمعنی فی الوقت: خود وقت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔ وجب لعینہ: وہ وجوب جو خود ہو، یعنی شریعت کی جانب سے ہو، اپنی جانب سے واجب نہ کیا ہو، جیسے سجدہ تلاوت۔ تعلق وجوبہ بسبب من جھتہ: وہ عبادت جسکو اپنی جانب سے واجب کیا ہو، جیسے نماز کی نذر مانی ہو۔ رکعتی الطّواف: طواف پوری کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہوتا ہے اسکو رکعتی الطّواف، کہتے ہیں۔ یہ خود طواف کرنے والے کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔ شرع فیہ ثم افسد: نفل نماز شروع کی پھر اسکو توڑ دیا، تو اسکا ادا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن اسکا سبب بھی اپنی جانب سے ہے۔ وجوب لغیرہ: شریعت کی جانب سے واجب نہ ہو بلکہ اپنی جانب سے واجب کیا ہو، جیسے نذر ماننا۔ صیانۃ المودی عن البطلان : ادا کئے ہوئے کو باطل ہونے سے بچانا۔ مثلا نفل نماز کو شروع کیا پھر اسکو توڑ دیا، تو اسکو باطل ہونے سے بچانے کے لئے پھر سے پڑھنے کو صیانۃ المودی عن البطلان، کہتے ہیں۔

(۲۰۵)ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر ﴾ ١؎ لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوۃ (۲۰۶)ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض ﴾ ١؎ لما فیہ من تاخیر المغرب

ترجمہ: (۲۰۵) صبح صادق کے بعد فجر کی دوسنتوں کے علاوہ پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ١؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام ان دونوں سے زیادہ نہیں پڑھی نماز پر حریص ہونے کے باوجود۔

وجہ: عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال : لا صلاۃ بعد الفجر الا سجدتین ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء لا صلاۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین ،ص ۹۵، نمبر ۴۱۹/ مسلم شریف ، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر الخ ،ص ۲۹۳، نمبر ۱۶۷۸/۷۲۳/ابوداود شریف ، باب من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ ،ص ۱۹۱، نمبر ۱۲۷۸) اس حدیث میں ہے کہ صبح صادق کے بعد دوسنتوں سے زیادہ نہ پڑھے، اسلئے دوسنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۲۰۶) اور غروب کے بعد مغرب کے فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

ترجمہ: ١؎ اسلئے کہ اس میں مغرب کو موءخر کرنا ہے۔

تشریح: آفتاب کے غروب ہونے کے بعد اور فرض نماز سے پہلے نفل جائز تو ہے، لیکن نہ پڑھے۔ اسکی وجہ یہ ہے

وجہ: (۱) حدیث گزری کی حضرت جبریلؑ نے مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھائی اب اگر نفل پڑھیں گے تو فرض نماز موءخر ہو گی اسلئے نفل نہ پڑھے (۲) یہ بھی حدیث گزری کہ ہماری امت اس وقت خیر میں ہوگی جب تک مغرب کو اول وقت میں پڑھتی رہے، اسلئے بھی نفل میں مشغول ہو کر فرض کو موءخر نہیں کرنا چاہئے۔ حدیث یہ ہے۔ فقام الیہ ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرۃ مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸/ ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب، ص ۹۷، نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔ (۳) حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ مغرب کے بعد اور فرض سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال : ما رأیت أحدا علی عھد رسول اللہ ﷺ یصلیھما ، و رخص فی الرکعتین بعد العصر ۔(ابوداود شریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص ۱۹۲، نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ لیکن اگر پڑھ لیا تو جائز ہے کیونکہ حدیث میں اسکا ثبوت ہے ۔حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ المزنی قال : قال رسول اللہ ﷺ : صلوا قبل المغرب رکعتین ، ثم قال : صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء . خشیۃ أن یتخذھا الناس سنۃ ۔(ابوداود شریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص ۱۹۲،

(۲۰۷) ولا اذا خرج الامام للخطبة يوم الجمعة الٰى ان يفرغ من خطبته ﴾ لـ لما فيه من الاشتغال عن استماع الخطبة.

نمبر۱۲۸۱) اس حدیث میں ہے کہ کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھے۔

ترجمه :(۲۰۷) اور نہ نفل پڑھے جب امام جمعہ کے دن خطبے کے لئے نکل جائے یہاں تک کہ اپنے خطبے سے فارغ ہو جائے۔

تشریح : جمعہ کے دن امام خطبہ کے لئے نکل جائے تو اس وقت بھی نفل نہ پڑھے۔

وجه : آیت میں ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اسکو کان لگا کر سنو اور چپ رہو اور خطبے کے وقت بھی قرآن پڑھا جاتا ہے اسلئے اس وقت بھی کان لگا کر سننا ہوگا اور چپ رہنا ہوگا، اور نماز بھی نہیں پڑھنا ہوگا، کیونکہ نماز پڑھے گا تو نہ چپ رہ سکے گا اور نہ سن سکے گا۔ آیت یہ ہے۔اذا قرء القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون ۔(آیت ۲۰، سورۃ الاعراف ۷) (۲) حدیث میں ہے کہ امام خطبے کے لئے نکل جائے تو کلام اور نماز دونوں منقطع ہو جاتی ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : خروج الامام يوم الجمعة للصلاة يعنى يقطع الصلاة و كلامه يقطع الكلام ۔(سنن بیھقی، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ نصف النھار وقبلہ وبعدہ حتی یخرج الامام، ج ثالث، ص ۲۷۴، نمبر ۵۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ امام کا نکلنا کلام اور نماز دونوں کو منقطع کر دیتا ہے۔اسلئے اس وقت نماز بھی نہ پڑھے۔

تاہم اگر پڑھ لیا تو جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔سمع جابر قال دخل رجل يوم الجمعة والنبى ﷺ يخطب فقال اصليت؟ قال لا! قال ثم فصل ركعتين . (بخاری شریف، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۱) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے سمعت جابر بن عبد الله ان النبى ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين ۔(مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام تخطب فلیصل رکعتین ص ۲۸۷ نمبر ۲۰۲۲/۸۷۵ / ابوداؤد شریف، باب اذا دخل والامام یخطب ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۱۷) اس حدیث میں ہے کہ امام خطبہ دے رہے ہوں اور سنت نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لے، اسلئے پڑھنا جائز تو ہے البتہ نہ پڑھے اچھا نہیں ہے۔

ترجمه: لـ اسلئے کہ نفل میں مشغول ہونے سے خطبہ نہیں سن سکے گا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ نفل اور سنت میں مشغول ہوگا تو خطبہ نہیں سن سکے گا اسلئے خطبہ کے وقت نفل نہ پڑھے۔

﴿باب الاذان﴾

(۲۰۸) الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لاسواها ﴾ ا؎ للنقل المتواتر ۲؎ وصفة الاذان معروفة وهو كما اذّن الملك النازل من السماء

﴿ باب الاذان ﴾

ضروری نوٹ: الاذان کے معنی اعلان کے ہیں، اذان میں نماز کا اعلان کیا جاتا ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یـايها الذين آمنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله. (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲)

ترجمہ: (۲۰۸) اذان سنت ہے پانچوں نمازوں کے لئے اور جمعہ کے لئے، نہ اس کے علاوہ کے لئے۔

ترجمہ: ا؎ احادیث متواترہ کی وجہ سے۔

تشریح: پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اذان سنت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ (۱) وتر (۲) عیدین (۳) جنازہ (۴) کسوف (۵) استسقاء (۶) تراویح (۷) سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نہیں ہے۔

وجہ: اذان سنت ہونے کے لئے احادیث متواترہ یہ ہیں۔ عـن ابـن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا الـمـديـنـة يـجتـمعون فيتحينون الصلوة ليس ينادى لها فتكلموا يوما فى ذلك فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثـل نـاقـوس الـنـصـارى وقال بعضهم بل بوقا مثل قرن اليهود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ينادى بالصلوة؟ فـقـال رسـول الـلـه يـا بـلال! قم فناد بالصلوة. (بخاری شریف، باب بدأ الاذان ص ۸۵ نمبر ۶۰۴ رمسلم شریف، باب بداء الاذان ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۷/۸۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اذان دینا سنت ہے۔

ترجمہ: ۲؎ آذان کی صفت مشہور ہے جیسا کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے آذان دی۔

آسمان سے اترنے والے فرشتے نے جو آذان دی ہے اسکی حدیث یہ ہے۔ حـدثـنـى ابـى عـبـد الـلـه بن زيد قال: لما امر رسـول الـلـه ﷺ بـالـنـاقـوس يـعمل ليضرب به للناس لجمع الصلوة، طاف بى، و أنا نائم، رجل يحمل ناقوساً فى يده، فقلت: يا عبد الله! أتبيع الناقوس؟ قال: ما تصنع به؟ فقلت: ندعو به الى الصلوة، قال: افـلا أدلک على ما هو خير من ذالک؟ فقلت له بلى، قال: فقال تقول: الله اكبر، الله اكبر: الله اكبر، الـلـه اكبـر، اشهـد ان لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسـول الـله، حى على الصلاة، ، حى على الصلاة، حى على الفلاح، حى على الفلاح، الله اكبر، الله اكبر

(۲۰۹) ولا ترجيع فيه ﴾ ۱؎ وهو ان يُرجّع فيرفع صوته بالشهادتين بعدما خفض بهما ۲؎ وقال الشافعي فيه ذٰلک لحديث ابی محذورةؓ ان النبی عليه السلام امره بالترجيع

، لا اله الا الله. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان، ص ۷۸، نمبر ۴۹۹ / ابن ماجہ شریف، باب بدء الاذان، ص ۱۰۰، نمبر ۷۰۶) اس حدیث میں ہے کہ فرشتے نے آذان کے کلمات سکھلائے، اور اس آذان میں ترجیع بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۰۹) اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ شہادتین کہے، اسکے بعد کہ اسکو آہستہ سے کہا ہو۔

تشریح: ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله کو دو دو مرتبہ آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو دو دو مرتبہ زور زور سے کہے۔ تو ان دونوں کلمات کو دوبارہ لوٹانا ہے اس لئے اس کو ترجیع کہتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

وجہ: (۱) عبداللہ بن زید جس نے فرشتے کو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا اور حضرت بلال کو اذان کے کلمات کی تلقین کی اس میں ترجیع نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ حدثنی ابی عبد الله بن زيد قال: لما امر رسول الله ﷺ بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلوة ، طاف بی ، و أنا نائم ، رجل يحمل ناقوساً فی يده ، فقلت : يا عبد الله ! أتبيع الناقوس ؟ قال : ما تصنع به ؟ فقلت : ندعو به الى الصلوة ، قال : افلا أدلک على ما هو خير من ذالک؟ فقلت له بلى ، قال : فقال تقول : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی علی الصلاة ، ، حی علی الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ،الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان، ص ۷۸، نمبر ۴۹۹ / ابن ماجہ شریف، باب بدء الاذان، ص ۱۰۰، نمبر ۷۰۶) اس حدیث میں ہے کہ فرشتے نے آذان کے کلمات سکھلائے، اور اس آذان میں ترجیع بھی نہیں ہے۔

(۲) عن عبد الله بن زيد قال كان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنی مثنی ص ۴۸ نمبر ۱۹۴ / ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۷۸ نمبر ۴۹۹) اس حدیث میں بھی ترجیع کا تذکرہ نہیں ہے اسلئے ترجیع نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آذان میں ترجیع ہے حضرت ابو محذورہؓ کی حدیث کی بنا پر کہ نبی علیہ السلام نے انکو ترجیع کا حکم دیا۔ حدیث یہ ہے ان ابا محذورة قال : خرجت فی نفر فكنا ببعض الطريق ، فأذن موء ذن رسول الله

۳؎ ولنا انه لاترجيع فی المشاهير و كان مارواه تعلما فظنه ترجيعا (۲۱۰)ويزيد فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلوٰة خير من النوم مرتين﴾

ﷺ بالصلاة عند رسول الله ﷺ فسمعنا صوت الموء ذن و نحن عنه متنكبون ، فصرخنا نحكيه ، نهزأ به ، فسمع رسول الله ﷺ فأرسل الينا قوما ًفأقعدونا بين يديه ، فقال : ايكم الذی سمعت صوته قد ارتفع ؟ فأشار الی القوم كلهم ، و صدقوا فأرسل كلهم و حبسنی، و قال : لی قم فأذن ، فقمت ، و لا شیء أكره الی من رسول الله ﷺ و لا مما يأمرنی به ، فقمت بين يدی رسول الله ﷺ فألقی علی رسول الله ﷺ التأذين هو بنفسه فقال : قال : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ،ثم قال لی : ارفع من صوتک اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی علی الصلاة ، ، حی علی الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ،الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله)) (ابن ماجہ شریف، باب الترجیع فی الآذان،ص ۱۰۱،نمبر ۷۰۸/مسلم شریف، باب صفۃ الاذان ص ۱۶۵نمبر ۳۷۹/۸۴۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۲) اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے ترجیع سکھایا، جس سے استدلال کرتے ہیں کہ آذان میں ترجیع ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ مشہور حدیث میں ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت ابو محذورہ سے جو کچھ روایت ہے وہ تعلیم کے لئے تھی جسکو انہوں نے ترجیع سمجھا۔

اوپر حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں ترجیع نہیں تھی جس سے معلوم ہوا کہ مشہور حدیثوں میں ترجیع کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسلئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو محذورہؓ کو ترجیع سکھائی ہے وہ صرف اسلئے تھی کہ وہ دھیمی آواز میں شہادتین بول رہے تھے تو انکو زور سے بولنے کی تعلیم دی جسکو انہوں نے ترجیع سمجھا، حالانکہ وہ صرف تعلیم کے لئے تھی۔ دار قطنی میں حضرت ابو محذورہؓ کی بعض حدیث بھی ترجیع نہیں ہے۔ (دار قطنی، باب فی ذکر اذان ابی محذورۃ واختلاف الروایات فیہ ص ۲۴۱ نمبر ۸۹۲) اس حدیث میں ترجیع کے کلمات نہیں ہیں۔

نوٹ: تطویل کی وجہ سے حدیث نقل نہیں کر رہا ہوں۔ تاہم کوئی ترجیع والی آذان دے دے تو حدیث کی بنا پر مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۱۰) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوۃ خیر من النوم زیادہ کریں۔

وجہ : حدیث میں ہے **عن بلال قال قال رسول الله ﷺ لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوة**

۱ لان بلالاً قال الصلوٰة خیر من النوم حین وجد النبی علیہ السلام راقدا فقال علیہ السلام ما احسن ھذا یا بلال اجعله فی اذانک ۲ وخص الفجر به لانه وقت نوم وغفلة، (۲۱۱) والاقامة مثل الاذان الا انه یزید فیها بعد الفلاح قدقامت الصلوٰة مرتین ﴿ ۱ ھکذا فعل الملک النازل من السماء وھو المشھور

الفجر . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التثویب فی الفجر ص۴۹ نمبر ۱۹۸) اور دار قطنی میں سمعت ابا محذورة یقول کنت غلاما صبیا فاذنت بین یدی رسول الله ﷺ الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوة، حی علی الفلاح قال رسولﷺ الله الحق فیھا الصلوة خیر من النوم ۔ (دار قطنی، باب ذکر الاقامة واختلاف الروایات فیھا ص۲۴۴ نمبر ۸۹۹)
اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا چاہئے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضرت بلال نے کہا الصلوة خیر من النوم جس وقت حضور ﷺ کو سویا ہوا پایا، تو حضورؐ نے فرمایا: یہ کلمے کتنے اچھے ہیں! اے بلال اسکو اپنی اذان میں داخل کر دو۔

حدیث یہ ہے ۔عن بلال أنه اتی النبی ﷺ یوذنه بصلاة الفجر ، فقیل : ھو نائم ، فقال : الصلاة خیر من النوم ، الصلاة خیر من النوم ، فأقرت فی تأذین الفجر فثبت الامر علی ذالک ۔(ابن ماجة شریف، باب السنة فی الاذان ص۱۰۳، نمبر ۷۱۶، سنن بیھقی، باب التثویب فی اذان الصبح، ج اول، ص۶۲۳، نمبر ۱۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو الصلاۃ خیر من النوم، کہنے کے لئے کہا اور یہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔

ترجمہ: ۲ اور فجر کو اسلئے خاص کیا کہ وہ وقت نیند اور غفلت کا ہے۔

ترجمہ: (۲۱۱) اقامت اذان کی طرح ہے مگر یہ کہ زیادہ کیا جائے گا حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ۔

ترجمہ: ۱ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے ایسے ہی اذان کہلایا، اور یہی مشہور ہے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی یعنی دو دو مرتبہ ہے۔ ایک ایک مرتبہ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن زید قال کان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان الاقامة مثنی مثنی ص۴۸ نمبر ۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہے (۲) ابوداؤد میں ابن ابی لیلۃ کی لمبی حدیث نقل کی ہے اس کے درمیان یہ لفظ ہے ۔ سمعت ابن ابی لیلی .... فاذن ثم قعد قعدة ثم قام فقال مثلھا الا انه یقول قد قامت الصلوة (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۱ نمبر ۵۰۶) (۳) ایک تیسری حدیث ہے عن ابن ابی لیلة عن معاذ بن جبل ....ثم امھل ھنیة ثم قام فقال مثلھا الا انه قال: زاد ۔ بعد ماقال : حی علی الفلاح ۔ قد قامت الصلوة ، قد قامت الصلوة ، قال : فقال رسول الله

٢ ثم هو حجة على الشافعیؒ فی قوله انها فرادی فرادی الاقوله قدقامت الصلوٰة (٢١٢) ویترسَّلُ فی الاذان ویحدرفی الاقامة ﴿ ١ لقوله علیہ السلام اذا اذّنتَ فترسَّلْ واذا قمتَ فاحدُروهذا بیان الاستحباب

علیہ السلام : لقنها بلال . ۔(ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ٨٢ نمبر ٥٠٧)ابو محذورة کی حدیث میں اقامت مثنی مثنی ہے۔: ان ابا محذورة حدثه : أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علمه الاذان تسع عشرة كلمة ، و الاقامة سبع عشرة كلمة ....و الاقامة : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی علی الصلاة ، ، حی علی الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ، قد قامت الصلوة، قد قامت الصلوة ، الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان ،ص ٧٩، نمبر ٥٠٢)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہے۔کیونکہ مثلھا کا مطلب ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہو۔

ترجمہ : ٢ پھر وہ امام شافعیؒ پر حجت ہے اس بارے میں کہ اقامت فرادی فرادی ہو، سوائے قد قامت الصلوۃ، کے قول کے۔

فائدہ: امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اقامت فرادی فرادی یعنی ایک ایک مرتبہ تمام کلمات ہیں سوائے قد قامت الصلوۃ کے۔ان کی دلیل بہت سی احادیث ہیں۔مثلا عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة الا الاقامة ۔(بخاری شریف، باب الاقامة واحدة الاقوله قد قامت الصلوۃ ص ٨٥ نمبر ٦٠٧ رمسلم شریف، باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامة ص ١٦٤ نمبر ٨٣٨/٣٧٨)ان احادیث کی وجہ سے جمہور ائمہ اقامت کے فرادی فرادی کے استحباب کے قائل ہیں۔حنفیہ کہ یہاں بھی اگر اقامت فرادی دے دے تو اقامت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔صرف افضلیت کا فرق ہے۔ ۔اوراوپر کی حدیث ان پر حجت ہے۔

ترجمہ: (٢١٢) ٹھہر ٹھہر کر کرے اذان میں اور جلدی کرے اقامت میں۔

ترجمہ: ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو، اور جب اقامت کہو تو جلدی کہو۔اور یہ استحباب کا بیان ہے۔

تشریح :اذان دے تو ٹھہر ٹھہر کر دے، تاکہ دور کے لوگ سن لے، اور اقامت کہے تو تھوڑی جلدی کرے ،اور ایسا کرنا مستحب ہے، اگر کسی نے جلدی سے اذان دے دی تب بھی ہو جائے گی۔

وجہ: (١)اذان میں آواز دور تک پہنچانا ہے اس لئے تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرے اور اقامت میں مسجد تک آواز پہنچانا ہے اس لئے مسلسل کہتا چلا جائے ٹھہر ٹھہر کر نہ کہے (٢) اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال یا بلال!

(۲۱۳)ویستقبل بهما القبلة ﴾ ۱؎ لان النـازل من السماء اذن مستقبل القبلةولوترک الاستقبال جاز لحصول المقصود ویکره لمخالفة السنة، (۲۱۴) ویحوّل وجهه للصلوٰة والفلاح یمنة ویسرة ﴾

اذااذنـت فتـرسـل فـی ذلک واذا اقمت فاحدر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الترسل فی الاذان ص۴۸ نمبر۱۹۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور اقامت میں جلدی کرے۔ یہ مستحب ہے۔

لغت: ترسل : ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، یحدر : مسلسل بات کہے جانا۔

ترجمه: (۲۱۳) اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے قبلے کی طرف استقبال کر کے اذان دی ۔اور اگر استقبال قبلہ کو چھوڑ دیا پھر بھی جائز ہے مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے، اور مکروہ ہے سنت کی مخالفت کی وجہ سے۔

تشریح : اذان اور اقامت کہتے وقت قبلے کا استقبال کرنا سنت ہے۔لیکن اگر اس کے خلاف کیا تو اذان اور اقامت کی ادائیگی ہو جائے گی۔البتہ سنت کی مخالفت ہوگی۔

وجه :(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ابوداؤد میں معاذ بن جبل کی لمبی حدیث ہے اس میں ایک عبارت اس طرح ہے فجاء عبد الله بن زیدالی رجل من الانصار وقال فیه فاستقبل القبلة،قال : الله اکبر (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۲ نمبر ۵۰۷ رسنن بیہقی ، باب استقبال القبلۃ بالاذان والاقامۃ ، ج اول ،ص ۵۷۶ ،نمبر ۱۸۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے نے استقبال قبلہ کر کے اذان دی تھی اس لئے استقبال قبلہ کر کے اذان و اقامت کہنا سنت ہے۔

ترجمه: (۲۱۴) پس جب کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں پھیرے۔

تشریح: حی علی الصلوۃ میں دائیں جانب چہرہ پھیرے تا کہ دائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف چہرہ پھیرے تا کہ بائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے۔

وجه : اس کی وجہ حدیث میں یہ ہے(۱)عن عـون بـن جـحيـفة عـن ابیه قال اتیت النبی ﷺ بمكة وهو فی قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فكنت اتتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حی علی الصلوة حی علی الفلاح لوی عنقه يمينا و شمالا ولم يستدر ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص۸۴ نمبر ۵۲۰ رسنن بیہقی ، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ ،حی علی الفلاح ، ج اول ،ص ۵۸۰ ،نمبر ۱۸۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں چہرہ دائیں اور بائیں پھرانا چاہئے۔

لے لانه خطاب للقوم فيواجههم (۲۱۵) وان استدار فی صومعته فحسن ﴾ لے ومراده اذا لم يستطع تحوّل الوجه يميناوشمالامع ثبات قدميه مكانهما كماهوالسنةبان كانت الصومعة متسعةفامامن غيرحاجة فلا (۲۱۶) والافضل للمؤذّن ان يجعل اصبعيه فی اذنيه ﴾

ترجمه: لے اسلئے بھی کہ خطاب قوم سے ہے اسلئے انکی جانب مخاطب ہونا چاہئے۔

ترجمه: (۲۱۵) اگر موءذن اپنے صومعہ میں گھوم گیا تو اچھا ہے۔

تشریح: اذان گاہ کے اوپر چھوٹا سا گول کمرہ ہوتا ہے اسکو صومعہ کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا بڑا ہوا اور دائیں، بائیں منہ کرنے سے آواز باہر نہ جاتی ہو جسکی بنا پر تھوڑا سا گھومنا پڑے تو گھوم جانا بہتر ہے، تا کہ آواز باہر چلی جائے، اس صورت میں قدم کو بھی اپنی جگہ سے ہٹانا پڑے تو ہٹا سکتا ہے۔ لیکن بغیر ضرورت کے ایسا نہ کرے، کیونکہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ حضرت بلال دائیں بائیں منہ کرتے تو تھے لیکن گھومتے نہیں تھے۔ **عن عون بن جحيفة عن ابيه قال اتيت النبی ﷺ بمكة وهو فی قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فكنت اتتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حی على الصلوة حی على الفلاح لوی عنقه يمينا و شمالا ولم يستدر** ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص ۸۴ نمبر ۵۲۰ رسنن بیہقی، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، ج اول، ص ۵۸۰، نمبر ۱۸۵۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ گھومتے نہیں تھے۔

لیکن اگر آواز دور تک پہونچانے کے لئے گھومنے کی ضرورت پڑ جائے تو گھوم سکتا ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عون بن ابی جحيفة وعن ابيه قال :رأيت بلالا يوء ذن و يدور و يتبع فاه هاهنا ، ها هنا ، و اصبعاه فی أذنيه ، و رسول الله ﷺ فی قبة حمراء** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان، ص ۴۹، نمبر ۱۹۷ ابن ماجہ شریف، باب السنۃ فی الاذان، ص ۱۰۲، نمبر ۷۱۱ رسنن بیہقی، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، ج اول، ص ۵۸۰، نمبر ۱۸۵۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ گھومتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر گھوم سکتا ہے۔

ترجمه: لے گھومنے کا مطلب یہ ہے کہ قدم کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے دائیں بائیں جانب نہیں گھوم سکتا ہو، جیسا کہ سنت ہے اس طرح کہ صومعہ بڑا ہو تو گھوم سکتا ہے، بہر حال بغیر کسی ضرورت کے تو گھومنا اچھا نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا۔

تشریح: موءذن اپنے قدم کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے دائیں بائیں جانب نہیں گھوم سکتا ہو تو ایسی صورت میں آواز دور تک پہونچانے کے لئے وہ صومعہ میں گھوم جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا، البتہ بغیر کسی ضرورت کے تو اچھا نہیں ہے۔

ترجمه: (۲۱۶) موءذن کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنی دونوں انگلیوں کو کان میں کرے۔

ابذلک امر النبی علیہ السلام بلالاً ولانہ ۲ ابلغ فی الاعلام (۲۱۷) وان لم یفعل فحسن ﴾ ا الانھا لیست بسنة اصلیة (۲۱۸) والتثویب فی الفجر حیّ علی الصلٰوة حیّ علی الفلاح مرتین بین الاذان والاقامة حسن لانه وقت نوم وغفلة وکره فی سائر الصلوات﴾

ترجمه: ا حضرت بلالؓ کو نبی علیہ السلام نے اسی کا حکم فرمایا تھا۔ ۲ اور یہ اعلان پہونچانے میں زیادہ بلیغ ہے ۔

تشریح : اذان کا مقصد لوگوں تک آواز پہونچانا ہے اور کان میں انگلی ڈالنے سے آواز کان میں کم جاتی ہے اسلئے آدمی اور زور سے آواز نکالتا ہے اسلئے کان میں انگلی ڈالنا زیادہ بہتر ہے۔ اسکے لئے اوپر کی حدیث ہے۔

وجه : عمار بن سعد ....أن رسول الله علیہ السلام أمر بلالا أن يجعل اصبعيه فی أذنيه ، و قال : انه ارفع لصوتک (ابن ماجہ شریف، باب السنة فی الاذان، ص ۱۰۲، نمبر ۷۱۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان، ص ۴۹، نمبر ۱۹۷) اس حدیث میں آپؐ نے حضرت بلالؓ کو کان میں انگلی ڈالنے کا حکم فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے آواز زیادہ ہوگی۔

ترجمه: (۲۱۷) اور اگر کان میں انگلی نہ ڈالی تو بھی ٹھیک ہے۔

ترجمه: ا اس لئے کہ یہ سنت اصلیہ نہیں ہے۔

وجه :اگر کان میں انگلی نہ ڈالی تب بھی اذان ہوجائے گی، اور یہ بھی ٹھیک ہے، اسلئے حضرت زیدؓ اور حضرت محذورہؓ کی حدیث میں کان میں انگلی ڈالنے کا تذکرہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلی سنت نہیں ہے ورنہ ضرور ان حضرات کی حدیث میں اسکا تذکرہ ہوتا۔ (۲) اوپر کی حدیث میں کان میں انگلی ڈالنے کے لئے حضرت بلال کو فرمایا تو یہ بھی فرمایا کہ اس سے آواز بلند ہوگی جس علت سے معلوم ہوا کہ یہ آواز بلند کرنے کے لئے ہے، اذان کی سنت اصلی نہیں ہے۔ اسلئے کرلے تو بہتر ہے۔

ترجمه: (۲۱۸) اور فجر میں حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، دو مرتبہ کہنا اذان اور اقامت کے درمیان بہتر ہے، اسلئے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، اور باقی نمازوں میں مکروہ ہے۔

تشریح : فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے اسلئے اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے نیند سے بیدار کرنے کے لئے دو مرتبہ اور حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، کی آواز لگائے تا کہ مصلی اٹھ جائے، اسی کو تثویب، کہتے ہیں۔ باقی نمازوں میں لوگ بیدار ہو تے ہیں اسلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور آگے بعض ائمہ نے جائز بھی قرار دیا ہے۔

وجه :یہ حدیث ہے۔عن بلال قال : قال لی رسول الله علیہ السلام : لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوة الفجر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر، ص ۴۹، نمبر ۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر میں تثویب بہتر ہے، اور

۱؎ ومعناه العود الى الاعلام وهو على حسب ماتعارفوه ۲؎ وهذا تثويب احدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابةؓ لتغير احوال الناس وخصوا الفجر به لماذكرناه ۳؎ والمتاخرون استحسنوه فى الصلوٰة كلها لظهور التّوانى فى الامور الدينية ۴؎ وقال ابويوسفؒ لااری بأسًا ان يقول المؤذن

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ باقی نمازوں میں اچھا نہیں ہے۔

(۲) باقی نماز میں تثویب مکروہ ہونے کی دلیل یہ اثر بھی ہے۔ عن مجاهد قال : كنت مع ابن عمر فثوب رجل فى الظهر أو العصر ، قال : اخرج بنا فان هذه بدعة ۔(ابوداود شریف، باب فی التثویب، ص ۸۶، نمبر ۵۳۸) اس اثر میں حضرت ابن عمر نے ظہر یا عصر میں تثویب کو بدعت فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تثویب کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی دوبارہ یاد دہانی کرائے۔ وہ لوگوں میں جیسا متعارف ہے اسکے مطابق کرے۔

تشریح : تثویب: ثوب سے مشتق ہے، جسکا ترجمہ ہے لوٹنا۔ تثویب کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم، کہا ہی، اب دوبارہ لوگوں کو نماز کی یاد دہانی کرائے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، ہی کہے بلکہ لوگوں کے بیدار ہونے کے لئے وہاں کے محاورے میں جو جملے متعارف ہو اس جملے سے آواز لگائے۔ جیسے لڑکو اٹھ جاوء۔ اسی کو تثویب کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اس تثویب کو صحابہ کے زمانے کے بعد علمائے کوفہ نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ لوگوں کے احوال بدل گئے۔ اور فجر میں اسکو غفلت کی وجہ سے خاص کیا۔

تشریح : صحیح بات یہ ہے کہ خود حدیث میں فجر میں تثویب کا تذکرہ ہے۔ جو اوپر گزر گئی۔ (۲) دوسری حدیث میں واضح ہے کہ حضرت بلال اذان کے بعد حضور کو الصلاة خير من النوم ، الصلاة خير من النوم ، کہہ کر بیدار کرنے کے لئے گئے تھے جس سے بھی تثویب ثابت ہوتی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن بلال أنه اتى النبى ﷺ يوذنه بصلاة الفجر ، فقيل : هو نائم ، فقال : الصلاة خير من النوم ، الصلاة خير من النوم ، فأقرت فى تأذين الفجر فثبت الامر على ذالك ،(ابن ماجۃ شریف، باب السنۃ فی الاذان، ص ۱۰۳، نمبر ۷۱۶/ سنن بیہقی، باب التثویب فی اذان الصبح، ج اول، ص ۶۲۳، نمبر ۱۹۸۳) اس حدیث میں تثویب کا تذکرہ ہے

ترجمہ: ۳؎ متأخرین علماء نے تثویب کو تمام نمازوں میں اچھا سمجھا امور دینیہ میں سستی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : بعد کے علماء نے دیکھا کہ دینی معاملات میں بہت سستی آگئی ہے اسلئے تمام نمازوں میں ہی تثویب کرلے تو اچھا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں کہ موءذن ہر نماز میں امیر سے کہے، السلام علیکم ایھا الامیر

لـلامیـر فـی الـصلوٰۃ کلھا السلام علیک ایھا الامیر ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الـفـلاح الصلوٰۃ یرحمک اللّٰہ ۵ واستبعدہ محمدؒ لان الناس سواسیۃفی امرالجماعۃ ۶ وابویوسفؒ خصھم بذلک لزیادۃ اشتغالھم بامور المسلمین کیلا تفوتھم الجماعۃ وعلی ھذا القاضی والمفتی

(۲۱۹) ویجلس بین الاذان والاقامۃ الافی المغرب ﴾ ا وھذا عند ابی حنیفۃؒ

، ورحمۃ اللہ، وبرکاتہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، الصلوۃ، یرحمک اللہ۔

تشریح: حضرت امام ابویوسفؒ قاضی تھے، کام میں بہت مشغول رہتے تھے اسلئے نماز کے وقت میں موءذن یہ چند جملے کہہ کر نماز کی طرف توجہ دلائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاکہ وہ نماز میں شریک ہوجائے ۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب الاذان ص ۸۳۔ کی ہے۔

ترجمہ: ۵ اور امام محمدؒ نے اسکو مستبعد سمجھا اسلئے کہ جماعت کے معاملے میں سب لوگ برابر ہیں۔

تشریح: امام ابویوسفؒ نے امیر کو خاص کیا کہ اسکو ہر نماز میں یاددہانی کرائے، اس بات کو امام محمدؒ نے اچھا نہیں سمجھا، کیونکہ ہر آدمی کا حق برابر ہے اسلئے امیر کو خاص کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

ترجمہ: ۶ امام ابویوسفؒ امیر کو یاددہانی کے ساتھ اسلئے خاص فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں تاکہ ان سے جماعت نہ فوت ہوجائے، اور یہی یاددہانی کرائی جائے قاضی اور مفتی کو بھی۔

تشریح: امام ابویوسفؒ نے امیر، اور قاضی، اور مفتی کو تثویب کے ساتھ اسلئے خاص کیا کہ وہ ہمہ وقت مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں دوسرے لوگ نہیں رہتے اسلئے ان لوگوں کو یاددہانی کرائی جائے۔ اسی قاعدے پر ہر وہ آدمی جو مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں انکو بھی نماز کی یاددہانی کرائی جاسکتی ہے۔ اس سب کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراھیم قال : کانوا یثوبون فـی الـعتـمۃ و الـفـجـر ، و کان موء ذن ابراھیم یثوب فی الظھر و العصر فلا ینھاہ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶ فی التثویب فی ای صلاۃ ھو؟، ج اول، ص ۱۹۰، نمبر ۲۱۷۵ / مصنف عبد الرزاق، باب التثویب فی الاذان والاقامۃ، ج اول، ص ۴۷۵، نمبر ۱۸۳۱) اس اثر میں ہے کہ دوسری نمازوں میں بھی یاددہانی کرواتے تھے۔ اسلئے اس دور میں وقت ضرورت یہ مستحسن ہے۔ خاص طور پر مدرسے کے طلبہ جلدی مسجد میں نہیں جاتے اسلئے انکے لئے ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۱۹) اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھے مگر مغرب میں۔

ترجمہ: ا یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

وجہ: عن ابی بن کعب قال : قال رسول اللہ ﷺ : یا بلال اجعل بین اذانک و اقامتک نفسا یفرغ الآ

۲؎ وقالا یجلس فی المغرب ایضًا جلسة خفیفة لانه لابد من الفصل اذا لوصل مکروه ولایقع الفصل بالسکتة لوجودها بین کلمات الاذان فیفصل بالجلسة کما بین الخطبتین

کل من طعامه فی مهل ، و یقضی المتوضی حاجته فی مهل ۔(مسند احمد، حدیث المشائخ عن ابی بن کعب، ج سادس، ۱۷۱۳، نمبر ۲۰۷۷۸) اس حدیث میں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان فصل کرنا چاہئے ۔ (۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اترنے والے فرشتے نے اذان کے بعد تھوڑی دیر کی اسکے بعد اقامت کہی ۔ حدیث یہ ہے ۔ فجاء عبد الله بن زیدالی رجل من الانصار وقال فیه فاستقبل القبلة،قال : الله اکبر ....ثم امهل هنية ، ثم قام فقال مثلها . (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷ ر سنن بیہقی ، باب استقبال القبلة بالاذان والاقامة ، ج اول ،ص ۵۷۶، نمبر ۱۸۳۸) اس حدیث میں ہے کہ اذان کے بعد تھوڑی دیر رک کر اقامت کہی ۔

البتہ مغرب کی نماز چونکہ ایک ہی وقت میں پڑھنی ہے اور تاخیر اچھی نہیں ہے اسلئے مغرب میں اذان اور اقامت کے درمیان فصل نہ کرے، اذان کے بعد جب مصلی کی طرف آئے گا بس اتنا ہی فصل کافی ہے ۔

ترجمہ: ۲؎ اور صاحبین نے فرمایا کہ مغرب میں تھوڑی دیر بیٹھے اسلئے کہ فصل ضروری ہے اسلئے کہ وصل مکروہ ہے ۔ اور سکتے سے فصل نہیں ہوگا اسلئے کہ اتنا تو اذان کے جملون میں بھی پایا جاتا ہے اسلئے بیٹھ کر فصل کیا جائے گا جیسے کہ دو خطبے کے درمیان کیا جاتا ہے ۔

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مغرب میں بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے ۔ جیسے کے جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرتے ہیں ۔ اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان صرف تھوڑی دیر چپ رہ کر فصل کرنا کافی نہیں ہے اسلئے کہ اتنا فصل تو خود اذان کے جملوں کے درمیان بھی ہوجاتا ہے، اسلئے تھوڑی دیر بیٹھ جائے اور فصل کرے ۔

وجہ :(۱) حدیث میں اسکا ثبوت ہے کہ اترنے والے فرشتے نے اذان دی پھر تھوڑی دیر بیٹھا اسکے بعد اقامت کہی ۔ حدیث یہ ہے ۔

۔سمعت ابن ابی لیلی رأیت رجلا کأن علیه ثوبین أخضرین فقام علی المسجد فأذن ثم قعد قعدة ثم قام فقال مثلها . (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۶) اس حدیث میں ہے کہ اذان کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے پھر اقامت کہی ۔ اور یہ چونکہ تمام نمازوں میں ہے اسلئے مغرب کی نماز میں بھی تھوڑی دیر بیٹھے ۔ (۲) اوپر مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ اذان اور اقامت میں فصل کرے ۔عن ابی بن کعب قال : قال رسول الله ﷺ : یا بلال اجعل بین اذانک و اقامتک نفسا یفرغ الآکل من طعامه فی مهل ، و یقضی المتوضی حاجته فی مهل ۔(مسند احمد، حدیث

۳ ولابی حنیفةؒ ان التاخیر مکروہ فیکتفی بادنی الفصل احترازاً عنہ ۴ والمکان فی مسألتنا مختلف وکذا النغمة فیقع الفصل بالسکتة ولا کذلک الخطبة ۵ وقال الشافعی یفصل برکعتین اعتبارا بسائر الصلوٰة والفرق قد ذکرناہ

المشائخ عن ابی بن کعب، ج سادس، ۱۷۳، نمبر ۲۰۷۷۸) اسلئے تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر مکروہ ہے اسلئے ادنی فصل پر اکتفا کیا جائے گا، کراہیت سے بچنے کے لئے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اوپر گزر چکا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے، اسلئے تاخیر مکروہ ہے اسلئے تھوڑا سا چپ رہ کر جو فصل ہوگا اتنا ہی کافی ہے تا کہ تاخیر کرنے کی کراہیت نہ ہو۔ حدیث یہ ہے۔ **فقام الیہ ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم** ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸ / ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب، ص ۹۷، نمبر ۶۸۹) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۴ اور مکان ہمارے مسئلے میں مختلف ہے، اور ایسے ہی اقامت کہنے کا اسلوب بھی مختلف ہے، اسلئے سکتہ ہی سے فصل ہو جائے گا۔ اور خطبے میں ایسا نہیں ہے۔

تشریح : یہاں سے امام صاحبین کو امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے ۔فرماتے ہیں کہ خطبہ اور اقامت کے درمیان دو فرق ہیں ۔ایک فرق یہ ہے کہ دونوں خطبوں کا مقام ایک ہی ہے۔ جبکہ اذان کی جگہ مسجد سے باہر ہے، اور اقامت کی جگہ مسجد کے اندر ہے، تو دو جگہ ہونے کی وجہ سے فصل ہو گیا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے پڑھنے کا انداز ایک ہی ہے، اسلئے درمیان میں بیٹھ کر فصل کرے، اور اذان پڑھنے کا انداز زور زور سے ہے اور آہستہ آہستہ ہے، جبکہ اقامت کہنے کا انداز جلدی جلدی ہے اور کم آواز سے ہے، اسلئے اس طرح بھی فصل ہو جائے گا، اور اتنا ہی فصل کافی ہے۔ نغمہ کا ترجمہ ہے ، بولنے کا انداز، بولنے کا اسلوب۔

ترجمہ: ۵ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دو رکعت پڑھ کر فصل کرے اور نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ میں نے بیان کر دیا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھ کر فصل کرے ،جس طرح اور نمازوں میں نفل پڑھ کر فصل کرتے ہیں۔

وجہ :(۱) مغرب کی اذان کے بعد نفل پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔**عن عبد اللہ المزنی قال : قال رسول اللہ ﷺ : صلوا قبل المغرب رکعتین ، ثم قال : صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء . خشیة أن یتخذھا الناس**

۶ قال يعقوب رأيت ابا حنيفةؒ يؤذن فى المغرب ويقيم ولايجلس بين الاذان والاقامة وهذا يفيد ما قلناه ۷ وان المستحب كون المؤذن عالما بالسنة لقوله علیہ السلام ويؤذن لكم خياركم (۲۲۰) ويؤذن للفائتة ويقيم ﴾ ۱ لانه علیہ السلام قضى الفجر غداة ليلة التعريس باذان واقامة ۲ وهو حجة على الشافعى

سنة ۔(ابوداودشریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص۱۹۲، نمبر۱۲۸۱ر بخاری شریف، باب کم بین الاذان والاقامۃ ومن ینتظر اقامۃ الصلاۃ ص۸۷، نمبر۶۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کی اذان کے بعد نفل پڑھے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن مغفل عن النبى ﷺ قال : بين كل اذانين صلوة لمن شاء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ قبل المغرب، ص۴۵، نمبر۱۸۵) اس حدیث میں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نفل ہے اسلئے نفل پڑھ کر فصل کرے۔

ترجمہ: ۶ یعقوب یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان دیتے اور اقامت کہتے اور اذان اور اقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے، اور یہ وہی بات ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے اوپر کہی۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب الاذان، ص۸۴، کی ہے

ترجمہ: ۷ اور مستحب یہ ہے کہ موءذن سنت کو جاننے والا ہو۔ حضور کے قول کی وجہ سے کہ تمہارے لئے تم میں سے اچھا آدمی اذان دے۔

تشریح : اذان کے سنتوں اور مسائل سے واقف ہوا ایسا آدمی اذان دے تو بہتر اور مستحب ہے۔ اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ تم سے جو دین کے اعتبار سے اچھا آدمی ہو وہ آذان دے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ : ليوء ذن لكم خياركم و ليوء مكم قراوء كم ۔(ابوداودشریف، باب من أحق بالامامۃ ، ص۹۴، نمبر۵۹۰ر ابن ماجہ شریف، باب فضل الاذان وثواب الموءذنین، ص۱۰۴، نمبر۷۲۶) اس حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو اچھا ہو وہ اذان دے۔

ترجمہ: (۲۲۰) اذان دے گا فوت شدہ نماز کے لئے اور اقامت کہے گا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کی صبح کو فجر قضا کی اذان اور اقامت کے ساتھ۔

تشریح : نماز فوت ہو جائے تو جب اسکو ادا کرے گا تو اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن أبى هريرة فى هذا الخبر قال : فقال رسول الله ﷺ : تحولوا عن مكانكم الذى أصابتكم فيه الغفلة ، قال فأمر بلالا فأذن و أقام و صلى ۔(ابوداودشریف، باب فی من نام عن صلوۃ أونسیھا، ص۶۹، نمبر۴۳۶) غزوہ خیبر میں فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی جس میں حضرت بلال کو اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز کے لئے اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔

فی اکتفائه بالاقامة (۲۲۱) فان فاتته صلوٰت اذن للاولیٰ واقام ﴾ ا لما روینا (۲۲۲) وکان مخیّرًا فی الباقی ان شاء اذن واقام (ا لیکون القضاء علی حسب الاداء) وان شاء اقتصر علی الاقامة ﴾

وجه : تعریس: کا ترجمہ ہے مسافر کارات کے آخیر میں آرام کے لئے اترنا، لیلۃ التعریس کا ترجمہ ہوگا مسافر جورات کے آخیر میں آرام کے لئے اترے تھے اسکا واقعہ۔ یہ غزوہ خیبر میں پیش آیا تھا۔

ترجمه : ۲ اور یہ امام شافعیؒ پر حجت ہے صرف اقامت پر اکتفاء کرنے کے سلسلے میں۔

امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی جائے گی، اور اذان نہیں کہی جائے گی۔

وجه : انکی دلیل یہ حدیث ہے جس میں فوت شدہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هریرة حین قفل من غزوة خیبر سار لیلة ......ثم توضأ رسول الله ﷺ ، و امر بلالا فأقام الصلوة فصلی بهم الصبح** ۔(مسلم شریف، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، ص ۲۳۸، نمبر ۶۸۰/۱۵۶۰) اس حدیث میں صرف اقامت کا تذکرہ ہے اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک فائتہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی جائے گی۔۔ ہماری اوپر کی حدیث انکے خلاف حجت ہے۔

ترجمه: (۲۲۱) بہت سی فائتہ نمازوں میں پہلی کے لئے اذان دے اور اقامت کہے۔

ترجمه: ا اس حدیث کی بنا پر جو میں نے پہلے روایت کی۔

تشریح: اور اگر بہت سی نمازیں ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے اور چاہے تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

وجه: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ **قال عبد الله ان المشرکین شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ماشاء الله فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳ نمبر ۱۷۹/ نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص ۲۷ نمبر ۶۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اذان دے اور باقی کے لئے اقامت کہے۔

(۲) اذان کا مقصد لوگوں کو باہر سے بلانا ہے اور ہر ایک اذان میں سب جمع ہو چکے ہیں اس لئے باقی نمازوں کے لئے اذان دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔

ترجمه: (۲۲۲) اور اختیار ہے باقی میں چاہے تو اذان دے اور اقامت کہے (ا تا کہ قضا ادا کے مطابق ہو جائے) اور

ل لان الاذان للاستحضاروهم حضور ۲ قالؒ وعن محمدؒانه يقام لما بعدها قالوا يجوز ان يكون هذا قولهم جميعا، (۲۲۳) وينبغي ان يؤذن ويقيم علىٰ طهر فان اذن على غير وضوء جاز﴾

چاہےتو اقامت پر اکتفاء کرے

تشــریح : بہت سی نمازفوت ہوگئی ہوں تو دوقسم کے اختیار ہیں،ایک تو ہرایک کے لئے اذان دے اور ہرایک کے لئے اقامت کہے،اور یہ بھی ہے کہ پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہرایک کے لئے اقامت کہے۔

وجه : ہرایک کے لئے اذان دینے کی وجہ یہ بتائی کہ ادانماز میں ہرایک کیلئے اذان دیتے ہیں تو قضانماز میں بھی ہرایک کے لئے اذان دے تاکہ قضانمازادا کے مطابق ہوجائے۔

اور پہلی نماز کے لئے اذان دے اور باقی کے لئے صرف اقامت کہے،اسکی وجہ اوپر حدیث گزر چکی کہ غزوہ خندق کے موقع پر ایک نماز کے لئے اذان دی اور باقی کے لئے اقامت کہی۔

تـرجـمـه : ل اسلئے کہ اذان لوگوں کو حاضر کرنے لئے ہے،اور یہاں سب لوگ حاضر ہی ہیں۔ (اسلئے دوبارہ اذان دینے کی ضرورت نہیں۔)

ترجمه: ۲ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ باقی کے لئے بھی صرف اقامت ہی کہی جائے گی۔علماء فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سبھی ائمہ کا قول ہو۔

تشریح : امام محمدؒ سے روایت ہے کہ صرف پہلی کے لئے اذان دی جائے اور باقی ہرایک کے لئے صرف اقامت کہی جائے۔

امام ابوبکر رازیؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے تینوں اماموں کا قول یہی ہے۔اور اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسکے مطابق اوپر کی حدیث بھی ہے۔

ترجمه : (۲۲۳) مناسب ہے کہ اذان اور اقامت وضو کے ساتھ کہے۔پس اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز ہے۔

وجــه : (۱)اذان میں نماز کی طرف بلانا ہے اور ذکر ہے اس لئے وضو کے ساتھ اذان کہے۔اور اقامت کے بعد تو نماز ہی پڑھنا ہے تو دوسرے لوگ نماز میں مشغول ہوں اور خود نماز کی طرف بلانے والا وضو کرنے جائے تو کتنا برا معلوم ہوگا!۔اس لئے اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے۔البتہ اگر کہہ دیا تو اقامت ادا ہوجائے گی (۲) حدیث میں ہے **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال لا يؤذن الا متوضئ**۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراهية الاذان بغیر وضوء ص۵۰ نمبر ۲۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے اذان اور اقامت کہنا اچھا نہیں۔(۲)اور اذان دینا جائز ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابراهيم قال : لا بأس أن يوءذن على غير وضوء** ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۹ فی الموءذن یوءذن وهو علی غیر وضوء، ج اول،ص ۱۹۱،نمبر ۲۱۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان بغیر وضو کے دے تو جائز ہے۔

۱؎ لانہ ذکر ولیس بصلوٰۃ فکان الوضوء فیہ استحبابا کما فی القراء ۃ (۲۲۴) ویکرہ ان یقیم علی غیر وضوء ﴾ ۱؎ لما فیہ من الفصل بین الاقامۃ والصلوٰۃ ۲؎ ویروی انہ لاتکرہ الاقامۃ ایضًا لانہ احدالاذانین ۳؎ ویروی انہ یکرہ الاذان ایضا لانہ یصیر داعیًا الٰی مالا یجیب بنفسہٖ،

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اذان ذکر ہے نماز نہیں ہے اسلئے وضو اس میں مستحب ہے، جیسے کہ قرآن پڑھنے میں وضو مستحب ہے۔

ترجمہ (۲۲۴) اور مکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضو کے۔

تشریح : حدث کی حالت ہلکی ناپاکی ہے اسلئے اذان میں اتنا حرج نہیں، کیونکہ اسکے بعد جاکر وضو کر سکتا ہے۔لیکن اقامت کے بعد فورا نماز ہے اسلئے اقامت بغیر وضو کے مکروہ ہوگی، البتہ ہو جائے گی۔اور جنابت کی حالت غلیظ ناپاکی ہے اسلئے اذان مکروہ ہوگی، اور اقامت تو کچھ زیادہ ہی مکروہ ہوگی، تاہم اگر نہیں لوٹایا تو نماز بہر حال ہو جائے گی کیونکہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے بھی ہو جاتی ہے۔اسی قاعدے پر آگے کے مسئلوں کی تفصیل ہے۔

وجہ : (۱) اوپر گزر چکی ہے کہ دوسروں کو نماز کی طرف بلائے اور خود نماز چھوڑ کر وضو کے لئے جائے تو کتنی بری بات ہے؟ (۲) اقامت بھی اذان کا ہی حصہ ہے اور جب اذان بغیر وضو کے نہ دے تو اقامت تو بدرجہ اولی بغیر وضو کے نہ دے، اسکے لئے حدیث یہ گزری۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاذان بغیر وضوء ص۵۰ نمبر ۲۰۰)

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ وضو نہ کرنے کی صورت میں اقامت اور نماز کے درمیان فصل پیدا ہوگا۔

تشریح : اقامت بغیر وضو کے کہے گا تو اسکے بعد وضو کرنے جائے گا تو اقامت اور نماز کے درمیان کافی فاصلہ ہو جائے گا جو اچھی بات نہیں ہے، اسلئے اقامت بغیر وضو کے ہو تو جائے گی البتہ مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور روایت یہ بھی ہے کہ کہ اقامت بھی مکروہ نہیں ہے، اسلئے کہ وہ بھی دو اذان میں سے ایک ہے۔

تشریح : ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس طرح بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ نہیں، البتہ اچھا نہیں ہے اسی طرح بغیر وضو کے اقامت کہنا مکروہ نہیں ہے البتہ اچھا نہیں ہے۔اور اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی ایک قسم کی اذان ہی ہے، اور اذان مکروہ نہیں تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور یہ بھی روایت ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے، اسلئے کہ وہ ایسی چیز کی طرف بلانے والا ہوگا جو وہ خود نہیں کر رہا ہے۔

تشریح : اس روایت میں یہ ہے کہ اذان بھی بغیر وضو دینا مکروہ ہے۔ (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو بلا رہا ہے اور خود وضو کرنے جا رہا ہے، اسلئے مکروہ ہے۔(۲) اثر میں ہے۔۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰ من کرہ أن یوذن وھو غیر طاھر، ج اول

(٢٢٥) ویکرہ ان یؤذن وھو جنب ﴿ ١ روایةً واحدة ٢ ووجہ الفرق علیٰ احدی الروایتین ھو ان للاذان شبھا بالصلوٰة فیشترط الطھارة عن اغلظ الحدیث دون اخفھما عملاً بالشبھین ٣ وفی الجامع الصغیر اذا اذن علیٰ غیر وضوء واقام لایعید والجنب احب الیّ ان یعیدوان لم یعد اجزاہ

،ص١٩٢،نمبر٢١٩٦ عن عطاء أنه کرہ أن یوء ذن الرجل و ھو علی غیر وضوء /مصنف عبدالرزاق، باب الاذان علی غیر وضوء، ج اول، ص ٤٦٥، نمبر ١٧٩٩) اس اثر میں ہے کہ بغیر وضو کے اذان مکروہ ہے۔(٣)اور حدیث بھی گزر چکی کہ بغیر وضو کے اذان نہ دے۔عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الاذان بغیر وضوء ص٥٠ نمبر ٢٠٠) اسلئے مکروہ ہے۔

ترجمہ: (٢٢٥) اور مکروہ ہے کہ جنابت کی حالت میں اذان دے۔

ترجمہ: ١ یہ ایک روایت ہے۔

وجہ: جب بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ ہے تو جنابت کی حالت میں اذان دینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا(٢) عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الاذان بغیر وضوء ص٥٠ نمبر ٢٠٠) اسلئے جنابت کی حالت میں بدرجہ اولی مکروہ ہوگا۔

ترجمہ: ٢ دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ اذان کو نماز کی بھی مشابہت ہے اسلئے دو حدثوں میں سے اغلظ سے پاکی کی شرط لگائی جائے گی نہ کہ اخف کی دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح : اوپر وضو کے بارے میں دو روایتیں گزریں، ایک تو یہ کہ بغیر وضو کے اذان میں کوئی حرج نہیں، البتہ اچھا نہیں ہے، اور دوسری رویت یہ ہے کہ بغیر وضو کے اذان مکروہ ہے، جس میں ہے کہ کوئی حرج نہیں اس روایت کے سلسلے میں یہ فرق بتا رہے ہیں کہ بغیر وضو کے اذان کیوں جائز ہے اور جنابت کی حالت میں مکروہ کیوں ہے؟ فرماتے ہیں۔اذان کی دو حیثیتیں ہیں۔(١) ایک تو یہ کہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے اسلئے اس میں اخف طھارت یعنی وضو کی ضرورت نہیں۔اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نماز کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں تکبیر وغیرہ ہے اسلئے اغلظ طھارت یعنی جنابت سے پاک ہونا چاہئے۔اس طرح اذان عملا دونوں کے مشابہ ہوگیا، یعنی نماز ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔یہ دلیل عقلی ہے، اصل تو اوپر کی حدیث اور اثر ہے جس سے جنابت کی حالت میں اذان مکروہ ہے۔

ترجمہ : ٣ اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر بغیر وضو کے اذان دی اور اقامت کہی تو نہ لوٹائے، اور جنابت کی حالت میں اذان یا اقامت کہی تو پسندیدہ یہ ہے کہ لوٹالے۔پھر بھی اگر نہیں لوٹایا تو کافی ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔موء ذن أذن علی غیر وضوء و أقام قال : لا یعید ، و الجنب أحب الی

۴؎ اما الاول فلخفة الحدث، ۵؎ واما الثانی ففی الاعادة بسبب الجنابة روایتان ۶؎ والاشبه ان یعاد الاذان دون الاقامة لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة ۷؎ وقوله ان لم یعد اجزاه یعنی الصلوٰة لانها جائزة بدون الاذان والاقامة، (۲۲۶) قال: وکذلک المرأة تؤذن ۱؎ معناه یستحب ان یعاد

أن یعید . (جامع صغیر باب الاذان، ص۸۴،) اسکا حاصل یہ ہے کہ بغیر وضو کے اذان دی، یا اقامت کہی تو اذان اور اقامت ہوگئی ،اسلئے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر کراہیت کے ہوگئی ہے لیکن جنابت کی حالت میں اذان ، یا اقامت کہی تو کراہیت کے ساتھ ہوئی ، اسلئے بہتر یہ ہے کہ دونوں کو لوٹا لے ، کیونکہ کراہیت کے ساتھ ہوئی ہے۔ تا ہم اگر نہیں لوٹائی تو ہوگئی ہے اسلئے کافی ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ بہر حال پہلا یعنی وضو،تو حدث کے ہلکے ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : پہلے سے مراد ہے کہ بغیر وضو کے اذان ، یا اقامت کہی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ یہ حدث شدید نہیں ہے خفیف ہے۔

ترجمہ : ۵؎ بہر حال دوسرا،تو جنابت کے سبب سے لوٹانے میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : دوسرا سے مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں اذان ، یا اقامت کہی تو دونوں کو لوٹائے یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ظاہری روایت یہ ہے کہ لوٹانا مستحب ہے اور امام کرخیؒ کی روایت میں ہے کہ لوٹانا واجب ہے۔

ترجمہ: ۶؎ فقہ سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اذان لوٹائے ،اقامت نہ لوٹائے ،اسلئے کہ اذان میں تکرار مشروع ہے اقامت میں نہیں۔

تشریح : جنابت کی حالت میں اذان ، یا اقامت کہہ دی تو مکروہ تو دونوں ہوئے ، البتہ فقہ سے مناسب بات یہ ہے کہ اذان دہرا لے ، کیونکہ اذان میں تکرار مشروع ہے۔ کیونکہ جمعہ میں دو مرتبہ اذان دی جاتی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی دو مرتبہ اذان ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اقامت نہ دہرائے ، کیونکہ ایک ہی نماز میں دو مرتبہ اقامت کہنے کی مثال نہیں ہے۔

ترجمہ : ۷؎ اور جامع صغیر کا یہ قول ۔ وان لم یعد اجزاہ۔ کہ اذان ، یا اقامت نہ لوٹائے تب بھی کافی ہے، کا مطلب یہ ہے کہ نماز جائز ہوجائے گی۔ اسلئے نماز بغیر اذان اور اقامت کے بھی جائز ہوجاتی ہے۔

تشریح : اتنی سی بات ہے کہ بغیر اذان ،اور بغیر اقامت کے نماز پڑھے گا تو خلاف سنت ہوگی۔ اسلئے نماز جائز ہوجائے گی۔

ترجمہ: (۲۲۶) جامع صغیر میں فرمایا کہ ایسے ہی عورت اذان دے تو لوٹائی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اسکا معنی یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ لوٹا لے تا کہ اذان سنت کے طریقے پر واقع ہو۔

لیقع علیٰ وجه السنة(٢٢٧) ولا یؤذن لصلوٰة قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت﴾

تشریح:۔عورت اپنے لئے اذان دے تو بعض ائمہ کے یہاں گنجائش ہے۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔عن عائشة أنها کانت تؤذن و تقیم و تؤم النساء و تقوم وسطهن ۔(سنن بیہقی، باب أذان المرأة وا قامتها لنفسها وصواحبتها، ج اول،ص ٦٠٠،نمبر ١٩٢٢ رمصنف ابن ابی شیبة، ٣٣ من قال علیهن أن یؤذن ویقمن، ج اول،ص ٢٠٢،نمبر ٢٣٢٢)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اذان، اورا قامت کہنے کی گنجائش ہے۔لیکن مرد کے ہوتے ہوئے عورت اذان کہے تو بہتر نہیں ہے اسلئے اسکو دہرا لے تو مستحب ہے۔

وجه : یہ حدیث ہے۔عن أسماء قالت قال رسول الله ﷺ : لیس علی النساء أذان و لا اقامة و لا جمعة و لا اغتسال جمعة و لا تقدمهن امرأة و لکن تقوم وسطهن ۔(سنن بیہقی، باب لیس علی النساء أذان ولا اقامة، ج اول ،ص ٦٠٠ ،نمبر ١٩٢١ رمصنف ابن ابی شیبة، ٣٢ فی النساء من قال لیس علیهن اذان ولا اقامة ، ج اول،ص ٢٠٢،نمبر ٢٣١٣) اس حدیث میں ہے کہ عورتوں پر اذان نہیں ہے اسلئے اسکی اذان مردوں کے لئے مکروہ ہے اسلئے لوٹا لے تو بہتر ہے۔

ترجمه :(٢٢٧) نہیں اذان دی جائے نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے، اور وقت آنے پر لوٹائی جائے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ کسی بھی نماز میں وقت سے پہلے اذان صحیح نہیں ہے۔اور اگر اذان دے دی تو دوبارہ لوٹائی جائیگی۔

وجه: (۱)اذان دینے کا مقصد وقت بتانا ہے۔لیکن وقت سے پہلے اذان دینے سے وقت کی تجہیل ہوگی۔اس لئے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے (۲) مدینہ طیبہ میں فجر کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی تھی وہ تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور جو تہجد پڑھ چکے ہیں ان کو آرام کرنے کی اطلاع دینے کے لئے تھی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی طرح تہجد پڑھنے والے کثرت سے ہوں تو ان کو بیدار کرنے کے لئے اذان دی جاسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز کے لئے عبداللہ بن مکتوم دوسری اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال لایمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحوره فانه یؤذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم و لینبه نائمکم . (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ٨٧ نمبر ٦٢١ رنسائی شریف، باب الاذان فی غیر وقت الصلوة ص ٧٥ نمبر ٦٤٢)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں تھی، تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے تھی۔اسی لئے نماز کے وقت حضرت عبداللہ ابن مکتوب دوبارہ اذان دیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے(۳)عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا و اشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم. (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ٨٧ نمبر ٦٢٢ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الاذان باللیل ص ٥٠ نمبر ٢٠٣)(۴) وقت سے پہلے اذان دینے سے اذان لوٹانی پڑے گی حدیث میں ہے عن ابن عمر ان بلالا اذن بلیل

۱؎ لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهيل ۲؎ وقال ابويوسفؒ وهو قول الشافعیؒ يجوز للفجر فی النصف الاخير من الليل لتوارث اهل الحرمين ۳؎ والحجة على الكل قوله عليه السلام لبلالؓ لاتؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذا ومديديه عرضًا،

فامره النبی ﷺ ان ينادی ان العبد قد نام ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل ص۵۰ نمبر ۲۰۳/ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص۸۶ نمبر ۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے حضرت بلال نے اذان دی تو حضورؐ نے ان کولوگوں کے سامنے معذرت کرنے کے لئے کہا کہ 'ان العبد قد نام' کہو(۵) ان رسول اللہ ﷺ قال له لا تؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذاومد يديه عرضا. (ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص۸۶ نمبر ۵۳۴) اس حدیث میں ہے کہ جب تک فجر پھیل کر ظاہر نہ ہو جائے اذان نہ دے، اس سے معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت سے پہلے اذان نہ دے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اذان اطلاع دینے کے لئے ہے اور وقت سے پہلے اذان دینے سے لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے۔

تشریح : وقت سے پہلے اذان نہ دینے کی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ اذان اسلئے ہے کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ اب نماز کا وقت ہو گیا ہے۔اور وقت سے پہلے اذان دینے سے لوگ شبہ میں پڑ جائیں گے اور جہالت ہوگی، اسلئے وقت سے پہلے اذان دینا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فجر کے لئے رات کے نصف آخیر میں اذان دینا جائز ہے، اھل حرمین کے توارث کی وجہ سے حضورؐ کے زمانے سے آج تک اھل حرمین صبح صادق سے پہلے اذان دیتے ہیں، اس توارث کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ رات کے دوسرے حصے میں فجر کی اذان دے سکتا ہے۔(۲) حدیث میں بھی ہے کہ حضرت بلال صبح صادق سے پہلے اذان دیتے تھے، حدیث یہ گزر گئی . عن عائشة عن النبی ﷺ أنه قال : ان بلالا يوء ذن بليل فكلوا و اشربوا حتى يوء ذ ن ابن أم مكتوم ۔(بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر، ص۸۲، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ فجر سے پہلے اذان دینا جائز ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور کل پر حجت حضرت بلال کو حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ اذان نہ دو یہاں تک کہ فجر اس طرح واضح ہو جائے، اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ کو چوڑائی میں پھیلایا۔

تشریح: اوپر حدیث گزر گئی ہے کہ جب تک صبح صادق خوب واضح نہ ہو جائے فجر کی اذان نہ دے۔حدیث یہ ہے ۔ان رسول الله ﷺ قال له لا تؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذاومد يديه عرضا. (ابوداؤد شریف، باب فی

(۲۲۸) والمسافر يؤذن ويقيم ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام لابنى ابى مليكة اذا سافرتما فاذّنا واقيما،
(۲۲۹) فان تركهما جميعًا يكره ﴾ ۱؎ ولو اكتفى بالاقامة جاز

الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۴) اس حدیث میں ہے کہ جب تک صبح صادق پھیل نہ جائے اذان نہ دو ۔

ترجمہ (۲۲۸) اور مسافر اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔

ترجمہ: ۱؎ ابی ملیکہ کے دو بیٹوں سے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب تم سفر کرو تو دونوں اذان دو اور اقامت کہو۔

تشریح :جس طرح مقیم آدمی اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے گا، اسی طرح مسافر بھی اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے گا۔

وجہ :(۱) اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن مالک بن الحويرث قال : أتى رجلان النبى ﷺ يريدان السفر فقال النبى ﷺ : اذا انتما خرجتما فأذنا ثم ليوء مكما أكبر كما ۔(بخاری شریف، باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعة الخ، ص ۸۷، نمبر ۶۳۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان فی السفر، ص ۵۰ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر اذان دے اور اقامت کہے۔(۲) غزوہ خیبر والے سفر میں تھے اور نماز قضا ہوگئی تو بھی آپ نے اذان دلوائی اور اقامت کہلوائی ۔ حدیث یہ ہے۔عن أبى هريرة فى هذا الخبر قال : فقال رسول الله ﷺ : تحولوا عن مكانكم الذى أصابتكم فيه الغفلة ، قال فأمر بلالا فأذن و أقام و صلى ۔(ابوداود شریف، باب فی من نام عن صلوة أو نسیها، ص ۶۹، نمبر ۴۳۶) اس حدیث میں سفر میں اذان اور اقامت کہی گئی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ سفر میں بھی اذان اور اقامت کہی جائے گی۔

ترجمہ: (۲۲۹) پس اگر اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو مکروہ ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اور اگر اقامت پر اکتفاء کیا تب بھی جائز ہے۔

تشریح : اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دے تو مکروہ ہے۔اسکی وجہ اوپر کی حدیث ہے جس میں باضابطہ صحابیؓ کو حکم فرمایا کہ سفر کرو تو اذان اور اقامت کہہ لیا کرو۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان فی السفر، ص ۵۰ نمبر ۲۰۵) اور اگر اذان تو نہیں دی البتہ اقامت کہہ لی تو چل جائے گا اور جائز ہے۔

وجہ : (۱) اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سفر میں صرف اقامت پر اکتفاء کرتے تھے اور صبح کی نماز میں اذان بھی دیتے تھے۔۔اثر یہ ہے۔ أن ابن عمر كان لا يزيد على الاقامة فى السفر فى الصلاة الا فى الصبح ، فانه كان يوء ذن فيها و يقيم و يقول : انما الاذان للامام الذى يجتمع اليه الناس ۔(سنن بیہقی، باب باب قول من اقتصر علی الاقامة فی السفر، ج اول، ص ۶۰۶، نمبر ۱۹۴۴ / مصنف ابن ابی شیبة، ۲۳، فی المسافرین یوءذنون أو تجزئهم الاقامة؟، ج اول، ص ۱۹۷، نمبر ۲۲۵۸)

ع لان الاذان لاستحضار الغائبين والرفقة حاضرون والاقامة لاعلام الافتتاح وهم اليه محتاجون،
(۲۳۰) فان صلى في بيته في المصر يصلى باذان واقامة ﴾ ل ليكون الاداء علىٰ هيأة الجماعة
ع وان تركهما جاز لقول ابن مسعودؓ اذان الحيّ يكفينا.

اس اثر میں ہے کہ صرف صبح کی نماز میں اذان دی جاتی تھی، باقی میں اقامت پر اکتفاء کرتے تھے، اسلئے اقامت کو بھی چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ع اسلئے کہ اذان غائب لوگوں کو حاضر کرنے کے لئے ہے، اور ساتھی لوگ حاضر ہیں۔ اور اقامت نماز شروع کرنے کی اطلاع کے لئے ہے، اور ان لوگوں کو اسکی ضرورت ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے جو اوپر اثر میں اسکا تذکرہ تھا۔ کہ اذان کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ غائب ہیں انکو اذان دیکر حاضر کیا جائے، اور یہاں تو تمام رفیق سفر حاضر ہی ہیں اسلئے اذان کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور اقامت کا مقصد یہ ہے کہ مصلیوں کو اسکی اطلاع دی جائے کہ نماز شروع ہو رہی ہے۔ اور رفیق سفر کو بھی اسکی ضرورت ہے کہ انکو نماز شروع ہونے کی اطلاع دی جائے اسلئے اقامت کی ضرورت باقی ہے اسلئے اقامت کہی جائے۔ جیسا کہ اثر میں تھا۔

ترجمہ : (۲۳۰) پس اگر شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھی تو اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھے۔

ترجمہ: ل تا کہ ادا جماعت کی ترتیب پر ہو جائے۔

وجہ : (۱) شہر کی مسجد میں اذان اور اقامت ہو چکی ہے اب یہ گھر میں نماز پڑھ رہا ہے، اسلئے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے اذان دینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے، تاہم اذان دے دے تو اچھا ہے تا کہ جس طرح مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ہوتی ہے اسی طرح گھر میں بھی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ہو جائے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن ام ورقة الانصاری أن رسول الله ﷺ كان يقول : انطلقوا بنا الى الشهدة فنزورها ،فأمر أن يوء ذن لها و يقام و يوء م اهل دارها في الفرائض ۔ (سنن بیہقی، باب سنة الاذان والاقامة في البيوت وغيرها، ج اول، ص ۵۹۷، نمبر ۱۹۰۹ رمصنف ابن ابی شیبة، ۲۶ في الرجل يصلى في بيته يوء ذن ويقيم أم لا، ج اول، ص ۱۹۹، نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے گھر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھی۔

ترجمہ: ع اور اگر اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو جائز ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ گاؤں کی اذان ہمیں کافی ہے۔

وجہ: (۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا عمل اس طرح ہے عن الاسود وعلقمة قالا أتينا عبد الله بن مسعود في فقال: أصلى هوء لاء خلفكم؟

فقلنا : لا ، قال : فقوموا فصلوا ، فلم یأ مرنا بأ ذان ولا اقامۃ ۔ (مسلم شریف ، باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ، ونسخ التطبیق ، ص ۲۰۱ ، نمبر ۵۳۴/۱۱۹۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھی ۔ (۲) صاحب ھدایہ نے جو اثر پیش کی اسکی عبارت اس طرح ہے ۔ عن عکرمۃ قال : اذا صلیت فی منزلک أجزأک موء ذن الحی . (مصنف ابن ابی شیبۃ ، من کان یقول یجزءان یصلی بغیر أذان ولا اقامۃ ، ج اول ، ص ۲۰۰ ، نمبر ۲۲۹۱) اس اثر میں ہے کہ گاؤں کی اذان تمکو کافی ہے ۔

JPEG CLIPART\PALM.jpg not found.

﴿باب شروط الصلوة التی تتقدمها﴾

(۲۳۱) یجب علی المصلی ان یقدم الطهارة من الاحداث والانجاس ﴾ ۱؎ علی ماقدمناه قال الله تعالیٰ وثیابک فطھّر ۲؎ وقال الله تعالیٰ وان کنتم جنبًافاطھروا (۲۳۲) ویستر عورته﴾

﴿باب شروط الصّلوٰة التی تتقدمہا﴾

ضروری نوٹ: شروط : شرط کی جمع ہے۔وہ فرائض جونماز سے پہلے ادا کئے جائیں۔جوفرائض نماز کے اندرلازم ہیں ان کو ارکان کہتے ہیں۔جیسے مصلی کا بدن پاک ہونا۔یہ شروط چھ ہیں (۱) بدن پاک ہونا حدث اور نجس دونوں سے (۲) جگہ پاک ہونا (۳) ستر عورت ہونا (۴) کپڑا پاک ہونا (۵) نماز کی نیت کرنا (۶) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

﴿(۱) بدن پاک ہو (۲) جگہ پاک ہو﴾

ترجمہ: (۲۳۱) واجب ہے نماز پڑھنے والے پر کہ پہلے پاکی حاصل کرے حدث سے اور نجس سے۔جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔

تشریح : حدث کی دوقسمیں ہیں۔حدث اصغر جیسے وضوکرنے کی ضرورت ہو اور حدث اکبر جیسے غسل کرنے کی ضرورت ہو جیسے جنابت ہو یا حیض یا نفاس سے پاک ہوئی ہو۔تو مصلی کو ان دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔حدث اصغر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق الخ (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اور حدث اکبر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وان کنتم جنبا فاطھروا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اور نجس سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطھر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) ظاہر ہے کہ کپڑے میں نجس لگی ہوتی ہے اس لئے نجس سے پاک ہونے کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔اس حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دار قطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدن، کپڑا اور مکان ان نجاستوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔باقی تفصیل باب الانجاس میں دیکھیں۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی نے فرمایا، کہ اے رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے کو پاک کرو۔

ترجمہ: ۲؎ اور اللہ تعالی نے فرمایا، کہ اگر تم جنبی ہو تو خوب خوب پاکی حاصل کرو۔۔دونوں آیتیں اوپر گزر گئیں۔

﴿(۳) ستر عورت ہو﴾

ترجمہ : (۲۳۲) مصلی اپنا ستر عورت کرے۔

مرد یا عورت کا جو جو عضو عورت ہے نماز کی حالت میں انکا چھپانا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔عضو کی تفصیل آگے ہے۔

ل لقوله تعالیٰ خذوازینتکم عند کل مسجد ای مایواری عورتکم عند کل صلوٰۃ ٢ وقال علیہ السلام لا صلوٰۃ لحائض الا بخمار ای لبالغۃ (۲۳۳) وعورۃ الرجل ماتحت السّرّۃ الی الرکبۃ

وجه : آیت میں ہے یا بنی آدم خذ وازینکم عند کل مسجد. (آیت ۳۱ سورۃ الاعراف ۷) اورحدیث میں ہے عائشۃ قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الحائض الابخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوۃ/ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کوستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

ترجمہ : ل اللہ تعالی کا قول، ہر نماز کے وقت میں زینت اختیار کرو۔ یعنی نماز کے وقت اتنا کپڑا پہنو جو تمہاری ستر ڈھانک دے۔

تشریح : یا بنی آدم خذ وازینکم عند کل مسجد. (آیت ۳۱ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مسجد کے وقت زینت اختیار کرو۔ اسلئے اسکی تفسیر بتاتے ہیں کہ مسجد سے نماز مراد ہے، کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرو یعنی اتنا کپڑا پہنو جو ستر ڈھانک دے۔

ترجمہ: ٢ اورحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حائضہ، یعنی بالغہ عورت کی نماز نہیں ہوتی مگر دوپٹے سے۔

تشریح : اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشۃ قالت: قال رسول اللہ ﷺ: لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الحائض الابخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوۃ/ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۱) یعنی آزاد عورت کا سر بھی عورت ہے اسلئے دوپٹہ اوڑھے گی تو نماز ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۳۳) مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔

تشریح: گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے اس لئے نماز میں ناف کھل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ لیکن اگر گھٹنا کا چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

وجه : حدیث میں ہے کہ ناف ستر میں نہیں ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبۃ من العورۃ . (دارقطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸)(۲)عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ مرو صبیانکم بالصلوۃ فی سبع سنین واضربوھم علیھا فی عشر و فرقوا بینھم فی المضاجع واذا زوج احدکم خادمہ من عبدہ او اجیرہ فلا ینظرون الی شیء من عورتہ فان کل شیء اسفل من سرتہ الی رکبتہ من عورتہ. (سنن للبیھقی، باب

ل لقولہ ﷺ عورۃ الرجل ما بین سرتہ الیٰ رکبتہ ویروی مادون سرتہ حتی تجاوز رکبتہ وبھذایتبین ان السرۃ لیست من العورۃ ۲ خلافًا لمایقول الشافعیؒ

عورۃ الرجل ج ثانی ص۳۲۴ ،نمبر ۳۲۳۵ ،دار قطنی ، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶) حضرت علیؓ کی حدیث میں تھا کہ گھٹنا ستر ہے۔اس لئے ابن شعیب کی حدیث میں الی رکبتہ کا ترجمہ گھٹنا سمیت کیا ہے۔ جیسے کہ وایدیکم الی المرافق کا ترجمہ کہنیوں سمیت کہا تھا۔اس لئے گھٹنا ستر میں داخل ہوگا۔اور عمرابن شعیب کی حدیث اسفل من سرتہ ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے نیچے نیچے ستر ہے ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

ترجمہ: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ مرد کا ستر عورت ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے۔اور یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ناف کے نیچے سے لیکر یہاں تک کہ دونوں گھٹنے تجاوز کر جائے۔اس سے ظاہر ہوا کہ ناف ستر عورت میں سے نہیں ہے۔

تشریح : یہ دونوں حدیثیں کئی حدیثوں کا مجموعہ ہیں۔اوپر وہ حدیثیں گزر گئیں۔مثلا ناف کے نیچے سے ستر شروع ہوتا ہے،اور خود ناف ستر میں سے نہیں ہے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ... فلا ینظر الی مادون السرۃ و فوق الرکبۃ فان ما تحت السرۃ الی الرکبۃ من العورۃ . (دار قطنی ،باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶ ،ابوداؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ ص ۷۸ نمبر ۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ ناف ستر نہیں ہے۔البتہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ گھٹنے سے اوپر ستر ہے،خود گھٹنہ ستر عورت نہیں ہے۔

اور گھٹنہ ستر عورت ہے اسکے لئے یہ حدیث گزری۔سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبۃ من العورۃ . (دار قطنی ، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ گھٹنہ ستر عورت میں سے ہے۔(۲) مسند احمد میں عبارت یہ ہے۔عن عمر و بن شعیب ....فلا ینظرن الی شیء من عورتہ ، فانما أسفل من سرتہ الی رکبتیہ من عورتہ ۔(مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو، ج ثانی ،ص ۳۸۷ ،نمبر ۶۷۱۷) اس حدیث میں ہے کہ ناف کے نیچے سے ستر ہے اور گھٹنے تک ہے،یعنی گھٹنے سمیت ہے۔

فائدہ ترجمہ: ۲ خلاف اسکے جو امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

تشریح : یعنی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناف ستر ہے۔ممکن ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ بھی ایک قول ہو۔ورنہ انکا اصل قول یہ ہے کہ ناف ستر عورت نہیں ہے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ : و عورۃ الرجل ما دون سرتہ الی رکبتیہ ، لیس سرتہ و لا رکبتاہ من عورتہ . (موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب جماع لبس المصلی ،ج ثانی ،ص ۸۴ ،نمبر ۱۱۵۷) اس عبارت سے

۳؎ والركبة من العورة خلافاله ايضًا ۴؎ وكلمة الٰى نحملها علىٰ كلمة مع عملا بكلمة حتى وعملابقوله عليه السلام:الركبة من العورة

معلوم ہوا کہ انکے یہاں نہ ناف ستر ہے اور نہ گھٹنہ ستر ہے۔۔اگر ناف ستر ہوتو یہ اثر دلیل بن سکتی ہے۔عن ابی العلاء مولی الاسلميين ، قال : رأيت علياً يتزر فوق السرة ۔(سنن بیھقی ، باب عورة الرجل، ج ثانی، ۳۲۸،نمبر ۳۲۴۹)اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ ناف کے اوپر ازار باندھتے تھے، جسکا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ناف ستر عورت ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور گھٹنا ستر عورت ہے، اسکے خلاف بھی امام شافعیؒ ہیں۔

تشریح : اوپر گزرا کہ حنفیہ کے نزدیک گھٹنہ ستر عورت ہے، اسکی دلیل اوپر گزر گئی۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک گھٹنہ ستر عورت نہیں ہے۔

وجه :ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ... فلا ينظر الى مادون السرة و فوق الركبةفان ما تحت السرة الى الركبة من العورة . (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیھا وحد العورة التی یجب ستر ھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶/) (۲) ابوداود میں عبارت یہ ہے۔عن عمرو بن شعيب .... فلا ينظر الى ما دون السرة و فوق الركبة ۔(ابوداؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوة ص ۸۷ نمبر ۴۹۶)اس حدیث میں گھٹنا سے اوپر ستر کہا گیا ہے۔اس لئے ان کے یہاں گھٹنا ستر نہیں ہے۔(۲) دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی ران کھلی ہوئی نظر آرہی تھی جسکا مطلب یہ ہوا کہ ران ستر عورت نہیں ہے تو گھٹنہ بدرجہ اولی ستر نہیں ہوگا، لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ غزا خيبر ....و ان ركبتي لتمس فخذ نبي الله ﷺ ثم حسر الازار عن فخذه حتى انى انظر الى بياض فخذنبي الله ﷺ۔(بخاری شریف، باب مایذکر فی الفخذ، ص ۵۳، نمبر ۳۷۱/ مسلم، باب غزوة خیبر ،ص ۸۰۳، نمبر ۱۳۶۵/۴۶۶۵)اس حدیث میں ہے حضورؐ کی ران نظر آرہی تھی تو گھٹنہ اس سے نیچے ہوتا ہے اسلئے وہ بدجہ اولی کھلا رہا ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ گھٹنہ ستر نہیں ہے۔۔ہمارا جواب اوپر کی حدیث ہے الركبة من العورة . (دار قطنی، نمبر ۸۷۸)

ترجمه : ۴؎ اور کلمہ۔الی۔کو کلمہ۔مع۔پر حمل کریں گے کلمہ۔حتی۔پر عمل کرتے ہوئے، اور حضور علیہ السلام کا قول:((الركبة من العورة)). پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح :ضرور صاحب ھدایہ کے ذہن میں مسند احمد، اور سنن بیھقی کی حدیث ہے جس میں الی رکبتہ، کا لفظ ہے۔عن عمرو بن شعيب ....فلا ينظرن الى شىء من عورته ، فانما أسفل من سرته الى ركبتيه من عورته ۔(مسند احمد، مسند

(۲۳۴) وبدن الحرة کلها عورة الا وجهها و کفیها ﴿ ل لقوله ﷺ: المرأة عورة مستورة،

عبداللہ بن عمرو، ج ثانی، ص ۳۸۷، نمبر ۶۷۱۷) اس حدیث میں الی رکبتہ، ہے، مصنف اس ۔الی۔ کا ترجمہ۔مع۔ کر رہے ہیں یعنی گھٹنے کے ساتھ ستر عورت ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے کہ گھٹنہ بھی عورت ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبة من العورة . (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیها وحد العورة التی یجب سترها ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) اسلئے ۔الی۔مع۔ کے معنی میں ہوسکتا ہے۔۔البتہ حتی تجاوز رکبتیه ۔کا جملہ مجھے نہیں ملا۔

نوٹ: ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کے بعض حضرات کا قول ہے کہ گھٹنا نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ گھٹنا کا ستر ہلکا ہے اور ران کا اس سے زیادہ سخت ہے اور شرمگاہ کا ستر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

لغت: السرۃ : ناف، الرکبۃ : گھٹنا۔

ترجمہ: (۲۳۴) آزاد عورت کا بدن کل کا کل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں۔

تشریح: آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہے۔یعنی اگر یہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ: آیت میں ہے ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها ۔(آیت ۳۱ سورۃ النور ۲۴) آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں لیکن جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ستر نہیں ہیں۔عن ابن عباس فی قوله ولا یبدین زینتهن الا ماظهر، الآیة قال الکحل والخاتم (سنن للبیهقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی، ص ۳۱۹، نمبر ۳۲۱۶) اس اثر میں الکحل سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی چہرہ ہے اور خاتم انگوٹھی پہننے کی جگہ یعنی ہاتھ مراد ہے۔کہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہوں تو یہ ستر نہیں ہیں (۲) ان دونوں کے ظاہر کرنے میں ضرورت بھی ہے اس لئے نماز میں یہ دونوں ستر نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ... قال رسول اللہ ﷺ یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح لها ان یری منها الا هذا وهذا واشار الی وجهه و کفیه. (ابوداؤد شریف، باب فی ماتبدی المرأۃ من زینتها ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہیں۔

ترجمہ: ل حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ عورت چھپی ہوئی ستر ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے ۔حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال : المرأة عورة ، فاذا خرجت استشرفها الشیطان ۔(ترمذی شریف، باب استشراف الشیطان المرأۃ اذا خرجت، ص ۲۸۴، نمبر ۱۱۷۳) اس حدیث میں ہے کہ عورت ستر عورت ہے۔

۲؎ واستثناء العضوين للابتلاء بابدائهما ۳؎ قال: وهذا تنصيص على ان القدم عورة ويروى انها ليست بعورة، وهو الاصح (۲۳۵) فان صلت وربع ساقها مكشوف اوثلثها تعيد الصلوٰة ۱؎ عند ابی حنيفة ومحمد وان كان اقل من الربع لا تعيد

ترجمه: ۲؎ اوردونوں عضو(ہاتھ اور چہرہ) کا استثناء ظاہر کرنے کی مجبوری کی وجہ سے ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث کہ عورت چھپا ہوا ستر ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا پورا عضو ستر ہے لیکن ہاتھ اور چہرے کو کھولنے کی مجبوری ہے، کیونکہ ہاتھ سے پکڑے گی اور چہرے سے دیکھے گی اسلئے ان دونوں کو کھولنے کی اجازت دی۔ اسکے لئے اوپر حدیث اور آیت گزر گئی۔

ترجمه: ۳؎ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ قدم ستر عورت ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت کا قدم ستر عورت نہیں ہے، اور صحیح یہی ہے۔

تشریح : عورت کا قدم نماز میں ستر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قدم کو ہتھیلی سے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے ہتھیلی ستر نہیں ہے تو قدم بھی ستر نہیں ہونا چاہئے، پھر قدم بھی مقام زینت ہے۔ لیکن بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قدم ستر ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ام سلمة انها سألت النبی ﷺ اتصلی المرأة فی درع وخمار ليس عليها ازار؟ قال اذا كان الدرع سابغا يغطی ظهور قدميها . (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأۃ ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے دونوں قدم چھپے ہوئے ہوں تب ہی نماز جائز ہے۔ اس لئے عورت کے دونوں قدم ستر ہیں۔ (۲) اس اثر میں اسکی پوری وضاحت ہے۔ عن محمد ابن زيد بن قنفذ ، عن امه أنها سألت أم سلمة : ماذا تصلی فيه المرأة من الثياب ؟ فقالت : تصلی فی الخمار والدرع السابغ الذی يغيب ظهور قدميها . (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأۃ ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۳۹) اس اثر میں ہے کہ عورت کے قدم کا اوپر کا حصہ چھپ جائے جسکا مطلب ہے کہ قدم کے اوپر کا حصہ ستر عورت ہے۔

نوٹ: ان احادیث اور ضرورت کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر ہیں لیکن باہر ستر نہیں ہیں۔

ترجمه: (۲۳۵) پس اگر اس حال میں نماز پڑھی کہ عورت کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہوئی تھی، یا ایک تہائی کھلی ہوئی تھی تو نماز لوٹائی گی۔

ترجمه: ۱؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور اگر چوتھائی سے کم ہو تو نہیں لوٹائے گی۔ (یہ عبارت جامع صغیر، باب فی صلوۃ المرأۃ وربع ساقیھا مکشوف، ص ۸۲، کی ہے)

۲ وقال ابویوسفؒ لاتعید.ان کان اقل من النصف لان الشیٔ انما یوصف بالکثرة اذا کان مایقابله اقل منه اذهما من اسماء المقابلة

تشریح : عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔اسلئے اگراسکی چوتھائی ،یا تہائی کھل گئی تو نماز نہیں ہوئی اسلئے نماز دوبارہ پڑھے گی۔اور اگر چوتھائی سے کم کھلی تو نماز ہوجائے گی ،اتنا معاف ہے۔

وجه : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ستر عورت کثیر کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی دہرانی پڑے گی۔

پھر کثیر ہونے میں چار اقوال ہیں (۱) چوتھائی عضو کثیر ہے۔اوراس حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا کہ چوتھائی سر مسح کرنے کو پورا سر کافی سمجھا گیا۔حدیث یہ ہے۔عن عروة بن المغيرة بن شعبة ،عن ابيه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضى حاجته .....ومسح بناصيته ،و على العمامة ،و على خفيه ،(مسلم شریف،باب المسح علی الناصیۃ ،والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۶۳۳/۲۷۴ ،ابوداود شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث میں پورے سر کے بجائے پیشانی کی مقدار،یعنی چوتھائی سر مسح کر لینا کافی قرار دیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چار مقامات پر چوتھائی کو کل کے درجے میں رکھا گیا ہے (۱) ستر عورت ،(۲) سر کے مسح ،(۳) اور احرام کی حالت میں سر کے حلق کرانے میں چوتھائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔چنانچہ احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوالیا تو گویا کہ پورا سر منڈوالیا،اور پورے سر کا دم دینا پڑے گا۔ (۴) چوتھائی کپڑا پاک ہے اور تین چوتھائی ناپاک ہے اور دوسرا کپڑا نہیں ہے تو چوتھائی پاک کو پورا کپڑا پاک مانا جائے گا،اوراس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنی ہوگی۔

(۲) تہائی عضو کھل جائے تو یہ کثیر ہے۔اور استدلال اس حدیث سے فرمایا کہ: تہائی مال وصیت کرے تو اسکو حدیث میں کثیر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تہائی بھی کثیر ہے اسلئے تہائی عضو کے کھلنے سے نماز لوٹائی جائے گی۔حدیث یہ ہے۔عن عامر بن سعد عن ابيه قال : مرض مرضا ....قال : الثلث ، قالؐ:((الثلث، الثلث كثير))(ابوداود شریف،باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ،ص ۴۱۶،نمبر ۲۸۶۴)اس حدیث میں تہائی کو کثیر کہا ہے اسلئے تہائی عضو کے کھلنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔

اصول : ستر عورت میں چوتھائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔یا تہائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔

(۳) تیسرا قول امام ابویوسفؒ کا ہے کہ آدھا کثیر ہے، کیونکہ برابر ہوگیا تو وہ قلیل کی حد سے نکل گیا تو گویا کہ کثیر ہوگیا۔

(۴) چوتھا قول بھی امام ابویوسفؒ کا ہے کہ آدھا سے زیادہ ہوگیا تو اب کثیر ہوگیا۔کیونکہ کھلا ہوا حصہ آدھا سے زیادہ ہوگیا تو چھپا ہوا حصہ کم رہ گیا،اسلئے کھلا ہوا حصہ کثیر ہوگیا۔

ترجمه : ۲ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ اگر آدھے سے کم ہو تو نماز نہیں لوٹائے گی۔کیونکہ کسی چیز کو زیادہ بیان کرتے ہیں

۳؎ وفی النصف عنہ روایتان فاعتبر الخروج عن حدالقلۃ ۴؎ اوعدم الدخول فی ضدہ ۵؎ ولھما الربع یحکی حکایۃ الکمال کما فی مسح الراس والحلق فی الاحرام ومن رأی وجہ غیرہ یخبر عن رؤیتہ وان لم یرالاالاحد جوانبہ الاربعۃ

جبکہ اسکے مقابلے میں اس سے کم ہو۔ اسلئے کہ کم، اور زیادہ مقابلہ کے ناموں میں سے ہیں۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آدھی پنڈلی سے کچھ کم کھلی ہوئی ہو تو نماز ہو جائے گی، لوٹانے کی ضرورت نہیں، انکا اصول یہ ہے کہ کثیر کھلے تب نماز نہیں ہوگی، اور کثیر اس وقت کہتے ہیں جب آدھے سے زیادہ ہو، اگر دونوں طرف آدھا آدھا ہے تو برابر ہوا، تو کم سے کم برابر ہو تو نماز ٹوٹے گی، اسلئے آدھے سے کم پنڈلی کھلی تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ کثیر اور قلیل یہ ایک دوسرے کے مقابلے کی چیز ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور آدھے کے کھلنے میں حضرت امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ پس اعتبار کیا نکلنے کا قلت کی حد سے۔

تشریح : آدھا عضو کھل گیا تو امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نماز ٹوٹ گئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں طرف برابر برابر ہیں تو کھلا ہوا حصہ قلیل نہیں رہا ، وہ قلت کی حد سے نکل گیا، اور جب قلت کی حد سے نکل گیا تو گویا کہ وہ کثیر ہو گیا۔ تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ نے قلت کی حد سے نکلنے کا اعتبار کر کے کثیر کہہ دیا ۔ (فاعتبر الخروج عن حد القلۃ) کا یہی مطلب ہے، کہ جب کھلا ہوا حصہ آدھا ہو گیا تو وہ اب قلیل نہیں رہا، قلیل کے حد سے نکل کر گویا کہ کثیر کی حد میں آ گیا۔

ترجمہ: ۴؎ یا اسکی ضد میں داخل نہ ہونے کا اعتبار کیا۔

تشریح: اور دوسری روایت یہ ہے کہ آدھا عضو کے کھلنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ ابھی تو دونوں طرف برابر برابر ہوئے، کثیر کہاں ہوا اس سے تھوڑا سا زیادہ کھلے گا تب نماز ٹوٹے گی۔ کیونکہ جب آدھا سے زیادہ کھلے گا تو چھپا ہوا حصہ آدھا سے کم رہ جائے گا اس وقت کھلا ہوا حصہ کثیر ہوا اب نماز ٹوٹے گی۔ تو برابر، برابر ہونے سے قلیل کی ضد کثیر میں داخل نہیں ہوا، جب آدھا سے زیادہ ہو جائے گا تب قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل ہوگا (او عدم الدخول فی ضدہ) کا یہی مطلب ہے۔ کہ جب تک برابر، برابر ہے تو قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل نہیں ہوا، اور جب کثیر نہیں ہوا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور جب آدھے سے زیادہ کھلے گا تب قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل ہوگا اور تب جا کر نماز ٹوٹے گی۔

اصول : (۱) نصف کثیر ہے۔ (۲) نصف سے زیادہ ہو تب کثیر ہے۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی کبھی پورا مانا جاتا ہے، جیسے (۱) سر کے مسح میں، (۲) احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں، (۳) کسی نے دوسرے کے چہرے کو دیکھا تو اسکے بارے میں بتاتے ہیں کہ پورے آدمی کو دیکھا،

(۲۳۶) والشعر، والبطن، والفخذ كذالک ﴾ ۱ یعنی علیٰ هٰذا الاختلاف لان کل واحد عضو علی حدة

حالانکہ چار جانب میں سے صرف ایک ہی جانب کو دیکھا ہے۔

تشریح : یہاں تین مثالیں ہیں جہاں جو حکم کل کا ہے وہی حکم چوتھائی کا ہے (۱) سر کے مسح میں چوتھائی سر کا مسح کرلیں تو پورے کا مسح شمار کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ چوتھائی کا حکم کل کا حکم ہے۔ (۲) احرام کی حالت میں پورا سر منڈوائیں تب بھی ایک دم یعنی ایک بکرا دینا پڑتا ہے، اور چوتھائی سر منڈوائیں تب بھی ایک ہی دم دینا پڑتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی چوتھائی کل کے حکم میں ہے۔ (۳) آدمی کے چہرے کے چار جانب ہوتے ہیں۔ دائیں، بائیں، سامنے کا حصہ، اور ٹھوڑی سے نیچے کا حصہ۔ لیکن ان چاروں جانب میں سے ایک جانب کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پورے چہرے کو دیکھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایک جانب جو پورے چہرے کی چوتھائی ہے پورے چہرے کے درجے میں ہے۔ اسی طرح ستر عورت میں چوتھائی ستر کا کھلنا پورے ستر کے کھلنے کے درجے میں ہے۔ یعنی چوتھائی ستر کے کھلنے سے ہی نماز ٹوٹ جائے گی۔

لغت : ساق: پنڈلی۔ مکشوف: کھلا ہوا۔ تعید: عاد سے مشتق ہے، لوٹانا۔ الربع یحکی حکایۃ الکمال: چوتھائی پورے کی حکایت کرتی ہے، یعنی چوتھائی ہی کو کل مان لیتے ہیں۔ الحلق: سر منڈوانا۔

ترجمہ: (۲۳۶) اور بال اور پیٹ اور ران کے بارے میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب فی صلوۃ المرأۃ وربع ساقها مکشوف، ص ۸۲، کی ہے۔

ترجمہ: ۱ یعنی اسی اختلاف پر ہے کیونکہ یہ عضو بھی الگ الگ ہیں۔

تشریح : یہ تو طے ہے کہ آزاد عورت کا بال، اور پیٹ، اور ران ستر عورت ہے اور اسکے کھلنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، البتہ کتنا کھلنے سے نماز ٹوٹے گی اس بارے میں اوپر والا اختلاف ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ، اور امام محمدؒ کے نزدیک بال، یا پیٹ، یا ران کی چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی، یا تہائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھا، یا آدھا سے زیادہ کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور بال اور پیٹ، اور ران الگ الگ عضو ہیں، اسلئے بال کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح پیٹ کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی، اسی طرح ران کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

آزاد عورت کی ہتھیلی اور چہرے کے علاوہ پورا بدن ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن عائشة ... قال رسول الله ﷺ یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها ان يرى منها الا هذا وهذا واشار الى وجهه

۲؎ والمراد به النازل من الرأس، هو الصحيح ۳؎ وانما وضع غسله فی الجنابة لمكان الحرج

و كفيه. (ابوداؤد شریف، باب فی ماتبدی المرأۃ من زینتھاج ثانی ص۲۳ا نمبر۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزادعورت کا چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ پورا بدن ستر عورت ہے، اور پیٹ بھی ستر عورت ہے۔

اور بال ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے (۱)۔عن عائشة عن النبی ﷺ أنه قال : لا يقبل الله صلاة حائض الا بخمار ابوداود شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، ص۱۰۱، نمبر۶۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر اوڑھنی کے نماز جائز نہیں، اسکا مطلب یہ ہے کہ سر اور بال ستر ہے۔(۲) عن أم سلمة قالت : لما نزلت﴿ يدنين عليهن من جلا بيبهن﴾ خرج نساء الانصار كأن على روء سهن الغربان من الاكسية ۔(ابوداود شریف، باب فی قول اللہ تعالی یدنین علیھن من جلا بیبھن، ص ۵٦٦، نمبر۴۱۰۱) اس حدیث میں ہے کہ انصار کی عورتیں سر پر اتنا کپڑا باندھتی تھیں کہ کوا سا بیٹھا معلوم ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ سر اور بال ستر عورت ہے۔

اور ران ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے ۔ كان جرهد هذا من أصحاب الصفة أنه قال : جلس رسول الله ﷺ عند نا و فخذی منكشفة فقال : أما علمت أن الفخذ عورة . (ابوداود شریف، باب النھی عن التعری، ص۵٦۷، نمبر۴۰۱۳ر بخاری شریف، باب مایذکر فی الفخذ، ص۵۳، نمبر۳۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ران ستر عورت ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور بالوں سے مراد وہ ہیں جو سر سے نیچے لٹکتے ہوئے ہوں، صحیح یہی ہے۔

تشریح : جو بال سر کے ساتھ ہے وہ تو ستر عورت ہے ہی، لیکن جو بال سر سے نیچے لٹک رہا ہے وہ بھی ستر عورت ہے، اور اسکی بھی چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے۔ یہ اثر اسکی دلیل ہے۔عن عكرمة قال : لو أخذت المرأة ثوبا فتقنعت به حتى لا يرى من شعرها شيء أجزأ عنها مكان الخمار ۔(مصنف عبدالرزاق، باب فی کم تصلی المرأۃ من الثیاب، ج ثالث، ص۱۲۹، نمبر۵۰۳۳) اس اثر میں ہے کہ پورا بال چھپ جائے تب نماز جائز ہے، جس سے معلوم ہوا کہ لٹکتا ہوا بال بھی ستر عورت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سر کے ساتھ جو لگا ہوا بال ہے وہ ستر عورت ہے، اور جو بال سر سے نیچے لٹکا ہوا ہے اسکے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ وہ ستر عورت نہیں ہے۔اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ستر عورت ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جنابت میں اسکا دھونا ساقط کیا گیا ہے حرج کی وجہ سے۔

تشریح : یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ لٹکتا ہوا بال ستر عورت ہے اور جسم کا حصہ ہے تو عورت کو کیوں کہا گیا کہ جنابت کے غسل میں اسکو نہ بھی دھووتو غسل ہو جائے گا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ ستر ہے اور نہ وہ جسم کا حصہ شمار کیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ وہ جسم کا حصہ ہے لیکن اسکو بار بار دھونے میں عورت پر حرج ہے اسلئے جنابت میں اسکا دھونا ساقط کر دیا گیا ہے

۴ والعورة الغليظة علىٰ هٰذا الاختلاف ۵ والذكر يعتبر بانفراده وكذا الانثيان، وهذا هو الصحيح دون الضم (۲۳۷)وما كان عورة من الرجل فهو عورة من الامة وبطنها وظهرها عورة وما سوى ذٰلک من بدنها ليس بعورة

ترجمه: ۴ پیشاب اور پیخانے کا مقام بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح : عورت غلیظہ سے مراد پیشاب اور پیخانے کا مقام ہے۔ یہ دونوں بھی الگ الگ ستر ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چوتھائی کھلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھا، یا آدھا سے زاید کھلنے سے نماز ٹوٹے گی۔

ترجمہ: ۵ ذکر کا اعتبار الگ ہے، اور ایسے ہی دونوں خصیوں کا اعتبار الگ ہے۔ یہی صحیح ہے۔ دونوں کو ملا کر ایک عضو نہیں ہے۔

تشریح : عضو تناسل اور دونوں خصیوں کو ملا کر ایک عضو شمار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ عضو تناسل الگ عضو ہے۔ اور اسکی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی، اور دونوں خصیے ملا کر الگ عضو ہے، ان دونوں کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تینوں کو ملا کر ایک عضو ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

ترجمه : (۲۳۷) مرد کے جتنے اعضاء ستر ہیں وہ باندی کے بھی ستر ہیں اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بدن میں سے ستر نہیں ہے۔

تشریح : باندی کے کندھے سے لیکر گھٹنے تک ستر ہیں۔ لیکن سر، گردن، بازو، پنڈلی اور پاؤں ستر نہیں ہیں۔

وجه : باندی مولی کے کام کے لئے باہر نکلتی ہے اس لئے ان اعضاء کو ستر قرار دینے سے حرج لازم ہوگا۔ اس لئے یہ اعضاء ستر نہیں ہیں۔ نماز میں یہ اعضاء کھل جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) ان صفية بنت ابى عبيد حدثته قالت خرجت امرأة مختمره متجلببة فقال عمر من هذه المرأة فقيل له هذه جارية لفلان رجل من بنيه فارسل الى حفصة فقال ما حملک على ان تخمری هذه الامة و تجلببيها تشبهيها بالمحصنات حتى هممت ان اقع بها لا احسبها الا من المحصنات لاتشبهوا الاماء بالمحصنات (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی ص ۳۲۰، نمبر ۳۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا ستر اتنا نہیں ہے جتنا آزاد عورت کا ہے۔ لیکن پستان اور سینہ موضع شہوت ہیں اس لئے وہ تمام جگہیں ستر میں شامل ہونگی۔ (۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باندی کا سر ستر عورت نہیں ہے۔ عن الشعبى عن شريح قال : تصلى الامة بغير خمار، تصلى كما تخرج ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الخمار، ج الثالث ص ۱۳۵، نمبر ۵۰۵۶) اس اثر میں ہے کہ بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھ سکتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اسکا سر ستر عورت نہیں ہے۔

ا لقوله عمرؓ الق عنکِ الخمار یاد فارُاتتشبهین بالحرائر ۲ ولانها تخرج لحاجة مولاها فی ثیاب مهنتها عادة فاعتبر حالها بذوات المحارم فی حق جمیع الرجال دفعًا للحرج

ترجمہ : ا حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے اے گندی اپنے سے اوڑھنی ہٹادے، کیا تو آزادعورتوں کے ساتھ مشابہت کرنا چاہتی ہے۔

تشریح : اثر یہ ہے۔عن انس أن عمر ضرب أمة لآل انس رآها متقنعة ، قال : اکشفی رأسک لا تشبهین بالحرائر ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۴) اس اثر میں ہے کہ سر پر کپڑا اڈالنے سے حضرت عمرؓ باندیوں کو روکتے تھے،جس سے معلوم ہوا کہ اسکا سر ستر عورت نہیں ہے۔

باندی کا سر ستر عورت تو نہیں ہے پھر بھی سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔حضورؐ کے زمانے میں باندیاں سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھا کرتی تھیں۔اثر یہ ہے۔عن ابن جریج قال : قلت لعطاء : أتصلی المرأة فی درّاعة ؟ قال : نعم ! أخبرت أن الاماء علی عهد رسول الله ﷺ و بعده کن لا یصلین حتی تجعل احداهن أزارها علی رأسها متقنعة ، أو خمارا ، أو خرقة یغیب فیها رأسها ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۴) اس اثر میں ہے کہ باندی بغیر کپڑا سر پر لئے نماز نہیں پڑھتی تھی ۔۔ یہ تو جاسوسی نہ کرے اور آزادعورتوں کا تشبہ اختیار نہ کرے اسلئے حضرت عمرؓ روکتے تھے۔

باندی کو مارنے کی وجہ : حضرت عمرؓ باندیوں کو بے پردہ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جو باندیاں آزادعورت کی طرح چادر میں اپنے آپ کو چھپا کر آزادعورت کی مشابہت اختیار کرتی تھی اس مشابہت سے باندیوں کو روکتے تھے، یا ڈانٹتے تھے،خصوصا اگر باندی غیر مسلمہ ہو اور آزادعورت کی طرح باہر نکلے تو لوگ اسکو سلام کریں گے اور اسلامی آداب بجالائیں گے جو اسلامی حکومت میں صحیح نہیں ہے اسلئے حضرت عمر روکتے تھے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ غیر مسلمہ باندی آزادعورت کا لباس پہن کر امہات المؤمنین کے گھروں میں آتی اور جاسوسی کرتی تھی ، اور یہ سمجھ کر کہ یہ آزادعورت ہے کوئی اسکو روکتا نہیں تھا اسلئے حضرت عمرؓ نے باندیوں کو آزاد کی طرح کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔لمبے اثر کا ٹکڑا یہ ہے۔أن صفیة بنت ابی عبید حدثته أن عمر رأی ۔هو یخطب الناس ۔أمة خرجت من بیت حفصة تجوس الناس ملتبسة لباس الحرائر ....فقد دخلت علیک و لا أراها الا حرة فأردت أن أعاقبها ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۲) اس اثر میں ہے کہ باندی آزاد کا لباس پہن کر جاسوسی کرتی تھی اسلئے آزاد کا لباس پہننے سے منع فرمایا انکا مقصد باندیوں کو بے پردہ کرنا نہیں تھا۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے عام طور پر خدمتی کپڑے میں نکلے گی اسلئے اسکا حال تمام مردوں کے حق میں ذی رحم محرم کا اعتبار کیا گیا، حرج کو دفع کرنے لئے۔

(۲۳۸) قال ولو لم یجد ما یزیل به النجاسة صلی معها ولم یُعد ﴾ ١ وهٰذا علیٰ وجهین ٢ ان کان ربع الثوب او اکثر منه طاهرًا یصلی فیه ولو صلی عریانا لایجزیه لان ربع الشئ یقوم مقام کله

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ باندی آقا کی ضرورت کے لئے عموما خدمتی کپڑے میں باہر نکلتی ہے اور خدمتی کپڑا کندھے سے لیکر گھٹنے تک ہوتا ہے تو جس طرح بار بار ذی رحم محرم مردوں کے سامنے آنے کی وجہ سے ذی رحم محرم عورتوں کا ستر کندھے سے لیکر گھٹنے تک قرار دیا،اسی طرح بار بار بازار جانے کی وجہ سے باندی کا ستر اجنبی مردوں کے سامنے کندھے سے لیکر گھٹنے تک قرار دیا تا کہ باندیوں کو آقا کی خدمت کے لئے بازار جانے میں حرج نہ ہو۔

نوٹ: خالص باندی : مدبرہ،ام ولد سب خالص باندی میں شامل ہیں۔

﴿(۴) کپڑا پاک ہو﴾

ترجمہ: (۲۳۸) اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کر سکے تو ایسی نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا اور بعد میں نہیں لوٹائے گا۔

تشریح: کپڑے پر یا جسم پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن نجاست کو زائل کرنے کے لئے اور اس کو دھونے کے لئے اس کے پاس پانی یا بہنے والی چیز نہیں ہے تو وہ اس کپڑے میں اور اسی جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔

وجہ: اس کی طاقت میں اس سے زائد نہیں ہے اور شریعت طاقت سے زیادہ مکلّف نہین بناتی۔اس لئے اس کی نماز جائز ہوجائے گی۔لوٹانے کی ضرورت نہین ہوگی۔(۲) آیت تیمّم میں ہے کہ بیوی سے صحبت کرے اور پانی نہ پائے تو تیمّم کرے،ظاہر ہے کہ نجاست تو اسکے جسم پر لگی رہی لیکن پانی نہ ہونے کی وجہ سے نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔اسی طرح کپڑا دھونے کے لئے پانی نہ ہو،اور کوئی دوسرا کپڑا ابھی نہ ہو تو اسی کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہوگا۔آیت تیمّم یہ ہے۔ و ان کنتم جنبا فاطهروا و ان کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدو ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوهکم وایدیکم منه ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطهر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں حرج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔۔ اور نماز لوٹانے کی ضرورت اسلئے نہیں ہے کہ جس وقت میں جو حکم تھا وہی اس نے پورا کر دیا اسلئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : ١ کپڑا ناپاک ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

تشریح : کپڑا کتنی مقدار ناپاک ہے اسکی دو صورتیں ہیں۔(١) چوتھائی کپڑا،یا اس سے زیادہ پاک ہو،اور باقی ناپاک ہو اس صورت میں کپڑا پہن کر نماز پڑھنا ہوگا،ننگا ہو کر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ چوتھائی سے کم پاک ہے اور

۳؎ وان کان الطاهر اقل من الربع فکذلک عند محمدؒ وهو احد قولی الشافعیؒ لان فی الصلوٰۃ فیه ترک فرض واحدوفی الصلوٰۃعریانا ترک الفروض ۴؎ وعندابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ یتخیربین ان

تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہے،اس صورت میں امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کپڑا پہن کر ہی نماز پڑھے،اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختیار ہے چاہے کپڑا پہن کرنماز پڑھے،اور چاہے تو ننگا نماز پڑھے۔۔تفصیل آگے ہے۔

(ب) اگر چوتھائی کپڑا، یا اس سے زیادہ پاک ہے تو اسی میں نماز پڑھے،اور اگر ننگا ہو کر نماز پڑھی تو اسکو کافی نہیں ہوگی ،اسلئے کہ چوتھائی چیز کل کے قائم مقام ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوتھائی چیز کل کے درجے میں ہے۔اسلئے چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے اسلئے اسکے بغیر ننگا ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے۔اس حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا کہ چوتھائی سر مسح کرنے کو پورا سر کافی سمجھا گیا۔حدیث یہ ہے۔**عن عروۃ بن المغیرۃ بن شعبۃ ،عن ابیه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضی حاجته .....ومسح بناصیته ،و علی العمامۃ ،و علی خفیه** ، (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ، والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۶۳۳/۲۷۴ ،ابوداود شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث میں پورے سر کے بجائے پیشانی کی مقدار،یعنی چوتھائی سر مسح کر لینا کافی قرار دیا۔اس لئے چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے،اسلئے اس کے بغیر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو ایسے ہی کپڑا پہننا پڑے گا امام محمدؒ،اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک میں، اسلئے کہ ناپاک کپڑے میں نماز کی صورت میں ایک فرض (طہارت) کو چھوڑنا ہے،اور ننگے نماز پڑھنے میں بہت سے فرضوں کو چھوڑنا ہے۔

تشریح :اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہے پھر بھی امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں یہی ہے کہ یہ ناپاک کپڑا پہن کر ہی نماز پڑھنی ہوگی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھتے ہیں تو صرف ایک فرض چھوٹے گا کہ پاکی نہیں ہوگی۔اور ننگا نماز پڑھے گا تو چار فرض چھوڑنا ہوگا (۱) قیام چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا، کیونکہ قیام کرے گا آگے پیچھے سب کو نظر آئے گا (۲) رکوع چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی رکوع کا اشارہ کر کے نماز پڑھے گا،(۳) سجدہ چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے گا، کیونکہ اگر سجدے میں گیا تو اسکا پچھلا حصہ سب کو نظر آئے گا،(۴) خود ستر عورت کو چھوڑا کیونکہ ننگا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے۔اسلئے چار فرضوں کو چھوڑنے کے بجائے صرف طہارت کو چھوڑے اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھ لے۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختیار ہے چاہے ننگا نماز پڑھے،اور چاہے تو اس ناپاک کپڑے

یصلی عریاناوبین ان یصلی فیه وهوالافضل ۵؎ لان کل واحدمنهما مانع جوازالصلوٰة حالةالاختیار ویستویان فی حق المقدار فیستویان فی حکم الصلوٰة ٦؎ وترک الشئ خلف لایکون ترکا

میں نماز پڑھے،اور ناپاک کپڑے میں نماز پڑھناافضل ہے۔

وجه :ترجمه : ۵؎ اسلئے کہ اختیار کی حالت میں کپڑے کا ناپاک ہونااورسترعورت کا کھلنادونوں نماز کوروکنے والے ہیں۔ اورمقدار کے حق میں بھی برابر ہیں اسلئے نماز کے حکم بھی برابر ہونگے۔

تشریح : اوپر گزرا کہ چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہوتو ننگا ہوکرنماز پڑھنے کا بھی اختیار ہےاور کپڑا پہن کربھی نماز پڑھنے کا اختیار ہےاسکی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ کپڑاپاک کرنے کا موقع ہوپھربھی ناپاک کپڑے سے نماز پڑھےتو جائزنہیں ۔اسی طرح ستر چھپانے کا موقع ہوپھربھی ننگا نماز پڑھےتو جائزنہیں ہے،اس سے معلوم ہوا کہ سترعورت اورنجاست دونوں کا درجہ برابر ہے۔اسی طرح مقدار کے سلسلے میں بھی دونوں ایک ہیں۔کہ قلیل نجاست معاف ہے،مثلا ایک درھم کی مقدار معاف ہے، یا نجاست خفیفہ میں چوتھائی ناپاک ہوتو معاف ہے، اور کثیر نجاست مانع نماز ہے۔اسی طرح قلیل سترعورت چوتھائی عضو سے کم ہوتو معاف ہےاور اسکے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے،اور کثیر سترعورت چوتھائی عضو سے زیادہ ہوتو نماز کوروکتا ہےاور مانع نماز ہے،اس سے بھی معلوم ہوا کہ نجاست اورسترعورت دونوں کاحکم برابردرجے کا ہے۔

اب یہاں دونوں میں سے ایک کو لیتے ہیں تو دوسرا چھوٹ جاتا ہے۔اگرستر چھپاتے ہیں تو پاکی چھوٹ جاتی ہے،ناپاک کپڑا پہننا پڑتا ہے، کیونکہ اسکے علاوہ کوئی کپڑا ہی نہیں ہے۔اوراگر پاکی پرعمل کرتے ہیں اورناپاک کپڑانہیں پہنتے ہیں تو ستر چھوٹ جاتا ہے ننگا ہوکرنماز پڑھنی پڑتی ہے ۔اورابھی بتایا کہ سترعورت اورنجاست سے پاکی دونوں کا درجہ برابر ہےاسلئے نمازی کو یہاں دونوں میں سے ایک کو لینے کا اختیار ہوگا۔اوردونوں صورتوں میں نماز ہوجائے گی ،البتہ افضل یہ ہے کہ ناپاک کپڑا پہن کرنماز پڑھے، کیونکہ ننگا نماز پڑھنااچھانہیں ہے۔

ترجمه : ٦؎ کسی چیز کواسکا خلیفہ بنا کرچھوڑنا گویا کہ اسکوچھوڑنانہیں۔

تشریح : یہ امام محمداورامام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ ناپاک کپڑا پہن کرنماز پڑھیں تو صرف ایک فرض پاکی کو چھوڑنا پڑتا ہے،اورننگا ہوکرنماز پڑھےتو چارفرض چھوڑنا پڑتا ہے: قیام،رکوع،سجدہ،اورسترعورت۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ قیام،رکوع،اورسجدہ کا خلیفہ موجود ہےیعنی قیام کا اشارہ،اوررکوع کا اشارہ،اورسجدے کا اشارہ،پس جب خلیفہ موجود ہےتو اس عمل کو چھوڑنا کہاں ہوا! بس ایک فرض سترعورت کوچھوڑنا ہوا،اوراسکے مقابلے میں طہارت کوچھوڑنا ہوتا ہےاسلئے دونوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلے۔

ے والافضلیةُ لعدم اختصاص الستر بالصلوٰة واختصاص الطهارة بها (۲۳۹) ومن لم یجد ثوباً صلّی عریانًا قاعدا یؤمی بالرکوع والسجود ﴾ ا هکذا فعله اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ (۲۴۰) فان صلی قائمًا اجزاه﴾

ترجمہ: ے اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے، اسلئے کہ ستر چھپانا نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور پاک کپڑا پہننا تو نماز کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح : اوپر فرمایا کہ ننگا نماز پڑھنا اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا دونوں کا اختیار ہے لیکن افضل یہ ہے کہ کپڑا پہن کر نماز پڑھے، اس افضل کی وجہ بتا رہے ہیں کہ ستر کو چھپانا نماز میں بھی ضروری ہے اور نماز سے باہر بھی ضروری ہے ننگا رہنا کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اسلئے کپڑا پہننا افضل ہے۔ اور پاک رہنا، یا پاک کپڑا پہننا صرف نماز میں ضروری ہے، نماز سے باہر ناپاک رہے، یا ناپاک کپڑا پہنے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسلئے طہارت ہونا ستر عورت سے افضل نہیں ہے۔

لغت :یعد : عاد سے مشتق ہے، لوٹانا۔ عریان : ننگا ہونا۔ یستویان : سوی سے مشتق ہے، برابر ہے۔

ترجمہ: (۲۳۹) جو کپڑا نہ پائے تو ننگا ہی نماز پڑھے گا۔ بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔

وجہ: ان کے پاس بالکل کپڑا نہیں ہے یا کپڑا ہے لیکن تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہے تو گویا کہ اس کے پاس کپڑا ہے ہی نہیں ۔اس لئے وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے گا۔ البتہ کھڑا ہونے میں ستر دور تک نظر آئے گا اور برا معلوم ہوگا اس لئے قیام چھوڑے گا اور بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے گا۔ کیونکہ یہی اس کے بس میں ہے (۲) عن ابن عباس قال الذی یصلی فی السفینة والذی یصلی عریانا یصلی جالسا ۔(مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز فرض ادا کرے گا اور اس سے قیام ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ا اسی طرح اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

تشریح : اس کے قریب یہ اثر ہے۔ عن قتادہ قال ۔ اذا خرج ناس من البحر عراة فأمهم أحدهم صلوا قعودا ، و کان امامهم معهم فی الصف و یومئون ایماءً ۔(مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور اشارہ سے نماز پڑھے گا، اور صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

لغت: یؤمی : اشارہ کرے گا۔

ترجمہ : (۲۴۰) پس اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو کافی ہو جائے گی۔

وجہ : مرض کی مجبوری کے وقت کھڑے ہونے کا نائب بیٹھنا ہے اور رکوع اور سجدے کا نائب ان کو اشارہ سے ادا کرنا ہے۔ اس

لِ لان فی القعود ستر العورة الغليظة وفی القيام اداء هذه الاركان فيميل الٰى ايهما شاء (۲۴۱) الا ان الاوّل افضل ﴾ لِ لان الستر وجب لحق الصلوٰة وحق الناس ولانه لا خلف له والايماء خلف عن الاركان (۲۴۲) قال وينوى الصلوٰة التی يدخل فيها بنية لا يفصل بينها وبين التحريمة بعمل ﴾

لئے ان سب ارکان کا نائب ہوگیا۔لیکن کھڑے ہونے میں ستر کھلنے کی بدنمائی واضح ہے اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہوا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ عنداللہ اور عندالناس بدنمائی سے بچ جائے۔تاہم کھڑے ہوکر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔کیونکہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے۔عن ميمون بن مهران قال سئل علیؓ عن صلوة العريان فقال ان كان حيث يراه الناس صلی جالسا،وان کان حيث لايراه الناس صلی قائما (مصنف عبدالرزاق،باب صلوۃ العریان،ج ثانی،ص ۵۸۴،نمبر ۴۵۶۲)اس اثر سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ: لِ اسلئے کہ بیٹھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے۔اور کھڑے ہونے میں ان ارکان کو ادا کرنا ہے،اسلئے دونوں میں سے جدھر چاہے مائل ہو جائے۔

تشریح : ننگے آدمی کو بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کا اختیار ہے اور کھڑا ہوکر بھی نماز پڑھنے کا اختیار ہے۔کیونکہ دونوں میں کچھ کچھ فائدے ہیں۔بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو آگے اور پیچھے کی عورت غلیظہ چھپی رہے گی اسلئے بیٹھ کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اور کھڑا ہوکر نماز پڑھے گا تو عورت غلیظہ کھلے گی،لیکن قیام،رکوع،اور سجدہ پورے طور پر ادا کر سکے گا۔اسلئے دونوں کا اختیار ہے۔

ترجمہ: (۲۴۱) لیکن پہلا افضل ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا)

وجہ: ترجمہ: لِ اسلئے کہ ستر واجب ہے نماز کے حق کے لئے بھی اور لوگوں کے حق کے لئے بھی۔اور اسلئے بھی کہ اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور ارکان کا خلیفہ اشارہ ہے۔

تشریح : بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اسکی دو دلیل عقلی ہیں۔(۱) ایک تو یہ کہ ستر کو چھپانا صرف نماز کا ہی حق نہیں ہے عام انسانوں کا بھی حق ہے کہ ان سے ستر غلیظہ کو چھپایا جائے،اسلئے بیٹھ کر نماز پڑھی جائے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹھنے میں قیام،رکوع،سجدہ چھوٹیں گے لیکن انکا خلیفہ اشارہ موجود ہے اسلئے گویا کہ وہ ارکان نہیں چھوٹے،اسلئے بیٹھنا بہتر ہے۔(۳) اصل تو حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے۔عن ابن عباس قال الذی يصلی فی السفينة والذی يصلی عريانا يصلی جالسا۔(مصنف عبد الرزاق،باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔

﴿(۵) نماز کی نیت کرے﴾

ترجمہ: (۲۴۲) اس نماز کی نیت کرے جس میں داخل ہو رہا ہے ایسی نیت کہ اس کے درمیان اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل

۱؎ والاصل فیه قوله ﷺ : الاعمال بالنیات ۲؎ ولان ابتداء الصلوة بالقیام وهو متردد بین العادة والعبادة ولا یقع التمیز الابالنیة ۳؎ والمتقدم علی التکبیر کالقائم عنده اذالم یوجد ما یقطعه وهو

سے فصل نہ ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اصل اس میں حضور علیہ السلام کا قول، کہ عملوں کا مدار نیتوں پر ہے۔

نــــوٹ : مصنف اس شرح میں چار باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) نیت کس حدیث سے فرض ہے۔اسکے لئے آگے والی حدیث ہے۔(۲) نیت کس وقت کرے۔تو فرماتے ہیں کہ تحریمہ سے پہلے، تحریمہ کے بعد کافی نہیں ہے۔(۳) نیت کیا چیز ہے!،تو فرماتے ہیں کہ ارادے کا نام نیت ہے (۴) نیت کی کیفیت کیا ہے۔یعنی نفل کی نیت ہے یا فرض کی۔ پھر امام کی اقتداء میں ہے یا تنہا نماز پڑھ رہا ہے۔چونکہ ہر ایک کی نیت الگ الگ طور پر ہے اسلئے مصنف اسکی بھی کیفیت بتائیں گے۔

تشــریح :(۱) نیت کیوں فرض ہے اسکو بیان کر رہے ہیں۔نیت ارادے کا نام ہے۔تحریمہ کے ساتھ ساتھ ارادہ ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔اگر دل کے ارادہ کے بغیر نماز پڑھ لی یا تحریمہ باندھ لیا تو نماز نہیں ہوگی اگر نیت کی پھر کوئی عمل کیا اور عمل کے بعد دو بارہ نیت کئے بغیر احرام باندھ لیا تو چونکہ احرام کے وقت نیت نہیں تھی احرام اور نیت کے درمیان فصل ہو گیا اس لئے احرام نہیں ہوا۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت عمر بن خطاب علی المنبریقول سمعت رسول الله ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات۔(بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ص ۲ نمبر ۱ رمسلم شریف، باب قولہ انما الاعمال بالنیۃ الخ، ص ۸۵۳ نمبر ۱۹۰۷/۴۹۲۷) اس حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اسلئے نماز میں داخل ہونے کی نیت کرے گا تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔(۲) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال : تعودوا الخیر فانما الخیر بالعادة ، و حافظوا علی نیاتکم فی الصلوة ۔(الطبرانی فی الکبیر، ج تاسع، نمبر ۸۷۵۵ / اعلاء السنن، باب اشتراط النیۃ للصلاۃ، ج الثانی، ص ۱۶۳، نمبر ۶۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز میں نیت ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ نماز کی ابتداء قیام سے ہے اور وہ عادت اور عبادت دونوں میں ہے، اسلئے نیت کے بغیر تمیز نہیں ہوگی۔

تشریح : نماز میں نیت فرض ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ نماز جب شروع کریں گے تو کھڑے ہونے سے شروع ہوگی، اور کھڑا ہونا کھانے پینے کے لئے بھی ہوتا ہے اور نماز کے لئے بھی ہوتا ہے۔اب نیت کے بغیر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کھڑا ہونا کھانے پینے کے لئے ہے، یا نماز کے لئے ہے، اب نماز کی نیت کرے گا تب پتہ چلے گا کہ یہ کھڑا ہونا نماز کے لئے تھا اسلئے نماز کے شروع میں نیت فرض ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے ہو وہ ایسا کہ تکبیر کے ساتھ ہی قائم ہو، جب کہ کوئی ایسا عمل نہ پایا گیا ہو جو نیت کو

عمل لا يليق بالصلوٰة ٤ ولامعتبر بالمتأخرة منها عنه لان مامضى لا يقع عبادة لعدم النية ٥ وفى الصوم جوزت للضرورة

قطع کردے، اوروہ ایسا عمل ہے جو نماز کے مناسب نہ ہو۔

تشریح : (۲) یہاں سے بتاتے ہیں کہ کس وقت نیت کرے گا تو کافی ہوگی۔ نیت کرنے کا تین وقت ہے، (۱) تکبیر تحریمہ سے بہت پہلے (۲) تکبیر تحریمہ کے ساتھ، (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرے۔

(۱) تکبیر تحریمہ سے بہت پہلے نماز پڑھنے کی نیت کرے۔ لیکن نیت اور تحریمہ کے درمیان کوئی ایسا عمل نہ کرلے جو نماز کے منافی ہو تو اس نیت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ وہ نیت ایسا سمجھو کہ تکبیر کے ساتھ ہی قائم ہے۔ مثلا وضو کرتے وقت نماز کی نیت کی پھر دس منٹ تک تسبیح وغیرہ پڑھتا رہا پھر بغیر نیت کئے ہوئے نماز کی تکبیر کہہ لی تو نماز ہو جائے گی، دس منٹ پہلے والی نیت کافی ہے اسلئے کہ درمیان میں تسبیح وغیرہ پڑھنا منافی نماز عمل نہیں ہے، تو گویا کہ نیت تکبیر کے ساتھ متصل اور قائم ہے۔ لیکن اگر وضو کے بعد کھانا کھالیا، یا پانی پی لیا تو اب وضو کے وقت کی نیت سے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ کھانا پینا منافی نماز عمل ہے جو کرلیا ،اسلئے نیت منقطع ہوگئی، تکبیر کے ساتھ دوبارہ نیت کرنی ہوگی۔

(۲) اور تکبیر کے ساتھ نیت کرے گا تو نماز ہوگی ہی۔

ترجمہ: ٤ (۳) اور اس نیت کا اعتبار نہیں جو تکبیر کے بعد ہو۔ اسلئے کہ نماز کا جو جز گزر چکا ہے وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہوئی (اسلئے اسکے بعد جو اس پر بناء کر کے آئے گا وہ بھی عبادت نہیں ہوگی۔

تشریح : تیسری صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کی نیت کرے، اس نیت سے نماز نہیں ہوگی، نماز باطل ہو جائے گی۔ اسکی (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ نیت سے پہلے تکبیر تحریمہ گزر گئی جو فرض ہے، اور بغیر نیت کے گزری اسلئے وہ ہوئی ہی نہیں اسلئے ایک فرض چھوٹنے کی وجہ سے نماز باطل ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی ہے۔ کہ نماز کا جو حصہ گزر گیا نیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ عبادت نہیں بنی، اب نماز کا جو حصہ نیت کرنے کے بعد آئے گا اسکی بنیاد پہلے حصے پر ہوگی جو عبادت نہیں ہے اسلئے بعد والا حصہ بھی عبادت نہیں ہوگی، کیونکہ بعد والے کی بنا پہلے والے پر ہے، اور پہلے والا باطل ہے اسلئے بعد والا بھی باطل ہو جائے گا، اسلئے پوری نماز باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٥ اور روزے میں ضرورت کی بنا پر جائز کر دی گئی ہے۔

تشریح : یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ روزے میں دوپہر سے پہلے پہلے نیت کریگا تب بھی روزہ ہو جاتا ہے، حالانکہ صبح صادق سے لیکر گیارہ بجے تک بغیر نیت کے گزرا اور بعد کا وقت پہلے پر بنا ہوگا پھر بھی روزہ درست ہے؟ اسکا جواب دیتے

۶ والنية هی الارادة والشرط ان يعلم بقلبه ای صلوٰة يصلی اماالذکر باللسان فلامعتبربه ويحسن ذٰلک لاجتماع عزيمته ۷ ثم ان کانت الصلوة نفلا يکفيه مطلق النية، وکذا اذاکانت سنة فی الصحيح، وان کانت فرضًا فلا بدمن تعين فرض کالظهر مثلاً لاختلاف الفروض

ہیں کہ روزے میں صبح صادق کا وقت نینداور غفلت کا ہے اسلئے اول وقت میں نیت کرنا فرض قرار نہیں دیا، اسلئے کہ وہاں مجبوری اور ضرورت ہے۔ اور نماز میں تحریمہ سے پہلے بیداری کا وقت ہے اسلئے یہاں تحریمہ سے پہلے نیت کرنا فرض قرار دیا، یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ (۳) نیت ارادہ کرنے کا نام ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ دل سے یہ جان لے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ بہر حال زبان سے ذکر کر لینا تو اسکا اعتبار نہیں ہے، البتہ یہ اچھا ہے اسکا پختہ ارادہ کے جمع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہاں سے بتا رہے ہیں کہ خود نیت کا کیا معنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ارادہ کرنے کا نام نیت ہے، اور دل جانتا ہو کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ مثلا اچانک کوئی پوچھے کہ کون سی نماز پڑھ رہے ہو؟ تو بتا دے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، اسی کا نام نیت ہے۔ زبان سے نیت کرنا، اور بولنا کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں کوئی ضروری نہیں ہے۔ البتہ اگر بول بھی لے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں تو اچھا ہے، تا کہ دل کا پختہ ارادہ اور زبان کا بول دونوں جمع ہو جائے، اور بات پکی ہو جائے۔

ترجمہ: ۷ (۴) پھر اگر نماز نفل ہو تو مطلق نماز کی نیت کافی ہے، ایسے ہی اگر سنت ہو تو صحیح روایت یہی ہے۔ اور اگر فرض ہو تو فرض کا تعین ضروری ہے، جیسے مثلا ظہر، کیوں کہ فرض مختلف ہیں۔

تشریح : یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ کس نماز کے لئے کس طرح نیت کی جائے گی! اسکی کیفیت کیا ہوگی! کیونکہ نماز فرض بھی ہے اور نفل بھی۔ پھر فرض تنہا پڑھ رہا ہو تو اسکے لئے الگ نیت ہے اور امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر نماز نفل ہو تو صرف اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، اس میں نفل کا تعین کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ مطلق نماز سے نفل نماز ہی مراد ہوتی ہے۔۔ اور ظہر یا عصر وغیرہ کی سنت نماز پڑھنی ہو تو اس میں بھی صرف نماز کی نیت کرنا کافی ہے، سنت رسول اللہ، لگانے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ مطلق نماز کی نیت سے سنت نماز مراد ہو جاتی ہے۔ صحیح روایت یہی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سنت میں نفل سے زائد صفت ہے، اور وہ نفل سے تھوڑا اہم ہے اسلئے سنت رسول اللہ کی نیت کرے گا تب سنت نماز ہوگی۔ لیکن یہ اصح روایت نہیں ہے۔

اور اگر فرض نماز پڑھنی ہو تو نماز کے ساتھ فرض کی نیت کرنی پڑے گی اور یہ بھی تعین کرنا ہوگا کہ کون سا فرض پڑھ رہا ہے، ظہر کا یا عصر کا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ فرض کی بہت اہمیت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ دن میں پانچ فرض ہیں، تو یہ تعین کرے کہ کون سے وقت کا فرض پڑھ

(۲۴۳) وان کان مقتدیا بغیرہ ینوی الصلوٰۃ ومتابعتہ ﴾ ا لانہ یلزمہ فساد الصلوۃ من جهته فلا بد من التزامه (۲۴۴) قال ویستقبل القبلة﴾ ا لقوله تعالیٰ: فولُّوا وجوهکم شطرہ.

رہا ہے، کیونکہ اسکے بغیر اس وقت کے فرض کی ادئیگی کیسے ہوگی!۔اس ادائیگی کے لئے بھی وقت کا تعین کرنا ضروری ہے ۔

ترجمه : (۲۴۳) اور اگر دوسرے کا مقتدی ہو تو نماز کی بھی نیت کرے اور امام کی متابعت کی بھی نیت کرے۔

تشریح : اگر امام کی اقتدا کر رہا ہو تو فرض نماز کی نیت کے ساتھ یہ بھی نیت کرنی پڑے گی کہ میں اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متضمن ہے۔

وجه: **عن ابی هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام لیؤتم به فلا تختلفوا علیه فاذا کبر فکبرو .** (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام، ص ۱۷۷، کتاب الصلوۃ، نمبر ۹۳۰/۴۱۴ بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتدا کرنی چاہئے۔اور اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔اس لئے امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے۔**عن ابی هریرۃ قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن** (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷) جب امام ضامن ہوا تو اس کی اقتدا کی نیت بھی کرنی چاہئے۔

ترجمه: ا اسلئے کہ مقتدی کو امام کی جانب سے نماز کا فساد ہوتا ہے، اسلئے متابعت کا التزام ضروری ہے۔

تشریح : امام کی نماز فاسد ہو تو اسکی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، اسلئے مقتدی کو چاہئے کہ امام کی اتباع اپنے اوپر لازم کرے، تاکہ اس اتباع کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو۔اتباع کی نیت کے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔

﴿(۶) قبلہ کا استقبال کرے﴾

ترجمه : (۲۴۴) نماز میں قبلہ کا استقبال کرے۔

ترجمه: ا اللہ تعالی کا قول: **فولوا وجوهکم شطرہ**) نماز میں اپنے چہرے کو قبلے کی طرف پھیرو، کی وجہ سے۔

وجه : آیت میں ہے۔ **فول وجهک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ** ۔(آیت ۱۴۴ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا چاہئے۔(۲) حدیث یہ ہے۔**عن عبدالله بن عمر قال : بینا الناس بقباء فی صلاۃ الصبح اذ جائهم آت فقال :ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن ، قد أمر أن یستقبل الکعبة ، فاستقبلوها ، و کانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة** ۔بخاری شریف، باب ماجاء فی القبلة، الخ ص ۵۷، نمبر ۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

۲ ثم من كان بمكة ففرضه اصابة عينها ۳ ومن كان غائبافرضه اصابة جهتها، هو الصحيح، لان التكليف بحسب الوسع

ترجمه: ۲ پھر جو مکہ مکرمہ میں ہواسکا فرض عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کرنا ہے۔

تشریح : جس آدمی کو بیت اللہ نظر آ رہا ہواسلئے فرض یہ ہے کہ عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کرے۔(۱) کیونکہ اسکو بیت اللہ نظر آ رہا ہے اسلئے عین بیت اللہ کی طرف رخ کرنے میں حرج نہیں ہے۔حدیث میں ہے کہ حضورؐ مسجد حرام میں تشریف رکھتے تھے تو عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھی، حدیث یہ ہے۔قال أتی ابن عمر فقیل له : هذا رسول الله ﷺ دخل الكعبة، ...ثم خرج فصلی فی وجه الكعبة ركعتين ۔(بخاری شریف، باب قولہ تعالی ﴿و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلی﴾ آیت ۱۲۵، سورۃ البقرۃ ۲)ص ۵۷، نمبر ۳۹۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

ترجمه: ۳ اور جو کعبہ سے دور ہواسکا فرض کعبہ کی جانب چہرہ کرنا ہے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے۔

تشریح : جسکو بیت اللہ نظر نہ آتا ہواس سے دور ہوتو اسکے لئے فرض یہ ہے کہ بیت اللہ کی جانب رخ کر لے، چاہے بالکل کعبہ کے طرف رخ ہو جائے تب بھی نماز درست ہے، اور چاہے اس سے تھوڑا دائیں، یا بائیں ہو جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔

وجه : (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دور ہونے کی وجہ سے اسکی طاقت میں عین کعبہ کی طرف توجہ کرنا ممکن نہیں ہے، اور شریعت کی تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے اسلئے عین کعبہ کی طرف توجہ اس پر شرط نہیں ہے۔(۲) آیت میں ہے کہ مسجد حرام کی جانب چہرہ کرلو تب بھی نماز ہو جائے گی، آیت یہ ہے۔ فول وجهک شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ۔(آیت ۱۴۴ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مسجد حرام کی طرف چہرہ پھیرو۔فلکیات والے کہتے ہیں کہ چار اطراف ہیں۔(۱) مشرق (۲) مغرب (۳) شمال (۴) اور جنوب۔اور ہر جہت 90 ڈگری کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے چار طرفوں کا مجموعہ 360 ڈگری ہوئے۔اب مسجد حرام کی طرف رخ کرے گا تو 90 ڈگری چوڑائی تک قبلہ ہوگا، اور عین کعبہ سے 45 ڈگری دائیں اور 45 ڈگری بائیں تک انحراف کرے گا اور مائل ہوگا تب بھی نماز جائز ہو جائے گی۔شطر المسجد الحرام، سے اسکا اشارہ ملتا ہے۔(۳) اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے، عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : ما بين المشرق و المغرب قبلة ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء مابین المشرق والمغرب قبلۃ ص ۷۹، نمبر ۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ اھل مدینہ کے لئے مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے، اور مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب ہوتا ہے، اسلئے جنوب کی 90 ڈگری قبلہ ہوگا اور عین کعبہ سے 45 ڈگری دائیں، اور 45 ڈگری بائیں تک انحراف ہو جائے تب بھی نماز جائز ہو جائے گی (۴) اس

(۲۴۵) ومن كان خائفا يصلى الى اى جهة قدر ﴾ ا لتحقق العذر فاشبه حالة الاشتباه
(۲۴۶) فان اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد ﴾

حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے۔عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال : البيت قبلة لاهل المسجد ، و المسجد قبلة لأهل الحرم ، و الحرم قبلة لأهل الارض فى مشارقها و مغربها من أمتى ۔(سنن بیہقی ، باب من طلب باجتهاد جهة الكعبة ، ج ثانی ، ص ۱۶، نمبر ۲۲۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے اردگرد جہاں شکار کرنا حرام ہے جسکو حرم کہتے ہیں اسکی جہت کر لینا بھی دور والوں کے لئے کافی ہے ۔۔(45 ڈگری کی بحث کے لئے احسن الفتاوی جلد دوم، رسالہ المشر فی علی الشرقی ،ص ۳۲۴، دیکھیں)

ترجمہ: (۲۴۵) اور جسکو خوف ہو وہ جس جانب قدرت رکھتا ہو ادھر ہی نماز پڑھے۔

وجہ:۔اور خوف کے وقت جدھر ممکن ہو اس طرف چہرہ کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔(۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے ۔ولله المشرق والمغرب فاينما تولو فثم وجه الله ۔(آیت ۱۱۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے موقع پر کسی اور طرف توجہ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔کیونکہ وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔(۲) اس اثر میں ہے۔أن عبد الله بن عمر كان اذا سئل عن صلوة الخوف قال ....فان كان خوف هو اشد من ذالک صلوا رجالا قياما على اقدامهم ، أو ركبانا مستقبلى القبلة أو غير مستقبليها ۔(بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب قوله فان خفتم فرجالا أو ركبانا، ص ۷۷۱، نمبر ۴۵۳۵) اس اثر میں ہے کہ خوف زیادہ ہو تو قبلہ کے علاوہ کی طرف بھی نماز پڑھے گا تو نماز جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ا عذر کے متحقق ہونے کی وجہ سے تو قبلہ مشتبہ ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے۔کہ خوف بہت زیادہ ہے اس عذر کی بنا پر قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، تو ایسا ہوا کہ قبلہ مشتبہ ہو گیا اور جس پر قبلہ مشتبہ ہو گیا ہو وہ جدھر نماز پڑھے جائز ہے۔دلیل اوپر بھی گزر گئی اور قبلہ مشتبہ ہونے کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۴۶) اگر نماز پڑھنے والوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی موجود نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو اجتہاد کریگا ۔

تشریح : قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو کہ اس سے پوچھ سکے تو تحری کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہو اسی طرف نماز پڑھ لیگا۔اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط جہت میں نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے نماز ہو گئی۔اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کر گزرا۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔عن جابر قال كنا مع النبى ﷺ فى مسير او سرية فاصابنا غيم فتحرينا و اختلفنا

ل لان الصحابة تحروا وصلوا ولم ينكر عليهم رسول الله ﷺ ٢ ولان العمل بالدليل الظاهر واجب عند انعدام دليل فوقه والاستخبار فوق التحرى (٢٤٧) فان علم انه اخطأبعد ماصلى لا يعيدها﴾

فی القبلة فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال قد اجزأت صلواتکم ۔(سنن للبیهقی ،باب الاختلاف فی القبلة عند التحری، ج ثانی، ص ۱۶، نمبر ۲۲۳۵ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم، ص ۸۰ نمبر ۳۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے نماز پڑھی تو قبلہ غلط بھی ہو جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ تحری ہی اس کا قبلہ ہو گیا۔

ترجمه: ل اسلئے کہ صحابہؓ نے تحری فرمائی اور نماز پڑھی اور حضور ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔۔حدیث یہ ہے .عن عبد الله بن عامر بن ربیعة عن أبیه قال : کنا مع النبی ﷺ فی سفر فی لیلة مظلمة ، فلم ندر أین القبلة فصلی کل رجل منا علی حیاله ، فلما أصبحنا ذکرنا ذالک للنبی ﷺ فنزل : ﴿فأینما تولوا فثم وجه الله ﴾آیت ۱۱۵،سورۃ البقرۃ ۲)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم ،ص ۸۰ نمبر ۳۴۵ ر ابن ماجہ شریف، باب من یصلی لغیر القبلة وهو لا یعلم ،ص ۱۴۳، نمبر ۱۰۲۰)اس حدیث میں ہے کہ اندھیری رات میں قبلہ مشتبہ ہو گیا اور قبلے کا کچھ پتہ نہیں چلا تو صحابہ نے تحری کر کے نماز پڑھی تو آپؐ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ اسکے ٹھیک ہونے پر آیت نازل ہوئی ،جس سے معلوم ہوا کہ اشتباہ کے وقت تحری ہی قبلہ ہے۔ البتہ اگر تحری کئے بغیر نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی ،نماز لوٹانی ہوگی۔

ترجمه : ٢ اسلئے کہ دلیل ظاہر پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ اس سے اوپر کی دلیل نہ ہو۔اور لوگوں سے قبلہ کی خبر معلوم کرنا تحری سے اوپر ہے۔

تشریح :یہ جملہ(لیس بحضرته من یسأله عنها اجتهد) کی تفسیر ہے۔تحری کر کے نماز پڑھنا یہ دلیل ظاہر ہے۔اور یہ کم درجے کی ہے۔اور کسی سے صحیح قبلہ کی خبر معلوم کرنا یہ دلیل ظاہر یعنی تحری سے اوپر کی چیز ہے۔کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قبلہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اور نہ کوئی آدمی ہو جس سے قبلہ کے بارے میں پوچھ سکیں تب جا کر تحری سے نماز پڑھنا جائز ہوگی۔

ترجمه: (٢٤٧) پس اگر نماز پڑھنے کے بعد جانا کہ غلطی ہوگئی ہے تو نماز کو نہیں لوٹائے گا۔

تشریح : تحری کر کے نماز پڑھی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ کسی اور جانب تھا اور نماز دوسری جانب پڑھ لی ہے تو نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر ترمذی شریف کی حدیث میں صحابہؓ نے غلط قبلے کی طرف نماز پڑھی لیکن نماز نہیں لوٹائی ۔حدیث یہ ہے۔ عن جابر قال کنا مع النبی ﷺ فی مسیر او سریة فاصابنا غیم فتحرینا واختلفنا فی القبلة

۱؎ وقال الشافعیؒ یعیدها اذا استدبر لتیقنه بالخطا ۲؎ ونحن نقول لیس فی وسعه الا التوجه الیٰ جهةالتحری والتکلیف مقید بالوسع (۲۴۸) وان علم ذٰلک فی الصلوٰة استدار الی القبلة

فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال قد اجزأت صلواتکم۔ (سنن للبیھقی ، باب الاختلاف فی القبلة عند التحری، ج ثانی، ص ۱۶، نمبر ۲۲۳۵ / ترمذی شریف ، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم ،ص ۸۰ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں غلط قبلے کی طرف نماز پڑھی لیکن نہیں لوٹائی۔

فائدہ :ترجمہ: ۱؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قبلہ بالکل ہی پیچھے ہوگیا تو نماز لوٹائے گا، غلطی کے یقینی ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عین قبلہ سے دائیں، یا بائیں انحراف ہوا تو اس خطاء کے باوجود نماز جائز ہو جائے گی ۔لیکن اگر خطاء یقینی ہو یعنی بالکل الٹ جانب نماز پڑھ لی ہو تو معلوم ہونے کے بعد نماز دہرانی ہوگی۔عبارت یہ ہے۔ **قال : ولو افتتح الصلاة علی اجتهاده ، ثم رأی القبلة فی غیره.** (موسوعة للامام الشافعیؒ، باب فی من استبان الخطاء بعد الاجتھاد، ج ثانی، ص ۱۰۶، نمبر ۱۲۰۶) انکا استدلال یہ حدیث ہے ۔ **عن عبد الله بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوة الصبح اذ جاء هم آت فقال ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها وکانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة** (بخاری شریف، باب ماجاء ومن لم یر الاعادة علی من سہی فصلی الی غیر القبلة ص ۵۸ کتاب الصلوة نمبر ۴۰۳ / مسلم شریف ، باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة ،ص ۲۰۱، نمبر ۱۱۷۸/۵۲۶) اس حدیث میں ہے کہ اھل مدینہ کا قبلہ پہلے بیت المقدس تھا، جو مدینہ طیبہ سے شمال جانب ہے، درمیان نماز میں قبلہ تبدل ہو کر بیت اللہ ہو گیا جو مدینہ طیبہ سے جنوب کی جانب ہے، تو چونکہ قبلہ بالکل الٹ جانب ہو گیا اسی لئے وہ حضرات نماز ہی میں گھوم گئے، اگر صرف دائیں یا بائیں جانب تھوڑا سا انحراف ہوتا تو وہ حضرات نماز میں نہ گھومتے ،اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ بالکل الٹ جانب ہو تو نماز دہرانی ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ ہم کہتے ہیں کہ اسکی وسعت میں تحری کی جانب متوجہ ہونے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔اور تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔، کہ اللہ کی جانب سے وسعت اور طاقت کے مطابق مکلّف بنایا جاتا ہے اور اس نمازی کے پاس تحری کر کے نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے اتنا ہی اسکی طاقت میں ہے اسلئے تحری ہی کا مکلّف ہوگا، پس جب تحری کر کے نماز پڑھ لی نماز ہوگئی اب غلطی جاننے کے بعد دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔اصل تو اوپر کی ترمذی والی حدیث ہے۔

ترجمہ : (۲۴۸) اور اگر نماز میں ہی غلطی کا علم ہو گیا تو قبلے کی طرف گھوم جائے۔

۱؎ لان اهل قباء لما سمعوا بتحول القبلة استداروا کھیأتھم فی الصلوۃ واستحسنھا النبی علیہ السلام

۲؎ وکذا اذا تحول رأیه الی جھة اخری توجه الیھالوجوب العمل بالاجتھادفیمایستقبل من غیرنقض المؤدّی قبله (۲۴۹) ومن امّ قومًا فی لیلة مظلمة فتحری القبلة وصلی الی المشرق وتحری من خلفه فصلی کل واحد منھم الی جھة وکلھم خلفه ولا یعلمون ماصنع الامام اجزاھم

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ اھل قباء نے جب قبلے کی تبدیل کے بارے میں سنا تو وہ اسی حال میں نماز ہی میں گھوم گئے، اور بنی علیہ السلام نے اسکو اچھا قرار دیا۔

وجه : صحابہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ سولہ یا سترہ ماہ کے بعد قبلہ بدل گیا۔ کچھ صحابہ نماز میں تھے اور اطلاع دی گئی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو وہ لوگ نماز کے درمیان ہی گھوم گئے۔ اور نماز پر بنا کی اور نماز پڑھتے رہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔
عن عبد الله بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوۃ الصبح اذ جاء ھم آت فقال ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبة (بخاری شریف، باب ماجاء ومن لم یرالاعادۃ علی من سہی فصلی الی غیر القبلۃ ص ۵۸ کتاب الصلوۃ نمبر ۴۰۳ رمسلم شریف، باب تحویل القبلۃ من القدس الی الکعبۃ، ص ۲۰۱، نمبر ۱۱۷۸/۵۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں صحیح قبلہ کا علم ہو گیا تو اس طرف پھر جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے۔ پہلی نماز بھی تحری کی بنا پر صحیح ہے۔

ترجمه : ۲؎ ایسے ہی اگر اسکی رائے بدل گئی دوسری جانب تو اسکی طرف توجہ کرے گا اگلے اجتہاد پر عمل واجب ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے ادا کئے ہوئے کو توڑے بغیر۔

تشریح : قبلہ معلوم نہیں تھا اسلئے تحری سے نماز پڑھ رہا تھا، اب دو رکعت کے بعد اسکا اجتہاد بدل گیا اور خیال آیا کہ دوسری جانب قبلہ ہے تو اسی وقت دوسری جانب گھوم جائے، اور پہلے جو دو رکعت پڑھی ہے اسی پر بنا کر لے، کیونکہ پہلی دو رکعت بھی صحیح ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے اس پر تحری لازم تھی اسلئے تحری ہی کر کے نماز پڑھ رہا تھا اسلئے وہ نماز بھی صحیح تھی اسکو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اب اسکی تحری بدل گئی اسلئے یہ نماز بھی صحیح، اور اس نماز کی بنا پہلی نماز پر بھی صحیح ہے

لغت : استدار: گھوم جائے، مشتق دور سے ہے۔ تحول: بدل جائے، گھوم جائے۔ کھیئتھم: اپنی پہلی ہیئت اور حالت پر رہتے ہوئے۔ بنی : بنا کرے۔ غیر نقض المودی: ادا کئے ہوئے نماز کو توڑے بغیر۔

ترجمه : (۲۴۹) کسی نے اندھیری رات میں ایک قوم کی امامت کی پس قبلے کی تحری کی اور نماز مشرق کی طرف پڑھی، اور اسکے پیچھے والے نے تحری کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی جہت کی طرف نماز پڑھ لی، لیکن سبھی امام کے پیچھے تھے، اور یہ انکو پتہ نہیں تھا کہ امام

ل لوجود التوجه الی جهة التحری ٢ وهذه المخالفة غير مانعة كما فی جوف الكعبة (٢٥٠) ومن علم منهم بحال امامه تفسد صلاته ل لانه اعتقدا مامه علی الخطا

نے کیا کیا تو سب کی نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ل تحری کی جانب توجہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امام سے آگے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی، کیونکہ امام سے آگے بڑھ گیا۔ اسی طرح نماز پڑھتے وقت مقتدی کو امام کی غلطی کا یقین ہے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اپنے اعتقاد میں امام کو غلط مان رہا ہے۔۔ اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ کچھ لوگ اندھیری رات میں نماز پڑھ رہے تھے، قبلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک نے اپنی اپنی جہت میں نماز پڑھی، اور امام نے امامت کروائی۔ تو جو لوگ امام سے پیچھے رہے اسکی نماز ہو جائے گی، لیکن جو لوگ امام سے آگے رہے اسکی نماز نہیں ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کا فرض امام سے پیچھے رہنا تھا، اس نے فرض چھوڑ دیا اور امام سے آگے ہو گیا اسلئے اسکی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح جسکو یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ امام غلط رخ پر نماز پڑھ رہے ہیں اسکی بھی نماز نہیں ہوگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کو خطا پر یقین کرنے سے اسکی اقتداء نہیں ہوئی اسلئے اسکی نماز بھی نہیں ہوگی۔ اور دوسروں کی نماز اسلئے ہو جائے گی کہ انکے ذمے تحری کرنا تھا اور وہ کر لیا چاہے جدھر توجہ ہوا سلئے انکی نماز ہو جائے گی۔ اور امام کی غلطی کا پتہ نہیں ہے اسلئے انکی اقتداء بھی درست ہے، اور ہر ایک کی جہت مختلف ہونے کے باوجود بھی نماز اسلئے ہو جائے گی، کہ کعبہ کے اندر ہر ایک کی توجہ الگ الگ ہو تب بھی نماز ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہر ایک کی توجہ الگ الگ ہو تب بھی نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ : ٢ اور یہ مخالفت مانع نماز نہیں ہے جیسے کعبہ کے اندر نماز۔

تشریح : اندھیری رات میں ہر ایک کی جہت الگ الگ ہوگئی تو اس مخالفت سے بھی نماز ہو جائے گی کوئی مانع نہیں ہے اسلئے کہ مجبوری کی وجہ سے کی ہے، اور تحری کا حکم تھا وہ کر لیا ہے اسلئے ہر ایک کی نماز ہو جائے گی۔ باقی رہی جہت میں مخالفت تو اسکی مثال موجود ہے کہ کعبہ کے اندر ہر ایک کی جہت الگ الگ ہوتی ہے پھر بھی سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

ترجمہ : (۲۵۰) مقتدیوں میں سے جس نے امام کی حالت جان لی اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ امام کو غلطی پر ہونے کا اعتقاد کیا۔

تشریح : مقتدی میں سے کسی نے امام کی حالت جان لی کہ وہ خطاء پر ہے تو اسکی نماز نہیں ہوگی، اسلئے کہ امام کو غلط سمجھا اسلئے اسکی اقتدا ہی صحیح نہیں ہوئی اسلئے اس مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔

(۲۵۱)وکذالو کان متقدما علی الامام﴾ ل لترکه فرض المقام

ترجمه: (۲۵۱) ایسے ہی نماز نہیں ہوگی اگر امام سے آگے بڑھ گیا۔

ترجمه: ل اسلئے کہ اپنے مقام کے فرض کو چھوڑ دیا۔

تشریح : اندھیری رات میں جو مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو گیا اسکی بھی نماز نہیں ہوگی، کیوں کہ اسکا فرض امام کے پیچھے کھڑا ہوناتھا، اس نے اپنے فرض کو چھوڑ دیا اسلئے اسکی بھی نماز نہیں ہوگی۔

JPEG CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

﴿باب صفة الصلوة﴾

(۲۵۲)فرائض الصلوٰۃستةالتحريمة﴾ ۱؎ لقوله تعالیٰ(وربّک فکبر) ۲؎ والمراد به تكبيرة الافتتاح

(۲۵۳) والقيام﴾ ۱؎ لقوله تعالیٰ ((وقوموا للّٰه قانتين))

﴿ باب صفة الصلوة ﴾

ضروری نوٹ: صفة الصلوة سے مراد نماز کی ہیئت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اور اس میں کیا کیا ہو۔

نماز کے فرائض چھ ہیں [۱] تکبیر تحریمہ کہنا، [۲] کھڑا ہونا، [۳] قرأت کرنا، [۴] رکوع کرنا، [۵] سجدہ کرنا، [۶] قاعدہ آخیرہ۔

ترجمہ: (۲۵۲) [۱] تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کا قول ((وربک کبر)) کی وجہ سے۔

وجہ: (۱) تکبیر تحریمہ فرض ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے وربک کبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔ (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فى فريضة او غيرها. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے۔ آیت میں ہے وذکر اسم ربه فصلى (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت سے بھی تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس ذکر سے مراد تحریمہ باندھنے کی تکبیر ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے ۔عن ابراهيم قال : اذا نسى تكبيرة الافتتاح استأنف ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸ فی الرجل ینسی تکبیرۃ الافتتاح، ج اول ص ۲۱۵، نمبر ۲۴۶۵ / مصنف عبد الرزاق، باب من نسی تکبیرۃ الافتتاح، ج ثانی، ص ۷۲، نمبر ۲۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ تکبیر افتتاح بھول جائے تو نماز دہرائے جس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے

ترجمہ: ۲؎ آیت میں تکبیر سے مراد شروع نماز کی تکبیر ہے۔ یعنی جسکو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۵۳) [۲] کھڑا ہونا۔ اسکو عربی میں قیام کہتے ہیں۔

وجہ ترجمہ: ۱؎ (۱) کھڑا ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وقوموا لله قانتين. (آیت ۲۳۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے نماز میں چپ چاپ کھڑے ہو، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام فرض ہے۔ (۲) حدیث میں قیام کا ثبوت ہے، حدیث یہ ہے۔ أن ابن عمر قال : كان رسول الله ﷺ ، اذا قام للصلوة رفع يديه حتى تكونا بحذو منكبيه ثم كبر ۔ (مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام، ص ۱۶۶ نمبر ۸۶۲/۳۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے

(۲۵۴) والقراءة ﴾ ل لقوله تعالیٰ ((فاقرء وا ماتیسر من القراٰن)) (۲۵۵) والرکوع ﴾

(۲۵۶) والسجود ﴾ ل لقوله تعالیٰ ((فارکعوا واسجدوا)) (۲۵۷) والقعدة فی اٰخر الصلوٰة مقدار التشہد ﴾

لئے کھڑا ہو۔

ترجمہ: (۲۵۴) [۳] قرأت کرنا فرض ہے۔

ترجمہ: ل اللہ تعالیٰ کا قول ((فأقرء وا ما تیسر من القرء ان)) کی وجہ سے۔

وجہ: (۱) فاقرء وا ما تیسر منه واقیموا لصلوة واتوالزکوة (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت پڑھنا فرض ہے (۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ عن ابی سعید قال قال رسول الله مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ولاصلوة لمن لم یقرأ بالحمد وسورة فی فریضة او غیرها. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ قرأت کئے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۵۵) [۴] رکوع فرض ہے

ترجمہ: (۲۵۶) [۵] سجدہ فرض ہے۔

وجہ ترجمہ: ل دونوں کی دلیل یہ آیت ہے یا ایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم. (آیت ۷۷ سورۃ الحج ۲۲) اور واقیموا الصلوة وآتوا الزکوة وارکعوا مع الراکعین (آیت ۴۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ رکوع، اور سجدہ فرض ہیں۔

ترجمہ: (۲۵۷) [۶] اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار (فرض ہے)

تشریح: تشہد پڑھنا تو واجب ہے لیکن تشہد کی مقدار قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے۔

وجہ: (۱) عن ابن مسعود قال: کنا نقول قبل أن یفرض التشهد، السلام علی الله، السلام علی جبرئیل و میکائیل الخ۔ (سنن بیہقی، باب مبدأ فرض التشہد، ج ثانی، ص ۱۹۸، نمبر ۲۸۱۹) اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے یہ کہتے تھے، اسکا مطلب یہ نکلا کہ بعد میں تشہد فرض ہو گیا۔ (۲) یہ حدیث ہے وہ صحابی جس نے نماز جلدی جلدی پوری کی اور تین مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آئے ان کو آپؐ نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے چار کام کرنے پر زور دیا ہے۔ ان میں سے تین کام تو آیت کی وجہ سے فرض ہیں۔ اس لئے چوتھا کام بھی فرض ہی ہونا چاہئے۔ حدیث میں ہے عن

۱ لقوله علیہ السلام لابن مسعودؓ حین علّمه التشهداذاقلت هذااوفعلت هٰذا فقد تمت صلاتک

۲ علّق التمام بالفعل قرأ اولم یقرأ

رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ بینما هو جالس فی المسجد یوما ... فان کان معک قرآن فاقرء والا فاحمد الله وکبره وهلله ثم ارکع فاطمئن راکعا ثم اعتدل قائما ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلوتک وان انتقصت منه شیئا انتقصت من صلوتک۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) اس حدیث میں (۱) قرأت (۲) رکوع (۳) سجدہ (۴) اور تشہد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی چیز کی کمی رہ گئی تو تمہاری نماز میں کمی رہ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار فرض ہے (۳) ترمذی کے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس کے اخیر میں یہ جملہ ہے ثم ارفع حتی تطمئن جالسا وافعل ذلک فی صلوتک کلما۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء وصف الصلوۃ ص ۶۷ نمبر ۳۰۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے (۴) آپؐ نے کوئی بھی نماز بغیر تشہد کی مقدار بیٹھے ہوئے پوری نہیں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے (۵) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوۃ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس حدیث میں ہے کہ بیٹھنے کے بعد حدث ہوا ہو تو نماز پوری ہوگئی، جس سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے وہ کر لیا تو گویا کہ فرض پورا کر لیا اسلئے اسکے بعد حدث ہوا تو نماز پوری ہوگئی۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام جب حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو تشہد سکھا رہے تھے تو فرمایا کہ اس تشہد کو کہہ لوگے، یا کر لوگے تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

تشریح : (۶) عبد اللہ بن مسعود کی حدیث یہ ہے۔ وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوۃ فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا اوقضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھے گا تو نماز پوری ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۲ تشہد کے کرنے پر نماز کے پورے ہونے کو معلق کیا، چاہے تشہد پڑھے یا نہ پڑھے۔

تشریح : یہ جملہ ابوداود والی اس حدیث کی تشریح ہے۔ (اذا قلت هذا اوقضیت هذا فقد قضیت صلوتک) اس میں ہے کہ آپ تشہد کہہ لیں، یا پوری کر لیں تو آپ کی نماز پوری ہوگئی، تشہد کہے گا تو بیٹھ کر پوری کرے گا، اسلئے اس حدیث کے

(۲۵۸) قال وما سوی ذٰلک فهو سنة ﴾ لے اطلق اسم السنة وفيها واجبات كقراءة الفاتحة وضم السورة معها ومراعات الترتيب فيما شرع مكررا من الافعال والقعدة الاولیٰ وقراءة التشهد فی الاخيرة والقنوت فی الوتر وتكبيرات العيدين والجهر فيما يجهر فيه والمخافتة فيما تخافت فيه ولهذا يجب عليه سجدتا السهو بتركها هٰذا هو الصحيح وتسميتها سنة فی الكتاب لما انه ثبت وجوبها بالسنة (۲۵۹) واذا شرع فی الصلوٰة كبَّر ﴾ لے لماتلونا

اشارۃ النص سے تشہد میں بیٹھنا ثابت ہوا، اسلئے تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔

ترجمہ : (۲۵۸) اور جو ان سے زیادہ ہو وہ سنتیں ہیں۔

ترجمہ: لے ان تمام پر سنت کا نام استعمال کیا، حالانکہ ان میں واجبات بھی ہیں، جیسے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، اسکے ساتھ سورت ملانا، جو مکرر افعال مشروع ہیں ان میں ترتیب کی رعایت رکھنا، قاعدہ اولی، قاعدہ آخیرہ میں تشہد پڑھنا، وتر میں دعاء قنوت پڑھنا، عیدین میں تکبرات زائدہ پڑھنا، جس رکعت میں قرأت جہری ہو اس میں جہری کرنا، اور جس میں قرأت سری ہو اس میں سری کرنا، اسی لئے اسکو چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، یہی صحیح ہے، لیکن اسکا نام سنت رکھنا اسلئے ہے کہ وہ سب واجب حدیث سے ثابت ہیں۔

تشریح : مصنف نے ان کے علاوہ کو سنت کہا ہے حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجب بھی ہیں۔ لیکن سب کو سنت اس لئے کہا کہ وہ سنت اور حدیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو سنت کہا ہے۔ ورنہ اس میں کچھ واجبات بھی ہیں۔ مثلا (۱) قرأت فاتحہ (۲) سورۃ ملانا (۳) مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا (۴) قعدۂ اولی (۵) قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (۶) جن رکعتوں میں قرأت جہری ہے اس کو جہری پڑھنا اور جن رکعتوں میں سری ہے اس کو سری پڑھنا (۷) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۸) تکبیرات عیدین، یہ سب واجبات ہیں۔

﴿ترتیب نماز﴾

ترجمہ : (۲۵۹) اگر آدمی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔

ترجمہ: لے اس آیت کی وجہ سے جو میں نے تلاوت کی۔

تشریح : آدمی جب نماز شروع کرے تو تکبیر تحریمہ کہے اور تحریمہ باندھتے وقت، تکبیر تحریمہ کہنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ (۱) کیونکہ آیت میں ہے وربک فکبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس لئے تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر کہے۔ (۲) اس آیت میں ہے کہ اللہ کا ذکر کرو، یعنی تکبیر کہو، جس سے تکبیر تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ آیت یہ ہے۔ وذکر اسم ربه فصلی. (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو یعنی تکبیر کہو۔ (۳) حدیث آگے آرہی ہے۔

۲ وقال عليه السلام :تحريمها التكبير ۳ وهو شرط عندنا خلافا للشافعیؒ حتى ان من يحرم للفرض كان له ان يؤدى بها التطوع ۴ وهو يقول انه يشترط لها مايشترط لسائر الاركان وهذا اٰية الركنية

ترجمہ: ۲ اورحضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ نماز کا تحریمہ باندھنا تکبیر کی وجہ سے ہوگا۔

تشریح : اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس تکبیر کے بعد نماز کا تحریمہ باندھتے ہیں، اور دنیاوی تمام باتیں حرام ہو جاتیں ہیں۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فی فريضة او غيرها.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ نماز کا تحریمہ باندھنا تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳ تکبیر تحریمہ ہمارے یہاں شرط ہے، خلاف امام شافعیؒ کے، یہاں تک کہ کوئی فرض کا احرام باندھے تو جائز ہے کہ اس سے نفل ادا کرے۔

تشریح : رکن اور شرط میں فرق یہ ہے کہ نماز میں رکن اس فرض کو کہتے ہیں جو نماز کے اندر ہو۔ اور شرط اس فرض کو کہتے ہیں جو ہو تو ضروری لیکن نماز سے باہر ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے اور نماز سے باہر ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی آدمی فرض نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہے اور اس سے نفل نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ تکبیر کہنے کی وجہ سے وہ نماز کے اندر داخل نہیں ہوا اسلئے تبدیل کرسکتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے اور نماز کے اندر داخل ہے اسلئے کوئی فرض کا تحریمہ باندھے اور اس سے نفل پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا، اسلئے کہ وہ نماز میں داخل ہو گیا، اسلئے اب تبدیل کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ : فمن أحسن التكبير لم يكن داخلا فی الصلوة الا بالتكبير نفسه** ۔ (موسوعۃ للامام الشافعی، باب ما یدخل بہ فی الصلوۃ من التکبیر، ج ثانی، ص ۱۲۵، نمبر ۱۲۶۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے سے نماز میں داخل ہو جائے گا۔

وجہ : انکی دلیل یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں ((**تحريمها التكبير**)) ۔ (ترمذی شریف، نمبر ۲۳۸ / ابو داؤد شریف، نمبر ۶۱۸) ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہنے سے نماز کا تحریمہ بندھ جائے گا اور نماز شروع ہو جائے گی، اور جب نماز شروع ہوگئی تو معلوم ہوا کہ تحریمہ نماز کے اندر داخل ہے اور اسکا رکن ہے۔

ترجمہ: ۴ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ، تحریمہ کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو باقی رکنوں کے لئے شرطیں ہیں اور یہ رکن ہونے کی دلیل ہے۔

۵ ولنا انه عطف الصّلوة عليه فى قوله تعالىٰ وذكر اسم ربه فصلى ومقتضاه المغايرة ۶ ولهٰذالا يتكرر كتكرار الاركان ۷ ومراعاة الشرائط لما يتصل به من القيام (۲۶۰)ويرفع يديه مع التكبير﴾

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے کہ پاک ہونا ستر عورت ہونا وغیرہ جو شرطیں رکوع ، سجدے وغیرہ رکن کے لئے ہیں وہی شرطیں تحریمہ کے لئے بھی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تحریمہ بھی نماز کا رکن ہے اور نماز میں داخل ہے۔

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول ((وذكر اسم ربه فصلى)). (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) میں نماز کا عطف اللہ کے ذکر پر کیا جسکا تقاضا مغایرت ہے ، اسی لئے اور ارکان کی طرح مکرر نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں فصلی ہے جسکا عطف اللہ کے ذکر پر ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو ، اسلئے اللہ کا ذکر یعنی تکبیر پہلے ہوئی اور نماز بعد میں شروع ہوئی ، اسلئے تکبیر نماز میں داخل نہیں ہے اور اسکا رکن بھی نہیں ہے ، بلکہ شرط ہے اور نماز سے باہر ہے۔

لغت : مقتضاہ المغائرۃ :۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ جس پر عطف کیا جاتا ہے وہ اور چیز ہوتی ہے اور جس چیز کا عطف کیا جاتا ہے وہ دوسری چیز ہوتی ہے اس سے مغائر ہوتی ہے ، آیت مذکورہ میں صلی کا عطف ذکر اسم ربہ پر ہے ، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اسم اور چیز ہے جو صلی سے باہر ہے اور صلی دوسری چیز ہے جو ذکر اسم سے مغایر ہے اسلئے وہ صلی سے باہر ہوگا ، اور رکن نہیں شرط ہوگا ۔ مقتضاہ المغائرۃ ، کا یہی معنی ہے۔

ترجمہ: ۶ اسی لئے اور ارکان کی طرح مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح : نماز میں جتنے رکن ہیں ، مثلا قیام ، رکوع ، سجدہ قرأت یہ سب مکرر ہوتے ہیں ، اور تکبیر تحریمہ شروع میں ایک بار ہی ہوتا ہے ، اگر یہ رکن ہوتا تو یہ بھی مکرر ہوتا ، لیکن ایک ہی بار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکن نہیں ہے ، شرط ہے۔

ترجمہ: ۷ اور نماز کی ساری شرطوں کی رعایت اس وجہ سے ہے کہ وہ قیام سے متصل ہے۔

تشریح : یہ جملہ حضرت امام شافعیؒ کو جواب ہے ، انکی دلیل یہ تھی کہ طھارت وغیرہ جو شرطیں رکن کے لئے وہی شرطیں تکبیر تحریمہ کے لئے بھی ہیں ، یہ رکن ہونے کی دلیل ہے ، اسکا جواب یہ ہے کہ طہارت وغیرہ تکبیر کے لئے شرط نہیں ہے ، بلکہ تکبیر قیام سے متصل ہے اور یہ ساری شرطیں قیام کے لئے ہے اسلئے تکبیر کے لئے بھی یہ شرطیں ہو جاتیں ہیں ، حقیقت میں تکبیر کے لئے یہ شرطیں نہیں ہیں ، اسلئے طہارت ، ستر عورت وغیرہ شرطوں کا پایا جانا رکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۶۰) دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے۔

تشریح: تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائے۔

۱ وهو سنة لان النبی علیہ السلام واظب علیه ۲ وهٰذا اللفظ يشير الىٰ اشتراط المقارنة وهو المروی عن ابی یوسفؒ والمحكی عن الطحاوی

وجه : حدیث میں ہے کہ حضورؐ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔حدیث یہ ہے۔(۱) أن ابن عمرؓ كان اذا دخل فی الصلوة كبر و رفع يديه ....و رفع ذالک ابن عمر الی النبی ﷺ ۔(بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ،ص ۱۰۲،نمبر ۷۳۹رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام،ص ۱۶۶،نمبر ۸۶۵/۳۹۱رابو داؤد شریف ، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھاتے تھے ۔(۲) اس حدیث میں اسکی صراحت ہے۔حدثنی أهل بيتی عن أبی أنه حدثهم أنه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه مع التكبير ۔(ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۵)اس حدیث میں صراحت ہے کہ ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

حدیث میں دوسرے دوطریقے بھی ہیں یعنی پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اور یہ بھی ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے تا کہ عمل سے بھی اللہ کے علاوہ کا انکار ہو جائے پھر تکبیر کہے تا کہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہو جائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابن عمر قال: كان رسول الله ﷺ اذا قام للصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر . (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰ ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے تو بہتر ہے۔اور اگر پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے۔ انه رأى مالک بن الحويرث اذا صلى كبر ثم رفع يديه ... وحدث ان رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۴/۳۹۱ رابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الصلوۃ ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۶)اس حدیث میں پہلے تکبیر کہی پھر ہاتھ اٹھائے۔

ترجمه: ۱ تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اسلئے کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔

تشریح : تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے جیسا کہ اوپر گزرا،اور تکبیر کے ساتھ یا بعد میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے کوئی نہیں اٹھائے گا تب بھی نماز ہو جائے گی،البتہ سنت چھوٹ جائے گی۔کیونکہ حضورؐ نے ہمیشہ تکبیر کے وقت اٹھایا ہے۔دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

ترجمه : ۲ یہ لفظ،مع التکبیر ،مقارنت کی شرط کی طرف اشارہ ہے،اور یہی روایت ہے حضرت امام ابو یوسفؒ سے اور حضرت طحاویؒ سے بھی حکایت ہے۔

۳؎ والاصح انه يرفع يديه اولاثم يكبر لان فعله نفى الكبرياء عن غير الله تعالىٰ والنفى مقدم

(۲۶۱) ويرفع يديه حتى يحاذى بابهامَيه شحمة اذنيه﴾

تشریح : متن میں ،يرفع يديه مع التكبير ،ہے اسلئے مع کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ،چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام طحاویؒ سے بھی یہی روایت ہے۔دلیل یہ حدیث ہے۔أن ابن عمرؓ كان اذا دخل فى الصلوة كبر و رفع يديه ....و رفع ذالک ابن عمر الى النبى ﷺ ۔(بخاری شریف،باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ،ص۱۰۲،نمبر۷۳۹ر مسلم شریف،باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام،ص۱۶۶،نمبر۸۶۵/۳۹۱ر ابوداؤد شریف،باب رفع الیدین ص۱۱۱نمبر۷۲۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

نوٹ : طحاوی شریف میں یہ بحث تو ہے کہ ہاتھ کندھے تک اٹھائے یا کان تک اٹھائے ،اور باب یہ باندھا ہے(باب رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ الی این یبلغ بھما،ص۱۴۳) لیکن یہ بحث نہیں ہے کہ ہاتھ کب اٹھائے تکبیر کے ساتھ،یا تکبیر سے پہلے،یا تکبیر کے بعد۔

ترجمہ: ۳؎ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پہلے اٹھائے پھر تکبیر کہے،اسلئے کہ اسکا ایسا کرنا اللہ کے علاوہ سے بڑائی کی نفی کرنا ہے،اور نفی مقدم ہوتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے ،کیونکہ ہاتھ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ سے بڑائی کی نفی کرتا ہوں،اور اسکے بعد اللہ اکبر کا مطلب یہ ہوگا،بس صرف اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہوں،اور نفی پہلے ہوتا ہے،اسلئے ہاتھ کا اٹھانا پہلے ہونا چاہئے۔(۲) حدیث اوپر گزرگئی رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر . (مسلم شریف،نمبر۸۶۲/۳۹۰ر ابوداؤد شریف،نمبر۷۲۲)

لغت : واظب:ہمیشہ فرمایا۔مقارنۃ: ساتھ ساتھ۔محکی:بیان کیا گیا ہے۔کبریاء:بڑائی۔

ترجمہ :(۲۶۱) دونوں ہاتھوں کو اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کی لو کے مدمقابل کردے۔

تشریح : ہاتھ کان کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ انگلیاں کان کی لو کے مدمقابل ہوں اور باقی ہاتھ گلے اور مونڈھے کے قریب ہوتا کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔

وجہ : (۱)عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه : أنه أبصر النبى ﷺ حين قام الى الصلاة رفع يديه حتى كانتابحيال منكبيه و حاذى بابهاميه أذنيه ثم كبر . (ابوداود شریف،باب رفع الیدین فی الصلوۃ،ص۱۱۳،نمبر۷۲۴)اس حدیث میں ہے کہ ہتھیلی مونڈھے کے پاس ہو اور انگوٹھے کان کے پاس ہو اس طرح ہاتھ اٹھائے ،اسی پر حنفیہ عمل کرتے ہیں تا کہ

ل وعندالشافعیؒ یرفع الی منکبیه،وعلیٰ تکبیرة القنوت، والاعیاد، والجنازة له حدیث ابی حُمید الساعدیؓ قال کان النبی علیه السلام: اذا کبر رفع یدیه الی منکبیه

تمام احادیث پر عمل ہوجائے۔ (۲) کان کی لوتک انگلیاں رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن مالک بن الحویرث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیه۔(مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸نمبر۸۶۵/۳۹۱)(۳)اسی کے آگے حدیث میں ہے عن قتادة بھذا الاسناد انه رأی نبی الله ﷺ وقال حتی یحاذی بھما فروع اذنیه ۔(مسلم شریف ص۱۶۸نمبر۸۶۶/۳۹۱)(۴)عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیه حیال اذنیه ۔(ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے ص۱۱۲نمبر۷۲۸)ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت ہاتھ کان کی لوتک مرد اٹھائے گا۔(۵) مونڈھے تک اٹھانے کی جو حدیث ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے ہے۔اوراس کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأة تجعلی یدیھا حذاء ثدییھا (رواہ الطبرانی،اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسننھا ج ثانی ص ۱۷۱،نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں آیا کہ وہ اپنے پستان تک ہاتھ اٹھائے۔کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر کی چیز ہے۔

فائدہ: ترجمه: ل اورامام شافعیؒ کے نزدیک اپنے مونڈھے تک اٹھائے گا،اوراسی طرح قنوت کی تکبیر میں،اورعیدین کی تکبیر میں،اورنماز جنازہ کی تکبیر میں۔انکی دلیل ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں مونڈھے تک اٹھاتے۔

تشریح:امام شافعیؒ اوردیگر ائمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں،اوردعاء قنوت،اورعیدین کی تکبیر،اورنماز جنازہ میں بھی ہاتھ مونڈھے تک اٹھائیں گے۔ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔عن محمد بن عمرو بن عطاء أنه کان جالسا فی نفر من أصحاب النبی ﷺ فقال ابو حمید الساعدی : أنا کنت أحفظکم لصلاة رسول الله ﷺ ، رأیته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه ۔(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشھد ،ص۱۱۴،نمبر ۸۲۸رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸نمبر۸۶۱/۳۹۰رابوداود شریف، باب رفع الیدین فی الصلاۃ ،ص۱۱۳،نمبر۷۲۲)(۲)عن سالم بن عبد الله عن ابیه ان رسول الله و کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوة (بخاری شریف، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی ص۱۰۲نمبر۷۳۵رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸نمبر۳۹۰)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھاتے تھے۔حنفیہ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے۔

۲ ولنا رواية وائل بن حجر والبراء وانسؓ ان النبی علیہ السلام کان اذا کبر رفع یدیه حذاء اذنیه ۳ ولان رفع الید لاعلام الاصم وهو بما قلناه ۴ وما رواه یحمل علی حالة العذر

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل وائل ابن حجر، اور براء بن عاذب، اور انسؓ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کان تک اٹھاتے۔۔ یہ احادیث اوپر گزر چکیں ہیں۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے کہ ہاتھ کا اٹھانا بہرے کو بتلانے کے لئے ہے اور وہ اسی صورت میں ہوگا جو ہمنے کہا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا اسلئے بھی ہے کہ بہرے کو بھی پتہ چل جائے کہ نماز شروع ہو رہی ہے، اسکے لئے کان تک اٹھائے تب ہی اچھی طرح پتہ چلے گا اسلئے کان تک اٹھانا ہی بہتر ہوگا۔۔ اصل تو اوپر کی حدیث ہے۔

ترجمہ : ۴ اور جو امام شافعیؒ نے حدیث روایت کی وہ عذر کی حالت پر محمول کی جائے گی۔

تشریح: یہ بھی عذر ہو سکتا ہے کہ سردی تھی اور کپڑے اوڑھے ہوئے تھے اسلئے ہاتھ کچھ کم اٹھائے، اسکا ثبوت حدیث میں ہے۔ عن وائل ابن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیه حیال اذنیه ، قال : ثم أتیتهم فرأیتهم یرفعون ایدیهم الی صدورهم فی افتتاح الصلوة و علیهم برانس و أکسیة ۔(ابوداود شریف، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ص۱۱۳، نمبر ۷۲۸) اس حدیث میں ہے کہ پہلے ہاتھ کان تک اٹھاتے تھے لیکن سردی میں واپس گیا تو دیکھا کہ کپڑے کی وجہ سے ہاتھ سینے تک اٹھاتے ہیں۔

لغت : یحاذی: سامنے ہو جائے، برابر میں ہو جائے۔ ابهام : انگوٹھا، شحمة کان کا نرما، کان کی لو۔ منکب: مونڈھا۔ اصم: بہرا

نوٹ: رکوع کے وقت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ حنفیہ اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے۔ (۱) اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی نگاہ قوموا لله قانتین کی طرف گئی ہے۔ اس لئے دوسری احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (۲) قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة . (ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرة، ص۵۹ نمبر ۲۵۷) (۳) عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود . (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹ رنسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصة فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدی کے چھوڑنے کی گنجائش ہے

فائدہ : امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر قال رأیت رسول الله ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه

(۲۶۲)والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها ﴾ ﴿هو الصحيح لانه استرلها (۲۶۳) فان قال بدل التكبير، الله اجل، او اعظم، اوالرحمن اكبر، اولا اله الا الله، اوغيره من اسماء الله تعالى اجزاه عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ، وقال ابويوسفؒ ان كان يحسن التكبير لم يجز الاقوله الله اكبر، او الله

وكان يفعل ذلک حين يكبر للركوع و يفعل ذلک اذا رفع رأسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلک فی السجود (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبرواذارکع واذارفع ص۱۰۲ نمبر ۷۳۶ر مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانہ لا یفعلہ اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

ترجمه : (۲۶۲) اورعورت اپنے ہاتھ کومونڈھے تک اٹھائے۔

ترجمه: ﴿ صحیح یہی ہے اسلئے کہ یہ اسکے لئے ستر کی چیز ہے۔

تشريح :عورت ستر ہے اسلئے اسکے لئے مناسب یہی ہے کہ ہاتھ کانوں تک نہ اٹھائے بلکہ مونڈھے تک ہی اٹھائے یہی ستر کے مناسب ہے۔

وجه : (۱)ایک تو اوپر والی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور مونڈھے تک ہاتھ اٹھاتے تھے، یہ اگر چہ دوسرے ائمہ کے یہاں مردوں کے لئے ہے لیکن ہمارے یہاں اس حدیث پر عورت عمل کرے گی رأيت رسول الله ﷺ اذا قام فى الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه (بخاری شریف، نمبر ۷۳۶ر مسلم شریف، نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھائے۔(۲) اوراس کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ يا ابن حجر اذا صليت فاجعل يديک حذاء اذنيک والمرأة تجعلى يديها حذاء ثدييها (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسننھا ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں مونڈھے تک بلکہ پستان تک ہاتھ اٹھائے۔(۳) اثر میں ہے۔عن الزهرى قال : ترفع يديها حذو منكبيها ۔مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹ فی المرأۃ اذا افتتحت الصلوۃ الی این ترفع یدیھا، ج اول، ص ۲۱۶، نمبر ۲۴۷۲)اس اثر میں ہے کہ عورت مونڈھے تک اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گی۔

ترجمه : (۲۶۳) اگر اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن الاکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا، یا اسکے علاوہ اللہ کے ناموں میں سے کوئی اور کہا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ الله اكبر اور الله الاكبر اور الله الكبير، کہے۔

الاكبر، اوالله الكبير﴾ ۱ وقال الشافعیؒ لايجوزالابالاوّلين وقال مالكؒ لايجوزالابالاوّل لانه هوالمنقول والاصل فيه التوقيف

تشریح: امام طرفین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ کی تعظیم کا کوئی بھی کلمہ کہے گا اور تحریمہ باندھے گا تو کافی ہو جائے گا بشرطیکہ تعظیم کا کلمہ ہو۔ استغفار وغیرہ نہ ہو۔ البتہ تکبیر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے تحریمہ باندھنا مکروہ ہے۔

وجہ: آیت میں ہے وذکر اسم ربه فصلى (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) آیت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے اللہ کا کوئی بھی نام لے، چاہے وہ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ (۲) آیت میں ہے وربک فکبر. (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل مقصود اللہ کی تعظیم کرنا ہے چاہے کوئی بھی کلمہ ہو (۳) حدیث میں ہے عن ابی سعید خدری قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة بالليل كبر ۔ (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔ اس لئے کسی بھی کلمات سے تعظیم کرنا کافی ہوگا۔ (۴) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال : بأی أسماء الله افتتحت الصلوة أجزاک ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما یجزی من افتتاح الصلوۃ، ج اول، ص ۲۱۵، نمبر ۲۴۶۴) اس اثر میں ہے کہ اللہ کے کسی نام سے بھی تکبیر شروع کرے گا تو تکبیر ہو جائے گی۔

فائدہ: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو خاص طور پر الله اكبر، اور الله الاكبر، اور الله الكبير، کہنا ضروری ہوگا۔ اور اگر اچھی طرح نہیں کہہ سکتا ہو تو اسکے لئے اللہ کے دوسرے ناموں سے تکبیر شروع کرنا جائز ہے۔

وجہ: اس لئے کہ یہی کلمات حدیث میں تکبیر تحریمہ کے لئے آئے ہیں۔ سمعت ابا حميد الساعدی يقول كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة استقبل القبلة ورفع يديه وقال :الله اكبر، (ابن ماجہ شریف، باب افتتاح الصلوۃ، ص ۱۱۴، نمبر ۸۰۳، ابواب اقامۃ الصلوۃ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ، باب منہ ص ۶۶ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں خاص اللہ اکبر کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کلمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہوگا۔ اللہ الاکبر میں اور اللہ الکبیر میں زیادہ مبالغہ ہے اس لئے ان دونوں کلمے سے بھی تحریمہ ادا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر پہلے دو یعنی, الله اكبر ، اور الله الاكبر ، سے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ اکبر تکبیر جائز ہے اسلئے کہ حدیث میں یہی منقول ہے۔ اور اصل اس میں حدیث اور قرآن کی معلومات ہی ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اللہ اکبر، سے تکبیر ہو سکتی ہے البتہ, اللہ الاکبر، (الف لام کے ساتھ) سے معنی بدلتا نہیں ہے بلکہ الف لام کی زیادتی سے معنی میں مبالغہ ہو جاتا ہے اسلئے, اللہ الاکبر، سے بھی تکبیر ہو جائے گی۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ ولو قال : الله اكبر ، الله العظيم ، أو الله الجليل ، أو الحمدلله، أو سبحان الله ، أو ما ذكر الله به .لم يكن

۲؎ والشافعیؒ یقول ادخال الالف واللام ابلغ فی الثناء فقام مقامه ۳؎ وابویوسفؒ یقول ان افعل وفعیلافی صفات اللّٰه تعالیٰ سواء ۴؎ بخلاف ما اذا کان لایحسن لانه لایقدر الا علی المعنی

داخلاً فی الصلوۃ الا بالتکبیر نفسه ، و هو : الله أکبر ....و کذالک ان قال : الله الاکبر و هکذا التکبیر ، و زیادۃ الالف و اللام لا تحیل معنی التکبیر ۔(موسوعۃ للامام الشافعیؒ، باب ما یدخل بہ فی الصلاۃ من التکبیر ،ج ثانی،ص ۱۲۶،نمبر۱۲۶۳/۱۲۶۴)اس عبارت میں ہے کہ صرف اللہ اکبر سے تکبیر ہوگی،اوراللہ الاکبر میں معنی نہیں بدلتا ہے اسلئے اس سے بھی ہوجائے گی،البتہ دوسرے الفاظ سے تکبیر کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اورامام مالکؒ کے نزدیک بھی صرف اللہ اکبر سے ہی تکبیر ہوگی۔

وجه: اسکی وجہ اوپر کی حدیث ہے جس میں صرف اللہ اکبر سے تکبیر کہنے کا ذکر ہے وقال :الله اکبر (ابن ماجہ شریف،نمبر۸۰۳/ ترمذی شریف،نمبر۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرے۔اوراصل قاعدہ یہ ہے کہ جوالفاظ حدیث اور قرآن سے معلوم ہواسی کواستعمال کرسکتے ہیں،اورحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے صرف اللہ اکبر سے نماز شروع کی ہے اسلئے صرف اللہ اکبر سے ہی تکبیر کہی جاسکتی ہے۔توقیف کا ترجمہ ہے، جوحدیث اورقرآن سے معلوم ہو۔

ترجمه: ۲؎ اورامام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الف اور لام تعریف کرنے میں زیادہ مبالغہ کرتے ہیں اسلئے اللہ الاکبر اللہ اکبر کے قائم مقام ہوگیا۔

تشریح: حدیث سے پتہ چلا کہ صرف اللہ اکبر سے تکبیر کہے لیکن امام شافعیؒ کے یہاں اللہ الاکبر سے بھی تکبیر اسلئے ہوجائے گی کہ الف لام سے تعریف میں زیادہ مبالغہ ہوتا ہے اسلئے گویا کہ اللہ الاکبر بھی اللہ اکبر کی طرح ہوگیا۔

ترجمه: ۳؎ اورامام ابویوسفؒ فرماتے ہیں افعل کا وزن اور فعیل کا وزن اللہ کی صفات میں برابر ہیں۔

تشریح: امام ابویوسفؒ کے یہاں اللہ اکبر،اوراللہ الاکبر سے تکبیر ہوجاتی ہے اسکی دلیل تواوپر امام شافعیؒ کی دلیل میں گزری، اوراللہ الکبیر سے تکبیر ہوجاتی ہے اسکی دلیل یہ ہے، کہ اکبر افعل کے وزن پر اور کبیر فعیل کے وزن پر اللہ کی صفات بیان کرنے میں اور مبالغہ ہونے میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے اسلئے جس طرح سے اللہ اکبر سے تکبیر ہوجائے گی اللہ الکبیر سے بھی تکبیر ہوجائے گی۔

ترجمه: ۴؎ بخلاف جبکہ اچھی طرح اللہ اکبر نہیں کہہ سکتا ہو،اسلئے کہ وہ معنی کے سواکسی اور چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔

تشریح: جوآدمی کسی وجہ سے اللہ اکبر نہیں بول سکتا ہوتو اسکے لئے گنجائش ہے کہ اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر کے علاوہ کسی اور لفظ سے تکبیر کہہ لےتو ہوجائے گی۔کیونکہ وہ صرف اللہ اکبر کے معنی پر قدرت رکھتا ہے اسلئے وہ مجبور ہے اسلئے اورالفاظ جو تعظیم پر دلالت کرتے ہوں ان سے بھی تکبیر ہوجائے گی۔

۵ ولهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل (۲۶۴) فان افتتح الصلوٰة بالفارسية، اوقرأ فيها بالفارسية، او ذبح وسمّى بالفارسية وهو يحسن العربية اجزاه عند ابی حنيفةؒ، وقالا: لا يجزيه الا فی الذبيحة وان لم يحسن العربية اجزاه

ترجمه: ۵ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر کا ترجمہ لغت میں تعظیم ہے، اور وہ دوسرے الفاظ سے بھی حاصل ہے اسلئے دوسرے الفاظ سے بھی تکبیر ہو جائے گی۔

تشریح: ان دونوں حضرات کی دلیل گزر چکی کہ تکبیر کا مطلب اللہ کی تعظیم کرنا ہے اسلئے جن الفاظ سے تعظیم ہو جائے ان سے تکبیر بھی ہو جائے گی۔ باقی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۲۶۴) پس اگر نماز فارسی زبان میں شروع کی، یا نماز میں فارسی زبان سے قرأت کی، یا ذبح کیا اور فارسی میں بسم اللہ پڑھی حالانکہ وہ عربی اچھا جانتا ہے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کافی نہیں ہوگا مگر صرف ذبح کرنے میں۔ اور اگر عربی اچھا نہیں جانتا ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔

تشریح: یہاں چھ مسئلے کے بارے میں تفصیل ہے (۱) تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہی، یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کہی تو تکبیر تحریمہ ہو جائے گی یا نہیں۔ (۲) نماز میں سورتوں کی قرأت فارسی زبان میں کی تو قرأت ہو جائے گی اور نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ (۳) ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی زبان میں پڑھی تو جانور حلال ہو جائے گا یا نہیں۔۔ ان تینوں کا تذکرہ متن میں ہے۔ (۴) جمعہ کا خطبہ فارسی زبان یا کسی دوسری زبان میں دیا تو خطبہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں۔ (۵) نماز میں تشہد فارسی زبان میں پڑھی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں (۶) اذان فارسی زبان میں دی تو اذان ہو جائے گی یا نہیں! تفصیل آگے دیکھیں۔

اصول: عربی اچھی نہ آتی ہو تب تو بالاتفاق نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر عربی اچھی آتی ہو تو اختلاف ہے کہ یہ سب ہو جائے گی یا نہیں۔ اختلاف کا مدار اس بات پر ہے کہ آیت کا معنی کسی دوسری زبان میں ادا کر دیا جائے تو آیت کی ادائیگی ہوگئی یا نہیں! امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبان میں معنی ادا کر دیا جائے تو ادائیگی ہو جائے گی البتہ سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کی اہمیت ضرور ہے لیکن آیت کا معنی اصل ہے جو کسی بھی زبان میں ادا ہو جائے کافی ہے (۲) کیونکہ بہت سی سورتیں دوسری کتاب تورات اور انجیل اور صحف ابراہیم میں تھیں جو عربی کے علاوہ دوسری زبان میں تھیں اور اس امت کے لوگ اسی کو اپنی نماز میں پڑھتے تھے جسکا مطلب یہ ہوا کہ دوسری زبان میں سورت پڑھ دینا جائز ہے۔ اس آیت میں اسکا ذکر ہے۔ و انه لفی زبر الاولین (آیت ۱۹۶، سورة الشعراء ۲۶) اس آیت میں ہے کہ آیت پہلے کتابوں میں تھی، (۲) اس آیت میں بھی ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا۔ ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهيم و موسى . (آیت ۱۹، سورة

الاعلی ۸۷)اس آیت میں ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا (۳)حدیث میں ہے۔عن معقل بن یسارؓ قال : قال رسول الله ﷺ : ....و انی أعطیت سورة البقرة من الذکر الاول و أعطیت طه ، و طواسین ،و الحوامین من الواح موسی، و اعطیت فاتحة الکتاب من تحت العرش ۔(مستدرک للحاکم، باب ذکر فضائل سور وآی متفرقۃ، ج اول ،ص ۷۵۷، نمبر ۲۰۸۷)اس حدیث میں ہے کہ یہ سورتیں پہلی کتابوں میں تھیں۔اور ظاہر ہے کہ وہ دوسری زبان میں ہی ہوگی اسلئے دوسری زبان میں آیت پڑھنا جائز ہوگا۔

اور صاحبین کا اصول یہ ہے کہ معنی کے ساتھ عربی کے الفاظ بھی ضروری ہیں، انکے یہاں معنی اور لفظ دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔

وجہ : (۱)انکی دلیل یہ ہے کہ آیت میں عربی الفاظ کو قرآن کہا ہے،آیت یہ ہے۔ انا أنزلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔(آیت ۲،سورۃ یوسف ۱۲) ،و کذالک أنزلناه قرآنا عربیا و صرفنا فیه من الوعید ۔(آیت ۱۳،سورۃ طہ ۲۰) ، انا جعلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔(آیت ۳،سورۃ الزخرف ۴۳)ان آیتوں میں قرآن کو عربی کہا ہے اسلئے عربی لفظ اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔اسلئے جنکو عربی اچھی آتی ہو وہ دوسری زبان میں آیت کا معنی پڑھے گا تو جائز نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے. و رتل القرآن ترتیلا۔(آیت ۴،سورۃ المزمل ۷۳) کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عربی میں ہو اسلئے قرآن عربی الفاظ کا نام ہے۔(۳) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اجازت مانگی تو عرب کے صرف سات لغت میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی، اس سے معلوم ہوا کہ انکے علاوہ دوسری زبان میں قرآن پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی بن کعب أن النبی ﷺ کان عند أضاة بنی غفار قال : فأتاه جبریل علیه السلام فقال : ان الله یأمرک أن تقرأ أمتک القرآن علی حرف ....ان الله یأمرک أن تقرأ أمتک القرآن علی سبعة احرف ، فأیما حرف قرأوا علیه ، فقد أصابوا ۔(مسلم شریف، باب بیان أن القرآن أنزل علی سبعۃ أحرف و بیان معناها،ص ۳۲۹،نمبر ۱۹۰۶/۸۲۱/بخاری شریف، باب أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف،ص ۸۹۵،نمبر ۴۹۹۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرب کے سات لغات پر ہی پڑھنا جائز ہوگا، اسکے علاوہ پر نہیں۔

اصــــول :امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معنی کا نام قرآن ہے۔۔صاحبین کے نزدیک عربی عبارت اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔

البتہ اگر عربی نہیں آتی ہو تو اب مجبوری ہے اسلئے دوسری زبان میں آیت کا معنی پڑھ دے تو نماز ہو جائے گی۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ قرآن نہ پڑھ سکتا ہو تو تکبیر اور لا الہ الا اللہ،اور سبحان اللہ پڑھنے سے بھی نماز ہو جائے گی،لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن رفاعة بن رافع : أن رسول الله ﷺ بینما جالس فی المسجد ....فان کان معک قرآن

۱؎ اما الكلام فى الافتتاح فمحمدؒ مع ابى حنيفةؒ فى العربية ومع ابى يوسف فى الفارسية لان لغة العرب لها من المزيّة ماليس لغيرها ۲؎ واما الكلام فى القراء ة فوجه قولهما ان القراٰن اسم لمنظوم عربى كمانطق به النص الا ان عند العجز يكتفى بالمعنى كالايماء

فاقرأ ، و الا فاحمد الله و كبره و هلله . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ،۶۶،نمبر ۳۰۲/مستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول،ص ۳۶۷،نمبر ۸۸۰/ابو داود شریف، باب مایجزی ءالامی والاعجمی من القرائۃ،ص ۱۲۸،نمبر ۸۳۲) اس حدیث میں ہے کہ قرآن نہ پڑھ سکتا ہو تو تکبیر اور تہلیل پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی، اور جب تکبیر وغیرہ کہنے سے نماز ہو جائے گی تو اسکے اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ دوسری زبان میں قرآن پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ بہر حال نماز شروع کرنے کے بارے میں جو کلام ہے تو امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے، اور فارسی کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے، اسلئے کہ عربی زبان کی ایک اہمیت ہے جو دوسرے کی نہیں ہے۔

تشریح : افتتاح کا معنی ہے تکبیر تحریمہ۔۔ تکبیر تحریمہ عربی میں کہے لیکن اللہ اکبر کے بجائے اسکی تعظیم کے دوسرے الفاظ سے تکبیر شروع کرے تو امام ابو حنیفہؒ کی طرح امام محمدؒ بھی فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گی، اور اس سلسلے میں امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔لیکن اگر تکبیر تحریمہ فارسی میں کہے تو امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے کہ تکبیر نہیں ہوگی۔اسلئے کہ عربی زبان کی ایک اہمیت ہے جو دوسری زبان کی نہیں ہے۔۔ دلیل اوپر گزر گئی کہ عربی الفاظ بھی قرآن میں شامل ہے، اسکے لئے آیت یہ ہے۔ **انا جعلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون** ۔(آیت ۳، سورۃ الزخرف ۴۳) اس آیت میں ہے کہ عربی میں قرآن ہے۔

ترجمہ : ۲؎ بہر حال کلام نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں تو صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن عربی عبارت کا نام ہے۔جیسا کہ آیت سے پتہ چلتا ہے۔مگر عاجزی کے وقت میں معنی پر اکتفاء کیا جائے گا، جیسے کے سجدے سے عاجزی کے وقت اسکے اشارے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ دوسری بحث نماز میں قرأت کے سلسلے میں ہے۔ ۔ کہ عربی پر قادر ہے پھر بھی قرآن کے معنی کی قرأت فارسی زبان میں یا کسی اور زبان میں کر لے تو صاحبین کے نزدیک نماز جائز نہیں ہوگی۔اسکی وجہ گزر گئی ہے کہ انکے یہاں معنی کے ساتھ عربی عبارت کا نام بھی قرآن ہے ، اور اسنے عربی عبارت نہیں پڑھی تو گویا کہ قرآن نہیں پڑھا اسلئے نماز نہیں ہوگی۔البتہ اگر عربی نہیں آتی ہو اور مجبور ہو تو کسی زبان میں آیت کا معنی پڑھ لے تو کافی ہو جائے گا۔جیسے کہ کوئی رکوع اور سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اسکا اشارہ کر لے تو نماز ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں آیت کا معنی کسی زبان میں پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔۔اسکی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔**عن رفاعة بن رافع : أن رسول الله ﷺ بينما جالس فى المسجد ....فان كان معک قرآن فاقرأ ، و**

۳؎ بخلاف التسمية لان الذكر يحصل بكل لسان ۴؎ولابی حنيفةؒ قوله تعالٰی ﴿انه لفی زبر الاوّلين﴾ولم يكن فيها بهٰذه اللغة ولهٰذا يجوز عند العجز الا انه يصير مسيأ لمخالفة السنة المتوارثة ۵؎ويجوز بایّ لسان كان سوی الفارسية، هو الصحيح لماتلونا، والمعنی لايختلف باختلاف اللغات

الا فاحمد الله و کبره و هلله . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ،۶۶،نمبر ۳۰۲ رمستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۳۶۷،نمبر ۸۸۰ رابوداود شریف، باب مایجزی ءالامی والاعجمی من القرائۃ،ص ۱۲۸،نمبر ۸۳۲) جب تکبیر اور تہلیل سے نماز ہوجائے گی تو قرآن کے معنی پڑھنے سے بھی نماز ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف ذبح کے وقت ،بسم اللہ، کے اسلئے کہ ذکر ہر زبان میں حاصل ہوجاتا ہے۔

تشریح : ذبح کرتے وقت عربی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھنے کے بجائے اسکا ترجمہ کسی اور زبان میں پڑھ دیا تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی ذبح درست ہوجاے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں ہے . و لا تأكلوا مما لم يذكر أسم الله عليه و انه لفسق ۔(آیت ۱۲۱،سورۃ الانعام ۶) کہ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے اسکو مت کھاوء، اور اللہ کا نام کسی زبان میں بھی ہوسکتا ہے اسلئے کسی زبان میں بھی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے گا تو جانور حلال ہوجائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول ((و انه لفی زبر الاولين)) (آیت ۱۹۶،سورۃ الشعراء ۲۶) کہ قرآن پہلی کتابوں میں تھا اور وہ عربی زبان میں نہیں تھا۔اسی لئے عاجزی کے وقت میں جائز ہے لیکن سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبانوں میں قرأت جائز ہے اسکی یہ دلیل ہے، کہ آیت میں ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا، اور ظاہر ہے کہ پچھلی کتابوں کی زبان عربی نہیں ہے اسلئے قرآن عربی میں نہیں تھا، اور پچھلی امتیں نماز پڑھتی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ دوسری زبان میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔۔یہی وجہ ہے کہ عربی نہ آتی ہو مجبوری اور عاجزی کے وقت دوسری زبان میں صاحبین کے یہاں بھی پڑھنا جائز ہے۔اسلئے بغیر عاجزی اور مجبوری کے بھی جائز ہوجائے گا۔۔البتہ چونکہ اسکا رواج نہیں ہے اسلئے سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے برا ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ اور جائز ہے کہ فارسی کے علاوہ بھی کسی زبان میں ہو، صحیح یہی ہے اس آیت کی وجہ سے جو میں نے تلاوت کی، اور معنی زبان کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

تشریح :ابوسعید نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف فارسی زبان میں آیت کا مفہوم پڑھنا جائز ہے دوسری

۶ والخلاف فی الاعتدادولا خلاف فی انه لافساد ۷ ویروی رجوعه فی اصل المسألة الی قولهما وعلیه الاعتماد ۸ والخطبة والتشهد علی هذا الاختلاف ۹ وفی الاذان یعتبر التعارف

زبان میں نہیں، اسلئے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی صحیح روایت یہ ہے کہ کسی بھی زبان میں آیت کا مفہوم پڑھنا جائز ہے۔۔اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ آیت (و انه لفی زبر الاولین) (آیت ۱۹۶، سورۃ الشعراء ۲۶) سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پہلی کتابوں میں تھا، اور یقینی بات ہے کہ وہ فارسی میں نہیں تھا دوسری زبانوں میں تھا اسلئے دوسری زبانوں میں بھی قرآن پڑھنا جائز ہوگا۔۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان کے بدلنے سے مفہوم نہیں بدلے گا مفہوم تو قرآن ہی کا رہے گا اسلئے دوسری زبانوں میں پڑھنا جائز ہوگا۔

ترجمہ : ۶ اختلاف شمار کرنے میں ہے۔ اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح :۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ کسی دوسری زبان میں قرأت کر دی تو یہ قرأت کافی ہو جائے گی یا نہیں! امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک کافی نہیں ہوگی۔۔ البتہ اس بارے میں تینوں متفق ہیں کہ دوسری زبان میں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، نماز باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۷ اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔

تشریح : نوح بن ابی مریم سے منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آخیر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا کہ دوسری زبان میں قرأت کرے گا تو کافی نہیں ہوگا، اور اسی پر فتوی ہے، البتہ عربی نہ جاننے کی شکل میں بالاتفاق جائز ہے۔

ترجمہ: ۸ خطبہ اور تشہد اسی اختلاف پر ہے۔

وجہ : یعنی جمعہ کا خطبہ، اور نماز میں التحیات دوسری زبان میں پڑھ دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۹ اور آذان میں تعارف کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح : اذان چونکہ نماز نہیں ہے، صرف اعلان نماز ہے۔ اسلئے جس زبان میں لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ اذان ہے اور نماز کے لئے بلایا جارہا ہے اسی زبان میں اذان دے دینے سے اذان ہو جائے گی۔ البتہ مروج اذان نہ ہونے کی وجہ سے اچھا نہیں ہے۔

لغت : افتتح: فتح سے مشتق ہے، شروع کیا، تکبیر تحریمہ کہا۔ سمی: بسم اللہ پڑھا۔ اجزاہ: کافی ہو گیا، جائز ہو گیا۔ المزیۃ: اہمیت، خصوصیت۔ منظوم: نظم سے مشتق ہے، عبارت، الفاظ۔ النص: قرآن اور حدیث کو نص کہتے ہیں۔ ایماء: اشارہ۔ تسمیہ: بسم اللہ پڑھنا۔ زبر: کتاب، صحیفہ۔ مسیئ: برا، گنہگار رہوگا۔ السنۃ المتوارثۃ: جو سنت اب تک آ رہی ہے۔ اعتداد: شمار کرنا۔ التعارف: لوگوں میں جو متعارف ہو۔

(۲۶۵) وان افتتح الصّلوة باللهم اغفرلی لاتجوز﴾ ۱؎ لانه مشوب بحاجته فلم یکن تعظیما خالصًا ۲؎ وان افتتح بقوله: اللهم، فقد قیل: یجزیه لان معناه یا اللّٰہ، وقد قیل: لایجزیه لان معناه یا اللّٰہ آمنا بخیر فکان سوالا (۲۶۶) قال ویعتمدبیده الیمنی علی الیسری تحت السرة﴾

ترجمه: (۲۶۵) اگرنماز اللهم اغفرلی سے شروع کی تو جائز نہیں ہے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ اس میں ضرورت شامل ہے، خالص تعظیم نہیں ہے۔

تشریح : اگرکسی نے نماز اللھم اغفرلی سے شروع کی تو نماز جائز نہیں ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ اللہ کی تعظیم سے تکبیر شروع کرے، آیت یہ ہے۔ وربک فکبر. (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اور اللھم اغفرلی میں خالص تعظیم نہیں ہے، بلکہ اس میں تو مانگنا اور سوال کرنا ہے اسلئے اس سے تکبیر تحریمہ نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۲؎ اور اگر اللهم، کے ذریعہ نماز شروع کی تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ہوجائے گی، اسلئے کہ اسکا معنی ہے اے اللہ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوگی اسکا معنی ہے یا الله آمنا بخیر : (اے اللہ مجھے خیریت سے رکھ) تو سوال ہوگیا۔ اسلئے نماز نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر تعظیم کے الفاظ سے تکبیر کہی تو تکبیر ہوجائے گی۔ اور اگر سوال کے الفاظ سے تکبیر کہی تو تکبیر نہیں ہوگی۔ اب اللھم کے دو معنی ہیں۔ جن حضرات نے اللھم کا معنی یا اللہ لیا، انکے یہاں تکبیر تحریمہ ہوجائے گی اسلئے کہ یا اللہ تعظیم کا لفظ ہوا۔ اور جن حضرات نے اللھم کا ترجمہ یا اللہ آمنا بخیر، (اے اللہ مجھے خیریت سے رکھ) لیا تو انکے یہاں تکبیر نہیں ہوگی اسلئے کہ یہ سوال کا لفظ ہوگیا۔

(۲۶۶) اور پکڑے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے۔

اس مسئلے میں چار بحثیں ہیں [۱] ہاتھ باندھے، یا چھوڑ دے۔ [۲] کس طرح باندھے۔ [۳] کہاں باندھے، ناف کے نیچے، یا سینے پر۔ [۴] قرأت کے وقت، یا تکبیر کے بعد ہی سے۔ چاروں کی تفصیل آگے دیکھیں۔

تشریح: حدیث میں یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ اور یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لے۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔ تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔ اور رکھنا اور پکڑنا دونوں ہوجائے۔

وجه : (۱) عن وائل بن حجر انه رأی النبی ﷺ ... ثم وضع یده الیمنی علی الیسری. (مسلم شریف، باب وضع یده الیمنی علی الیسری ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۱/۸۹۶/ ابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۵/ بخاری شریف

۱ لقوله عليه السلام:ان من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة ۲ وهو حجة على مالک فى الارسال وعلى الشافعیؒ فى الوضع على الصدر

،باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ نمبر ۷۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے (۲) قبیضة بن هلب عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه ۔(ترمذی شریف ،باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲ رنسائی شریف ، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ،ص ۱۲۳، نمبر ۸۰۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہئے ۔اس لئے حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا۔

ترجمه: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھے۔

تشریح :صاحب ھدایہ کی حدیث مرسل یہ ہے (۳)عن علیؓ قال ان من السنة فى الصلوة وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة. (ابوداؤد شریف باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۶ ردار قطنی ، باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوۃ ج اول ص ۲۸۹ نمبر ۱۰۸۹ رسنن للبیھقی ، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ج ثانی ص ۴۸ ،نمبر ۲۳۴۱)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھنا چاہئے۔

فائده : **ترجمه** ۲ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے ارسال کرنے میں اور امام شافعیؒ پر ہاتھ سینے پر رکھنے کے بارے میں۔

تشریح :امام مالکؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا رخصت ہے اور ہاتھ کو باندھنا عزیمت ہے۔۔اورامام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر باندھنا سنت ہے۔

وجه : ان کی دلیل یہ حدیث ہے .عن طاوس قال : كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره و هو فى الصلوة . (ابوداؤد شریف ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ،ص ۱۱۷، ۷۵۹ رسنن للبیھقی ، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ض ثانی ص ۴۶ ،نمبر ۲۳۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سینے پر رکھنا چاہئے۔

نوٹ: امام ترمذیؒ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے۔ورأى بعضهم ان يضعها فوق السرة ورأى بعضهم ان يضعها تحت السرة و كل ذلك واسع عندهم . (ترمذی شریف ،باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲)

۳؎ ولان الوضع تحت السرة اقرب الى التعظيم وهو المقصود ۴؎ ثم الاعتماد سنة القيام عندابى حنفيةؒ وابى يوسفؒ حتى لايرسل حالة الثناء ۵؎ والاصل:ان كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا. هو الصحيح، فيعتمد فى حالة القنوت، وصلوة الجنازة، ويرسل فى القومة، وبين تكبيرات الاعياد (۲۶۷)ثم يقول: سبحانك اللّٰهم وبحمدك، الىٰ اٰخره ﴾

ترجمہ: ۳؎ اوراسلئے کہ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے،اور تعظیم ہی مقصود ہے۔۔اسلئے ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے۔

ترجمہ : ۴؎ پھر ہاتھ باندھنا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیام کی سنت ہے،اسلئے ثناء پڑھتے وقت بھی ہاتھ چھوڑا نہیں جائے گا۔

تشریح : امام محمدؒ کی ایک رویت یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا قرأت کی سنت ہے اسلئے جس وقت قرأت کرے اسی وقت ہاتھ باندھے،اسکا حاصل یہ ہوگا کہ ثناء پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑ دے کیونکہ وہ قرأت نہیں ہے۔اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے اسلئے تکبیر تحریمہ کے بعد سے رکوع میں جانے تک ہاتھ باندھے رہے گا۔۔باندھنے کی دلیل تو اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھا جائے گا۔اور جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں نہیں باندھا جائے گا۔صحیح یہی ہے۔چنانچہ دعاء قنوت کی حالت میں،اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھا جائے گا۔اور قومہ میں اورعیدین کی تکبیرات کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح : شیخین یہ قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ قیام کے جن جن مقامات پر ذکر مسنون ہے وہاں ہاتھ کو باندھنا مسنون ہے اور جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں ہاتھ کو چھوڑ دینا مسنون ہے۔چنانچہ دعاء قنوت کی حالت میں اور نماز جنازہ میں ذکر ہے اسلئے وہاں ہاتھ باندھنا مسنون ہے اور قومہ،یعنی رکوع سے اٹھتے وقت میں اور عیدین کی تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اسلئے وہاں ہاتھ کو چھوڑ دینا مسنون ہے۔

لغت : یعتمد : پکڑیگا، الیسری:بائیں۔ السرۃ : ناف۔ارسال: چھوڑنا، ہاتھ نہ باندھنے کو ارسال کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۲۶۷) تحریمہ باندھنے کے بعد پڑھے سبحانک اللهم وبحمدک، الى آخره .

تشریح : تحریمہ باندھنے کے بعد اور بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں۔لیکن حنفیہ کے نزدیک سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک ولا اله غيرک. پڑھنا زیادہ بہتر ہے

۱؎ وعن ابی یوسفؒ انه یضم الیه قوله:انی وجهت وجهی الی اٰخره، لروایة علیؓ ان النبی علیہ السلام کان یقول ذٰلک ۲؎ ولهما روایة انسؓ،ان النبی علیہ السلام کان اذا افتتح الصلوة کبر وقرأ سبحانک اللهم وبحمدک الی اٰخره ولم یزد علیٰ هٰذا

وجه: یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوة باللیل کبر ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک. (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوة ص ۵۷ نمبر ۲۴۲ رابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللهم الخ پڑھنا چاہئے۔

فائده: ترجمه: ۱؎ اورامام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ سبحانک اللهم ،الخ کے ساتھ اللهم انی وجهت وجهی ، الی آخره، بھی ملائے حضرت علیؓ کی روایت کی وجہ سے کہ نبی علیہ السلام یہ دعاء کہا کرتے تھے۔

تشریح : حضرت ابو یوسفؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کی روایت کی وجہ سے سبحانک اللهم کے ساتھ اللهم وجهت وجهی الخ بھی پڑھے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ امام شافعیؒ کی روایت یہ ہے کہ اللهم وجهت وجهی الخ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ أنه کان اذا قام الی الصلوة قال وجهت وجهی للذی فطر السماوات و الارض حنیفاً و ما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا شریک له و بذالک أمرت و أنا من المسلمین .(مسلم شریف، باب صلاة النبی ﷺ ودعاۂ باللیل ،ص ۲۶۰ ،نمبر ۱۸۱۲/۷۷۱ رابوداؤد شریف، باب ما یستفتح به الصلوة من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰ رنسائی شریف،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاة وبین القرأة ،ص ۱۲۵ ،نمبر ۸۹۸) امام ابو یوسف ان دونوں احادیث کی وجہ سے دونوں دعاؤں کے ملانے کے قائل ہیں۔(۲) آیت میں بھی اسکا اشارہ ہے کہ اسکو پڑھنا چاہئے۔انی وجهت وجهی للذی فطر السماوات و الارض حنیفاً و ما انا من المشرکین ۔(آیت ۷۹ سورۃ الانعام ۶)

ترجمه : ۲؎ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب نماز شروع کرتے تکبیر کہتے اور سبحانک اللهم وبحمدک ،الی آخرہ پڑھتے اوراس سے زیادہ نہیں پڑھتے ۔۔اسلئے یہی دعاء پڑھنی چاہئے۔

تشریح : طرفین حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد صرف سبحانک اللهم الخ پڑھنا چاہئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن انس قال کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة کبر.... ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک. (دارقطنی ،باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر ،ج

۳؎ وما رواه محمول على التهجد ۴؎ وقوله ﴿ وجلَّ ثناؤك ﴾ لم يذكر في المشاهير فلا ياتي به في الفرائض ۵؎ والاولیٰ ان لا يأتي بالتوجه قبل التكبير ليتصل النية به، هو الصحيح

اول،ص ۳۰۰،نمبر ۱۱۳۵) ترمذی شریف نمبر ۲۴۲،اورابوداؤدشریف نمبر ۷۷۵ میں یہ حدیث حضرت ابوسعد خدری سے مروی ہے۔ اس میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہے اسلئے اس سے زیادہ پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور جو روایت کی ہے وہ تہجد پر محمول ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے جو روایت کی ہے،ہم یہ کہتے ہیں کہ آپؐ وجھت وجھی والی دعاء تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے، اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ اپنی نفل نماز میں جتنی دعائیں کرے کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام مسلم نے اس دعاء کو تہجد کے باب میں نقل فرمایا ہے۔باب یہ ہے **عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ أنه كان اذا قام الى الصلوة قال وجهت وجهي للذى فطر السماوات و الارض حنيفاً و ما انا من المشركين ان صلاتي ونسكي و محياى و مماتي لله رب العالمين لا شريك له و بذالک أمرت و أنا من المسلمين .** (مسلم شریف،باب صلاۃ النبی ﷺ ودعاۂ باللیل،ص ۲۶۰،نمبر ۷۷۱/۱۸۱۲ /نسائی شریف،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ وبین القرأۃ،ص ۱۲۵،نمبر ۸۹۸) مسلم شریف اورنسائی شریف کے باب سے معلوم ہوا کہ یہ دعاء تہجد کی ہے فرض نماز کی نہیں ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور اسکا قول ((و جل ثنائک)) مشہور حدیث میں نہیں ہے اسلئے اسکو فرض نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح : ناچیز نے بھی اس جملے کو بہت تلاش کیا مجھے بھی نہیں ملا،اسلئے اسکو نوافل میں پڑھنا چاہے تو پڑھے،فرض نماز میں نہ پڑھے۔

ترجمه: ۵؎ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ, وجهت وجهى،الخ ,تکبیر تحریمہ سے پہلے نہ پڑھے تاکہ نیت تحریمہ کے ساتھ متصل ہو جائے،صحیح یہی ہے۔

تشریح : بعض حضرات کی رائے ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے وجھت وجھی الخ، پڑھی جائے پھر تکبیر کہے،انکا استدلال یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہو تو یہ پڑھے جسکا مطلب یہ لیتے ہیں کہ کھڑا ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھے۔ **أنه كان اذا قام الى الصلوة قال وجهت وجهي للذى فطر السماوات و الارض حنيفاً** (مسلم شریف ۱۸۱۲/)اس حدیث میں ہے،**اذا قام الى الصلوة**، کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو وجھت وجھی الخ پڑھے۔لیکن دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ تکبیر کے بعد آپؐ نے پڑھی ہے ۔حدیث یہ ہے۔**عن علی بن طالب قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة كبر ثم قال : وجهت وجهي الخ** (ابوداؤد شریف،باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰ /نسائی شریف

(۲۶۸) ويستعيذبالله من الشيطن الرجيم﴾ ۱؎ لقوله تعالىٰ فاذا قرأت القراٰن فاستعذبالله من الشيطن الرجيم ۲؎ معناه اذا اردت قراء ة القراٰن

،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ و بین القرأۃ ،ص ۱۲۵، نمبر ۸۹۸) اس حدیث میں ہے کہ تکبیر کے بعد وجھت وجھی الخ پڑھی۔ اسلئے تکبیر سے پہلے نہ پڑھے۔ اور دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ تا کہ نیت اور تکبیر تحریمہ ایک ساتھ ہو جائے اور درمیان میں وجھت وجھی الخ ، نہ آئے۔

ترجمہ: (۲۶۸) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ، پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ جب قرآن پڑھا کرو تو مردود شیطان سے پناہ مانگ لیا کرو۔

تشریح : اعوذ باللہ، الخ۔ کے بارے میں تین بحثیں ہیں۔[۱] اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے، یا سنت، یا مستحب۔[۲] اعوذ باللہ کب پڑھے قرأت سے پہلے، یا قرأت کے بعد۔[۳] اسکے الفاظ کیا ہوں۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ ہو، یا قرآن کریم کے جواب میں استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم، ہو۔ تفصیل آگے دیکھیں۔۔ ہمارے یہاں اعوذ باللہ پڑھنا حدیث کی بناء پر سنت ہے۔

وجہ :(۱) آیت یہ ہے۔**فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم** ۔(آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے، ثناء کے تابع نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ قرأت کرنا ہو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔ حدیث یہ ہے۔**عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام من اللیل کبر ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک. ثم یقول لا اله الا الله ، ثلاثا ثم یقول : الله اکبر کبیراً ثلاثا ، اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه و نفخه و نفثه ثم یقرأ** (ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵ر ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث میں ہے کہ سبحانک الخ پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کبیرا پڑھتے اسکے بعد اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم الخ پڑھتے پھر قرأت فرماتے ۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت قرآن کی سنت ہے۔ ثنا کی سنت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اللہ اکبر کبیرا، کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھی ہے۔ اور اعوذ باللہ کے بعد قرأت کی ہے۔ اس لئے ہر رکعت میں قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے جائیں گے۔

ترجمہ ۲؎ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو۔ تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔

تشریح : اصحاب ظواہر کے مذہب کا جواب ہے۔ آیت میں فعل ماضی کا صیغہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ قرأت کر چکو تب اعوذ

۳؎ والاولی ان یقول: استعیذ باللّٰہ لیوافق القراٰن ویقرب منه، اعوذباللّٰہ ۴؎ ثم التعوذ تبع للقراء ة دون الثناء عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لما تلونا حتی یأتی به المسبوق دون المقتدی، ویؤخرعن تکبیرات العید

باللہ پڑھو۔آیت یہ ہے۔فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم ۔(آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) چنانچہ اس آیت کی بناء پر اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ قرأت کے بعد اعوذ باللہ پڑھے۔لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث کی بناء پر قرأت کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے،اسلئے مصنفؒ نے آیت کا مفہوم بیان کیا کہ قرأت کا ترجمہ قرأت کر چکے فعل ماضی نہیں ہے بلکہ جب قرأت کرنے کا ارادہ ہو ہے ۔

ترجمہ : ۳؎ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ((استعیذُ بالله من الشیطان الرجیم) کہے تا کہ قرآن کے موافق ہو جائے۔اور اس سے قریب اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، ہے۔

تشریح : قرآن میں استعذ باللہ، امر کا صیغہ ہے کہ اللہ سے پناہ مانگو، تو اسکے جواب میں استعیذ باللہ، کہنا زیادہ بہتر ہے، کہ میں پناہ مانگتا ہوں لیکن اگر حدیث کے الفاظ کے مطابق اعوذ باللہ الخ کہہ لے تو بھی آیت کے قریب ہو جائے گا۔حدیث کا جملہ یہ گزر گیا۔ اعوذبالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (ابوداؤد شریف، نمبر ۷۷۵/ ترمذی شریف، نمبر ۲۴۲) اس حدیث میں اعوذ باللہ ہے۔

ترجمہ: ۴؎ پھر اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد کے نزدیک، اس آیت کی بناء پر جو ہمنے ابھی تلاوت کی ۔یہی وجہ ہے کہ مسبوق اسکو کہے گا، مقتدی اسکو نہیں کہے گا، اور عیدین کی تکبیرات سے موءخر کرے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں ہے چنانچہ جہاں جہاں قرأت ہوگی اسکے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہے اور جہاں قرأت نہیں ہے دوسری دعائیں ہیں وہاں اعوذ باللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں یہ ہے کہ جب قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ یہ آیت گزر گئی۔فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم ۔(آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ جب قرآن پڑھو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو (۱) حدیث میں ہے کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا پھر قرأت کی جس سے معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے۔حدیث یہ ہے عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ.... اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزہ و نفخه و نفثه ثم یقرأ (ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵) اس حدیث میں ہے کہ اعوذ باللہ کے بعد قرأت کی۔اسلئے اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء تابع نہیں ہے

۵ خلافا لابی یوسفؒ (۲۶۹) ویقرأ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؂ ۱ هکذا نُقل فی المشاهیر (۲۷۰) ویُسِرُّ بهما

مسبوق ،جسکی نماز چھوٹ گئی ہے وہ اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کرے گا اسلئے وہ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے گا ،اور امام کے پیچھے جو مقتدی ہے وہ حنفیہ کے نزدیک قرأت نہیں کرے گا اسلئے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا۔ عید کی تکبیرات زوائد سے پہلے قرأت نہیں ہے اسلئے تکبیرات سے پہلے اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا۔ تکبیرات کے بعد قرأت ہے اسلئے تکبیرات کے بعد قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے گا۔

ترجمہ: ۵ خلاف حضرت امام ابو یوسفؒ کے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اعوذ باللہ ثناء کا تابع ہے قرأت کا تابع نہیں ۔اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ (۱) یہ بھی ثناء کی طرح دعاء ہے اسلئے اسکو ثناء کے تابع ہونا چاہئے ،(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ ثناء کے بعد پڑھتے ہیں اسلئے اسکو ثناء کے تابع ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۶۹) اور بسم الرحمٰن الرحیم پڑھے۔

ترجمہ: ۱ مشہور حدیث میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

وجہ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلواته ببسم الله الرحمن الرحیم. (ترمذی شریف، باب من رأی الجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۵ رنسائی شریف، باب قرأت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)ص ۱۲۶، نمبر ۹۰۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۷۰) اعوذ باللہ، اور بسم اللہ الخ کو آہستہ پڑھے۔

تشریح : اس بارے میں اختلاف ہے کہ جہری نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھے یا زور سے پڑھے ۔ دوسرا اختلاف یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے یا نہیں۔ تیسرا اختلاف یہ ہے کہ تمام سورتوں کا جز ہے یا صرف الحمد کا جز ہے۔۔حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھے گا کیونکہ وہ کسی سورۃ کا جز نہیں ہے، البتہ چونکہ حدیث سے اسکا پڑھنا ثابت ہے اسلئے قرأت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ ،اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھے گا۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوة اقول بسم الله الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث ... وقال وقد صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها ،اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمان الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۴ ربخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص ۱۰۳

ل لقول ابن مسعودؓ:اربع يخفيهن الامام وذكرمن جملتها التعوذ، والتسمية، وآمين ۲ وقال الشافعیؒ :يجهر بالتسمية عند الجهر بالقراء ة لما روى ان النبى عليه السلام جهر فى صلاته بالستمية

نمبر۴۳۷/مسلم شریف، باب حجۃ من قال لا تجھر بالبسملۃ ص۱۷۲نمبر۸۹۰/۳۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، اوراوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑھتے تھے تو دونوں حدیثوں کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آہستہ پڑھتے تھے

ترجمہ : ل عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ امام چار دعاوں کو آہستہ پڑھے اوراس مجموعہ میں سے اعوذ باللہ، بسم اللہ، اور آمین فرمایا۔ یہ قول عبداللہ ابن مسعود کے بجائے حضرت ابراھیم نخعیؒ کا ملا۔ اثر آگے ہے۔

تشریح : (۲) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ **عن ابراهيم قال : يخفى الامام: بسم الله الرحمن الرحيم ، و الاستعاذة ، و آمين ، و ربنا لك الحمد** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۳ من کان لا تجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۰، نمبر ۴۱۳۶/مصنف عبد الرزاق، باب ما تخفی الامام، ج ثانی، ص ۸۷، نمبر ۲۵۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ، اور بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہئے۔

نوٹ: یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ الحمد للہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں ہے ورنہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔

فائدہ ترجمہ : ۲ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرأت جہری پڑھتے وقت بسم اللہ جہری پڑھے، کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ زور سے پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بسم اللہ کو الحمد کا جز مانتے ہیں اور سورت کا بھی جز مانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) **عن انس بن مالک قال بينا رسول الله ذات يوم بين اظهرنا اذا غفى اغفاءة ثم رفع رأسه متبسما فقلنا ما اضحكك يا رسول الله قال انزلت على انفا سورة فقرء بسم الله ارحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر الخ** ۔(مسلم شریف، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی برائۃ ص ۱۷۲ نمبر ۴۰۰/ابو داؤد شریف، باب ما جاء من جھر بسم اللہ ص ۱۲۱ نمبر ۷۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے۔ اس لئے اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا چاہئے۔ (۲) اس سے بھی واضح دلیل دار قطنی میں ہے **عن علیؓ قال : كان رسول الله ﷺ كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم فى سورتين جميعا** ۔(دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہری نماز میں جہری پڑھنا چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام سورتوں کا جز ہے تب ہی تو دونوں سورتوں میں زور سے پڑھتے تھے۔ (۳) **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم**

۳؎ قلنا هو محمول علی التعلیم لان انسا اخبرانه علیه السلام کان لایجهر بها ۴؎ ثم عن ابی حنیفةؒ انه لایأتی بها فی اوّل کل رکعة کالتعوذ

الحمد لله فاقرئوابسم الله الرحمن الرحیم ، انها أم القرآن و أم الکتاب و السبع المثانی ، و بسم الله الرحمن الرحیم احداها ۔(دار قطنی ،باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص۳۰۲ نمبر ۱۱۷۷ رسنن بیھقی ،باب الدلیل علی ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیۃ تامۃ من الفاتحۃ ، ج ثانی ،ص ۶۷ ،نمبر ۲۳۹۰) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورتوں کا جز ہے۔

نوٹ: بسم اللہ ہر سورۃ سے پہلے آہستہ سے پڑھ لے تو بہتر ہے تا کہ اختلاف سے بچ جائے اور احتیاط پر عمل ہو جائے۔

ترجمہ: ۳؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ زور سے پڑھنا تعلیم دینے پر محمول ہے۔اسلئے کہ حضرت انسؓ نے خبر دی حضور علیہ السلام زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

تشریح : اوپر جو امام شافعیؒ کی جانب سے حدیث تھی جس میں تھا کہ بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے۔اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ کبھی کبھار تعلیم دینے کے لئے ایسا کر دیا، ورنہ عام طور پر زور سے نہیں پڑھتے تھے آہستہ پڑھتے تھے جسکے ہم بھی قائل ہیں۔اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اوپر کی حدیث میں اور حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور صحابہ بسم اللہ زور سے نہیں پڑھتے تھے بلکہ حدیث کا انداز یہ ہے کہ پڑھتے ہی نہیں تھے۔صاحب ھدایہ والی حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالک أنه حدثه قال : صلیت خلف النبی ﷺ ، و ابی بکر ، وعمر ، وعثمان ، فکانوا یستفتحون بالحمد لله رب العالمین ، لا یذکرون بسم الله الرحمن الرحیم ، فی اول قراءة ، و لا فی آخره ۔ (مسلم شریف،باب حجۃ من قال لا تجھر بالبسملۃ ص ۱۷۲ نمبر ۸۹۲/۳۹۹ بخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص ۱۰۳ نمبر ۷۴۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور صحابہ بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں تھے نہ شروع میں نہ آخر میں۔ہم دونوں حدیثوں کو ملا کر کہتے ہیں کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں پڑھے لیکن آہستہ پڑھے۔

ترجمہ: ۴؎ پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے، جیسے اعوذ باللہ نہیں پڑھتے ہیں۔

تشریح : بسم اللہ کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نماز کے صرف پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھے، اور باقی رکعتوں میں بسم اللہ نہ پڑھے۔جیسے اعوذ باللہ صرف پہلی رکعت میں پڑھتے ہیں۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلم شریف کی حدیث سے پتہ چلا کہ صحابہ جب بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں تھے، اور نہ کسی سورۃ کا جز ہے تو دوسری حدیث کی وجہ سے صرف ایک مرتبہ پڑھنا کافی سمجھا گیا۔(۲) اثر میں ہے کہ صرف نماز کے شروع میں پڑھ لینا کافی ہوگا۔

۵ؐ وعنه انه يأتى بها احتياطا وهو قولهما ۶ؐ ولا يأتى بها بين السورة والفاتحة الاعند محمدؒ فانه يأتى بها فى صلوٰة المخافتة

اثر یہ ہے۔ عن ابراهيم أنه كان يقول : اذا قرأ الرجل فى صلوته مرة واحدة ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ اجزاه ذالک (۔مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ الرجل یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۲، نمبر ۴۱۵۸ رمصنف عبد الرزاق ، باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج ثانی، ص ۸۹، نمبر ۲۶۰۶) اس اثر میں ہے کہ بسم اللہ ایک مرتبہ یعنی شروع میں پڑھے۔

ترجمہ : ۵ؐ اور انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ احتیاطا ہر رکعت کے شروع میں پڑھے۔ یہی قول صاحبین کا ہے۔

وجہ : (۱) ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ اوپر حدیث سے پتہ چلا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے، اور فاتحہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اسلئے اس سے پہلے بسم اللہ بھی ہر رکعت میں پڑھا جائے گا عن ابى هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم الحمد لله فاقرئوا بسم الله الرحمن الرحيم ، انها أم القرآن و أم الكتاب و السبع المثانى ، و بسم الله الرحمن الرحيم احداها ۔ (دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۷۷ رسنن بیہقی، باب الدلیل علی ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیۃ تامۃ من الفاتحۃ، ج ثانی، ص ۶۷، نمبر ۲۳۹۰) اس حدیث میں ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جز ہے، اسلئے فاتحہ کے ساتھ ہر رکعت میں بسم اللہ بھی پڑھا جائے گا۔ (۲) اثر میں اسکی تائید ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن شعبة قال : سألت الحكم و حمادا و أبا اسحاق فقالوا اقرأ فى كل ركعة بسم الله الرحمن الرحيم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ الرجل یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۲، نمبر ۴۱۶۱ رمصنف عبد الرزاق، باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج ثانی، ص ۹۱، نمبر ۲۶۱۴) اس اثر میں ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے۔

ترجمہ: ۶ؐ اور بسم اللہ نہ پڑھے سورت اور سورہ فاتحہ کے درمیان، مگر امام محمدؒ کے نزدیک، اسلئے کہ انکے نزدیک بسم اللہ کو سری نماز میں پڑھے گا۔

تشریح :سورہ فاتحہ اور جو سورت ملائے گا اسکے درمیان ہمارے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ (۱) حدیث سے قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا پتہ چلتا ہے، اور سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا تو قرأت شروع کرنے سے پہلے ہو گیا اتنا ہی کافی ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ یہ سورہ فاتحہ کا جز ہے تو فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہوگا، سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان پڑھنا مسنون نہیں (۳) اوپر اثر گزرا جس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے اور وہ فاتحہ سے پہلے ہو گیا، اسلئے درمیان میں پڑھنا مسنون نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ کے یہاں دونوں سورتوں کے درمیان مسنون ہے۔ اسکی وجہ (۱) یہ حدیث ہے ۔عن علىؓ قال : كان رسول الله

ﷺ **كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم في سورتين جميعا** ۔(دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۴۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ دونوں سورتوں میں زور سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔(۲) جس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے تو ہر سورت پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہوگا۔

Documents\3) JPEG CLIPART\COLUMB.JPEG.jpg not found.

(۲۷۱) ثـم يـقـرأ فاتحة الكتاب وسورة اوثلث آيات من اى سورةشاء ﴿۱﴾ فقراء ة الفاتحة لا تتعين

ترجمه: (۲۷۱) پھرسورۂ فاتحہ پڑھے۔ یا کوئی سورت پڑھے، یاکسی سورت کی تین آیتیں پڑھے۔

تشـریح : حنفیہ کے نزدیک قرآن کی کسی جگہ سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔اگراتنا بھی نہیں پڑھیگا تو نمازنہیں ہوگی۔البتہ اس پرسورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔اگرنہیں پڑھے گا تو کمی رہ جائے گی اورسجدۂ سہوکرنا پڑے گا۔

وجه : (۱) کہیں سے بھی قرآن پڑھنے کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے فاقرئوا ما تيسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳)(۲)حدیث میں ہے عن ابن سعيد قال امرنا ان نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر ۔(ابوداؤدشریف، باب من ترک القراءۃ (الفاتحۃ) فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب،ص ۱۲۵ نمبر ۸۱۸/نسائی شریف ، باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ ص ۱۰۵نمبر۹۱۲)(۳)بخاری شریف میں ہے آپؐ نے اس دیہاتی سے فرمایا جس نے جلدی جلدی نماز پڑھی ثم اقرء ما تيسر معك من القرآن (بخاری شریف،باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھاص ۱۰۵نمبر ۷۵۷/مسلم شریف،باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۷۰نمبر ۳۹۷/۸۸۵)اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں سے جوآسان ہواس کا پڑھنا فرض ہے۔چاہے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہو۔(۳)حدثنی ابو هريرة قال : قال لی رسول الله ﷺ اخرج فناد فی المدينة أنه لا صلوة الا بقرآن و لو بفاتحة الكتاب فما زاد ۔(ابوداودشریف، باب من ترک القرأۃ فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب،ص ۱۲۶،نمبر ۸۱۹) اس حدیث میں ہے کہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اورآیت ہواس سے نماز ہوجائے گی جس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے،البتہ واجب ہم بھی کہتے ہیں۔

سورۂ فاتحه واجب هونے کی دلیل: (۱)عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ۔(بخاری شریف،باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھاص ۱۰۴نمبر ۷۵۶/مسلم شریف،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹نمبر ۳۹۴/۸۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔نہیں پڑھیں گےتو کمی رہ جائے گی۔حدیث میں ہے(۲)عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلى صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غير تمام ۔(مسلم شریف،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹نمبر ۳۹۵/۸۷۸/ابوداؤدشریف،باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ ص ۱۲۵نمبر ۸۲۱)فهی خداج کا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ چھوڑنے سے نماز میں کمی رہ جائے گی اوراس کا اتمام سجدۂ سہو سے کرنا پڑے گا۔ اسی لئے حنفیہ کے یہاں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے،اور چھوڑنے سے نماز ہوجائے گی لیکن سجدہ سہوکرنا ہوگا۔

ترجمه: ۱ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک فرض کے طور پر متعین نہیں ہے۔اسی طرح سورت ملانا بھی فرض نہیں ہے۔

ركنا عندنا وكذاضم السورة اليها ٢؎ خلافا للشافعيؒ فى الفاتحة ولما لك فيهماله قوله عليه السلام :لا صلوٰة الابفاتحة الكتاب وسورة معها ٣؎ وللشافعيؒ قوله عليه السلام :لا صلوة الا بفاتحة الكتاب

تشریح : حنفیہ کے نزدیک نہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ سورت ملانا فرض ہے، بلکہ دونوں واجب ہیں۔ دلائل اوپر گزر گئے۔

فائدہ :ترجمہ: ٢؎ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے سورہ فاتحہ کے بارے میں اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے سورہ فاتحہ کے بارے میں بھی اور سورت ملانے کے بارے میں بھی، امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ حضور علیہ السلام کا قول ﴿**لا صلوة الا بفاتحة الكتاب و سورة معها**﴾

تشریح :قرأت کے بارے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ بھی فرض ہے اور اسکے ساتھ سورت ملانا بھی فرض ہے۔

وجہ : (۱) امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابى سعيدقال قال رسول الله** ﷺ ... **ولا صلوة لمن لم يقرأ بالحمد و سورة فى فريضة او غيرها** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ /ابن ماجۃ شریف، باب القرأۃ خلف الامام، ص ۱۱۹، نمبر ۸۳۹) اس حدیث میں وسورۃ فی فریضۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی طرح سورۃ ملانا بھی فرض ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں حضورؐ نے سورت ملایا جس سے معلوم ہوا کہ سورت ملانا بھی فرض ہے۔ حدیث یہ ہے ۔**عن عبد الله بن ابى قتادة عن أبيه ، قال : كان رسول الله** ﷺ **يقرأ فى الركعتين الاوليين من صلوة الظهر بفاتحة الكتاب و سورتين يطول فى الاولى و يقصر فى الثانية و يسمع الآية احيانا ، و كان يقرأ فى العصر بفاتحة الكتاب و سورتين و كان يطوّل فى الاولى ، و كان يطوّل فى الركعة الاولى من صلوة الصبح ، و يقصر فى الثانية** (بخاری شریف، باب القرأۃ فی الظہر، ص ۱۰۵، نمبر ۷۵۹ / مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظہر العصر، ص ۱۸۵، نمبر ۱۰۱۲/۴۵۱) اس حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت بھی ملاتے تھے، اس سے امام مالکؒ ثابت کرتے ہیں کہ سورت ملانا بھی فرض ہے۔ حنفیہ اسی حدیث سے سورت ملانا واجب قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ: ٣؎ امام شافعیؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے : کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہے

وجہ : (۱) امام شافعیؒ کی دلیل اور صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عبادة بن صامت ان رسول الله** ﷺ **قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب** ۔(بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھا ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ /

۴؎ ولنا قوله تعالیٰ فاقرء وا ما تیسر من القراٰن ۵؎ والزیادة علیه بخبر الواحد لایجوز لکنه یوجب العمل فقلنا بوجوبهما (۲۷۲) واذا قال الامام :ولا الضالین، قال: اٰمین، ویقولها: المؤتم﴾

مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴/۸۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ہی نہیں ہو گی، جسکا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ فرض ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غير تمام۔ (مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵/۸۷۸/ ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱) امام شافعیؒ خداج کا ترجمہ کرتے ہیں کہ نماز ہوئی ہی نہیں، جسکا مطلب یہ ہوا کہ فاتحہ فرض ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول۔ فاقرئوا ما تيسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو۔

تشریح : ہماری دلیل اوپر گزر چکی ہے کہ آیت میں ہے کہ قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو، اس میں سورہ فاتحہ کی قید نہیں ہے، اسلئے قرآن کے کسی حصے میں سے تین آیتیں پڑھ دینا فرض ہوگا، البتہ چونکہ حدیث میں فاتحہ کی تاکید ہے اسلئے فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ (۲) اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فاتحہ واجب ہے۔ حدثنی ابو هريرة قال : قال لی رسول الله ﷺ اخرج فناد فی المدينة أنه لا صلوة الا بقرآن و لو بفاتحة الكتاب فما زاد ۔ (ابوداود شریف، باب من ترک القرأۃ فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۶، نمبر ۸۱۹) اس حدیث میں ہے کہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور آیت ہو اس سے نماز ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، البتہ واجب ہم بھی کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۵؎ اور آیت پر احادیث کے ذریعہ زیادتی کرنا جائز نہیں لیکن احادیث پر عمل کرنا پھر بھی واجب ہے اسلئے ہم نے دونوں کو واجب کہا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کو عقلی جواب ہے۔ کہ سورہ فاتحہ اور سورت پڑھنا فرض نہ ہونے کے لئے آیت مذکورہ ہے، اور فرض ہونے لئے احادیث ہیں۔ اب احادیث کی بناء پر فرض قرار دے دیں تو احادیث کے ذریعہ آیت پر زیادتی کرنا لازم ہوگا جو خبر آحاد کے درجے میں ہیں، اسلئے ہم فرض قرار نہیں دیتے۔ البتہ چونکہ تاکیدی احادیث موجود ہیں اسلئے ہم ان پر بھی عمل کرتے ہیں اور فاتحہ پڑھنا اور سورت ملانا واجب قرار دیتے ہیں جو فرض کے قریب ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲) اور جب امام کہے ولا الضالین تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔

ا؎ لقوله عليه السلام: اذا امّن الامام فامّنوا ٢؎ ولا متمسک لمالکؒ فی قوله علیه السلام اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا اٰمین من حیث القسمة لانه قال فی اٰخره فان الامام یقولها

ترجمه : ا؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب امام آمین کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو ۔

تشریح : امام سورۂ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال : اذا امّن الامام فأمّنوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وكان رسول الله ﷺ يقول آمين (بخاری شریف، باب جھر الامام بالتأمین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۰ر مسلم شریف، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶ نمبر ۹۱۵/۴۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا امام اور مقتدی دونوں آمین کہے۔

ترجمه : ٢؎ حضور علیہ السلام کا قول، جب امام ﴿ولا الضالین﴾ کہے تو تم مقتدی آمین کہو، اس حدیث میں امام مالکؒ کے لئے تقسیم کی دلیل نہیں ہے، اسلئے کہ اسی حدیث کے آخیر میں ہے کہ امام بھی آمین کہتے ہیں۔

تشریح : حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت ہے کہ امام صرف ولا الضالین، پڑھے آمین نہ کہے، اور مقتدی صرف آمین کہے۔ یعنی امام کے حصے میں ولا الضالین ہے، اور مقتدی کے حصے میں آمین ہے انکے یہاں امام اور مقتدی کے درمیان اس بارے میں تقسیم ہے۔

وجه : انکی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ امام جب ولا الضالین کہے تو تم مقتدی آمین کہو۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة : ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام ﴿غير المغضوب عليهم و لا الضالين﴾ فقولوا آمين فأنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف، باب جھر المأموم بالتأمین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۲ر مسلم شریف، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶ نمبر ۹۲۰/۴۱۰) اس حدیث میں ہے کہ امام جب ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ (ا) اوپر کی حدیث میں ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم مقتدی آمین کہو، اس سے معلوم ہوا کہ امام بھی آمین کہے گا اذا امّن الامام فأمّنوا (بخاری شریف، نمبر ۷۸۰ر مسلم شریف، نمبر ۹۱۵/۴۱۰)۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عن ابی هريرة : ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام ﴿غير المغضوب عليهم و لا الضالين﴾ فقولوا آمين فان الملائكة تقول آمين ، و ان الامام يقول : آمين فمن وافق تأمينه تأمينالملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه . (مصنف عبدالرزاق، باب آمین، ج ثانی ص ۹۷، نمبر ۲۶۴۴) اس حدیث میں ہے (وان الامام یقول) کہ امام بھی آمین کہتے ہیں۔

(۲۷۳)قال: ويخفونها ﴾ ١ لما روينا من حديث ابن مسعودؓ ٢ ولانه دعاء فيكون مبناه على الاخفاء

ترجمہ: (۲۷۳) اورآمین کوآہستہ پڑھے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث ہمنے روایت کی۔

وجہ: (١)صاحب ہدایہ کا اثر یہ ہے۔عن ابراهيم قال : يخفى الامام: بسم الله الرحمن الرحيم ، و الاستعاذة ، و آمين ، و ربنا لک الحمد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۳من کان لاتجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،ج اول ،ص ۳۶۰،نمبر ۴۱۳۶/مصنف عبدالرزاق ،باب ما تخفی الامام ،ج ثانی ،ص ۸۷،نمبر ۲۵۹۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ پڑھنا چاہئے۔یہ حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ہے

ترجمہ: ٢ اوراس لئے بھی کہ آمین دعاء ہے،اسلئے اسکی بنیاد اخفاءاور پوشیدہ پر ہونی چاہئے۔

تشریح : (۲)حضرت امام اعظم کی نگاہ اس بات کی طرف گئی کہ آمین دعا ہےاورنماز میں قرأت کے علاوہ جتنی دعائیں کی جاتی ہیں سب آہستہ ہیں۔اس لئے آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔چنانچہ حضرت نے آہستہ والی حدیث پر عمل کیا۔آداب دعا یہ ہیں کہ گڑ گڑا کرآہستہ کی جائے۔آیت یہ ہے ادعوا ربكم تضرعا و خفية انه لا يحب المعتدين. (آیت ۵۵سورۃ الاعراف ۷)

(۳)حدیث میں بھی ہے عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبى ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين و خفض بها صوته۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی التأمین ص ۵۸نمبر ۲۴۸/دار قطنی ،باب التأمین فی الصلوۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجہر بہا،ج اول ،ص ۳۲۸نمبر ۱۲۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے۔بخاری،مسلم وغیرہ میں زور سے آمین کہنے کی باضابطہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ اورامام مالکؒ کے نزدیک آمین زور سے کہنا بہتر ہے۔ان کی دلیل (١)اوپر کی حدیث سے امام بخاری اورامام مسلم نے استدلال کیا ہے کہ زور سے آمین کہے(اگر چہ اس میں زور کا لفظ نہیں ہے)حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة ان النبى ﷺ قال : اذا امّن الامام فأمّنوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وكان رسول الله ﷺ يقول آمين (بخاری شریف،باب جہر الامام بالتأمین ص ۱۰۷نمبر ۷۸۰/مسلم شریف،باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶نمبر ۴۱۰/۹۱۵)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ آمین کہتے تھے،زور سے کہتے ہونگے تب ہی توراوی نے سنا ہوگا،اسلئے اس حدیث کے اشارۃ النص سے زور سے آمین کہنا ثابت ہوا۔(۲) اس حدیث میں زور سے آمین کہنے کی صراحت ہے۔عن ابى هريرة قال ترک الناس التأمين وكان رسول الله اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمعها اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد (ابن ماجہ شریف،باب الجہر بآمین ص ۱۲۱،نمبر ۸۵۳/دار

۳؎والمدوالقصرفيه وجهان والتشديدفيه خطأ فاحش (۲۷۴) قال ثم يكبر و يركع ﴾ ۱؎وفي الجامع الصغير: ويكبر مع الانحطاط لان النبي عليه السلام يكبر عند كل خفض ورفع

قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین زور سے کہنا چاہئے۔لیکن خود ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے زور سے آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔ عن ابی هريرة قال ﴿ ترک الناس التأمين ﴾ فرمایا

نوٹ : یہ استحباب کا اختلاف ہے۔کوئی زور سے آمین کہتا ہو تو اس پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔میرے استاذ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کو دیکھا کہ وہ زور اور آہستہ کے درمیان میں آمین کہتے، جس سے صرف بغل والے سن لیتے تھے۔تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

ترجمہ : ۳؎ آمین کو مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ پڑھنا دونوں وجہیں ہیں، اور اسکو تشدید کے ساتھ پڑھنا بڑی غلطی ہے۔

تشریح : ﴿ آمین ﴾ کے الف کو مد کے ساتھ پڑھیں یہ بھی جائز ہے۔اور الف کو قصر کے ساتھ ﴿ امین ﴾ پڑھیں یہ بھی جائز ہے۔لیکن ﴿ امّین ﴾ میم کے تشدید کے ساتھ پڑھیں یہ غلط ہے، یہ کوئی لغت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ آپؐ رکوع اور سجدے میں تکبیر کہتے سمع ابا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا اقام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع. (بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود ص ۱۰۹ نمبر ۷۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ جھکنے کے ساتھ تکبیر کہے، اسلئے کہ نبی علیہ السلام ہر جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔عن ابی حنيفةؒ : يصلي و يكبر مع الانحطاط ۔(جامع صغیر، باب فی تکبیر الرکوع و السجود، ص ۸۷)

تشریح :ایک شکل یہ ہے کہ پہلے تکبیر اللہ اکبر کہے اسکے بعد رکوع میں جائے، اور دوسری شکل یہ ہے کہ رکوع میں جا چکے اسکے بعد تکبیر کہے، اور تیسری شکل یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے، مصنف فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کہ رکوع کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔

وجہ : (۱) حدیث میں گزرا ۔ثم يكبر حين يركع. (بخاری شریف، نمبر ۷۸۹) اس حدیث میں ہے کہ جب رکوع کے لئے جھکتے تو تکبیر کہتے (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال : كان رسول الله ﷺ يكبر في كل خفض و رفع ، و قيام و قعود ، و أبو بكر و عمر ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود، ص ۵۹،

(۲۷۵) ویحذف التکبیر حذفا ﴿ لـ لان المد فی اوله خطأ من حیث الدین لکونه استفهاما وفی اٰخره لحن من حیث اللغة (۲۷۶) ویعتمد بیدیه علیٰ رکبتیه ویفرج بین اصابعه ﴿ لـ لقوله علیہ السلام لانسؓ

نمبر۲۵۳ رنسائی شریف، باب التکبیر للسجود، ص۱۵۰، نمبر۱۰۸۴ رابوداود شریف، باب تمام التکبیر، ص۱۲۹، نمبر۸۳۶) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت آپؐ تکبیر کہتے۔ اور اس سے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہتے۔

ترجمہ: (۲۷۵) تکبیر اللہ اکبر کو پورے قصر کے ساتھ پڑھے۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ شروع میں مد دین کے اعتبار سے غلط ہے، اسلئے کہ وہ جملہ استفہام بن جائے گا، اور آخیر میں مد عربی لغت کے اعتبار سے لحن ہو جائے گا۔ (اسلئے قصر پڑھے)

تشریح: اللہ سے پہلے مد والا الف، لگائے، اور آاللہ۔ بولے تو یہ استفہام ہو جائے گا اور ترجمہ ہو جائے گا، کیا اللہ بڑا ہے؟ یہ اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے سوال ہو جائے گا کہ کیا اللہ بڑا ہے؟ اسلئے مد کے بجائے قصر کے ساتھ، اللہ، بولے، اور اکبر کے آخیر میں الف بڑھائے گا تو اکبار، ہو جائے گا، یہ لحن جلی ہے جو عربی لغت کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے، اسلئے اکبر کے آخیر میں بھی الف مد نہ بڑھائے۔

ترجمہ: (۲۷۶) دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پر ٹیکے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

تشریح: رکوع میں ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے جیسے اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ اور انگلیوں کو گھٹنے پر پھیلائے ہوئے رکھے۔

وجہ: (۱) یہ حدیث ہے **فذکروا صلوة رسول الله ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانه قابض علیهما و وتر یدیه فنحاهما عن جنبیه.** (ترمذی شریف، باب ماجاء یجافی یدیہ عن جنبیہ فی الرکوع ص۶۰ نمبر۲۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے کہ کمان کی رسی کی طرح معلوم ہو (۲) حدیث میں ہے۔ **قال: أتینا عقبة بن عمرو الانصاری أبا مسعود فقلنا له: حدثنا عن صلوة رسول الله ﷺ، فقام بین ایدینا فی المسجد فکبر، فلما رکع وضع یدیه علی رکبتیه و جعل أصابعه أسفل من ذالک و جافی بین مرفقیه حتی استقر کل شیء منه.** (ابوداؤد شریف، باب صلوة من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۲ نمبر۸۶۳ رنسائی شریف، باب مواضع أصابع الیدین فی الرکوع ص۱۴۳ نمبر۱۰۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر پھیلا کر رکھے۔

ترجمہ: لـ حضورؐ کا قول حضرت انسؓ کے لئے کہ جب تم رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو، اور

اذا ركعت فضع يديك علٰى ركبتيك وفرّج بين اصابعك ٢؎ ولا يندب الى التفريح الا فى هٰذه الحالة ليكون امكن من الاخذ ولا الى الضم الا فى حالة السجود وفيما وراء ذٰلك يترك على العادة (٢٧٧) ويبسط ظهره ١؎ لان النبى عليه السلام كان اذا ركع بسط ظهره

انگلیوں کو کشادہ رکھو۔

تشریح : حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رکوع میں تطبیق کیا جائے، تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان میں رکھا جائے، لیکن وہ منسوخ ہو گیا اور اب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر اس طرح پھیلا کر رکھا جائے کہ گویا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہو۔ اسکے ثبوت کے لئے اوپر کی حدیث ہے اور صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر : أن رسول الله ﷺ قال لرجل : اذا قمت الى الصلوة فركعت فضع يديك على ركبتيك ، و افرج بين أصابعك ارفع رأسك حتى يرجع كل عضو الى مفصله** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب کیف الرکوع والسجود، ج ثانی، ص ۱۵۱، نمبر ۲۸۵۹) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنے پر رکھو اور انگلیاں پھیلا کر رکھو۔

ترجمہ : ٢؎ اور انگلیاں پھیلا کر رکھنا اس حالت میں ہی مستحب ہے تا کہ گھٹنوں کو پکڑنا ممکن ہو سکے، اور نہ ملا کر رکھنا مستحب ہے مگر سجدے کی حالت میں، اور اسکے علاوہ میں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائے۔

تشریح : رکوع کی حالت میں انگلیاں پھیلا کر رکھنا مستحب ہے تا کہ گھٹنوں کو پکڑنا ممکن ہو سکے، اور سجدے کی حالت میں انگلیاں ملا کر رکھنا مستحب ہے تا کہ تمام انگلیاں قبلے کی طرف ہو سکے۔ ان دونوں حالتوں کے علاوہ انگلیوں کو اپنی حالتوں پر چھوڑ دینا مستحب ہے۔

لغت : یحذف: حذف کرے، مدنہ کرے۔ استفہام: سوال کرنا۔ یعتمد: ٹیک لگائے۔ پکڑے۔ یفرج: پھیلا کر رکھے۔

ترجمہ : (٢٧٧) اور پیٹھ کو برابر کرے۔

ترجمہ : ١؎ اسلئے کہ نبی علیہ السلام جب رکوع فرماتے تو پیٹھ کو ہموار کرتے

تشریح : رکوع میں سر کو نہ اٹھائے نہ زیادہ جھکائے، پیٹھ کو ہموار رکھے، اور برابر رکھے۔

وجہ :(۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **قال سمعت وابصة بن معبد يقول : رأيت رسول الله ﷺ يصلى ، فكان اذا ركع سوّى ظهره ، حتى لو صب عليه الماء لاستقر** ۔ (ابن ماجہ شریف، باب الرکوع فی الصلوۃ، ص ۱۲۳، نمبر ۸۶۹) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں پیٹھ برابر اور ہموار رکھے۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابى حميد الساعدى قال كان النبى ﷺ اذا ركع اعتدل فلم ينصب رأسه ولم يقنعه ووضع يديه على ركبتيه** . (نسائی شریف، باب

(۲۷۸)ولا یرفع راسہ ولا ینکسہ ﴿لان النبی ﷺ کان اذا رکع لا یصوّب رأسہ ولایقنعہ

(۲۷۹)ویقول سبحان ربی العظیم ثلثا وذٰلک ادناہ ﴿لقولہ ﷺاذا رکع احد کم فلیقل فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلثا وذٰلک ادناہ ۲ای ادنی کمال الجمع

الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰) اس حدیث میں ہے کہ سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکا کر رکھے، بلکہ ہموار رکھے۔

ترجمہ : (۲۷۸) اور رکوع میں سر کو نہ اٹھائے اور نہ جھکائے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ نبی علیہ السلام جب رکوع فرماتے تو نہ سر کو جھکاتے اور نہ اسکو اٹھاتے۔

وجہ : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی حمید الساعدی قال سمعت و هو فی عشرة من أصحاب النبی ﷺ ....و رکع ، ثم اعتدل ، فلم یصوب رأسه و لم یقنع ، ووضع یدیه علی رکبتیه ۔(ترمذی شریف، باب منہ ،(ای ما جاء فی وصف الصلوۃ) ص ۶۶ ، نمبر ۳۰۴ رنسائی شریف، باب الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰) اس حدیث میں ہے کہ سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکا کر رکھے، بلکہ ہموار رکھے۔

لغت : لاینکسہ : نہ زیادہ جھکائے۔صوب: سر کو جھکانا۔یقنعہ :قنع سے سر اٹھانا۔

ترجمہ : (۲۷۹) اور رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

ترجمہ : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو ﴿ سبحان ربی العظیم﴾ تین مرتبہ کہے، اور یہ ادنی درجہ ہے۔

تشریح: کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے۔اس سے زیادہ پانچ ،سات مرتبہ بھی کہہ سکتا ہے لیکن طاق مرتبہ کہنا افضل ہے۔

وجہ : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ اذا رکع احدکم فلیقل ثلاث مرات : سبحان ربی العظیم وذلک ادناه، فاذا سجد فلیقل سبحان ربی الاعلی ثلاثا ، و ذالک ادناه . (ابوداؤد شریف، باب مقدار الرکوع، والسجود ص ۱۳۴ نمبر ۸۸۶ رترمذی شریف، باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱)اس حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظیم، کہے اور یہ ادنی مرتبہ ہے۔

ترجمہ: ۲ یعنی کمال جمع کا ادنی مرتبہ ہے۔

تشریح :۔اس عبارت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کمال جمع پانچ مرتبہ، اور سات مرتبہ اور نو مرتبہ سبحان ربی العظیم، پڑھنا ہے۔اور تین مرتبہ پڑھنا اسکا کم سے کم درجہ ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جمع کے صیغے میں تو بہت ساری تعداد آتی ہے، لیکن تین

(۲۸۰) ثم يرفع راسه ويقول سمع اللّٰه لمن حمده ويقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا يقولها الامام عند ابی حنيفة وقالا يقولها فی نفسه ﴾ لِما روی ابوهريرةؓ ان النبی ﷺ كان يجمع بين الذكرين ۲؎ ولانه حرّض غيره فلاينسی نفسه

مرتبہ جمع کا کم سے کم درجہ ہے۔

ترجمہ : (۲۸۰) پھر اپنے سر کو اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ، اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ربنا لک الحمد امام نہیں کہے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک امام اسکو اپنے دل میں کہے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔ امام ربنا لک الحمد نہیں کہے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام بھی اپنے دل میں ربنا لک الحمد کہے گا۔

وجہ : حدیث میں ہے **عن ابی هريرة ان رسول اللّٰه ﷺ قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد** (بخاری شریف، باب فضل اللهم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ رترمذی شریف، باب آخر وباب مايقول الرجل اذا رفع رأسه ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ البتہ منفرد ہو تو چونکہ وہ امام اور مقتدی دونوں ہے اس لئے وہ دونوں کہے گا۔

فائدہ ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام دونوں ذکروں کو جمع کیا کرتے تھے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ حضورؐ ﴿سمع اللہ لمن حمدہ، اور ربنا لک الحمد﴾ دونوں ذکر کہا کرتے تھے اسلئے امام دونوں کہے۔ (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے **عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم لک الحمد** ۔ (بخاری شریف، باب مايقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الركوع ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۵ رترمذی شریف، باب مايقول الرجل اذا رفع رأسه من الركوع، ص ۶۱، نمبر ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا (۲)۔ **عن ابی اوفی قال : كان رسول الله ﷺ اذا رفع ظهره من الركوع قال : سمع الله لمن حمده ، اللهم ربنا ! لک الحمد ، ملء السماوات و ملء الارض ، و ملء ما شئت من شیء بعد** ۔ (مسلم شریف، باب مايقول اذا رفع رأسه من الركوع، ص ۱۹۰، نمبر ۴۷۶ر۱۰۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ دونوں کہا کرتے تھے۔ اسلئے امام دونوں کہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ دوسرے کو ترغیب دے تو اپنے کو نہیں بھولنا چاہئے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے۔ کہ امام کو دونوں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ جب ﴿سمع اللہ لمن حمدہ﴾ کہہ کر مقتدی کو ربنا لک الحمد کہنے کی ترغیب دی تو خود کو بھی ربنا لک الحمد کہنا چاہئے۔ مقتدی کو ترغیب دیکر اپنے آپ کو بھلانا نہیں دینا چاہئے۔ اسلئے امام کو بھی

۳؎ ولابی حنیفةؒ قوله علیه السلام اذا قال الامام سمع الله لمن حمده قولوا ربنا لک الحمد هذه قسمة وانهاتنافی الشرکة ۴؎ ولهذا لایأتی المؤتم بالتسمیع عندنا خلافا للشافعیؒ ۵؎ ولانه یقع تحمیده بعد تحمید المقتدی وهو خلاف موضوع الامامة ۶؎ ومارواه محمول علی حالة الانفراد

ربنا لک الحمد، کہنا۔

ترجمه : ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول کہ امام جب سمع الله لمن حمده کہے، تو تم ربنا لک الحمد، کہو۔ اس حدیث میں تقسیم ہے، اور یہ حدیث شرکت کے منافی ہے۔

تشریح : اور کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم ہے امام مقتدی کے ذکر میں شریک نہیں ہے کیونکہ فرمایا کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی کو کہا کہ تم، اللهم ربنا لک الحمد، کہو اسلئے امام سمع الله لمن حمده، اور اللهم ربنا لک الحمد، دونوں نہیں کہیں گے اور دونوں ذکروں میں شرکت نہیں کریں گے، کیونکہ حدیث شرکت کے منافی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد (بخاری شریف، باب فضل اللهم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ / ترمذی شریف، باب آخر و باب مایقول الرجل اذا رفع رأسه ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس حدیث میں ہے کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی، اللهم ربنا لک الحمد، کہے

ترجمه : ۴؎ اسی لئے ہمارے یہاں مقتدی، سمع الله لمن حمده، نہیں کہے گا۔ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، چونکہ حدیث میں شرکت نہیں ہے اسی لئے مقتدی سمع الله لمن حمده نہیں کہے گا۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی بھی سمع الله لمن حمده، کہے گا۔

ترجمه: ۵؎ اور اسلئے بھی کہ امام کا ,ربنا لک الحمد، مقتدی کے ,ربنا لک الحمد، کے بعد ہو جائے گا، اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے، کہ امام کے سمع الله لمن حمده کہنے کے فورا بعد مقتدی ربنا لک الحمد، کہے گا اور امام مقتدی کے کہنے کے بعد ربنا لک الحمد، کہہ سکے گا تو امام مقتدی کے تابع ہو گیا۔ حالانکہ امام کو مقتدی سے پہلے ہونا چاہئے یہاں مقتدی پہلے ہو گیا اسلئے بھی امام ربنا لک الحمد، نہیں کہیں گے۔ یہ امام کے عہدے کے خلاف ہے۔

ترجمه: ۶؎ اور صاحبین نے جو روایت پیش کی ہے وہ منفرد ہونے کی حالت پر محمول ہے، اور منفرد دونوں ذکروں کو جمع کرے

والمنفرد يجمع بينهما في الاصح وان كان يروى الاكتفاء بالتسميع ۷ و يروى بالتحميد ۸ والامام بالدلالة عليه اتى به معنى (۲۸۱) قال ثم اذا استوى قائما كبّر وسجد

گا۔صحیح روایت یہی ہے،اگر چہ یہ بھی روایت ہے کہ منفرد صرف سمع اللہ لمن حمدہ، پراکتفاء کرے گا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبینؒ کو جواب ہے۔صاحبین نے جو حدیث پیش کی جس میں ہے کہ امام تسمیہ اور تحمید دونوں کہے،تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث منفرد ہونے کی حالت کی ہے۔اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہوتو چونکہ وہ اپنے لئے امام بھی ہے اور مقتدی بھی ہے اسلئے وہ امام ہونے کی حیثیت سے سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہے گا اور مقتدی ہونے کی حیثیت سے ربنا لک الحمد بھی کہے گا۔اور یہ حدیث اسی منفرد ہونے کی حالت پر محمول ہے۔۔اگر چہ ایک روایت یہ ہے کہ منفرد صرف سمع اللہ لمن حمدہ ، کہے گا۔اس روایت کے اعتبار سے یہ تاویل ممکن نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ منفرد صرف ربنا لک الحمد کہے گا۔سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے منفرد کھڑا ہوگا ،اب ربنا لک الحمد کہنے جائے گا تو وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہوگا،اور سیدھے کھڑا ہوتے وقت کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ منفرد صرف ربنا لک الحمد کہے تا کہ یہ کہتے کہتے وہ سیدھے کھڑے ہونے تک چلا جائے ۔ ۔لیکن یہ روایت کمزور ہے اسلئے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے پر ربنا لک الحمد پڑھنے کا ثبوت حدیث میں ہے۔سمع ابا هريرة يقول : كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ، ثم يقول سمع الله لمن حمده ، حين يرفع صلبه من الركوع ، ثم يقول و هو قائم ربنا لك الحمد ۔(بخاری شریف، باب التكبير اذا قام من السجود، ص ۱۰۹،نمبر ۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد ربنا لک الحمد کہا۔صحیح بات یہ ہے کہ منفرد دونوں کہے گا۔

ترجمہ: ۸ اور امام نے ربنا لک الحمد پر رہنمائی کی تو گویا کہ اسکو معنوی طور پر لے آیا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے۔انہوں نے کہا تھا امام مقتدی کو سمع اللہ لمن حمدہ، کہہ کر ربنا لک الحمد کی ترغیب دی اور خود ربنا لک الحمد نہ کہے تو یہ اچھا نہیں ہے۔تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ جب امام نے ترغیب دے دی تو مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا گویا کہ امام کا بھی کہنا ہو گیا،اور معنوی طور پر امام نے بھی ربنا لک الحمد کہہ دیا، اسلئے اب امام کو ربنا لک الحمد کہنا ضروری نہیں رہا۔

لغت : موءتم :مقتدی۔فی نفسہ :دل دل میں کہے۔حرض :دوسروں کو ترغیب دے۔ینسی : بھول جائے۔موضوع :مقام،عہدہ. تسمیع:سمع اللہ لمن حمدہ، کے مختصر کو تسمیع کہتے ہیں۔تحمید: ربنا لک الحمد، کے مختصر کو تحمید کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۸۱) پس جب کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

۱ اما التكبير والسجود فلما بينا **۲** واما الاستواء قائما فليس بفرض وكذا الجلسة بين السجدتين والطمانينة فى الركوع والسجود وهذا عندابى حنيفةؒ ومحمدؒ

ترجمه: ۱ بہرحال تکبیر اور سجدہ کے مسئلے تو ہمنے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: رکوع سے جب سیدھا کھڑا ہوجائے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے۔سجدے میں جاتے ہوئے تکبیر کہنے کی دلیل والی حدیث پہلے گزر چکی ہے (۱)۔عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال : کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی کل خفض و رفع ، و قیام و قعود ، و أبو بکر و عمر ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود، ص ۵۹، نمبر ۲۵۳ رنسائی شریف، باب التکبیر للسجود، ص ۱۵۰ ،نمبر ۱۰۸۴ رابوداود شریف، باب تمام التکبیر ،ص ۱۲۹، نمبر ۸۳۶)۔اس حدیث میں ہے کہ ہر جھکتے وقت تکبیر کہے۔(۲)سمع ابا ھریرۃ یقول : کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ یکبر حین یقوم ....ثم یکبر حین یھوی ، ثم یکبر حین یرفع رأسہ ، ثم یکبر حین یسجد ، ثم یکبر حین یرفع رأسہ ۔(بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود، ص ۱۰۹، نمبر ۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت تکبیر کہے۔

اور سجدہ کرے اسکی دلیل یہ آیت ہے۔ یأ یھا الذین آمنو ارکعوا و اسجدوا و اعبدوا ربکم (آیت ۷۷، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ سجدہ کرو۔

ترجمه: ۲ [۱] بہرحال قومہ میں سیدھا کھڑا ہونا تو فرض نہیں ہے۔[۲] ایسے ہی دو سجدوں کے درمیان جلسہ [۳] اور رکوع اور سجدے کو اطمینان سے کرنا فرض نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا جسکو قومہ کہتے ہیں اسکو اطمینان سے کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔البتہ حدیث کی بنا پر سنت ہے۔[۲] اسی طرح دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا جسکو جلسہ کہتے ہیں سنت ہے [۳] اور رکوع اور سجدے کو اطمینان سے کرنا جسکو تعدیل ارکان کہتے ہیں ۔ یہ فرض نہیں ہیں ایک روایت میں واجب ہے اور دوسری روایت میں سنت ہے۔

وجه: (۱) آیت میں ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو اور صرف جھک جانے کو رکوع کہتے ہیں۔اسی طرح پیشانی کو صرف زمین پر رکھ دینے کو سجدہ کہتے ہیں ۔اسکے لئے یہ اثر ہے۔سألت عطاء عن ادنی ما یجوز من الرکوع و السجود فقال : اذا وضع جبھتہ علی الارض . ووضع یدیہ علی رکبتیہ . دوسرے اثر میں ہے۔ عن عمر قال اذا وضع الرجل جبھتہ بالارض أجزأہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹ فی أدنی ما یجزی من الرکوع والسجود، ج اول ،ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۴ رنمبر ۲۵۸۰)اس اثر میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھ دی بس سجدے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔اسی طرح گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا، رکوع کے لئے اتنا ہی کافی

۳؎ وقال ابويوسفؒ يفترض ذلک کلهٗ وهو قول الشافعیؒ لقوله علیه السلام قم فصلّ فانّک لم تصلّ قاله لاعرابی حين اخفّ الصّلوة

ہے۔اسلئے آیت کی بنا پر اتنا ہی فرض ہوگا،اور اس سے جو زیادہ ہے حدیث کی بنا پر وہ سنت ہوگا۔

البتہ حدیث کی بنا پر تعدیل ارکان واجب ہوگا۔حدیث یہ ہے۔**عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوة لا يقيم الرجل فيها صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ترمذی شریف،باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص۶۱ نمبر ۲۶۵ /ابوداؤد شریف، باب صلوة من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۱ نمبر ۸۵۵ /بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے امام ابو حنیفہؒ تعدیل الارکان کو واجب قرار دیتے ہیں۔کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔(۲)**عن ابی هريرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد النبی ﷺ عليه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل ....ثم ارکع حتی تطمئن راكعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائما ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک کلها** ۔ (بخاری شریف،باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص۱۰۹ نمبر ۷۹۳ /ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص۶۱ نمبر ۲۶۵)ابوداود شریف میں اس حدیث کے آخر میں یہ بھی زیادہ ہے۔**و قال فی آخره : اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک ، و ما انتقصت مَن هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتک** . (ابوداؤد شریف، باب صلوة من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۱ نمبر ۸۵۵) اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔اس سے حنفیہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان واجب ہے،اور اسی حدیث سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

ترجمه: ۳؎ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ سب فرض ہیں اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے، کہ کھڑے ہواور دوبارہ نماز پڑھو،اسلئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ بات حضورؐ نے ایک اعرابی سے فرمایا تھا جب انہوں نے تخفیف کے ساتھ نماز پڑھی۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قومہ، جلسہ،کو اطمینان کے ساتھ کرنا۔اور رکوع اور سجدے کو اطمینان کے ساتھ کرنا یہ سب فرض ہیں۔ کیونکہ ایک دیہاتی مسجد میں تشریف لائے اور جلدی جلدی نماز پڑھی تو آپؐ نے تین مرتبہ انکو واپس فرمایا،اور فرمایا کہ جاؤ دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ گویا کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اطمینان کے نماز

۴؎ ولهما ان الركوع هو الانحناء والسجود هو الانخفاض لغةً فيتعلق الركنية بالادنى فيهما وكذا فى الانتقال اذهو غير مقصود ۵؎ وفى اٰخر ماروى تسميته اياه صلوٰة حيث قال وما نقصتَ من هٰذا شيئا

ہی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ فرض ہے۔حدیث اوپر گزر گئی۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک موسوعۃ میں اس طرح ہے۔ قال الشافعیؒ : و لا یجزی مصلیا قدر علی أن یعتدل قائماً اذا رفع رأسه من الركوع شیء دون أن یعتدل قائماً ، اذا كان من قدر علی القیام ، و ما كان من القیام دون الاعتدال لم یجزئه ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب کیف القیام من الرکوع، ج ثانی، ص ۱۷۴، نمبر ۱۴۱۱) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان انکے یہاں فرض ہے۔

نوٹ : امام شافعیؒ کے یہاں فرض کے بعد سیدھا سنت کا درجہ ہے درمیان میں واجب کا درجہ نہیں ہے۔اس لئے جب کسی حدیث میں تاکید ہوتی ہے تو سیدھا وہ اس کی فرضیت کی طرف جاتے ہیں۔اور امام ابو حنیفہ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ ہے اس لئے بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے تو فرض ہوتا ہے۔اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو واجب ہوتا ہے۔اور اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو سنت ہوتا ہے۔اسی اصولی فرق کی بنا پر امام ابو حنیفہ اور شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ رکوع لغت میں صرف جھکنے کا نام ہے،اور سجدہ صرف پست ہونے کا نام ہے،اسلئے فرض ان دونوں میں ادنی کے ساتھ تعلق رکھے گا،اور یہی حال ہے منتقل ہونے میں اسلئے کہ وہ مقصود نہیں ہے۔

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے۔کہ آیت میں وارکعوا :رکوع کرنے کے لئے کہا ہے اسلئے صرف رکوع کرنا فرض ہوگا۔اور رکوع صرف جھک جانے کو کہتے ہیں عن مجاهد قال : اذا وضع یدیه علی رکبتیه أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی ما یجزیء من الرکوع والسجود، ج اول، ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ صرف ہاتھ گھٹنے پر رکھ دینے کو رکوع کہتے ہیں۔ اسلئے صرف جھک جانے سے رکوع ادا ہو جائے گا اور اتنا ہی فرض ہوگا۔اس سے زیادہ واجب ہوگا۔اسی طرح صرف پست ہونے کو سجدہ کہتے ہیں اسلئے آیت واسجدوا کے اعتبار سے صرف پست ہونے سے فرض ادا ہو جائے گا،اور اس سے زیادہ سنت ہوگا۔اثر میں ہے۔ عن عمر قال اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی ما یجزیء من الرکوع والسجود، ج اول، ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۴ رنمبر ۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ صرف پیشانی کو زمین پر رکھ دینے کو سجدہ کہتے ہیں۔باقی رہا قومہ اور جلسہ کے لئے منتقل ہونا تو یہ اصل مقصود نہیں ہیں، یہ تو ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہیں اسلئے یہ بھی فرض نہیں ہونگے۔

ترجمہ: ۵؎ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی اسکے آخر میں اسکو نماز کہا ہے .و ما انتقصت مَن هذا شیئاً فانما انتقصته من صلاتک .: اس میں سے جو کم کیا تو نماز میں سے کم کیا۔

فقد نقصت من صلاتک ۶؎ ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمانينة فى تخريج الجرجانیؒ ۷؎ وفى تخريج الكرخیؒ واجبة حتیٰ تجب سجدتا السهو بتركها عنده (۲۸۲) ويعتمد بيديه على الارض﴾

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے۔ کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں اگر چہ آپ ﷺ نے نماز جلدی پڑھنے پر دیہاتی کو نماز لوٹانے کے لئے فرمایا، تاہم اسکو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ،نماز، ہے، حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔ و ما انتقصت من هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتک . (ابوداؤد شریف، باب صلوة من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵) اس حدیث میں اسکو نماز فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ بہر حال وہ نماز ہے، اسلئے اسکے اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں ہے۔

ترجمہ : ۶؎ پھر قومہ اور جلسہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہیں۔ اور ایسے ہی اطمینان سے نماز پڑھنا حضرت ابو عبد اللہ جرجانی کی تخریج میں۔

تشریح : رکوع سے جب کھڑے ہوتے ہیں جسکو قومہ کہتے ہیں۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں جسکو جلسہ کہتے ہیں یہ دونون طرفین کے نزدیک سنت ہیں۔ اسکی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ صرف جھک جانے کا نام رکوع ہے جو فرض ہے اور اس سے جو زیادہ ہے وہ حدیث کی بنا پر سنت ہوگی۔ اسی طرح صرف زمین پر سر رکھ دینے کا نام سجدہ ہے جو فرض ہے اور اس سے جو زیادہ ہے وہ حدیث کی بنا پر سنت ہوگی۔

اور اطمینان سے رکوع سجدہ کرنا جسکو تعدیل ارکان کہتے ہیں، یہ حضرت ابو عبد اللہ جرجانی کی تخریج کے اعتبار سے سنت ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے اسلئے اسکو سنت ہونا چاہئے۔

ترجمہ : ۷؎ اور کرخیؒ کی تخریج میں تعدیل ارکان واجب ہے۔ یہاں تک کہ اسکے چھوڑنے سے انکے یہاں سجدہ سہو واجب ہو گا۔

تشریح : رجحان یہی ہے کہ تعدیل ارکان واجب ہو اسلئے کہ اعرابی نے تعدیل ارکان نہیں کی تو انکو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔

ترجمہ: (۲۸۲) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کے ذریعہ سے زمین پر ٹیکے۔

تشریح : سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھے اس طرح کہ چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ہو اور سرین اونچا ہو۔

وجہ : (۱) عن البراء قال قال رسول الله ﷺ اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيک (مسلم شریف،

لـ لان وائل بن حجرؓ وصف صلوٰة رسول اللهﷺ فسجد وادّعم على راحتيه ورفع عجيزته (۲۸۳) ووضع وجهه بين كفيه ويديه حذاء اذنيه﴾ لـ لما روى انه علیه السلام فعل كذٰلك

باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص۱۹۴ نمبر ۴۹۴ ۱۱۰۴) اس حدیث میں ہے کہ سجدہ کرے تو دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے۔(۲) عن ابن عباسؓ قال قال النبی ﷺ : أمرت أن اسجد على سبعة أعظم على الجبهة و أشار بيده على أنفه و اليدين و الركبتين و أطراف القدمين ۔(بخاری شریف، باب السجود علی سبعۃ اعظم ،ص۱۱۳ نمبر ۸۱۲) اس حدیث میں ہے کہ سات عضو پر سجدہ کرے اور ان میں سے دونوں ہاتھ بھی ہیں۔

ترجمہ : لـ اسلئے کہ حضرت وائل ابن حجر نے حضورؐ کی نماز کی صفت بیان کی کہ حضورؐ نے سجدہ فرمایا، اور اپنے دونوں ہتھیلیوں کو ٹیکا، اور سرین کو اونچا کیا۔

تشریح : اس حدیث کا مفہوم تو اوپر کی حدیث میں گزر گیا، البتہ ان الفاظ کے ساتھ دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

حدیث یہ ۔عن ابن عمر قال :قال رسول الله ﷺ : **لا تبسط ذراعيک و ادعم على راحتيک و تجاف عن ضبعيک** ۔(مستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول ،ص ۳۵۰، نمبر ۸۲۷ /مصنف عبد الرزاق، باب السجود، ج ثانی ،ص ۱۷۰، نمبر ۲۹۲۷) اس حدیث میں ہے وادعم علی راحتیک ۔ کہ اپنے دونوں ہتھیلیوں پر ٹیک لگایا۔ اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔ وصف لنا البراء ابن عاذب فوضع يديه و اعتمد على ركبتيه و رفع عجيزته و قال هكذا كان رسول الله ﷺ يسجد ۔(ابو داود شریف، باب صفۃ السجود، ص ۱۳۸، نمبر ۸۹۶) اس حدیث میں ہے **ورفع عجيزته**، کہ اپنے سرین کو بلند کیا۔ اور ہاتھ زمین پر رکھنے کا بھی تذکرہ ہے۔

لغت : ادعم: اصل میں ادتعم ہے، ہتھیلی پر ٹیک لگانا۔ راحۃ: ہتھیلی۔ عجیزۃ: سرین، پچھلا حصہ۔

ترجمہ: (۲۸۳) اور چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے سامنے رکھے۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایسا کیا ہے۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے۔قلت للبراء بن عازب اين كان النبی ﷺ يضع وجهه اذا سجد بين كفيه فقال بين كفيه (ترمذی شریف، باب ما جاء این وضع الرجل وجہہ اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱ /مسلم شریف، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الاحرام، الخ ص ۱۷۳، نمبر ۸۹۶/۴۰۱) اس حدیث میں ہے کہ سجدے کے وقت چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔ (۲) ابو داؤد شریف میں اس طرح ہے۔عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه عن النبی ﷺ **فلما سجد وضع جبهته بين كفيه وجافى عن ابطيه** (ابو داؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے

(۲۸۴) قال وسجد على انفه ﴾ ۱ وجبهته لان النبی علیه السلام واظب علیه

(۲۸۵) فان اقتصر علیٰ احدهما جاز عند ابی حنیفة وقالا لایجوز الاقتصار علی الانف الامن عذر ﴾

وقت چہرہ ہتھیلی کے درمیان رکھے۔اور ہاتھ کان کے سامنے رکھے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔عن وائل بن حجر قال : رمقت رسول الله ﷺ فلما سجد کانت یداہ حذو أذنیه (مصنف عبدالرزاق، باب موضع الیدین، ج ثانی، ص ۱۷۵، نمبر ۲۹۴۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبهة والانف، ص ۶۳، نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کان کے سامنے رکھے۔ اور ہتھیلی کو زمین پر رکھ کر دونوں کہنیوں کو زمین سے اونچی رکھیں اور بغل سے علیحدہ رکھیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول الله ﷺ اذا سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیک وفی حدیث آخر اذا صلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض ابطیه مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵ ر۱۱۰۴ ر۱۱۰۵ر بخاری شریف، باب یبدی ضبعیه ویجافی فی السجود نمبر ۸۰۷) اس حدیث میں ہے کہ کہنیوں کو اونچا رکھے اور پہلو سے الگ رکھے۔

ترجمہ : (۲۸۴) اپنی ناک پر اور پیشانی پر سجدہ کرے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ نبی علیہ السلام نے ایسا کیا ہے۔

وجہ : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔(۱) عن ابی حمید الساعدی : أن النبی ﷺ کان اذا سجد أمکن أنفه و جبهته من الارض و نحی یدیه عن جنبیه ، ووضع کفیه حذو منکبیه . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبهة والانف، ص ۶۳، نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔(۲) عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة ـ واشار بیده علی انفه ـ والیدین والرکبتین واطراف القدمین (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲ رمسلم شریف، باب اعضاء السجود والنهی عن کفی الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰ ر۱۰۹۹) اس حدیث میں ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔(۳) عن ابن عباس ، عن النبی ﷺ قال : لا صلوة لمن لم یضع أنفه علی الارض . (دار قطنی، باب وجوب وضع الجبهة والانف، ج اول، ص ۳۴۱، نمبر ۱۳۰۳ رمسدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۴۰۴، نمبر ۹۹۷) اس حدیث میں ہے کہ جب تک ناک زمین پر نہ لگائے نماز نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۲۸۵) پس اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کر لیا تو جائز ہے ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا کہ ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی بنا پر۔

تشریح: ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک پر یعنی صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر اکتفا کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔البتہ کمی رہ جائے گی۔لیکن امام صاحبین کے نزدیک پیشانی اصل ہے اس لئے صرف پیشانی پر

ل وهو رواية عنه لقوله عليه السلام :امرت ان اسجد على سبعة اعظم، وعدمنها الجبهة

سجدہ کرلیا تو سجدہ ہو جائیگا۔اور اگر صرف ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی پر کوئی عذر نہیں ہے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا۔کیونکہ اس نے اصل پر سجدہ نہیں کیا۔

وجہ: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے۔(ا) وہ فرماتے ہیں کہ چہرے کو رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا چاہے پیشانی ٹیکے یا ناک ٹیکے سر کا زمین پر رکھنا پایا گیا، چہرہ رکھنے سے سجدہ ادا ہوگا اسکی دلیل یہ حدیث ہے **قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ یضع وجهه اذا سجد فقال بین کفیه** (ترمذی شریف، باب ما جاء این وضع الرجل وجہہ اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱/ مسلم شریف، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الاحرام، الخ ص ۱۷۳، نمبر ۸۹۶/۴۰۱) (۲) **عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول : اذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب : وجهه و كفاه و ركبتاه و قدماه** ۔(ابوداود شریف، باب اعضاء السجود، ص ۱۳۷، نمبر ۸۹۱/ ابن ماجۃ شریف، باب السجود، ص ۱۲۵، نمبر ۸۸۵) ان احادیث میں وجہ کا لفظ ہے جسکا مطلب ہوا کہ چہرہ رکھنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، چاہے ناک رکھے یا پیشانی۔(۳) چنانچہ حدیث میں پیشانی اور ناک دونوں کے رکھنے کا تذکرہ موجود ہے۔حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة۔ واشار بیده علی انفه۔والیدین والرکبتین واطراف القدمین** (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲/ مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کفی الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۱۰۹۸/۴۹۰/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی السجود علی الجبھۃ والانف ص ۶۱ نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں سات عضو پر سجدہ کرنے کا حکم ہے، اب اگر پیشانی کو الگ عضو گنتے ہیں تو آٹھ عضو ہو جاتا ہے، اور حضورؐ نے پیشانی کا تذکرہ کرتے وقت ناک کی طرف اشارہ کیا جسکا مطلب یہ ہوا کہ ناک پیشانی کا بدل بن سکتی ہے، اسلئے اسکے اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ ناک، یا پیشانی دونوں میں سے کسی ایک پر بھی سجدہ کرلے تو سجدہ ہو جائے گا اگر چہ اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ل اور یہی ایک روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی ہے۔حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ مجھکو سات عضو پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان میں سے ایک پیشانی کو بھی شمار کیا۔

تشریح: صاحبین کا قول یہ ہے کہ کہ عذر نہیں ہے پھر بھی صرف ناک پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور یہی ایک قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

وجہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اصل پیشانی ہے۔ناک فرع ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر نہیں ٹکایا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا (ا) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی**

۲ ولابی حنیفةؒ ان السجود یتحقق بوضع بعض الوجه وهو المأمور به الا ان الخد والذقن خارج بالاجماع ۳ والمذکور فیما روی الوجه فی المشهور ۴ ووضع الیدین والرکبتین سنة عندنا لتحقق السجود دونهما

الجبهة. (بخاری شریف، نمبر۸۱۲/مسلم شریف، نمبر۱۰۹۸/۴۹۰/ترمذی شریف، نمبر۲۷۰)اس حدیث میں ہے کہ پیشانی پر سجدہ کرو۔(۲)بعض حدیث میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے۔**عن ابن عباس قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء ولایکف شعرا ولاثوبا،الجبهة والیدین والرکبتین والرجلین** (بخاری شریف، باب السجود علی سبعة اعظم ص۱۱۲ نمبر۸۰۹/مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر ص۱۹۳ نمبر۱۰۹۹/۴۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی اصل ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر سجدہ نہ کرنے سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ بعض چہرہ کے رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے،اور اسی کا آیت میں حکم دیا گیا ہے۔مگر یہ کہ گال اور ٹھوڑی بالاتفاق اس میں داخل نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ آیت میں سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور اوپر حدیث سے پتہ چلا کہ چہرہ زمین پر رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا اور چہرے کا تمام حصہ رکھنا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گال اور ٹھوڑی تمام ائمہ کے نزدیک سجدے میں داخل نہیں ہے، چنانچہ کوئی گال یا ٹھوڑی رکھے گا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا، یہ بالاتفاق سے خارج ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کا بعض حصہ ہی سجدے میں داخل ہے،اور جب کافی ہے تو ناک یا پیشانی کسی پر سجدہ کر لے گا تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۳ اور جو کچھ صاحبین نے روایت کی ہے تو مشہور حدیث میں وجہ(چہرے) کا لفظ ہے۔

تشریح : صاحبینؒ نے حدیث پیش کی تھی کہ حدیث میں پیشانی رکھنے کا حکم ہے،تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ مشہور حدیث میں جبھۃ کا لفظ نہیں ہے، یہ بعض حدیث میں ہے، بلکہ مشہور حدیث میں **وجہ** کا لفظ ہے،یعنی چہرے کا کوئی حصہ ناک، یا پیشانی رکھنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا ۔حدیث یہ ہے۔ **کان النبی ﷺ یضع وجهه اذا سجد** (ترمذی شریف، نمبر۲۷۱/مسلم شریف ا،نمبر۸۹۶/۴۰۱)۔

ترجمہ : ۴ سجدہ کے وقت دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے۔اسلئے کہ سجدہ انکو رکھے بغیر بھی متحقق ہو جائے گا۔

تشریح : سجدے کے وقت چہرہ رکھنا تو فرض ہے،لیکن دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے،اگر کسی نے نہیں رکھا تو فرض کی ادائیگی ہو جائے گی البتہ سنت چھوڑنے کی وجہ سے کراہیت ہوگی۔

۵ؐ واما وضع القدمين فقد ذكر القدوریؒ انه فريضة فی السجود (۲۸۶) فان سجد علی کور عمامته او فاضل ثوبه جاز ؐ لان النبی علیہ السلام کان يسجد علی کور عما مته

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، اور اثر میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے ،اثر یہ ہے۔ **عن عمر قال اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزأه** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی ما تجزی ء من الرکوع والسجود، ج اول، ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۴ رنمبر ۲۵۸۰) ، اسلئے اس سے زیادہ جو حدیث سے ثابت ہے وہ سنت ہوگی۔ (۲)۔ اسلئے کہ کوئی ہاتھ اور گھٹنے زمین پر نہ رکھے تب بھی سجدہ کرنا ممکن ہے، چونکہ ان دونوں کا رکھنا ضروری نہیں اسلئے یہ فرض بھی نہیں ہونگے۔ (۳) حدیث کے انداز سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سنت ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے جب سجدہ کرتے ہیں تو یہ اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں، حدیث یہ ہے۔ **عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول : اذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب : وجهه ، و كفاه ، و ركبتاه ، و قدماه .** (ابو داود شریف، باب أعضاء السجود، ص ۱۳۷، نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ اور گھٹنے بھی سجدہ کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان کا رکھنا فرض نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ؐ بہر حال دونوں قدموں کا رکھنا تو قدوری نے ذکر کیا ہے کہ وہ سجدے میں فرض ہے۔

تشریح : دونوں قدموں کا زمین پر رکھنا فرض ہے قدوری میں نہیں ملا۔ البتہ نور الایضاح میں ہے، عبارت یہ ہے۔ **وضع شیء من اصابع الرجلين حالة السجود على الارض ، و لا يكفى وضع ظاهر القدم** ۔ (نور الایضاح، باب شروط الصلوۃ و ارکانھا، ص ۸۷) اس عبارت میں ہے کہ قدم کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے۔ اور امام کرخیؒ کا بھی مسلک یہی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گھٹنا یا قدم دونوں میں سے ایک کو رکھے بغیر سجدہ کرنا ناممکن ہے اسلئے جو سجدے کے لئے ضروری ہو وہ فرض ہوگا، اور گھٹنے اور قدم میں سے قدم اصل ہے اور گھٹنا تابع ہے اسلئے قدم کا رکھنا فرض ہوا۔ قاضی خاں اور تمر تاشیؒ نے فرمایا کہ جس طرح گھٹنا رکھنا سنت ہے اسی طرح قدم کا رکھنا بھی سنت ہے۔ کیونکہ اوپر گزرا کہ سجدہ صرف چہرے کے رکھنے کا نام ہے ۔

لغت : جبھۃ : پیشانی۔ خد: گال۔ ذقن: ٹھوڑی۔ رکبۃ گھٹنا۔

ترجمہ: (۲۸۶) اگر پگڑی کے کنارے پر یا کپڑے کے زائد حصے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔

وجہ : حدیث میں ہے **عن انس بن مالک قال كنا نصلی مع النبی ﷺ فيضع احدنا طرف الثوب من شدة الحر فی مكان السجود** ۔ (بخاری شریف باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر ص ۵۶ نمبر ۳۸۵ رنسائی شریف، باب السجود علی الثیاب ص ۱۲۵ نمبر ۱۱۱۷ رابو داؤد شریف، باب الرجل یسجد علی ثوبہ ص ۱۰۳ نمبر ۶۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ؐ اسلئے کہ حضورؐ عمامے کے کنارے پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ **أنه سمع ابا هريريقول : كان**

۲ ويروى انه عليه السلام صلى فى ثوب واحد يتقى بفضوله حرالارض وبردها(۲۸۷)ويبدى ضبعيه ۱لقوله عليه السلام وابدضبعيك ۲ ويروى وابدّ من الابداد وهو المدّ والاول من الابداء وهو

رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد على كور عمامته۔(مصنف عبدالرزاق، باب السجود على العمامة، ج اول ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۶۴)

ترجمه: ۲ روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور اسکے باقی حصے سے زمین کی گرمی اور اسکی سردی سے بچتے تھے۔

تشریح :صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس أن النبی صلى الله عليه وسلم صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض و بردها . (مصنف ابن ابی شیبة ،۴۲ فی الرجل یسجد علی ثوبہ من الحر والبرد، ج اول ص ۲۴۱، نمبر ۲۷۷۰ رمسند احمد، مسند عبداللہ بن عباس، ج اول ص ۴۲۴، نمبر ۲۳۱۶) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے اور اسکے بقایا سے زمین کی سردی اور گرمی سے بچتے تھے

لغت :کور :عمامہ کا پیچ، کنارہ۔یتقی: بچتا ہے۔فضول: باقی ماندہ۔

ترجمه: (۲۸۷) دونوں بغلوں کو کشادہ رکھیں۔

تشریح مرد اس طرح سجدہ کرے کہ بغل پیٹ سے دور رہے۔اور ران بھی پیٹ سے الگ رہے۔

وجه : حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن مالک بن بحینة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض ابطیه. (بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی جنبہ فی السجود ص ۵۶ نمبر ۸۰۷ رمسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغل کو ران سے اور پیٹ سے اتنا الگ رکھے کہ آدمی پیچھے سے اس کی بغل کی سفیدی دیکھ سکے۔

ترجمه : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ بازو کو کشادہ کرو۔

تشریح : سجدے کی حالت میں بازو کو بغل سے اتنا دور رکھے کہ بازو کشادہ معلوم ہو۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔قال رآنی ابن عمر و أنا اصلی ....و أبد ضبعیک فانک اذا فعلتَ ذالک سجد کل عضو منک ۔(مصنف عبد الرزاق، باب السجود، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۲۹۲۷ رمستدرک للحاکم، کتاب الصلوة، ج اول، ص ۳۵۰، نمبر ۸۲۷) اس اثر میں اور مستدرک کے اعتبار سے حدیث میں ہے أبد ضبعیک ۔کہ پہلو کو ہاتھ سے دور رکھو، یا پہلو کو ظاہر کرو۔ اوپر کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہو رہی ہے۔

ترجمه: ۲ روایت کی گئی ہے ابدّ: ابداد سے، جسکا معنی ہے کھینچنا، اور پہلی روایت ہے ،ابداء، سے اسکا ترجمہ ہے ظاہر کرنا۔

الاظهار (۲۸۸) ويجافى بطنه عن فخذيه ﴾ ۱ **لانه عليه السلام كان اذا سجد جافى حتى ان بهمة لو ارادت ان تمرّ بين يديه لمرت** ۲ **وقيل اذا كان فى صف لايجافى كيلا يؤذى جاره (۲۸۹) ويوجّه اصابع رجليه نحو القبلة** ﴾ ۱ **لقوله عليه السلام اذا سجد المؤمن سجد كل عضو منه فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع**

تشریح : اوپر میں حدیث کا جو جملہ ہے ,اُبدضبعیک ،اسکے بارے میں لفظی تحقیق فرماتے ہیں کہ یہ اُبّد : ابداء سے مشتق ہے جسکا معنی ہے ظاہر کرنا۔ اور ایک روایت میں ابدّ :ابداد سے مشتق آیا ہے،اسکا ترجمہ ہوگا مد،یعنی کھینچنا۔اور دونوں کا مطلب ہے کہ بازو کو بغل سے دور رکھو۔

ترجمہ : (۲۸۸) اور پیٹ کورانوں سے الگ رکھے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو ہاتھ کوران سے کشادہ رکھتے یہاں تک کہ بکری کا بچہ ہاتھ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر جائے۔

تشریح : مرد سجدے کی حالت میں پیٹ کوران سے دور رکھے۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن میمونة : أن النبی ﷺ کان اذا سجد جافی بین یدیه حتی لو أن بهمة أرادت أن تمر تحت یدیه مرت ۔(ابوداود شریف، باب صفة السجود،ص ۱۳۸، نمبر ۸۹۸/مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود،ص ۱۹۳، نمبر ۴۹۶/۱۱۰۷)اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کوران سے اتنا الگ رکھتے کہ بکری کا بچہ درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے۔اور ہاتھ کو کتے کی طرح بچھا کر نہ رکھے۔

ترجمہ: ۲ کہا گیا ہے کہ اگر صف میں ہو تو بہت کشادہ نہ کرے تا کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ ہو۔

تشریح : اس حدیث سے استلال کیا جاسکتا ہے۔عن أنس قال : اذا سجد قال النبی ﷺ : أعتدلوا فی سجودکم و لا یبسط أحدکم ذراعیه ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۲۸التجافی فی السجود، ج اول،ص ۲۳۲،نمبر ۲۶۵۵)اس حدیث میں ہے کہ بانہوں کو بہت نہ پھیلائے بلکہ درمیانی انداز میں رکھے، یہ صف کی حالت میں زیادہ بہتر ہے۔

لغت : ضبع : ضبع تثنیہ کا صیغہ ہے بغل، یجافی : دور رکھے۔بھمۃ: بکرے کا بچہ۔مر: گزرے۔یوذی: تکلیف دے۔

ترجمہ: (۲۸۹) (سجدہ کی حالت میں) دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے ۔

ترجمہ: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے، جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اسکا ہر عضو سجدہ کرتا ہے اسلئے اپنے اعضاء کو جتنا ہو سکے قبلے کی طرف متوجہ کرے۔

تشریح : سجدے کی حالت میں پیر کی انگلیاں زمین پر ٹکی ہوں اور قبلے کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ حضورؐ ایسا کیا کرتے تھے۔

(۲۹۰) ويقول في سجوده سبحان ربي الاعلىٰ ثلثاً وذٰلك ادناه ﴾ ا لقوله عليه السلام واذا سجد احدكم فليقل في سجوده سبحان ربي الاعلىٰ ثلثا وذٰلك ادناه اي ادنى كمال الجمع ۲ ويستحب

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث کامفہوم اس حدیث میں ہے۔(۱) **يستقبل باطراف رجليه القبلة قال ابو حميد عن النبي** ﷺ ۔ (بخاری شریف، باب یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ ص ۱۱۲، نمبر ۸۰۸) (۲) **فقال ابو حميد الساعدیؓ انا كنت احفظكم لصلوة رسول الله** ﷺ..... **فاذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة** . (بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشھد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸/سنن للبیھقی، باب ینصب قدمیہ و یستقبل باطراف اصابعھما القبلۃ، ج ثانی، ص ۱۶۷، نمبر ۲۷۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

ترجمه: (۲۹۰) سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہے اور یہ ادنی درجہ ہے۔

ترجمه: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے، کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے، اور یہ ادنی درجہ ہے۔یعنی جمع کے کمال کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح : سجدے میں کم سے کم تین مرتبہ،سبحان ربی الاعلی، کہنا چاہئے، اس سے زیادہ پانچ مرتبہ، یا سات مرتبہ، یا نو مرتبہ کہے تو کہہ سکتا ہے البتہ اتنا خیال رکھے کہ طاق مرتبہ کہے، کیونکہ حضور کو یہی پسند تھا۔جمع کے کم سے کم درجے کا مطلب یہ ہے کہ پانچ مرتبہ اور سات مرتبہ اور نو مرتبہ بھی جائز ہے، جو جمع کا اونچا مرتبہ ہے، اسکے مقابلے پر تین مرتبہ ادنی مرتبہ ہے۔

وجه :صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔**عن ابن مسعود ان النبي** ﷺ **قال ...اذا سجد فقال في سجوده سبحان ربي الاعلى ثلث مرات فقد تم سجوده وذلك ادناه** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱/ابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص ۱۳۳ نمبر ۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہنا چاہئے۔اور یہ ادنی مرتبہ ہے اس سے زیادہ کہے تو بہتر ہے، اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ کم سے کم درجہ ہے۔(۲) **عن عقبه بن عامر قال: لما نزلت ﴿فسبح باسم ربك العظيم﴾**[آیت ۷۴ ،سورۃ الواقعۃ ۵۶] **قال رسول الله** ﷺ : **اجعلوها في ركوعكم) ، فلما نزلت ﴿سبح اسم ربك الاعلى﴾**[آیت ۱ ، سورۃ الاعلی ۸۷] **قال : اجعلوها في سجودكم** ۔(ابوداود شریف، باب مایقول فی رکوعہ وسجودہ، ص ۱۳۴، نمبر ۸۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں دعا آیت سے مستنبط ہیں۔

ترجمه : ۲ اور مستحب ہے کہ رکوع اور سجدے میں تین سے زیادہ مرتبہ تسبیح کہے، بس اتنی بات ہے کہ طاق پر ختم کرے۔

ان يـزيد على الثلث فى الركوع والسجود بعد ان يختم بالوتر ۳؎ لانه عليه السلام كان يختم بالوتر ۴؎وان كـان امـامـالايـزيـدعـلـىٰ وجـه يُمِلُّ القوم حتى لايُؤدِى الى التنفير ۵؎ ثـم تسبيـحات الركوع والسجود سنة لان النص تناولهما دون تسبيحاتهما فلا يزاد على النص

وجـه : (۱)اوپرحدیث میں تھا,وذلک ادناہ ۔(ترمذی شریف نمبر۲۶۱)اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ تین سے زیادہ کہنا مستحب ہے (۲)اثر میں ہے۔عن الحسن أنه كان يقول : التام من السجود قدر سبع تسبيحات ، و المجزى ثلاث . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۸مایقول الرجل فی رکوعہ،وسجودہ، ج اول،ص ۲۲۵،نمبر ۲۵۶۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سات مرتبہ تسبیح پڑھنا مستحب ہے (۳)ایک اور اثر میں دس مرتبہ کا تذکرہ ہے۔سمعت أُنس بن مالك يقول : ما صليت وراء أحد بعد رسول الله ﷺ أشبه صلاة برسول الله ﷺ من هذا الفتى يعنى عمر بن عبد العزيز ، قال فحزرنا فى ركوعه عشر تسبيحات ، و فى سجوده عشر تسبيحات ۔(ابوداود شریف، باب مقدار الرکوع و السجود،ص ۱۳۷،نمبر ۸۸۸/نسائی شریف، باب عدد التسبیح فی السجود،ص ۱۵۷،نمبر ۱۱۳۶) اس اثر میں ہے کہ دس مرتبہ تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔

ترجمه: ۳؎ اسلئے کہ حضورؐ طاق پر ختم فرماتے تھے-۔یہ حدیث نہیں ملی۔البتہ , عن عبد الله ، عن النبى ﷺ قال :ان الله وتر يحب الوتر فأوتروا يا أهل القرآن ۔(سنن بیہقی، باب ذکر البیان أن لا فرض فی الیوم واللیلۃ من الصلوات أکثر من خمس وأن الوتر تطوع، ج ثانی،ص ۶۵۷،نمبر ۴۴۵۵)، ہے کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتے ہیں، اسلئے وتر اور طاق پر ختم کرے۔

ترجمه : ۴؎ اور اگر امام ہو تو اتنے مرتبہ سے زیادہ نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں تا کہ نفرت کا سبب نہ بنے۔

تشـريح : اگر امام ہو تو اتنی مرتبہ تسبیح نہ پڑھے کہ مقتدی اکتا جائیں،اور نفرت کا سبب بنے،اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابى هريرة أن النبى ﷺقال : اذا صلى أحدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف ،و السقيم ، و الكبير ، و اذا صلى لنفسه فليطول ما شاء ۔(ابوداود شریف، باب تخفیف الصلوۃ،ص ۱۲۴،نمبر ۷۹۴) اس حدیث میں ہے کہ امام ہو تو نماز تخفیف کے ساتھ پڑھائے۔

ترجمه: ۵؎ پھر رکوع اور سجدے کی تسبیحات سنت ہیں۔اسلئے کہ آیت صرف رکوع اور سجدے کو شامل ہے تسبیحات کو شامل نہیں ہے،اسلئے نص پر زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

تشـريـح : آیت ,وارکعوا واسجدوا، میں رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم ہے، جو فرض ہے۔اور پہلے گزرا کہ صرف جھک جانے کا نام

(۲۹۱) والمرأة تنخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذيها ﴾ ل لان ذلک استرلها (۲۹۲)قال ثم يرفع راسه ويكبر﴾ ل لمارويناه

رکوع ہے، اسلئے صرف جھک جانا فرض ہوگا اور تسبیح پڑھنا حدیث کی بنا پر سنت ہوگا۔اسی طرح زمین پر چہرہ رکھ دینے کا نام سجدہ ہے جو فرض ہے۔اسلئے تسبیحات پڑھنا سنت ہوگا ۔اسلئے کہ حدیث کے ذریعہ آیت پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

ترجمہ : (۲۹۱) اورعورت اپنے سجدہ میں پست ہوکر رہے اور اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملائے

ترجمہ: ل اسلئے کہ ایسا کرنا اسکے لئے زیادہ ستر ہے۔

تشریح : عورت چونکہ ستر ہے اسلئے وہ اپنے سجدے میں سکڑ کر رہے گی اور پیٹ کوران سے ملائے رکھے گی، یہ اسکے ستر کے لئے بہتر ہے ۔

وجہ : (۱)اثر میں ہے۔ **عن علی قال : اذا سجدت المرأة فلتحتفر و لتضم فخذيها ۲)عن ابن عباس أنه سئل عن صلوة المرأة فقال : تجتمع و تحتفر** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۳ المرأۃ کیف تکون فی سجودھا، ج اول،ص ۲۴۲، نمبر ۲۷۷۷ /۲۷۷۸ رسنن بیہقی ، باب مایستحب للمرأۃ من ترک التجافی فی الرکوع والسجود، ج ثانی ،ص ۳۱۴،نمبر ۳۱۹۷ /۳۱۹۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت سجدے کے اندر سکڑ کر رہے اور پیٹ کو ران سے ملادے تاکہ زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے، یہی اسکے لئے بہتر ہے۔

لغت :تنخفض :خفض سے مشتق ہے، پست ہوگی۔تلزق :۔ لزق سے مشتق ہے، ملائے گی۔فخذ : ران۔

ترجمہ: (۲۹۲) پھر سراٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح : سجدے سے سراٹھاتے ہوئے تکبیر کہے۔

وجہ : **ترجمہ**: ل (۱)حدیث میں ہے۔ **انه سمع أبا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر ....ثم يكبر حين يسجد ، ثم يكبر حين يرفع رأسه** .(بخاری شریف باب التکبیر اذا قام من السجود،ص ۱۰۹ ،نمبر۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ جب سجدہ سے سراٹھاتے تو تکبیر کہتے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔**عن عبد الله بن مسعودؓ قال : كان رسول الله ﷺ يكبر فی كل خفض و رفع ، و قيام و قعود ، و أبو بكر و عمر** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التکبیر عندالرکوع والسجود،ص ۵۹ ،نمبر ۲۵۳ رنسائی شریف، باب التکبر للسجود،ص ۱۵۰،نمبر ۱۰۸۴ رابوداود شریف، باب تمام التکبیر ،ص ۱۲۹،نمبر ۸۳۶) اس حدیث میں ہے کہ ہر جھکتے اور اٹھتے تکبیر کہتے ،اسلئے سجدہ سے سراٹھاتے وقت بھی تکبیر ہوگی۔

(۲۹۳) فاذا اطمأنَّ جالسًا كبَّر وسجد ﴿ ا لقوله علیہ السلام فی حديث الاعرابی:ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسًا ۲ ولولم يستوجالسًا وكبر وسجدا خری اجزاه عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وقد ذكرناه

ترجمہ : (۲۹۳) پس جب اطمینان سے بیٹھے تو تکبیر کہے اور دوسرا سجدہ کرے۔

تشریح: دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا، جسکو جلسہ کہتے ہیں، مسئلہ نمبر ۲۸۱ میں گزر چکا ہے کہ سنت ہے۔ اور دلائل بھی گزر چکے ہیں۔

وجہ: (۱) عن انس ... كان رسول الله ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قام حتى نقول قد اوهم ثم يسجد و يقعد بين السجدتين حتى نقول قد اوهم (مسلم شریف، باب اعتدال ارکان الصلوۃ وتخفیفھا فی تمام ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۳) یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ لوگوں کو خیال ہوتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ ان ہی احادیث کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔ (۲) عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوة لا يقيم الرجل فيها صلبه فی الركوع و فی السجود (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ٦١ نمبر ۲٦۵ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ / بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جلسہ میں اطمینان سے بیٹھنا سنت ہے۔

ترجمہ: ا دیہاتی کی حدیث میں حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ اپنے سر کو اٹھاؤ یہاں تک کہ تم سیدھا بیٹھ جاؤ۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۳) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على النبی ﷺ فرد النبی ﷺ عليه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل ....ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائما ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک كلها ۔ (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ٦١ نمبر ۲٦۵) اعرابی کی اس حدیث میں ہے کہ جلسے میں سیدھا ہو کر بیٹھ جاؤ ۔

ترجمہ: ۲ اور اگر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرے سجدے میں چلا گیا تب بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گا، جسکو پہلے ہمنے بیان کیا ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس بات پر ہے کہ جلسہ کرنا اور جلسے میں اطمینان سے بیٹھنا ہمارے نزدیک سنت ہیں ، اور امام ابو یوسف کے

۳؎ وتكلموا في مقدار الرفع والاصح انه اذا كان الى السجود اقرب لايجوز لانه يعد ساجدا وان كان الى الجلوس اقرب جاز لانه يعدجالسًا فتحقق الثانية　(۲۹۳) قال فاذا اطمأنَّ ساجدًا كبر﴾ ۱؎ وقد ذكرناه　(۲۹۴) واستوى قائما على صدور قدميه ولايقعد ولا يعتمد بيديه على الارض﴾

نزدیک فرض ہیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک سنت ہیں اسلئے اگر انکو چھوڑ بھی دیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ دلائل مسئلہ نمبر ۲۸۱ میں گزر چکے ہیں۔ تاہم ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابو داود شریف کی حدیث میں فرمایا کہ قومہ جلسے میں سے کچھ کم رہ جائے گا تو نماز میں کمی رہ جائے گی جسکا مطلب یہ ہوا کہ قومہ اور جلسہ سنت ہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ و قال في آخره : اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك ، و ما انتقصت مَن هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتك . (ابو داؤد شریف، باب صلوة من لايقيم صلبه في الركوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵) اس حدیث میں ہے کہ قومہ اور جلسہ میں کمی رہ جائے تو نماز تو ہو جائے گی لیکن کمی رہ جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ سجدے سے سر اٹھانے کی مقدار کے بارے میں مشائخ نے بات کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ سجدے سے زیادہ قریب ہو تو جائز نہیں اسلئے کہ وہ سجدہ کرنے والا ہی سمجھا جائے گا، اور اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو جائز ہے، اسلئے کہ بیٹھنے والا شمار کیا جاتا ہے، تو دوسرا سجدہ متحقق ہو گیا۔

تشریح : سجدے سے کتنا اونچا سر کرے گا تو قومہ شمار کیا جائے گا اور دوسرا سجدہ کرنا جائز ہو جائے گا۔ اس بارے میں مشائخ نے بات کی ہے، اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سجدے سے اتنا سر اٹھایا کہ بیٹھنے کے قریب ہے تو سمجھ لو کہ وہ بیٹھ گیا اور اب دوسرا سجدہ کرے گا تو دوسرا سجدہ ہو جائے گا۔ اور اگر تھوڑا سا سر اٹھایا کہ سجدے سے زیادہ قریب ہے تو گویا کہ اسنے سر نہیں اٹھایا، اسلئے اگر اب دوسرا سجدہ کرے گا تو دوسرا سجدہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۳) پس جب اطمینان سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہے۔

ترجمہ : ۱؎ اور اسکو میں نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : دوسرے سجدے میں بھی اطمینان سے بیٹھے اور تکبیر کہتے ہوئے اس سے کھڑا ہو جائے۔

وجہ دوسرے سجدے کی دلیل بہت سی احادیث میں ہے مثلا۔ عن ابي هريرة ان النبي ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلى ... ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالساثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم افعل ذلك في صلوتك كلها (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) اس حدیث میں غلطی کرنے والے صحابی کو دوسرا سجدہ کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔ اس لئے دوسرا سجدہ بھی فرض ہے جس طرح پہلا سجدہ فرض ہے۔

ترجمہ : (۲۹۴) اور دونوں قدموں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور بیٹھے نہیں اور نہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا

۱ وقال الشافعیؒ یجلس جلسة خفیفة ثم ینهض معتمدا علی الارض لان النبی علیہ السلام فعل ذلک

سہارا لے۔

تشریح : سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت درمیان میں جلسۂ استراحت نہ کرے اور نہ زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔

وجہ : (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے عن ابی ھریرة قال کان النبی ﷺ ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه (ترمذی شریف، باب منہ ایضا (کیف النھوض من السجود) ص ۶۴ نمبر ۲۸۸ رسنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۲۷۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ بیٹھتے نہیں بلکہ پاؤں کے بل کھڑے ہو جاتے (۲) عن ابن عمر قال: نھی رسول اللہ ﷺ ....وقال ابن عبد الملک: نھی أن یعتمد الرجل علی یدیہ اذا نھض فی الصلوۃ۔ (ابوداود شریف، باب کراھیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ، ص ۱۵۱، نمبر ۹۹۲) اس حدیث میں تو اٹھتے وقت ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے۔ (۳) أنه حدیث محمد بن جحادة: اذا نهض نهض علی رکبتیه و اعتمد علی فخذیه۔ (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (۴) فحدثت به عطیة العوفی فقال رأیت ابن عمر، و ابن عباس، و ابن الزبیر، و أبا سعید الخدریؓ یقومون علی صدور أقدامهم فی الصلوة۔ (سنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۲۷۶۳ رمصنف عبد الرزاق، باب کیف النھوض من السجدۃ الآخرۃ ومن الرکعۃ الاولی والثانیۃ، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۲۹۶۷) اس اثر میں ہے کہ یہ صحابہ دوسری رکعت کے لئے اپنے قدموں پر زور دیکر اٹھتے تھے۔

فائدة :**ترجمه**: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر تک بیٹھے پھر زمین پر ٹیک لگا کر اٹھے، اسلئے کہ حضورؐ ایسا کرتے تھے۔

تشریح : جب دو سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو فورا کھڑا نہ ہو جائے بلکہ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے جسکو جلسہ استراحت کہتے ہیں، اسکے بعد ہاتھ سے زمین پر ٹیکے اور ٹیک کر اٹھے۔ یہ امام شافعیؒ کے یہاں سنت ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ اخبرنی مالک بن الحویرث اللیثی انه رأی النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی قاعدا (بخاری شریف، من استوی قاعدا فی وتر من صلوتہ ثم نھض ص ۱۱۳ نمبر ۸۲۳ رترمذی شریف، باب کیف النھوض من السجود ص ۶۴ نمبر ۲۸۷) (۲) جاء نا مالک بن الحویرث ... واذا رفع رأسه عن السجدة الثانیة جلس واعتمد علی الارض ثم قام۔ (بخاری شریف، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ

۲ ولنا حديث ابی هريرةؓ ان النبی ﷺ كان ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه ۳ ومارواه محمول علیٰ حالة الكبر ۴ ولان هذه قعدة استراحة والصلوة ماوضعت لها (۲۹۵) ويفعل فی الركعة الثانية مثل مافعل فی الركعة الاولیٰ لانه تكرار الاركان الا انه لايستفتح ولا يتعوذ ۱ لانهما لم يشرعا الا مرة واحدة

ص۱۴۱ نمبر ۸۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت سنت ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث ہے، کہ نبی علیہ السلام نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

تشریح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے جو اوپر گزر گئی۔ **عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه** (ترمذی شریف نمبر ۲۸۸ رسنن للبیھقی ،نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں ہے کہ پنجوں کے بل کھڑا ہوتے تھے۔

ترجمہ: ۳ جو حدیث امام شافعیؒ نے بیان کیا وہ بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ کہ جو حدیث امام شافعیؒ نے روایت کی ہے وہ بڑھاپے کی حالت میں کی ہے کہ جب بوڑھے ہوگئے تو جلسہ استراحت بھی کی ہے اور زمین پر ہاتھ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے ہیں، ورنہ جوانی میں پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۴ اور اسلئے بھی کہ یہ جلسہ استراحت ہے، اور نماز اسکے لئے نہیں ہے۔

تشریح: نماز مشقت اٹھانے کی چیز ہے تاکہ ثواب زیادہ ملے، یہ آرام کی چیز نہیں ہے، اسلئے جلسہ استراحت سنت نہیں ہونا چاہئے۔ تاہم کوئی جلسۂ استراحت کرے گا تو سجدۂ سہولازم نہیں ہوگا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے۔

لغت: صدور قدمیہ : قدم کے اوپر کا حصہ جس کے بل پر آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ جلسہ خفیفہ: ہلکا سا بیٹھنا۔ ینھض : سیدھا کھڑا ہو

ترجمہ: (۲۹۵) دوسری رکعت میں وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا جاتا ہے اسلئے کہ ارکان کا تکرار ہے۔ مگر یہ کہ ثنا نہ پڑھے اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

تشریح: دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ہے اسلئے جو جو باتیں پہلی رکعت میں کرتے ہیں وہی دوسری رکعت میں کرے، البتہ دوسری رکعت میں سبحانک الخ ،اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ،نہ پڑھے اسلئے کہ یہ پوری نماز میں ایک ہی مرتبہ مشروع ہیں۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ سبحانک ،اور اعوذ باللہ نماز میں ایک ہی مرتبہ مشروع ہیں۔

وجہ: ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح اعوذ باللہ بھی پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں یہ دونوں نہ پڑھے۔

(۲۹۶) ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی ﴾

نوٹ : دوسری رکعت میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے گا۔ کیونکہ قرأت سے پہلے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا مسنون ہے۔(۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم (ترمذی شریف، باب من رأی الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص نمبر ۲۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے (۲) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم الحمد لله فأقرء وا , بسم الله الرحمن الرحیم ، انها ام القرآن و أم الکتاب و السبع المثانی ، و بسم الله الرحمن الرحیم احداها ۔(دار قطنی باب وجوب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوۃ، ج اول، ص ۳۱۰ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں تاکید ہے کہ جب جب الحمد پڑھے تو بسم اللہ پڑھے اسلئے بسم اللہ ہر رکعت میں آہستہ پڑھے۔

ترجمہ : (۲۹۶) ہاتھ نہیں اٹھائے گا مگر تکبیر اولی کے وقت۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک تکبیر اولی کے علاوہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ دوسری رکعت شروع کرتے وقت۔

ترجمہ : (۱) اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کی نگاہ آیت قوموا لله قانتین (آیت ۲۳۸، سورۃ البقرۃ) کی طرف گئی ہے، کہ نماز میں سکون سے کھڑے رہوا ور بار بار ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے۔ اس لئے اس احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (۲) قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة .(ترمذی شریف، باب ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۷) (۳) عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلو ة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود . (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹ر نسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصۃ فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (۴) عن جابر بن سمرة قال: خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس؟ اسکنوا فی الصلوة (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید ص ۱۸۱ نمبر ۹۶۸/۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون اور اطمینان مطلوب ہے۔ اور بار بار ہاتھ اٹھانے میں سکون نہیں ہے۔ اس لئے بھی رفع یدین نہیں ہونا چاہئے (۵) عن علقمة عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و مع عمر فلم یرفع ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة (دارقطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین الخ، ج اول، ص ۲۹۶ نمبر ۱۱۲۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ، ج اول

۱ؔ خلافا للشافعیؒ فی الرکوع ۲ؔ وفی الرفع منه لقوله علیه السلام لاترفع الایدی الافی سبع مواطن: تکبیرۃالافتتاح، وتکبیرۃ القنوت، وتکبیرات العیدین، وذکرالاربع فی الحج

، ص ۵۰، نمبر ۲۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ : **ترجمہ**: ۱ؔ خلاف امام شافعیؒ کے رکوع کے بارے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔(موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب رفع الیدین فی التکبیر ۃ فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۳۶، نمبر ۱۲۹۶) اس باب میں رکوع وغیرہ میں رفع یدین کی پوری تفصیل ہے۔

وجه: (۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه، وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ،و یفعل ذلک اذا رفع رأسه من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمده ولا یفعل ذلک فی السجود (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبرواذارکع واذارفع ص ۱۰۲ نمبر ۷۳۶ رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذوالمنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانه لایفعله اذارفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

امام شافعیؒ دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ ... واذا قام من الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلک ابن عمر الی النبی ﷺ (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ص ۱۰۲، ۷۳۹) اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری رکعت شروع کرتے وقت بھی رفع یدین ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

ترجمه: ۲ؔ رکوع میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے حضور علیہ السلام کا قول، ہاتھ مت اٹھاؤ مگر سات جگہوں میں [۱] نماز شروع کرتے وقت تکبیر کے وقت، [۲] دعاء قنوت کے وقت تکبیر کے وقت [۳] عیدین میں تکبیر زوائد کے وقت، [۴] اور چار جگہ ہاتھ اٹھانا ہے حج میں۔

تشریح : رکوع کی تکبیر کہتے وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا اسکی دلیل یہ حدیث بھی ہے صرف سات جگہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا باقی کے وقت نہیں۔اس حدیث میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا نہیں ہے اسلئے یہاں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔اثر یہ ہے(سنن بیھقی میں یہ مرفوع حدیث ہے لیکن صرف سات کی قید نہیں ہے)۔

عن ابن عباس قال : لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن : [اذا قام الی الصلوۃ [۲] و اذا رأی البیت [۳] و

۳؎ والذی یروی من الرفع محمول علی الابتداء کذا نقل عن ابن الزبیرؓ (۲۹۷) واذا رفع رأسه من السجدة الثانية فی الرکعة الثانية افترش رجله اليسریٰ فجلس عليها ونصب اليمنى نصبا ووجَّه اصابعه نحو القبلة۞

علی الصفا [۴] و المروة [۵] و فی عرفات [۶] و فی جمع [۷] و عند الجمار ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۵ من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرة ثم لا یعود، ج اول، ص ۲۱۴، نمبر ۲۴۵۰ رسنن بیہقی، باب رفع الیدین اذا رأی البیت، ج خامس، ص ۱۱۷، نمبر ۹۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ سات جگہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا۔ جس میں رکوع نہیں ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہاتھ اٹھانیکی جو روایت کی گئی ہے وہ ابتداء اسلام پر محمول کی گئی ہے۔ عبداللہ ابن زبیر سے ایسے ہی نقل کیا گیا ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ انہوں نے جو حدیث پیش کی جس میں تھا کہ حضورؐ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ کہ یہ حدیث شروع میں تھی بعد میں اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ عبداللہ ابن زبیر سے منقول ہے۔ یہ اثر مجھے نہیں ملا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کی حدیث کی بنا پر حنفیہ کے یہاں رکوع وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۹۷) پس جبکہ سر دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔ اور انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ رکھے۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک دونوں تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا۔ اور اس درمیان پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ رکھے۔

وجہ : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱) فقال ابو حمید الساعدی.... فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله اليسری و نصب اليمنى واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله اليسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته ۔(بخاری شریف، باب سنة الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ رمسلم شریف، باب ما یجمع صفة الصلوة وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸ر۱۱۱۰) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے (۲) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله اليسری ووضع یده اليسری یعنی علی فخذه اليسری ونصب رجله اليمنى ۔(ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔ اور دوسری حدیث میں قعدۂ اولی اور قعدۂ اخیرہ کی بھی قید نہیں ہے۔ اس لئے دونوں قعدہ میں حنفیہ کے نزدیک ایک طرح بیٹھنا مسنون ہے۔ (۳) اس حدیث میں

اھکذا وصفت عائشةؓ قعود رسول اللہ ﷺ فی الصلوة (۲۹۸) ووضع یدیه علیٰ فخذیه وبسط اصابعه وتشهد ﴾ ا یروی ذٰلک فی حدیث وائلؓ

تورک سے روکا ہے۔ عن انسؓ بن مالک : ان رسول اللہ ﷺ نهی عن الاقعاء و التورک فی الصلوة .(مسند احمد، مسند انس بن مالک، ج رابع، ص ۱۱۲، نمبر ۱۳۰۲۵) اس حدیث میں تورک سے منع فرمایا ہے اسلئے حنفیہ کے یہاں تورک مسنون نہیں ہے۔

فائدہ: امام مالکؒ کے نزدیک آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔ تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں پیچھے کر دے اور مقعد پر بیٹھے۔ ان کی دلیل بخاری والی اوپر کی حدیث ہے (۱) حدیث میں ہے فقال ابو حمید الساعدی.... واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته۔ (بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸) (۲) حتی اذا کانت السجدة التی فیها التسلیم اخر رجله الیسری وقعد متورکا علی شقه الایسر (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ ص ۱۴۵ نمبر ۹۶۳ رمسلم شریف، باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۵۷۹/۱۳۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

ترجمہ: ا اس طرح حضرت عائشہؓ نے نماز میں حضورؐ کے بیٹھنے کو ذکر فرمایا۔

تشریح : اوپر کے متن میں دو باتیں تھیں [۱] ایک تو دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا، اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی [۲] اور دوسری بات تھی کہ بیٹھنے کی حالت میں انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ کرنا۔ اسکے لئے (۱) حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر قال من سنة الصلوة ان تنصب القدم الیمنی استقباله باصابعها القبلة والجلوس علی الیسری (نسائی شریف، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلۃ عند القعو دللتشہد، ص ۱۶۱، نمبر ۱۱۵۹) (۲) واقبل بصدرة الیمنی علی قبلته (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ، نمبر ۹۶۷) اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھتے وقت پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ترجمہ : (۲۹۸) اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیوں کو پھیلائے اور تشہد پڑھے۔

ترجمہ: ا حضرت وائل ابن حجر سے ایسی روایت ہے۔

تشریح : دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھے یہ تو متفق علیہ ہے، البتہ ہاتھ کی تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھے یا انگوٹھے اور ابہام سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ اس بارے میں صاحب ھدایہ یہ فرماتے ہیں کہ تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھے تا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ پچھلی کئی حدیثوں میں آیا کہ انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا چاہئے۔ لیکن حنفیہ دونوں حدیثوں پر

۲ولان فيه توجيه اصابع يديه الى القبلة

عمل کرتے ہیں کہ ہاتھ کی دس انگلیوں میں سے سات انگلیوں کو قبلے کی طرف پھیلا کر رکھتے ہیں، اور انگوٹھے اور ابہام سے حلقہ بناتے ہیں اور شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، تا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اسکے لئے یہ حدیث ہے۔

وجه : (۱) دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور سات انگلیوں کو پھیلا کر رکھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر : ان رسول الله ﷺ كان اذا جلس فى الصلوة وضع يديه على ركبتيه و رفع أصبعه التى تلى الابهام فدعا بها ، و يده اليسرى على ركبته باسطها عليها** ۔ (نسائی شریف، باب بسط الیسری علی الرکبۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۱۲۷۰ر مسلم شریف، باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ، وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین، ۲۱۷، نمبر ۱۳۰۹/۵۸۰) اس حدیث میں ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلی پھیلائی۔ (۲) ہاتھوں کی انگلیوں کو رانوں پر رکھنے کی دلیل اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا کر اشارہ کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ صاحب ھدایہ نے بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **عن وائل بن حجر قال ... ثم جلس فافترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى وحد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى وقبض ثنتين و حلق حلقة ورأيته يقول هكذا وحلق بشر الابهام والوسطى واشار بالسبابة** (ابوداؤد شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص ۱۴۵ نمبر ۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ انگوٹھے اور درمیان کی انگلی سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے (۳) **عاصم بن كليب الجرمى عن ابيه عن جده قال دخلت على النبى ﷺ وهو يصلى وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه وبسط السبابة** (ترمذی شریف، باب ابواب الدعاء ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۳۵۸۷ ابواب المناقب سے دوصفحے پہلے ہے ر نسائی شریف، باب قبض الثنتين من اصابع اليد اليمنى وعقد الوسطى ص ۱۴۲ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث میں بھی ہے کہ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے۔

ترجمه: ۲ اور اسلئے کہ اس میں انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ کرنا ہے۔

تشريح : یہ جملہ اس بات کی دلیل عقلی ہے کہ انگلیوں کو رانوں پر اس طرح رکھیں کہ انگلیوں کا سرا قبلے کی طرف متوجہ رہے، گھٹنوں کو پکڑ کر اس طرح نہ رکھیں کہ انگلیاں زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں، ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ کر رکھے، اس صورت میں انگلیاں زمین کی طرف ہو جائیں گی، حدیث یہ ہے۔ **عامر بن عبد الله بن زبير عن ابيه : أنه رأى النبى ﷺ يدعو كذالك ، يتحامل بيده اليسرى على رجله اليسرى** . (نسائی شریف، باب بسط الیسری علی الرکبۃ، ص ۱۷۷، نمبر ۱۲۷۱) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ کر رکھے، اس صورت میں انگلیاں زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں گی۔

(۲۹۹) وان كانت امرأة جلست علىٰ اليتها اليسرى واخرجت رجليها من الجانب الايمن﴾ ل لانه استرلها(۳۰۰) والتشهد التحيات لِلّٰه والصلوات والطيبات السلام عليک ايها النبی الیٰ اٰخره﴾
ل وهذا تشهد عبداللّٰه بن مسعودؓ فانه قال اخذ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وعلى اله وسلم بيدى وعلّمنى التشهد كما كان يعلّمنى سورة من القراٰن وقال :قل: التحيات للّٰهِ الٰى اٰخره، والاخذ بهٰذا

مصنف نے اسکی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ باقی انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ ہوں۔۔تشہد پڑھنے کی دلیل آگے ہے۔

ترجمہ : (۲۹۹)اوراگرعورت ہوتو وہ بائیں سرین پر بیٹھےاوراپنے پاؤں کودائیں جانب نکال دے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ یہ اسکے لئے زیادہ ستر کی چیز ہے۔

تشریح : عورت سکڑ کر بیٹھے گی تو یہ اسکے لئے زیادہ ستر کی چیز ہےاس لئے وہ تورک کر کے بیٹھے۔اورتورک کی شکل یہی ہے کہ دونوں پاؤں کو پنڈلی کے نیچے سے دائیں جانب نکال دے،اور بائیں سرین پر بیٹھ جائے۔

وجہ : اوپرامام مالکؒ نے مرد کے بارے میں حدیث پیش کی تھی کہ تورک کرے ،حنفیہ اسکوعورتوں کے بارے میں مناسب سمجھتے ہیں۔حدیث یہ ہے۔فقال ابو حميد الساعدى....واذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته ۔(بخاری شریف،باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص۱۴نمبر۸۲۸)(۲)حتى اذا كانت السجدة التى فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر. (ابوداؤد شریف،باب من ذکر التورک فی الرابعۃ ص ۱۴۵ نمبر۹۶۳ رمسلم شریف ، باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر۱۳۰۷/۵۷۹)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں عورت کے لئے تورک مسنون ہے۔(۳)اثر میں ہے۔قلت لعطاء تجلس المرأة فى مثنا على شقها الايسر ؟ قال : نعم ، قلت : هو احب اليک من الايمن ؟ قال : نعم ،قال: تجتمع جالسة ما استطاعت ، قلت : تجلس جلوس الرجل فى مثنا أو تخرج رجلها اليسرى من تحت اليتها ؟ قال : لا يضرها أى ذالک جلست اذا اجتمعت ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۴فی المرأۃ کیف تجلس فی الصلوۃ،ج اول،ص ۲۴۳،نمبر۲۷۹۱) اس اثر میں ہے کہ عورت بائیں جانب بیٹھے گی ،اسلئے کہ اس میں اسکوآسانی بھی ہےاورسہولت بھی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰) اورتشہد:التحيات لله و الصلوات و الطيبات السلام عليک ايها النبى .الى آخره، ہے۔

ترجمہ: ل یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا تشہد ہے،اسلئے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا،اور مجھے اس طرح تشہد سکھلایا جس طرح مجھے قرآن کی سورت سکھلاتے تھے،اورفرمایا کہ کہو۔التحیات للہ،الی آخرہ۔ اوراس عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو لینا بہتر ہے عبداللہ ابن عباس کے تشہد لینے سے ۔

اولی من الاخذ بتشهد ابن عباسؓ ۲؎ وھو قولہ: التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للّٰہ سلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ سلام علینا الیٰ اٰخرہ

تشریح : حنفیہ کے یہاں حضرت عبداللہؓ ابن مسعود والا تحیات پڑھنا بہتر ہے، اسکی یہ وجہ ہیں [۱] اس میں امر کا صیغہ ہے جو کم سے کم استحباب پر دلالت کرتا ہے۔[۲] السلام علیک، میں الف لام ہے جو استغراق پر دلالت کرتا ہے۔[۳] جس طرح سورت سکھلاتے تھے اس طرح تشہد سکھلایا جس سے اسکی اہمیت کا پتہ چلا [۴] پھر ہاتھ پکڑ کر سکھلایا جس سے اور بھی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اسلئے یہ تشہد پڑھنا بہتر ہے۔

وجہ: یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔صاحب ھدایہ کی حدیث بھی یہی ہے۔ **قال عبد اللہ بن مسعود کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علی جبرائیل ومکائیل السلام علی فلان وفلان فالتفت الینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ ھو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل الیتحیات للہ ، و الصلوات و الطیبات ، السلام علیک أیھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ ، السلام علینا ، و علی عباداللہ الصالحین . الخ** ۔(بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ /مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۲/ ۸۹۷/ابوداود شریف، باب التشہد، ص ۱۴۷، نمبر ۹۶۸) اس حدیث میں , **فلیقل** ،امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبداللہ ابن مسعود کا تشہد ہمارے یہاں زیادہ بہتر ہے۔

(۲) مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے ۔ **سمعت ابن مسعود یقول علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد کفی بین کفیہ کما علمنی السورۃ من القرآن** (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۲/ ۹۰۱/ترمذی شریف، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۸۹ /نسائی شریف، باب تعلیم التشہد کتعلیم السورۃ، ص ۱۷۸، نمبر ۱۲۷۹) اس حدیث سے اور زیادہ اہمیت ہوگئی ۔کیونکہ جس طرح قرآن سکھاتے تھے اس طرح عبداللہ بن مسعود کو حضورؐ نے تشہد سکھایا۔ پھر عبدابن مسعودؓ کا ہاتھ حضورؐ کے ہاتھ میں تھا جس سے اور اہمیت ہوئی۔ اس لئے ہمارے یہاں یہی تشہد بہتر ہے۔

فائدہ : **ترجمہ:** ۲؎ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا تشہد یہ ہے۔ **التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ ، السلام علیک أیھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا .الی آخرہ .**

تشریح :امام شافعیؒ کے یہاں عبداللہ بن عباس کا تشہد بہتر ہے۔حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلمنا القرآن، فکان یقول: التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ ،سلام علیک أیھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ،سلام علینا و علی عباداللہ الصالحین ، اشھد أن لا الہ الا اللہ و**

۳؎ لان فيه الامر واقله الاستحباب و الألف و اللام وهما للاستغراق وزيادة الواو وهى لتجديد الكلام كما فى القسم وتاكيد التعليم (۳۰۱) ولا يزيد علىٰ هذا فى القعدة الاولىٰ﴾

أشهد ان محمدا رسول الله . (رترمذی شریف، باب منہ، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۰ رنسائی شریف ،نوع آخر من التشہد ،ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۵) اس حدیث میں ,سلام علیک، بغیر الف لام کے ہے، اسلئے وہ استغراق کے لئے نہیں ہوگا۔(۲) لیکن عبد اللہ ابن عباس کی حدیث جو مسلم شریف میں ہے اس میں ,السلام، الف لام کے ساتھ ہے، جو استغراق کے لئے ہو جائے گا اور سلام میں تمام لوگوں کو گھیر لیگا۔حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس انه قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن فكان يقول: التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله ، السلام عليك أيها النبى و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين ، اشهد أن لا اله الا الله و أشهد ان محمدا رسول الله . (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۳/۹۰۲ رابوداود شریف، باب التشہد ،ص ۱۴۸، نمبر ۹۷۴) اس حدیث سے ان کے یہاں عبد اللہ بن عباسؓ والا تشہد مسنون ہے۔

ترجمہ : ۳؎ [۱] اسلئے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کے تحیات میں ,فلیقل ,امر کا صیغہ ہے، اور امر کا کم سے کم درجہ استحباب کا ہے۔[۲] اور ,السلام علیک، میں الف لام دونوں استغراق کے لئے ہیں ۔[۳] اور ,والصلوات میں واو کی زیادتی ہے جو بات کو نیا کرنے کے لئے ہے۔جیسے کہ قسم میں نیا کرنے لئے ہوتا ہے[۴] اور اس تشہد کے تعلیم کی تاکید ہے۔

تشریح : حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا تشہد پڑھنا افضل ہے اسکے لئے مصنف چار وجہ بیان کر رہے ہیں جو پہلے بھی گزر چکی ہیں۔[۱] پہلی وجہ یہ ہے کہ اس تشہد میں امر کا صیغہ ,فلیقل ، جو کم سے کم استحباب دلالت کرتا ہے۔[۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ عبد اللہ ابن عباس کی ترمذی والی حدیث میں ,سلام علیک، بغیر الف لام کے ہے اسلئے یہ تمام کو گھیرنے پر دلالت نہیں کرے گا جبکہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ,السلام علیک، الف لام کے ساتھ ہے جو تمام کو گھیرنے پر دلالت کرے گا اسلئے یہ بہتر ہے۔۔لیکن عبد اللہ ابن عباسؓ کا تشہد جو مسلم شریف میں ہے اس میں ,السلام علیک، الف لام کے ساتھ ہے اسلئے اس تشہد میں یہ علت نہیں چلے گی ۔[۳] عبد اللہ ابن مسعود کے تشہد میں ,والصلوات، واو کے ساتھ ہے جس سے کلام الگ ہو جاتا ہے، اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے تشہد ,الصلوات ،بغیر واو کے جو کلام کو نیا نہیں کرتا۔[۴] اور حضورؐ نے اس تشہد کے سیکھنے پر تاکید کی اسلئے بھی یہ تشہد افضل ہے۔

نوٹ : تشہد پڑھنا واجب ہے چاہے کوئی بھی تشہد ہو۔کیونکہ اوپر کی حدیث میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی طرح سکھانے سے بھی تاکید ہوتی ہے۔

ترجمہ :(۳۰۱) قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

لِ لقول ابن مسعودؓ : علّمنی رسول اللہ ﷺ التشهد فی وسط الصلوٰۃ وآخرها، فاذا کان وسط الصلوٰۃ نهض اذا فرغ من التشهد واذا کان آخر الصلوٰۃ دعا لنفسه بما شاء

ترجمہ: لِ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ حضورؐ نے مجھکو تشہد وسط نماز میں سکھایا اور آخر نماز میں بھی، پس جب درمیان نماز میں ہو تو تشہد سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو جاؤ، اور جب آخر نماز ہو تو جو چاہے اپنے لئے دعا کرے۔

تشریح :اگر چار رکعت والی نماز ہو تو قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ درود شریف وغیرہ نہ پڑھے اتنا ہی پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن مسعود قال : علمنی رسول الله ﷺ التشهد فی وسط الصلوة و فی آخرها ....قال : ثم ان کان فی وسط الصلوة نهض حین فرغ من تشهده ، و ان کان فی آخرها دعا بعد تشهده بما شاء أن یدعو ، ثم یسلم ۔(مسند احمد، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج ثانی، ص ۴۴، نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث میں ہے کہ قعد اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔(۲) عن عبد الله بن مسعود قال کان النبی ﷺ فی الرکعتین کانه علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذلک یرید (نسائی شریف، باب التخفیف فی التشهد الاول، ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۷/ ابو داؤد شریف، باب فی تخفیف القعود ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ قعدۂ اولی میں اتنی جلدی اٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک قعدۂ اولی میں بھی تشہد کے بعد درود پڑھے گا۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔و التشهد و الصلوة علی النبی ﷺ فی التشهد الاول فی کل صلوة . غیر. الصبح تشهدان ، تشهد اول ، و تشهد آخر، ان ترک التشهد الاول ، و الصلوة علی النبی ﷺ فی التشهد الاول ساهیا ، لا اعادة علیه ، و علیه سجدتا السهو لترکه ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب التشهد والصلوۃ علی النبی ﷺ، ج ثانی، ص ۱۹۳، نمبر ۱۴۵۶) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پہلے تشہد میں بھی درود شریف واجب ہے۔

وجہ : ان کی دلیل وہ آیت اور احادیث ہیں جن میں تشہد کے بعد درود شریف کی فضیلت آئی ہے۔(۱) دلیل یہ آیت ہے۔ ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما. (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن کعب بن عجرة .... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللهم صلی علی محمد الخ. (مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشهد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶/ ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشهد ص ۱۴۷ نمبر

(۳۰۲) ويقرأ في الركعتين الاخريين بفاتحة الكتاب وحدها ﴾ ۱ لحديث ابى قتادةؓ ان النبى عليه السلام قرأ فى الاخريين بفاتحة الكتاب

۹۷۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے (۳) عن سهل بن سعد ان النبى ﷺ قال لا صلوة لمن يصل على نبيه ﷺ . (دار قطنی، باب ذکر وجوب الصلوۃ علی النبی فی التشھد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے۔اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے تشھد کے بعد بھی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

ترجمہ:(۳۰۲) اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا خاص طور پر۔

ترجمہ: ۱ حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث کی وجہ سے، کہ نبی علیہ السلام دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

تشریح : ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اس لئے سورۂ فاتحہ پڑھے تو یہ بہتر ہے۔اور تسبیح پڑھے وہ بھی ٹھیک ہے۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن ابى قتادة عن ابيه ان النبى ﷺ كان يقرأ فى الظهر فى الاوليين بام الكتاب وسورتين و فى الركعتين الاخريين بام الكتاب ويسمعنا الآية و يطول فى الركعة الاولى ما لا يطيل فى الركعة الثانية وهكذا فى العصر ۔(بخاری شریف، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القرأۃ فی الظھر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱/۱۰۱۲ رابو داود شریف، باب القرأت فی الظھر ،ص ۱۲۴، نمبر ۷۹۸) اس حدیث میں ہے کہ فرض کی دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے (۲)جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شكوك فى كل شىء حتى الصلوة قال اما انا فامد فى الاوليين واحذف فى الآخرين ولا آلو ما اقتديت به من صلوة رسول الله قال صدقت ذاک الظن بک ۔(بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الآخرین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ رمسلم شریف، باب القرأۃ فی الظھر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳/۱۰۱۸) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔اور دوسری حدیث میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اختصار کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔اس لئے دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک بعض روایت میں واجب ہے اور بعض روایت میں مستحب ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے(۱)اوپر کی حدیث کی بنا پر(۲)اور ,لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب، کی حدیث کی بنا پر حوالہ گزر چکا ہے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔و فى الأخريين أم القرآن و آية ، و ما زاد كان احب الى ما لم يكن اما ما فيثقل عليه ۔(موسوعۃ، امام شافعیؒ، باب القراءۃ ام القرآن، ج ثانی، ص ۱۶۲، نمبر ۱۳۷۹) اس عبارت میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اور ایک آیت بھی پڑھنا ضروری ہے، اس سے زیادہ

۲؎ وهذا بيان الافضل هو الصحيح لان القراءة فرض فی الرکعتين علی ماياتيک من بعد ان شاء الله
(۳۰۳) وجلس فی الاخيرة کما جلس فی الاولیٰ ﴾ ۱؎ لما روينا من حديث وائل وعائشة

پڑھے تو بہتر ہے۔

ترجمه: ۲؎ یہ افضل کا بیان ہے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ قرأت پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے۔۔ اسکی بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

تشریح : فرض کی دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا افضل ہے صحیح روایت یہی ہے، چنانچہ اگر کسی نے سورہ فاتحہ چھوڑ دی تو سجدہ سہولازم نہیں ہوگا۔ عن علی و عبد الله أنهما قالا : اقرأ فی الاولیین و سبح فی الاخریین۔ (مصنف ابن شیبة ،نمبر ۳۷۴۲)

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلی ہی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، دوسری دو رکعتوں میں فرض نہیں ہے اور نہ واجب ہے، اسکی بحث آگے آئے گی۔ حضرت حسن ابن زیاد نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دوسری روایت کی ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں بھی قرأت کرنا واجب ہے۔

ترجمه: (۳۰۳) آخری قعدہ میں ایسے ہی بیٹھے جیسے پہلے قعدہ میں بیٹھے تھے۔

تشریح قعدۂ اولی میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں بھی بیٹھے گا۔ تورک نہیں کرے گا۔

ترجمه: ۱؎ کیونکہ حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت عائشہؓ سے میں نے روایت پیش کی ہے۔ (۱) حدیث یہ ہے۔ فقال ابو حميد الساعدی.... فاذا جلس فی الرکعتين جلس علی رجله اليسری و نصب اليمنی واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله اليسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته۔ (بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸/ مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸/۱۱۱۰) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے (۲) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنی للتشهد افترش رجله اليسری ووضع يده اليسری يعنی علی فخذه اليسری ونصب رجله اليمنی۔ (ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔

۲؎ ولانها اشق على البدن فكان اولیٰ من التورک الذی یمیل الیه مالکؒ ۳؎ والذی یروی انه علیه السلام قعد متورکًا ضعفه الطحاویؒ، اویحمل علیٰ حالة الکبر (۳۰۴) ویتشهد ﴾

ترجمہ: ۲؎ اوراسلئے کہ یہ بیٹھنابدن پر بھاری ہےاسلئے یہ تورک سے زیادہ اولی ہوگا،جسکی طرف حضرت مالکؒ مائل ہوئے ہیں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ بائیں پاؤں بچھا کراس پر بیٹھےاوردائیں پاؤں کھڑارکھےاس میں تورک کی بنسبت مشقت زیادہ ہےاور نماز مشقت ہی کے لئے ہے کہ جتنی مشقت ہوگی اتنا ثواب زیادہ ہوگااس لئے یہ بیٹھنااولی ہوگا،اورامام مالکؒ نے جوتورک اختیارکیاوہ اولی نہیں ہوگا،تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں جانب ڈال دےاور بائیں سرین پر بیٹھ جائے۔

ترجمہ: ۳؎ اوروہ جوروایت کی ہے کہ حضورؐمتورک بیٹھے تھے،حضرت امام طحاویؒ نے اسکوکمزورقراردیاہے،یابڑھاپے کی حالت پرمحمول کیاجائے گا۔

تشریح: حضورؐتورک بیٹھے تھے،حدیث یہ ہے(۱) **فقال ابو حمید الساعدی....واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته** ۔(بخاری شریف،باب سنۃ الجلوس فی التشہدص۱۱۴نمبر۸۲۸)(۲) **حتی اذا کانت السجدة التی فیها التسلیم اخر رجله الیسری وقعد متورکا علی شقه الایسر** (ابوداؤد شریف،باب من ذکرالتورک فی الرابعۃص۱۴۵نمبر۹۶۳ رمسلم شریف،باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶نمبر۵۷۹/۱۳۰۷)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام مالکؒ کے یہاں قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔۔ہم اسکادوجواب دیتے ہیں [۱] ایک یہ کہ امام طحاویؒ نے اس حدیث کوکمزورقراردیاہے۔وہ فرماتے ہیں کہ محمدابن عمراس میں غیرمعروف ہے،اور دوسری بات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوحمید ساعدی کی اصل حدیث میں تورک کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اضجع رجلہ الیسری ونصب الیمنی علی صدورقدمیہ کا لفظ ہے،جس سے ہماری تائید ہوتی ہے۔طحاوی کی عبارت یہ ہے۔**فاذا قعد للتشهد اضجع رجله الیسری و نصب الیمنی علی صدور قدمیه و یتشهد .فهذا اصل حدیث ابی حمیدؓ ، هذا لیس فیه ذکر القعود الا علی مثل ما فی حدیث وائل . و الذی رواه محمد بن عمرو فغیر معروف ، و لا متصل عندنا** ۔(طحاوی شریف،باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ھو،ج اول،ص ۱۸۵) اس عبارت میں ہے کہ محمدابن عمروغیرمعروف ہے۔ اسلئے حدیث کمزورہے۔اوراصل حدیث میں یہ ہے کہ بائیں پیرکوبچھاکراس پر بیٹھےاوردائیں کوکھڑارکھے۔[۲] دوسراجواب یہ ہے کہ آپؐ نے بڑھاپے میں ایسا کیا ہے جومجبوری کی وجہ سے ہے ورنہ اصل تونصب الیمنی ہی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴) اورتشہد پڑھے۔

ل وهو واجب عندنا (۳۰۵) وصلی علی النبی علیہ السلام

ترجمه: ل اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

تشریح: قاعدہ آخیرہ میں بیٹھنا یہ تو فرض ہے، لیکن اس میں تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔

وجه: (۱) واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اس تشہد کو کہو فلیقل، جو امر کا صیغہ ہے اور امر کے صیغہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے اسلئے تشہد پڑھنا واجب ہوگا قال عبد الله بن مسعود کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ فقال ان الله هو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات لله ۔ (بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ / مسلم شریف، نمبر ۴۰۲ / ۸۹۷ / ابوداود شریف، باب التشہد، ص ۱۴۷، نمبر ۹۶۸) اس حدیث میں , فلیقل ، امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ تشہد کہہ لو گے تو نماز ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ تشہد واجب ہے ۔حدیث یہ ہے ۔وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تشہد کہہ لو گے تو نماز پوری ہو جائے گی۔جس سے معلوم ہوا کہ واجب ہے۔ (۳) آیت میں اسکا اشارہ ہے کہ تشہد پڑھنا چاہئے کیونکہ اس میں حضورؐ پر سلام ہے۔آیت یہ ہے۔ ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں سلموا تسلیما، سے تشہد پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ تشہد میں سلام ہوتا ہے۔ (۴) اثر میں ہے۔عن عمر بن الخطاب قال: لا تجوز الصلوة الا بتشهد ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب من نسی التشہد، ج ثانی، ص ۲۰۶، نمبر ۳۰۸۰) اس اثر میں ہے کہ بغیر تشہد کے نماز ہی نہیں ہوگی اسلئے تشہد واجب ہوگا۔

ترجمه: (۳۰۵) اور حضورؐ پر درود شریف پڑھے۔

تشریح: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد حضورؐ پر درود شریف پڑھے۔درود پڑھنا سنت ہے اس کو پڑھنا چاہئے لیکن اگر نہیں پڑھے گا تب بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔

وجه: نماز میں درود سنت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن کعب بن عجرة .... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللهم صلی علی محمد الخ ۔ (مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشہد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶ / ابو داؤد شریف، باب الصلوہ علی النبی بعد التشہد ص ۱۴۷ نمبر ۹۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے

اوهو ليس بفريضة عندنا خلافا للشافعیؒ فيهما

۔(۳) انه سمع فضالة ابن عبيد يقول : سمع النبی ﷺ رجلا يدعو فی صلوته فلم يصل علی النبی ﷺ فقال النبی ﷺ : عجل هذا ، ثم دعاه ، فقال له أو لغيره : اذا صلی أحدکم فليبدأ بتحميدالله و الثناء عليه ، ثم ليصل علی النبی ﷺ ثم ليدع بعد ما شاء ۔(ترمذی شریف، باب فی ایجاب الدعاء بتقدیم الحمد والثناء والصلوۃ علی النبی قبلہ، ص ۷۹۴، نمبر ۳۴۷۷)اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھے

ترجمہ: ۱ ہمارے نزدیک نماز میں درود شریف واجب نہیں ہے۔خلاف امام شافعیؒ کے تشہد اور درود شریف دونوں کے بارے میں۔

تشریح: ہمارے نزدیک نماز میں درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہے۔اسکے برخلاف امام شافعیؒ کے نزدیک درود شریف بھی فرض ہے اور تشہد پڑھنا بھی فرض ہے۔

وجہ : (۱) اما شافعیؒ کے یہاں تشہد فرض ہونے دلیل وہ ساری حدیثیں ہیں جن میں اوپر تشہد پڑھنے کی تاکید گزری، جنکی بنا پر حنفیہ کے نزدیک تشہد واجب ہوا (۲)اثر میں ہے۔عن عمر بن الخطاب قال۔: لا تجوز الصلوة الا بتشهد ۔(مصنف عبدالرزاق، باب من نسی التشہد، ج ثانی، ص ۲۰۶، نمبر ۳۰۸۰)اس اثر میں ہے کہ بغیر تشہد کے نماز ہی نہیں ہوگی اسلئے تشہد فرض ہوگا۔(۳)عن ابن مسعود قال : کنا نقول قبل أن يفرض التشهد ، السلام علی الله ، السلام علی جبرئيل و ميکائيل الخ ۔(دارقطنی، باب صفۃ التشہد ووجوبہ، ج اول، ص ۳۴۳، نمبر ۱۳۱۲رسنن بیہقی، باب مبدأ فرض التشہد، ج ثانی، ص ۱۹۸، نمبر ۲۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے یہ کہتے تھے، اسکا مطلب یہ نکلا کہ بعد میں تشہد فرض ہوگیا۔ان دلائل کی وجہ سے امام شافعیؒ کے نزدیک تشہد فرض ہے۔

اور درود شریف فرض ہونے کی دلیل یہ ہے۔(۱) ان الله و ملئکته يصلون علی النبی يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳)اس آیت میں صلوا ،اور سلموا، امر کے صیغے ہیں اسلئے نماز میں تشہد بھی فرض ہوگا اور درود شریف بھی فرض ہوگا(۲) عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ قال لا صلوة لمن يصل علی نبيه ﷺ . (دار قطنی، باب ذکر وجوب الصلوۃ علی النبی فی التشہد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷)اس حدیث میں ہے کہ بغیر درود کے نماز ہی نہیں ہوگی، اسلئے درود شریف فرض ہے۔(۳)اوپر جتنی حدیثیں سنت کے لئے گزریں ان سب سے امام شافعیؒ فرض پر استدلال کرتے ہیں۔۔ایک خاص بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ نہیں ہے اسلئے احادیث میں تاکید آتی ہے تو وہ سیدھے فرض پر لے جاتے ہیں، واجب پر نہیں لاتے۔اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں واجب کا درجہ ہے اسلئے کم تاکید ہو تو وہ واجب

۲ لقوله ؑ :اذا قلت هذا او فعلت فقد تمت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد ۳ والصلوة علی النبی ؑ خارج الصلوة واجبة اما مرة واحدة کما قاله الکرخی او کلما ذکر النبی ؑ کما اختاره الطحاوی فکفینا مؤنة الامر

پر لے جاتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جب تشہد کو کہہ دو، یا کرلو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی، اب کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ، اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ حدیث میں ہے تشہد پڑھ لو یا تشہد کی مقدار بیٹھ جاؤ تو نماز پوری ہوگئی۔اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ کہ اس حدیث سے تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسلئے تشہد پڑھنا فرض نہیں ہوگا اور نہ درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔ (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔**وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد** ۔(ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسلئے نہ تشہد پڑھنا فرض ہوگا اور نہ درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔ (۲) اثر میں ہے کہ تشہد ہی میں درود آ گیا اسلئے الگ سے درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہوگا بلکہ سنت کی ادائیگی ہوگئی۔اثر یہ ہے۔**عن ابراهیم قال : یجزیک التشهد من الصلوة علی النبی ﷺ** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب القول بعد التشہد، ج ثانی، ص ۲۰۸، نمبر ۳۰۸۵) اس اثر میں ہے کہ تشہد میں درود آ گیا، اسلئے الگ سے درود شریف پڑھنا سنت ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور نبی علیہ السلام پر درود نماز سے باہر واجب ہے، یا ایک مرتبہ واجب ہے جیسا کہ امام کرخیؒ نے فرمایا، یا جب جب نبی علیہ السلام کا ذکر ہو، جیسا کہ امام طحاویؒ نے اختیار کیا، اسلئے آیت میں صیغہ امر کی بات ہمیں کافی ہوگئی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال کیا تھا کہ آیت میں صلوا امر کا صیغہ ہے جسکی وجہ سے نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔اسکا جواب یہ ہے کہ نماز میں درود پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ آیت کی بنا پر زندگی میں ایک مرتبہ حضور پر درود شریف پڑھنا فرض ہے۔حضرت امام کرخیؒ نے یہی فرمایا، اسلئے ہر نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہوگا بلکہ سنت ہوگی ۔۔اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جب جب حضورؐ کا نام آئے تو درود شریف پڑھے۔آیت میں ,صیغہ امر، کا تقاضا اتنا ہی ہے اسلئے نماز میں اسکی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

,تکفینا موء نة الامر، کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ حضورؐ پر درود پڑھ لے تو امر کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔

٤والفرض المروی فی التشهد هو التقدير (۳۰۶) قال ودعا بما يشبه الفاظ القرآن والادعية الماثورة ﴾ لما روينا من حديث ابن مسعودؓ قال له النبی علیہ السلام ثم اختر من الدعا اطيبها واعجبها

ترجمه: ٤ اورتشہد کے بارے میں جوفرض کی حدیث روایت کی گئی ہےاسکا معنی تقدیراور متعین کرنے کے ہیں۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کوجواب ہے۔ انہوں نے حدیث پیش کی تھی۔ عن ابن مسعود قال : كنا نقول قبل أن يفرض التشهد ، (دار قطنی ، نمبر۱۳۱۲رسنن بیہقی ، نمبر۲۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے، جسکا یہ مطلب یہ ہوا کہ بعد میں تشہد فرض ہوگیا۔اسکا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں فرض کا معنی فرض کے نہیں ہے، بلکہ تقدیراور متعین کرنے کے ہے اسلئے اس حدیث سے تشہد فرض نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۳۰۶) اورقرآن کے الفاظ کے مشابہ دعا کرے،اوروہ دعائیں جوحدیث میں منقول ہوں وہ دعا کرے۔

ترجمه: ا اسلئے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں میں نے روایت کی، کہ ان سے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پھرایسی دعا منتخب کروجوتمکو پاکیزہ لگےاوراچھی لگے۔

تشریح: درود کے بعدوہ دعا کرے جوقرآن میں ہویااحادیث میں منقول ہو۔کیونکہ حضورؐ نے حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا تھا کہ تشہد پڑھنے کے بعداچھی اور پاکیزہ دعا کریں۔

وجه: (۱)انسانی کلام کی دعا کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔اس لئے ایسی دعا نہ کرے جوانسانی کلام کے مشابہ ہو۔اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔عن معاوية بن الحكم السلمی قال : بينا أنا اصلی مع رسول الله ﷺ ....قال : ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس ، انما هو التسبيح و التكبير و قراء ة القرآن ۔(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ،ص۲۰۳،نمبر۵۳۷/۱۱۹۹)اس حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام الناس نہ کرے۔
(۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله قال اذا كنا مع النبی ﷺ فی الصلوة ... ثم ليتخير من الدعاء اعجبه اليه فيدعو. (بخاری شریف، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد ولیس بواجب ص۱۱۵نمبر۸۳۵رابوداؤدشریف، باب التشہد ص۱۴۶نمبر۹۶۸)(۳)عن عائشة زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ كان يدعو فی الصلوة اللهم انی اعوذبک من عذاب القبر ، الخ ۔(بخاری شریف، باب الدعاء قبل السلام ص۱۱۵نمبر۸۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے حدیث میں منقول دعائیں کرنی چاہئے۔(۴) عن ابراهيم قال : كان يستحب أن يدعو فی المكتوبة بدعاء القرآن .(۵)عن محمد قال : كان يكره أن يدعو فی الصلوة بشیء من أمر الدنيا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۷۳،من کان یستحب أن یدعو فی الفریضۃ بما فی القرآن ، ج اول،ص ۲۶۵،نمبر۳۰۳۴،نمبر۳۰۳۹)اس اثر سے

الیک ۲؎ ویبدأ بالصلوة علی النبی علیہ السلام لیکون اقرب الی الاجابة (۳۰۷) ولا یدعو بمایشبه کلام الناس ﴾ ا؎ تحرزا عن الفساد ولهذا یاتی بالماثور المحفوظ

معلوم ہوا کہ قرآن کے مطابق دعا کرنی چاہئے، اور دنیاوی دعا نہیں کرنی چاہئے۔لیکن یہ مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دعا نبی علیہ السلام پر درود سے شروع کرے تا کہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہو۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ پہلے تشہد پڑھے، پھر درود شریف پڑھے، پھر اپنے لئے دعا کرے۔دعا سے پہلے حضور ﷺ پر درود اسلئے پڑھے تا کہ اسکے صدقے میں دعا قبول ہو جائے۔اسکی ترتیب کے لئے یہ حدیث ہے۔

وجہ : انه سمع فضالة ابن عبيد يقول : سمع النبي ﷺ رجلا يدعو في صلوته فلم يصل على النبي ﷺ فقال النبي ﷺ : عجل هذا ، ثم دعاه ، فقال له أو لغيره : اذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميدالله و الثناء عليه ، ثم ليصل على النبي ﷺ ثم ليدع بعد ما شاء (ترمذی شریف، باب فی ایجاب الدعاء بتقدیم الحمد والثناء و الصلوۃ علی النبی قبلہ،ص ۷۹۴،نمبر ۳۴۷۷ رمستدرک للحاکم، باب التامین، ج اول، ص ۴۰۱، نمبر ۹۸۹) اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھے پھر دعا کرے۔

لغت: الماثورة : جو احادیث میں یا قرآن میں منقول ہوں۔اطیب: طیب سے مشتق ہے، پاکیزہ،اعجب: جو اچھا لگے۔اجابۃ: قبول ہو۔

ترجمہ: (۳۰۷) اور وہ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو۔

ترجمہ: ا؎ فساد سے بچنے کے لئے اسلئے وہ دعا پڑھے جو حدیث میں منقول ہے اور محفوظ ہے۔

تشریح: نماز میں اللہ سے ایسی چیز مانگنا جو عام انسانوں سے مانگی جاتی ہو ایسی دعا نہ کرے، یا جو دعائیں حدیث میں منقول نہ ہوں ایسی دعا بھی نہیں کرنی چاہئے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔اسلئے ایسی دعا نہ کرے ایسی دعا کرے جو حدیث میں منقول ہے۔

وجہ : عن معاوية بن الحكم السلمي قال : بينا أنا اصلى مع رسول الله ﷺ ....قال : ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس ، انما هو التسبيح و التكبير و قراء ة القرآن ۔(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ،ص ۲۰۳،نمبر ۵۳۷ / ۱۱۹۹) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام الناس نہ کرے۔(۲) عن زيد ابن ارقم قال : كنا نتكلم في الصلوة : يكلم الرجل صاحبه و هو الى جنبه في الصلوة ، حتى نزلت ﴿و قوموا لله قانتين ﴾ آیت ۲۳۸ سورة البقرة ۲) فأمرنا بالسكوت ، و نهينا عن الكلام ۔(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی

۲؎ ومالا يستحيل سواله من العباد كقوله اللهم زوجنى فلانة يشبه كلامهم ومايستحيل كقوله اللهم اغفرلى ليس من كلامهم وقوله اللهم ارزقنى من قبيل الاول لاستعمالها فيمابين العباديقال رزق الاميرُالجيش (۳۰۸) ثم يُسلّم عن يمينه فيقول السلام عليكم ورحمة اللّٰه وعن يساره مثل ذٰلك ﴿
۱؎ لماروى ابن مسعودؓ ان النبى ﷺ كان يسلم عن يمينه حتى يرى بياض خده الايمن وعن يساره

الصلوۃ ونسخ الکلام اباحتہ،ص۲۰۳،نمبر۵۳۷/۱۱۹۹/ابوداود شریف، باب النھی عن الکلام فی الصلوۃ،ص۱۴۴،نمبر۹۴۹/ترمذی شریف ، باب فی نسخ اکلام فی الصلوۃ ص۹۲،نمبر۴۰۵) اس حدیث میں ہے کہ کلام کرنا ممنوع ہے اسلئے نماز میں کلام الناس کی دعا کرنے ست نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے ایسی دعا نہ کرے۔

ترجمہ: ۲؎ انسان سے جس چیز کا مانگنا محال نہیں ہے ۔جیسے اے اللہ فلاں سے میری شادی کروادے۔یہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔اور جو انسان سے مانگنا محال ہے۔جیسے ائے اللہ مجھے معاف کردے۔یہ کلام الناس نہیں ہے۔اور ائے اللہ مجھے روزی دے۔اول یعنی کلام الناس کے قبیل سے ہے، اسلئے کہ یہ جملہ بندوں کے درمیان بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں، امیر نے لشکر کو روزی دی۔

تشریح : یہاں سے یہ قاعدہ بتارہے ہیں کہ کس قسم کا جملہ کلام الناس ہے اور کس قسم کا جملہ کلام الناس نہیں ہے۔فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا سوال انسان سے کیا جا سکتا ہے وہ دعا کلام الناس ہے۔مثلا یہ کہے کہ ائے اللہ فلاں سے میری شادی کرادے، یہ کلام الناس ہے، کیونکہ لوگوں سے بھی کہتے ہیں کہ فلاں سے میری شادی کروادے۔اسلئے ایسی دعا نماز میں جائز نہیں ہے۔اور جن چیزوں کا انسان سے مانگنا محال ہے وہ دعا کلام الناس نہیں ہے، مثلا یہ کہے کہ ائے اللہ میری مغفرت کردے، تو یہ کلام الناس نہیں ہے اسلئے مغفرت اللہ کے علاوہ کسی سے مانگی نہیں جاتی۔یہ دعا نماز میں بھی جائز ہے۔اور جو سوال انسان سے بھی کرتے ہیں، اور عموما اللہ سے کرتے ہیں وہ کلام الناس میں ہی شمار کیا جائے گا۔مثلا روزی عموما اللہ سے مانگی جاتی ہے، لیکن کبھی کبھار انسان کے لئے بھی استعمال ہو جاتا ہے تو وہ کلام الناس میں شمار کیا جائے گا۔

لوگ بولتے ہیں کہ امیر نے لشکر کو روزی دی۔اسلئے یہ دعا بھی نماز میں مانگنا اچھا نہیں ہے۔

اصول: جو چیز انسان سے مانگی جاتی ہے وہ کلام الناس ہے اور جو چیز انسان سے نہیں مانگی جاتی وہ کلام الناس نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۸) پھر سلام کرے دائیں جانب اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور سلام کرے بائیں جانب اسی طرح۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام دائیں جانب سلام کرتے یہاں تک کہ آپؐ کا دائیں گال کی سفیدی دیکھی جاتی، اور بائیں جانب سلام کرتے یہاں تک کہ بائیں گال کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔

حتی یری بیاض خده الایسر (۳۰۹) ونوی بالتسلیم الاولیٰ من علیٰ یمینه من الرجال والنساء والحفظة وکذلک فی الثانیة ؎ا **لان الاعمال بالنیات** ؎۲ **ولاینوی النساء فی زماننا ولا من لاشرکة له فی صلاته هو الصحیح لان الخطاب حظُّ الحاضرین**

تشریح: یعنی سلام پھیرتے وقت دونوں جانب منہ اتنا پھیراتے کہ گال کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی ۔

وجه: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱) عن عبد الله ان النبی ﷺ کان یسلم عن یمینه وعن شماله حتی یری بیاض خده، السلام علیکم ورحمة الله ،السلام علیکم ورحمة الله (ابوداؤد شریف، باب فی السلام ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۶ / بخاری شریف، باب التسلیم ص ۱۱۶ نمبر ۸۳۷ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی التسلیم فی الصلوۃ ص ۶۵ نمبر ۲۹۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے اس طرح کہ کنارے والوں کو گال نظر آنے لگے (۲) عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے ۔

ترجمه: (۳۰۹) اور پہلے سلام سے مردوں اور عورتوں میں ان مقتدیوں کی نیت کرے جو امام کے دائیں جانب ہیں، اور حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے ۔ اور ایسے ہی دوسرے سلام میں بائیں والوں کی نیت کرے ۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے ۔ عن جابر بن سمرة .... انما یکفی احدکم أن یضع یده علی فخذه ، ثم یسلم علی أخیه من علی یمینه و شماله ۔ (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید، ص ۱۸۱، نمبر ۴۳۱ / ۹۷۰ / ابوداود شریف، باب فی السلام، ص ۱۵۲، نمبر ۹۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام میں دائیں اور بائیں جانب مقتدی کی نیت کرے ۔

ترجمه: ؎ا اسلئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ۔

تشریح: چونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اسلئے سلام میں مقتدیوں اور فرشتوں کی نیت کرے گا تو انکو ثواب ملے گا ۔

ترجمه: ؎۲ اور ہمارے زمانے میں عورتوں کی نیت نہ کرے، اور نہ اسکی نیت جو نماز میں شریک نہیں ہیں صحیح یہی ہے اسلئے کہ خطاب حاضرین کو ہے ۔

تشریح: یہاں دو باتیں کہی ہے [۱] ایک تو یہ کہ اس زمانے میں سلام کرتے وقت عورتوں کی نیت نہ کرے، اسکی وجہ یہ ہے کہ امام نماز میں عورتوں کیطرف دھیان کو متوجہ کرے یہ اچھا نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں فساد کی وجہ سے عورتوں کو مسجد

(۳۱۰) ولا بد للمقتدى من نية امامه فان كان الامام من الجانب الايمن اوالا يسرنواه فيهم ﴾ ل او ان كان بحذائه نواه فى الاولىٰ عندابى يوسفؒ ترجيحالجانب الايمن

میں جانا ہی نہیں چاہئے اسلئے اسکی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔فساد کی وجہ سے نہ جانے کی حدیث یہ ہے۔ أن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت : لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل . قال يحى : فقلت لعمرة : أمنعت نساء بنى اسرائيل ؟ قالت : نعم . (ابوداود شریف، باب التشدید فی ذالک (ای فی خروج النساء الی المسجد) ،ص ۹۱ ،نمبر ۵۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں عورتوں کو مسجد نہیں جانا چاہئے۔ اسلئے انکی نیت بھی نہ کرے۔[۲] اور دوسری بات یہ ہے کہ السلام علیکم میں خطاب حاضرین کو ہے اسلئے جو جماعت سے غائب ہے اسکی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۱۰) اور مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے امام کی نیت کرے،پس اگر امام دائیں جانب ہیں تو دائیں جانب انکی نیت کرے ، یا بائیں جانب ہیں تو اس میں انکی نیت کرے۔

تشریح : جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدی کی نیت کرے اسی طرح مقتدی سلام پھیرتے وقت اپنے امام کی نیت کرے، پس اگر دائیں جانب ہوں تو دائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے،اور اگر امام اس سے بائیں جانب ہو تو بائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے،اور اگر امام سامنے ہو تو دونوں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے کیونکہ امام گویا کہ دونوں جانب ہیں۔

وجہ : (۱) دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرة بن جندب قال : أمرنا النبى ﷺ أن نرد على الامام، و أن نتحاب، و أن يسلم بعضنا على بعض ۔(ابوداود شریف، باب الرد علی الامام ،ص ۱۵۲، نمبر ۱۰۰۱/ ابن ماجہ شریف، باب رد السلام علی الامام ،ص ۱۳۱، نمبر ۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کو بھی سلام کرنا چاہئے۔(۱) اثر میں ہے۔عن حماد قال : اذا كان الامام عن يمينک فسلمت عن يمينک ، و نويت الامام فى ذالک ، و اذا كان عن يسارک سلمت و نويت الامام فى ذالک ايضاً ، و اذا كان بين يديک فسلمت عليه فى نفسک ، ثم سلمت عن يمينک و عن شمالک ۔(مصنف عبد الرزاق ، باب الرد علی الامام ، ج ثانی ،ص ۲۲۴ ،نمبر ۳۱۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام دائیں جانب ہو تو دائیں جانب اسکی نیت کرے،اور بائیں جانب ہو تو بائیں جانب اسکی نیت کرے۔

ترجمہ: ل اور اگر امام اسکے سامنے ہو تو پہلی مرتبہ سلام کرنے میں اسکی نیت کرے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دائیں جانب کو ترجیح دینے کے لئے

۲؂وعند محمدؒ و هو رواية عن ابى حنيفةؒ نواه فيهما لانه ذوحظ من الجانبين (۳۱۱)والمنفرد ينوى الحفظةلاغير﴾ ۱؂لانه ليسَ معه سواهم (۳۱۲)والامام ينوى بالتسليمتين هو الصيحيح ﴾۱؂ولاينوى فى

تشريح : امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ دائیں جانب کوفضیلت ہے اسلئے دائیں جانب سلام کرتے وقت امام کی نیت کرے۔ دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشه قالت : كان النبى ﷺ يعجبه التيمن فى تنعله ، و ترجله ، و طهوره ، و فى شانه كله۔(بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ،ص۲۹،نمبر۱۶۸)اس حدیث میں ہے کہ تمام چیزوں میں دائیں جانب پسند فرماتے تھے اسلئے دائیں جانب جب سلام کرے تو امام کی نیت کرے۔

ترجمه: ۲؂ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور وہی امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے کہ دونوں جانبوں میں امام کی نیت کرے اسلئے کہ یہ دونوں جانب کے حصے دار ہیں۔

تشريح : امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں جانب سلام کرتے وقت امام کی نیت کرے کیونکہ امام سامنے ہیں اسلئے گویا کہ دونوں جانب پڑ رہے ہیں۔اسلئے دونوں جانب انکی نیت کرے۔

ترجمه: (۳۱۱) اور منفرد صرف حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے۔

ترجمه: ۱؂ اسلئے کہ اسکے ساتھ اسکے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

تشريح : آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں سلاموں میں دونوں طرف حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے،اسلئے کہ, السلام علیکم، میں خطاب حاضرین کو ہے اور اسکے ساتھ فرشتوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اسلئے انہی کی نیت کرے۔

ترجمه: (۳۱۲) اور امام دونوں سلاموں میں مقتدی اور فرشتوں کی نیت کرے۔صحیح یہی ہے۔

تشريح : صحیح یہ ہے کہ امام دونوں سلام کرتے وقت دونوں طرف کے فرشتے کی بھی نیت کرے گا اور مقتدیوں کی بھی نیت کرے گا،اسلئے کہ دونوں طرف فرشتے ہیں اور دونوں طرف مقتدی ہیں دلیل آگے کی حدیث ہے۔بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک طرف نیت کرنا کافی ہے۔

وجه : عن جابر بن سمرة .... انما يكفى احدكم أن يضع يده على فخذه ، ثم يسلم على أخيه من على يمينه و شماله ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید،ص۱۸۱،نمبر۹۷۰/۴۳۱/ابوداود شریف، باب فی السلام،ص۱۵۲،نمبر۹۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام میں دائیں اور بائیں جانب مقتدی کی نیت کرے۔اور چونکہ فرشتے بھی ہیں اسلئے انکی بھی نیت کرے۔

ترجمه: ۱؂ فرشتے میں متعین تعداد کی نیت نہ کرے۔اسلئے کہ انکی تعداد کے بارے میں احادیث مختلف ہیں تو انبیاء علیھم السلام

الملائكة عددامحصور الان الاخبارفی عددهم قد اختلف فاشبه الایمان بالانبیاء علیهم السلام
۲ؔثم اصابة لفظة السلام واجبة عندنا ولیس بفرض خلافا للشافعیؒ هویتمسک بقوله علیه السلام
تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ۳ؔولنامارویـنا من حدیث ابن مسعودؓ التخییر ینا فی الفرضیة
والوجوب الا انا اثبتنا الوجوب بمارواه احتیاطا وبمثله لایثبت الفرضیة واللّٰه اعلم

پر ایمان کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : ایک آدمی کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں اس بارے میں احادیث مختلف ہیں اسلئے کسی خاص تعداد کی نیت نہ کرے بلکہ سب فرشتوں کی نیت کر لے تا کہ جتنے بھی ہوں سب کی نیت ہو جائے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کی متعین تعداد معلوم نہیں اسلئے سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی سب کی نیت کر لیں۔

ترجمہ: ۲ؔ پھر خاص لفظ سلام کا کہنا ہمارے نزدیک واجب ہے، اور فرض نہیں ہے خلاف امام شافعیؒ کے، وہ حضور علیہ السلام کے قول سے دلیل پکڑتے ہیں، کہ نماز کا تحریمہ تکبیر سے ہوتا ہے اور اسکا اختتام سلام سے ہوتا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ، (یعنی کوئی بھی حرکت کر کے نماز کو پوری کرنا فرض ہے) البتہ لفظ سلام کر کے نکلنا فرض نہیں واجب ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک آگے والی حدیث کی وجہ سے لفظ سلام کر کے نماز سے نکلنا فرض ہے۔ موسوعة میں عبارت یہ ہے.
و اقل ما یکفیه من تسلیمه أن یقول : السلام علیکم ، فان نقص من هذا حرفا ، عاد فسلم ، و ان لم یفعل حتی قام ، عاد فسجد للسهو ثم سلم . (موسوعة امام شافعیؒ، باب السلام فی الصلوۃ، ج ثانی ص ۲۰۴، نمبر ۱۴۸۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں لفظ سلام سے نکلنا فرض ہے۔

وجہ: (۱) انکی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں سلام کر کے نماز پوری کی ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ کی پیش کردہ یہ حدیث بھی ہے۔ عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابو داؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ سلام کر کے آدمی نماز سے نکلے گا۔

ترجمہ: ۳ؔ اور ہماری دلیل جو ہمنے روایت کی عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث، جس میں اختیار دیا تھا، اور اختیار دینا فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے، پھر بھی ہمنے اس روایت کی وجہ سے احتیاط کے طور پر وجوب ثابت کیا، اور اس قسم کی حدیث سے فرض ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

تشــــریــح : اوپر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث گزری تھی جس میں تھا کہ تشہد کی مقدار بیٹھ لو یا تشہد کہہ لو تو نماز پوری ہو جائے گی اسکے بعد چاہو تو بیٹھو، اور چاہو تو کھڑے ہو جاؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے سے یا تشہد کہنے سے نماز پوری ہو گئی اسلئے اب کوئی فرض باقی نہیں رہا، اسلئے امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث , **تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم** ، سے ہم فرضیت ثابت نہیں کر سکتے، پھر بھی چونکہ حدیث پیش کی ہے اسلئے احتیاط کے لئے اس سے واجب ثابت کرتے ہیں۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱)۔ **وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگے سلام فرض نہیں ہے۔ (۲) اسی طرح طحاوی میں ہے **عن عمر بن العاص ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة فقعد فاحدث هو واحد ممن اتم الصلوة معه قبل ان یسلم الامام فقدتمت صلاته فلایعود فیها** (طحاوی شریف، باب السلام فی الصلوۃ ھل ھو من فروضھا او من سننھا ص ۱۹۴ رسنن للبیھقی، باب تحلیل الصلوۃ بالتسلیم ج ثانی ص ۲۵۰، نمبر ۲۹۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث ہو گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ چاہے سلام کرے یا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ سلام کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو اس کی نماز پوری کیسے ہوتی۔ (۳) عن **ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة** (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں ہے ورنہ حدث سے نماز کیسے پوری ہو جاتی! البتہ حدیث کی بنا پر احتیاط کے طور پر ہم سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب کہتے ہیں.........واللہ اعلم

CLIPART\xflower.jpg not found.

﴿فصل فی القراء ۃ﴾

(۳۱۳)قال یجهر بالقراء ۃ فی الفجر والرکعتین الاوّلیین من المغرب والعشاء ان کان اماما ویخفی فی الاخریین﴾

﴿فصل فی القراءۃ﴾

ترجمہ: (۳۱۳) جہری قرأت کرے فجر میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دونوں رکعتوں میں اگر امام ہو۔ اور قرأت پوشیدہ کرے گا پہلی دو کے بعد میں۔

تشریح: فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ پڑھے گا۔

وجہ: (۱) عن انس أن جبرئیلؑ اتی النبی ﷺ بمکة حین زالت الشمس و أمره أن یوذن للناس بالصلوة حین فرضت علیهم ، فقام جبرئیلؑ امام النبی ﷺ و قامو الناس خلف رسول الله ﷺ قال : فصلی أربع رکعات لا یجهر فیها بقرأة....ثم امهل حتی اذا دخل وقت العصر ، صلی بهم أربع رکعات لا یجهر فیها بالقرأة ....ثم امهل حتی اذا وجبت الشمس صلی بهم ثلاث رکعات یجهر فی رکعتین بالقرأة و لا یجهر فی الثالثة ، ثم امهله حتی اذا ذهب ثلث اللیل صلی بهم أربع رکعات یجهر فی الاولیین بالقرأة ، و لا یجهر فی الاخریین بالقرأة ، ثم امهل حتی اذا طلع الفجر صلی بهم رکعتین یجهر فیهما بالقرأة ۔(دارقطنی ،باب امامة جبرئیل،ص ۲۶۸،نمبر۱۰۱۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر دونوں رکعتوں میں جہری قرأت کرے اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قرأت کرے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشا کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سری قرأت کرے۔

(۲)حدیث میں عن ابن عباس قال انطلق النبی ﷺ... وهو یصلی باصحابه صلوة الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا له. (بخاری شریف، باب الجهر بقراءۃ صلوۃ الصبح ص ۱۰۶نمبر۷۷۳رمسلم شریف، باب الجهر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن ص ۱۸۴نمبر ۴۴۹/۱۰۰۶)اس باب میں جنات کے سامنے فجر کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی کئی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں جہری قرأت ہے اگر خود امام ہوتو۔(۳)مغرب میں جہری قرأت کی دلیل یہ ہے ۔جبیر بن مطعم عن ابیه قال سمعت رسول الله ﷺ قرء فی المغرب بالطور . (بخاری شریف، باب الجهر فی المغرب ص ۱۰۵نمبر۷۶۵)سمعت کے لفظ سے پتہ چلا کہ آپؐ نے قرأت جہری کی ہے تب ہی تو راوی نے سورۂ طور سنی۔ (۴)عشا کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت البراء ان النبی ﷺ کان فی سفر فقرء فی

لہذا هو المتوارث (۳۱۴) وان كان منفردا فهو مخير ان شاء جهر واسمع نفسه ﴿لانه امام فی حق نفسه وان شاء خافت لانه ليس خلفه من يسمعه

العشاء فی احدی الرکعتین بالتین والزیتون ۔(بخاری شریف، باب الجہر فی العشاء ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۷ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی العشاء ص ۱۸۷ نمبر ۴۶۴) یہاں بھی سمعت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشا کی نماز میں قرأت جہری کی ہے۔

(۱) عشا کی دوسری دو رکعتوں میں جہری قرأت نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال عمر لسعد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخریین. (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ کیونکہ حذف کے ایک ہی معنی ہے قرأت چھوڑ دینا۔ اس لئے قرأت ہی نہیں کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ اسی پر مغرب کی تیسری رکعت کو قیاس کرنا چاہئے۔ اور اس میں بھی یا قرأت نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزرا یا قرأت آہستہ کرتے تھے۔

ترجمہ: لہ یہی متوارث ہے۔ یعنی یہی حضور پاکؐ اور صحابہؓ اور تابعین کے زمانے سے منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

ترجمہ: (۳۱۴) اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے کیونکہ وہ اپنے نفس کے حق میں امام ہے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے۔

ترجمہ: لہ اسلئے کہ اسکے پیچھے کوئی نہیں ہے جسکو وہ سنائے گا۔

تشریح: اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے لئے امام بھی ہے اس لئے جہری نماز میں زور سے پڑھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔ لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے اس لئے وہ آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑا زور سے پڑھے تا کہ ہیئت جماعت پر نماز ادا ہو جائے۔

وجہ: (۱) قلت لعطاء : ما يجهر به الصوت من القرأة من صلاة الليل و النهار من المكتوبة ؟ قال : الصبح و الاوليين العشاء ، و الاوليين المغرب ، و الجمعة اذا كانت فی جماعة ، فاما اذا كان المرأ وحده فلا ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ما تجہر من القرأۃ فیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۲۶۵۵) اس اثر میں ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ ہو تو جہر کرے اور تنہا ہو تو ضروری نہیں ہے اور زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے (۲) اس کی دلیل یہ اثر بھی ہے عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا فاته شیء من الصلوة مع الامام فيما جهر فيه الامام بالقراءة انه اذا سلم الامام قام عبد الله فقرء لنفسه فيما يقضی و جهر (مؤطا امام مالک، باب العمل فی القراءۃ ص ۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز اکیلے پڑھتا ہو تو زور سے قرأت پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن عمر زور سے پڑھتے تھے۔

۲؎ والافضل هو الجهر ليكون الاداء علىٰ هيأة الجماعة (۳۱۵)ويخفيها الامام فی الظهر والعصر وان كان بعرفة ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام صلوة النهار عجماء ای ليست فيها قراء ة مسموعة ۲؎ وفی عرفة

ترجمه: ۲؎ اور افضل یہ ہے کہ زور سے پڑھے تا کہ ادا جماعت کے طور پر ہو جائے۔

تشریح: تنہا آدمی کے لئے فرض نماز میں آہستہ پڑھنا جائز تو ہے لیکن زور سے پڑھے تو افضل ہے تا کہ نماز جماعت کی ھیئت پر ہو جائے۔

ترجمه: (۳۱۵) امام ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ پڑھے چاہے عرفہ میں ہی کیوں نہ ہو۔

وجه: (۱)عن انس أن جبرئيلؑ اتى النبی ﷺ بمكة حين زالت الشمس و أمره أن يوذن للناس بالصلوة حين فرضت عليهم ، فقام جبرئيلؑ امام النبی ﷺ و قاموا الناس خلف رسول الله ﷺ قال : فصلى أربع ركعات لا يجهر فيها بقرأة....ثم امهل حتى اذا دخل وقت العصر ، صلى بهم أربع ركعات لا يجهر فيها بالقرأة ۔(دار قطنی ، باب امامۃ جبرئیل ،ص ۲۶۸ ،نمبر ۱۰۱۱) اس حدیث میں ہے کہ ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ کی۔(۲)عن ابی قتادة عن ابيه قال كان النبی ﷺ يقرأ فی الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سورة ويسمعنا الآية احيانا (بخاری شریف ،باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲ رمسلم شریف ،باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) یسمعنا الآیۃ احیانا سے معلوم ہوا کہ آپؐ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کرتے تھے۔لیکن کبھی کبھار ایک دو آیت سنا بھی دیتے تھے۔اسی حدیث کے یقرأ فی الرکعتین سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔کیونکہ آپؐ پہلی دو رکعتوں ہی میں قرأت کرتے تھے(۳)عن الزهری قال عن رسول الله ﷺ ان يجهر بالقراء ة فی الفجر فی الركعتين وفی الاولیين من المغرب والعشاء ويسر فيما عدا ذلك (اخرجہ ابوداؤد فی مراسلہ درایۃ ص ۹۱ راعلاء السنن ج رابع ص ۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۹ فی قراءۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۳۰۲ ،نمبر ۳۶۶۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں قرأت سری ہونی چاہئے۔

ترجمه: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ دن کی نماز گونگی ہے۔یعنی اس میں ایسی قرأت نہیں ہے جسکو سن سکے۔

تشریح: اصل دلیل تو اوپر کی حدیث ہے۔صاحب ھدایہ نے یہ اثر پیش کی ہے۔عن الحسن قال : صلوة النهار عجماء و صلاة الليل تسمع اذنيك ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۹ فی قرأۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۳۲۰ ،نمبر ۳۶۶۴ رمصنف عبد الرزاق باب قرأۃ النہار ،ج ثانی ،ص ۴۹۳ ،نمبر ۴۱۹۹) اس اثر میں ہے کہ دن کی نماز گونگی ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور عرفہ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے ،اور انکے اوپر حجت وہ ہے جو ہمنے روایت کی۔

خلاف لمالکؒ والحجة عليه ماروينا (۳۱۶) ويجهر فی الجمعة والعيدين ﴾ لے لورودالنقل المستفيض بالجهر ۲ے وفی التطوع بالنهار يخافت وفی الليل يتخيرا عتبارا بالفرض فی حق المنفرد

تشریح : حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نویں ذی الحجہ کومقام عرفہ میں ظہراور عصر میں قرأت زور سے کرے گا۔لیکن ہمنے جو اثر بیان کیا کہ دن کی نماز گونگی ہے وہ ان پر حجت ہے کہ عرفہ میں ظہراور عصر کی نماز سری پڑھی جائیگی۔

ترجمه: (۳۱۶) اورزور سے قرأت پڑھی جائے گی جمعہ اور عیدین میں۔

ترجمه: لے زور سے پڑھنے کے بارے میں مشہور حدیث وارد ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جمعہ اور عیدین میں بھی زور سے قرأت کی جائے گی ،اسلئے کہ اسکے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

وجه : (۱)عن النعمان بن بشير قال : كان رسول الله ﷺ يقرأ فی العيدين و فی الجمعة ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾و ﴿هل أتاک حديث الغاشية ﴾(مسلم شریف،باب مایقرأفی الجمعۃ،ص۳۵۱،نمبر۲۰۲۸/۸۷۸/ابوداود شریف،باب مایقرأفی الجمعۃ،ص۱۶۹،نمبر۱۱۲۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورﷺ عیدین میں اور جمعہ میں سبح اسم ،اورھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں قرأت زور سے کرتے تھے تب ہی تو صحابہ نے حضورؐ کی قرأت سنی۔

(۲)قلت لعطاء : ما يجهر به الصوت من القرأة من صلاة الليل و النهار من المكتوبة ؟ قال : الصبح و الاوليين العشاء ، و الاوليين المغرب ، و الجمعة اذا كانت فی جماعة ، فاما اذا كان المرأ وحده فلا ۔(مصنف عبدالرزاق،باب ماتجھرمن القرأۃ فیہ من الصلوۃ،ج ثانی،ص۱۰۰،نمبر۲۶۵۵)اس اثر میں ہے کہ جمعہ میں بھی قرأت زور سے کی جائے گی،اوراسی پرعیدین کوقیاس کیاجائے گا۔

ترجمه: ۲ے اوردن کے نفل میں آہستہ پڑھی جائے گی،اوررات کی نفل میں اختیار ہے منفرد کے حق میں فرض پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : دن میں نفل پڑھے تو قرأت آہستہ کرے گا،کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ دن کی نماز گونگی ہے،اثر یہ گزرا۔عن الحسن قال : صلوة النهار عجماء و صلاة الليل تسمع اذنيک ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۳۹فی قرأۃالنہار کیف ھی فی الصلوۃ ،ج اول،ص۳۲۰،نمبر۳۶۶۴رمصنف عبدالرزاق باب قرأۃالنہار،ج ثانی،ص۴۹۳،نمبر۴۱۹۹)) اس اثر میں ہے کہ دن میں جو بھی نماز ہواس میں آہستہ قرأت کی جائے گی ۔اوررات میں نفل پڑھےتو اسکو اختیار ہے چاہے زور سے پڑھے، چاہے آہستہ پڑھے۔

وجه: (۱)اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کوئی تنہا آدمی رات میں فرض پڑھےتواسکوزور سے اورآہستہ پڑھنے کا اختیار ہے،اسی پر قیاس کر

۳؎ وهذا لانه مكمل له فيكون تبعا له (۳۱۷) ومـن فاتته العشاء فصلا ها بعدطلوع الشمس ان امّ فيها جهر كما ﴿ ۱؎فعل رسول الله ﷺ حين قضى الفجر غداة ليلة التعريس بجماعة

تے ہوئے کوئی تنہا آدمی نفل پڑھے تو اسکو زور سے اور آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے (۲) حدیث میں زور سے پڑھنے کا اور اختیار کا ثبوت ہے۔ عـن ابن عباس قال : كانت قراءة النبى ﷺ على قدر ما يسمعه من فى الحجرة و هو فى البيت .(ابو داود شریف، باب رفع الصوت بالقرأة فی صلوة اللیل، ص ۱۹۸، نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کی نفل میں قرأت زور سے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ (۳) اور اس حدیث میں ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے۔ قـال : سـألـت عـائشة كيف كانت قـرأة الـنبى ﷺ بـالـلـيـل ؟ [أ كان يسر بالقرأة أم يجهر ؟] فقالت : كل ذالك قد كان يفعل ، ربما اسر بـالـقـرأة و ربما جهر فقلت : الحمد لله الذى جعل فى الامر سعة . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی القرأة باللیل، ص ۱۰۰، نمبر ۴۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سری اور جہری دونوں قرأت کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور یہ اسلئے ہے کہ نفل فرض کو مکمل کرنے والا ہے اسلئے نفل فرض کے تابع ہوگا۔

تشریح : نوافل فرض کو مکمل کرنے کے لئے ہیں اسلئے وہ فرض کے تابع ہونگے۔ اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے فـلقى ابو هـريرة ......قال : انظروا هل لعبدى من تطوع ، فان كان له تطوع قال : اتموا لعبدى فريضته من تطوعه ، ثـم تـوخـذ الاعـمـال على ذالكم ۔(سنن بیھقی، باب ماروی فی اتمام الفریضۃ من التطوع فی الاخرۃ، ج ثانی، ص ۵۴۰، نمبر ۴۰۰۰) اس حدیث میں ہے کہ نوافل فرض کے مکمل کرنے کے لئے ہیں۔ اور دن کے فرض میں قرأت سری ہے اسلئے اسکے نفل میں بھی قرأت سری ہوگی، اور رات کے فرض میں قرأت جہری ہے اسلئے اسکے نفل میں بھی قرأت جہری کر سکتا ہے۔ اور سری کا بھی اختیار ہے۔

ترجمہ: (۳۱۷) کسی کی عشاء فوت ہو جائے اور وہ اسکو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے، اگر اس میں امامت کر رہا ہو تو قرأت جہری کرے۔

ترجمہ: ۱؎ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا جس وقت لیلۃ التعریس میں فجر جماعت کے ساتھ قضا کی۔

تشریح : کسی کی عشاء فوت ہوگئی اور اسکو رات کے بجائے دن میں ادا کر رہا ہے، تو اگر جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے تو اس میں قرأت جہری کرے گا اور اگر اکیلا پڑھ رہا ہے تو قرأت سری کرے گا۔

وجہ : (۱) لیلۃ التعریس میں فجر قضا ہوگئی اور اسکو دن میں سورج نکلنے کے بعد ادا کیا تو قرأت جہری کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرأت جہری کرے گا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے اور یہی صاحب ھدایہ کا مستدل حدیث ہے۔ عـن ابـى قتـاده قـال : خطبنا

(۳۱۸) وان كان وحده خافت حتما ولا يتخير ﴾ ۱ھو الصحيح لان الجهر يختص أمابالجماعة حتما اوبالوقت فی حق المنفرد علی وجه التخيير ولم يوجد احدهما (۳۱۹)ومن قرأ فی العشاء فی الاوّليين السورة ولم يقرأ بفاتحة الكتاب لم يعد فی الاخريين وان قرأ الفاتحة ولم يزد عليها قرأفی

رسول الله ﷺ ....فصلی رسول الله ﷺ ركعتين ، ثم صلی الغداة فصنع كما كان يصنع كل يو م ۔(مسلم شریف، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحبا بتعجیل قضائھا ،ص ۲۳۸،نمبر ۱۵۶۲/۶۸۱)اس حدیث میں , كما كان يصنع كل يوم ، کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا ہے کہ ہر دن فجر میں جہری قرأت کرتے تھے تو اس دن بھی سورج طلوع ہونے کے بعد بھی جہری قرأت ہی کی ہے ،جس سے ثابت ہوا کہ رات کی نماز دن کو جماعت کے ساتھ قضا کرے تو جماعت کی ہیئت پر جہری قرأت کرے۔

ترجمہ: (۳۱۸) اور اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو لازمی طور پر سری قرأت کرے اور اختیار نہیں ہوگا ،صحیح یہی ہے۔

تشریح : رات کی نماز دن میں پڑھ رہا ہے، اور اکیلا پڑھ رہا ہے، جماعت کے ساتھ نہیں ہے تو یہ لازمی طور پر سری قرأت کرے۔ اگر وقت میں یعنی رات میں پڑھتا تو اسکو جہری اور سری دونوں قرأت کرنے کا اختیار ہوتا۔

ھو الصحیح:. کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اس تنہا پڑھنے والے کو بھی اختیار ہوگا کہ چاہے تو آہستہ قرأت کرے اور چاہے تو زور سے قرأت کرے۔جس طرح یہ رات میں تنہا نماز پڑھتا تو اسکو دونوں قرأت کا اختیار ہو تا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ جہری قرأت یا تو صرف جماعت کے ساتھ خاص ہے یا منفرد کے حق میں اختیار کے ساتھ وقت کے ساتھ خاص ہے اور دونوں میں سے کوئی نہیں پایا گیا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، پہلے یہ گزر چکا ہے کہ رات کی نماز وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھ رہا ہو تو جہری قرأت کرنا واجب ہے، اور تنہا پڑھ رہا ہو تو اسکو اختیار ہے چاہے جہری پڑھے یا سری پڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ جہری قرأت کرنے کی دو وجہ ہیں، یا تو جماعت ہو، یا وقت میں نماز پڑھ رہا ہو، اور یہاں آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، اسلئے جماعت بھی نہیں ہے اور رات کی نماز دن کو پڑھ رہا ہے اسلئے وقت بھی نہیں ہے، اسلئے دونوں میں سے کوئی وجہ نہیں ہے اسلئے یہ لازمی طور پر سری قرأت کرے گا۔

ترجمہ: (۳۱۹) کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں دوسری سورت تو پڑھی لیکن سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، تو دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہیں لوٹائے گا۔اور اگر سورہ فاتحہ تو پڑھی لیکن دوسری سورت نہیں ملایا، تو دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھے گا اور اسکے بعد سورت ملائے گا۔

الاخريين الفاتحة والسورة وجهر ﴾ ۱؎ وهذا عندابی حنیفةؒ ومحمد ۲؎ وقال ابویوسفؒ لايقضى واحدة منهمالان الواجب اذافات عن وقته لايقضى الابدليل

ترجمه: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشريح: کسی نے عشاء کی پہلی دورکعتوں میں سورت تو ملایا لیکن سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو دوسری دورکعتوں میں اس سورہ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا۔ البتہ استحبابی طور پر حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے وہ پڑھ سکتا ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مشروع طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورہ فاتحہ ہو پھر سورہ ملائی جائے، اور دوسری دورکعتوں میں سورہ فاتحہ قضا کرنے سے صورت یہ ہو جائے گی کہ پہلے سورت ہوگی اور بعد میں سورہ فاتحہ ہوگی، اس صورت میں سورت ملانے کی ترتیب الٹ جائے گی۔ اسلئے بعد میں فاتحہ کی قضا نہ کرے۔ (۲) اسکے لئے اثر یہ ہے۔ **عن الحسن فی رجل قرأ : ﴿ قل هو الله أحد ﴾ و نسی, فاتحة الكتاب، قال : يجزئه** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۷۲، ما قالو فیہ اذا نسی أن یقرأ بالحمد، ج اول، ص ۳۴۸، نمبر ۴۰۰۵) اس اثر میں ہے کہ فاتحہ بھول جائے تو نماز ہو جائے گی۔

اور اگر فاتحہ تو پہلی دورکعتوں میں پڑھی، لیکن سورت نہیں ملائی تو دوسری دورکعتوں میں سورت ملا سکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ ہوگئی اور اسکے بعد سورت کا ملانا ہوا، تو مشروع ترتیب باقی رہی، اسلئے یہ جائز ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری دورکعتوں میں استحبابی طور پر سورہ فاتحہ پڑھے اور اسکے بعد قضا کے طور پر سورت ملائے، تو فاتحہ کے بعد سورت کا ملانا ہوا جو مشروع ہے۔ اور صحیح ہوگا۔

وجه : (۱) اثر میں ہے۔ **عن عبد الله بن حنظلة بن الراهب قال : صلى بنا عمر بن الخطاب فنسى أن يقرأ فى الركعة الاولى فلما قام فى الركعة الثانية قرأ بفاتحة الكتاب مرتين و سورتين ، فلما قضى الصلاة سجد سجدتين** . (ابن ابی شیبۃ، نمبر ۴۱۲۲) (۲) **عن علیؓ قال : اذا نسى الرجل أن يقرأ فى الركعتين الاوليين من الظهر ، و العصر ، و العشاء فليقرأ فى الركعتين الاخريين و قد اجزأ عنه** . (مصنف عبدالرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی، ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱ رنمبر ۲۷۵۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۳) ان دونوں اثروں میں ہے کہ پہلی میں بھول جائے تو دوسری رکعتوں میں قضا کرے۔

ترجمه: ۲؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سورت اور سورہ فاتحہ کچھ بھی نہیں ملائے گا۔ اسلئے کہ واجب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو قضا کی دلیل کے بغیر قضا نہیں کیا جاتا۔

تشريح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عشاء کی پہلی دورکعتوں میں چاہے سورہ فاتحہ چھوڑ دے، یا سورت ملانا چھوڑ

۳؎ ولهما وهو الفرق بين الوجهين ان قراءة الفاتحة شرعت علىٰ وجه يترتب عليها السورة فلو قضاها في الاخريين تترتب الفاتحة على السورة وهٰذا خلاف الموضوع ۴؎ بخلاف ما اذا ترك السورة لانه امكن قضاؤها على الوجه المشروع ۵؎ ثم ذكرههنا مايدل على الوجوب وفي الاصل بلفظة الاستحباب لانها ان كانت مؤخرة فغير موصولة بالفاتحة فلم يمكن مراعاة موضوعها من كل وجه

دے انکو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اپنی جگہ سے فوت ہو گیا اسلئے جب تک حدیث سے قضا کرنے کا ثبوت نہ ہو قضا واجب نہیں ہوگی، اسلئے انکو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے۔ اور دونوں باتوں میں فرق کی وجہ بھی یہی ہے کہ فاتحہ کی قرأت اس طرح مشروع ہوئی ہے کہ اسکے بعد سورت کا ملانا ہو، پس اگر فاتحہ کو دوسری دو رکعتوں میں قضا کرے تو فاتحہ سورت کے بعد ہو جائے گا۔ اور یہ موضوع کے خلاف ہے۔

تشریح : طرفین کی دلیل اوپر گزر گئی کہ مشروع یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پہلے ہو اور سورت کا ملانا اسکے بعد ہو، پس اگر فاتحہ کو دوسری دو رکعتوں میں قضا کریں تو فاتحہ سورت کے بعد ہو جائے گا، اور یہ خلاف مشروع ہے اسلئے فاتحہ چھوٹ جائے تو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف جبکہ سورت چھوڑ دے، اسلئے کہ سورت کا قضا کرنا ممکن ہے مشروع طریقے پر۔

تشریح : عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ تو پڑھی لیکن سورت ملانا بھول گیا۔ تو دوسری دو رکعتوں میں قضا کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھ چکا ہے اسلئے اب سورت ملائے گا تو سورت کا ملانا فاتحہ کے بعد ہوگا، اور یہی مشروع ہے کہ سورت کا ملانا فاتحہ کے بعد ہو۔

ترجمہ: ۵؎ پھر یہاں [جامع صغیر میں] دلالت کرتا ہے وجوب پر، اور اصل [مبسوط] میں استحباب کے لفظ کے ساتھ ہے، اسلئے کہ سورت اگر چہ موخر ہے لیکن پہلے فاتحہ کے ساتھ متصل نہیں ہے، اسلئے ہر اعتبار سے ترتیب کی رعایت ممکن نہیں ہوئی۔

تشریح : فصل فی القرأت میں اکثر عبارت جامع صغیر کی ہے، اسلئے فرما رہے ہیں کہ یہاں یعنی جامع صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا چھوٹ جائے تو دوسری دو رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ رجل قرأ فی العشاء فی الاولیین سورة و لم یقرأ بفاتحة الكتاب لم یعد فی الآخرین ، و ان قرأ فی الاولیین بفاتحة الكتاب و لم یزد علیها ، قرأ فی الآخرین بفاتحة الكتاب و سورة و جهر ۔(جامع صغیر، باب فی القرأة فی الصلوة، ۹۶) اس عبارت میں ,قرأ فی الآخرین، سے اشارہ ملتا ہے کہ سورت کی قضا ضروری ہے۔

(۳۲۰)ویجهر بهما﴿۱﴾ هو الصحیح

وجه : حضرت علیؓ کے قول میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں ضرور پڑھے، اسلئے قضا کرنا واجب ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن علیؓ قال : اذا نسی الرجل أن یقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظهر ، و العصر ، و العشاء فلیقرأ فی الرکعتین الاخریین و قد اجزأ عنه . (رمصنف عبد الرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی، ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱ رنمبر ۲۷۵۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۳) اس اثر میں ہے فلیقرأ فی الرکعتین الاخریین، جس سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں ضرور پڑھے۔

لیکن اصل یعنی مبسوط کی عبارت میں ,احب ان یقضیهما ، ہے یعنی مستحب ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اسکو قضا کرے۔ (۱) اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سورت اگر چہ فاتحہ کے بعد ہے، لیکن پہلی دو رکعت کے فاتحہ کے بعد نہیں ہے، بلکہ دوسری دو رکعتوں میں جو فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اسکے بعد سورت کا ملانا ہوا، حالانکہ مشروع یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے فورا بعد سورت ملائے، اسلئے چونکہ پورے طور پر ترتیب پر عمل نہیں کر سکتے اسلئے سورت کی قضا کرنا واجب نہیں مستحب ہوگی۔ (۲) حضرت عمر کے اس قول میں ہے کہ انہوں نے دہرائی، جس سے استحباب ثابت ہوتا ہے اسلئے مبسوط کی عبارت میں لوٹانا مستحب ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن حنظلة بن الراهب قال : صلی بنا عمر بن الخطاب فنسی أن یقرأ فی الرکعة الاولی فلما قام فی الرکعة الثانیة قرأ بفاتحة الکتاب مرتین و سورتین ، فلما قضی الصلاة سجد سجدتین . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۲ رمصنف عبد الرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی، ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱ رنمبر ۲۷۵۶) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر نے دہرائی جس سے مستحب ثابت ہوتا ہے۔

ترجمه: (۳۲۰) اور فاتحہ اور سورت دونوں کو جہری پڑھے۔

ترجمه: ۱ صحیح روایت یہی ہے۔

تشریح : عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں پہلی دو رکعتوں کی چھوٹی ہوئی سورت کی قضا کرے گا، تو سورہ فاتحہ بھی زور سے پڑھے گا اور سورت بھی زور سے پڑھے گا۔ صحیح روایت یہی ہے۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ دونوں کو سری پڑھے گا۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ فاتحہ کو سری پڑھے گا اور سورت کو جہری پڑھے گا۔ لیکن صحیح روایت پہلی ہے۔

وجه : (۱) عن عبد اللہ بن حنظلة بن الراهب قال : صلی بنا عمر بن الخطاب فنسی أن یقرأ فی الرکعة الاولی فلماقام فی الرکعة الثانیة قرأ بفاتحة الکتاب مرتین و سورتین ، فلما قضی الصلاة سجد سجدتین ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۲) اس اثر میں

۲؎ لان الجمع بین الجهر والمخافتة فی رکعة واحدة شنیع وتغیر النفل وهو الفاتحة اولی ۳؎ ثم المخافتة ان یُسْمِع نفسَه والجهر ان یُسمع غَیره وهٰذا عند الفقیه ابی جعفر الهندوانیؒ لان مجرد حرکة اللسان لایسمی قراء ة بدون الصوت

ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسری دو رکعتوں میں فاتحہ دو مرتبہ پڑھی اور سورت بھی دو مرتبہ پڑھی، اسکا مطلب یہ ہے کہ زور سے قرأت کی تب ہی تو راوی نے سنی ہوگی! اس سے ظاہر ہوا کہ فاتحہ اور سورت دونوں کو جہری پڑھے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ایک ہی رکعت میں جہری اور پوشیدگی کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے، اور فاتحہ جو نفل ہے اسکو بدل کر جہر کرنا بہتر ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ دوسری دو رکعتوں میں سری فاتحہ پڑھنا ہمارے یہاں مستحب ہے۔ اور سورت کو جہری پڑھنا واجب تھا، اسلئے اسکی قضا بھی جہری ہی کرنی چاہئے، اسلئے جب سورت جہری پڑھیں گے تو فاتحہ جو مستحب ہے اسکو سری سے بدل کر جہری کرنا اولی ہوگا، کیونکہ مستحب کو تبدیل کرنا واجب کو تبدیل کرنے کی بنسبت آسان ہے۔ اسلئے فاتحہ ہی کو سری سے جہری کی طرف تبدیل کردیں، اور دونوں کو جہری پڑھیں۔ اور اگر ایک ہی رکعت میں فاتحہ کو سری پڑھیں اور سورت کو جہری پڑھیں تو یہ شنیع اور برا لگتا ہے اسلئے دونوں کو جہری ہی پڑھیں۔

﴿جہر اور سر کی تعریف﴾

ترجمہ: ۳؎ پھر سری قرأت یہ ہے کہ خود سنے، اور جہری یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے۔ اور یہ فقیہ ابو جعفر ھندوانی کے نزدیک ہے۔ اسلئے کہ صرف زبان کی حرکت بغیر آواز کے اسکو قرأت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

تشریح: حضرت ابو جعفر ھندوانیؒ کے نزدیک سری قرأت اسکو کہیں گے کہ اتنا آہستہ ہو کہ خود سنے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سے کم میں تو صرف زبان کی حرکت ہوگی اور آواز نہیں نکلے گی، عرف میں صرف زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہتے، اسلئے خود سننے کو سری قرأت کہیں گے۔

اور جہری قرأت اتنی زور سے ہو کہ دوسرے بھی سن لیں۔ کیونکہ دوسرے کے سننے کو جہر کہتے ہیں۔

وجہ: اس حدیث کے اشارے سے انکا استدلال ہے۔ سألنا خبابا، أکان النبی ﷺ یقرأ فی الظهر و العصر؟ قال: نعم قلنا: بأی شیء کنتم تعرفون ذالک؟ قال: باضطراب لحیته۔ (بخاری شریف، باب القرأة فی الظهر و العصر، ص ۱۰۵، نمبر ۷۶۰) اس حدیث میں ہے کہ سری قرأت کرتے ہوئے داڑھی ہلتی تھی، جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ قرأت

۴ وقال الكرخی ادنی الجهر ان يسمع نفسه وادنى المخافتة تصحيح الحروف لان القراء ة فعل اللسان دون الصماخ ۵ وفی لفظ الكتاب اشارة الیٰ هٰذا ۶ وعلیٰ هٰذا الاصل كل مايتعلق بالنطق كالطلاق والعتاق والاستثناء وغير ذٰلک

کر کے خود کو سناتے تھے۔ اسلئے یہ سر کا ادنی درجہ ہوا، پھر جہر کا ادنی درجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کو سنائے۔

ترجمه: ۴ اور حضرت کرخیؒ نے فرمایا کہ جہر کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود سنے، اور سری کا ادنی درجہ یہ ہے کہ حروف صحیح ہو جائے۔ اسلئے کہ قرأت زبان کا فعل ہے، کان کا فعل نہیں ہے۔

تشریح: حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جہری قرأت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود سن سکے۔ اور سری قرأت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ جو قرأت کر رہے ہیں اسکے حروف صحیح نکلے۔ اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ قرأت کرنا زبان کا کام ہے اسلئے زبان سے صحیح حروف نکل جائے تو سری قرأت ہوگئی۔ کان سے سننا کوئی ضروری نہیں ہے، کیونکہ قرأت کرنا کان کا کام نہیں ہے۔

ترجمه: ۵ اور متن کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تشریح: اس کتاب کے متن میں مسئلہ نمبر ۳۱۴ پر قدوری کی عبارت یہ گزری، ان شاء جهر و اسمع نفسه، جس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب قدوری کے نزدیک بھی جہر کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود کو سنائے، تو سری کا ادنی درجہ یہ ہوگا کہ حروف صحیح ہو جائے، اس تعریف سے اشارہ ہوتا ہے کہ صاحب قدوری نے جہری اور سری کی تعریف میں امام کرخیؒ کی موافقت کی ہے۔

ترجمه: ۶ اسی قاعدے پر ہر وہ چیز متفرع ہوگی جو بولنے سے تعلق رکھتی ہے، جیسے [طلاق] ہے، [آزاد کرنا] ہے، [استثناء کرنا] ہے، اور اسکے علاوہ۔

تشریح: جہر اور سر کے بارے میں جو دو اماموں کے قاعدے بیان کئے انہیں دو قاعدوں پر ان تمام امور کی بنیاد ہوگی جنکا تعلق بولنے سے ہے۔ مثلا [طلاق] سری بولنے سے واقع ہوتی ہے اب کسی نے اتنا آہستہ سے انت طالق کہا کہ حروف کی تصحیح ہوگئی لیکن خود بھی نہ سن سکا، تو امام کرخیؒ کے نزدیک آہستہ بولنا پایا گیا، اسلئے انکے یہاں طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن امام جعفرؒ کے یہاں جب خود بھی نہیں سن پایا ہے تو سری بولنا نہیں پایا گیا اسلئے انکے یہاں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یا مثلا [غلام کو آزاد کیا] اور اتنا آہستہ بولا کہ خود بھی نہ سن سکا تو امام کرخیؒ کے نزدیک سری بولنا پایا گیا اسلئے غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور امام ابو جعفرؒ کے نزدیک سری بولنا بھی نہیں پایا گیا اسلئے غلام آزاد نہیں ہوگا۔

[یا استثناء کیا]، مثلا کہا کہ تمکو طلاق ہے، مگر ایک مہینے کے بعد۔ اور [تمکو طلاق ہے] زور سے بولا، اور استثنا کا جملہ [مگر ایک مہینے کے بعد] اتنا آہستہ بولا کہ خود بھی نہ سن سکا، تو امام کرخیؒ کے نزدیک استثناء صحیح ہے کیونکہ سری بولنا پایا گیا، اسلئے ایک مہینے کے بعد طلاق

(۳۲۱) وادنی مایجزئ من القراء ة فی الصلوٰة اٰیة عند ابی حنیفةؒ وقالا ثلث اٰیات قصار او اٰیة طویلة﴾ ۱؎ لانه لایسمی قاریابدونه فاشبه قراء ة مادون الاٰیة ۲؎ وله قوله تعالیٰ فاقرء وا ماتسیر من القراٰن من غیر فصل

واقع ہوگی۔ اور امام جعفر کے یہاں جب خود بھی نہیں سن سکا تو سری بولنا نہیں پایا گیا اور استثناء درست نہیں ہوا، اسلئے استثناء [مگر ایک مہینے کے بعد] والا جملہ بیکار گیا اور صرف [تمکو طلاق ہے] رہ گیا، اسلئے اس سے فورا طلاق واقع ہوجائے گی۔

لغت : مخافتۃ: آہستہ بولنا، سری قرأت۔ صوت: آواز۔ ادنی: کم سے کم۔ صماخ: کان۔ نطق: بولنا۔ استثناء: کوئی جملہ بول کر اسکو کاٹنا۔ یا کسی عدد کو بول کر اسے کچھ کم کر دینا، اور نکال دینے کو استثنا کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۱) نماز میں کم سے کم قرأت جو کافی ہے وہ ایک آیت ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ چھوٹی تین آیتیں، یا لمبی ایک آیت۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اس سے کم میں اسکو قاری نہیں سمجھا جاتا تو ایسا ہوگیا کہ ایک آیت سے کم پڑھی ہو۔

تشریح : نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا اور سورت ملانا تو واجب ہے۔ لیکن کم سے کم کتنی آیت پڑھے گا تو فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹی ایک آیت سے بھی فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چھوٹی تین آیتیں ہوں، یا ایک آیت اتنی لمبی ہو کہ چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو تب فرض کی ادائیگی ہوگی۔

وجہ : (۱) وہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی سی ایک آیت پڑھنے سے یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ اس نے آیت پڑھی، مثلا, صرف, **الرحمن**، یا صرف, **علم القرآن**، یا صرف, **طعام الاثیم**، آیت پڑھی تو صرف اتنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے آیت پڑھی اسلئے یا تو لمبی آیت ہو، یا پھر چھوٹی تین آیتیں ہوں (۲) اثر میں اسکا اشارہ ہے۔ **قال عمرؓ : لا تجزی ء صلوة لا یقرأ فیھا بفاتحة الکتاب و آیتین فصاعدا** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۴، ۱۳۴ من قال: لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب، ومن قال: وشیء معھا، ج اول، ص ۳۱۷، نمبر ۳۶۲۴) یہ معلوم ہے کہ سورت ملانا واجب ہے، اور اس اثر میں دو ہی آیتوں کو سورت ملانے کے قائم مقام کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ دو آیت کافی ہے اور احتیاطا تین آیتیں کر دی۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اللہ تعالی کا قول ﴿ **فاقرئوا ما تیسر من القرآن** ﴾ آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) ہے بغیر کسی تفصیل کے۔

تشریح : آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ جتنا آسان ہو اتنا پڑھ لینے سے فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، اسلئے ایک آیت پڑھنے سے بھی فرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔ اور ایک آیت سے کم ہو اگر چہ وہ بھی قرآن ہے لیکن اتنا پڑھنے سے

۳؎ الا ان مادون الاٰیة خارج والاٰیة لیست فی معناہ (۳۲۲) وفی السفر یقرأ بفاتحة الکتاب وایّ سورة شاء ﴾ ۱؎ لماروی ان النبی علیہ السلام قرأفی صلوٰة الفجرفی سفرہ بالمعوذتین

بالاتفاق نماز نہیں ہوگی اسلئے ایک آیت سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی البتہ واجب کی کمی رہنے سے سجدہ سہولازم ہوگا۔(۲)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن جابر بن زید أنه قرأ ﴿مدھامتان ﴾(آیت ۶۴ سورہ الرحمٰن ۵۵) ثم رکع ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۳۴۴ من قال: لاصلوة الابفاتحة الکتاب، ومن قال: وشیء معھا، ج اول ،ص ۳۱۷ ،نمبر ۳۶۳۱) اس اثر میں ہے کہ صرف چھوٹی سی آیت مدھامتان ، پڑھی اور رکوع میں چلے گئے جسکا مطلب یہ ہے کہ ایک چھوٹی آیت سے بھی فرض پورا ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ مگر ایک آیت سے کم یہ بالاتفاق خارج ہے۔اور پوری آیت آیت سے کم کے حکم میں نہیں ہے۔

تشریح : یہ جملہ صاحبین کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال فرمایا تھا آیت سے کم میں فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی اسی طرح چھوٹی پوری آیت سے بھی فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی۔تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ آیت سے کم کا پڑھنا حائضہ اور نفساء کے لئے جائز ہے،اور پوری آیت انکے لئے پڑھنا جائز نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ پوری آیت چاہے چھوٹی ہو اسکا حکم کچھ اور ہے اور پوری آیت سے کم کا حکم کچھ اور ہے،اسلئے آیت سے کم پڑھنے سے بالاتفاق فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی،اور پوری آیت پڑھنے سے ہو جائے گی۔

نوٹ: آیتوں کی قرأت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض ،جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت تامہ ہے۔اب اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے ثم نظر تب تو جائز ہے،اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے مد ھامتان یا صرف ایک حرف ہو جیسے صٓ ، نٓ ، قٓ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔اصح عدم جواز ہے (۲) واجب ،قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ واجب ہیں (۳) مسنون ، وہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے۔یعنی سورۂ حجرات ۴۹ سے سورۂ بروج ۸۵ تک ،عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج ۸۵ سے سورۂ لم یکن سورہ البینہ ۹۸ تک ،مغرب میں قصار مفصل یعنی سورۂ زلزال ۹۹ سے آخر قرآن تک ۱۱۴ (۴) مستحب، وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس آیتوں تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیتوں تک سورۂ فاتحہ کے علاوہ (۵) مکرو، وہ یہ ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے یا فاتحہ کے ساتھ ایک آدھ آیت ملائے یا سورۃ پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھے۔یہ سب صورتیں مکروہ کی ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۲) سفر میں سورہ فاتحہ پڑھے اور جو سورت چاہے پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے سفر میں فجر کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق ،اور قل اعوذ برب الناس، پڑھی۔

۲؎ ولان للسفر اثرا فی اسقاط شطر الصلوة فلان یؤثّر فی تخفیف القراءة اولی ۳؎ وهذا اذا کان علٰی عجلة من السیر وان کان فی اَمَنة وقرار یقرأ فی الفجر نحو سُورة البروج وانشقت لانه یمکنه مراعاة السنة مع التخفیف (۳۲۳) ویقرأ فی الحضر فی الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیة اوخمسین اٰیة سوی فاتحة الکتاب ﴾

وجه : (۱) سفر میں مشقت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے اسلئے لمبی قرأت جو حضر میں پڑھتے ہیں وہ بھی مختصر ہو جائے گی۔ البتہ اگر سفر میں آرام ہو اور چین ہو تو حضر والی لمبی قرأت کر سکتا ہے۔ (۲) سمعت البراء أن النبی ﷺ کان فی سفر ، فقرأ فی العشاء فی احدی الرکعتین ﴿والتین و الزیتون﴾ (بخاری شریف، باب الجهر فی العشاء، ص ۱۰۵، نمبر ۷۶۷) اس حدیث میں ہے کہ عشاء میں اوساط مفصل کے بجائے سفر کی وجہ سے چھوٹی سورت, والتین و الزیتون، پڑھی (۳) صاحب هدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عقبة بن عامر قال : کنت أقود برسول الله ﷺ ناقته فی السفر فقال لی : یا عقبة ! ألا أعلمک خیر سورتین قرئتا ، فعلمنی ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و ﴿قل اعوذ برب الناس﴾ قال : فلم یرنی سررت بهما جدا ، قال : فلما نزل لصلوة الصبح صلی بهما صلوة الصبح للناس ، فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلوة التفت الی فقال : یا عقبة کیف رأیتَ ۔ (ابو داود شریف، باب فی المعوذتین، ص ۲۱۸، نمبر ۱۴۶۲ / نسائی شریف، کتاب الاستعاذہ، ص ۷۰۴، نمبر ۵۴۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فجر میں بھی چھوٹی سورت پڑھی جا سکتی ہے۔

ترجمه: ۲؎ اسلئے کہ سفر کو نماز کے حصے کے ساقط کرنے میں اثر ہے اسلئے قرأت کی تخفیف کرنے میں بدرجہ اولی اثر انداز ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ سفر کی مشقت کی وجہ سے چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے تو قرأت کی سنت بدرجہ اولی ساقط ہو جائے گی۔

ترجمه: ۳؎ یہ چھوٹی سورتیں پڑھنا جب ہے کہ سفر کی جلدی ہو، اور اگر امن اور چین میں ہو تو فجر میں سورہ بروج، اور اذا السماء انشقت، جیسی سورت پڑھے، اسلئے کہ تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت کرنا اسکو ممکن ہے۔

ترجمه: (۳۲۳) اور حضر میں فجر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس آیت سے پچاس آیت تک پڑھے۔

وجه : آدمی اپنی جگہ پر مقیم ہو تو فجر کی نماز کی دو رکعتوں میں چالیس سے لیکر پچاس آیت تک پڑھنا سنت ہے اسکی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن سمرة : أن النبی ﷺ کان یقرأ فی الفجر ﴿قٓ و القرآن المجید﴾ و کان صلوته بعد تخفیفا ۔ (مسلم شریف، باب القراۃ فی الصبح، ۱۸۵، نمبر ۴۵۸ / ۱۰۲۷) اس حدیث میں ہے صبح کی نماز میں سورہ قٓ پڑھتے تھے،

۱ویروی من اربعین الی ستین ومن ستین الٰی مائۃ وبکل ذٰلک ورد الاثر ۲ ووجہ التوفیق انہ یقرأ بالراغبین مائۃ وبالکسالی اربعین وبالاوساط ما بین خمسین الیٰ ستین، وقیل ینظرالی طول اللیالی وقصرھا والیٰ کثرۃ الاَشْغَال وقلتھا

اورسورہ قٓ میں ۴۵ آیتیں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس سے لیکر پچاس آیتیں پڑھنی چاہئے، یہ سنت ہے۔

ترجمہ: ۱ اورروایت ہے کہ چالیس سے لیکر ساٹھ تک، اور یہ بھی روایت ہے کہ ساٹھ سے لیکر سوتک، اور ہرایک روایت کے بارے میں حدیث ہے۔

تشریح : ایک روایت میں یہ ہے کہ چالیس سے لیکر پچاس تک پڑھے، دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے لیکر ساٹھ تک پڑھے، اور تیسری روایت یہ ہے کہ ساٹھ سے لیکر سوتک آیت فجر کی دونوں رکعتوں میں پڑھے۔

وجہ : چالیس آیت سے پچاس تک پڑھنے کی دلیل تواوپر کی حدیث گزرگئی۔(۲)اورساٹھ سے لیکر سوآیت تک کی حدیث یہ ہے۔عن ابی برزۃ أن رسول اللہ ﷺ کان یقرأ فی صلوۃ الغداۃ من الستین الی المأۃ ۔ (مسلم شریف، باب القرأۃ فی الصبح ،۱۸۵، نمبر ۴۶۱/۱۰۳۱)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لیکر سوآیتیں تک پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چالیس سے ساٹھ تک بھی پڑھنا سنت ہے۔(۴)اس اثر میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔عن ابی ھریرۃ قال ما صلیت وراء احد أشبہ صلوۃ برسول اللہ ﷺ من فلان .....یقرأ فی المغرب بقصار المفصل ، و یقرأفی العشاء بوسط المفصل ، و یقرأ فی الصبح بطوال المفصل ۔(نسائی شریف، باب تخفیف القیام والقرأۃ،ص ۱۳۷، نمبر ۹۸۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ فی صلوۃ الصبح ، ۶۷، نمبر ۳۰۶)اس اثر میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔

ترجمہ: ۲ سب روایتوں کے درمیان ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ رغبت کرنے والے کے ساتھ سوآیتیں پڑھیں، اورسست لوگوں کے ساتھ چالیس آیتیں، اور درمیان والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ آیتیں پڑھیں، اورفرمایا کہ یہ ترتیب بھی ہوسکتی ہے کہ لمبی رات اور چھوٹی رات کو دیکھ کر پڑھے تھے، پھرزیادہ مشغولیت اورکم مشغولیتوں کو بھی دیکھ کر پڑھے۔

تشریح : فجر میں کتنی آیتیں پڑھے اس بارے میں چارروایتیں آگئیں اسلئے ان سبھوں میں تین توفیق اور ترتیب یہ دی گئی ہیں۔کہ رغبت والے لوگ ہوں تو سوآیتیں پڑھے، اوراگر سست لوگ ہوں تو چالیس آیت پڑھے اور درمیان قسم کے لوگ ہوں تو پچاس یا ساٹھ آیت پڑھے، اسی طرح اگر سردی کی لمبی رات ہوتو لمبی قرأت کرے اور گرمی کی چھوٹی رات ہوتو کم آیتیں پڑھے، اسی طرح اگر مشغولیت کا زمانہ ہوتو کم قرأت کرے اورفرصت کا زمانہ ہوتو لمبی قرأت کرے۔یہی سب رعایت کر کے حضورؐ نے مختلف

(۳۲۴)قال وفی الظهر مثل ذٰلک ﴾ لاستوائهما فی سعة الوقت ۲ وقال فی الاصل اودونه لانه وقت الاشتغال فينقص عنه تحرزاعن الملال

زمانے میں کم بیش آیتیں پڑھی ہیں۔

ترجمه: (۳۲۴) اور ظہر میں اسی طرح [لمبی قرأت کرے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ دونوں کے وقت میں گنجائش ہے۔

تشریح : ظہر میں بھی فجر کی طرح لمبی قرأت کرے،(۱) اسکی ایک وجہ تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ دونوں کا وقت لمبا ہے اسلئے دونوں کی قرأت یکساں ہونی چاہئے (۲) ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر میں حضورؐ نے ساٹھ آیتیں پڑھی، اوراوپر گزرا کہ اتنی فجر میں پڑھی جاتی ہے اسلئے دونوں کا حکم برابر ہوگیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری : أن النبی ﷺ کان یقرأ فی صلوۃ الظهر فی الرکعتین الاولیین فی کل رکعة قدر ثلاثین آیة ، و فی الاخریین قدر خمس عشرة آیة ۔ (مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر، ۱۸۵، نمبر ۱۰۱۵/۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی، اور دونوں ملکر ساٹھ آیتیں ہوئیں، اور یہی ساٹھ آیتیں فجر میں بھی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا حکم بھی وہی ہے جو فجر کا ہے (۳) عن ابی سعید الخدری قال : کنا نحزر قیام رسول اللہ ﷺ فی الظهر و العصر ، فحزرنا قیامه فی الرکعتین الاولیین من الظهر قدر قرأة ﴿آلم تنزیل﴾ السجدة ۔ (مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر، ۱۸۵، نمبر ۱۰۱۴/۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ ہم نے آپؐ کے قیام کا اندازہ لگایا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ سجدہ کے برابر تھا، اور سورہ سجدہ میں تیس آیتیں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ظہر فجر کے قریب قریب ہے۔

ترجمه: ۲ اور مبسوط میں فرمایا کہ یا فجر سے تھوڑا کم پڑھے اسلئے کہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے تو فجر سے تھوڑا کم کرے اکتاہٹ سے بچنے کے لئے۔

تشریح : مبسوط میں امام محمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فجر میں جتنی لمبی قرأت کرتے ہیں ظہر میں اس سے کم کرے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ظہر کا وقت وسیع تو ہے لیکن یہ مشغولیت کا وقت ہے اسلئے فجر سے تھوڑا کم کرے، تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں۔(۲) اوپر حدیث میں تھا کہ حضورؐ نے سورہ سجدہ کی مقدار ظہر میں پڑھی اور سورہ سجدہ میں تیس آیتیں ہیں، تو یوں بھی فجر سے کم کا ثبوت ہوگیا۔(۳) اس روایت کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے۔ روی عن عمرؓ : أنه کتب الی ابی موسی , أن اقرأ فی الظهر بأوساط المفصل ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۶۷، نمبر ۳۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر میں اوساط المفصل پڑھنا اچھا ہے۔

(۳۲۵)والعصر والعشاء سواء يقرأ فيهما باوساط المفصل وفی المغرب دون ذٰلک يقرأ فيها بقصار المفصل ﴾ ل والاصل فيه کتاب عمرؓ الی ابی موسی الاشعریؓ ان اقرأ فی الفجروالظهر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل

لغت: استوا: برابر۔ دون: تھوڑا کم۔ تحرز: بچنے کے لئے۔ ملال: رنجیدگی، اکتاہٹ۔

ترجمہ: (۳۲۵) اور عصر اور عشاء برابر ہیں، ان دونوں میں اوساط المفصل پڑھیں، اور مغرب میں اس سے کم اس میں قصار المفصل پڑھیں۔

وجہ: عشاء میں اوساط مفصل، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱)۔ عن ابی هريرة قال ما صليت وراء احد أشبه صلوة برسول الله ﷺ من فلان .... يقرأ فی المغرب بقصار المفصل، و يقرأ فی العشاء بوسط المفصل، و يقرأ فی الصبح بطوال المفصل۔ (نسائی شریف، باب تخفیف القیام والقرأۃ، ص ۱۳۷، نمبر ۹۸۳/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ فی صلوۃ العشاء، وصلوۃ المغرب، ۶۷، نمبر ۳۰۹ نمبر ۳۰۸) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔

اور عصر میں اوساط مفصل پڑھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعيد الخدری: أن النبی ﷺ كان يقرأ فی صلوة الظهر فی الركعتين الاوليين فی كل ركعة قدر ثلاثين آية، و فی الاخريين قدر خمس عشرة آية أو قال نصف ذالک، و فی العصر فی الركعتين الاوليين فی كل ركعة قدر قرائة خمس عشرة آية، و فی الاخريين قدر نصف ذالک. (مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر، ۱۸۵، نمبر ۴۵۲/ ۱۰۱۵) اس حدیث میں ہے کہ عصر میں ظہر سے آدھی پندرہ آیت پڑھتے تھے، تو یہ اوساط مفصل ہوا۔

ترجمہ: ل اور اس میں اصل ابو موسی اشعریؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ہے، کہ فجر میں اور ظہر میں طوال مفصل پڑھو، اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھو۔

تشریح: یہ اثر بالکل ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے، اسکے قریب قریب یہ ہے۔ قال كتب عمرؓ الی أبی موسی أن اقرأ فی المغرب بقصار المفصل، و فی العشاء بوسط المفصل، و فی الصبح بطوال المفصل۔ (مصنف عبد الرزاق، باب مایقرأ فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۰۴، نمبر ۲۶۷۲/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی القرأۃ فی صلوۃ الصبح نمبر ۳۰۶/ فی الظہر والعصر ۳۰۷/ فی المغرب، نمبر ۳۰۸) ترمذی شریف یہ اثر تین بابوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے ذکر کیا ہے۔ (۲) اسکی تائید اس حدیث مرسل سے بھی ہوتی ہے۔ عن ابی هريرة قال ما صليت وراء احد أشبه صلوة برسول الله ﷺ من فلان .... يقرأ فی

۲ و لان مبنی المغرب علی العجلة و التخفیف الیق بها و العصر و العشاء یستحب فیهما التاخیر و قد یقعان بالتطویل فی وقت غیر مستحب فیوقّت فیهما بالاوساط (۳۲۶) ویطیل الرکعة الاولیٰ من الفجر علی الثانیة ﴾ ۱ اعانة للناس علیٰ ادراک الجماعات

المغرب بقصار المفصل ، و یقرأفی العشاء بوسط المفصل ، و یقرأ فی الصبح بطوال المفصل ۔(نسائی شریف ، باب تخفیف القیام والقرأۃ ،ص ۱۳۷،نمبر۹۸۳)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح میں طوال مفصل ،عشاء میں اوساط مفصل ،اورمغرب میں قصار مفصل پڑھے۔ظہراورعصر کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲ اوراس لئے کہ مغرب کا دارومدار جلدی پر ہے اسلئے اسکے ساتھ تخفیف زیادہ بہتر ہے،اورعصراورعشاء میں موءخرکر نا مستحب ہے اسلئے لمبی قرأت کرنے سے غیر مستحب وقت میں پڑ جائیں گے اسلئے ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ متعین کیا جائے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ مغرب کی نماز جلدی ختم کرنی چاہئے تا کہ یہ نماز تاخیر کے ساتھ ادانہ ہو،اب اس میں لمبی قرأت کریں تو تاخیر ہوگی اسلئے چھوٹی سورتیں اور قصار مفصل اسکے زیادہ مناسب ہے۔اورعصر میں اورعشاء میں مستحب یہ ہے کہ تاخیر سے نماز پڑھے،اب اگراس میں لمبی قرأت کرے تو ایسا ممکن ہے کہ مکروہ وقت تک نماز لمبی ہو جائے جواچھی بات نہیں ہے اسلئے انکے مناسب یہی ہے کہ وسط مفصل قرأت کرے۔

﴿طوال مفصل ،اوساط مفصل ،اورقصار مفصل کیا ہیں ﴾

سورہ حجرات ۴۹ سے لیکرسورہ بروج ۸۵ تک طوال مفصل ہے، کیونکہ یہ سورتیں لمبی لمبی ہیں،اورسورہ بروج ۸۵ سے لیکرسورہ البینۃ [لم یکن الذین کفرو]۹۸ تک اوساط مفصل ہیں اسلئے کہ یہ سورتیں اوسط درجے کے ہیں نہ زیادہ لمبی ہیں اور نہ زیادہ چھوٹی ہیں،اورلم یکن الذین کفرو۹۸ سے لیکرآخیر قرآن سورہ الناس ۱۱۴ تک قصار مفصل ہیں اسلئے کہ یہ سورتیں چھوٹی چھوٹی ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۶) اورفجر کی پہلی رکعت کودوسری رکعت پر لمبی کرے۔

ترجمہ: ۱ تا کہ لوگوں کو جماعت پانے پر اعانت ہوگی۔

تشریح : فجر کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت کی بنسبت لمبی قرأت کرے،اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو جماعت مل جائے گی (۱)اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد اللہ بن ابی قتادة ، عن ابیه قال : کان رسول الله

(۳۲۷)قال ورکعتا الظھر سواء﴾ ۱؎ وھذا عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ

ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین من صلاۃ الظھر بفاتحۃالکتاب و سورتین ، یطول فی الاولی و یقصر فی الثانیۃ و یسمع الآیۃ احیانا ، و کان یقرأ فی العصر بفاتحۃ الکتاب و سورتین ، و کان یطول فی الاولی ، و کان یطول فی الرکعۃ الاولی من صلوۃ الصبح ، و یقصر فی الثانیۃ ۔(بخاری شریف، باب القرأۃ فی الظھر ،ص ۱۰۵، نمبر ۷۵۹ مسلم شریف ، باب القرأۃ فی الظھر ،ص ۱۸۵، نمبر ۱۰۱۲/۴۵۱)اس حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت کولمبی کرتے اور دوسری رکعت کواس سے مختصر کرتے تھے۔ (۲)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔قال صلیت خلف عمرؓ فقرأ فی الرکعۃ الاولی بسورۃ یوسف ، ثم قرأ فی الثانیۃ , بالنجم ، فسجد ثم قرأ : ﴿اذا زلزلت الارض ﴾آیت ۱ سورۃ نمبر ۹۹)ثم رکع ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۲۹، مایقرأ فی صلوۃ الفجر، ج اول ،ص ۳۱۱ ،نمبر ۳۵۶۴)اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورہ یوسف پڑھی جس میں ۱۱۱ آیتیں ہیں اور دوسری رکعت میں سورہ نجم پڑھی جس میں ۶۲ آیت ہیں اور پھر اذا زلزلت ،سورہ زلزلہ پڑھی جس میں ۸ آیتیں ہیں تو کل ملا کر ۷۰ آیتیں ہوئیں ،تاہم ۱۱۱ آیتوں سے کم ہیں ،جس سے پتہ چلا کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے کم پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: (۳۲۷) اورظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت کی قرأت کو دوسری رکعت کی بنسبت لمبی کرنا مستحب نہیں ہے بلکہ دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے برابر ہوں۔

وجہ : (۱)اس حدیث میں ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں کو ایک ہی طرح پڑھتے تھے ۔عن ابی سعید الخدری : أن النبی ﷺ کان یقرأ فی صلوۃ الظھر فی الرکعتین الاولیین فی کل رکعتین قدر ثلاثین آیۃ ، و فی الاخریین قدر خمس عشرۃ آیۃ ۔(مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظھر والعصر،۱۸۵، نمبر ۱۰۱۵/۴۵۲)اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی ،تو دونوں رکعتیں ایک طرح کی ہوگئیں ۔(۲)اس حدیث میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ قال عمرؓ لسعدؓ : قد شکوک الناس فی کل شیء حتی فی الصلوۃ .قال : أما انا فأمد فی الاولیین و أحذف فی الاخریین و ما الو ما اقتدیت بہ من صلوۃ رسول اللہ ﷺ . قال: ذاک الظن بک ۔(ابوداود شریف ، باب تخفیف الاخریین ،ص ۱۲۴، نمبر ۸۰۳ /مسم شریف ، باب القرأۃ فی الظھر والعصر،ص ۱۸۵، نمبر ۴۵۳ / ۱۰۱۸) اس حدیث میں ہے کہ پہلی دو رکعتوں کو لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں کو مختصر کرتا ہوں ،اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کی پہلی

۲؎وقال محمدؒ احبُّ الیّ ان یطیل الرکعۃ الاولیٰ علی الثانیۃ فی الصلوٰۃ کلھا لما روی ان النبی علیہ السلام کان یطیل الرکعۃ الاولیٰ علی غیرھا فی الصلوات کلھا ۳؎ ولھما ان الرکعتین استویا فی استحقاق القراء ۃ فیستویان فی المقدار بخلاف الفجر لانہ وقت نوم وغفلۃ ۴؎ والحدیث محمول علی الاطالۃمن حیث الثناء والتعوذوالتسمیۃ

دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے ایک طرح ہوئیں۔

ترجمہ: ۲؎ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبی کرے ۔اسلئے کہ نبی علیہ السلام تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو اسکے علاوہ پر لمبی کرتے تھے۔

وجہ: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام ہی نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری پر لمبی کرے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے ۔عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ ، عن ابیہ قال : کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین من صلاۃ الظھر بفاتحۃالکتاب و سورتین ، یطول فی الاولی و یقصر فی الثانیۃ و یسمع الآیۃ احیانا ، و کان یقرأ فی العصر بفاتحۃ الکتاب و سورتین ، و کان یطول فی الاولی ، و کان یطول فی الرکعۃ الاولی من صلوۃ الصبح ، و یقصر فی الثانیۃ ۔(بخاری شریف، باب القرأۃ فی الظھر ،ص ۱۰۵،نمبر ۷۵۹ مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظھر ،ص ۱۸۵،نمبر ۱۰۱۲/۴۵۱) اس حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت کو لمبی کرتے اور دوسری رکعت کو اس سے مختصر کرتے تھے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں قرأت کے استحقاق کے حق میں برابر ہیں تو مقدار میں بھی برابر ہونی چاہئے بخلاف فجر کے اسلئے کہ وہ سونے اور غفلت کا وقت ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے،طرفین فرماتے ہیں کہ ظہر کی دونوں رکعتوں کو حق ہے کہ ان میں قرأت کی جائے، جب دونوں کا حق برابر ہے تو آیت کی مقدار بھی برابر ہونی چاہئے ۔باقی رہا کہ فجر کی پہلی رکعت میں لمبی قرأت کرنے کو مستحب کہا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ وقت نینداور غفلت کا ہے اسلئے پہلی رکعت لمبی کرے گا تو لوگوں کو جماعت مل جائے گی ۔اور ظہر کا وقت ایسا نہیں ہے اسلئے اسکی دونوں رکعتیں برابر ہونی چاہئے ۔۔اسکے لئے حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور حدیث محمول ہے ثناء، اور اعوذ باللہ، اور بسم اللہ کی وجہ سے لمبی ہونے پر۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی حدیث کا جواب ہے۔انہوں نے اوپر بخاری شریف کی حدیث پیش کی تھی کہ حضورؐ ظہر کی پہلی رکعت کو لمبی کرتے تھے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے برابر ہوتیں تھی ،البتہ پہلی رکعت میں ثناء بھی

۵ ولامعتبر بالزيادة والنقصان بمادون ثلث اٰيات لعدم امكان الاحتراز عنه من غير حرج (۳۲۸)وليس في شئ من الصلوات قراء ة سورة بعينها لايجوز غيرها ۞ ۱ الاطلاق ماتلونا (۳۲۹)ويكره ان يوقت بشئ

ہے،اوراعوذ باللہ بھی ہے اور بسم اللہ بھی ہے انکی وجہ سے وہ لمبی معلوم ہوتی تھی، ورنہ قرأت کے اعتبار دونوں برابر ہوتی تھیں۔

ترجمه : ۵ اور تین آیتوں سے کم میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے،اسلئے کہ بغیر حرج کے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح : اوپر یہ فرمایا کہ ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہوں۔اب یہ فرما رہے ہیں کہ کتنی کمی زیادتی معاف ہے! فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت سے دوسری رکعت میں ایک، یا دو آیت زیادہ ہو جائے تو یہ زیادہ نہیں سمجھا جائے گا برابر ہی سمجھا جائے گا، ہاں تین آیت زیادہ ہو جائے تب زیادہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ایک دو آیت کو بھی زیادہ کہیں تو اس سے بچنا مشکل ہے اور حرج لازم آئے گا۔اسلئے تین آیت کو زیادتی کا معیار بنایا۔(۱) حدیث میں ہے کہ حضور نے فجر کی پہلی رکعت میں قل اعوذ برب الفلق ، پڑھی اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس، پھر بھی دونوں کو برابر سمجھا گیا، حالانکہ قل اعوذ برب الفلق ، میں ۵ ہی آیتیں ہیں اور قل اعوذ برب الناس ، میں ۶ آیتیں ہیں یعنی ایک آیت زیادہ ہے،لیکن چونکہ تین آیتوں سے کم ہے اسلئے دونوں کو برابر سمجھا گیا۔حدیث یہ ہے ۔عن عقبة بن عامر قال : كنت أقود برسول الله ﷺ ناقته فى السفر فقال لى : يا عقبة ! ألا أعلمك خير سورتين قرئتا ، فعلمنى ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و ﴿قل اعوذ برب الناس﴾ قال : فلم يرنى سررت بهما جدا ، قال : فلما نزل لصلوة الصبح صلى بهما صلوة الصبح للناس ، فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلوة التفت الى فقال : يا عقبة كيف رأيتَ ۔(ابوداود شریف، باب فی المعوذتین،ص ۲۱۸،نمبر ۱۴۶۲ رنسائی شریف،کتاب الاستعاذہ،ص ۷۴۰،نمبر ۵۴۳۸)اس حدیث میں ہے کہ ایک میں ۵ اور دوسری میں ۶ آیتیں پڑھیں پھر بھی دونوں رکعتوں کو برابر سمجھا گیا۔

ترجمه : (۳۲۸) نماز میں کوئی ایسی متعین سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے کہ اسکے علاوہ جائز نہ ہو۔

ترجمه : ۱ اس آیت کی وجہ سے جسکو میں نے پہلے تلاوت کی

تشریح : ایسا سمجھے کہ کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورت ہی ہے اسکے بغیر نماز ہوگی ہی نہیں، ایسا نہیں ہے۔کسی بھی سورت، یا کسی بھی آیت سے کوئی بھی نماز درست ہے، کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورت نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ﴿فاقرؤا ما تيسر من القرآن﴾ کہ قرآن میں سے جو بھی آسان ہو وہ پڑھو تو خود قرآن نے فرمایا کہ کوئی آیت کسی نماز کے لئے متعین نہیں ہے جو بھی آسان ہو اسکو پڑھ کر نماز ادا کرلو۔

ترجمه: (۳۲۹)اور مکروہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت کسی خاص نماز کے لئے متعین کرے۔

من القرآن لشیٔ من الصلوات ﴾ لـ لما فيه من هجر الباقی وایهام التفضيل (۳۳۰)ولا يقرأ المؤتم خلف الامام ﴾

ترجمه: لـ اسلئے کہ اس میں باقی کو چھوڑنا ہے، اور اسکو فضیلت کا وہم ہے۔

تشریح : ایسا تو نہیں سمجھتا ہے کہ اس آیت کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

لیکن کسی آیت کو کسی نماز کے لئے خاص کر لے، اور اس نماز میں بار بار وہی آیت پڑھے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ اسکی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب اس آیت کو ہمیشہ پڑھے گا تو باقی آیتوں کو ہمیشہ چھوڑ دے گا، ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو وھم ہوگا کہ یہی آیت افضل ہے اور دوسری آیتیں افضل نہیں ہیں، حالانکہ تمام آیتیں افضل ہیں۔ تو فضیلت کا وھم ڈالنا یہ بھی مکروہ ہے، اسلئے کسی خاص آیت یا سورت کو کسی خاص نماز کے لئے متعین نہ کرے۔ البتہ کسی فضیلت کی وجہ سے اکثر و بیشتر کسی نماز میں کسی سورت کو پڑھنا استحباب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حضورؐ جمعہ کی نماز میں, الـم تنزيل ,السجدة ، اور هل أتى على الانسان حين من الدهر ، پڑھا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال : كان النبی ﷺ يقرأ فی الفجر يوم الجمعة , ﴿الـم تـنـزيل ﴾آیت ۱ . ۲ سورة السجدة ۳۲، اور ﴿هل أتى على الانسان حين من الدهر ﴾آیت ا سورة الانسان ۷۶) (بخاری شریف، باب مایقرأ فی صلوۃ الفجر یوم الجمعۃ ،ص ۱۲۱، نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ انسان پڑھا کرتے تھے۔

﴿ قرأت خلف الامام ﴾

ترجمه :(۳۳۰) مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ان کا کام ہے امام کی قرأت سننا اور خاموش رہنا۔ حضرت امام ابو حنیفہ کی نظر آیت اور نص قطعی کی طرف گئی ہے۔

وجه : (۱) آیت میں ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون. (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ اس لئے امام جب قرأت کرے گا تو مقتدی کا کام اس کو کان لگا کر سننا ہے اور سنائی نہ بھی دے تو چپ رہنا ہے۔ اس لئے قرأت خلف الامام صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں بھی ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی کو چپ رہنا چاہئے۔ یہ صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول الله انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبرو واذا قرأ فانصتوا. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶/

ﻟ إخلافا للشافعیؒ فی الفاتحة له ان القراء ة رکن من الارکان فیشترکان فیه

نسائی شریف تاویل قولہ عز وجل واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۲ ر دار قطنی ، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹ ر مسلم شریف ، باب التشهد فی الصلوة ، ص ۱۷۵ ، نمبر ۴۰۴ ر ۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کے وقت مقتدی کو چپ رہنا چاہئے (۳) بلکہ قرأت کرنے والوں کو آپؐ نے منع فرمایا عن عمران بن حصين ان رسول الله ﷺ صلى الظهر فجعل رجل يقرء خلفه سبح اسم ربک الاعلى فلما انصرف قال ايكم قرء او ايكم القارى؟ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضكم خالجنيها . (مسلم شریف ، باب نہی الماموم عن جهره بالقراءۃ خلف الامام ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۸) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے مالی انازع القرآن قال فانتهى الناس عن القراء ة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه ۔ (ابوداؤد شریف ، باب من رأی القراءۃ اذا لم یجهر ، ص ۱۲۷ ، نمبر ۸۲۶ ر ترمذی شریف ، باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جهر الامام بالقرائۃ ص ۷۱ نمبر ۳۱۲ ر دار قطنی ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام مناسب نہیں ہے ۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے (۴) مقتدیوں کو قرأت کرنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کی جانب سے قرأت کررہا ہے ۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے ۔ حدیث میں اس کا باضابطہ ذکر ہے ۔ یہ صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے ۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة . (ابن ماجہ شریف ، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰ ، نمبر ۸۵۰ ر دار قطنی ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی تو گویا کہ مقتدی نے بھی پڑھ لی وہ بغیر فاتحہ کے نہ رہے (۵) عن ابی درداء سمعه يقول سئل رسول الله ﷺ ا فی کل صلوة قراء ة ؟ قال نعم قال رجل من الانصار وجبت هذه؟ فالتفت الی وکنت اقرب القوم منه فقال ما اری الامام اذا ام القوم الا قد كفا هم ۔ (نسائی شریف ، باب اکتفاء الماموم بقراءۃ الامام ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۴ ر دار قطنی ص ۳۲۶ نمبر ۱۲۴۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کافی ہے (۶) عن زيد بن ثابت قال : من قرأ مع الامام فلا صلوة له ۔ (ر مصنف عبد الرزاق ، باب القرأۃ خلف الامام ، ج ثانی ، ص ۱۳۷ ، نمبر ۲۸۰۲ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام ، ج اول ، ص ۳۳۰ ، نمبر ۳۷۸۳) اس قسم کی ۲۷ حدیثین اور آثار مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأت خلف الامام نہیں ہے ۷) مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو مقتدی کو وہ رکعت مل گئی ۔ لیکن فاتحہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو گویا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں امام کا پڑھا ہوا فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہوگیا تو آخر ایک صورت میں وہ بھی حنفیوں کے ساتھ ہو گئے ۔

ترجمه: ﻟ خلاف امام شافعیؒ کے سورہ فاتحہ کے بارے میں ۔ انکی دلیل یہ ہے کہ قرأت رکنوں میں سے ایک رکن ہے تو اس

۲؎ ولنا قوله عليه السلام من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة وعليه اجماع الصحابةؓ

میں دونوں شریک ہوں۔

فائدہ: امام شافعیؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔ چاہے قرأت جہری کر رہا ہو یا سری۔ اور ایک روایت ہے کہ سری قرأت کر رہا ہو تو قرأت فاتحہ کرے گا اور جہری کر رہا ہو تو نہیں کرے گا۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : و سن رسول الله ﷺ أن يقرأ القارى فى الصلوة بأم القرآن ، و دل على أنها فرض على المصلى اذا كان يحسن يقرئوها ۔ (موسوعہ امام شافعیؒ، باب القرأۃ بعد التعوذ، ج ثانی، ص ۱۵۳، نمبر ۱۳۴۹) اس عبارت میں ہے کہ مصلی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ چاہے امام ہو یا مقتدی۔

وجہ : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب ۔ (بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ / مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴ / ابوداؤد شریف نمبر ۸۲۳) اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ حدیث کی وجہ سے قرأت ہر ایک پر فرض ہے، اسلئے امام اور مقتدی دونوں اس فرض میں شریک ہونگے، اور دونوں کو سورہ فاتحہ پڑھنا ہوگا۔ (۳) یہ اثر بھی ہے۔ قال سألت عمر بن الخطاب عن القرأة خلف الامام فقال لى : اقرأ ، قال : قلتُ : و ان كنتُ خلفك ؟ قال : و ان كنتَ خلفى ، قال : و ان قرأتَ ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۲۷، نمبر ۳۷۴۸ / مصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی، ص ۱۳۱، نمبر ۲۷۷۶) اس اثر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے بھی قرأت فاتحہ کی جائے گی۔ مصنف ابن ابی شیبۃ نے اس سلسلے میں ۱۲۹ آثار نقل فرمائے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت ہے۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

تشریح : یہ حدیث اوپر گزر گئی۔ حدیث یہ ہے عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراءة الامام له قرأة. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ بہت سارے صحابہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل ہیں، البتہ بہت سے صحابہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا اچھا نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبۃ نے ۲۷ اثر نقل کئے ہیں کہ وہ صحابہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ایک اثر یہ بھی

۳؎ وهو ركن مشترك بينهما لكن حظ المقتدی الانصات والاستماع قال عليه السلام واذا قرأ فانصتوا ۴؎ ويستحسن علیٰ سبيل الاحتياط فيما يروی عن محمدؒ ويكره

گزری۔عن زيد بن ثابت قال : من قرأ مع الامام فلا صلوة له ۔(رمصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی ص ۱۳۷، نمبر ۲۸۰۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۳۰، نمبر ۳۷۸۳) اس اثر میں ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اسکی نماز ہی نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ قرأت کرنا امام اور مقتدی کے درمیان مشترک رکن ہے لیکن مقتدی کا حصہ چپ رہنا ہے اور سننا ہے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے کہا تھا کہ قرأت مشترک رکن ہے اسلئے امام اور مقتدی دونوں کو اس رکن میں شریک ہونا چاہئے اور دونوں کو کم سے کم فاتحہ پڑھنا چاہئے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ قرأت مشترک فرض ضرور ہے لیکن اس فرض میں امام کا کام قرأت کرنا ہے اور مقتدی کا کام اسکو سننا ہے اسی سے دونوں اس مشترک فرض میں شریک ہو جائیں گے اسلئے مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔حضورؐ کی یہ حدیث گزر چکی۔ عن ابی هريرة قال رسول الله انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبرو واذا قرأ فانصتوا. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶ رنسائی شریف تاویل قولہ عز وجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷، نمبر ۹۲۲ ردار قطنی، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹ رمسلم شریف، باب التشهد فی الصلوۃ ص ۱۷۵، نمبر ۴۰۴ ر ۹۰۵) اس حدیث میں ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی چپ رہے۔(۲) آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو لعلكم ترحمون. (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔

ترجمہ: ۴؎ اور احتیاط کے طور پر قرأت کرنا اچھا سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام محمدؒ سے روایت ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلائل کی وجہ سے امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ احتیاط کے طور پر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ لے۔

نوٹ: بعض حضرات کی رائے ہے کہ سری نماز ہو تو امام کے پیچھے قرأت کر لے اور جہری ہو تو نہ کرے۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔عن الحكم قال اقرأ خلف الامام فيما لم يجهر فی الاوليين فاتحة الكتاب و سورة ، و فی الاخريين فاتحة الكتاب ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۲۹، نمبر ۳۷۶۶ رمصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی، ص ۱۳۰، نمبر ۲۷۷۴) اس اثر میں ہے کہ امام سری نماز پڑھے تو مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے۔

۵ عندهما لما فيه من الوعيد (۳۳۱) ويستمع وينصت وان قرأ الامام اٰية الترغيب والترهيب ﴿ ا لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقراءة وسوال الجنة والتعوذ من النار كل ذٰلك مخلٌّ به (۳۳۲) كذلك فى الخطبة وكذلك ان صلى على النبى عليه السلام ﴿ ا لفرضية الاستماع

ترجمه: ۵ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے پیچھے پڑھنا مکروہ ہے اسلئے کہ اسکے بارے میں وعید ہے۔

تشریح : یہ مکروہ تنزیہی ہوگی اسلئے کہ اثر میں وعید ہے تو دوسرے آثار میں اسکا ثبوت بھی ہے۔ وعید یہ ہے۔ عن الاسود بن یزید أنه قال : وددت أن الذى يقرأ خلف الامام ملیء فوه ترابا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۳۱، نمبر ۳۷۸۹ مصنف عبد الرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی، ص ۱۳۹، نمبر ۲۸۰۹) اس اثر میں ہے کہ کوئی قرأت خلف الامام کرے تو اس کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔

ترجمه: (۳۳۱) کان لگا کر سنے اور چپ رہے چاہے امام ترغیب یا ترہیب کی آیت پڑھتے ہوں۔

ترجمه: ا اسلئے کہ کان لگا کر سننا اور چپ رہنا نص قرآنی کی وجہ سے فرض ہے، اور پڑھنا، اور جنت کا سوال کرنا، اور جہنم سے پناہ مانگنا سننے میں مخل ہیں [اسلئے یہ سب نہ کرے]

تشریح : جب امام قرأت کر رہے ہوں تو چاہے وہ ترغیب کی آیت پڑھے پھر بھی مقتدی جنت نہ مانگے، اور ترہیب کی آیت پڑھ رہے ہوں تو جہنم سے پناہ نہ مانگے، اور نہ امام کے پیچھے قرأت کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ابھی اوپر آیت اور حدیث گزری جن سے معلوم ہوا کہ مقتدی چپ رہنا اور کان لگا کر سننا فرض ہے، اور یہ سب کرے گا تو چپ رہنے اور کان لگا کر سننے میں مخل ہوگا اسلئے یہ سب نہ کرے۔

ترجمه : (۳۳۲) اور ایسے ہی خطبے میں اور ایسے ہی اگر حضورؐ پر درود شریف کی آیت پڑھے۔

ترجمه: ا اسلئے کہ کان لگا کر سننا فرض ہے۔

تشریح : جمعہ کے خطبے کے دوران بھی چپ رہے اور حضورؐ پر درود شریف کی آیت پڑھے تب بھی چپ رہے زیادہ سے زیادہ دل دل میں درود شریف پڑھے۔

وجه :(۱) کیونکہ آیت میں ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو چپ رہو اور کان لگا کر سنو آیت یہ ہے۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو لعلكم ترحمون. (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو (۲) حدیث میں ہے کہ خطبہ کے وقت کسی کو چپ رہنے کے لئے بھی کہے تو اچھا نہیں ہے۔ و قال سليمان عن النبى صلى الله عليه وسلم : ينصت اذا تكلم الامام .....أن ابا هريرة اخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : اذا قلت

(۳۳۳) الا ان یقرأ الخطیب قوله تعالیٰ یا ایّھا الذین اٰمنوا صلوا علیه الآیة ﴾ ل واختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط هو السکوت اقامة لفرض الانصات، واللّٰه اعلم بالصواب

لصاحبک یوم الجمعة أنصت ، و الامام یخطب فقد لغوت ۔ (بخاری شریف، باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب ،ص ۱۵۰، نمبر ۹۳۴) اس حدیث میں ہے کہ خطبے کے وقت کسی کو چپ رہنے کے لئے کہنا بھی اچھا نہیں ہے اسلئے خطبے کے وقت بھی چپ رہے اور کان لگا کر سنے۔

ترجمہ: (۳۳۳) مگر یہ کہ خطیب اللہ تعالی کا قول ﴿یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ ﴾ آیت پڑھے تو سننے والا دل دل میں درود شریف پڑھے۔

تشریح: خطیب ۔ان اللہ و ملٰئکته یصلون علی النبی یآیھاالذین آمنو ا صلوا علیه و سلموا تسلیماً (آیت ۵۶ ،سورۃ الاحزاب ۳۳) آیت پڑھے تو اس میں حکم ہے کہ ایمان والے بھی حضورؐ پر درود شریف پڑھیں اسلئے اوپر کی آیت اور اس آیت دونوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ سننے والا دل دل میں درود شریف پڑھے گا۔

وجه : (۱) اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے ۔عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: من صلی صلوۃ لم یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج ثلاثا غیر تمام ، فقیل لابی هریرة : انا نکون وراء الامام فقال : اقرأ بها فی نفس ۔ (مسلم شریف، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ،ص ۱۶۹، نمبر ۸۷۸/۳۹۵) اس حدیث میں ہے کہ دل دل میں پڑھے۔

ترجمہ: ل منبر سے دور کے بارے میں اختلاف کیا۔البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ چپ رہے، چپ رہنے کے فرض کو قائم کرنے لئے۔

تشریح : خطیب کے خطبہ دیتے وقت جو لوگ منبر سے دور ہیں اور خطبہ نہیں سن پا رہے ہیں وہ درود شریف یا آیات قرآنی پڑھیں یا نہیں، اس بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ خاموش رہنا اسلئے تھا کہ اچھی طرح خطبہ سن سکے، اور جب خطبہ نہیں سن سک رہا ہے تو خاموش رہنے سے بہتر ہے کہ قرآن پڑھے۔انکا استدلال اس اثر سے ہے۔عن سعید بن جبیر قال : اذا لم تسمع قرأۃ الامام فاقرأ فی نفسک ان شئت ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول،ص ۳۲۸، نمبر ۳۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ قرأت سنائی نہ دے رہا ہو تو آہستہ سے پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن مصنفؒ کا مذہب مختار یہ ہے کہ قرأت سنائی نہ دیتی ہو پھر بھی چپ رہے کیوں کہ آیت میں ہے کہ ہر حال میں چپ رہو، پھر یہ بھی ہے کہ سنائی دے یا نہ دے کان لگائے رکھو، اسلئے چپ رہنا ہی احوط ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

CLIPART\3%20pt%20flower.jpg not found.

﴿باب الامامة﴾

(۳۳۴) الجماعة سنة مؤكدة ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام الجماعة من سنن الهدى لايتخلف عنها الامنافق (۳۳۵) واولى الناس بالامامة اعلمهم بالسنة﴾

﴿جماعت کا بیان﴾

ترجمه: (۳۳۴) جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

وجه: (۱)اس آیت میں جماعت سے نماز پڑھنے کا اشارہ ہے۔و اقیموا الصلوة و آتوا الزكوة و اركعوا مع الراكعين۔(آیت ۴۳سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کرو، یعنی نماز پڑھنے والے کے ساتھ نماز پڑھو، جس سے جماعت کا ثبوت ہوتا ہے۔(۲)عن ابی هريرة ان رسول الله قال والذى نفسى بيده لقد هممت ان آمر بحطب ليحطب ثم امر بالصلوة فيوذن لها ثم امر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذى نفسى بيده لو يعلم احدهم انه يجد عرقا سمينا او مرما تين حسنتين لشهد العشاء (بخاری شریف، باب وجوب صلوة الجماعة ص ۸۹ نمبر ۶۴۴ /ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الصلوة ص ۸۸ نمبر ۵۴۸) آپؐ نے جماعت چھوڑنے پر گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کے وجوب کی دلیل ہے۔تاہم وہ سنت مؤکدہ ہے(۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر؟ قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوة التى صلى (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الجماعة ص ۸۸ نمبر ۵۵۱)اس سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔کیونکہ بغیر عذر کے اس کے چھوڑنے سے نماز قبول نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے: کہ جماعت سنن ھدی ہے منافق کے علاوہ اس سے کوئی پیچھے نہیں رہتا۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث قریب قریب یہ ہے۔قال عبد الله : لقد رأيتنا و ما يتخلف عن الصلوة الا منافق قد علم نفاقه ، أو مريض ، ان كان المريض ليمشى بين رجلين حتى يأتى الصلوة . و قال : ان رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدى ، و ان من سنن الهدىٰ الصلاة فى المسجد الذى يوء ذن فيه ۔(مسلم شریف، باب صلوة الجماعة من سنن الهدیٰ،ص ۲۳۴،نمبر ۶۵۴ /۱۴۸۷)اس حدیث میں ہے کہ جماعت سنن ھدی میں سے ہے۔

ترجمه: (۳۳۵) لوگوں میں سے امامت کا زیادہ حقدار جوان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔

تشریح : سنت سے مراد احکام نماز ہے۔اس لئے جو موجودہ لوگوں میں سے احکام نماز اور مسائل سے زیادہ واقف ہوں ان کو امام بنایا جائے بشرطیکہ اتنی قرأت جانتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو۔پھر اگر سبھی مسائل کے جاننے میں برابر ہوں تو جس کی

لے وعن ابی یوسفؒ اقرؤ ھم لان القراء ۃ لابدمنھا والحاجۃ الی العلم اذا نابت نائبۃ

قرأت بہت اچھی ہوان کوامام بنایا جائے۔اوراگر قرأت بھی سبھی کی ہی اچھی ہوتو جوزیادہ پرہیزگار ہوان کوامام بنایا جائے۔اورسب پرہیزگار بھی برابردرجے کے ہوں تو جوعمر میں بڑے ہوں ان کوامامت کا حق ہے۔

نوٹ: یہ اسوقت ہے کہ پہلے سے امام متعین نہ ہو۔اوراگر پہلے سے امام متعین ہوتوان کوامامت کا زیادہ حق ہے۔

وجہ: (۱) مسئلہ زیادہ جاننے والے کوسب سے مقدم اس لئے کریں گے کہ اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ کہاں سجدۂ سہو ہوگا اور کہاں نہیں ہوگا۔اسی طرح کون سارکن فرض ہے کون ساواجب اورکون سا سنت،اوراس کی رعایت کتنی کرنی چاہئے (۲) یوں بھی زیادہ جاننے والے کا رعب زیادہ پڑتا ہے۔اوراس کی وجہ سے جماعت کا معاملہ قابو میں رہتا ہے(۳) دورصحابہ میں اونچے قاری ابی بن کعبؓ تھے لیکن آپ نے آخروقت میں اپنے مصلے پرحضرت ابوبکرؓ کوتاکید کرکے کھڑا کیا جو اعلم بالسنۃ تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ اعلم بالسنۃ کوامامت کا حق زیادہ ہے۔عن ابی موسی قال مرض النبی ﷺ فاشتد مرضۃ فقال مروا ابا بکر فلیصل بالناس۔(بخاری شریف، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص۹۳ نمبر ۶۷۸ رمسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ص۱۷۸ نمبر ۹۳۶/۴۱۸)(۴)عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثلاثا (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول ص۱۸۱ نمبر ۹۷۴/۴۳۲ رابوداود شریف، باب من یستحب ان یلی الامام فی الصف وکراھیۃ التأخر،ص۱۰۵،نمبر ۶۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل اورسمجھ رکھنے والے کو امام کے قریب رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پرامامت کے کام آئے۔یہ نہیں کہا کہ قاری کوحضورؐ کے قریب ہونا چاہئے (۵) حدیث میں ہے عن عقبۃ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ یوم الناس اقدمھم ھجرۃ وان کانوا فی الھجرۃ سواء فافقھھم فی الدین وان کانوا فی الدین سواء فاقرؤھم للقرآن (دارقطنی،باب من احق بالامامۃ ص۲۸۴ نمبر ۱۰۷۲ر مستدرک للحاکم،کتاب الصلوۃ،ج اول،ص۳۷۰،نمبر۸۸۶)اس میں بھی افقہ کوزیادہ حق امامت دیا گیا ہے۔تاہم کسی غیرافضل نے امامت کرلی تونماز ہوجائے گی۔

فائدہ ترجمہ: لے اورامام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ جوزیادہ قاری ہووہ افضل ہے،کیونکہ قرأت نماز میں ضروری ہے، اورعلم فقہ کی ضرورت پڑے گی جب کوئی واقعہ پیش آئے گا۔

تشریح: حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ سب برابر ہوں توجوسب سے زیادہ قاری ہووہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

وجہ: (۱)وہ فرماتے ہیں کہ ہرنماز میں قرأت کی ضرورت پڑے گی ہی اسلئے اسکی ضرورت زیادہ ہے،اورفقہ کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب کوئی واقعہ پیش آئے گا تواس وقت دیکھنے کی ضرورت پڑے گی کہ اس وقت سنت کے اعتبار سے کیا کرنا ہوگا،اور اس قسم کاواقعہ کبھی کبھار پیش آتا ہے اسلئے فقہ کے جاننے کی ضرورت قرأت کے اعتبار سے کم ہے اسلئے امامت میں اسکی اہمیت قرأت

۲ ونحن نقول القراءة مفتقر اليها لركن واحد والعلم لسائر الاركان (۳۳۶) فان تساووا فاقرؤهم ۱ لقوله عليه السلام يؤُمُّ القوم اقرأهم لكتاب اللّٰه فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنة

کے اعتبار سے کم ہے۔ یہ حدیث بھی ہے۔(۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ يؤم القوم اقرؤهم لكتاب الله فان كانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان كانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. وفی حديث آخر فان كانوا فی الهجرة سواء فليؤمهم اكبرهم سنا (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳/۱۵۳۲/۱۵۳۴/ ابوداؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔(۳) حدیث میں ہے۔عن عمرو بن سلمة قال : لی أبو قلابة .....فاذا حضرت الصلوة فليوء ذن احدكم و ليوء مكم أكثركم قرآنا ۔(بخاری شریف، باب[باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح، ص ۷۲۸، نمبر ۴۳۰۲/ ابوداود شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۵)) اس حدیث میں ہے کہ جسکو قرآن زیادہ آتا ہو اسکو امامت کا زیادہ حق ہے۔

ترجمه : ۲ ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی ضرورت ایک رکن کے لئے ہے، اور علم فقہ کی ضرورت تمام ارکان کے لئے ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کو پورا کرنے کے لئے ہے اور فقہ جاننے کی ضرورت ہر رکن کے لئے ہے، کہ کس رکن کو کس طرح ادا کرنا ہے اسلئے زیادہ فقہ جاننے والے زیادہ حقدار ہے۔

ترجمه : (۳۳۶) پس اگر سبھی فقہ میں برابر ہوں تو ان میں سے زیادہ قرأت جاننے والا [امامت کا زیادہ حقدار ہے]۔

تشریح : جتنے لوگ حاضر ہیں سبھی برابر درجے کے فقہ جاننے والے ہیں۔تو اب جو قرأت کو زیادہ جانتا ہو وہ امامت کا حقدار ہے۔

وجه :**ترجمه** : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، پس اگر سبھی اس میں برابر ہوں تو جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ يؤم القوم اقرؤهم لكتاب الله فان كانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان كانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳/۱۵۳۲/ ابوداؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۴) اس حدیث میں ہے کہ کتاب اللہ کو جو زیادہ جاننے والا ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے، پھر اسکے بعد فقہ کے جاننے والے کا حق ہے۔

۲ واقرأهم كان اعلمهم لانهم كانوا يتلقونه باحكامه فقدم في الحديث ولا كذلك في زماننا فقدمنا الاعلم (۳۳۷) فان تساووا فاورعهم ۱ لقوله عليه السلام من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبى (۳۳۸) فان تساووا فاسنهم ۱ لقوله عليه السلام لابنى ابى مليكة وليؤمكما اكبر كما سنا

ترجمہ : ۲ صحابہ کے زمانے میں جو زیادہ قاری ہوتے تھے وہ فقہ کے بھی زیادہ جاننے والے ہوتے تھے، اسلئے وہ حضرات قرآن اسکے احکام کے ساتھ حاصل کرتے تھے، اسلئے حدیث میں انکو مقدم کیا، اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے، اسلئے ہم نے زیادہ جاننے والے کو مقدم کیا۔

تشریح : یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے حدیث سے استدلال کیا تھا کہ اس میں زیادہ قاری کو امامت کا حق دیا ہے۔ تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ صحابہ کے زمانے میں بڑے ہو کر اسلام لاتے تھے اسلئے قرآن سیکھنے کے ساتھ ساتھ اسکے احکام بھی سیکھتے جاتے تھے۔

اسلئے جو بڑا قاری ہوتا وہ سنت کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا، اسلئے فرمایا کہ بڑے قاری کو آگے کرو تو سنت کا بڑا جاننے والا ہی آگے ہو جائے گا، لیکن ہمارے زمانے میں بچے پہلے قرآن سیکھتے ہیں اور بڑا قاری بنتے ہیں بعد میں اسکا عالم بنتے ہیں اسلئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ بڑا قاری ہو تو وہ سنت کو بھی زیادہ جاننے والے ہو جائے۔ اسلئے ہم نے یہ کہا کہ سنت کے زیادہ جاننے والے کو امامت کا حق دیا جائے۔۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۳۳۷) پس اگر قرأت میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے جو زیادہ پرہیز گار ہو [وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔]

ترجمہ : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

تشریح : اس قسم کی حدیث نہیں ملی البتہ اسکے قریب قریب یہ حدیث ہے۔ عن مرثد بن ابى مرثد الغنوى و كان بدريا قال : قال رسول الله ﷺ : ان سركم أن تقبل صلوتكم فليوء مكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم و بين ربكم عزوجل ۔ (مستدرک للحاکم، ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی، ج ثالث، ص ۲۴۶، نمبر ۴۹۸۱ رسنن بیہقی، باب اجعلو أئمتكم خياركم، ج ثالث، ص ۱۲۹، نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث میں ہے کہ اپنے میں سے اچھے لوگ کو امام بناؤ تو نماز قبول ہوگی۔

ترجمہ : (۳۳۸) اور اگر سب پرہیز گاری میں بھی برابر ہوں تو زیادہ عمر والے حقدار ہیں۔

ترجمہ: ۱ ابی ملیکہ کے دو بیٹوں کو حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے ، کہ تم میں سے جو عمر میں بڑے ہوں وہ تمہاری

۲؂ ولان فی تقدیمه تکثیر الجماعة (۳۳۹) ویکره تقدیم العبد لانه﴾ ۱؂ لایتفرغ للتعلم

امامت کرے۔

تشریح : ابن ابی ملیکہ کی حدیث یہ ہے۔عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی ﷺ ... قال ...فاذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم (بخاری شریف، باب اذا استوو فی القراءۃ فلیؤمھم اکبرھم ص ۹۴ نمبر ۶۸۵ رمسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ،ص ۲۳۷، نمبر ۶۷۴ر۱۵۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبھی ہجرت اور قرأت میں برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے جو زیادہ ہو اس کو امامت کا حق ہے۔(۲)عن ابی مسعود الانصاری یقول قال لنا رسول اللہ ﷺ: یؤم القوم اقرؤھم لکتاب اللہ و أقدمھم قرأۃ فان کانت قرأتھم سواءً فلیوء مھم أقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواءً فلیوء مھم أکبرھم سناً (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ر۱۵۳۴رابوداؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۲)اس حدیث میں ہے کہ سب چیز میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں وہ امامت کا حقدار ہیں۔

ترجمہ: ۲؂ اور اسلئے کہ انکو آگے بڑھانے میں جماعت کی کثرت ہوگی۔

تشریح :۔یہ دلیل عقلی ہے، کہ بڑے آدمی کا احترام ہوتا ہے اسلئے اسکو آگے بڑھانے میں جماعت کی بھی کثرت ہوگی۔

لغت: سنۃ: یہاں سنت سے مراد حدیث اور فقہ اور مسائل ہے۔نابت نائبۃ: کوئی واقعہ پیش آجائے،کوئی غلطی ہو جائے۔مفتقر: محتاج ہے،فقر سے مشتق ہے۔یتلقونہ:لقی سے مشتق ہے،حاصل کرنا، لینا۔اورع: پرہیزگار۔اسن:سن سے مشتق ہے،عمر دراز ہونا۔

ترجمہ :(۳۳۹)مکروہ ہے غلام کو امامت کے لئے آگے کرنا۔

ترجمہ: ۱؂ اسلئے کہ وہ علم کے لئے فارغ نہیں ہوتے۔

تشریح : [۱]غلام[۲]دیہاتی [۳]نابینا[۴]اور ولد الزنا ان لوگوں میں عموماً علم نہیں ہوتا یہ لوگ علم کے لئے فارغ نہیں ہو سکتے ،اور حدیث گزری کہ علم والے اور قرأت والے کو امامت دو اسلئے ان لوگو کی امامت مکروہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ جماعت میں کم شریک ہونگے اسلئے انکی امامت مکروہ ہے۔لیکن اگر ان میں علم ہو اور لوگ انکی عزت کرتے ہوں تو اب مکروہ نہیں ہوگی۔ نابینا میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ناپاکی سے بچ نہیں سکتا ہے۔اگر وہ ناپاکی سے بچ سکتا ہو تو مکروہ نہیں ہوگا۔

وجہ :حدیث میں ہے کہ اچھے لوگوں کو امامت دو اور یہ لوگ عموماً اچھے نہیں ہوتے اسلئے انکی امامت مکروہ ہے۔حدیث یہ ہے۔ عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی و کان بدریا قال : قال رسول اللہ ﷺ : ان سرکم أن تقبل صلوتکم فلیوء مکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم عزوجل ۔(مستدرک للحاکم ،ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی،

(۳۴۰) ﴿والاعرابی﴾ لے لان الغالب فیھم الجھل (۳۴۱) ﴿والفاسق﴾ لے لانه لایھتم لامر دینه

ج ثالث، ص ۲۴۶، نمبر ۴۹۸۱ رسنن بیھقی، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم، ج ثالث، ص ۱۲۹، نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث میں ہے کہ اپنے میں سے اچھے لوگ کو امام بناؤ تو نماز قبول ہوگی۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ کان یقول ثلاثة لا یقبل الله منھم صلوة من تقدم قوما وھم له کارھون (ابوداؤد شریف، باب الرجل یؤم القوم وھم لہ کارھون ص ۹۵ نمبر ۵۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم جن لوگوں کی امامت سے کراہیت کرے ان کی امامت مکروہ ہے۔ اور اوپر کے لوگوں کی امامت سے قوم کراہیت کرتی ہے اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے۔ تاہم امامت جائز ہو جائے گی۔ غلام کی امامت جائز ہونے کی دلیل یہ اثر ہے (۳) وکانت عائشة یؤمھا عبدھا زکوان من المصحف ۔ عن ابن عمر قال : لما قدم المھاجرون الاولون العصبة ۔ موضع بقباء ۔ قبل مقدم رسول الله ﷺ کان یوء مھم سالم مولی ابی حذیفة ، و کان اکثرھم قرآناً ۔ (بخاری شریف، باب امامة العبد والمولی ص ۹۶ نمبر ۶۹۲) اس حدیث میں ہے کہ غلام امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ علم ہو اور لوگ اسکو پسند کرتے ہوں۔

ترجمہ: (۳۴۰) اور دیہاتی کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ عام طور پر ان میں جہالت ہوتی ہے۔

وجہ : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ سمعت عبید ابن عمیر یقول : اجتمعت جماعة فیما حول مکة .... فقال المسوربن مخرمة : امظرنی یا امیر المو ء منین ان الرجل کان أعجمی اللسان و کان فی الحج فخشیت أن یسمع بعض الحجاج قرأته فیأخذ بعجمته ، فقال : ھنالک ذھبت بھا فقال : نعم فقال [عمر] أصبتَ. (سنن بیھقی، باب کراھیت امامة الأعجمی واللحان، ج ثالث، ص ۱۲۷، نمبر ۵۱۲۷) اس اثر میں دیہاتی کو امامت سے پیچھے ہٹایا کیونکہ اسکی قرأت اچھی نہیں تھی۔ لیکن اگر اسکی قرأت اچھی ہو اور لوگ اسکو پسند کرتے ہوں تو اسکی امامت درست ہوگی۔ آخر بہت سے صحابہ تو دیہات ہی کے تھے، لیکن علم حاصل کرنے کے بعد انکی امامت افضل ہوگئی۔

ترجمہ: (۳۴۱) اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ دین کے معاملے کا اہتمام نہیں کرتا ہے۔

وجہ : فاسق کہتے ہی ہیں اسکو جو خلاف شریعت کام کرتا رہتا ہو، اور جب دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو نماز کے امور کی کیا اہمیت ہوگی، اسلئے اسکے پیچھے نماز مکروہ ہے، تاہم نماز جائز ہے۔ (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبید الله بن عدی بن خیار انه دخل علی عثمان بن عفان وھو محصور فقال انک امام عامة ونزل بک ما تری و یصلی لنا امام فتنة و نتحرج فقال الصلوة احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساء فاجتنب اساتھم

(۳۴۲) والاعمیٰ﴾ لے لانہ لایتوقی النجاسة (۳۴۳) وولد الزناء﴾ لے لانہ لیس لہ ابٌ یشفّقُهُ فیغلب علیه الجهل ولان فی تقدیم هؤلاء تنفیر الجماعة فیکره

(بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے اگر چہ مکروہ ہے (۲)۔وقال الزهری لا نری ان یصلی خلف المخنث الا من ضرورة لا بد منها .(بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے (۳) عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الصلوۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم براً کان أو فاجراً وان عمل الکبائر۔(ابو داود شریف، باب امامۃ البر والفاجر، ص ۹۵، نمبر ۵۹۴) (۴)۔عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال صلوا خلف کل بر و فاجر و صلوا علی کل بر و فاجر (دار قطنی، باب صفۃ من تجوز الصلوۃ معہ والصلوۃ علیہ، ج ثانی، ص ۴۴، نمبر ۱۷۵۰/ سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلها ج رابع، کتاب الجنائز، ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۴۲) اور نابینا کی نماز مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔

تشریح: نابینا یہ نہیں دیکھ سکتا کہ نجاست کہاں لگی ہے اور کتنی لگی ہے، اسلئے وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا اس لئے اسکی امامت مکروہ ہے، لیکن اگر وہ نجاست سے بچ سکتا ہو اور احتیاط کرتا ہو تو نماز مکروہ نہیں۔

وجہ: نابینا کی امامت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔عن انس ان النبی ﷺ استخلف ابن ام مکتوم یؤم الناس وهو اعمی (ابو داؤد شریف، باب امامۃ الاعمی ص ۹۵ نمبر ۵۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ نابینا پاکی ناپاکی کا احتیاط رکھتا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو ان کو امام بنایا جاسکتا ہے۔مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۴۳) اور ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے اسکا کوئی باپ نہیں ہے کہ اس پر مہربانی کرے اسلئے وہ عموما جاہل ہوتے ہیں۔اور اسلئے کہ اسکے آگے کرنے میں جماعت کو نفرت ہوگی اسلئے مکروہ ہے۔

تشریح: وہ بچہ جو حرامی ہے اسکا باپ نہیں ہوتا اسلئے اسکے پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور علم نہ ہو اور قرأت بھی اچھی نہ ہو تو اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اسلئے اسکو آگے بڑھانے میں جماعت کم ہو جائے گی اسلئے بھی مکروہ ہے۔لیکن اگر پڑھا لکھا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو اسکی امامت مکروہ نہیں ہوگی۔

وجہ: اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن عائشةؓ أنها قالت : ما علیه من وزر أبویه شیء ، قال الله تعالی ﴿لا تزر

(۳۴۴) وان تقدموا ﴾ ۱؎ جاز لقوله علیہ السلام صلوا خلف كل بر وفاجر (۳۴۵) ولا يطول الامام بهم الصلوٰة ﴾ ۱؎ لقوله علیہ السلام من امَّ قومًا فليصلِّ بهم صلوٰة اضعفهم فان فيهم المريض والكبير وذا الحاجة

وازرة وزر أخرى ﴾ [آیت ۱۸ سورة فاطر ۳۵] تعني ولد الزنا . و عن الشعبي و النخعي و الزهري في ولد الزنا أنه يئوم سنن بیہقی، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم وماجاء فی امامۃ ولد الزناء، ج ثالث، ص ۱۲۹، نمبر ۵۱۳۶) اس اثر میں ہے کہ ولد الزنا امامت کرا سکتا ہے۔

ترجمہ : (۳۴۴) اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ، ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

تشریح : ان لوگوں کے پیچھے نماز اس وقت مکروہ تنزیہی ہے جبکہ انکی کوئی حیثیت نہ ہو اور لوگ نفرت کرتے ہوں اور پڑھے لکھے نہ ہوں اسکے باوجود وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو نماز ہو جائے گی، دلیل یہ حدیث ہے، جو صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال صلوا خلف كل بر و فاجر و صلوا على كل بر و فاجر (دار قطنی، باب صفۃ من تجوز الصلوۃ معہ والصلوۃ علیہ، ج ثانی، ص ۴۴، نمبر ۱۷۵۰/ سنن للبیھقی، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع، کتاب الجنائز، ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) اس حدیث میں ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو اسلئے انکے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ : (۳۴۵) امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ نماز بہت لمبی نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کیوجہ سے، کہ جو کسی قوم کی امامت کرے تو انکے کمزور کی نماز پڑھائے، اسلئے کہ ان میں بیمار ہوتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں، اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

وجہ : (۱) نماز بہت زیادہ لمبی کرنے میں کمزور اور بوڑھے لوگ پریشان ہونگے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے مستحبات سے زیادہ قرأت لمبی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے (۲) ھدایہ کی حدیث ہے اخبرنی ابو مسعود ان رجل قال والله يا رسول الله انى لاتأخر عن صلوة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فما رأيت رسول الله ﷺ فى موعظه اشد غضبا منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فايكم ما صلى بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير و ذاالحاجة (بخاری شریف، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود ص ۹۷ نمبر ۷۰۲/ مسلم شریف، باب أمر الائمۃ بتخفیف الصلوۃ فی تمام، ص ۱۸۸، نمبر ۴۶۶/۱۰۴۴) اس کے آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ماشاء (بخاری شریف، نمبر ۷۰۳/ مسلم شریف، نمبر ۴۶۷/۱۰۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام ہو تو نماز زیادہ لمبی نہ

(۳۴۶)ويكره النساء ان يصلين وحدهن الجماعة ﴾ ۱؎ لانها لاتخلوعن ارتكاب محرم وهوقيام الامام وسط الصف فيكره كالعراة

کرے۔اور اکیلا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۴۶) عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ تنہا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں،

تشریح : صرف عورتیں نماز پڑھیں تو الگ الگ نماز پڑھیں گیں ۔کیونکہ وہاں مرد نہیں ہے اس لئے عورت ہی کو امامت کرنی ہوگی۔اور عورت کی امامت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ :(۱)عورت کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها و شرها اولها (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰ /۹۸۵ /ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصّف الاول ،ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) جب عورت کو اگلی صف میں جانا مکروہ ہے تو امامت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں آگے جانا ہوتا ہے۔(۲)عن ام حميد امرأة ابي حميد الساعدى : أنها جائت النبى ﷺ فقالت : يا رسول الله ﷺ انى احب الصلوة معک ؟ قال : قد علمت ُانک تحبين الصلوة معى و صلوتک فى بيتک خير لک من صلوتک فى حجرتک ۔(مسند احمد، باب حدیث ام حمیدؓ، ج سابع ،ص ۵۱۴ نمبر ۲۶۵۵۰ /سنن بیہقی ، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن ، ج ثالث ،ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۱)اس حدیث میں ہے کہ کمرے میں نماز پڑھنا عورت کے لئے زیادہ بہتر ہے تو وہ امامت کیسے کرائے گی! (۳)عورت کی امامت مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔سمعت عائشة زوج النبى ﷺ تقول : لو أن رسول الله ﷺ رأى ما احدث النساء لمنعهن المسجد ، كما منعت نساء بنى اسرائيل قال : فقلت ُلعمرة : أنساء بنى اسرائيل منعن المسجد ؟ قالت ُ: نعم ۔(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ الفتنۃ ،ص ۱۸۳، نمبر ۴۴۵ /۹۹۹) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے زمانے میں وقت اتنا بدل گیا تھا کہ عورتوں کو مسجد سے روکنا چاہئے تو وہ امامت کیسے کر سکتی ہے! اس اثر میں ہے (۴)عن علىؓ قال لاتؤم المرأة (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۷۳ من کرہ ان تؤم المرأۃ النساء، ج اول ،ص ۴۳۰، نمبر ۴۹۵۷)اس اثر میں ہے کہ عورت عورت کی بھی امامت نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حرمت کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے،اسلئے ننگے لوگوں کی جماعت کی طرح مکروہ ہوگی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے گی تو لازمی طور پر صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی، حالانکہ سنت

(۳۴۷) وان فعلن قامت الامام وسطهن﴾ ‌ل لان عائشةؓ فعلت كذلك ‌ل‌‌‌ ٢ و حُمل فعلها الجماعة على ابتداء ال اسلام

یہ ہے کہ صف سے آگے کھڑا ہوتو سنت چھوڑنے کا ارتکاب کرنا ہوگا اسلئے بہتر یہ ہے کہ وہ امامت نہ کرائے ، جیسے ننگے لوگوں کے لئے ہے کہ وہ جماعت نہ کرائیں ،اور کرنا بھی ہوتو انکا امام صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔ ننگے لوگوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے عن قتادة قال: اذا خرج ناس من البحر عراة فامهم احدهم صلوا قعودا وكان امامهم معهم فى الصف ويومئون ايماء (مصنف عبد الرزاق، باب صلوة العريان ج ثانی ص ۵۸۳، نمبر ۴۵۶۴) اس اثر میں ہے کہ ننگے لوگ امامت کرائے تو انکا امام صف کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔

ترجمه: (۳۴۷) اور اگر امامت کر ہی لی تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی۔

ترجمه: ‌ل اسلئے کہ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔

تشريح: عورت کی امامت ہے تو مکروہ، لیکن کر ہی لی تو جائز ہو جائے گی ،البتہ امام صف کے درمیان کھڑی ہوگی۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کا اثر یہ ہے۔ عن ريطة الحنفية قالت أمتنا عائشة فقامت بينهن فى الصلوة المكتوبة فى حديث آخر. عن حجيرة بنت حصين قالت : أمتنا ام سلمة فى صلوة العصر فقامت بيننا (دار قطنی ،باب صلوة النساء جماعة وموقف امامهن ، ج اول، ص ۳۸۸ نمبر ۱۴۹۲/۱۴۹۳/ مستدرک للحاکم ، باب فی فضل الصلوات الخمس ، ج اول، ص ۳۲۰، نمبر ۷۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی امامت جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ درمیان میں کھڑی ہوگی ۔ (۲) اور عورت کی امامت جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ام ورقة بنت عبد الله بن حارث , بهذ الحديث و الاول اتم، قال : و كان رسول الله ﷺ يزورها فى بيتها و جعل لها موء ذنا يوء ذن لها ، و أمر ها أن تئوم أهل دارها . قال عبد الرحمن : فأنا رأيت موء ذنها شيخا كبيرا . (ابو داود شریف، باب امامة النساء، ص ۹۴، نمبر ۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ام ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کی اجازت دی تھی۔

اور عورت مرد کی امامت بالکل نہ کرے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال : سمعتُ رسول الله ﷺ على منبره يقول : فذكر الحديث و فيه ألا و لا تئومن امرأة رجلا ۔ (سنن بیہقی ، باب لا یأتم رجل بامرأة، ج ثالث، ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ عورت مرد کی امامت بالکل نہ کرے۔

ترجمه: ٢ اور حضرت عائشہؓ نے جو عورتوں کی امامت کی ہے اسکو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا۔

۳؎ ولان فی التقدم زیادة الکشف (۳۴۸) ومن صلی مع واحد اقامه عن یمینه ﴾ ا؎ لحدیث ابن عباسؓ فانه علیہ السلام صلّی به واقامه عن یمینه (۳۴۹) ولایتأخر عن الامام﴾ ا؎ وعن محمدؒ انه یضع اصابعه عند عقب الامام والاوّل هو الظاهر

تشریح : حضرت عائشہؓ نے جو ریطہ الحنفیہ وغیرہ کی امامت کی ہے اسکے بارے میں تاویل کررہے ہیں کہ یہ امامت شروع اسلام میں کی ہوگی ، اس پر محمول کیا جائے گا ۔ لیکن یہ تاویل اتنی مضبوط اسلئے نہیں ہے کہ ریطہ الحنفیہ تابعیہ ہیں ، جسکا مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ نے امامت کی ہیں اسلئے یہ ابتداء اسلام پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے !۔

ترجمہ: ۳؎ اور اسلئے بھی کہ عورت کے آگے بڑھنے میں کشف عورت زیادہ ہے ۔

تشریح : یہ دلیل عقلی اس بات کی ہے کہ عورت آگے کھڑی نہ ہو درمیان صف میں کھڑی ہو کیونکہ آگے کھڑی ہوگی عورت کا جسم لوگوں کے سامنے زیادہ ابھر کر آئے گا جو اچھا نہیں ہے اسلئے اسکو درمیان میں کھڑی ہونی چاہئے ۔

لغت: العراۃ : عاری کی جمع ہے ننگے ۔

ترجمہ: (۳۴۸) اور جو ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے ۔

ترجمہ: ا؎ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی وجہ سے ، کہ حضور علیہ السلام نے انکو نماز پڑھائی اور انکو دائیں جانب کھڑا کیا ۔

وجہ : (۱) دائیں جانب افضل ہے اس لئے ایک آدمی مقتدی ہو تو امام اس کو اپنی دائیں جانب میں کھڑا کرے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ **عن ابن عباس قال صلیت مع النبی ﷺ ذات لیلة فقمت عن یساره فاخذ رسول الله ﷺ برأسی من ورائی فجعلنی عن یمینه فصلی.** (بخاری شریف ، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینہ تمت صلوتہ ص ۱۰۰ نمبر ۷۲۶ / مسلم شریف ، باب صلوۃ النبی ﷺ ودعاءٗ باللیل ۔ ص ۲۶۰ ، نمبر ۷۶۳ / ۱۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں جانب کھڑا کرنا چاہئے ۔ لیکن امام سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگا ۔

ترجمہ : (۳۴۹) اور امام سے پیچھے نہ رہے ۔

تشریح : امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو تو وہ دائیں جانب کھڑا ہو اور برابر میں کھڑا ہو ، تھوڑا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے ۔

وجہ : اوپر کی حدیث میں حضرت ابن عباس کو دائیں جانب کھڑا کیا اور تھوڑا پیچھے نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کھڑا کرنا ضروری نہیں ہے

ترجمہ: ا؎ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے پاس رکھے ۔ لیکن پہلا مسلک زیادہ ظاہر

(۳۵۰) وان صلی خلفه اوفی یساره جاز ﴾ ۱وهو مسیئ لانه خالف السنة (۳۵۱) وان امّ اثنین تقدم علیهما﴾ ۱ وعن ابی یوسفؒ یتوسطهما ونقل ذٰلک عن عبداللّٰه بن مسعودؓ

ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو دائیں جانب اس طرح تھوڑا پیچھے کھڑا ہو کہ مقتدی کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہو جائے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کا حق آگے ہونا ہے اسلئے تھوڑا سا آگے ہو جائے۔ لیکن پہلا مسلک زیادہ ظاہر اسلئے ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابن عباس کو دائیں جانب تو کیا لیکن تھوڑا سا پیچھے نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کرنا مستحب نہیں ہے۔

ترجمہ : (۳۵۰) اور اگر پیچھے نماز پڑھ لی یا بائیں جانب پڑھ لی تب بھی جائز ہے ۔

ترجمہ : ۱ لیکن اچھا نہیں ہے اسلئے کہ سنت کے خلاف کیا۔

تشریح : ایک مقتدی ہو تو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے، لیکن اگر دائیں جانب کے بجائے پیچھے کھڑا ہو گیا یا بائیں جانب کھڑا ہو گیا تب بھی نماز ہو جائے گی، البتہ چونکہ سنت کے خلاف کیا اسلئے اچھا نہیں ہے ۔

ترجمہ : (۳۵۱) اور اگر دو آدمیوں کی امامت کی تو ان دونوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو۔

وجہ : صاحب ھدایہ کی یہ حدیث ہے۔عن انس بن مالک قال صلیت انا و یتیم فی بیتنا خلف النبی و امی خلفنا ام سلیم (بخاری شریف، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷ رابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں انس اور یتیم دو آدمی تھے تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے ہونگے۔

ترجمہ: ۱ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ اور یہ بات نقل کی گئی ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے۔

فائدہ: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام دونوں مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔عن علقمة و الاسود : أنهما دخلا علی عبد الله فقال : أصلی من خلفکم ؟ قالا : نعم . فقام بینهما ، و جعل احدهما عن یمینه و الآخر عن شماله ثم رکعنا ۔(مسلم شریف، باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ونسخ التطبیق ، ص ۲۰۲، نمبر ۵۳۴ / ۱۱۹۳ رابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۳) اس حدیث میں عبد اللہ بن مسعود علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے لیکن آگے کھڑا

۲ ولنا انه ﷺ تقدم علیٰ انس والیتیم حین صلی بھما فھٰذا للافضیلة والاثر دلیل الاباحة
(۳۵۲) ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأة او صبی ﴾

ہونا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت انس اور حضرت یتیم پر آگے بڑھے جب آپؐ نے انکو نماز پڑھائی۔اسلئے یہ افضل ہے،اور عبد اللہ ابن مسعود کا اثر اباحت کی دلیل ہے۔

تشریح : حضورؐ نے حضرت انس اور حضرت یتیم کو نماز پڑھائی تو آپؐ آگے کھڑے ہوئے،چونکہ حدیث سے آگے کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اسلئے یہ افضل ہوگا اور صحابی کے عمل سے درمیان میں کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اسلئے یہ بھی مباح ہوگا۔حدیث یہ گزری۔**عن انس بن مالک قال صلیت انا و یتیم فی بیتنا خلف النبی و امی خلفنا ام سلیم** (بخاری شریف، باب المرأة وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثة کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں آپؐ آگے کھڑے ہوئے۔

ترجمہ: (۳۵۲) اور مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت یا بچے کی اقتداء کرے۔

تشریح: مرد مقتدی ہو اور اس کا امام عورت ہو یا بچہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

وجہ : (۱) **عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا** (مسلم شریف، باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰/۹۸۵/ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصف الاول ،ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) اس حدیث میں ہے کہ عورت کی اگلی صف بری ہے اور پچھلی صف اچھی ہے۔اور امامت کرنے کی وجہ سے وہ مرد سے بھی آگے ہوگی اس لئے مرد کے لئے اس کی امامت درست نہیں ہے۔مسئلہ نمبر ۳۴۷ میں جو عورت کی امامت کا مسئلہ گزرا وہ یہ تھا کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے نہ کہ مرد کی (۲) حدیث میں ہے **عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ علی منبرہ یقول فذکر الحدیث وفیہ الا ولا تؤمن امرأة رجلا** ۔ (سنن للبیھقی، باب لا یأتم رجل بامرأة ج ثالث ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرے۔

(۳) **عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی : أنھا جائت النبی ﷺ فقالت : یا رسول اللہ ﷺ انی احب الصلوة معک ؟ قال : قد علمت انک تحبین الصلوة معی و صلوتک فی بیتک خیر لک من صلوتک فی حجرتک** ۔(مسند احمد، باب حدیث ام حمیدؓ، ج سابع ،ص ۵۱۴ نمبر ۲۷۶۵۰/سنن بیھقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن، ج ثالث ،ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۱) عورت کے لئے جب اتنا ستر ہے کہ کمرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے تو وہ مرد کی امامت کیسے کرائے

ل اما المرأة فلقوله ﷺ:اخّر وهن من حيث اخرهن اللّٰه فلا يجوز تقديمها ۲ و اما الصبی فلانه متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض به

گی!

نوٹ : ابوداؤد شریف میں عورتوں کی امامت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے عن ام ورقة بنت عبد الله بن حارث بهذا الحديث قال كان رسول الله يزورها فی بيتها و جعل لها مؤذنا يؤذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها ۔ (ابوداؤد شریف، باب امامة النساء ص ۹۵ نمبر ۵۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت کر سکتی ہے۔لیکن اس میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ مرد کی امامت کرتی تھی۔سنن للبیھقی اور دیگر احادیث کو ملانے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتی تھی مرد کی نہیں۔

ترجمه: ل بہر حال عورت کی امامت تو حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ عورتوں کو پیچھے رکھو جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے رکھا ہے۔اسلئے اسکو آگے کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح :صاحب ھدایہ کا اثر یہ۔عن ابن مسعود قال : كان الرجال و النساء فی بنی اسرائيل يصلون جميعا ،فكانت المرأة اذا كان لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها ، فالقى الله عليهن الحيض ، فكان ابن مسعود يقول : أخروهن حيث أخرهن الله ۔(طبرانی کبیر، باب عبداللہ بن مسعود الھذلی، ج تاسع ،ص ۲۹۵ ،نمبر ۹۴۸۴)

اس اثر میں ہے کہ عورتوں کو موءخر کرو جس طرح اللہ نے اسکو موءخر کیا۔

عورت مرد کی امامت کرے اسکے لئے بہت سے احادیث نقل کی ہیں۔البتہ صاحب ھدایہ کی یہ حدیث مجھے بہت تلاش کے باوجود نہیں ملی، کہتے ہیں کہ مصنف عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہے،لیکن مجھے نہیں ملا۔نصب الرایہ میں ہے کہ طبرانی میں ہے لیکن طبرانی میرے پاس نہیں ہے۔البتہ اسکا مفہوم اس حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها و شرها اولها (مسلم شریف، باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۹۸۵/۴۴۰ ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصّف الاول، ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸)اس حدیث میں ہے کہ عورت کا پچھلا صف زیادہ بہتر ہے۔

ترجمه : ۲ بہر حال بچے کی امامت تو اسلئے جائز نہیں ہے کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے اسلئے فرض پڑھنے والے کی اقتداء اسکے ساتھ جائز نہیں ہے۔

تشریح : بچہ امامت کرے اور بالغ مرد اسکی اقتداء کرے تو اس لئے جائز نہیں کہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔وہ نماز توڑ دے تو اس

۳؎ وفی التراویح والسنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشایخنا

پر قضا نہیں ہے۔اور امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اب امام کی نماز کمزور ہے تو مضبوط نماز کی ضامن وہ کیسے بن سکتی ہے۔اس لئے بالغ مرد یا عورت کے لئے بچے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔

وجه : (۱) . عن الشعبی قال لایأم الغلام حتی یحتلم (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۲۲فی امامة الغلام قبل ان یحتلم ، ج اول، ص۳۰۶ ،نمبر۳۵۰۵)اس اثر میں ہے کہ بچہ امامت نہ کرے۔(۲)عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم (دارقطنی ،باب من یصلح ان یقوم خلف الامام ۔ج اول،ص ۲۸۵، نمبر۱۰۷۶) اس حدیث میں ہے کہ بچہ اگلی صف میں کھڑا نہ ہو،تو وہ امامت کیسے کرے گا؟

فائده: بعض ائمہ کے نزدیک سنن اور نوافل میں بچے کی اقتدا کرنا جائز قرار دیا ہے۔اورانہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عن عمر بن سلمه کنا بحاضر ... فکنت اؤمهم وانا ابن سبع او ثمان سنین۔(ابوداؤد شریف، باب من احق بالامامة ص۹۳ نمبر ۵۸۵/ بخاری شریف ، باب مقام النبی ﷺ بمکة زمن الفتح ،ص ۷۲۸ ،نمبر۴۳۰۲)اس حدیث میں عمر بن سلمہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔اورانہوں نے اچھے قاری ہونے کی وجہ سے صحابہ کی امامت کرائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی اقتدا جائز ہے۔جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں نے بچوں کو امام بنالیا ہے۔کیونکہ یہ حدیث ولیلنی منکم اولو الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (مسلم شریف، باب تسویة الصفوف واقامتها،ص ۱۸۱ نمبر ۹۷۲/۴۳۲) کے خلاف ہے۔

ترجمه : ۳؎ تراویح اور سنن مطلقہ میں تو بلخ کے مشائخ نے اسکو جائز قرار دیا ہے،اور ہمارے مشائخ نے اسکو جائز قرار نہیں دیا۔

تشریح : فرض کے سلسلے میں تو اوپر گزرا کہ بچہ بالغ مرد یا عورت کی امامت نہیں کرسکتا،لیکن تراویح اور نوافل کی کرسکتا ہے یا نہیں،اس بارے میں بلخ کے مشائخ نے فرمایا کہ جائز ہے،اور ہمارے ائمہ ماوراء النہر کی وہی رائے ہے کہ جائز نہیں۔جن حضرات نے جائز قرار دیا انہوں نے عمر ابن سلمہ کی حدیث سے استدلال کیا،اور جن حضرات نے جائز قرار نہیں دیا انہوں نے دوسرے احادیث سے استدلال فرمایا۔ (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔عن ابراهیم قال : لا بأس أن یئوم الغلام قبل أن یحتلم فی شهر رمضان . (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۲۲، فی امامة الغلام قبل أن یحتلم ، ج اول،ص ۳۰۶ ،نمبر۳۵۰۳)اس اثر میں ہے کہ بچہ تراویح کی امامت کرسکتا ہے۔

ؐ۴ ومنهم من حقَّقَ الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسفؒ وبین محمدؒ ۵ؐ والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لایلزمه القضاء بالافساد بالاجماع ولایبنی القوی علی الضعیف ۶ؐ بخلاف المظنون لانه مجتهد فیه فاعتبر العارض عدما

ترجمه : ۴ؐ کچھ حضرات نے مطلق نفل کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ثابت کیا ہے۔

تشریح : سنت موءکدہ، جیسے فجر کی سنت، یا تراویح کی نماز اس میں تو بچے کی امامت جائز نہیں، لیکن وہ نوافل جسکی تاکید نہ ہو اور کسی وقت کے ساتھ متعین نہ ہو، جسکو نفل مطلق، کہتے ہیں اسکی امامت بچہ کرنا چاہے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جائز ہے۔ کیوں کہ یہ نفل قوی نہیں ہے اسلئے بچے کی بھی نفل ضعیف ہوئی اور بالغ کی نفل بھی ضعیف ہوئی اسلئے اس میں بچے کی اقتداء جائز ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مطلق نفل کی امامت بچہ کر سکتا ہے۔

ترجمه : ۵ؐ مگر مختار مذھب یہ ہے کہ کسی بھی نماز میں بچے کی امامت جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ بچے کی نفل بالغ آدمی کی نفل سے کمزور ہے، اسلئے کہ نفل توڑ دینے سے بالاتفاق بچے پر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ اور قوی کی بنا کمزور پر نہیں کی جاتی۔

تشریح : صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا مختار مذھب یہ ہے کہ فرض ہو یا نفل مطلق کسی بھی نماز میں بچے کی امامت جائز نہیں ہے۔ اسکی دلیل عقلی یہ دیتے ہیں کہ بچے کی نفل بھی کمزور ہے، چنانچہ وہ نفل کو فاسد کر دے تو اس پر قضا واجب نہیں اسکی تو نماز بھی ڈھیلی ڈھالی ہے، اور بالغ کی نفل قوی ہے وہ نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضا واجب ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ نفل بھی باندھ کر توڑ دے تو اسکی قضاء واجب ہوتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قوی کی بنا ضعیف پر نہیں ہو سکتی، اسلئے بالغ بچے کی اقتداء کرے یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل تو اوپر کا اثر ہے جسکی وجہ سے بچے کی امامت صحیح نہیں ہے۔

ترجمه: ۶ؐ بخلاف گمان کرنے والے کی نماز کے، اسلئے کہ وہ مجتہد فیہ ہے، تو ایسا اعتبار کیا گیا کہ گویا کہ عارض ہے ہی نہیں۔

تشریح : مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتیں یاد رکھیں۔

نفل مظنون، کیا ہے؟ مثلا ایک آدمی ظہر کی چار رکعت پڑھ چکا تھا لیکن اسکو گمان ہوا کہ شاید دو ہی رکعت پڑھا ہوں اسلئے اور دو رکعت پڑھنا شروع کیا، چونکہ چار رکعت فرض پوری کر چکا ہے اسلئے یہ دو رکعت نفل ہیں، اس دو رکعت کو نفل مظنون، کہتے ہیں۔ ظن کا معنی ہے گمان کرنا، اس نے غلط گمان کر کے چار رکعت کے بعد دو رکعت مزید پڑھی ہے اسلئے اسکو نفل مظنون، کہتے ہیں۔

نفل مظنون اور بچے کی نفل میں فرق۔۔ ایک اعتبار سے نفل مظنون اور نفل صبی متحد ہے اور تین اعتبار سے مختلف ہے ۔

[ا] مظنون اس دو رکعت کو توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں۔ اس اعتبار سے یہ نفل صبی کی طرح ہے کہ بچہ نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں۔

لیکن تین اعتبار سے فرق ہے [ا] ایک فرق تو یہ ہے کہ بچے پر بالاتفاق قضاء واجب نہیں کیونکہ وہ تو ابھی شریعت کا مخاطب ہی نہیں ہے۔ اور مظنون کی نفل مجتہد فیہ ہے۔ کیوں کہ اس نفل کے توڑنے پر مظنون پر قضاء واجب نہیں اس میں سب ائمہ کا اتفاق نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ مظنون یہ دو رکعت نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں ہے، اسلئے کہ نفل کی نیت سے اس نے ان دو رکعتوں کو شروع نہیں کیا تھا بلکہ فرض پورا کرنے کے لئے غلط گمان سے شروع کیا تھا۔ اسلئے اسکے توڑنے پر اسکی قضاء اس پر واجب نہیں ہے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مظنون پر اسکی قضاء بھی واجب ہے۔ اسلئے مظنون کے بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

[۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کی نفل بہر حال بالغ کی نفل ہے جو بچے کی نفل سے قوی ہے۔

[۳] اور تیسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کا غلط گمان وقتی ہے، تھوڑی دیر کے بعد جب یقین آئے گا تو یہ گمان ختم ہو جائے گا۔ اور بچپنا بالغ ہونے تک باقی رہے گا۔ مظنون اور بچے کی نفل میں یہ تین فرق ہیں۔

یہ سب سمجھنے کے بعد اب مسئلہ سمجھیں۔

بخلاف المظنون لانه مجتهد فيه فاعتبر العارض عدما ۔ یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ نفل مظنون پڑھ رہا ہو اس وقت کسی دوسرے نے اسکی اقتداء کی تو اسکی اقتداء صحیح ہے، اور اس اقتداء کرنے والے نے یہ نفل توڑ دی تو اس پر اسکی قضاء واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خود مظنون نفل توڑ دے تو وہ اتنا کمزور ہے کہ مظنون پر اسکی قضاء واجب نہیں ہے پھر بھی جو اسکی اقتداء کرے اسکی اقتداء بھی صحیح ہے اور اس پر اسکی قضاء بھی واجب ہے۔ اور بچے کی نفل کمزور ہے اسکے توڑنے پر اس پر قضاء واجب نہیں، تو بالغ کے لئے اسکی اقتداء درست نہیں کہتے ہیں، ایسا کیوں؟ اسکا جواب دیا کہ بچے کی نفل اور مظنون کی نفل میں تین فرق ہیں جو اوپر گزرے، اسلئے بچے کی اقتداء درست نہیں اور مظنون جب نفل پڑھ رہا ہو تو اسکی اقتداء درست ہے [ا] ایک فرق یہ ہے کہ مظنون کی نفل مجتہد فیہ ہے، امام زفرؒ کے یہاں مظنون پر قضاء واجب ہے۔ اس مذہب کے اعتبار سے مظنون پر بھی قضاء واجب ہے اور اقتداء کرنے والے پر بھی قضاء واجب ہے اسلئے دونوں کی نفل متحد ہو گئی۔ اسلئے اسکی اقتداء درست ہو گئی۔ [۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ مظنون بھی بالغ ہے اور اسکی اقتداء کرنے والا بھی بالغ ہے اسلئے دونوں کی نفل قوی ہے اور متحد ہے، اسلئے بھی اقتداء کرنا درست ہو گیا، اور بچے کی نفل تو بہت کمزور ہے اسلئے بالغ کے لئے اسکی اقتداء کرنا درست نہیں۔ [۳] اور تیسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کا گمان وقتی ہے، اور بچے کا بچپنا دیر پا ہے اسلئے بھی اسکی اقتداء نہیں کر سکتے۔

فاعتبر العارض عدما : کا مطلب یہ ہے کہ مظنون کا گمان جو عارض ہے وہ وقتی ہے اسلئے جس نے اسکی اقتداء کی ہے اسکے حق میں

ے بخلاف اقتداء الصبی بالصبی لان الصلوۃ متحدۃ ﴾ (۳۵۳) ویصفّ الرجال ثم الصبیان ثم النساء﴾ لے لقولہ علیہ السلام: لیلینی منکم اولوا الاحلام والنُّھیٰ ۲ے ولان المحاذاۃ مفسدۃ فیؤخرن

اس گمان کا اعتبار نہیں کیا اور اس پر قضاء واجب کر دی گئی۔

ترجمہ : ے بخلاف بچہ بچے کی اقتداء کرے تو نماز متحد ہے، اسلئے اقتداء درست ہے۔

تشریح : بچہ بچے کی اقتداء کرے تو جائز ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی نماز کمزور ہے، اور متحد ہے اسلئے اقتداء درست ہے۔

اصول : امام اور مقتدی دونوں کی نماز برابر درجے کی ہو، یا امام کی نماز قوی ہو تو اقتداء درست ہے، اور اگر امام کی نماز کافی کمزور ہو تو اسکی اقتداء کرنا درست نہیں۔

ترجمہ: (۳۵۳) صف بنائی جائے گی مردوں کی پھر بچوں کی پھر عورتوں کی۔

تشریح : پہلے بالغ مرد کی صف ہو اسکے بعد بچوں کی صف ہو، پھر خنثی کی صف ہو، پھر عورتوں کی صف ہو۔ اس طرح صف کی ترتیب ہوگی۔

وجہ : حدیث میں اسی طرح صف بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے **عن انس بن مالک قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی ﷺ وامی ام سلیم خلفنا ام سلیم** (بخاری شریف، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ ابو داؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد پہلے صف میں کھڑے ہونگے۔ بچے دوسری صف میں اور خنثی چونکہ مرد اور عورت کے درمیان ہے اس لئے وہ عورت سے آگے اور بچوں سے پیچھے کھڑے ہونگے۔ اور آخری صف میں عورت کھڑی ہوگی (۲) مسلم کی حدیث گزر چکی ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا وخیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا** (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

ترجمہ: لے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ میرے قریب تم میں کا بالغ اور عقلمند ہو۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲/۹۷۴/ ابو داود شریف، باب من یستحب ان یلی الامام فی الصّف وکراھیت التأخر، ص ۱۰۵، نمبر ۶۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بالغ اور عقلمند امام کے قریب ہو، اسلئے پہلی صف میں بالغ مرد ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۲ے اور اسلئے بھی کہ عورت مرد کے قریب آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے اسکو پیچھے کر دیا جائے۔

(۳۵۴) وان حاذته امرأة وهما مشترکان فی صلوٰة واحدة فسدت صلاته ان نوی الامام امامتها﴾

تشریح : عورت کو پچھلی صف میں رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عورت کو مرد کے برابر کھڑی کر دی جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے بھی عورت پچھلی صف میں کھڑی کی جائے۔ مسئلہ محاذات آگے آرہا ہے۔

ترجمہ: (۳۵۴) اگر عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے اور دونوں ایک ہی نماز میں شریک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔

تشریح: عورت مرد کی بغل میں کھڑی ہو جائے اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے فاسد ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) دونوں کی نماز ایک ہو (۲) بغیر پردہ کے عورت کھڑی ہو (۳) رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۴) عورت اہل شہوت ہو (۵) اور امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تب مرد کی نماز فاسد ہوگی۔ لیکن اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

یہ شرطیں لگانے کی وجہ :۔ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت سامنے ہو اور نماز میں اس پر ہاتھ لگ جائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ حدیث یہ ہے ۔عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت کنت انام بین یدی رسول الله ﷺ ورجلائی فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتها . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأة ص ۷۳، نمبر ۵۱۳/ مسلم شریف، باب الاعتراض بین یدی المصلی ،ص ۱۹۷، نمبر ۵۱۲/۱۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت سامنے آجائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ : یقطع الصلوة المرأة ، و الحمار ، و الکلب ، و یقی ذالک مثل موء خرة الرحل ۔ (مسلم شریف، باب قدر ما یستر المصلی ،ص ۱۹۶، نمبر ۵۱۱/۱۱۳۹/ ابو داود شریف، باب ما یقطع الصلوة ،ص ۱۱۱، نمبر ۷۰۲) اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کے سامنے آنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔۔ اسلئے حنفیہ نے درمیانی راستہ اختیار کیا کہ نماز میں عورت شریک ہو، اور درمیان میں کجاوے کی مثل کوئی حیلولت نہ ہو تب نماز ٹوٹے گی، اسلئے اوپر کی ساری شرطیں لگائی۔ اور اسکی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔ اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرهیم قال اذا صلت المرأة الی جانب الرجل و کانا فی صلوة واحدة فسدت صلوته .قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنیفة ۔ (کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوة ،ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر میں ہے کہ نماز متحد ہو تب فاسد ہوگی۔

وجہ: (۱) مرد کا کام تھا کہ عورت کو نصیحت کر کے اس کو پیچھے کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی (۲) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء

لے والقياس ان لاتفسدو هو قول الشافعیؒ اعتبارا بصلاتها حيث لاتفسد

آخرها و شرها اولها. (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول فالاول ص۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔ لیکن وہ صف میں آ گئی اس لئے اس نے خلاف سنت کام کیا اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

(۳) عن الحارث بن معاوية انه ركب الى عمر بن الخطاب يسأله عن ثلاث خلال، قال فقدم المدينة فسأله عمر ما اقدمک ؟ قال لاسئلک عن ثلاث خلال، قال وماهی قال ربما كنت والمرأة فی بناء ضيق فتحضر الصلوة فان صليت انا وهی كانت بحذائی فان صلت خلفی خرجت من البناء قال تستر بينک و بينها بثوب ثم تصلی بحذائک ان شئت (بمعناہ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل والمرأۃ یصلیان احدہما بحذاء الآخر ج ثانی ص ۳۶، نمبر ۲۳۹۱ رمجمع الزوائد ج اول ص ۶۷ راعلاء السنن، باب فساد صلوۃ الرجال بمحاذاۃ النساء ج رابع ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۳۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان پردہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۴) اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا فی صلوة واحدة فسدت صلوته. قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنيفة۔ (کتاب الآثار لامام محمد، باب مایقطع الصلوۃ ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہو کہ حضرت ابراہیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : لے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، وہ قیاس کرتے ہیں عورت کی نماز پر کہ اسکی نماز فاسد نہیں ہوتی تو مرد کی بھی فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح : عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو، اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔ کیونکہ مرد کا اس میں کیا قصور؟۔

فائدہ : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ تو ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس بارے میں موسوعہ امام شافعیؒ میں کوئی باب نہیں باندھا ہے۔ البتہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بیہقی نے اس طرح نقل فرمایا ہے۔ قال الشافعیؒ و اذا لم تفسد المرأة على المصلی أن تكون بين يديه فهی اذا كانت عن يمينه أو عن يساره أحرى أن لا تفسد عليه۔ (سنن بیہقی، باب المرأۃ تخالف السنۃ فی موقفہا، ج ثالث، ص ۱۵۳، نمبر ۵۲۲۸) کہ عورت سامنے ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی تو دائیں یا بائیں ہو تو بدرجہ اولی نہیں ٹوٹے گی۔ (۱) حضرت امام شافعیؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح عورت کے کھڑی ہونے سے عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح مرد کی بھی نہیں ہوگی (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت كنت انام بين يدی رسول الله ﷺ ورجلائی فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی

۲ وجه الاستحسان مارويناه وانه من المشاهير وهو المخاطب به دونها فيكون هو التارک لفرض المقام فتفسدصلاته دون صلاتها كالماموم اذاتقدم على الامام (۳۵۵) وان لم ينو امامتها لم تضره ولاتجوز صلاتها۞

فاذا قام بسطتها . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأة ص ۷۳، نمبر ۵۱۳/ مسلم شریف، باب الاعتراض بین یدی المصلی، ص ۱۹۷، نمبر ۱۱۴۵/۵۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیوں کہ حضورؐ نماز کے درمیان حضرت عائشہ کو چھوتے تھے پھر بھی نماز بحال رہتی تھی۔

ترجمه : ۲ استحسان کی وجہ وہ ہے جو میں نے روایت کی۔ اور وہ حدیث مشہور حدیثوں میں سے ہے، اور پیچھے کرنے کا مخاطب مرد ہے نہ کہ عورت اسلئے مرد ہی مقام کے فرض کو چھوڑنیوالا ہے اسلئے مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی، جیسے کہ مقتدی امام سے مقدم ہو جائے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے [اسی طرح یہاں مرد نے عورت کو پیچھے کرنے کا فرض چھوڑا تو مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی]

تشریح : قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد نہ ہو لیکن مصنف نے مسئلہ نمبر ۳۵۲ میں یہ اثر پیش کیا تھا۔ عن ابن مسعود قال : كان الرجال و النساء في بني اسرائيل يصلون جميعا ،فكانت المرأة اذا كان لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها ، فالقى الله عليهن الحيض ، فكان ابن مسعود يقول : أخروهن حيث أخرهن الله ۔(طبرانی کبیر، عبد اللہ بن مسعود الھذ لی، باب، ج تاسع، ص ۲۹۵، نمبر ۹۴۸۴) اس اثر میں ہے کہ عورتوں کو موءخر کرو جس طرح اللہ نے اسکو موءخر کیا۔ اس اثر میں مرد کو حکم دیا ہے کہ عورت کو پیچھے رکھیں لیکن اس نے عورت کو پیچھے نہیں کیا، تو گویا کہ اس نے اپنے فرض کو چھوڑ دیا اسلئے عورت کے آگے آنے سے مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی۔ مصنف کہتے ہیں کہ یہ حدیث مشہور ہے اسلئے اسکی وجہ سے فساد کا حکم لگایا جائے گا۔ جیسے مقتدی امام کے آگے آجائے تو مقتدی کی غلطی ہوئی تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی امام کی نہیں اسی طرح عورت کو پیچھے نہ کرنے کی وجہ سے مرد کی غلطی ہوئی اسلئے مرد کی نماز فاسد ہوگی، عورت کی نہیں۔ (۲) حضرت ابراھیم نخعیؒ کا قول یہ ہے۔ اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا في صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابى حنيفة ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ، ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراھیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه: (۳۵۵) اور اگر عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن عورت کی نماز بھی جائز نہیں ہوگی ۔

تشریح : اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں۔ متن میں پہلی صورت ذکر کی گئی ہے اور باقی دو صورتیں ,انما یشترط،شرح سے ذکر کیا ہے۔

[۱] عورت امام ہی کے برابر میں کھڑی ہوگئی ،تو اگر امام اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو عورت کی اقتداء صحیح ہوگی ،لیکن برابر میں کھڑی ہونے کی وجہ سے خود امام کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔اسلئے کہ امام نے اسکی امامت کی نیت کر کے خود فساد قبول کیا ہے ۔یہ غلطی امام کی ہے اسلئے اسی کی نماز فاسد ہوگی ۔اور اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت اسکی مقتدیہ ہی نہیں بنے گی ،اسلئے کہ اس صورت میں مقتدیہ بننے کے لئے شرط ہے کہ امام اسکی امامت کی نیت کرے ۔اور مقتدیہ نہیں بنی تو امام کی نماز میں شرکت نہیں ہوئی اسلئے امام کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیوں کہ پہلے اثر گزر چکا ہے کہ نماز میں شرکت ہوگی تب مرد کی نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔اثر یہ ہے۔ **اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرهیم قال اذا صلت المرأة الی جانب الرجل و کانا فی صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنیفة** دوسرے اثر میں یہ ہے. **انما تفسد علیه اذا صلت الی جانبه و هما فی صلوة واحدة ، تأتم به أو یأتمان بغیرهما ، وهو قول ابی حنیفة** ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ،ص ۲۷،نمبر ۱۳۷،نمبر ۱۳۸)ان دونوں اثروں میں ہے کہ دونوں کی نماز مشترک ہو تو مرد یعنی امام کی نماز فاسد ہوگی ۔(۲) حضرت عائشہؓ حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں لیکن حضورؐ کی نماز میں شریک نہیں ہوتیں تو حضور کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔حدیث یہ گزر گئی۔**عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت کنت انام بین یدی رسول الله ﷺ ورجلائی فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتها** . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأۃ ص ۷۳،نمبر ۵۱۳/ مسلم شریف ، باب الاعتراض بین یدی المصلی ،ص ۱۹۷،نمبر ۵۱۲/ ۱۱۴۵) اس حدیث میں ہے کہ میں حضورؐ کے سامنے لیٹا کرتی تھی اور ضرورت پر مجھے چھو یا بھی کرتے تھے پھر بھی حضورؐ کی نماز اسلئے نہیں ٹوٹتی تھی کہ حضرت عائشہؓ حضورؐ کی نماز میں شریک نہیں تھی۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ عورت امام کے برابر میں تو کھڑی نہیں ہوئی لیکن اسکے کسی بالغ مرد مقتدی ،مثلا زید کے برابر میں کھڑی ہو گئی ،تو اس صورت میں بھی امام اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو وہ اسکی مقتدیہ بنے گی اور نماز میں شریک ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد نے امام کے ساتھ اقتداء کی نیت کر کے امام کو ادا،اور فساد کا ضامن بنایا،اور امامؐ نے عورت کی امامت کی نیت کر کے مرد کی نماز فاسد کر دی،تو کچھ غلطی تو اس مرد کی ہے جس نے امام صاحب کو ادا اور فساد کا ذمہ دار بنایا۔ اور اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نہیں کی عورت اسکی مقتدیہ ہی نہیں بنے گی اور اسکی نماز میں شریک نہیں ہوگی ۔اسلئے اب مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی ۔اس صورت میں بھی امام بننے کی نیت ضروری ہے۔

[۳] تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کسی مرد کے بغل میں نہیں کھڑی ہوئی ، بلکہ بالکل پچھلے صف میں کھڑی ہوئی ۔تو ایک روایت میں

ا لان الاشتراک دونها لایثبت عندنا خلافا لزفرؒ ۲ الاتری انه یلزمه الترتیب فی المقام فیتوقف علی التزامه کالاقتداء

ہے کہ اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو عورت کی نماز صحیح ہوگی اور اسکی مقتدیہ بنے گی ،اور اسکی امامت کی نیت نہیں کرے گا تو اسکی قتداء درست نہیں ہوگی ۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تو وہ عورت کسی مرد کے برابر میں کھڑی نہیں ہے لیکن خطرہ تو ہے کہ شرارت کر کے کسی مرد کے بغل میں کھڑی ہو جائے اور اسکی نماز فاسد کر دے، اس لئے اس شرارت کو روکنے کے لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ امامت کی نیت کی شرط لگا دے تا کہ بغیر نیت کئے ہوئے اسکی اقتداء درست نہ ہو اور وہ شرارت کر کے کسی مرد کی نماز فاسد نہ کر سکے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ چونکہ وہ حدیث کے مطابق پیچھے کھڑی ہے اسلئے امام اسکی امامت کی نیت نہیں بھی کرے گا تب بھی اسکی اقتداء صحیح ہو جائے گی اور وہ مقتدیہ بن جائے گی۔

اصول : [۱] محاذات میں آ کر نماز فاسد کرنے کے لئے امامت کی نیت ضروری ہے۔[۲] اور پیچھے کھڑی ہو تو مقتدی بننے کے لئے امامت کی نیت ضروری نہیں ۔۔ اب ھدایہ کی عبارت کو ملا کر دیکھیں۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ ہمارے یہاں اشتراک بغیر نیت کے ثابت نہیں ہوتی۔ خلاف امام زفرؒ کے۔

تشریح : امام زفرؒ نے فرمایا کہ امام عورت کی امامت کی نیت نہیں بھی کرے گا تب بھی عورت مقتدی بننا چاہے تو بن سکتی ہے۔ اور اس صورت میں جب وہ نماز میں شریک ہوگی تو محاذات کی شکل میں مرد کی نماز فاسد ہوگی۔ اور حنفیہ کے یہاں جب تک امام عورت کی امامت کی نیت نہیں کرے گا عورت مرد کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے گی۔ خصوصاً جب وہ مرد کے برابر میں کھڑی ہو اور مرد کی نماز کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو، اسکی وجہ یہ ہے کہ امام امامت کی نیت کرے گا تو حدیث کے حکم کے مطابق وہ اسکا بھی التزام کرے گا کہ عورت کو پیچھے رہنے کا حکم دے، اور اسکو پیچھے نہیں کیا تو اسکی خود کی غلطی ہے اسلئے اسکی نماز فاسد ہوگی۔ اور امامت کی نیت نہیں کی تو اپنے اوپر یہ بھی لازم نہیں کیا کہ میں عورت کو پیچھے رہنے کا حکم دوں گا، اب اگر عورت برابر میں کھڑی ہوتی ہے تو عورت کی اپنی غلطی ہے اسلئے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

ترجمہ : ۲ کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ مرد کو مقام کی ترتیب لازم ہوتی ہے، اسلئے اپنے اوپر لازم کرنے پر موقوف ہوگا، جیسے کہ اقتداء۔

تشریح : یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ امام نیت کرے گا تو عورت مقتدیہ بنے گی، ورنہ نہیں، کیونکہ امام پر پھر لازم ہو جائے گا کہ عورت کو صف کے اعتبار سے ترتیب میں رکھے، یعنی عورت کو حکم دیکر پیچھے کھڑی کرے۔ تو نیت کر کے یہ اپنے اوپر لازم کرے گا تو لازم ہوگا

۳؎ وانما يشترط نية الامامة اذا ايتمت محاذية وان لم يكن بجنبها رجل ففيه روايتان ۴؎ والفرق علیٰ احدٰهما ان الفساد فی الاوّل لازم وفی الثانی متحمل

ورنہ نہیں، اورعورت کی امامت کی نیت نہیں کرے گا تو اس پر عورت کو پیچھے کھڑی کرنا لازم ہوگا، اور نہ عورت کی اقتداء صحیح ہوگی۔ جیسے کوئی آدمی امام کی اقتداء کی نیت کرے گا، تو امام کی اداء سے اسکی اداء ہوگی اور اسکے فساد سے اسکی نماز فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ امامت کی نیت کی شرط اس وقت ہے جبکہ عورت نے اقتداء کی ہو برابر میں کھڑی ہوکر، اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ عورت کی امامت کی شرط اس وقت ہے جبکہ عورت امام کے برابر میں کھڑی ہو یا اسکے مرد مقتدی کے برابر میں کھڑی ہو اور نماز فاسد کر رہی ہو۔ لیکن اگر عورت کسی مرد کے بغل میں کھڑی نہ ہو بلکہ پچھلی صف میں کھڑی ہو پھر بھی امام اسکی امامت کی نیت کرے تب وہ مقتدیہ بنے گی، یا بغیر امامت کی نیت کئے ہوئے بھی وہ مقتدیہ بن سکتی ہے اور اقتداء کر سکتی ہے۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ [۱] ایک روایت ہے کہ ابھی بھی امامت کی نیت کی ضرورت پڑے گی تب وہ مقتدیہ بنے گی۔ اور [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں امامت کی نیت کی ضرورت نہیں بغیر امامت کی نیت کے بھی وہ اقتداء کر سکتی ہے اور مقتدیہ بن سکتی ہے۔۔ دونوں کی وجہ اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ : ۴؎ دو میں سے ایک روایت پر فرق یہ ہے کہ پہلی یعنی محاذات کی صورت میں نماز کی فساد یقینی ہے۔ اور دوسری صورت میں یعنی پیچھے کھڑی ہونے کی صورت میں نماز فاسد کر دینے کا احتمال ہے۔

تشریح : عورت امام کے برابر کھڑی ہو یا مرد مقتدی کے برابر میں کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہونا یقینی ہے اسلئے اس صورت میں امامت کی نیت کرنی ضروری ہے، تب ہی عورت نماز میں شریک ہوگی اور محاذات کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی۔ اور دوسری شکل یعنی عورت پیچھے کھڑی ہو تو ابھی نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن صرف احتمال ہے کہ عورت جاکر مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور نماز فاسد کر دے اس لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

نوٹ : حج کے موقع پر بیت اللہ میں زبردست بھیڑ ہوتی ہے، اور ہندوستان، پاکستان کی عورتیں کم پڑھی ہوتیں ہیں اور گم ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے اسلئے وہ شوہروں کا ہاتھ پکڑ کر منی جاتیں ہیں، عرفات جاتیں ہیں، اور طواف کرتیں ہیں، اس درمیان نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو شوہر کے بغل میں کھڑی ہوکر نماز پڑھ لیتیں ہیں، بھیڑ میں آگے پیچھے ہو بھی نہیں سکتیں، اس مجبوری کی وجہ کچھ حضرات کا فتوی ہے کہ بیت اللہ میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ انکا متدل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله بن مسعود قال : و الذی لا اله غيره ما صلت امرأة صلوة خير لها من صلوة تصليها فی بيتها الا ان تكون**

(۳۵۶)ومن شرائط المحاذاة، أن تكون الصلوة مشتركة، وأن تكون مطلقة، وان تكون المرأة من اهل الشهوة، وان لايكون بينهما حائل ﴾

مسجد الحرام أو مسجد الرسول ﷺ الا عجوزاً فی منقلها ۔(سنن بیھقی ، باب خیر مساجد النساء قعر بیتھا ، ج ثالث ،ص ۱۸۸ ،نمبر ۵۳۶۴)اس اثر میں ہے کہ مسجد حرام کی ایک اہمیت ہے اسلئے وہاں عورتیں بھی نماز کے لئے حاضر ہو سکتیں ہیں ،اسلئے وہاں کی مجبوریوں کی وجہ سے مرد کی نماز حنفیہ کے یہاں بھی فاسد نہیں ہوگی ، جیسے کہ شوافع کے یہاں فاسد نہیں ہوتی ۔(۲) اثر میں ہے عن طاوس قال لا یقطع الصلوۃ بمکۃ شیء ، لا یضرک ان تمر المرأۃ بین یدیک ۔ (مصنف عبد الرزاق ، باب لا یقطع الصلوۃ شیء بمکۃ ، ج ثانی ، نمبر ۲۳۸۵)۔

ترجمہ: (۳۵۶) محاذات کی شرائط میں سے یہ ہیں کہ [۱] مرد اور عورت کی نماز مشترک ہو [۲] اور یہ کہ مطلق یعنی رکوع سجدے والی ، نماز ہو [۳] عورت اھل شہوت میں سے ہو [۴] اور یہ کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

تشریح : عورت کے بغل میں کھڑی ہونے سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے ،اسلئے جن شرطوں کے ساتھ احادیث وارد ہوئی ہیں ان شرطوں کی وضاحت کر رہے ۔ وہ شرطیں چار ہیں۔

[۱] پہلی شرط یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی نماز مشترک ہو ،اگر دونوں کی نماز مشترک نہیں تو محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی ۔ دلیل یہ اثر ہے۔ اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل و كانا فى صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابى حنيفة دوسرے اثر میں یہ ہے . انما تفسد عليه اذا صلت الى جانبه و هما فى صلوة واحدة ، تأتم به أو يأتمان بغيرهما ، وهو قول ابى حنيفة ۔(کتاب الآثار لامام محمد ، باب ما یقطع الصلوۃ ،ص ۲۷ ، نمبر ۱۳۷ نمبر ۱۳۸) ان دونوں اثروں میں ہے کہ دونوں کی نماز مشترک ہو تو مرد کی نماز فاسد ہوگی۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ مطلق نماز ہو تو فاسد ہوگی ، مطلق نماز سے رکوع سجدے والی نماز ہے ، جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز جنازہ میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعاء ہے مطلق اور کامل نماز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے جس حدیث یا اثر میں فساد کا حکم ہے اس میں ، صلوۃ ، کا لفظ ہے جو کامل نماز پر دلالت کرتا ہے اسلئے کامل نماز ہو تب ہی محاذات سے فاسد ہوگی ورنہ نہیں ۔ (۱) اوپر اثر میں لفظ ، صلوۃ ، ہے (۲) اگلی حدیث میں بھی لفظ ، صلوۃ ، آ رہا ہے اسلئے اس سے کامل نماز مراد ہوگی۔

[۳] تیسری شرط یہ ہے کہ جو عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہوئی وہ بالغ ہو یا بالغ ہونے کے قریب ہو جس میں شہوت آ چکی ہو ، چاہے وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو ، بیوی ہو یا ذی رحم محرم ہو یا اجنبیہ ہر ایک کے محاذات سے نماز ٹوٹ جائے گی ۔ کیونکہ حدیث میں

ل لانها عرفت مفسدة بالنص بخلاف القياس فيراعى جميع ماورد به النص (۳۵۷) ويكره لهن حضور الجماعات﴾ ل يعنى الشواب منهن لما فيه من خوف الفتنة

عورت سے مراد شہوت والی عورت ہے۔اور اگر ایسی بچی ہو کہ اس میں ابھی شہوت نہیں آئی ہے تو اسکے برابر میں کھڑی ہونے سے نماز نہیں ٹوٹے گی ۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ بچی کو نماز میں گود میں اٹھایا تب بھی نماز نہیں ٹوٹی۔حدیث یہ ہے۔عن ابی قتادة : أن رسول الله ﷺ كان يصلى و هو حامل أمامة بنت زينب ابنة رسول الله ﷺ فاذا سجد وضعها و اذا قام حملها ۔(ابوداود شریف، باب العمل فی الصلوۃ، ص ۱۴۰ ،نمبر ۹۱۷)اس حدیث میں چھوٹی بچی کو اٹھانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹی اسلئے کہ بچی اھل شہوت نہیں تھی۔

[۴] اور چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔اور اگر عورت اور مرد کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو جس سے عورت تھوڑی دور ہو جاتی ہو، جیسے کجاوہ یا کجاوہ جیسی چیز درمیان میں ہو تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : يقطع الصلوة المرأة ، و الحمار ، و الكلب ، و يقى ذالک مثل موء خرة الرحل ۔(مسلم شریف، باب قدر مایستر المصلی ص ۱۹۶، نمبر ۵۱۱/۱۱۳۹/ابوداود شریف، باب مایقطع الصلوۃ، ص ۱۱۱، نمبر ۷۰۲) اس حدیث میں ہے کہ موءخرۃ الرحل، یعنی کجاوہ یا کجاوے جیسی چیز درمیان میں ہو تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ محاذات سے نماز فاسد ہونا خلاف قیاس ہے اور نص کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے اسلئے ان تمام شرطوں کی رعایت کی جائے گی جن کے ساتھ حدیث وارد ہوئی ہے۔

تشریح : عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے، البتہ چونکہ حدیث کے ذریعہ ثابت ہے اسلئے اسکو مان لیتے ہیں تتبع اور تلاش کے بعد جن جن شرطوں کے ساتھ فساد کا حکم ہے ان تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہے۔اور پیچھے گزرا کہ چار شرطوں کے ساتھ فساد کا حکم ہے اسلئے چاروں شرطیں پائی جائیں تو فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ : (۳۵۷) عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ل یعنی جوان عورتوں کے لئے ،اسلئے کہ اس کے حاضر ہونے میں فتنہ کا خوف ہے

تشریح : جوان عورتوں میں رغبت زیادہ ہوتی ہے اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جوا عورت کو کسی بھی نماز میں مسجد جانا مکروہ ہے، اور بوڑھی عورت رات کی نماز میں جا سکتی ہے باقی دن کی نماز میں اسکے لئے بھی کراہیت سے خالی نہیں۔اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں میں جا سکتی ہے، اسکے لئے کراہیت نہیں ہے۔

وجہ : (۱) عورتوں کو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔کیونکہ حضورؐ نے اجازت دی ہے۔لیکن جوان عورتوں کے لئے مکروہ

(۳۵۸) ولا بأس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء﴾ ۱؎ وھٰذا عند ابی حنیفةؒ

ہے۔ کیونکہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے فتنہ کا خطرہ ہے (۲) **سمعت عائشه زوج النبی ﷺ تقول لو ان رسول الله ﷺ رأی ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل قال : فقلت لعمرة : أنساء بنی اسرائیل منعن المساجد ؟ قالت نعم** ۔ (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم تترتیب علیه فتنة ص ۱۸۳ نمبر ۹۹۹/۴۴۵ / بخاری شریف، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، ص ۱۱۹، نمبر ۸۶۹ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عورتوں کو حضور منع فرماتے تو آج کل کی عورتوں کو کیوں نہ روکا جائے (۳) **عن عبد الله عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها** . (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور یہی مسجد میں جانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔ (۳) مسجد جانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال : لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولکن لیخرجن وهن تفلات** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، ص ۹۱، نمبر ۵۶۵ / مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة، ص ۱۸۳، نمبر ۹۸۹/۴۴۲) اس حدیث میں ہے کہ عورت کو مسجد جانے سے مت روکو۔

ترجمہ: (۳۵۸) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں مسجد کے لئے نکلیں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔

وجه : (۱) بوڑھی عورتوں میں رغبت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر فجر، مغرب اور عشا میں شریر لوگ سوئے ہوتے ہیں اس لئے بوڑھیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جائیں۔ (۲) رات میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوں ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد** (بخاری شریف، باب هل علی من لا یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان ص ۱۲۳، ابواب الجمعة نمبر ۸۹۹ / مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص ۱۸۳ نمبر ۹۹۴/۴۴۲) اس حدیث میں ہے کہ رات میں یعنی مغرب، اور عشاء اور فجر میں عورت جماعت میں حاضر ہو سکتی ہے۔ اور بوڑھی عورت نکلے اسکی دلیل یہ اثر ہے (۳) دوسرا اثر یہ ہے **عن عبد الله ابن مسعود قال والذی لا اله غیره ما صلت امرأة صلوة خیر لها من صلوة تصلیها فی بیتها الا ان یکون مسجد الحرام او مسجد الرسول ﷺ الا عجوزا فی منقلها** ۔ (سنن للبیهقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتهن ج ثالث ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت وہ بھی بغیر عطر اور بھڑ کیلے کپڑے کے مسجد میں جا سکتی ہے۔ (۴) اور جوان عورت کے نکلنے میں کراہیت ہے اسکی دلیل اس حدیث کا اشارۃ النص ہے۔ عن ابی هریرة قال: **قال رسول الله ﷺ ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا**

(۳۵۹) وقالا يخرجن فى الصلوٰة كلها ﴾ ۱؎ لانـه لافتنة لقلة الرغبة فلا يكره كما فى العيد ۲؎ وله ان فرط الشبق حامل فتقع الفتنة غير ان الفساق انتشارهم فى الظهر والعصر والجمعة اما فى الفجر والعشاء هم نائمون وفى المغرب بالطعام مشغولون

العشاء الآخرة . (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر۴۴۴/۹۹۸) اس حدیث میں ہے کہ جس عورت نے عطر لگایا وہ مسجد میں نہ جائے، کیونکہ اس سے رغبت ہوتی ہے اسی طرح جوان عورت میں رغبت ہوتی ہے اسلئے وہ بھی نہ جائے۔

ترجمہ: (۳۵۹) اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے۔

فائدہ : (۱) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بوڑھیوں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے تمام ہی نمازوں میں جاسکتی ہیں۔(۲) جن حضرات نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لا تمنعوا نسائكم المساجد اذا استأذنكم اليها ....فقال بلال بن عبد الله والله لنمنعهن (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر۴۴۲/۹۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے، اسلئے صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام ہی نماز میں بوڑھی عورت جاسکتی ہے۔لیکن خود اس حدیث میں ہے کہ راوی کے بیٹے بلال نے فرمایا کہ میں تو روکونگا تا کہ وہ اس کو دھوکا کی چیز نہ بنالیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ بوڑھی عورتوں میں مرد کی رغبت کم ہونے کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے، اسلئے تمام نمازوں میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہے، جیسے عید میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔کہ بوڑھی عورت میں مرد کی رغبت کم ہوتی ہے اسلئے ہر نماز میں آنے میں فتنہ نہیں ہے اسلئے وہ تمام نماز میں آسکتی ہے، جس طرح عید کی نماز کے لئے عورت آسکتی ہے۔عید کی نماز میں جوان عورت بھی آسکتی ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن أم عطية قالت : أمرنا نبينا ﷺ أن نخرج العواتق ذوات الخدور ....و يعتزلن الحيض المصلى ۔ (بخاری شریف، باب خروج النساء والحیض الی المصلی ، ص۱۵۶، نمبر۹۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بوڑھی عورتیں اور پردے والی عورتیں عیدگاہ آئیں، اور حائضہ عورت آئیں ضرور لیکن عیدگاہ سے دور رہیں۔ جب بوڑھی عورت عید کی نماز میں جاسکتی ہے جو دن میں ہوتی ہے، تو دن کی اور نماز میں بھی حاضر ہوسکتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہوت کی شدت جماع پر ابھارنے والی ہے اسلئے فتنہ واقع ہوگا، یہ اور بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر اور عصر اور جمعہ میں پھیلے ہوتے ہیں [اسلئے ان وقتوں میں فتنہ ہونے کا زیادہ امکان ہے] اور فجر اور عشاء میں وہ سوئے ہوتے ہیں اور مغرب میں وہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں [اسلئے اس وقت فتنہ کا امکان کم ہے]

۳؎ والجبانة متسعة فيمكنها الاعتزال عن الرجال فلا يكره (۳۶۰) قال ولا يصلى الطاهر خلف من هو فى معنى المستحاضة ولا الطاهرة خلف المستحاضة۞

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت چاہے بوڑھی ہواس میں کچھ نہ کچھ رغبت تو ہوتی ہے، پھر فاسق لوگ شہوت کی شدت کی وجہ سے بوڑھی اور جوان کونہیں دیکھتے وہ فتنہ کر ہی ڈالتے ہیں، البتہ فجر اور عشاء میں یہ سوئے ہوتے ہیں اور مغرب میں یہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اسلئے ان اوقات میں یہ لوگ مسجد کے راستے میں نہیں ہوتے اسلئے ان اوقات میں بوڑھی عورتیں مسجد چلی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور ظہر، عصر اور جمعہ میں یہ لوگ راستے میں ہوتے ہیں جن سے فتنہ کا خطرہ ہوتا ہے اسلئے ظہر، عصر اور جمعہ میں بوڑھی عورت بھی مسجد نہ جائیں۔

ترجمہ: ۳؎ اور جنگل وسیع ہوتا ہے اسلئے مردوں سے عورتوں کا الگ رہنا ممکن ہے اسلئے مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ بوڑھی عورت عیدین میں جاسکتی ہے اور وہ دن میں ہے اسلئے دن کی نماز میں بھی بوڑھی عورت جاسکتی ہے۔اسکا جواب یہ دے رہے ہیں کہ فساق تو وہاں بھی ہیں لیکن عید کی نماز عموما جنگل میں ہوتی ہے اور جنگل لمبا چوڑا ہوتا ہے اسلئے عورت مرد سے دور رہ سکتی ہے اسلئے عید میں فتنہ کا اتنا خطرہ نہیں ہے اسلئے عید میں جاسکتی ہے، ظہر، عصر اور جمعہ میں نہیں۔

لغت : الرغبة: یہاں اس سے شہوت مراد ہے۔الشبق: بہت شہوت والا ہونا۔حامل: جماع پر ابھارنا۔الجبانة: جنگل۔اعتزال: الگ رہنا۔

ترجمہ: (۳۶۰) پاک آدمی اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے جو مستحاضہ عورت کے درجے میں ہے، اور نہ پاک عورتیں مستحاضہ عورت کے پیچھے۔

تشریح : مستحاضہ عورت کے درجے کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ عورت معذور ہے تو جو لوگ معذور ہیں انکے پیچھے غیر معذور نماز نہ پڑھے۔مثلا جسکو مسلسل پیشاب آرہا ہے، یا مسلسل پاخانہ آرہا ہے تو وہ پیشاب آنے والے کے ساتھ ہی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ وہ معذور ہے اب اسکے پیچھے کوئی غیر معذور اچھا آدمی نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔

وجہ : (۱) قاعدہ ہے کہ امام اعلی درجہ کا ہو، یا مقتدی سے برابر درجہ کا ہو، یا امام مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تو اقتدا جائز ہے۔اور اگر امام مقتدی سے بہت کم درجہ کا ہو تو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں ہے۔اب اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔اب سلسل البول والا جس کو مسلسل پیشاب آتا ہو پاک آدمی سے بہت کم درجہ کا ہے۔کیونکہ سلسل البول والا معذور ہے اور پاک معذور نہیں ہے۔اس لئے پاک آدمی کے لئے سلسل البول کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے (۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن

لے لان الصحیح اقوی حالا من المعذور والشئ لایتضمن ماھو فوقه والامام ضامن بمعنی تضمن صلاته صلاة المقتدی (۳۶۱) ولا یصلی القاری خلف الامی ولا المکتسی خلف العاری ﴾ لے لقوة حالھما

والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷ /ابن ماجۃ، باب مایجب علی الامام ،ص ۱۳۸، نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔اور سلسل البول یا مستحاضہ پاک آدمی سے نیچے درجے کے ہیں۔اس لئے اقتدا جائز نہیں ہے (۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ عن ابراھیم قال : اذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة من خلفه . (کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ ،ص ۲۷، نمبر ۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کی امام ضامن ہے۔

اصول :(۱) امام ضامن ہے (۲) امام کو اعلی یا برابر درجہ کا ہونا چاہئے

ترجمہ: لے اسلئے کہ صحیح آدمی حال کے اعتبار سے معذور سے زیادہ قوی ہے اور کوئی چیز اپنے سے اوپر والے کی ضامن نہیں ہو تی ،اور امام ضامن ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہے۔

تشریح : یہاں اوپر والی حدیث کا قاعدہ بتا رہے ہیں۔کہ حدیث میں گزری کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے،اسلئے امام کو مقتدی سے اعلی درجہ ہونا چاہئے ، یا کم سے کم برابر درجے کا ہونا چاہئے ، کیوں کہ کوئی کسی کا ضامن ہو تو مضبوط اور قوی ہو تب ہی ضامن بن سکتا ہے یا کم سے کم برابر ہو تب ہی ضامن بن سکتا ہے اگر بہت کمزور درجے کا ہو تو ضامن نہیں بن سکتا اور معذور آدمی صحیح آدمی سے بہت کم درجہ ہے اسلئے معذور آدمی صحیح آدمی کا امام نہیں بن سکتا۔

ترجمہ : (۳۶۱) اور نہیں جائز ہے اقتدا پڑھنے والے کی امی کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والے کی ننگے کے پیچھے۔

ترجمہ: لے دونوں کی حالت کے مضبوط ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جو آدمی اتنا قرآن شریف جانتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو کچھ بھی آیت قرآنی نہیں جانتا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ امی معذور ہے اور قاری معذور نہیں ہے۔اس لئے اصل اور صحیح کی اقتدا معذور کے پیچھے جائز نہیں ہے۔اسی طرح جس کے پاس ستر ڈھنکنے کا کپڑا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو بالکل ننگا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ ننگا معذور ہے اور کپڑے والا صحیح اور اصل ہے۔

اصول : مسئلہ نمبر ۳۶۰ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے۔

(۳۶۲) ويجوزان يؤم المتيمم المتوضيين﴾ ۱؎ وهذا عند ابى حنيفةؒ وابى يوسف ۲؎ وقال محمدؒ لايجوز لانه طهارة ضرورية والطهارةبالماء اصلية ۳؎ ولهما انه طهارة مطلقة ولهذا لايتقدر بقدر الحاجة

ترجمه: (۳۶۲) جائز ہے کہ تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے۔

ترجمه: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

وجــــه : (۱) تیمّم کرنے والا پانی نہ ہونے کے وقت وضو کرنے والے کے حکم میں ہے۔اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔اس لئے وضو کرنے والے تیمّم کرنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عمرو بن العاص قال احتملت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح** . (ابوداؤد شریف، باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم ص ۵۴ نمبر ۳۳۴ / بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض اوالموت ص ۴۹ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں حضرت عمرو نے جنابت کا تیمّم کر کے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ہے۔جب کہ ساتھی وضو اور غسل والے تھے۔اور آپؐ نے اس پر کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی اقتدا درست ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ تیمّم کرنے والا وضوء کرنے والے کی امامت کرے یہ جائز نہیں ہے،اسلئے کہ تیمّم مجبوری کی طہارت ہے،اور پانی سے طہارت اصلی ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ تیمّم طہارت ضروریہ ہے یعنی پانی استعمال نہ کرنے کی مجبوری کی وجہ سے تیمّم کیا ہے اسلئے وہ معذور کے درجے میں ہوئے،اور پانی سے جو وضوء ہے وہ اصلی طہارت ہے اور قوی ہے،اسلئے معذور اصلی طہارت والے کی امامت نہیں کر سکتا۔

ترجمه: ۳؎ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم بھی طہارت مطلقہ ہے یہی وجہ ہے کہ ضرورت کے مطابق متعین نہیں ہے۔

تشریح :مستحاضہ عورت یا معذور آدمی کا حکم یہ ہے کہ جب وقت ہو تو وضو کر لے اور وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے جتنی فرائض نوافل پڑھنی ہو پڑھ لے،وقت ختم ہوتے ہی وضو ختم ہو جائے گا اسلئے کہ ضرورت ختم ہو گئی،اگلے وقت میں اگلا وضو کرنا ہو گا اسلئے کہ یہ طہارت ضرورت کی بنا پر ہے اور جب ضرورت ختم ہو گئی تو طہارت بھی ختم ہو جائے گی،کیونکہ پیشاب گرتا رہے اور وضوء باقی رہے یا پاخانہ نکلتا رہے اور وضوء باقی رہے یہ خلاف قیاس ہے لیکن ضرورت اور مجبوری کی بناء پر اسکو باقی رکھا۔لیکن تیمّم کا معاملہ ایسا نہیں

(۳۶۳) ويؤم الماسح الغاسلين﴾ ا لان الخف مانع سراية الحدث الى القدم وماحلّ بالخف يزيله المسح

ہے، اگر تیمّم نہ ٹوٹا ہوتو ایک تیمّم سے دسیوں وقت کی نماز پڑھ سکتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم بھی اصلی طہارت ہے اور طہارت مطلقہ ہے اسلئے تیمّم کرنے والا گویا کے وضو کرنے والے کی طرح ہے پس جب دونوں کی حالت ایک ہوئی تو تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔

وجہ : (۱) اس آیت کے انداز سے معلوم ہوتا ہے پانی نہ ہوتے وقت تیمّم اسکی جگہ پر اصل ہے۔ او جاء احدمنكم من الغائط او لا مستم النساء فلم تجد وا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً ۔(آیت ۴۳، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو جسکا مطلب یہ ہوا کہ پانی نہ ہونے کی حالت میں تیمّم اصل طہارت ہے (۲) اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے تیمّم طہارت مطلقہ ہے۔ فقال ابو ذر انی اجتويتُ المدينة ....فقال رسول الله ﷺ : يا ابا ذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين فاذا وجدتَ الماء فأمسه جلدک ۔(ابوداود شریف، باب الجنب یتیمم، ص ۵۳، نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے کی حالت میں اسکی جگہ پر تیمّم اصلی طہارت ہے، اسی لئے تو فرمایا کہ دس سال تک تیمّم کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ : (۳۶۳) اور موزے پر مسح کرنے والا پاؤں کو دھونے والے کی امامت کرے۔

تشریح : موزے کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ کوئی مجبوری ہو تب موزہ پہنے اور اس پر مسح کرے بلکہ کسی وقت بھی وضو کر کے موزہ پہن لے اور مسح کرنا شروع کر دے، اسلئے موزے پر مسح پاؤں دھونے کی طرح ہی ہے اسلئے موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کرسکتا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ موزہ نے آنے والے حدث کو اندر سرایت کرنے سے روک دیا۔

وجہ :(۱) حضورؐ بغیر کسی مجبوری کے موزہ پہن کر مسح فرمایا کرتے تھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن المغيرة أن النبی ﷺ كان يمسح على الخفين و على ناصيته و على عمامته ۔ دوسری حدیث میں ہے۔ سمعتُ عروة بن المغيرة بن شعبة يذكر عن ابيه قال : ....فقال لی : دع الخفين فانی ادخلت القدمين الخفين و هما طاهرتان ،فمسح عليهما ۔(ابوداود شریف، باب المسح الخفین، ص ۲۳، نمبر ۱۵۰ نمبر ۱۵۱) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ آپؐ بغیر کسی مجبوری کے مسح خفین فرماتے تھے اسلئے وہ طہارت کاملہ ہے اسلئے طہارت کاملہ والے کی امامت کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ا اسلئے کہ موزہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے روکتا ہے، اور جو کچھ موزے کے اوپر حدث آیا مسح اسکو صاف کر دے گا۔

۲؎ بخلاف المستحاضة لان الحدث لم یعتبر زواله شرعًا مع قیامه حقیقة (۳۶۴) ویصلی القائم خلف القاعد﴾

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ جب موزہ پہن لیا تو وضوٹوٹنے کے بعد جو حدث آیا موزہ اسکو قدم کے اندر جانے نہیں دیا، اور جتنا سا حدث موزے کے اوپر آیا جب مسح کرے گا تو مسح سے وہ بھی صاف ہو جائے گا، تو گویا کہ پاؤں دھونے کی طرح ہو گیا اسلئے موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ بخلاف مستحاضہ کے اسلئے کہ وہاں شرعا حدث کے زائل ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا جبکہ حقیقۃً حدث قائم ہے۔

تشریح :اس عبارت میں مستحاضہ یعنی معذور اور موزے پر مسح کرنے والے میں کیا فرق ہے اسکو بتا رہے ہیں۔ کہ موزے پر مسح کروالے کا حدث مسح کرنے کی وجہ سے زائل ہو گیا اور گویا کہ دھونے کی طرح ہو گیا۔ لیکن معذور کا حدث زائل نہیں ہوتا کیونکہ پیشاب تو نکلتا جا رہا ہے یا مستحاضہ کا خون نکلتا جا رہا ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شرعا اسکا حدث زائل ہو گیا کیونکہ حدث تو حقیقۃً مو جود ہے، البتہ مجبوری کی وجہ سے پاک مان لیا گیا ہے، اور جب حقیقۃً حدث موجود ہے تو اسکی امامت نہیں کر سکتا جو مکمل پاک ہے۔

اصول : یہ سب مسائل اس اصول پر ہے کہ امامت کرنے والا مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تب بھی امام بن سکتا ہے، لیکن اگر بہت کم ہو تو امام نہیں بن سکتا۔

ترجمہ: (۳۶۴) کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

تشریح: امام کو کوئی عذر ہو جس سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے کے قریب قریب ہے۔ لیکن مقتدی بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا رہے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے دخلت علی عائشة فقلت الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ؟

... فجعل ابو بکر یصلی وھو یأتمُّ بصلوة النبی ﷺ والناس بصلوة ابی بکر، والنبی قاعد (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی حدیث میں تصریح ہے وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبی ﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حیث کان بلغ ابو بکر ۔(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی مرضہ ص ۱۷۴، نمبر ۱۲۳۵ / مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸ / ۹۳۶) ان دونوں حدیثوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں [۱] ایک تو یہ کہ بیٹھنے والا

۱؎ وقال محمدؒ لایجوز وھوالقیاس لقوۃ حال القائم ۲؎ ونحن ترکناہ بالنص وھوماروی ان النبی علیہ السلام صلی اٰخر صلاتہ قاعدا والقوم خلفہ قیام

کھڑے ہونے والے کی امامت کرسکتا ہے،[۲] اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھ کرنماز نہیں پڑھے گا بلکہ کھڑا ہوکرنماز پڑھے گا۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے فیصلہ دیا ہے کہ۔ **ثم صلی بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفہ قیام لم یأمر ھم بالقعود وانما یوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت بخاریؒ فرماتے ہیں مقتدی کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ قیام فرض ہے بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوتا، اور حضور کا آخری فعل بھی یہی تھا۔

فائدہ : بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام بیٹھ کرنماز پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کرنماز پڑھنی چاہئے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشۃ ام المؤمنین انھا قالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ وھو شاک فصلی جالسا وصلی ورائہ قوم قیاما فاشار الیھم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۹ / ابوداؤد شریف، باب الامام یصلی من قعود ص ۹۶ نمبر ۶۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود بخاریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا عمل منسوخ ہے۔

اصول : بیٹھنا قریب قریب کھڑے ہونے کی طرح ہے، اسلئے ایک دوسرے کی اقتداء جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کھڑا ہونے والے کے لئے بیٹھنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ کھڑا ہونے والے کی حالت مضبوط ہے۔ قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے والے کی حالت مضبوط اور قوی ہے اسلئے وہ بیٹھنے والے کی اقتداء نہ کرے اسلئے کہ وہ کمزور اور ضعیف ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہمنے حدیث کیوجہ سے اس بات کو چھوڑ دیا۔ وہ روایت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور قوم آپؐ کے پیچھے کھڑی تھی۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی روایت یہ گزرچکی۔ **ثم صلی بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفہ قیام لم یأمر ھم بالقعود وانما یوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ کی آخری نماز اس طرح تھی کہ آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے

(۳۶۵) ويصلي المؤمي خلف مثله ﴾ ل لاستوائهما في الحال ٢ الا ان يؤمي المؤتم قاعدا والامام مضطجعا لان القعود معتبر فيثبت به القوة (۳۶۶) ولا يصلي الذي يركع ويسجد خلف المؤمي ﴾ ل لان حال المقتدى اقوى

تھے۔

ترجمه : (۳۶۵) اور اشارہ کرنے والا اشارے کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه : ل اسلئے کہ دونوں کی حالت برابر ہے۔

تشریح : ایک آدمی رکوع سجدہ نہیں کرسکتا ہے اب وہ اسکا اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو اپنے جیسے اشارے کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ دونوں کی حالت ایک جیسی ہے۔ اسلئے ایک دوسرے کی اقتداء کرسکتا ہے۔

ترجمه: ٢ مگر یہ کہ مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امام لیٹ کر اشارہ کرے تو جائز نہیں ہے، اسلئے کہ بیٹھنا کھڑے ہونے کی طرح معتبر ہے تو اس میں قوت ثابت ہوگئی۔

تشریح : رکوع اور سجدے کے اشارے کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک تو یہ کہ بیٹھنے پر قدرت ہے اسلئے بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کر رہا ہے، تو یہ قوی اور مضبوط ہے کیوں کہ بیٹھنا کھڑا ہونے کے قریب ہے، [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیٹھنے پر قدرت نہیں ہے اسلئے لیٹ کر رکوع سجدے کا اشارہ کر رہا ہے، تو یہ اشارہ معذور کا ہے اور کمزور ہے، اسلئے اگر بیٹھ کر اشارہ کرنے والا لیٹ کر اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرے تو صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ بیٹھنے والا قوی ہے اور لیٹ کر اشارہ کرنے والا بہت کمزور ہے۔ اسکا الٹا صحیح ہو جائے گا اسلئے کہ بیٹھنے والا امام قوی ہوگا اور لیٹنے والا مقتدی کمزور ہوگا۔

لغت : یوءمی: ایماء سے مشتق ہے، اشارہ کرنے والا۔ موءتم: ام سے مشتق ہے، مقتدی۔ مضطجعا: اضطجع سے مشتق ہے، لیٹنے والا۔

ترجمه: (۳۶۶) جو آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہو وہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

تشریح: جو آدمی عذر کی بنا پر اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہو، رکوع اور سجدہ نہ کرسکتا ہو وہ معذور ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والا جو گویا کہ تندرست ہے کا اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۳۶۰ میں گزر گئی ہے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ مقتدی کا حال امام سے قوی ہے۔

تشریح : رکوع سجدہ کرنے والا معذور نہیں ہے وہ قوی ہے، اور رکوع سجدے کا اشارہ کرنے والا معذور ہے وہ کمزور ہے، اسلئے رکوع سجدہ کرنے والے کے لئے اسکے اشارے کرنے والے کی اقتداء درست نہیں ہے۔

۲؎ وفيه خلاف زفرؒ (۳۶۷) ولا يصلی المفترض خلف المتنفل﴾

ترجمه: ۲؎ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں اشارہ کرنے والا رکوع سجدہ کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ رکوع اور سجدے کے بدلے میں جب اشارہ ہوگیا تو اشارہ ان دونوں کا خلیفہ ہوگیا اور جب خلیفہ موجود ہے تو گویا کہ اصل موجود ہے اور گویا کہ رکوع سجدہ ہی کرنے والا ہے، اسلئے وہ رکوع سجدہ کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔ جس طرح تیمّم وضو کا خلیفہ ہے تو تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔ اس طرح یہاں بھی امامت کرسکتا ہے۔

ترجمه :(۳۶۷) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

وجه :(۱)اس حدیث میں ہے کہ امام ضامن ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن و المؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷ / ابن ماجة ، باب ما یجب علی الامام ، ص ۱۳۸، نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور فرض پڑھنے والا اعلی ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی ہے اس لئے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے (۲) اس حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليوتم به فلاتختلفوا عليه ۔ (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۴ / ۹۳۰) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں اعلی کا ادنی درجہ سے اختلاف ہوجاتا ہے۔

فائده : امام شافعیؒ کے نزدیک فرض پڑھنے والا کا نفل پڑھنے والے کا اقتدا کرنا جائز ہے۔

وجـه: (۱) ان کے نزدیک امامت کا مطلب ضامن ہونا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ مل کر نماز پڑھ لینا ہے۔ اس لئے فرض اور نفل کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ان معاذبن جبل كان يصلی مع رسول الله العشاء ثم ياتی قومه فيصلی بهم تلك الصلوة ۔ (ابوداؤد شریف، باب امامة من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوة ص ۹۵ نمبر ۵۹۹ / بخاری شریف، باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجة فخرج وصلی، ص ۹۶، نمبر ۷۰۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے تو اسکا یہی مطلب ہے کہ انکے ساتھ فرض کی نیت سے پڑھتے ہونگے، اور جب قوم کو پڑھاتے ہونگے تو وہ نفل ہوگی کیونکہ ایک فرض دو مرتبہ نہیں پڑھ سکتے، تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام کی نماز نفل ہے اور مقتدی کی نماز فرض ہے تو فرض پڑھنے والوں نے نفل پڑھنے والے کی اقتداء کی۔ (۳) اس حدیث میں تو اسکی صراحت ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور امامت کے وقت نفل پڑھتے تھے۔ ان معاذا كان يصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ينصرف الی قومه فيصلی بهم هی له تطوع ولهم فريضة (دار قطنی، باب ذکر صلوة المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳ / سنن بیھقی،

لـ لان الاقتداء بناء ووصف الفرضية معدوم فی حق الامام فلا یتحقق البناء علی المعدوم

(۳۶۸) قال ولا من یصلی فرضا خلف من یصلی فرضًا اٰخر ﴾ لـ لان الاقتداء شرکة وموافقة فلا بد من الاتحاد ٢ وعند الشافعیؒ یصح فی جمیع ذٰلک لان الاقتداء عنده اداء علی سبیل الموافقة وعندنا معنی التضمن مراعًی

باب الفریضۃ خلفمن یصلی النافلۃ، ج ثالث ،ص۱۲۲،نمبر ۵۱۰۶)اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓحضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے اورامامت نفل کی نیت کر کے کرتے ۔ اس لئے نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے۔

ترجمہ : لـ اسلئے کہ اقتداء کا مطلب ہے بنا کرنا اور فرضیت کا وصف امام کے حق میں معدوم ہے،اسلئے معدوم پر بناء متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔حنفیہ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ نماز کے ساتھ اسکی اہم صفات میں بھی مقتدی امام کے ساتھ بناء کرتا ہے اسلئے امام کی نماز کی اہم صفت مقتدی کی نماز کی اہم صفت میں مختلف ہوتو امام کے ساتھ بناء نہیں ہو سکے گی اور اقتداء درست نہیں ہوگی۔اس قاعدے کی بنیاد پر دیکھیں تو یہاں امام کی نماز میں فرض کی صفت نہیں ہے جو اہم ہے صرف نفل کی صفت ہے اور مقتدی کی نماز میں فرض کی صفت ہے اسلئے مقتدی کی بناء امام کی نماز کے ساتھ نہیں ہو سکے گی ،اسلئے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں۔

ترجمہ : (۳۶۸)اورنہیں جائز ہے اقتدا کرنا اس کی جونماز پڑھتا ہو فرض،اس کے پیچھے جو دوسرے فرض پڑھتا ہو۔

تشریح : کوئی آدمی مثلا ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا نہیں کرسکتا جو عصر کا فرض پڑھ رہا ہے۔

وجہ : پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے۔اس لئے دونوں کی نیت متحد ہونی چاہئے (۲)عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام لیوتم به فلاتختلفوا علیه ۔(مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۷نمبر۴۱۴/۹۳۰) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔اور یہاں امام کی نماز الگ ہے اور مقتدی کی نماز الگ ہے،اسلئے ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ اقتداء کا مطلب شرکت اور موافقت ہے اسلئے اتحاد ضروری ہے۔

تشریح : ہمارے یہاں اقتداء کا مطلب یہ ہے کہ تحریمہ اور اعمال دونوں میں شرکت ہو اسلئے نماز میں بھی اتحاد ضروری ہے۔ دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ٢ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں اقتداء صحیح ہے،اسلئے کہ اقتداء انکے نزدیک موافقت کے طور پر اداء

(۳۶۹) ویصلی المتنفل خلف المفترض﴾

کرنا ہے۔اور حنفیہ کے یہاں ضامن ہونے کی رعایت ہے۔

تشریح : ہمارے نزدیک اقتداء مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی کا ضامن ہے اسلئے تحریمہ اور اعمال دونوں میں موافقت اور شرکت ضروری ہے۔اور امام شافعیؒ کے یہاں اقتداء کا مطلب یہ ہے کہ امام اور مقتدی ایک جگہ نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن امام مقتدی کی نماز کا ضامن نہیں ہے، اسلئے اوپر کی تمام صورتوں میں اقتداء جائز ہے۔مثلا [۱] اشارہ کرنے والے کے پیچھے کھڑا ہونے والا نماز پڑھ سکتا ہے، [۲] نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والا نماز پڑھ سکتا ہے [۳] ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے والا نماز پڑھ سکتا ہے۔موسوعۃ میں ہے۔ قال الشافعیؒ و کل ھذا جائز بالسنة ، و ما ذکرنا ثم القیاس ، و نیة کل مصل نیة نفسه ، لا یفسدھا علیه أن یخالفھا نیة غیرہ و ان أمّه ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب اختلاف نیۃ الامام و المأموم، ج ثانی، ص ۳۱۷، نمبر ۱۷۹۱) اس عبارت میں ہے کہ امام اور مقتدی کی نماز مختلف ہو تب بھی نماز جائز ہے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ حدیث ہے. عن ابی ھریرة أن رسول اللہ ﷺ قال : یصلون لکم فان اصابو ا فلکم و لھم و ان اخطئوا فلکم و علیھم ۔(بخاری شریف، باب اذا لم یتم الامام و أتم من خلفہ، ص ۹۶، نمبر ۶۹۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اگر غلطی کرے تو اس غلطی کا نقصان اسکو ملے گا اور تمہارے صحیح کا فائدہ تم کو ملے گا، جس سے معلوم ہوا کہ امام ضامن نہیں ہے اسلئے اوپر کی امامت درست ہے۔(۲) نفل والے کے پیچھے فرض پڑھے اسکی حدیث اوپر گزر چکی۔ان معاذا کان یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ینصرف الی قومه فیصلی بھم ھی له تطوع و لھم فریضة (دار قطنی، باب ذکر صلوۃ المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳ رسنن بیہقی، باب الفریضۃ خلف من یصلی النافلۃ، ج ثالث، ص ۱۲۲، نمبر ۵۱۰۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ کی نماز نفل ہوتی اور قوم کی نماز فرض ہوتی ۔(۳) اور ظہر پڑھنے والا عصر پڑھنے والے کی اقتداء کرے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن عائذ قال : دخل ثلاثة نفر من أصحاب رسول اللہ ﷺ المسجد و الناس فی صلاة العصر قد فرغوا من صلاة الظھر فصلوا مع الناس ، فلما فرغوا قال بعضھم لبعض : کیف صنعتم ؟ قال أحدھم : جعلتھا الظھر ثم صلیت ُ العصر ، و قال الآخر : جعلتھا العصر ثم صلیت ُ الظھر ، و قال الآخر : جعلتھا للمسجد ثم صلیت الظھر و العصر فلم یعب بعضھم علی بعض ۔(سنن بیہقی، باب الظھر خلف من یصلی العصر، ج ثالث، ص ۱۲۳، نمبر ۵۱۱۲) اس اثر میں ہے کہ امام عصر پڑھ رہے تھے اور مقتدی نے اسکے پیچھے ظہر پڑھی، یا تحیۃ المسجد پڑھی۔

اصول : امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ امام مقتدی کا ضامن نہیں ہے۔صرف موافقت کے طور پر نماز پڑھتا ہے۔

ترجمه: (۳۶۹) نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ل لان الحاجة فی حقه الی اصل الصّلوة وھو موجود فی حق الامام فیتحقق البناء

(۳۷۰) ومن اقتدی بامام ثم علم ان امامه محدث

وجہ : (۱)فرض پڑھنے والا اعلی درجہ کا ہوتا ہے اورنفل پڑھنے والا ادنی درجہ کا،اس لئے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے(۲)حدیث میں ہے عن جابر بن یزید انه صلی مع رسول الله ﷺ وھو غلام شاب فلما صلی اذا رجلان لم یصلیا فی ناحیة المسجد فدعا بھما فجیئ بھما ترعد فرائصھما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالا قد صلینا فی رحالنا قال لا تفعلوا اذا صلی احدکم فی رحله ثم ادرک الامام ولم یصل فلیصل معه فانھا له نافلة ۔(ابوداؤد شریف،باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم ص۹۲ نمبر۵۷۵رترمذی شریف،باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ ثم یدرک الجماعۃ ص۵۲ نمبر ۲۱۹)اس حدیث میں آپؐ نے ترغیب دیدی کہ اگرتم نے پہلے فرض پڑھ لیا ہے پھر بھی اگر فرض کی جماعت ہورہی ہوتو دوبارہ ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔تاکہ یہ تمہارے لئے نفل ہوجائے۔تو معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے۔

نوٹ : حنفیہ کے نزدیک فجر،عصر،مغرب میں فرض پڑھ چکا ہوتو دوبارہ نفل کی نیت کرکے اقتدا نہیں کرے گا۔کیونکہ فجر اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔اور مغرب کے بعد نفل ہے لیکن تین رکعت نفل نہیں ہے۔اور مغرب کے فرض والوں کی اقتدا کرے گا تو تین رکعت نفل پڑھنا ہوگا۔اس لئے ان میں فرض پڑھنے والوں کی اقتدا نہ کرے۔البتہ ظہر اور عشا کی نماز پڑھ چکا ہو پھر فرض کی جماعت ہورہی ہوتو دوبارہ نفل کی نیت کرکے فرض والوں کی اقتدا کرسکتا ہے۔(۱)اس کی دلیل یہ اثر ہے ان عبد الله بن عمر کان یقول من صلی المغرب او الصبح ثم ادرکھما مع الامام فلا یعد لھما. (مؤطا امام مالک،باب العمل فی صلوۃ الجماعۃ ،کتاب الصلوۃ ص۱۱۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مغرب اور صبح کی نماز پڑھ چکا ہوتو دوبارہ اس کی جماعت میں شامل نہیں ہوگا(۲) عن ابن عباس ان النبی ﷺ نھی عن الصلوۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب. (بخاری شریف،باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص۸۲ نمبر۵۸۱)اس سے بھی معلوم ہوا کہ صبح اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد ان کی جماعت ہوتی ہوتو ان میں نفل کی نیت کرکے شریک نہ ہو۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ نفل پڑھنے والے کے حق میں اصل نماز کی ضرورت ہے اور وہ امام کے حق میں موجود ہے اسلئے بناء متحقق ہو گی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ نفل پڑھنے والے کو بناء کے لئے اصل نماز کی ضرورت ہے،اور فرض نماز میں اصل نماز موجود ہے اسلئے نفل نماز پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ :(۳۷۰) اگر کسی نے امام کی اقتدا کی پھر علم ہوا کہ وہ طہارت پر نہیں تھا تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

ل اعاد لقوله ﷺ :من امَّ قوما ثم ظهر انه كان محدثًا او جنبًا اعاد صلاته واعادوا ۲ وفيه خلاف الشافعیؒ بناء علی ماتقدم

تشریح: امام نے جنابت کی حالت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھادی تو امام کو بھی نماز لوٹانا ہوگی۔ کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی۔ لیکن ساتھ میں مقتدی کو بھی نماز دہرانی ہوگی۔

وجه : (۱) کیونکہ کہ مقتدی کی نماز امام کے ساتھ اصلاح اور فساد میں متضمن ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن** (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷ / ابن ماجة، باب ما یجب علی الامام، ص ۱۳۸، نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ اور قابل اعادہ ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن ابی هرير ة قال اقيمت الصلوة فسوى الناس صفوفهم فخرج رسول الله ﷺ فتقدم وهو جنب ثم قال على مكانكم فرجع فاغتسل ثم خرج ورأسه يقطر ماء فصلى بهم** (بخاری شریف، باب اذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروہ، ص ۸۹ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ امام اگر جنبی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (۳) **عن سعيد بن مسيب ان رسول الله ﷺ صلى بالناس وهو جنب فاعاد واعادوا** ۔ (دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۴) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے بھی نماز لوٹائی اور مقتدی نے بھی نماز لوٹائی (۴) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اس لئے انکو بھی نماز لوٹانی ہوگی۔ **عن ابراهيم قال : اذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة من خلفه** . (کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ، ص ۲۷، نمبر ۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

اصول : [۱] امام مقتدی کی نماز کا ذمہ دار ہے۔ [۲] امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ کسی نے کسی قوم کی امامت کی پھر پتہ چلا کہ امام محدث ہے یا جنبی ہے تو امام بھی نماز لوٹائے اور تمام مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

تشریح : یہ اثر حضرت علیؓ کا اس طرح ہے۔ **عن على انه صلى بالقوم وهو جنب فاعاد ثم امرهم فاعادوا** (سنن للبیھقی، باب امامۃ الجنب ج ثانی ص ۵۶۰، نمبر ۴۰۷۸ / دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں گے۔

ترجمه: ۲ اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ بناء کرتے ہوئے اس قاعدے پر جو پہلے گزر گیا۔

۳ ونحن نعتبر معنی التضمن وذٰلک فی الجواز والفساد (۳۷۱) واذا اصلی امّی بقوم یقرؤن وبقوم امیین فصلاتهم فاسدة عندابی حنیفةؒ

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک پہلے گزر چکا ہے کہ امام مقتدی کا ضامن نہیں ہے اسلئے اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے تو امام اپنی نماز لوٹائے گا، لیکن مقتدی کی نماز ہوگئی انکو لوٹانے کی ضرورت نہیں

وجه : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن البراء بن عاذب عن النبی ﷺ ایما امام سھی فصلی بالقوم وھو جنب فقد مضت صلوتھم ثم لیغتسل ھو ثم لیعد صلوته وان صلی بغیر وضوء فمثل ذلک (دارقطنی، باب صلوا الامام وھو جنب او محدث ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی طہارت پر ہیں اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی اور امام کو نماز لوٹانا ہوگی (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔لیکن امام مقتدیوں کا مکمل ذمہ دار نہیں ہے۔اس لئے امام کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم نہیں آئیگا۔

ترجمه: ۳ اور ہم ضامن ہونے کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں، اور یہ نماز کے جائز ہونے اور نماز کے فاسد ہونے میں ہے۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کے یہاں امامت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ امام اور مقتدی ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لئے، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں امامت کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے کا ذمہ دار ہے، اسلئے امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه :(۳۷۱) امی امام نے ایسے لوگوں کو نماز پڑھائی جو قرآن پڑھنا جانتے تھے، اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو امی تھے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : امی، ام سے مشتق ہے، جس طرح سے ان پڑھ پیدا ہوا ہو اسی طرح ابھی بھی ان پڑھ ہو، یہاں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ,امی، کا مطلب یہ ہے کہ اسکو ایک آیت بھی یاد نہ ہو، کیونکہ ایک آیت سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، اسلئے ایک آیت جانتا ہو تو وہ قاری ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں، یا ایک لمبی آیت بھی یاد نہ ہو تو وہ امی ہے اور اتنا یاد ہو تو وہ قاری ہے۔

اصول : یہ مسئلہ ایک قاعدہ پر متفرع ہے، قاعدہ یہ ہے کہ، کیا دوسرے کے سہارے سے ایک بات پر قادر ہو تو اسکو قدرت سمجھی جائے گی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسرے کے سہارے سے کسی بات پر قدرت ہو تو اسکو آدمی کی قدرت سمجھی جائے گی اور اس پر مسئلہ متفرع ہوگا۔اور صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسرے کے سہارے سے کسی بات پر قدرت ہو تو اسکو قدرت نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ آدمی کو معذور ہی سمجھا جائے گا۔

۱ؔ وقالا صلوٰة الامام ومن لم يقرأ تامة لانه معذور امّ قوما معذورين فصار كما اذا امَّ العارى عراة ولابسين

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ ایک آدمی امی ہے یعنی ایک آیت بھی یادنہیں اسلئے یہ معذور کے زمرے میں ہے یہ چند آدمیوں کی امامت کررہاہے جن میں کچھ قاری ہیں یعنی انکوایک لمبی آیت یاد ہے، اور کچھ لوگ امی ہیں ۔تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام اور سب مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی ۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ امی امام کے لئے یہ گنجائش تھی کہ قاری کوامام بناتے ، اور قاری کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہوجاتی اور سب کی نماز صحیح ہوجاتی ، کیونکہ ابھی امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ گزرا کہ دوسرے کے سہارے سے قدرت ہوتی ہوتو اسکو بھی قدرت سمجھی جائے گی ، یہاں قاری کوامام بنا کر قاری کی قرأت اپنے لئے کرسکتا تھا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہوتو امام کی قرأت مقتدی کے لئے ہے۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ /دار قطنی ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہوتو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے ۔۔اب اس امی امام نے قاری کوامام نہیں بنایا تو امام کی نماز فاسد ہوگئی اور جب امام کی نماز فاسد ہوگئی تو اسکی وجہ سے تمام مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی چاہے وہ قاری ہو یا امی ہو۔

اصول : دوسرے کے سہارے سے بھی قدرت ہوسکتی ہے۔

ترجمہ: ۱ؔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ امام کی نماز اور جو قرأت نہیں کرسکتا ہے انکی درست ہوگئی۔اسلئے کہ امام خود بھی معذور ہے اور معذور لوگوں کی امامت کی ہے، تو ایسا ہوگیا کہ ننگے آدمی نے ننگوں کی اور کپڑا پہننے والوں کی امامت کی ہو۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرأت پر قدرت نہیں رکھتے تھے انکی نماز ہوگئی، مثال مذکور میں امام امی ہے وہ قرأت پر اپنی قدرت نہیں رکھتا ہے اسلئے اسکی نماز ہوگئی ، اسی طرح مقتدی میں سے جو امی ہے اسکی نماز ہوجائے گی ، کیوں کہ یہ اپنے طور پر قرأت پر قدرت نہیں رکھتے ہیں، اور قاری کی قرأت سے سہارا لیکر قرأت پر قدرت ہونا یہ غیر کے سہارے سے قدرت ہے صاحبین کے یہاں اسکا اعتبار نہیں ہے، اسلئے ان لوگوں کی نماز صحیح ہوجائے گی ، اور جو مقتدی واقعۃً قاری ہیں انکی نماز نہیں ہوگی کیونکہ انکو خود قرأت پر قدرت ہونے کے باوجود قرأت نہیں کی اور امی کوامام بنایا اس نے بھی قرأت نہیں کی اسلئے ان قاریوں کی نماز فاسد ہوجائے گی ۔ کیوں کہ قرأت پر قدرت کے باوجود قرأت نہ کرے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے ۔۔اسکی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے ننگا آدمی امام بنا اور مقتدی میں سے کچھ ننگے تھے اور کچھ کپڑا پہنے ہوئے تھے تو امام کی نماز اور ننگے کی نماز ہوجائے گی ، کیونکہ امام بھی معذور ہے اور ننگا مقتدی بھی معذور ہے اسلئے معذور معذور کی امامت کرے یہ درست ہے ، کیونکہ دونوں ایک جیسے ہی ہیں ۔اسلئے ان لوگوں کی نماز ہوجائے گی ۔لیکن کپڑا پہننے والے کی نماز نہیں ہوگی ، کیونکہ کپڑا پہننے والا معذور نہیں ہے اسلئے وہ

۲؎ ولـه ان الامـام تـرک فـرض الـقراء ۃ مع القدرۃ علیھا فتفسد صلاتہ وھٰذا لانہ لواقتدی بالقاری تـکـون قـراء تہ قراء ۃ لہ ۳؎ بـخـلاف تـلـک الـمسـألۃ وامثالھا لان الموجود فی حق الامام لایکون موجودا فی حق القتدی

معذور کی اقتداء نہیں کر سکتا، [اصول پہلے گزر چکا ہے] اور یہاں صحیح نے معذور کی اقتداء کر لی اسلئے اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔۔تو جس طرح اس مثال میں کپڑا پہننے والا مقتدی کے باوجود ننگے امام اور ننگے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے اسی طرح مقتدی کے قاری ہو نے کے باوجود امی امام اور امی مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ اور اس پر قاری مقتدی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ قاری کو قرأت پر قدرت ہے اسلئے اسکی نماز نہیں ہوگی۔ ۔عراۃ: عاری کا جمع ہے، ننگا۔

اصول : صاحبینؒ کے یہاں غیر کے سہارے سے قدرت شمار نہیں ہوتی۔

ترجمہ : ۲؎ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت پر قدرت کے باوجود اس فرض کو چھوڑنا نماز کو فاسد کرتی ہے، اور یہ اس طرح کہ اگر قاری کی اقتداء کرتا تو قاری کی قرأت مقتدی کی قرأت ہو جاتی۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ اگر قاری کو امام بناتا تو قاری کی قرأت ان لوگوں کی قرأت ہو جاتی کیونکہ حدیث گزری کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لیکن ان لوگوں نے قاری کو امام نہیں بنایا تو گویا کہ قرأت پر قدرت ہو نے کے باوجود اسکو چھوڑ دیا، اور فرض پر قدرت ہونے کے باوجود اسکو چھوڑ دے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور جب امام کی نماز فاسد ہوئی تو اسکی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف ننگے کے مسئلے کے اور اس جیسے اور جو مسئلے ہوں اسلئے کہ جو امام کے حق میں موجود ہو وہ مقتدی کے حق میں موجود نہیں ہوتا۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔ کہ قرأت کا معاملہ ایسا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہو جائے گی، اور قاری کو امام بنانے کی وجہ سے گویا کہ مقتدی بھی قرأت پر قادر ہو گیا۔ لیکن کپڑے کا معاملہ ایسا نہیں ہے، امام اگر کپڑا پہنا ہے تو اسکی وجہ سے مقتدی کو کپڑا پہنا ہوا شمار نہیں کیا جائے گا، وہ تو ننگا ہی رہے گا، اس لئے یہاں مقتدی کے کپڑے سے امام کا کپڑا شمار نہیں ہوگا، اور دوسرے کے سہارے سے قدرت نہیں سمجھی جائے گی۔ اسلئے ننگے نے ننگوں اور کپڑے پہنے ہوئے کی امامت کی تو ننگے امام اور ننگے مقتدی کی نماز ہو جائے گی، اور کپڑا پہننے والے کی نماز فاسد ہوگی۔

لغت: امثالھا: ننگا امام ہو اور کچھ ننگے مقتدی ہوں اور کچھ کپڑا پہنے مقتدی ہوں، اسکے مثل یہ مسئلے ہیں۔[۱] گونگے آدمی نے امامت کی اور اسکے پیچھے مقتدی کچھ گونگے تھے اور کچھ بولنے والے تھے، تو گونگے امام کی نماز ہو جائے گی اور گونگے مقتدی کی نماز ہو

(۳۷۲) ولو کان یصلی الامی وحده والقاری وحده جاز ﴾ ل وهو الصحیح لانه لم یظهر منهما رغبة فی الجماعة (۳۷۳) فان قرأ الامام فی الاوّلیین ثم قدّم فی الاخریین امیافسدت صلاتهم

جائے گی، لیکن بولنے والے کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ انکوقرأت پر قدرت ہے اسلئے معذور کے پیچھے صحیح کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ [۲] مرض کی وجہ سے رکوع سجدے کے اشارہ کرنے والا امام ہے اور مقتدی کچھ اشارہ کرنے والا ہے اور کچھ اصلی رکوع اور سجدہ کرنے والا ہے، تو اشارہ کرنے والا امام کی نماز ہو جائے گی اور اشارہ کرنے والا مقتدی کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ معذور نے معذور کی اقتداء کی، لیکن رکوع سجدہ کرنے والے کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اسکو معذور کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے۔

ترجمہ: (۳۷۲) اور اگر امی نے الگ نماز پڑھی اور قاری نے الگ نماز پڑھی تو جائز ہے، اور دونو کی نماز صحیح ہوگی۔

ترجمہ: ل وہ صحیح ہے، اسلئے کہ دونوں سے جماعت میں رغبت ظاہر نہیں ہوئی۔

تشریح: قاری امی کی اقتداء کرے تو قاری اور امی کی نماز فاسد ہوگی۔ لیکن اگر قاری امی کی اقتداء نہ کرے بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھے تو دونوں کی نماز درست ہوگی ، اور ایسا کرنا جائز ہے۔ درست تو اسلئے ہے کہ قاری نے امی کی اقتداء نہیں کی۔ اور ایسا کرنا جائز اسلئے ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جماعت کرنے کی رغبت نہیں کی، جماعت کرتا اور قاری کو امام بناتا تو قرأت کے ساتھ دونوں کی نماز اعلی درجے پر مکمل ہوتی ، اور اس صورت میں امی کی نماز بغیر قرأت کے معذور کی نماز مکمل ہوئی۔ تاہم یہ بھی درست ہے۔

ترجمہ: (۳۷۳) اگر امام نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی، اور دوسری دو رکعتوں میں کسی امی کو امام بنایا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن رکعتوں میں قرأت کرنا لازم نہیں ہے امام کو ان رکعتوں میں بھی قرأت پر قدرت ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ رکعت بھی مستقل نماز ہے۔

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ مثلا عشاء کی چار رکعت فرض پڑھ رہے تھے ، اور پہلی دو رکعتوں میں امام قاری تھا اسلئے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی پھر اسکو حدث پیش آگیا جسکی وجہ سے وہ پیچھے چلا گیا اور کسی امی کو آگے بڑھا کر امام بنا دیا، تو فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر رکعت الگ الگ نماز ہے اسلئے پہلی دو رکعتوں میں ظاہری اور حقیقی طور پر قرأت کرنا فرض ہے اور دوسری دو رکعتوں میں ظاہری طور پر قرأت کرنا مسنون ہے، لیکن تقدیری قرأت اس میں بھی ضروری ہے، یعنی قرأت پر کم سے کم قدرت ہو، اور امی آدمی امام بنا تو اسکو قرأت پر قدرت ہی نہیں ہے، اسلئے تقدیری قرأت بھی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ جس طرح اور لوگوں کا امام ہے

۱ وقال زفرؒ لا تفسد لتأدی فرض القراءۃ ۲ ولنا ان کل رکعۃ صلوٰۃ فلا تخلی عن القراءۃ اما تحقیقاً وتقدیراً ولا تقدیر فی حق الامی لانعدام الاھلیۃ ۳ وکذلک علی ھٰذا الوقدمہ فی التشھد،، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

اسی طرح جس امام کو حدث پیش آیا اسکا بھی امام ہے، اور وہ قاری ہے، تو گویا کہ یہ امی قاری کا امام بن گیا، اور پہلے گزر گیا کہ امی قاری کا امام بن جائے تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو تمام مقتدی کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اسلئے یہاں پرانا امام، نیا امام اور تمام مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱ امام زفرؒ نے فرمایا کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اسلئے کہ قرأت کا فرض ادا ہو چکا ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے تو اسکو سابق امام نے ادا کر دیا ہے، اب دوسری دو رکعتوں میں قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دوسری دو رکعتوں میں حنفیہ کے یہاں قرأت مسنون ہے اسلئے اب قرأت کی ضرورت نہیں ہے اسلئے امی آدمی کو امام بنایا تو چونکہ اب قرأت کی ضرورت نہیں ہے اسلئے بغیر قرأت کے بھی سب کی نماز ہو جائے گی ۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت الگ الگ نماز ہے اسلئے قرأت سے خالی نہیں ہونی چاہئے، یا تو حقیقۃً قرأت ہو، یا تقدیراً قرأت ہو، اور امی کے حق میں تقدیراً بھی قرأت نہیں ہے اسلئے کہ اس میں قرأت کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

تشریح : یہ نماز فاسد ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ کہ ہر رکعت مستقل نماز ہے اسلئے یا تو تحقیقی طور پر قرأت ہونی چاہئے، جیسا کہ پہلی دو رکعتوں میں حقیقی طور پر قرأت کرتے ہیں جو فرض ہے اور دوسری دو رکعتوں میں حقیقی طور پر قرأت کرنا سنت ہے، لیکن پہلی دو رکعتوں کی قرأت دوسری دو رکعتوں کے لئے بھی ہے اسلئے گویا کہ تقدیراً وہاں بھی قرأت ہے۔ اور امی میں قرأت کی اہلیت ہی نہیں ہے اسلئے تقدیراً بھی قرأت نہیں ہوئی اسلئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۳ اور ایسے ہی اس قاعدے پر یہ نماز فاسد ہو جائے گی اگر امی آدمی کو تشہد میں امام بنا دیا۔

تشریح : اس مسئلے کا مدار اس اصول پر ہے کہ قاری آدمی کا امام پوری نماز میں قرأت پر قدرت رکھتا ہو تب امامت درست ہوگی، اگر نماز کے ایک جز میں بھی امی قاری کا امام بن گیا تو قاری کا امام بننے کی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ قاری امام نے قرأت کر کے ساری نماز پڑھا دی البتہ تشہد سے پہلے حدث ہو گیا جسکی وجہ سے تشہد میں امام نے امی آدمی کو امام بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی امام کو قرأت پر قدرت ہونی چاہئے، اور یہاں امی امام کو قرأت پر قدرت نہیں ہے اور وہ قاری آدمی کا امام بن گیا جو نہیں بننا چاہئے اسلئے اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ : یہ مسائل اصول پر ہیں ،تلاش کے باوجود حدیث یا قول صحابی نہیں مل سکے۔

والله اعلم بالصواب۔

CLIPART\flwrplnt.JPEG.jpg not found.

﴿باب الحدث فی الصلوۃ﴾

(۳۷۴) ومن سبقه الحدث فی الصلوٰۃ انصرف فان کان اماما استخلف وتوضأ وبنی ﴾ ۱؎ والقیاس ان یستقبل وهو قول الشافعیؒ لان الحدث ینافیها والمشی والانحراف یفسد انها فاشبه الحدث العمد

﴿باب الحدث فی الصلوٰۃ﴾

ترجمہ: (۳۷۴) اگرخود بخود حدث ہو جائے تو واپس لوٹے گا اور وضو کرے گا پس اگر امام ہو تو خلیفہ بنائے، اور وضو کرے اور بناء کرے ۔

تشریح : کسی کو خود بخود حدث ہو گیا ہو تو واپس جا کر وضو کرے گا اور واپس آ کر پہلی نماز پر بنا کرے گا۔ اگر پہلے مثلا ظہر کی دو رکعت پڑھ چکا ہے تو وضو سے واپس آ کر دو رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کرے گا۔ لیکن اس کے لئے چار شرطیں ہیں [۱] اس درمیان دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو [۲] بات نہ کی ہو [۳] نماز ٹوٹنے کا اور کوئی کام نہ کیا ہو [۴] اور ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرا ہو۔ تو بنا کر سکتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کر لیا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔ اور یہ جو آیا گیا، قبلہ سے سینہ پھرا یہ معاف ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اس لئے خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو حدث بار بار ہو سکتا ہے اسی میں بناء کر سکتا ہے۔ لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتا ہے جیسے احتلام ہوتا تو اس میں بناء نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ: (۱) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته وهو فی ذلک لا یتکلم۔ (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ ر دارقطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ، ج اول، ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بناء کر سکتا ہے۔ لیکن شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔

ترجمہ: ۱؎ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اس لئے کہ حدث نماز کے منافی ہے، اور چلنا اور قبلے سے پھر جانا نماز کو فاسد کرتا ہے، تو ایسا ہو گیا کہ جان کر حدث کیا ہو۔

تشریح : قیاس کا تقاضا ہے کہ نماز کو پہلی نماز پر بناء نہ کرے بلکہ شروع سے نماز پڑھے، [۱] کیونکہ حدث ہونا خود نماز کے خلاف ہے [۲] پھر وضو کرنے کے لئے جائے گا تو چلے گا یہ بھی نماز کو توڑنے والی چیز ہے [۳] پھر جب وضو کرنے جائے گا تو سینہ قبلے سے پھرے گا یہ بھی نماز کو توڑنے والی چیز ہے، تو یہ تمام باتیں نماز کو توڑنے والی ہیں اسلئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز ٹوٹ گئی اور نماز کو شروع سے پڑھے۔ کیونکہ یہ ایسا ہو گیا کہ جان کر حدث کیا ہو، اور جان کر حدث کیا ہو تو شروع سے نماز پڑھنی پڑھتی ہے تو یہاں بھی

۲ ولنا قوله عليه السلام من قاء اورعف اوامذى فى صلاته فلينصرف وليتوضا وليبن علىٰ صلاته مالم يتكلم ۳ وقال عليه السلام اذا صلى احدكم فقاء اورعف فليضع يده علىٰ فمه وليقدم من لم يسبق بشئ

شروع سے نماز پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ نماز ٹوٹ گئی اور شروع سے نماز پڑھے ۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔فان رعف الرجل الداخل فى صلوة الامام بعد ما يكبر مع الامام ، فخرج يسترعف فأحب الاقاويل الى فيه انه قاطع للصلوة و يسترعف ويتكلم ۔(موسوعۃ للشافعیؒ باب الرجل یرعف یوم الجمعۃ ، ج ثالث ،ص ۱۱۶،نمبر ۲۲۱۳) اس عبارت میں ہے کہ حدث ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی ۔اس لئے شروع سے نماز پڑھے۔

وجه : حدیث میں ہے کہ نماز شروع سے پڑھے۔حدیث یہ ہے (۱) حدیث میں ہے عن على بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدكم فى الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة . (ابو داؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوۃ ،ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔

ترجمه : ۲ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ جس نے قی کی یا نکسیر پھوٹی، یا نماز میں مذی نکل گئی تو وہ پھر جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

تشريح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قيء او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلوته وهو فى ذلك لا يتكلم ۔(ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ / دار قطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ ، ج اول ،ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک بات نہ کی ہو یا دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو تو بنا کر سکتا ہے۔

ترجمه : ۳ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور قی ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو اپنے ہاتھ کو منہ پر رکھے، اور ایسے آدمی کو امام بنائے جسکی کوئی رکعت نہ چھوٹی ہو۔

تشريح : اس حدیث میں ہے کہ کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ کر باہر جائے تاکہ خون مصلی پر نہ گرے اور ایسے آدمی کو امام بنانا بہتر ہے جسکی کوئی رکعت نہ گئی ہو، اسلئے کہ جسکی کوئی رکعت گئی ہوگی وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام نہیں پھیر سکے گا، بلکہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد کسی دوسرے کو امام بنائے گا تاکہ وہ مقتدی کے ساتھ سلام پھیرے اور خود اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا، تو چونکہ اس مسبوق کو دوبارہ امام بنانا پڑے گا، اسلئے بہتر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو امام بنائے جسکی رکعت چھوٹی نہ ہو۔اور اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ پچھلی نماز ٹوٹی نہیں بلکہ وہ ابھی باقی ہے اس پر بنا ہو سکتی ہے۔صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث تو نہ مل سکی

۴ والبلوی فیما یسبق دون ما یتعمدہ فلا یلحق بہ(۳۷۵) والاستیناف افضل

۱ تحرزا عن شبھۃ الخلاف

البتہ حضرت علیؓ کا اثر یہ ہے۔عن علیؓ قال : اذا أم الرجل القوم فوجد فی بطنہ رزء اً أو رعافا ً أو قیئاً فلیضع ثوبہ علی أنفہ ، و لیأخذ بید رجل من القوم فلیقدمہ ۔(دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء، ج اول،ص ۱۶۲، نمبر ۵۶۶ / مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی،ص ۳۵۳، نمبر ۳۶۷۱)اس اثر میں ہے کہ کسی کی نکسیر پھوٹ گئی ہو تو ناک پر کپڑا رکھکر باہر جائے اور دوسرے کو امام بنائے۔

امام بنانے کی دلیل یہ بھی ہے (۱) امام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنا خلیفہ بنانا پڑے گا تاکہ خلیفہ مقتدیوں کو نماز پڑھائے۔اور اصلی امام وضو کر کے نماز پر بنا کرے گا۔(۲) خلیفہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے دخلت علی عائشۃ فقلت لھا الا تحدثینی عن مرض رسول اللہ ﷺ ... وکان ابو بکر یصلی وھو قائم بصلوۃ النبی ﷺ والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر .(مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۸ / نمبر ۹۳۶ / بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر امام خلیفہ بنائے گا۔کیونکہ ابو بکرؓ کی جگہ پر حضورؐ نے نماز پڑھائی۔

ترجمہ: ۴ اور عموم بلوی اس صورت میں ہے جب کہ حدث خود نکل جائے اس صورت میں نہیں ہے جب جان بوجھ کر حدث کرے،اسلئے خود بخود حدث ہونے کو جان بوجھ کر حدث ہونے کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے،انہوں نے فرمایا تھا کہ خود بخود حدث نکل جانا ایسا ہے جیسے جان کر حدث کرنا،اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ جان کر حدث کرنا کبھی کبھار ہوتا ہے اور اس میں اسکی شرارت ہے، جان کر حدث کرنے میں مجبور نہیں ہے،اور خود بخود حدث ہو جانا عام طور پر ہوتا ہے،اور اس میں آدمی مجبور بھی ہے۔اسلئے جان کر حدث ہونے میں اور خود بخود حدث ہونے میں فرق ہے اسلئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا،اور دوسری بات یہ ہے کہ مجبوری کی شکل میں شریعت کی جانب سے آدمی کو بنا کرنے کی سہولت ملے گی،اور شرارت کر کے حدث کرنے میں بنا کرنے کی سہولت نہیں ملے گی، بلکہ شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

لغت : سبق: خود بخود نکل جائے،آگے بڑھ جائے۔بنی: کسی چیز پر بنا کرنا۔یستقبل: شروع سے کرے۔رعف: ناک سے خون بہنا،نکسیر پھوٹنا۔امذی: مذی نکل جائے۔مرد کے عضو تناسل سے خاص قسم کا پانی نکلتا ہے اسکو مذی کہتے ہیں۔ولیبن: اور پہلی نماز پر بنا کرے۔والبلوی: عموم بلوی اسکو کہتے ہیں کہ کوئی بات بار بار کرنے کی ضرورت پیش آجائے، یا کسی کام کے کرنے میں مجبوری ہو۔

ترجمہ: (۳۷۵)اور شروع سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

ترجمہ : ۱ اختلاف کے شبہ سے بچنے کے لئے۔

۲؎وقیل المنفرد یستقبل والامام والمقتدی یبنی صیانۃ لفضیلۃ الجماعۃ. (۳۷۶) والمنفرد ان شاء اتم فی منزلہ وان شاء عاد الیٰ مکانہ (۳۷۷)والمقتدی یعود الیٰ مکانہ الا ان یکون امامہ قد فرغ

تشریح : جسکونماز کے درمیان میں حدث ہوگیا ہووہ شروع سے نماز پڑھے تو افضل ہے، تاکہ کسی امام کے اختلاف کا شبہ ہی نہ رہے۔

وجہ : (۱)اور یوں بھی حدیث کا اشارہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے، حدیث یہ ہے۔عن علی بن طلق قال قال رسول اللہ ﷺ اذا فساء احدکم فی الصلوٰۃ فلینصرف فلیتوضأ ولیعد الصلوٰۃ . (ابوداؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوٰۃ، ص۱۵۱،نمبر۲۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔(۲)اس اثر میں بھی ہے کہ شروع سے نماز پڑھنا افضل ہے۔اثر یہ ہے. عن ابن سیرین قال : أجمعوا علی أنہ اذا تکلم استأنف و أنا أحب أن یتکلم و یستأنف الصلوٰۃ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۹ من کان یحب أن یستقبل، ج ثانی، ص۱۴،نمبر۵۹۱۷)اس اثر میں ہے کہ شروع سے نماز پڑھے تو اچھا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ منفرد شروع سے نماز پڑھے، اور امام اور مقتدی پہلی نماز پر بنا کرے جماعت کی فضیلت کو بچانے کے لئے۔

تشریح : بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے۔کہ منفرد چونکہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے جماعت کے ساتھ نہیں ہے اسلئے وہ شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے، اور امام ہے یا مقتدی ہے تو پہلی نماز پر بنا کرے تو بہتر ہے تاکہ جماعت باقی رہ جائے اور جماعت کی فضیلت باقی رہے، کیونکہ شروع سے نماز پڑھے گا تو جماعت کی فضیلت ختم ہوجائے گی۔اسلئے بنا کرے تو بہتر ہے۔

ترجمہ: (۳۷۶)اور منفرد اگر چاہے تو اپنے گھر میں نماز پوری کرے، اور چاہے تو اپنے پہلے مکان کی طرف واپس لوٹے۔

تشریح : جو آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو حدث ہونے کے بعد جب وضو کے لئے جائے گا اور دوبارہ نماز شروع کرے گا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی جگہ پر آکر ہی نماز پڑھے بلکہ کسی دوسری جگہ پر بھی نماز پوری کرسکتا ہے، بلکہ وضو کرنے کی جگہ سے جو زیادہ قریب ہو اس جگہ نماز پڑھے کیونکہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تھا کہ واپس جماعت کی جگہ پر آنا پڑے۔

ترجمہ: (۳۷۷)اور مقتدی اپنی جگہ پر واپس لوٹے، مگر یہ کہ اسکا امام فارغ ہو چکا ہو، یا امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو[تو وہاں نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح : مقتدی وضو کرنے گیا اس درمیان جماعت ختم نہیں ہوئی ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ پہلی جگہ پر آکر نماز پوری کرے تاکہ جماعت میں دوبارہ شرکت ہوجائے۔اور اگر جماعت ختم ہوچکی ہے اور امام نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو اسکے لئے گنجائش ہے

اولا یکون بینھما حائل ﴾(۳۷۸) ومن ظن انہ احدث فخرج من المسجد ثم علم انہ لم یحدث استقبل الصلوٰۃ وان لم یکن خرج من المسجد یصلی مابقی ﴾

کہ پہلی جگہ پر نہ آئے بلکہ وضوکرنے کی جگہ سے جو قریب ہو وہاں نماز پڑھے، کیونکہ جماعت تو ختم ہو چکی ہے اسلئے پہلی جگہ پر آنے کی کیا ضرورت ہے!، اور اگر جماعت ختم نہیں ہوئی ہے تو وہ پہلی جگہ پر آکر جماعت میں شریک ہو جائے، یا جہاں سے اقتداء کرنا ممکن ہو وہاں نماز کی نیت باندھ کر جماعت میں شریک ہو جائے ، البتہ ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں سے اقتداء کرنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو، مثلا امام اور اس آدمی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جس سے جماعت میں شریک ہونا ناممکن ہو تو وہاں نیت نہ باندھے کیونکہ وہاں سے جماعت میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ جماعت میں دوبارہ شریک ہونا اچھا ہے تاکہ جماعت کا ثواب مل جائے۔

لا یکون بینھما حائل : کی دلیل یہ اثر ہے۔ **حدثنا مالک عن الثقة عندہ أن الناس کانوا یدخلون حجر ازواج النبی ﷺ بعد وفاۃ النبی ﷺ فیصلون فیھا الجمعة قال : و کان المسجد یضیق علی اھلہ فیتوسعون بھا و حجر أزواج النبی ﷺ لیست من المسجد و لکن أبوابھا شارعة فی المسجد .** (سنن بیھقی ، باب المأموم یصلی خارج المسجد بصلوۃ الامام فی المسجد ولیس بینھما حائل، ج ثالث، ص ۱۵۸، نمبر ۵۲۵۰) اس اثر میں ہے کہ صحابہ ازواج مطہرات کے کمروں میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور ان کمروں کا دروازہ کھلا ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ حیلولت ہو تو اقتداء جائز نہیں ہے اور نہ ہو تو جائز ہے۔

ترجمہ: (۳۷۸) کسی نے گمان کیا کہ حدث ہو گیا جسکی وجہ سے وہ مسجد سے نکل گیا، پھر علم ہوا کہ حدث نہیں ہوا ہے تو شروع سے نماز پڑھے، اور اگر مسجد سے نہیں نکلا تو جتنی رکعت باقی رہ گئی ہے وہ نماز پڑھے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ نماز کی اصلاح کی غرض سے قبلہ رخ سے پھر گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس ایک ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی ، اور مجلس بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مسجد کو ایک مجلس مانا گیا ہے اسلئے مسجد کے اندر رہے تو ایک مجلس ہے اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی اور مسجد سے باہر ہو گیا تو مجلس بدل گئی اسلئے نماز فاسد ہوگی۔ اصلاح کا مطلب یہاں یہ ہے کہ حدث ہو گیا ہے اسلئے وضو کر کے دوبارہ پچھلی نماز پر بناء کرلوں گا۔

چنانچہ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ کسی کو گمان ہوا کہ حدث ہو گیا ہے لیکن حقیقت میں حدث نہیں ہوا تھا صرف گمان ہوا تھا کہ حدث ہو گیا ہے اور مسجد سے باہر نکل گیا اور قبلے سے رخ پھیر لیا تو نماز ٹوٹ گئی اب شروع سے نماز پڑھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں حدث نہیں ہوا ہے صرف گمان ہے اور قبلے سے رخ پھیر چکا ہے، اور مجلس بھی بدل چکی ہے کیونکہ مسجد سے باہر نکل چکا ہے اسلئے

۱؎ والقیاس فیھما الاستقبال وھو روایة عن محمدؒ لوجود الانصراف من غیر عذر ۲؎ وجه الاستحسان انه انصرف علی قصد الاصلاح الاتری انه لو تحقق ماتوھمه بنی علیٰ صلاته فالحق قصد الاصلاح بحقیقته مالم یختلف المکان بالخروج(۳۷۹) وان کان استخلف فسدت﴾ ۱؎ لانه عمل کثیر من غیر عذر

نماز فاسد ہوجائے گی اور شروع سے نماز پڑھے بنا کرنا صحیح نہیں ہے۔اور اگر مسجد سے باہر نہیں نکلا تو چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے بقیہ نماز درست ہے اسلئے اس پر بنا کرسکتا ہے۔

اصول : اصلاح کی غرض سے قبلہ رخ سے منہ پھیرا ہو اور مجلس ایک ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ ۱؎ دونوں صورتوں میں قیاس یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے، اور یہی امام محمدؒ کی روایت ہے۔ کیونکہ بغیر عذر کے پھرنا پایا گیا۔

تشریح : چونکہ قبلے سے رخ پھر چکا ہے اور حقیقت میں حدث بھی نہیں ہوا ہے اسلئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے اور شروع سے نماز پڑھے، چنانچہ امام محمدؒ کی روایت یہی ہے کہ شروع سے نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۲؎ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصلاح کے ارادے سے پھرا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جو اسکا گمان تھا وہ متحقق ہوجاتا تو وہ اپنی نماز پر بنا کرتا اسلئے اصلاح کے ارادے کو حقیقت کے ساتھ ملحق کر دیا گیا جب تک کہ باہر نکلنے کی وجہ سے مکان نہ مختلف ہوجائے۔

قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ بنا نہ کرے لیکن استحسان کی وجہ سے ماقبل کی نماز پر بنا کرنے کی گنجایش ہوئی۔اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدث کے گمان سے نماز کی اصلاح کے لئے پھرا ہے، چنانچہ حقیقت میں حدث ہوتا تو وہ پچھلی نماز پر بنا کرسکتا تھا اسلئے جب نماز کی اصلاح کے ارادے سے پھرا تو جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا اور مجلس نہیں بدلی تو وہ بنا کرسکتا ہے۔البتہ اگر مسجد سے باہر نکل جاتا اور مجلس بدل جاتی تو اب بنا نہیں کرسکتا کیوں کہ مجلس بدلنے کی وجہ سے خامیاں زیادہ ہوگئیں۔

ترجمہ: (۳۷۹) اور اگر خلیفہ بنایا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ یہ بغیر عذر کے عمل کثیر ہے۔

تشریح : گمان ہوا کہ حدث ہو چکا ہے اسلئے وہ قبلے سے چہرے کو پھیر لیا اور وہ امام تھا اسلئے دوسرے کو اشارے سے خلیفہ بھی بنایا تو چاہے مسجد سے باہر نہ بھی نکلا ہو پھر بھی اسکی نماز فاسد ہوگئی، اب وہ پہلی نماز پر بنا نہیں کرسکتا شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

وجہ : کیونکہ بعد میں ظاہر ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا اسلئے بغیر عذر کے خلیفہ بنایا اور خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اسلئے نماز فاسد ہوجائے گی

۲ وهذا بخلاف ما اذا ظن انه افتتح علیٰ غیر وضوء فانصرف ثم علم انه علیٰ وضوء حیث تفسد وان لم یخرج لان الانصراف علی سبیل الرفض الاتری انه لوتحقق ما توهمه یستقبله فهذا هو الحرف ۳ ومکان الصفوف فی الصحراء له حکم المسجد

ترجمہ: ۲ یہ بخلاف اگر گمان کیا کہ نماز کو بغیر وضو کے شروع کی اور قبلہ سے پھر گیا پھر علم ہوا کہ وضو پر ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی چاہے مسجد سے باہر نہ نکلا ہو، اسلئے کہ یہ پھرنا نماز کو چھوڑنے کے لئے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جو اس نے گمان کیا وہ متحقق ہو جاتا تو شروع سے نماز پڑھتا، بس یہ اصل قاعدہ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا کہ اسکو یہ گمان ہوا کہ اس نے بغیر وضو ہی کے نماز شروع کی تھی، اور چہرہ قبلے سے پھیر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وضو تھا، تو چاہے ابھی مسجد کے اندر ہو پھر بھی نماز فاسد ہو گئی اب بنا نہیں کر سکتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر شروع ہی سے وضو نہ ہو تو شروع ہی سے نماز نہیں ہوگی۔ اسلئے یہ آدمی جو قبلے سے پھرا ہے یہ وضو کر کے پہلی نماز پر بناء کرنے کے لئے قبلہ سے نہیں پھرا ہے جسکو نماز کی اصلاح کہتے ہیں، بلکہ وضو کر کے شروع سے نماز پڑھنے کے لئے پھرا ہے جسکو رفض اور چھوڑنا کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکا گمان تو یہ ہے کہ شروع سے وضو ہی نہیں ہے اسلئے شروع سے نماز ہی نہیں ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو نماز کو چھوڑنے کے لئے قبلے سے پھرا ہو وہ بنا نہیں کر سکتا، جس طرح سے حقیقت میں شروع سے وضو نہ ہو تو وہ بنا نہیں کر سکتا۔ اسلئے وضو نہ ہونے کے گمان سے قبلے سے پھرا ہو تو وہ بنا نہیں کر سکتا۔

اصول: [۱] گمان کو حقیقت کی صورت پر محمول کیا جائے گا۔ [۲] نماز کو چھوڑنے کے لئے قبلہ سے پھرا ہو تو بنا نہیں کر سکتا۔

لغت: فهذا هو الحرف: اس جملے سے اوپر کے مسئلے اور اس مسئلے میں فرق بتانا چاہتے ہیں کہ نماز کے درمیان میں حدث کے گمان سے قبلے سے رخ پھیرا تو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے بنا کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں وضو کر کے پہلی نماز پر بنا کرنے کی نیت سے قبلے سے رخ پھیرا ہے۔ اور شروع سے وضو نہیں ہے تو قبلے سے رخ پھیرنے کی نیت یہ ہے کہ وضو کر کے شروع سے نماز پڑھوں گا، دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے۔ اسی فرق کو هذا هو الحرف، سے بیان فرما رہے ہیں۔

ترجمہ: ۳ صحراء میں صفوں کی جگہ مسجد کا حکم ہے۔

تشریح: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو مسجد سے باہر نکلے تو بناء نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صحراء اور میدان میں نماز پڑھ رہا ہو تو محدث کس مقام تک جائے تو بناء نہیں کر سکتا، اسکی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کہ صحراء میں جہاں تک صف ہے وہاں تک مسجد کا حکم ہے، مثلا پیچھے پانچ صفیں کھڑی ہیں تو محدث پانچوں صفوں کو پار کر جائے گا تب وہ بناء نہیں کر سکتا، کیونکہ پانچوں صفوں تک مسجد کا حکم ہے لیکن اگر ابھی صف کے اندر اندر تھا اور خیال آ گیا کہ حدث نہیں ہوا ہے تو بناء کر سکتا ہے کیونکہ گویا کہ وہ مسجد کے

﴿ ۴ ولو تقدم قدّامه فالحد السترة وان لم تكن فمقدار الصفوف خلفه ۵ وان كان منفردا فموضع سجوده من كل جانب (۳۸۰)وان جن اونام فاحتلم اواغمی علیه استقبل ﴾

اندر ہے ۔اسی طرح دائیں جانب جہاں تک صف میں آدمی کھڑے ہیں وہاں تک مسجد کا حکم ہے۔اور بائیں جانب بھی جہاں تک صف میں آدمی کھڑے ہیں وہاں تک مسجد کا حکم ہے، یعنی اگر محدث صف سے آخیر تک چلا جائے تب بھی بناء کرسکتا ہے لیکن اگر صف سے باہر نکل جائے تو اب بناء نہیں کرسکتا۔

وجه : صحراء میں مسجد کی دیوار تو ہے نہیں اور صحراء بہت لمبا چوڑا ہے، اسلئے صف کی مقدار کو ہی مسجد کا حکم دے دیا گیا۔

ترجمه: ۴ اور اگر صف سے آگے کی جانب بڑھا تو تو حد سترہ ہے اور اگر سترہ موجود نہ ہو تو پیچھے جتنی صفیں ہیں اسکی مقدار۔

تشریح : محدث صف سے نکل کر آگے بڑھا تو آگے جو سترہ ہے وہاں تک مسجد کا حکم ہوگا ۔اور اگر سترہ نہیں ہے تو جتنی صفیں پیچھے ہیں اتنی ہی آگے تک مسجد کا حکم ہوگا، مثلا پانچ صفیں پیچھے ہیں تو پانچ صف آگے تک مسجد کا حکم ہوگا، یعنی اگر آگے پانچ صف تک چلا گیا تب بھی پہلی رکعتوں پر بناء کرسکتا ہے۔اور اگر اس سے بھی آگے گیا تو اب بناء نہیں کرسکتا۔

ترجمه: ۵ اور اگر منفرد ہے تو ہر جانب سجدے کی جگہ تک مسجد کا حکم ہے۔

تشریح : منفرد کی کوئی صف نہیں ہے اسلئے پاؤں رکھنے کی جگہ سے لیکر سجدے کی جگہ تک جو جگہ ہے [جو تقریبا چار فٹ، یا سوا میٹر ہوتا ہے] وہ مسجد کے حکم میں ہوگی، اور چاروں طرف اتنی اتنی ہی جگہ مسجد کے حکم ہوگی اسلئے اگر دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے سوا سوا میٹر یا چار چار فٹ سے زیادہ نکل گیا تو محدث اب پہلی نماز پر بناء نہیں کرسکتا، اور اگر اس سے کم نکلا تو بناء کرسکتا ہے۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی صف تو ہے نہیں اسلئے منفرد کی جو اپنی جگہ استعمال میں ہے اتنی ہی جگہ مسجد کے حکم میں ہوگی۔

ترجمه: (۳۸۰)اور اگر جنون طاری ہوئی، یا سویا اور احتلام ہوگیا، یا اس پر بیہوشی طاری ہوگئی تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

تشریح : جنون طاری ہوگئی، یا احتلام ہوگیا، یا بیہوشی طاری ہوگئی تو ایسی صورت میں نماز مکمل ٹوٹ گئی اب اس پر بنا نہیں کرسکتا بلکہ شروع سے نماز پڑھے۔

وجه : (ا)اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ خود خلاف قیاس ہے، اور حدیث کا رجحان یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے لیکن اوپر کی حدیث کی وجہ سے بنا کرنے کی گنجائش دی اور اوپر کی حدیث کے اشارے سے پتہ چلتا ہے کہ جو حدث خود ہو جاتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں انہیں میں یہ گنجائش ہے، لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتے ہیں اس میں یہ گنجائش نہیں اس میں تو شروع سے ہی پڑھے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته وهو فی ذلک لا یتکلم۔(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱

ا لانہ یندروجود ھذہ العوارض فلم یکن فی معنی ماورد بہ النص (۳۸۱) وکذلک اذا قھقہ ا لانہ بمنزلۃ الکلام وھو قاطع

دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ، ج اول، ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث میں قی، نکسیر کا پھوٹنا، مذی جیسے روزمرہ اور بار بار ہونے والے حدثوں سے بنا کرنے کے لئے کہا ہے، اسکا مطلب یہ نکلا کہ جو حدث کبھی کبھار ہوتے ہیں مثلا جنون، احتلام، بیہوشی ان میں شروع سے ہی پڑھے۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم فی صاحب القیء و الرعاف و القبلۃ : ینصرف فیتوضأ فان لم یتکلم بنی علی ما بقی و ان تکلم استأنف و کان یقول فی صاحب الغائط و البول : ینصرف فیتوضأ و یستقبل الصلوۃ** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۸، فی الذی یقیء أو یرعف فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۹۱۰) اس اثر میں ہے کہ پیشاب اور پاخانہ جیسے حدث جو کبھی کبھار ہوتے ہیں ان میں شروع سے نماز پڑھے

ترجمہ : ا اسلئے کہ ان عوارض یعنی حدثوں کا وجود کبھی کبھار ہوتا ہے اسلئے اس درجے میں نہیں ہوا جس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی۔

تشریح : اوپر حدیث میں جن حدثوں کے بارے میں یہ وارد ہوئی کہ پہلی رکعتوں پر بنا کرسکتا ہے وہ بار بار ہونے والے حدث تھے اور جنون احتلام اور بیہوشی کبھی کبھار ہونے والے حدث ہیں اسلئے یہ حدث حدیث کے مفہوم میں نہیں آتے اسلئے ان میں بناء کی گنجائش نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۳۸۱) ایسے ہی اگر قہقہہ لگایا تو [تو شروع سے نماز پڑھے گا]

ترجمہ : ا اسلئے کہ یہ بات کرنے کے درجے میں ہے اور بات کرنا نماز کو توڑتا ہے۔

تشریح : کسی نے نماز میں قہقہہ لگایا جسکی وجہ سے وضوٹوٹ گیا تو وضو کرنے کے بعد پہلی نماز پر بناء نہیں کرسکتا۔

وجہ : (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان حدثوں میں بناء کرسکتا ہے جو خود بخود ہوئے ہوں اور قہقہہ تو جان کر کیا ہے اسلئے اس میں بناء نہیں کرسکتا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قہقہہ ایسا ہے کہ اس نے بات کی اور بات کرنے سے نماز بالکل ختم ہو جاتی ہے اسی طرح قہقہہ لگانے سے بھی نماز بالکل ختم ہوجائے گی اسلئے پہلی نماز پر بناء نہیں کرسکتا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ گزرا۔ **وھو فی ذلک لا یتکلم** ۔ (ابن ماجہ شریف، نمبر ۱۲۲۱/ دار قطنی، نمبر ۵۵۵) اس حدیث میں ہے کہ بات نہ کی ہو تب بنا کرسکتا ہے اور قہقہہ بات کے درجے میں ہے اسلئے بنا نہیں کرسکتا۔

لغت : جن: جنون ہونا۔ اغمی : بے ہوشی طاری ہونا۔ یندر: کبھی کبھار ہوتا ہو۔ قہقہ: زور زور سے ہنسنا۔

نوٹ: سویا اور احتلام ہوا کی قید اس لئے لگائی کہ تھوڑا سویا اور احتلام ہوا تو شروع سے پڑھے گا اور اگر بہت سویا تو خود سونا بھی

(۳۸۲)وان حصر الامام عن القراۃ فقدم غیرہ اجزاھم عند ابی حنیفۃؒ وقالا لا یجزیھم ﴾ ۱؎ لانہ یندروجودہ فاشبہ الجنابۃ ۲؎ ولہ ان الاستخلاف بعلۃ العجز وھو ھنا الزم ۳؎ والعجز عن القراءۃ

ناقض وضو ہے۔

ترجمہ: (۳۸۲)اگرامام قرأت سے رک گیا جسکی وجہ سے دوسرے کوآگے بڑھایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لوگوں کو یہ کافی ہے ،اورصاحبین نے فرمایا کہ لوگوں کو یہ کافی نہیں ہے۔

تشریح : امام کوقرآن یادتھا لیکن نماز میں کھڑا ہوا تو بہت کوشش کے باوجود ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکا،اگر ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیت پڑھ لیتا تو نماز ہوجاتی اسلئے اب خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں،لیکن اتنا بھی نہ پڑھ سکا تو اب خلیفہ بنانا جائز ہوگا

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا واقعہ بار بار پیش آتا ہے اسلئے یہ حدث کے درجے میں ہوگیا اور حدث ہوگیا ہوتو خلیفہ بنانا جائز ہے اسی طرح قرأت سے رک گیا تو خلیفہ بنانا جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ قرأت سے رکنے کا وجود نادر ہے اسلئے وہ جنابت کی طرح ہوگیا۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلے قرأت یاد ہو نماز میں کھڑے ہونے کے بعد اچانک کوئی بھی آیت یاد نہ آئے اور ایک آیت پڑھنے سے بھی عاجز ہوجائے ایسا بہت کم ہوتا ہے اوراوپر گزر چکا کہ جو حدث نادر ہوتا ہے اس میں بناء کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور خلیفہ بنانا بھی صحیح نہیں جس طرح احتلام ہوجائے جسکو جنابت کہتے ہیں،تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس میں خلیفہ بنانا جائز نہیں اسی طرح قرأت سے رکنا بھی نادر ہے اسلئے اس میں بھی خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عاجز ہونے کی وجہ سے ہے اور یہاں تو خلیفہ بنانے کی زیادہ ہی ضرورت ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدث ہونے کی صورت میں خلیفہ بنانا اسلئے جائز ہے کہ اب وہ نماز پڑھانے سے عاجز ہے۔اور یہی علت یہاں بھی ہے کہ ایک آیت بھی نہ پڑھ سکا اسلئے خلیفہ بنانے کی یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ اس صورت میں خلیفہ بنانے کی زیادہ ضرورت اسلئے ہے کہ حدث کی صورت میں ایسا ہوسکتا ہے کہ پانی مسجد ہی میں ہو اسلئے کسی کو خلیفہ نہ بنائے اور جلدی سے وضو کر کے واپس آئے اور امام بن جائے،اسلئے وہاں خلیفہ بنانے کی اتنی ضرورت نہیں۔اور قرأت سے رک جانے کی صورت میں تو خلیفہ بنائے کوئی اور صورت نہیں ہے اسلئے قرأت سے رکنے کی صورت میں خلیفہ بنانا زیادہ ضروری ہے۔ھوھنا الزم : کا یہی مطلب ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور قرأت سے عاجز ہونا نادر نہیں ہے اسلئے جنابت کے ساتھ اسکو نہ ملایا جائے۔

غیر نادر فلا یلحق بالجنابة (۳۸۳) ولو قرأ مقدار ماتجوزبه الصلوٰة لا یجوز بالاجماع ﴾ ۱؎ لعدم الحاجة الى الاستخلاف. (۳۸۴) وان سبقه الحدث بعد التشهد توضأ وسلم ﴾ ۱؎ لان التسليم واجب فلا بد من التوضی لیأتی به (۳۸۵) وان تعمد الحدث فی هٰذه الحالة اوتکلم اوعمل عملا ینافی الصلوٰة تمت صلاته ﴾

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔ کہ قرأت سے رکنا نادر نہیں ہے بار ہا ایسا موقع پیش آتا ہے اسلئے اسکو جنابت کے ساتھ نہ ملایا جائے، اوراس میں خلیفہ بنانا ممنوع قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ خلیفہ بنانا جائز ہو۔

اصول : جو حدث بار بار ہوتے ہوں ان میں بناء کرنا بھی جائز ہے اور خلیفہ بنانا بھی جائز ہے، اور جو حدث کبھی کبھار پیش آتے ہوں ان میں نہ بناء کرنا جائز اور نہ خلیفہ بنانا جائز۔

ترجمہ: (۳۸۳) اور اگر اتنی آیتیں پڑھ لی جن سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو خلیفہ بنانا بالاتفاق جائز نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اب خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت اور صاحبینؒ کے نزدیک چھوٹی تین آیتیں، یا بڑی ایک آیت پڑھ چکا ہے اسکے بعد امام قرأت سے رک گیا تو اب تینوں اماموں کے نزدیک خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، اسلئے کہ جتنی قرأت میں نماز جائز ہوتی اتنی قرأت کر چکا ہے اسلئے خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، یوں بھی خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اسلئے بغیر ضرورت کے اسکو نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (۳۸۴) اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

وجہ: (۱) تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بناء کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہئے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ سلام واجب ہے اسلئے وضو کرنا ضروری ہے تا کہ سلام پھیر سکے۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو نماز ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے اسلئے اس پر بناء کر سکتا ہے، اور سلام جو واجب ہے وہ باقی ہے اسلئے وضو کر کے بناء کرے اور سلام پھیرے۔

ترجمہ: (۳۸۵) اور اگر جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

تشریح : اوپر اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر خود بخود حدث ہوا تھا اسلئے پہلی نماز پر بناء کر سکتا تھا اسلئے وضو کر کے بناء کرے گا اور سلام پھیرے گا۔ اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ جان کر حدث کیا ہے اسلئے نماز ٹوٹ گئی اسلئے اب بناء نہیں کر سکتا اور سلام نہیں پھیر سکتا،

اور چونکہ صرف سلام واجب باقی ہے اسلئے یوں کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام تو فرض نہیں ہے لیکن خروج بصنعہ، فرض ہے خروج بصنعہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادے سے کوئی ایسی حرکت کرے جس کی وجہ سے نماز سے نکل جائے۔۔ چونکہ اس نے جان بوجھ کر حدث کیا ہے، یا بات کی ہے، یا نماز کے منافی عمل کیا ہے۔اسلئے خروج بصنعہ پایا گیا جو فرض ہے تو گویا کہ آخری فرض بھی پورا کر دیا اسلئے نقص کے ساتھ نماز پوری ہو جائے گی۔اور اوپر کے مسئلہ نمبر ۳۸۴ میں حدث جان کر نہیں کیا بلکہ خود ہو گیا اسلئے خروج بصنعہ نہیں پایا گیا اسلئے ایک فرض رہ گیا اسلئے اوپر کی صورت میں نماز پوری نہیں ہوئی وضو کر کے سلام کرے اور گویا کہ خروج بصنعہ فرض کو بجالائے۔

وجه: (۱) تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر حدث کرنے سے اس کے ذمہ کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا صرف سلام کرنا واجب باقی رہا تھا۔اس لئے نماز ایک حیثیت سے پوری ہوگئی تھی لیکن سلام چھوڑا اس لئے اچھا نہیں کیا تھا اور بنا اس لئے نہیں کر سکتا کہ جان بوجھ کر قاطع اور مانع لے آیا اس لئے نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔اس لئے یہی کہا جائے گا کہ نماز پوری ہوگئی لیکن واجب کی کمی کے ساتھ (۲) نماز پوری ہونے کی دلیل حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة**۔(ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشہد، ص ۹۲، نمبر ۴۰۸ ر دارقطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ بلکہ کوئی آدمی امام کے پیچھے ہو اور امام کے سلام کرنے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر حدث کر دیا تو اس آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی۔اور اگر چہ اس پر سلام کا واجب باقی رہا۔حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا جلس الامام فی آخر ركعة ثم احدث رجل من خلفه قبل ان يسلم الامام فقد تمت صلوته**۔(دارقطنی، باب من احدث قبل التسلیم، ج اول، ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو چونکہ فرض باقی رہ گیا اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم**۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء مفتاح الصلوۃ الطہور ص ۵ نمبر ۳ رابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعتہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی وجہ سے جس طرح طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہیں اسی طرح ان کے یہاں سلام بھی فرض ہے۔ہم کہتے ہیں کہ طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ دوسری آیتیں ہیں صرف یہ حدیث نہیں ہے۔

لے لانہ تعذر البناء لوجود القاطع لکن لا اعادة علیه لانه لم یبق علیه شئ من الارکان(۳۸۶) فان رأی المتیمم الماء فی صلاته بطلت ﴿ لے وقد مر من قبل (۳۸۷) [۱] فان راٰہ بعد ما قعد قدر التشهد﴾

ترجمه : لے اس لئے کہ نماز کو قطع کرنے والی چیز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا متعذر رہو گیا۔لیکن نماز کو دوبارہ پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے اسلئے کہ فرض میں سے کوئی چیز اس پر باقی نہیں رہی۔

تشریح : جان کر حدث کیا تو نماز فاسد ہوگئی اس لئے اس پر بناء نہیں کرسکتا،اور فرائض میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی اسلئے دوبارہ پڑھنے کے لئے بھی نہیں کہا جائے گا،اسلئے یہی کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی۔

ترجمه :(۳۸۶)اگر تیمّم کرنے والے نے نماز کے درمیان پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجه: (۱) تیمّم کرنے سے پہلے اس نے جان کر حدث کیا تھا پھر تیمّم کرنا حدث کے لئے چھپانے کی چیز بن گئی لیکن تشہد سے پہلے پانی پر قدرت ہوئی تو جان کر حدث کیا ہوا واپس آ گیا۔ کیونکہ خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی اور ابھی فرض باقی ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی شروع سے نماز پڑھے۔(۲)اثر میں ہے عن الحسن انه قال فی متیمم مر بماء غیر محتاج الی الوضوء فجاوزه فحضرت الصلوة و لیس معه ماء قال یعید التیمم لان قدرته علی الماء تنقض تیممه الاول (مصنف بن ابی شیبة ،۲۳۲ فی متیمم مر بماء جاوزہ، ج اول ،ص ۱۶۷،نمبر ۲۰۲۶) وضو کر کے بنا اس لئے نہیں کرسکتا ہے کہ(۱) تیمّم سے پہلے جان کر حدث کیا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جان کر حدث کرے گا تو بنا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ قاطع اور مانع درمیان میں آ گیا۔ بنا اس لئے بھی نہیں کرسکتا کہ یہ معاملہ کبھی کبھار پیش آتا ہے۔

ترجمه : لے یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔

تشریح :یہ مسئلہ باب التیمم مسئلہ نمبر ۹۴ میں گزر چکا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تب تیمّم کرو،اور اس نے نماز کے درمیان ہی پانی پالیا تو چونکہ اصل پر قدرت ہوگئی اسلئے تیمّم ٹوٹ جائے گا،اور اسکی وجہ سے نماز بھی ٹوٹ جائے گی اسلئے پہلی نماز پر بناء نہیں کرسکتا،آیت یہ ہے ۔ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا.(آیت ۴۳،سورۃ النساء ۴) . کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو ۔اور اس نے پانی پالیا اسلئے تیمّم ٹوٹ جائیگا۔اور نماز بھی ٹوٹ جائے گی اس لئے اس پر بناء نہیں کرسکتا۔

ترجمه: (۳۸۷)[۱]اور اگر تیمّم کرنے والے نے پانی دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد (تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگئی) ۔

تشریح : یہ بارہ مسئلے ہیں جو اس قاعدے پر متفرع ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد یہ اعذار پیش آئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ابھی تین کام باقی ہیں [۱] درود شریف پڑھنا [۲] دعاء پڑھنا [۳] سلام پھیرنا ، اسلئے گویا کہ ابھی نماز باقی ہے اسلئے

اگر درمیان نماز میں یہ اعذار پیش آتے تو نماز باطل ہو جاتی اور پہلی نماز پر بناء نہ کر سکتے اسی طرح تشہد کے بعد پیش آئے تو بھی نماز باطل ہو جائے گی اور پہلی نماز پر بناء نہیں کر سکے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہے اسلئے تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اب صرف درود اور دعاء باقی ہیں جو سنت ہیں، اور سلام باقی ہے جو واجب ہے، چونکہ فرض باقی نہیں رہا اسلئے نماز نقص کے ساتھ پوری ہوگئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھ رہا تھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس نے پانی دیکھا تو تیمّم ٹوٹ گیا اور نماز بھی ٹوٹ گئی، اب اس پر بناء بھی نہیں کر سکتا، اب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین کام، درود، دعاء اور سلام باقی ہیں اسلئے انکو پوری کرنے کے لئے دوبارہ نماز پڑھے۔

تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عمرؓ بن الخطاب قال : لا تجزی ء صلاۃ الا بتشهد .**
(مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص ۳۵۶، نمبر ۳۶۸۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۷، من قال: لا یجزیہ حتی یتشہد او یجلس، ج ثانی، ص ۲۳۵، نمبر ۸۴۷۹) اس اثر میں ہے کہ تشہد کے بغیر نماز ہی نہیں ہوگی، اسلئے تشہد فرض ہے۔

وجہ : (۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو فرائض اگر چہ پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی بھی تین کام باقی ہیں، درود شریف، دعا اور سلام تو گویا کہ نماز باقی ہے اس لئے درمیان نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا اور اصل کی بنا کمزور پر نہیں ہو سکتی اس لئے نماز باطل ہو جائے گی اور شروع سے نماز پڑھنا ہوگا۔ (۲) اس اثر میں اسکا اشارہ ہے۔ و **قال ابن سيرين : حتى يسلم فان صلوته لم تتم .** (مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص ۳۵۴، نمبر ۳۶۷۹ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۷، من قال: لا یجزیہ حتی یتشہد او یجلس، ج ثانی، ص ۲۳۵، نمبر ۸۴۷۷) اس اثر میں ہے کہ سلام پھیرے گا تب نماز پوری ہوگی اور اس نے ابھی تک سلام نہیں پھیرا ہے اسلئے اسکو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔

وجہ : صاحبین فرماتے ہیں کہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں اب صرف واجب یا سنن باقی ہیں۔ اور پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة .** (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد، ص ۹۲، نمبر ۴۰۸ / دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی اس لئے اسکی نماز نقص کے ساتھ پوری ہوگئی اسلئے دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲)۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ تشہد فرض ہے اور تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو فرض پورا ہو گیا اب چاہے تو بیٹھ کر درود شریف اور دعاء پڑھے اور سلام کرے، اور چاہے تو کھڑا ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ **انّ رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله فعلمه**

[۲] او کان ما سحافا نقضت مدة مسحه [۳] او خلع خفية بعمل يسير [۴] او كان اميا فتعلم سورة [۵] او عريانا فوجد ثوبًا.

التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۔(ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶، نمبر ۹۷۰) اس حدیث میں فرمایا گیا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے یا پڑھنے کے بعد نماز پوری ہو گئی۔ اب چاہے تو بیٹھے رہے اور دعا پڑھے اور سلام کرے اور چاہے تو کھڑا ہو جائے۔ اس لئے تشہد کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو اس سے پہلے نماز پوری ہو چکی ہے۔ اس لئے تشہد کے بعد پانی دیکھنے سے تیمّم کرنے والے کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ: یہی قاعدہ اور اصول اور اختلاف اگلے گیارہ مسئلوں میں ہیں۔

اصول: امام ابوحنیفہ: سلام کرنے سے پہلے نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ابھی نماز باقی ہے۔

اصول: صاحبین: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو چونکہ تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اس لئے نماز پوری ہو گئی کمی کے ساتھ۔

[۲] یا موزے پر مسح کرنے والا تھا اور موزے کی مدت ختم ہو گئی۔

تشریح : [۲] موزے پر مسح کرنے والا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسح کی مدت ختم ہو گئی اور گویا کہ وضو ٹوٹ گیا۔

[۳] یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے

تشریح : [۳] یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے۔ کیونکہ عمل کثیر سے کھلے تو خود عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ موزہ کھلنے کی بات تو بعد کی ہے۔ اس لئے عمل قلیل سے کھلنے کی قید لگائی تا کہ یہ مسئلہ بن سکے کہ موزہ کھلنے کی وجہ سے اس کا وضو تشہد کے بعد ٹوٹ گیا۔

[۴] یا امی تھا سورۃ سیکھ لی۔

تشریح : [۴] یا ایک آیت بھی یاد نہیں تھی کہ قرأت کی وجہ سے نماز ہو سکے۔ تشہد کے بعد اس نے تین آیتیں سیکھ لی اور اصل پر قدرت ہو گئی۔

[۵] یا ننگا تھا اور کپڑا پا لیا۔

تشریح : [۵] یا ننگا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہو سکتی تھی

[٦] او مؤميا فقدر على الركوع والسجود [٧] اوتذكرفائتة عليه قبل هٰذه [٨] اواحدث الامام القارى فاستخلف اميا [٩] اوطلعت الشمس فى الفجر

[٦] یااشارہ کرنے والا تھااور رکوع سجدہ پر قدرت ہوگئی

تشریح : [٦] مرض کی وجہ سے رکوع سجدے کا اشارہ کرکے نماز پڑھ رہا تھا، اور تشہد کے بعد وہ رکوع سجدے پر قادر ہو گیا۔ ان سب مسئلوں میں یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے فرع پر عمل کر رہا تھا اور تشہد کے بعد اصل پر قادر ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے نماز باطل ہوگی اسلئے دوبارہ نماز پڑھے۔اور صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو جائے گی۔

لغت : خلع :موزہ کھل گیا۔امی: جو پڑھنا نہ جانتا ہو،ایک آیت بھی یاد نہ ہو۔عریانا: ننگا۔موءمیا: ایماء سے مشتق ہے،اشارہ کرنے والا۔

[٧] یایاد آگئی کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا تھی۔

تشریح : [٧] آدمی صاحب ترتیب تھا اور اس پر پانچ نمازوں سے کم قضا تھی اور وقت میں گنجائش بھی تھی اور تشہد کے بعد اس کو یاد آگیا کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا ہے تو یہ صاحب ترتیب ہے اسلئے یہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اسکو ترتیب کی رعایت کرنی چاہئے اور فوت شدہ نماز پہلے پڑھنی چاہئے بعد میں وقتیہ نماز پڑھنی چاہئے ،لیکن اس نے وقتیہ نماز پہلے پڑھی اسلئے وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی۔اب تشہد کے بعد نماز فاسد ہوئی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گویا کہ درمیان نماز میں فاسد ہوئی اسلئے دوبارہ نماز پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک تشہد کے بعد نماز پوری ہو چکی ہے اسلئے دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[٨] یا قاری امام نے حدث کیا اور امی کو خلیفہ بنایا۔

تشریح : [٨] امام کو اتنی آیتیں یاد تھیں جس سے نماز جائز ہو سکے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو حدث ہوا اور امی کو خلیفہ بنایا تو چونکہ امی قرأت پر قادر نہیں ہے تو گویا کہ عاجز کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے نماز فاسد ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے یہاں نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ : فخر الاسلامؒ نے فرمایا کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے امی کو خلیفہ بنانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس لئے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس وقت امی کو خلیفہ بنانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[٩] یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوا تو امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگی۔

[۱۰] اودخل وقت العصر وھو فی الجمعۃ[۱۱] او کان ماسحا علی الجبیرۃ فسقطت عن بئر[۱۲] اوکان صاحب عذر فانقطع عذرہ کالمستحاضۃ ومن بمعناھا بطلت الصلوۃ

وجہ : حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن صلوتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس. (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس ص ۸۳ نمبر ۵۸۸ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) (۲) ابو سعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس (بخاری شریف، باب لا تحری الصلوۃ قبل الغروب ص ۸۲ نمبر ۵۸۶ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے اس لئے اگر تشہد کے بعد آفتاب نکل گیا تو امام اعظمؒ کی رائے ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۱۰] یا عصر کا وقت جمعہ میں داخل ہو گیا۔

تشریح : [۱۰] جمعہ پڑھ رہا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھا تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا۔

وجہ : چونکہ عصر کا وقت داخل ہونے سے جمعہ کا وقت نکل گیا اسلئے جمعہ کی نماز فاسد ہوگی۔ اس لئے قضا کی بنا ادا پر ہوئی۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

[۱۱] یا کھپچی پر مسح کرنے والا تھا وہ ٹھیک ہو کر گر گئی۔

تشریح : [۱۱] ایک آدمی نے زخم پر پٹی باندھی تھی اور وہ اسی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد زخم مکمل ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی۔ چونکہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گری ہے اس لئے وضو ٹوٹ گیا۔ کیونکہ وہ مسح جو نقل ہے اس کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز پوری ہو گئی

لغت : الجبیرۃ : زخم پر بندھی ہوئی پٹی، کھپچی، برء : زخم اچھا ہونا۔

[۱۲] یا عذر والا تھا اور اسکا عذر ختم ہو گیا، جیسے کہ مستحاضہ ہو، یا جو بھی اس جیسی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

ل امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔

تشریح : [۱۲]۔ کوئی عذر والا تھا جیسے مستحاضہ عورت کا خون بہہ رہا تھا اور وہ اسی حال میں معذور ہو کر نماز پڑھ رہی تھی، یا سلسل البول کی بیماری تھی اور مسلسل پیشاب کا قطرہ آ رہا تھا اسی حال میں نماز پڑھ رہا تھا، لیکن تشہد کے بعد اسکا عذر جاتا رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ نماز کے درمیان وہ اصل پر قادر ہو گیا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز پوری ہو جائے گی۔

۱ فی قول ابی حنفیةؒ. ۲ وقالا تمت صلاته۳ وقیل الاصل فیه ان الخروج عن الصلوة بصنع المصلی فرض عند ابی حنیفةؒ ولیس بفرض عندهما فاعتراض هٰذه العوارض عنده فی هذا الحالة کاعتراضها فی خلال الصلوٰة ۴ وعندهما کاعتراضها بعد التسلیم لهما ماروینا من حدیث ابن

وجه: دلیل گزر گئی ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی فرض باقی نہیں رہا صرف درود اور دعا سنت ہیں اور سلام واجب ہے جو باقی رہیں۔اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی حدث پیش آئے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔اس لئے ان بارہ مسئلوں میں سب کی نماز پوری ہو جائے گی۔اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ سنن اور واجب ہی باقی ہیں لیکن نماز ابھی بحال ہے۔اور نماز کے دوران خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا جس کی وجہ سے ما قبل پر بنا نہیں کر سکتے۔اس لئے نماز فاسد ہوگی۔امام ابو حنیفہ ان مسائل میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔کیونکہ ان مسائل میں اقوی کی بناء اضعف پر ہے(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے ان کی بھی رعایت کی گئی ہے(۳) پہلی نماز پر بناء کا حکم خلاف قیاس حدیث کی بنا پر کیا گیا ہے۔اس لئے جو حدث بار بار پیش آتے ہیں اور حدیث میں بھی ان کی تصریح ہے تو ان کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس پر بنا کر لیا جائے۔لیکن جو حدث بار بار پیش نہیں آتے اور حدیث میں بھی ان کی تصریح نہیں ہے ان میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نماز فاسد کر دی جائے اور شروع سے دوبارہ نماز پڑھے۔اور صاحبین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حدیث کی بنا پر جب نماز پوری ہوگئی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه : ۲ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسکی نماز پوری ہوگئی۔۔تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمه : ۳ کہا گیا ہے کہ اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ نمازی اپنے فعل سے نماز سے نکلے یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے ،اور صاحبینؒ کے نزدیک فرض نہیں، اسلئے ان حالتوں میں ان عوارض کا پیش آنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز کے درمیان میں پیش آنا ہے۔

تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ یہ بارہ مسائل اس اصول پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعه ،فرض ہے خروج بصنعه کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنی حرکت سے نماز سے باہر آئے یہ فرض ہے، یہ حرکت اگر سلام پھیرنا ہے تو نماز اچھے طریقے سے پوری ہوگی اور اگر حدث وغیرہ کر کے خروج بصنعه کیا تو نماز تو پوری ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔اب اوپر کے بارہ مسئلوں میں خروج بصنعه جو فرض تھا نہیں کیا بلکہ خود بخود تشہد کے بعد عذر پیش آگئے ،تو چونکہ ایک فرض چھوڑ دیا اسلئے نماز باطل ہو جائے گی،اور ایسا سمجھا جائے گا کہ تشہد سے پہلے ہی یہ اعذار پیش آگئے۔

ترجمه: ۴ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان اعذار کا پیش آنا گویا کہ سلام کے بعد ہے۔ان دونوں کی دلیل حضرت عبداللہ ابن

مسعودؓ ۵؎ ولہ انہ لایمکنہ اداء صلوٰۃ اخریٰ الا بالخروج من ھٰذہ ومالا یتوصل الی الفرض الا بہ یکون فرضًا ۶؎ ومعنی قولہ تمت قاربت التمام

مسعودؓ کی وہ حدیث ہے جو ہمنے پہلے روایت کی۔

تشریح : اورصاحبینؒ کے یہاں خروج بصنعہ فرض نہیں ہے اسلئے تشہد پڑھ لیا تو تمام فرائض پورے ہو گئے اب درود شریف اور دعاء باقی رہے جو سنت ہیں اور سلام پھیرنا باقی رہا جو واجب ہے، اور یہ اعذار تشہد کے بعد پیش آئے ہیں اسلئے نماز پوری ہو گئی۔ اور ایسا سمجھا جائے گا کہ سلام پھیرنے کے بعد یہ اعذار پیش آئے۔

وجہ : (۱) انکی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود والی یہ حدیث ہے۔ **انّ رسول اللہ ﷺ اخذ بید عبد اللہ فعلمہ التشھد فی الصلوۃ فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشھد ص ۱۴۶، نمبر ۹۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تشہد پڑھ لیا یا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر حدث ہوا تو نماز پوری ہو گئی، حدیث یہ ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوتہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلوۃ** ۔ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشھد، ص ۹۲، نمبر ۴۰۸ / دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہو گئی۔

ترجمہ : ۵؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نماز کو ادا کرنا ممکن نہیں جب تک کہ اس نماز سے نہ نکلے اور جس چیز کے ذریعہ فرض تک پہنچنا ممکن ہو تو وہ بھی فرض ہوتی ہے [اور پہلی نماز سے نکلنے کے ذریعہ سے دوسری نماز تک پہونچے گا اسلئے نکلنا بھی فرض ہو گا۔ جسکو خروج بصنعہ، کہتے ہیں۔

تشریح : خروج بصنعہ فرض ہونے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ دوسری فرض نماز، مثلا ظہر کے بعد عصر کو ادا کرنا ہو تو پہلی نماز سے نکلنا ہو گا، اسکے بغیر عصر کی نماز ادا نہیں کر سکتے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس واسطے سے فرض تک پہنچ رہا ہو وہ واسطہ بھی فرض ہوتا ہے، یہاں نکلنے کے ذریعہ دوسرے فرض تک پہنچ سکتا ہے اسلئے نکلنا یعنی خروج بصنعہ بھی فرض ہو گا۔ اور پچھلے بارہ مسئلوں میں خروج بصنعہ نہیں پایا گیا اسلئے ان تمام میں نماز فاسد ہو گئی۔

ترجمہ : ۶؎ اور حدیث میں حضورؐ کا قول تمت صلوتہ، کا ترجمہ ہے نماز پوری ہونے کے قریب ہو گئی۔

ے والاستخلاف ليس بمفسد حتى يجوز فى حق القارى وانما الفساد ضرورة حكم شرعى وهو عدم صلاحية الامامة (۳۸۸)ومن اقتدى بالامام بعد ما صلى ركعة فاحدث الامام فقدمه اجزاه ﴿ ل لوجود المشاركة فى التحريمة

تشریح : اوپر عبداللہ بن عمر کی حدیث میں تھا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔حدیث یہ تھی ۔فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة ۔(ابوداؤد شریف، نمبر ۶۱۷ رترمذی شریف، نمبر ۴۰۸)اس حدیث میں ہے تمت صلوتہ، کہ اسکی نماز پوری ہوگئی، اسکا جواب دے رہے ہیں کہ نماز پوری ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ پوری ہونے کے قریب ہوگئی، البتہ ایک فرض خروج بصنعہ ابھی باقی ہے۔

ترجمہ: ے اورخلیفہ بنانا نماز کو فاسد کرنے والانہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قاری کے حق میں جائز ہے، فاسد ہونا تو ایک شرعی حکم کی ضرورت کی وجہ سے ہے،اور وہ یہ ہے کہ امی آدمی میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔

تشریح : یہ جزیہ نمبر ۸ کی وضاحت ہے۔جزیہ نمبر ۸ میں کہا تھا، کہ قاری امام کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو اس نے ایک آیت بھی نہ جاننے والے امی آدمی کو امام بنادیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اس مسئلے کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ امام بنانا اور خلیفہ بنانا نماز کو فاسد نہیں کرتا وہ تو جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی قاری یعنی کم سے کم ایک آیت جاننے والے کو امام بنا تو کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی طرح امی کو صرف امیوں کا امام بناتا تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن یہاں امی کو قاری کا امام بنانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے چاہے وہ تشہد کے بعد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ امی میں کسی حال میں قاری کے امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پوری تفصیل مسئلہ نمبر ۲۷۱ میں دیکھیں۔

ترجمہ: (۳۸۸)امام کے ایک رکعت پڑھ لینے کے بعد کسی نے امام کی اقتداء کی پس امام کو حدث پیش آیا تو اسی مسبوق کو آگے کردیا تو کافی ہے۔

ترجمہ : ل تحریمہ میں شرکت کے پائے جانے کی وجہ سے۔

لغت : مدرک: کا ترجمہ ہے پانے والا، یہاں مدرک کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ شروع سے نماز میں شریک ہوا اور تمام رکعتیں پایا ہو۔مسبوق: سبق سے مشتق ہے،جس سے کوئی چیز آگے بڑھ گئی ہو، یہاں مسبوق کا مطلب یہ ہے شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو،اس سے کچھ رکعت چھوٹ گئی ہو۔لاحق: لحق سے مشتق ہے، ملنا، یہاں لاحق کا مطلب یہ ہے کہ شروع نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوا بعد میں حدث پیش آنے کی وجہ سے امام کو چھوڑ کر چلا گیا جس کی وجہ سے درمیان کی کچھ رکعت چھوٹ گئی ،اور آخیر میں امام کے ساتھ مل گیا۔

۲؎ والاولی للامام ان یقدِّم مدرکا لانہ اقدر علیٰ اتمام صلاتہ ۳؎ وینبغی لھذا المسبوق ان لایتقدم لعجزہ عن التسلیم (۳۸۹) فلو تقدم یبتدی من حیث انتھیٰ الیہ الامام ﴾ ۱؎ لقیامۃ مقامہ

تشریح : ایک آدمی کی مثلا ایک رکعت چھوٹ چکی تھی جسکی وجہ سے وہ مسبوق تھا، امام کو حدث ہوا تو اسی مسبوق کو ہی آگے بڑھا دیا اور امام بنا دیا تو جائز ہے، کیونکہ یہ امام کا مقتدی تو ہے اور دونوں کا تحریمہ ایک ہے، اور دونوں ایک ہی تحریمے میں شریک ہیں۔
البتہ یہ اولی نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسبوق امام بنے گا تو پہلے سابق امام کی نماز پوری کرے گا سلام پھیرنے کا وقت آئے گا تو کسی مدرک کو پھر امام بنائے گا تا کہ وہ قوم کے ساتھ سلام پھیرے اور یہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا، تو چونکہ دوبارہ مدرک کو امام بنانا پڑے گا اسلئے اس مصیبت سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے مدرک کو امام بنائے تو بہتر ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تمام رکعتوں کو پانے والے مدرک کو آگے بڑھائے اسلئے کہ وہ امام کی نماز کو پورا کرنے پر زیادہ قادر ہے۔

تشریح : امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو آدمی شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہے جسکو مدرک کہتے ہیں اسکو آگے بڑھائے کیونکہ وہ امام کی نماز کو پوری کرنے پر زیادہ قادر ہے، یعنی امام کی نماز پوری ہوگی تو اسکی بھی نماز پوری ہو جائے گی اسلئے قوم کے ساتھ یہ سلام پھیر سکے گا اور مسبوق کی طرح کسی دوسرے کو دوبارہ امام بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ترجمہ ۳؎ اور اس مسبوق کے لئے مناسب یہ ہے کہ خود آگے نہ بڑھے سلام سے عاجز ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : مسبوق کو امام آگے بڑھائے تو آگے بڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اپنے سے آگے نہ بڑھے تو اچھا ہے۔ اسلئے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد یہ سلام نہیں پھیر سکے گا، وہ ابھی سلام پھیرنے سے عاجز ہے کسی اور کو آگے بڑھانا ہوگا، کیونکہ اسکو اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنی ہے۔

ترجمہ: (۳۸۹) پس اگر مسبوق آگے بڑھ گیا تو جہاں سے امام نے چھوڑا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔

ترجمہ ۱؎ اسلئے کہ یہ امام کے قائم مقام ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے وہاں سے نماز شروع کی جہاں سے حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑا تھا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ فذھب ابو بکرؓ یتأخر ، فأشار الیہ بیدہ مکانک فاستفتح النبی ﷺ من حیث انتھی ابو بکر من القرآن۔ (سنن بیھقی، باب ماروی فی صلوۃ الاماموم قائما، الخ، ج ثالث، ص ۱۱۵، نمبر ۵۰۷۸ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۷، فی الرجل قدم الرجل یبدأ بالقرأۃ أو یقرأ من حیث انتھی، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑا تھا۔ (۲) اثر میں ہے کہ مسبوق امام پہلے سابق امام کی نماز پوری کرے گا بعد میں اپنی

(۳۹۰)واذا انتهٰی الی السلام یقدم مدر کا یسلم بهم (۳۹۱)فلوانه حین اتم صلوٰۃ الامام قهقه او احدث متعمدا او تکلم او خرج من المسجد فسدت صلاته وصلاة القوم تامة ﴿ ۱ لان المفسد فی حقه وجد فی خلال الصلوٰۃ وفی حقهم بعد تمام ارکانها

نماز پوری کرے گا، اثر یہ ہے۔ عن ابراهيم في رجل صلى ركعة فأحدث فأخذ بيد رجل فقدمه و قد فاتته تلك الركعة قال : يصلي بهم بقية صلاتهم فاذا أتم أخذ بيد رجل ممن شهد تلك الركعة فقدمه فسلم بهم ثم قام فقضى تلك الركعة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۴۶، سبق بر کعۃ فقدمہ الامام، ج ثانی ، ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۴) اس اثر میں ہے کہ پہلے امام کی نماز پوری کرے پھر اپنی نماز پوری کرے۔

(۳) تیسری دلیل عقلی صاحب ھدایہ نے دی ہے، کہ یہ مسبوق پہلے امام کے قائم مقام ہے اسلئے پہلے امام ہی کی نماز پوری کرے گا۔

ترجمہ: (۳۹۰) اور جب مسبوق امام سلام تک پہنچے تو کسی مدرک امام کو آگے بڑھا دے جو قوم کے ساتھ سلام پھیرے۔

تشریح: اوپر اثر گزر چکا ہے کہ مسبوق کو امام بنایا تو وہ پہلے امام کی نماز پوری کرے اور جب سلام پھیرنے کا وقت آئے تو چونکہ اسکو اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنی ہے اسلئے کسی مدرک کو آگے بڑھائے چونکہ اسکی نماز پوری ہو چکی ہے اسلئے وہ اور نمازیوں کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔

ترجمہ: (۳۹۱) پس جس وقت مسبوق نے امام کی نماز پوری کی تو قہقہ لگایا، یا جان کر حدث کیا، یا بات کی، یا مسجد سے نکل گیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی اور قوم کی نماز پوری ہو گئی۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تشہد کے بعد جان کر حدث کیا تو چونکہ اب کوئی فرض باقی نہیں رہا اسلئے اسکی نماز پوری ہو جائے گی، اور اگر حدث تشہد سے پہلے کر دیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔۔ مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ مسبوق امام نے سابق امام کی نماز پوری کی جب سلام کا وقت آیا تو سلام سے پہلے جان کر حدث کر دیا، یا قہقہ لگایا، یا بات کی، یا مسجد سے باہر نکل گیا، یا کوئی ایسا کام کیا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو قوم اور مقتدی کی نماز پوری ہو گئی، اسلئے کہ انکے تمام فرائض پورے ہو گئے، لیکن خود اس مسبوق امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اسکی ابھی ایک رکعت باقی ہے، اسلئے اسکے لئے یہ حدث نماز کے درمیان میں واقع ہو گیا، اور درمیان میں فساد واقع ہو جائے تو بناء بھی نہیں کرسکتا، بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ نماز کو فاسد کرنے والی چیز مسبوق امام کے حق میں نماز کے درمیان پائی گئی اور مقتدی کے حق میں تمام ارکان کے پورے ہونے کے بعد پائی گئی۔

(۳۹۲)والامام الاوّل ان کان فرغ لاتفسد صلاتہ وان لم یفرغ تفسد ﴿ا﴾وھو الاصح(۳۹۳)فان لم یحدث الامام الاول وقعد قدر التشھد ثم قھقہ اواحدث متعمدا فسدت صلوۃ الذی لم یدرک اول صلاتہ ﴿ا﴾عندابی حنیفۃؒ وقالا لا تفسد

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ۔مقتدی کی نماز اسلئے پوری ہوگئی کہ امام کا حدث تمام فرائض کے اداء ہونے کے بعد ہوا ہے۔اور مسبوق امام کی نماز اسلئے فاسد ہوگئی کہ اسکا حدث نماز کے درمیان ہوگیا۔

ترجمہ: (۳۹۲)اورامام اول اگر نماز سے فارغ ہو چکا ہےتو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی،اوراگر فارغ نہیں ہوا ہےتو فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ا صحیح یہی ہے

تشریح : مسبوق نے سابق امام کی نماز پوری کرنے کے بعد حدث کیا تو اگر سابق امام کی نماز پوری ہوچکی تھی اور وہ بھی تشہد سے فارغ ہو چکے تھےتو اسکی نماز بھی پوری ہوچکی تھی ،اسلئے کہ اسکی نماز پوری ہونے کے بعد مسبوق امام نے حدث کیا،اوراگر اسکی نماز ابھی باقی تھی تو نماز کے درمیان حدث ہونے کی وجہ سے اسکی نماز بھی فاسد ہوجائے گی ۔صحیح بات یہی ہے۔البتہ امام ابوحفص نے فرمایا کہ چونکہ امام اول شروع نماز سے شریک ہیں اسلئے چاہے اسکی رکعت باقی ہو پھر بھی اسکی نماز پوری ہوجائے گی اور فاسد نہیں ہوگی۔لیکن یہ روایت اتنی صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۹۳)پس اگر اصل امام نے پہلے حدث نہیں کیا اور تشہد کی مقدار بیٹھا پھر قہقہ مارا،یاجان کر حدث کیا تو اسکی نماز فاسد ہوجائے گی جس نے پہلی رکعت نہیں پایا۔

ترجمہ : ا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک،اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

لغت : الامام الاول:اس عبارت میں اول کا لفظ صحیح نہیں ہے،اسلئے کہ دوسرا امام نہیں ہے شروع سے ایک ہی امام چل رہا ہے۔لم یدرک اول صلوتہ:اول صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ جوآدمی شروع سے نماز میں شریک نہ ہواسکو مسبوق کہتے ہیں۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام نے قہقہ مارا،یاجان کر حدث کیا تو امام کی نماز اور مدرک کی نماز پوری ہوگئی کیونکہ انکے لئے کوئی فرض باقی نہیں رہا۔لیکن جوشروع نماز سے ساتھ نہیں تھا جسکو مسبوق کہتے ہیں اسکی نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

وجہ : (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ امام نے جب حدث کیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہوگئی تھی لیکن تمام فرائض پورے ہوگئے تھے اسلئے دوبارہ بناء کرنے کی ضرورت نہیں رہی ،اسلئے نقص کے ساتھ نماز پوری سمجھ لی گئی۔لیکن مسبوق کی نماز ابھی باقی ہے اوراسکے فرائض بھی باقی ہیں اوراسکے درمیان ہی میں امام نے حدث کردیا تو حقیقت میں امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے اس مسبوق کی نماز بھی فاسد ہو

۲ وان تکلم اوخرج من المسجد لم تفسد فی قولهم جمیعا

جائے گی۔(۲)اس حدیث کے اشارے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس نے اول نماز نہیں پائی اسکی نماز فاسد ہوجائے گی۔حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن عمرو قال : قال رسول الله ﷺ : اذا أحدث الامام بعد ما یرفع رأسه من آخر سجدة و استوی جالساً تمت صلوته ، و صلوة من خلفه ممن ائتم به ممن أدرک أول الصلوة ۔(دار قطنی، باب من أحدث قبل التسلیم ، ج اول ،ص ۳۶۸،نمبر ۱۴۰۹)اس حدیث میں ہے کہ جو شروع نماز سے ہے اسکی نماز بھی پوری ہوجائے گی۔اسکا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس نے شروع نماز نہیں پائی اسکی نماز فاسد ہوجائے گی۔۔حدث سے نماز فاسد ہوجائے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن علی بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدکم فی الصلوة فلینصرف فلیتوضأ و لیعد الصلوة . (ابوداؤد شریف ،باب اذا احدث فی الصلوۃ ،ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵)اس حدیث میں ہے کہ نماز میں حدث ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔اور قہقہہ مارنے سے نماز ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن عمران بن حصین قال : سمعت رسول الله ﷺ یقول : من ضحک فی الصلوة قرقرة فلیعد الوضوء و الصلوة ۔(دار قطنی ، باب أحادیث القهقهة فی الصلوۃ وعللها ، ج اول ،ص ۱۷۲،نمبر ۶۰۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہقہہ مار کر ہنسے گا تو نماز بھی ٹوٹے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

فائدہ : صاحبین فرماتے ہیں کہ امام مقتدی کی نماز کے صحیح ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں ذمہ دار ہے،اور اس صورت میں امام کی نماز فاسد نہیں ہوئی اسلئے مسبوق مقتدی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔جس طرح امام تشہد کے بعد بات کرلے یا مسجد سے نکل جائے تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا جواب یہ ہے کہ امام کی نماز بھی فاسد تو ہوگئی تھی لیکن چونکہ تشہد کے بعد حدث کیا تھا اسلئے دوبارہ بناء کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ تمام فرائض پورے ہوگئے تھے۔لیکن حقیقت میں امام کی نماز فاسد ہوچکی تھی اسلئے مسبوق کی بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۲ اور اگر امام نے تشہد کے بعد بات کی، یا مسجد سے نکل گیا بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح : امام تشہد کی مقدار بیٹھا پھر سلام کرکے نکلنے کے بجائے بات کرلی، یا مسجد سے نکل گیا جسکی وجہ سے امام اور مدرک کی نماز پوری ہوگئی،اور ساتھ ہی مسبوق کی نماز بھی تینوں اماموں کے نزدیک پوری ہوگی فاسد نہیں ہوگی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ بات کرنا اور مسجد سے نکلنا اتنی بڑی بدتمیزی نہیں ہے جتنی نماز میں جان کر حدث کرنا اور نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا۔اسلئے امام کے جان کر حدث کرنے سے اور قہقہہ مار کر ہنسنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور بات کرنے سے اور مسجد سے باہر نکلنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک تو امام کے حدث اور قہقہہ سے بھی مسبوق کی

۳؎ لھما ان صلوٰۃ المقتدی بناء علیٰ صلوٰۃ الامام جواز او فساد اولم تفسد صلوٰۃ الامام فکذا صلاتہ وصار کالسلام والکلام ۴؎ ولہ ان القھقۃ مفسدۃ للجزء الذی یلاقیہ من صلوٰۃ الامام فیفسد مثلہٗ من صلوۃ المقتدی غیران الامام لایحتاج الی البناء والمسبوق محتاج الیہ والبناء علی الفاسد فاسد

نماز فاسد نہیں ہوئی تھی تو بات کرنے اور مسجد سے نکلنے سے فاسد کیسے ہوگی!

اصول : مسبوق کے درمیان نماز میں امام کی بدتمیزی بڑی ہو مثلا جان کر حدث کیا یا قہقہہ مار کر ہنسا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگی اور بدتمیزی کم ہو ہو تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے جائز ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں مقتدی کی نماز کی بناء امام کی نماز پر ہوتی ہے ، اور اس صورت میں امام کی نماز فاسد نہیں ہوئی تو ایسے ہی مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی ، جیسے امام کے تشہد کے وقت امام کے سلام اور کلام سے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا تھا کہ تشہد کے وقت امام نے حدث کر دیا یا قہقہہ مار کر ہنس دیا تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی ، اسکی دلیل دے رہے ہیں [۱] کہ نماز کے جائز ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ بناء ہے ، اور امام کی نماز اس صورت میں فاسد نہیں ہوئی اسلئے کہ تمام فرائض کے پورے ہونے کے بعد کیا ہے ، اسلئے مسبوق مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔[۲] جس طرح اگر امام تشہد کے وقت بات کرتا ، یا سلام کرتا تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح جان کر اسکے حدث کرنے اور قہقہہ لگانے سے بھی مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ نماز کے جس حصے میں بھی واقع ہو امام کے اس حصے کو فاسد کرتا ہے ، اسلئے اس حصے میں مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی ، یہ اور بات ہے کہ فرائض پورے ہونے کی وجہ سے امام کو بناء کی ضرورت نہیں ہے ، اور مسبوق کو بناء کی ضرورت ہے اور فاسد نماز پر بناء کرے گا تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل عقلی ہے ، اور صاحبینؒ کو جواب بھی ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ تشہد کے بعد امام نے جان کر حدث کیا یا قہقہہ لگایا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اسکی دلیل دے رہے ہیں کہ تشہد کے بعد امام نے جان کر حدث کیا یا قہقہہ لگایا تو اس نے تشہد کے بعد والی نماز کو فاسد کر دیا ، اور جب امام کی نماز فاسد ہوئی تو مسبوق مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔البتہ یہ اور بات ہے کہ امام کے اور مدرک کے تمام فرائض پورے ہو گئے تھے اسلئے انکو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اور نہ وضو کر کے اس پر بناء کرنے کی ضرورت ہے ، اور مسبوق کی ابھی پچھلی رکعت باقی ہے اسلئے اسکو بناء کرنے کی ضرورت ہے ، لیکن جب امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے اسکی بھی نماز فاسد ہو گئی ہے تو اب بناء کیسے کرے گا ! ، کیونکہ فاسد پر بناء کرے گا تو اگلی نماز بھی فاسد ہو جائے

۵ بخلاف السلام لانه مُنهٍ والکلام فی معناہ. ۶ وینتقض وضوء الامام لوجود القھقة فی حرمة الصلوۃ(۳۹۴) ومن احدث فی رکوعه اوسجودہ توضأ وبنی ولا یعتد بالتی احدث فیھا﴾

گی اسلئے اسکی نماز فاسد ہوگئی۔

ترجمہ: ۵ بخلاف سلام کے اسلئے کہ وہ نماز کو پورا کرنے والا ہے، اور کلام بھی سلام ہی کے معنی میں ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کے استدلال کا جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح امام تشہد کے بعد سلام کرے اور بات کرے تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی طرح حدث اور قہقہہ لگائے گا تو فاسد نہیں ہوگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جان کر حدث کرنے میں اور سلام اور کلام کرنے میں فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تشہد کے بعد امام سلام کرے گا تو نماز سنت کے طریقے پر پوری ہو جائے گی، خود امام کی نماز اس سے فاسد نہیں ہوگی، سلام تو نماز کو پورا کرنے والا ہے، اسلئے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ منہ: کا ترجمہ ہے پورا کرنے والا۔ اور تشہد کے بعد امام نے کلام اور بات کی جس سے اسکی نماز ختم ہوئی تو کلام بھی ایک گونہ سلام کی طرح ہے، کیونکہ سلام، السلام علیکم، میں قوم کو خطاب ہے، اور بات میں بھی قوم کو خطاب ہے اسلئے کلام ایک گونہ سلام کے درجے میں ہے اسلئے تشہد کے بعد امام کے کلام کرنے سے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جان کر حدث اور قہقہہ سلام کے درجے میں نہیں ہیں، ان میں تو بڑی بد تمیزی ہے اس لئے ان سے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۶ قہقہہ کی وجہ سے امام کا وضو ٹوٹ جائے گا قہقہہ حرمت نماز میں پائے جانے کی وجہ سے۔

تشریح : نماز اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہونا ہے اسلئے اسکی حرمت ہے عزت اور احترام ہے۔ ایسی حرمت وعزت کے دوران قہقہہ جیسی بدتمیزی کرے گا تو امام کی نماز ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن عمران بن حصین قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : من ضحک فی الصلوۃ قرقرۃ فلیعد الوضوء و الصلوۃ۔ (دار قطنی، باب أحادیث القھقھۃ فی الصلوۃ وعللھا، ج اول، ص ۱۷۲، نمبر ۶۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہقہہ مار کر ہنسے گا تو نماز بھی ٹوٹے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

اصول : یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ کسی کے درمیان نماز میں حدث کر دے تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور تشہد کے بعد حدث واقع ہو تو نقص کے ساتھ نماز پوری ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۹۴) کسی کو اسکے رکوع میں یا اسکے سجدے میں حدث ہوا تو وضو کرے گا اور بناء کرے گا، اور وہ رکوع یا سجدہ شمار نہیں کیا جائے گا جس میں حدث ہوا۔

ل لان اتمام الركن بالانتقال ومع الحدث لايتحقق فلا بدمن الاعادة (۳۹۵) ولو كان اماماً فقدم غيره دام المقدم على الركوع ﴾

ترجمه : ل اسلئے کہ رکن منتقل ہونے سے پورا ہوتا اور حدث کی وجہ سے یہ متحقق نہیں ہوا اسلئے اس رکن کو لوٹانا ضروری ہے۔

تشریح : کسی کو رکوع، یا جس سجدے میں حدث پیش آیا تو وہ وضو کرے گا اور اس پر بناء کرے گا، اور جس رکوع میں یا جس سجدے میں حدث پیش آیا تو وہ رکوع یا وہ سجدہ ادا نہیں ہوا اسکو دوبارہ ادا کرے اور وہیں سے بناء کرے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی رکن اس وقت پورا ہوتا ہے جب اس سے منتقل ہو جائے اور یہاں اس سے منتقل ہونے کا موقع نہیں ملا کیونکہ اس میں حدث پیش آ گیا، اسلئے وہ رکن شمار نہیں کیا جائے گا اسکو دوبارہ ادا کرے۔ (۲) اس اثر میں اسکا اشارہ ہے۔ عن سلمان قال : اذا أحدث أحدكم فى الصلوة فلينصرف غير داع لصنعه فليتوضأ ثم ليعد فى آيته التى كان يقرأ . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۸، فی الذی یقی ءأو یرعف فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۹۰۲) اس اثر میں ہے کہ اس آیت سے دوبارہ شروع کرے جسکو وہ پڑھتا تھا جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ وہ قیام شمار نہیں ہوا جس میں اسکو حدث پیش آیا اسلئے وہ آیت بھی دوبارہ پڑھے اور قیام بھی دوبارہ کرے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ رکوع اور سجدہ بھی شمار نہیں کیا جائے گا جس میں حدث پیش آیا ہے۔

ترجمه : (۳۹۵) اگر امام ہے اور حدث ہونے کے بعد دوسرے کو آگے بڑھایا تو آگے بڑھنے والا رکوع پر ہی دوام کرے۔

تشریح : امام کو مثلا رکوع میں حدث ہوا اور رکوع ہی میں کسی کو خلیفہ بنایا تو خلیفہ شروع سے رکوع نہ کرے بلکہ جھکے جھکے رکوع ہی میں جائے اور رکوع کی مقدار مثلا تین تسبیح کے برابر رکوع میں رہے اور رکوع پورا کر کے آگے کے اعمال کرے، اسی کو استدامت علی الرکوع، کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کو جس رکن میں حدث ہوا ہے اسی رکن سے خلیفہ شروع کرے۔ اس سے پہلے سے بھی شروع نہ کرے اور بعد سے بھی نہ کرے۔

وجه : (۱) اس رکن سے پہلے سے شروع کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ وہ رکن تو امام ہی ادا کر چکا ہے۔ اور حدث والے رکن کے بعد سے اسلئے شروع نہ کرے کہ خود حدث والا رکن ابھی ادا نہیں ہوا ہے، اسلئے جس رکن میں حدث ہوا ہے اسی رکن پر استدامت کر کے اسی رکن سے شروع کرے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑا تھا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ فذهب ابو بكرؓ يتأخر ، فأشار اليه بيده مكانك فاستفتح النبى ﷺ من حيث انتهى ابو بكر من القرآن . (سنن بیہقی، باب ماروی فی صلوۃ الاماموم قائما، الخ، ج ثالث، ص ۱۱۵، نمبر ۵۰۷۸ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۷، فی الرجل قدم الرجل یبدأ بالقرأۃ أو یقرأ من حیث انتھی، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۵) اس حدیث

ل لانـه يمكنه الاتمام بالاستدامة (۳۹۶) ولـو تذكر وهو راكع او ساجد ان عليه سجدة فانحطّ من ركوعـه لهـا اورفع رأسه من سجوده فسجدها يعيدالركوع والسجود ﴾ ل وهـذا بيان الاولىٰ لتقع الافعال مرتبة بالقدر الممكن وان لم يعد اجزاه ﴾

میں ہے کہ حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابوبکرؓ نے چھوڑا تھا، اسلئے اسی رکن پر استدامت کرے جس رکن میں امام کو حدث پیش آیا ہے۔ (۳) یہ اثر بھی گزرا کہ اسی آیت سے شروع کرے جہاں حدث پیش آیا ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن سلمان قال : اذا أحدث أحدكم فی الصلوة فلينصرف غير داع لصنعه فليتوضأ ثم ليعد فی آيته التی كان يقرأ . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۸، فی الذی یقیء أو یرعف فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۹۰۲) اس اثر میں ہے کہ اس آیت سے دوبارہ شروع کرے جسکو وہ پڑھتا تھا۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ اس رکوع کو دوام کے ساتھ پورا کرنا ممکن ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ مثلا رکوع پر دوام کیا جا سکتا ہے، اور امام نے رکوع میں خلیفہ بنایا تو رکوع ہی سے رکن شروع کیا جا سکتا ہے اسلئے رکوع ہی سے شروع کرے اور اسی پر استدامت کرے۔

ترجمہ : (۳۹۶) رکوع میں کسی کو یاد آیا، یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر کوئی اور سجدہ ہے، پس رکوع ہی سے وہ سجدے کے لئے جھک گیا، یا سجدے سے سر اٹھایا اور اس سجدے کو کر لیا تو رکوع اور سجدے کو لوٹائے گا۔

ترجمہ : ل یہ افضل کا بیان ہے تا کہ ممکن مقدار تک افعال مرتب واقع ہو جائے۔ اور اگر رکوع سجدے کو نہ لوٹائے تب بھی کافی ہو جائے گا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ طہارت کے ساتھ کسی رکن کو ادا کر کے اس سے منتقل ہو گیا تو وہ رکن ادا ہو گیا، اب دوبارہ اس رکن کو ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ارکان کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے دوبارہ اس رکن کو ادا کر لے تو بہتر ہے۔ اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ ایک آدمی رکوع میں تھا کہ اسکو یاد آ گیا کہ اس نے سجدہ تلاوت کیا تھا اسکا سجدہ باقی تھا، اب رکوع سے کھڑا نہیں ہوا اور رکوع میں جھکا ہوا تھا کہ اس سے سر نہیں اٹھایا بلکہ جھکے ہوئے سے ہی نیچے سجدے میں چلا گیا اور تلاوت کا سجدہ ادا کر لیا، تو اس رکوع کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

وجہ : کیونکہ طہارت کے ساتھ اس رکوع سے منتقل ہو چکا تھا اسلئے وہ رکوع ادا ہو گیا، اسلئے اس کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، پہلا رکوع ہی کافی ہے۔ البتہ دوبارہ رکوع ادا کرے اور جو نماز پڑھ رہا تھا اس رکوع کے بعد اسکا سجدہ ادا کرے تو بہتر ہے، تا کہ رکوع کے بعد ترتیب کے ساتھ سجدہ ادا ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی نماز کے سجدے میں تھا کہ اسکو یاد آیا کہ مجھپر سجدہ تلاوت باقی

۱ لان الترتیب فی افعال الصلوٰۃ لیس بشرط ۲ ولان الانتقال مع الطھارۃ شرط وقدوجد ۳ وعن ابی یوسفؒ انه یلزمهٗ اعادۃ الرکوع لان القومۃ فرض عندہ

ہے، اس سجدے سے سر اٹھایا اور سجدہ تلاوت کرلیا، تو چونکہ نماز کے سجدے سے سر اٹھا کر اس سجدے کو پورا کرلیا ہے اسکے بعد تلاوت کا سجدہ کیا ہے اسلئے نماز کے سجدے کو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ طہارت کے ساتھ سجدے سے منتقل ہوگیا تو وہ سجدہ ادا ہو گیا اسکو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ نماز کے سجدوں کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے دوبارہ سجدہ کرلے تو بہتر ہے۔۔ نماز کے افعال کے درمیان ترتیب شرط نہیں ہے اسکی کھلی مثال یہ ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ ملتا ہے تو پہلے آخیر کی رکعت پڑھتا ہے اور شروع کی رکعت امام سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کے افعال کے درمیان ترتیب شرط نہیں ہے۔

اصول : طہارت کے ساتھ کسی رکن سے منتقل ہوگیا تو وہ رکن ادا ہوگیا ۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں ہے۔ تفصیل ابھی ایک سطر اوپر گزر گئی۔

ترجمہ : ۲ اور اسلئے کہ طہارت کے ساتھ رکن سے منتقل ہونا شرط ہے، اور وہ پایا گیا۔

تشریح : کوئی رکن مثلا رکوع ادا کر رہا ہو اور طہارت کے ساتھ اس سے منتقل ہوگیا اور دوسرے رکن کی طرف چلا گیا، اور اس رکن کے اندر حدث نہیں کیا تو وہ رکن ادا ہوگیا، اوپر کے مسئلے میں رکوع سے منتقل ہوگیا ہے اور سجدے سے منتقل ہوگیا ہے اسلئے وہ دونوں ادا ہوگئے۔

ترجمہ : ۳ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ رکوع کا لوٹانا اسکو لازم ہوگا، اسلئے کہ قومہ انکے نزدیک فرض ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ نمازی رکوع میں جھکے جھکے تلاوت کے سجدے میں چلا گیا تو وہ رکوع ادا نہیں ہوا اسکو دوبارہ ادا کرنا چاہئے، اسکی وجہ یہ ہے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونا جسکو قومہ کہتے ہیں انکے نزدیک فرض ہے، اور اس فرض کو ادا نہیں کیا کیونکہ جھکے جھکے وہ سجدے میں چلا گیا تھا، اسلئے رکوع ادا نہیں ہوا اس لئے اس رکوع کو دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔ انکے نزدیک قومہ فرض ہے اسکی تفصیل باب صفۃ الصلوۃ، مسئلہ نمبر ۲۸۱ میں گزر چکا ہے، انکے یہاں قومہ فرض ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔ **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزئ صلوۃ لا یقیم الرجل فیھا صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لایقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ / بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعدیل الارکان کو فرض قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں

(۳۹۷) ومن امّ رجلا واحدا فاحدث وخرج من المسجد فالماموم امام نوی اولم ینو ﴾ ۱ لما فیه من صیانة الصلوٰة وتعیین الاول لقطع المزاحمة ولا مزاحمة

ہوگی۔(۲)عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد النبی ﷺ علیه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل ....ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائما ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک کلها ۔ (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵) ابوداود شریف میں اس حدیث کے آخر میں یہ بھی زیادہ ہے۔ و قال فی آخره : اذا فعلت ھذا فقد تمت صلاتک ، و ما انتقصت مَن ھذا شیئاً فانما انتقصته من صلاتک . (ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵) اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ اس حدیث سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔ کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

ترجمہ: (۳۹۷) کسی نے ایک ہی مرد کی امامت کی پھر حدث ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی خود ہی امام بن جائیگا امام نے اسکو امام بنانے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

تشریح: امام کا ایک ہی مرد مقتدی تھا اور امام کو حدث ہو گیا اور اس مرد کو امام بنائے بغیر مسجد سے نکل گیا تو یہ مقتدی خود ہی اپنا امام بن جائے گا۔

وجہ : (۱) کسی کو باضابطہ امام بنانے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کہ کئی آدمی مقتدی ہو تو ان میں سے ایک کو متعین کیا جائے لیکن اگر ایک ہی ہو تو اس وقت تعین کی ضرورت نہیں ہے خود ہی وہ امام اپنا متعین ہو جائے گا۔ (۲) اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن الزھری أن معاویة صلی بالناس فرکع ، ثم طعن و ھو ساجد أو راکع ، فسلم ثم قال :أتموا صلوتکم فصلی کل رجل لنفسه ، و لم یقدم احداً ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی ص ۳۵۶، نمبر ۳۶۸۷ ر سنن بیھقی باب الامام یخرج ولا یستخلف، ج ثالث، ص ۱۶۲، نمبر ۵۲۵۹) اس اثر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود بخود ہر ایک اپنا اپنا امام بن گئے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ اس میں اپنی نماز کو بچانا ہے۔ اور ایک کو متعین کرنا مزاحمت کو منقطع کرنے کے لئے ہے اور ایک آدمی میں کوئی مزاحمت نہیں ہے۔

(۳۹۸)ویتم الاول صلاته مقتدیا بالثانی ﴿ لے کما اذا استخلفه حقیقة (۳۹۹) ولولم یکن خلفه الا صبی اوامرأة قیل تفسد صلاته ﴿ لے لاستخلاف من لایصلح للامامة (۴۰۰) وقیل لا تفسد ﴿ لے لانه لم یوجد الاستخلاف قصداوهو لایصلح للامامة واللّٰه اعلم.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ امام کو حدث ہو گیا تو اب کوئی امام نہیں رہا،اوراس مقتدی کو اپنی نماز بچانا ہے اسلئے یہ اپنی نماز کو بچانے کے لئے خود امام بن جائے گا۔دوسری دلیل یہ ہے کہ کئی آدمی ہوتو بھیڑ ہے اسلئے بھیڑ کو ختم کرنے لئے ایک کو امام متعین کرنا پڑتا تھا،اور یہاں ایک ہی آدمی ہے اسلئے کوئی بھیڑ نہیں ہے اسلئے یہ خود بخود امام بن جائے گا ۔

ترجمه: (۳۹۸) اور پہلا امام دوسرے کا مقتدی بن کر نماز پوری کرے گا۔

ترجمه : لے جیسے کہ حقیقت میں اسکو خلیفہ بناتا۔

تشریح : ایک مقتدی خود امام بن گیا تو پہلا امام جب وضو کر کے آئے گا تو اس امام کا مقتدی بن جائے گا،اوراسکی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرے گا،جیسے کہ حقیقت میں اسکو امام بناتا تو اسکی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرتا،کیونکہ یہ آدمی بہر حال ابھی امام ہے۔

ترجمه: (۳۹۹) اوراگر امام کے پیچھے صرف بچہ،یا صرف عورت ہوتو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : لے اسلئے کہ ایسے کو امام بنایا جو امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

تشریح: امام کے پیچھے صرف بچہ تھا،یا صرف عورت تھی جو اس مرد کا امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے،اور امام کو حدث ہونے کی وجہ سے بچہ خود امام بن گیا،اور ظاہر ہے کہ یہ سابق امام جو مرد تھا اسکا بھی امام بن گیا،اور پہلے گزر چکا ہے کہ بچے کو مرد کا امام بنایا تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی،اسلئے اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔کیونکہ ایسے آدمی کو امام بنایا جو مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔۔یہی حال ہے کہ اگر مرد امام کے پیچھے صرف عورت تھی اور مرد کو حدث پیش آیا تو یہ عورت خود امام بن گئی،اوراس مرد کی بھی امام بنی اسلئے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اب شروع سے نماز پڑھے۔کیونکہ عورت مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ترجمه: (۴۰۰) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : لے اسلئے کہ قصدا خلیفہ بنانا نہیں پایا گیا،اور خود یہ لوگ مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔اوراسکی وجہ یہ ہے کہ یہ بچہ اور عورت خود امام بنے ہیں ،سابق امام نے انکو امام بنایا نہیں ہے۔اوران لوگوں میں مرد کی امامت کی صلاحیت بھی نہیں ہے اسلئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اشارہ کے طور پر انکو امام بنایا،اسلئے یہ لوگ صرف اپنا امام بنیں گے اوراپنی نماز پوری کریں گے،مرد کا امام نہیں بن سکیں گے،اور جب مرد کا امام نہیں

بنے تو اسکی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ : اس اثر میں ہے کہ امام نے کسی کو امام نہیں بنایا تو ہر آدمی اپنا اپنا امام بنے گا دوسرے کا نہیں .عن الزھری أن معاویة صلی بالناس فرکع ، ثم طعن و ھو ساجد أو راکع ، فسلم ثم قال :أتموا صلوتکم فصلی کل رجل لنفسه ، و لم یقدم احداً ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی ،ص ۳۵۶،نمبر ۳۶۸۷ ر سنن بیھقی باب الامام یخرج ولا یستخلف ، ج ثالث ،ص ۱۶۲،نمبر ۵۲۵۹)اس اثر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود بخود ہر ایک اپنا اپنا امام بن گئے۔

اصول : امام بننے کی صلاحیت ہوتو خود سابق امام کا امام بن جائے گا۔اور امام بننے کی صلاحیت نہ ہوتو سابق امام کا امام نہیں بن سکے گا۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\bot006.JPEG.jpg not found.

﴿باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا﴾

(۴۰۱) ومن تکلم فی صلاتہ عامدا او ساھیا بطلت صلاتہ ﴾ ل خلافا للشافعیؒ فی الخطأ والنسیان ومفزعہ الحدیث المعروف.

﴿باب مایفسد الصلوۃ﴾

ترجمہ: (۴۰۱) اگرنماز میں بھول کر بات کی یا جان کر بات کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح: نماز میں بھول کر بات کی یا جان کر بات کی دونوں صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی اب اس پر بناء بھی نہیں کرسکتا دوبارہ شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبہ وھو الی جنبہ فی الصلوۃ حتی نزلت ﴿وقوموا للہ قانتین﴾ (آیت ۲۳۸، سورۃ البقرۃ ۲) فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹/۱۲۰۳/ابو داؤد شریف، باب النھی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴ نمبر ۹۴۹/ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص ۹۲ نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور چونکہ نماز کی حالت نماز کو یاد کرنے کی حالت ہے اس لئے اس میں بھول کر کلام کرنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ یہ صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث بھی ہے۔ عن معاویۃ بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ ... ثم قال ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷/۱۱۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بولنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ (۳) عن عبد اللہ بن مسعود، و ھذا حدیث القاسم قال: کنت آتیا النبی ﷺ .... فقال: ان اللہ عز و جل یعنی احدث فی الصلوۃ أن لا تکلموا الا بذکر اللہ، و ما ینبغی لکم، و أن تقوموا للہ قانتین. (نسائی شریف، باب الکلام فی الصلوۃ، ص ۱۷۰، نمبر ۱۲۲۱) اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی بات نہ کرے۔ اسلئے جان کر اور بھول کر دونوں قسم کی باتوں سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۴) اثر میں ہے. عن الحسن و قتادۃ و حماد قالوا فی رجل سھا فی صلوتہ فتکلم قالوا: یعید صلوتہ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الکلام فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۳۳۱، نمبر ۳۵۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول کر بھی بولے گا تو نماز باطل ہو جائے گی دوبارہ نماز پڑھے۔

ترجمہ: ل خلاف امام شافعیؒ کے خطاء اور بھول کے اندر، اور انکی دلیل مشہور حدیث ہے۔

تشریح : جان کرنماز میں بات کرے تو انکے یہاں بھی نماز باطل ہوتی ہے لیکن اگر بھول کر یا غلطی سے نماز میں بات کر لے تو انکے یہاں نماز فاسد نہیں ہوتی۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ : فبھذا کلہ نأخذ، فنقول : ان حتماً أن لا یعمد أحد للکلام فی الصلوۃ و ھو ذاکر لانہ فیھا فان فعل انتقضت صلوتہ ، و کان علیہ أن یستأنف صلاۃ غیرھا . (موسوعۃ نمبر ۱۴۹۰)قال الشافعیؒ : ومن تکلم فی الصلوۃ و ھو یری أنہ قد اکملھا أو نسی أنہ فی الصلوۃ فتکلم فیھا بنی علی صلوتہ و سجد للسھو ۔(موسوعۃ للشافعیؒ، باب الکلام فی الصلوۃ، ج ثانی،ص ۲۰۸،نمبر ۱۴۹۱)اس عبارت میں ہے کہ جان کر نماز میں بات کی تو فاسد ہوگی اور اگر اسے یاد نہیں ہے کہ میں نماز میں ہوں اور بات کر لی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ: امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے اور امام مالکؒ کے نزدیک اصلاح نماز کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔اسکی وجہ یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے ۔(۱) عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطأ ، و النسیان،و ما استکرھوا علیہ ۔(ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرّہ والناسی،ص ۲۹۳،نمبر ۲۰۴۳)اس حدیث میں ہے کہ میری امت سے غلطی سے اور بھول سے کوئی بات ہوگئی ہو تو اسکو معاف کر دئے ہیں اسلئے غلطی سے بات کی ہو یا بھول سے بات کی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔(۲)عن ابی ھریرۃ أن رسول اللہ ﷺ انصرف من اثنتین ، فقال لہ ذو الیدین : أقصرت الصلوۃ أم نسیتَ یا رسول اللہ ؟ فقال رسول اللہ ﷺ : أصدق ذو الیدین ؟ فقال الناس : نعم ، فقام رسول اللہ ﷺ فصلی اثنتین أخریین ، ثم سلم ، ثم کبر ، فسجد مثل سجودہ أو اطول ۔(بخاری شریف، باب ھل یأ خذ الامام اذا شک بقول الناس؟ ص ۹۹،نمبر ۷۱۴/ابوداود شریف، باب السھو فی السجدتین ،ص ۱۵۳،نمبر ۱۰۰۸)اس حدیث میں ہے کہ بات کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بات کرنے سے یا اصلاح کے لئے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔(۳)ان کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔عن عبد اللہ قال صلی رسول اللہ ﷺ فزاد او نقص قال ابراھیم الوھم منی فقیل یا رسول اللہ انہ ازید فی الصلوۃ شیء ؟ فقال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین وھو جالس ثم تحول رسول اللہ فسجد سجدتین (مسلم شریف، فصل من صلی خمسا اونحوہ فلیسجد سجدتین وکلام الناس للصلوۃ والذی یظن انہ لیس فیھا لا یبطلھا ص ۲۱۳ نمبر ۱۲۸۵/۵۷۲/ترمذی شریف ، باب ما جاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام ص ۹۰ نمبر ۳۹۳)اس حدیث میں اصلاح نماز کے لئے یا بھول کر آپ نے کلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی ہے اس لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر یا اصلاح نماز کے لئے کلام کیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ھمارا جواب :ہم کہتے ہیں کہ خود ترمذی اور مسلم نے باب باندھ کر بتایا ہے کہ کلام کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے چاہے جیسا بھی

۲؎ ولنا قوله عليه السلام ان صلاتنا هٰذه لايصلح فيها شئ من كلام الناس وانما هى التسبيح والتهليل وقراء ة القراٰن ۳؎ وما رواه محمول علىٰ رفع الاثم ۴؎ بخلاف السلام ساهيا لانه من الاذكار فيعتبر ذكرا فى حالة النسيان وكلامًا فى حالة التعمد لما فيه ,كاف، الخطاب

ہو۔اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا السلام عليكم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة الله واشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام تؤمون بايديكم كانها اذناب خيل شمس انما يكفى احدكم اى يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه و شماله ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنہی عن الاشارۃ بیدہ الخ ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۱ /۹۷۰ /ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے ۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول: کہ ہماری یہ نماز انسان کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی ،نماز صرف تسبیح تھلیل ،اور قرأت قرآن کا نام ہے۔۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی ۔عن معاوية بن حكم السلمى قال بينا انا اصلى مع رسول الله ﷺ ... ثم قال ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷ /۱۱۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی ۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کے نہ ہونے پر محمول ہے۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی تھی جس میں تھا کہ میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ہے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خطاء اور نسیان کی سزا نہیں ہوگی اور اسکا گناہ نہیں ہوگا، لیکن دنیا میں اسکا اثر ہوگا،اور غلطی سے کسی نے نماز میں بات کی یا بھول کر کسی نے بات کی تو نماز ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ حدیث میں یہی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف بھول کر سلام کے اسلئے کہ وہ ذکر میں سے ہے،اسلئے بھول کی حالت میں سلام کو ذکر سمجھا جائے گا اور جان کر سلام کرنے کی حالت میں اسکو کلام سمجھا جائے گا ،اسلئے کہ ,اسلام علیکم، میں ,کم ،خطاب کا صیغہ ہے۔

تشریح : یہ ایک مسئلے کی وضاحت ہے۔مسئلہ نمبر ۳۹۳ میں گزرا کہ سلام سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے درمیان السلام علیکم ، جان کر کہے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر بھول کر ,السلام علیکم ، کہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔ پس اگر یہ کلام ہے تو جان کر اور بھول کر دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہونی چاہئے ،اور اگر ذکر ہے تو جان کر بولنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے ۔اسلئے اسکی

(۴۰۲) فان اَنَّ فیھا اوتاوّہ اوبکی فارتفع بکاؤہ فان کان من ذکر الجنۃ اوالنار لم یقطعھا ﴾ لانہ یدل علیٰ زیادۃ الخشوع وان کان من وجع اومصیبۃ قطعھا﴾

وضاحت فرماتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی ،التحیات میں ہے اسلئے یہ ذکر ہے، اسلئے بھول کرنماز میں بولے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔اوراس میں کم ،کا صیغہ بھی ہے جوانسان سے خطاب ہے اسلئے جانکر بولے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی ،اس وقت یہ انسانی کلام کے مشابہ ہوجائے گا۔

وجہ : حدیث میں یہ بھی ہے کہ نماز میں سلام کرنے سے منع فرمایا، حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال : لا غرار فی الصلوۃ و لا تسلیم . (ابوداود شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ، ص۱۴۱، نمبر ۹۲۸) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں سلام نہیں ہے، اس حدیث کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر جان کر سلام کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔اورحدیث میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نماز ہی میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔حدیث یہ ہے۔ عن صھیب انہ قال : مررت برسول اللہ ﷺ و ھو یصلی فسلمتُ علیہ ، فرد اشارۃ ، قال : و لا أعلمہ الا قال اشارۃ باصبعہ ، و ھذا لفظ حدیث قتیبۃ ۔(ابوداود شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ، ص۱۴۱، نمبر ۹۲۸) اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اشارے سے سلام کا جواب دیتے تھے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ بھول کر سلام کردیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔سلام کے بارے میں حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل فرمایا۔

لغت: تکلم: کلام سے مشتق ہے، جس آواز میں حرف ہواوراس سے کوئی مراد سمجھ میں آتی ہوتو اسکو کلام کہتے ہیں۔بعض مرتبہ ایک حرف کا بھی کلام ہوجاتا ہے جیسے ،ق، بچو، اس سے بچنے کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے اسلئے یہ بھی کلام ہے۔ عامداً: جان کر۔ساھیاً: سہو سے مشتق ہے، بھول کر کلام کرنا خطاء: غلطی سے ،نسیان : بھول کر۔مفزع : فزع سے مشتق ہے ، پناہ لینے کی جگہ، یہاں مراد ہے استدلال کرنے کی چیز۔اثم: گناہ۔

ترجمہ: (۴۰۲) اگرنماز میں کوئی کراہا، یا آہ کیا، یا رودیا اوراسکا رونا بلند ہوا، پس اگر یہ جنت یا جہنم کے ذکر سے ہوا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اسلئے کہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔اوراگر کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہوا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

تشریح : نماز میں کراہنا، یا آہ، آہ کرنا، یا رونا اگر آہستہ سے ہے جس میں آواز نہ نکلے اورحروف پیدا نہ ہوتو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔کیونکہ بات کرنے سے اور حروف پیدا ہونے سے نماز ٹوٹتی ہے اس سے پہلے نہیں۔اسکی دلیل مسئلہ نمبر ۴۰۱ میں گزر چکی ہے ۔اوراگر ایسی آواز نکلی جس میں حروف بھی پیدا ہوگئے۔پس اگر رونے کی وجہ سے یہ آواز جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہوئی ہے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ نماز میں خشوع اور خضوع بہت زیادہ ہوا جسکی وجہ سے آدمی رو پڑا، اور نماز میں خشوع خضوع مطلوب ہے اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی۔اوراگر درد اور مصیبت کی وجہ سے رویا اورآواز اورحروف نکل گئے تو نماز ٹوٹ

ل لان فیه اظهار الجزع والتاسف فکان من کلام الناس

جائے گی۔

وجـــه : (ا) آیت میں ہے کہ مومن کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے رو پڑتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ سجدے میں خشوع سے رو پڑے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ آیت یہ ہے۔ اذا تتلی علیهم آیات الرحمن خروا سجداً و بکیاً ۔(آیت نمبر ۵۸، سورۃ مریم ۱۹)(۲) حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز میں رویا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن مطرف عن ابیه قال رأیتُ رسول الله ﷺ یصلی و فی صدره أزیز کأزیر الرحی من البکاء ﷺ . (ابو داود شریف، باب البکاء فی الصلوۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۹۰۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نماز میں رویا کرتے تھے اور یہ جنت یا جہنم کی یاد سے رونا ہوتا تھا اسلئے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تھی۔ (۳) حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ نماز میں اتنا روئیں گے کے لوگ اسکی قرأت بھی نہ سن سکیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشة ام المومنین ....قالت عائشة : قلتُ ان ابا بکر اذا قام فی مقامک لم یسمع الناس من البکاء فمر عمر فلیصل . (بخاری شریف، ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع، ص ۱۲۵۵، نمبر ۷۳۰۲) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر اتنے روئیں گے کے لوگ انکی قرأت بھی نہ سن پائیں گے، اور یہ خشوع کی وجہ سے تھا اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی (۵) اس حدیث میں ہے کہ نماز کسوف میں خوف خدا سے اُف اُف نکل گیا پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال : انکسفت الشمس علی عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ لم یکد یرکع ....ثم نفخ فی آخر سجوده فقال ((أف أف))(ابوداود شریف، باب من قال یرکع رکعتین [فی صلوۃ الکسوف] ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ اُف اُف ، کہا لیکن چونکہ یہ آواز خوف خدا کی وجہ سے تھی اسلئے اس سے نماز نہیں ٹوٹی۔

اور درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا اور آواز نکل گئی اور حروف بھی نکل گئے تو یہ بات اور کلام کے درجے میں ہے اس لئے اس سے نماز ٹوٹ جائے گی، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

تـــرجـــمـــه : ل اسلئے کہ اس میں گھبراہٹ اور افسوس کا اظہار کرنا ہے تو یہ کلام الناس میں سے ہو گیا۔ [اسلئے اس سے نماز ٹوٹ جائے گی]

تشریح : یعنی اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا اور آواز نکل گئی اور اس میں حروف بھی نکل گئے تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اب دوبارہ شروع سے نماز پڑھے۔ اس لئے کہ یہ انسانی کلام ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ انسانی کلام سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

۲ وعن ابی یوسفؒ ان قولہ اٰہ لم یفسد فی الحالین واوہ یفسد وقیل الاصل عندہ ان الکلمة اذا اشتملت علیٰ حرفین وھما زائدتان اواحداھما لاتفسدوان کانتا اصلیتین تفسد ۳ وحروف الزوائد جمعوھا فی قولھم, الیوم تنساہ، ۴ وھذا لایقوی لان کلام الناس فی متفاھم العرف یتبع وجود حروف الھجاء وافھام المعنی ویتحقق ذٰلک فی حروف کلھا زوائد

ترجمہ: ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ آدمی کا قول ,اٰہ، سے دونوں حالتوں [یعنی خشوع کی حالت اور مصیبت کی حالت] میں نماز نہیں ٹوٹے گی۔اور ,اوہ، سے نماز فاسد ہو جائے گی۔۔کہا گیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اصل قاعدہ یہ ہے کہ جملہ اگر دو حروف کا ہو اور دونوں حروف زوائد ہوں، یا دونوں میں سے ایک حرف زائد ہو اور ایک حرف صحیح ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور اگر جملہ کا دونوں حروف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ قاعدہ بیان کیا جاتا ہے کہ [۱] اگر جملہ دو حروف کا ہو اور دونوں حروف زائد ہوں [۲] یا ایک حرف زائد ہو اور ایک حرف اصلی ہو تو نماز میں اس جملے کے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی [۳] اور جملے کے دونوں حروف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی [۴] اور اگر جملہ تین حروف کا ہو چاہے وہ اصلی ہو یا زائد ہو تو اس کے نکلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔اسکی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ۔کلام عرب میں تین حروف سے جملہ بنتا ہے، اسلئے تین حروف زائد ہوں یا اصلی اس سے جملہ بن جائے گا اور نماز میں اسکے نکلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔اور دو حروف اصلی ہوں تو بھی تین حروف کے درجے میں ہیں اسلئے انکے نکلنے سے بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔اور دونوں حروف زائد ہوں یا ایک حرف زائد اور ایک حرف اصلی ہو تو چونکہ زائد کا اعتبار نہیں ہے اسلئے جملہ نہیں بنا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔اس قاعدے کے اعتبار سے ,اٰہ، میں دو حروف ہیں اور دونوں حروف زائد ہیں اسلئے جملہ نہیں بنا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی،اور ,اوہ، میں تین حروف ہیں اگر چہ وہ تینوں حروف زائد ہیں مگر ان سے جملہ بن گیا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۳ حروف زوائد کو جمع کیا لوگوں کا قول ,الیوم تنساہ ، میں۔

تشریح : جن حروف سے کلام عرب کے جملے بنتے ہیں ان حروف میں سے دس حرفوں کو زوائد کہتے ہیں، اور باقی حروف اصلی ہیں، ان دس حرفوں کو اوپر کا جملہ , الیوم تنساہ، میں جمع کر دیا گیا ہے وہ حروف یہ ہیں ,اُ،ل،ی،و،م،ت،ن،س،ا،ہ،۔ان دس حرفوں کو حروف زوائد کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۴ لیکن یہ قاعدہ کوئی مضبوط نہیں ہے، اسلئے کہ لوگوں کا کلام عرف میں تابع ہے حروف ھجاء کے پائے جانے میں اور معنی کے سمجھنے میں، اور یہ تمام حروف زوائد ہوں تب بھی متحقق ہو جائے گا۔

(۴۰۳) وان تنحنح بغير عذر﴿بان لم يكن مدفوعًا اليه وحصل به الحروف ينبغي ان يفسد عندهما وان كان بعذر فهو عفو كالعطاس والجشاء﴾اذا حصل به حروف

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے جو قاعدہ بیان فرمایا اسکے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ مضبوط نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام الناس دو باتوں سے بنتا ہے[۱] ایک تو یہ کہ ھجے والے حروف ہوں یعنی الف، ب، ت، وغیرہ حروف ہوں اور[۲] دوسری بات یہ ہے کہ اس سے کوئی مفہوم سمجھ میں آتا ہو تب اسکو کلام الناس کہیں گے چاہے تمام حروف حروف زوائد ہوں یا زوائد نہ ہوں ، چنانچہ کسی نے نماز میں الیوم تنساہ ، کہا، اب اس میں تمام حروف زوائد ہیں لیکن اس میں مبتداء اور خبر ہے اور پورا جملہ ہے اور اسکا معنی بھی سمجھ میں آتا ہے اسلئے یہ کلام الناس ہوجائیگا اور نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

صاحب نہایہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے یہ فرمایا ہے کہ جملہ دو حروف سے زائد کا ہو تو تمام حروف زوائد ہوں تب بھی جملہ پورا ہوجاتا ہے اور اس سے نماز فاسد ہوجائے گی ، اور الیوم تنساہ ، میں تو تین حروف سے زائد ہیں اسلئے اس سے بدرجہ اولی جملہ پورا ہوجائے گا اسلئے صاحب ھدایہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

لغت : انّ: انین سے مشتق ہے، رونا۔ تاوّہ: اوہ، اوہ، کرنا۔ وجع: درد۔ الیوم تنساہ: آج تم اسکو بھول چکے ہو۔ حروف الھجاء: ا، ب، ت، ث، وغیرہ تمام حروف کو حروف ھجاء کہتے ہیں، جن سے جملے بنتے ہیں۔

ترجمہ: (۴۰۳) اگر بغیر عذر کے کھنکھارا۔ حالانکہ اسکو کھنکھارنے کی مجبوری نہیں تھی، اور اس سے حروف پیدا ہوگئے تو مناسب یہ ہے کہ امام محمد اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے۔ اور اگر عذر کی وجہ سے ہو تو وہ معاف ہے۔ جیسے چھینکنے اور ڈکار سے حروف پیدا ہوجائے تو معاف ہے۔

تشریح : عذر کی وجہ سے کھنکھارا تو تینوں اماموں کے نزدیک اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، وہ معاف ہے، جس طرح چھینک آجائے اور اس سے حروف پیدا ہوجائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، یا ڈکار آجائے اور اس سے آواز پیدا ہوجائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر کھنکھارنے کی مجبوری نہیں تھی، اور نہ اسکی ضرورت تھی پھر بھی کھنکھار لیا اور آواز پیدا ہوگئی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فاسد ہوجائے۔

وجہ : (۱) مجبوری کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال : انكسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ لم يكد يركع ....ثم نفخ في آخر سجوده فقال ((أف أف)) (ابو داود شریف، باب من قال یرکع رکعتین [فی صلوۃ الکسوف] ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے نماز میں پھونک ماری لیکن یہ مجبوری کی وجہ سے تھی اسلئے نماز فاسد نہیں ہوئی اسی پر قیاس کرتے ہوئے مجبوری کے درجے

(۴۰۴) ومن عطس فقال لهٗ اٰخر یرحمک اللّٰہ وھو فی الصلوٰۃ فسدت صلاتہ﴾ ۱؎ لانه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامھم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمدللّٰہ علی ماقالوا لانہ لم یتعارف جوابًا

میں کھنکھارا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور بغیر مجبوری کے ہو تو یہ بات اور کلام کے درجے میں ہے اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اثر یہ ہے. سمع ابن عباس یقول : من نفخ فی الصلوۃ فقد تکلم ۔(مصنف عبد الرزاق، باب النفخ فی الصلوۃ، ج ثانی ،ص ۱۸۹، نمبر ۳۰۱۷ رسنن بیہقی، باب ما جاء فی النفخ فی موضع السجود، ج ثانی ،ص ۳۵۸، نمبر ۳۳۶۴)اس اثر میں ہے کہ نماز میں پھونک مارنا کلام کرنے کی طرح ہے یعنی جس طرح کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح پھونک مارنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی ،اور کھنکھارنا بھی پھونک مارنے کی طرح ہے اسلئے اگر بغیر مجبوری کے کھنکھارنے سے بھی حروف اور آواز نکل جائے جس سے کوئی بات سمجھ میں آتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ، کیونکہ بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

لغت: تنحنح : کھنکھارنا۔ عطاس: عطس سے مشتق ہے، چھینکنا، یا چھینکنے کا جواب دینا۔ جشاء: ڈکار مارنا۔

ترجمه: (۴۰۴) کسی کو چھینک آئی تو دوسرے نے اسکو یرحمک اللہ، کہا، اور وہ نماز میں تھا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح :۔کسی کو چھینک آئی تو دوسرے نے مخاطب کے صیغے کے ساتھ ،یرحمک اللہ، کہا تو چونکہ اس میں خطاب کا صیغہ ہے اسلئے یہ جواب ہو گیا یہ ذکر نہیں رہا بلکہ کلام الناس ہو گیا اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر ،ک، خطاب کا صیغہ نہیں ہوتا بلکہ صرف الحمدللہ ہوتا تو چونکہ وہ خطاب کا صیغہ نہیں ہے اور کلام الناس نہیں ہے اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجه : (۱)عن معاویة بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ اذ عطش رجل من القوم ، فقلت : یرحمک الله ! فرمانی القوم بأبصارھم ... قال ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس انما ھو التسبیح و التکبیر وقراء ۃ القرآنَ (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷ / ۱۱۹۹ رابوداود شریف، باب تشمیت العاطش فی الصلوۃ ص ۱۴۲، نمبر ۹۳۰) اس حدیث میں یرحمک اللہ ،ک، خطاب کے ذریعہ سے چھینک کا جواب دیا تو صحابہ نے اسکا انکار کیا اور گھور کر دیکھنے لگے ، اور حضورؐ نے اسکو کلام شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ ذکر کی چیز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خطاب کے ساتھ چھینک کا جواب دیا تو نماز فاسد ہوگی، اور ،ک، خطاب کے ساتھ جواب نہیں دیا تو اس جملے کو ذکر پر محمول کر کے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ خطاب کا جملہ ہو تو وہ لوگوں کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے۔ بخلاف جبکہ چھینک کے جواب دینے والے

(۴۰۵) وان استفتح ففتح عليه فى صلاته ﴿ ل تفسد ومعناه ان يفتح المصلى علىٰ غير امامه لانه تعليم وتعلم فكان من كلام الناس

مصلی نے، یا سننے والے مصلی نے صرف الحمد للہ، کہا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ جواب کے طور پر متعارف نہیں ہے [اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی]

تشریح: یرحمک اللہ، ک، خطاب کے ساتھ کہا تو یہ لوگوں کے ساتھ گفتگو ہے اسلئے یہ کلام الناس ہو گیا اسلئے نماز میں کہنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر بغیر ک، خطاب کے کہا تو یہ لوگوں میں جواب کے طور پر متعارف نہیں ہے اسلئے یہ ذکر ہو گیا، کلام الناس نہیں ہوا اسلئے نماز میں کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۴۰۵) اگر اپنے امام کے علاوہ نے لقمہ مانگا اور اسکو اسکی نماز میں لقمہ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح: کوئی آدمی نماز میں قرأت بھول گیا اور بار بار دہرانے سے بھی آیت یاد نہیں آرہی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چاہ رہا ہے کہ کوئی آدمی مجھے یہ آیت بتلائے، جسکو لقمہ مانگنا کہتے ہیں، اب دوسرا آدمی جو اسکا مقتدی نہیں تھا اسکو لقمہ دے دیا، تو جس نے لقمہ دیا اسکی بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اور جس نے لقمہ قبول کیا اسکی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا تعلیم اور تعلم ہے، اور کلام کے درجے میں ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسلئے لقمہ دینے اور لقمہ لینے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز اسلئے فاسد نہیں ہوگی کہ اگر لقمہ نہیں دیگا تو خود مقتدی کی نماز خراب ہوگی اب اپنی نماز کو خرابی سے بچانے کے لئے لقمہ دینے کی گنجائش دی گئی ہے وہ بھی مجبوری کے درجے میں (۲)۔ عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ : يا على ! لا تفتح على الامام فى الصلوة ۔ (ابوداود شریف، باب النھی عن التلقین، ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت نہ ہو تو لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ (۳) أن عليا قال : لا تفتح على الامام قوم و هو يقرأ فانه كلام ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی، ص ۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقمہ دینا کلام کرنے کے درجے میں ہے اسلئے بلا ضرورت لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ اسی طرح اگر اپنا امام نہ ہو تب بھی لقمہ نہیں دینا چاہئے، کیونکہ دوسرے امام سے بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ترجمه: ل اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ نمازی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دے [تو نماز فاسد ہوگی] اسلئے کہ یہ تعلیم لینا اور تعلیم دینا ہے تو یہ لوگوں کا کلام ہو گیا [اسلئے نماز فاسد ہوگی]

تشریح: چونکہ آگے کی عبارت میں آرہا ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دینا جائز ہے، اسلئے متن کی مطلق عبارت کو مقید کر دیا کہ اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے میں نماز فاسد ہوگی۔ اسلئے کہ وہ کلام کے درجے میں ہے اور تعلیم دینا اور آیت کا تعلیم لینا ہے۔

۲ ثم شرط التکرار فی الاصل لانہ لیس من اعمال الصلوٰۃ فیعفی القلیل منہ ولم یشترط فی الجامع الصغیر لان الکلام بنفسہٖ قاطع وان قلَّ (۴۰۶) وان فتح علیٰ امامہٖ لم یکن کلامًا استحسانًا ۱ لانہ مضطر الیٰ اصلاح صلوتہ فکان ھٰذا من اعمال صلاتہ معنی

ترجمہ: ۲ پھر مبسوط میں تکرار کی شرط ہے، اسلئے کہ نماز کے اعمال میں سے ہے اسلئے تھوڑا معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں تکرار کی شرط نہیں ہے، اسلئے کہ کلام خود نماز کو توڑنے والا ہے چاہے کم ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح : یہاں سے امام محمدؒ کی کتاب مبسوط اور جامع صغیر کی عبارت میں فرق بیان کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں فرمایا کہ لقمہ دینے والا ایک بار لقمہ دے گا تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ کئی بار دے گا تب نماز فاسد ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا ایک عمل ہے جو عمل
صلوۃ میں سے نہیں ہے، اور فعل اور عمل کا قاعدہ یہ ہے کہ اسکا تکرار ہوگا تب جاکر عمل کثیر ہوگا اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہوگی، اور ایک مرتبہ لقمہ دینے سے عمل کثیر نہیں ہوا اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تھوڑے عمل کو معاف قرار دیا گیا ہے۔
اور جامع صغیر میں تکرار کی شرط نہیں ہے۔ اسکی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ أو استفتح ففتح علیہ فی صلوتہ أو اجاب رجلا فی الصلاۃ بلا الہ الا اللہ فھذا کلام۔ (جامع صغیر، باب مایفسد الصلوۃ، ومالا یفسدہ، ص ۹۳) اس عبارت میں ہے کہ ایک مرتبہ بھی لقمہ دیا تو وہ کلام کے درجے میں ہے اور تھوڑے کلام سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اسلئے ایک مرتبہ بھی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر اس نے اس لقمہ کو قبول کیا تو اسکی بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔۔ حاصل یہ ہے کہ لقمہ دینا مبسوط میں عمل کے درجے میں ہے اور جامع صغیر میں کلام کے درجے میں ہے۔

لغت : استفتح: لقمہ مانگا۔ فتح: لقمہ دیا، آیت یاد دلایا۔

ترجمہ : (۴۰۶) اور اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو استحسان کے طور پر یہ کلام نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ اپنی نماز کی اصلاح کرنے میں مجبور ہے، اسلئے یہ معنوی طور پر اپنی ہی نماز کا عمل ہے۔

تشریح : اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے کیونکہ لقمہ دینا کلام کے درجے میں ہے، لیکن استحسان کے طور پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کو لقمہ دے کر نماز درست کرائے گا تو خود مقتدی کی بھی نماز درست ہوجائے گی ورنہ تو اسکی نماز بھی خراب ہوگی اسلئے لقمہ دینا گویا کہ اپنی نماز کو ٹھیک رکھنا ہے اسلئے اپنی ہی نماز کی اصلاح ہوئی جسکے لئے یہ مجبور ہے اسلئے کلام ہونے کے

(۴۰۷) وينوى الفتح علىٰ امامه دون القراءة ﴾ ل هو الصحيح لانه مرخص فيه وقراءته ممنوع عنها (۴۰۸) ولو كان الامام انتقل الىٰ اٰية اخرىٰ تفسد صلوٰة الفاتح وتفسد صلوٰة الامام لو اخذ ﴾ ل بقوله لوجود التلقين والتلقُنِ من غير ضرورة

باوجود نماز نہیں ٹوٹے گی۔(۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن المسور بن يزيد المالكى أن رسول الله ﷺ ـ قال يحى ـ و ربما قال: شهدت رسول الله ﷺ يقرأ فى الصلوة فترك شيئاً لم يقرأه ، فقال له رجل : يا رسول الله! تركت آية كذا و كذا فقال رسول الله ﷺ :هلا ذكرتنيها ۔(ابوداود شریف، باب الفتح علی الامام فی الصلوۃ، ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا امام بھول جائے تو اسکو لقمہ دیا جا سکتا ہے۔(۳) اثر میں ہے کہ لقمہ مانگے تو لقمہ دے۔ عن ابى عبد الرحمن السلمى قال : اذا استطعمكم فأطعموه ، يقول اذا تعايا فردوا عليه. (مصنف عبد الرزاق ، باب تلقية الامام ، ج ثانی ، ص ۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱ رسنن بیھقی ، باب اذا حصر الامام لقن ، ج ثالث ، ص ۳۰۰، نمبر ۵۷۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقمہ مانگے تو لقمہ دے ورنہ نہیں کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے اسلئے بلاضرورت اسکا ارتکاب نہ کرے۔ یہ اپنی نماز کی اصلاح کے لئے اتنی بھی گنجائش دے دی گئی ہے۔

ترجمہ: (۴۰۷) اور اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے۔

ترجمہ : ل یہی صحیح ہے، اسلئے کہ لقمہ دینے کی رخصت ہے اور قرأت تو ممنوع ہے۔

تشریح : لقمہ دینے والا لقمہ دینے کی نیت کرے اسلئے کہ حدیث میں لقمہ دینے کی اجازت ہے، قرأت کرنے کی نیت نہ کرے کیونکہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تفصیل قرأت خلف الامام کی بحث میں گزر گئی۔

ترجمہ: (۴۰۸) اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امام نے لقمہ دینے والے کی آیت کو لی تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ل بغیر ضرورت کے مقتدی کے تلقین کرنے اور امام کے تلقین لینے کی وجہ سے۔

تشریح : امام آیت پڑھنے میں اٹک گیا لیکن لقمہ دینے سے پہلے دوسری آیت شروع کر دی، یا رکوع میں جانے لگا، اسکے بعد کسی نے لقمہ دیا تو اب لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اب امام نے لقمہ والی آیت کو لے لیا تو امام کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا حقیقت میں بات کرنا ہے لیکن اپنی نماز کی اصلاح کے لئے ضرورت کے موقع پر اسکی اجازت دی گئی تھی، لیکن جب دوسری آیت شروع کر دی تو اب لقمہ کی ضرورت نہیں، اسلئے اب لقمہ دینا کلام ہوگا اور تعلیم اور تعلم ہوگا اسلئے اب

۲ وينبغي للمقتدى ان لايعجّل بالفتح ۳ وللامام ان لايلجئهم اليه بل يركع اذا جاء اوانه اوينتقل الى اٰية اخرى (۴۰۹) فلواجاب فى الصلوٰة رجلا بلا اله الاالله فهٰذا كلام مفسد عند ابى حنيفة ومحمدٌ وقال ابويسفؒ لايكون مفسدا۞

اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔اوردوسری آیت کی طرف منتقل ہونے سے امام کوبھی لقمہ لینے کی ضرورت نہیں رہی اسلئے اب لقمہ لینے سے اسکی نماز فاسد ہوجائے گی۔(۲)اثر میں ہے. عن ابن مسعود قال : اذا تعاى الامام فلا تردد عليه فانه كلام .(مصنف عبدالرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی،ص۱۴۲،نمبر۲۸۲۳)اس اثر میں ہے کہ امام آیت پڑھنے سے رک جائے تو اسکو گھما پھرا کر لقمہ دینے کی کوشش مت کرواسلئے کہ وہ کلام کے درجے میں ہےاور کلام سے نماز فاسد ہوتی ہےاسلئے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ : دوسری روایت یہ ہے کہ دوسری آیت کی طرف چلا گیا ہو پھر بھی اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔البتہ اب لقمہ دینا مکروہ ہے۔اثر یہ ہے۔عن ابراهيم قال : كانوا يكرهون أن يفتحوا على الامام قال و قال مغيرة عن ابراهيم : اذا ترددت فى الآية فجاوزها الى غيرها . (مصنف عبدالرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی،ص۱۴۲، نمبر۲۸۲۴) اس آیت میں ہے کہ دوسری آیت کی طرف چلا گیا ہو تو اب لقمہ دینا مکروہ سمجھتے تھے۔

ترجمه : ۲ مقتدی کے لئے مناسب ہے کہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے۔

تشریح : امام بھول جائے تو لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ ضرورت پڑنے پر لقمہ مانگے تب لقمہ دے۔اوپر گزر چکا ہے کہ لقمہ مانگے تب لقمہ دے ۔عن ابی عبد الرحمن السلمي قال : اذا استطعمكم فأطعموه ، يقول اذا تعايا فردوا عليه. (مصنف عبدالرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی،ص ۱۴۱،نمبر۲۸۲۱رسنن بیہقی ، باب اذا حصر الامام لقن ، ج ثالث،ص ۳۰۰،نمبر ۵۷۹۲مصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر۴۷۹۴)اس اثر میں ہے کہ لقمہ مانگے تب لقمہ دو،اسلئے لقمہ دینے میں جلدی نہ کرو۔

ترجمه : ۳ اور امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ اگر وقت ہوگیا ہو[یعنی فرض قرأت کی مقدار پڑھ لیا ہو تو] رکوع کرلے، یا دوسری آیت کی طرف منتقل ہوجائے۔

تشریح : اگر فرض قرأت یعنی تین چھوٹی آیتیں، یا ایک بڑی آیت پڑھ چکا ہو تو اب رکوع کا وقت آگیا ہے اسلئے رکوع میں چلا جائے اور مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے، یا دوسری آیت شروع کردے تاکہ لقمہ دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

ترجمه : (۴۰۹) کسی آدمی نے نماز میں ,لا الہ الا اللہ، کے ذریعہ جواب دیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ نماز کو توڑنے والا کلام ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے۔

ل وهذا الخلاف فيما اذا ارادبه جوابه. ٢ له انه ثناء بصيغته فلا يتغير بعزيمته ٣ ولهما انه اخرج الكلام مخرج الجواب وهو يحتمله فيجعل جوابًا كالتشميت والاسترجاع على الخلاف فى الصحيح

ترجمه : ل یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس جملے سے جواب کی نیت ہو۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اللہ کا ذکر جواب کے طور پر کہا تو ذکر ہی شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد نہیں ہوگی، یا جواب اور کلام الناس شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ اب، لا الہ الا اللہ، ذکر کے طور پر ہو تو کسی کے یہاں بھی اس کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟ تو اسکے جواب میں ,لا الہ الا اللہ، کہا تو یہ سوال کے جواب کے طور پر ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اگر چہ ذکر ہے لیکن جواب کا بھی احتمال ہے ، اور جواب ہی کی نیت سے بولا ہے اسلئے جواب پر محمول کیا جائے گا، اسلئے یہ کلام الناس ہو گیا اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔

وجہ : (۱) جس طرح آیت قرآنی لقمہ دینے کے لئے نہ پڑھے بلکہ جب لقمہ کی ضرورت نہ ہو تب پڑھے تو کلام الناس کی وجہ سے اور تعلیم اور تعلم کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح ذکر جواب کے طور پر کرے تو کلام الناس ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٢ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ صیغے کے اعتبار سے اللہ کی تعریف ہے اسلئے مصلی کے ارادے کی وجہ سے اسکی حقیقت نہیں بدلے گی۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ,لا الہ الا اللہ، صیغے کے اعتبار سے اللہ کی تعریف ہے اسلئے صرف نیت کی وجہ سے اسکی حقیقت نہیں بدلے گی، وہ ذکر ہی رہے گا اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٣ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ,لا الہ الا اللہ، کلام ہے اسلئے کہ وہ جواب کی جگہ پر دیا ہے، اور جواب کا احتمال بھی رکھتا ہے اسلئے جواب ہی کر دیا جائے گا [اور نماز فاسد ہو جائے گی] جیسے کہ چھینک کے جواب دینے سے اور انا للہ وانا الیہ راجعون، کے کہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف ہے۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ,لا الہ الا اللہ ، یہاں جواب کے طور پر واقع ہوا ہے اور جواب بننے کی صلاحیت بھی ہے اسلئے اسکو جواب ہی شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ جس طرح چھینک کے جواب میں ,یرحمک اللہ، کہہ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا تو اسکے جواب میں نماز ہی میں کہا ,انا للہ و انا الیہ راجعون ،تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ بھی جواب کے طور پر ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان

(۴۱۰) وان ارادبه اعلامه انه فی الصلوۃ لم تفسد بالاجماع ﴾ لـ لقوله علیه السلام اذا نابت احدکم نائبة فی الصلوۃ فلیسبّح (۴۱۱) ومن صلّی رکعة من الظھر ثم افتتح العصر او التطوع فقد نقض الظھر﴾ لـ لانه صح شروعه فی غیره فیخرج عنه

جملوں کو بھی جواب کے طور پر کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ ذکر ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۴۱۰) اور اگر ان ذکروں کے کہنے سے اس بات کی اطلاع مقصود ہو کہ مصلی نماز میں ہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہو گی۔

ترجمہ: لـ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جب تمکو نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو تسبیح پڑھ کر اطلاع دو۔

تشریح: لا الہ الا اللہ، یا کوئی ذکر اس لئے زور سے بولا کہ سامنے والے کو بتائے کہ میں نماز میں ہوں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں انسان سے خطاب نہیں ہے، اور کسی کا جواب بھی نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی اطلاع ہے کہ میں ابھی نماز میں ہوں، اسلئے یہ اصل کے اعتبار سے ذکر پر ہی رہے گا اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔(۲) حدیث میں ہے کہ اگر نماز میں کوئی واقعہ پیش آجائے تو تسبیح پڑھ کر اطلاع دو کہ میں نماز میں ہوں۔ حدیث یہ ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سھل ابن سعد الساعدی : أن رسول اللہ ﷺ ذھب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینھم .....من رابه شیء فی صلوته فلیسبح فانه اذا سبح التفت الیه و انما التصفیق للنساء . (بخاری شریف، باب من دخل لیؤم الناس الخ، ص ۹۵، نمبر ۶۸۴ رمسلم شریف، باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم، ص ۱۷۹، نمبر ۴۲۱/۹۴۹) اس حدیث میں ہے کہ تسبیح پڑھ کر اطلاع دے کہ میں نماز میں ہوں اسلئے تسبیح پڑھ کر اطلاع دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۴۱۱) کسی نے مثلا ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر شروع کر دی، یا نفل شروع کر دی تو ظہر کی نماز ٹوٹ گئی

ترجمہ: لـ اسلئے کہ جب دوسرے کو شروع کرنا صحیح ہوا تو پہلی نماز سے نکل گیا۔

تشریح: کسی نے مثلا ظہر کی نماز شروع کی، ایک رکعت پڑھی تھی اسکے بعد اسکو چھوڑ کر عصر کی نماز شروع کر لی تو جب عصر کی نماز میں داخل ہو گیا تو ظہر کی ایک رکعت باطل ہو جائے گی،۔

وجہ: (۱) کیونکہ اسکو چھوڑ کر دوسری نماز شروع کر دی تو دوسری نماز میں داخل ہونا اس وقت شمار کیا جائے گا جب پہلی نماز سے نکل جائے، اسلئے پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔(۲) اس حدیث میں اسکا اشارہ موجود ہے. کان معاذ یصلی مع النبی ﷺ ثم یرجع فیؤمنا ....ثم جاء یؤم قومه فقرأ البقرة ، فاعتزل رجل من القوم فصلی ، فقیل نافقت یا فلان ! ۔(ابوداود

(٤١٢) ولو افتتح الظهر بعد ما صلى منها فهي هي ويجتزئ بتلك الركعة﴾ ١ لانه نوى الشروع في عين ما هو فيه فلغت نيته وبقي المنوى علىٰ حاله (٤١٣) واذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلاته عند ابي حنيفة﴾

شریف، باب تخفیف الصلوۃ، ص۱۲۳، نمبر ۷۰۹) اس حدیث میں ایک صحابی نماز سے نکل گئے، جس سے معلوم ہوا کہ آدمی نماز سے بالکل نکل جائے تو وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: (۴۱۲) کسی نے ظہر کی ایک رکعت شروع کرنے کے بعد پھر ظہر ہی کو شروع کیا تو وہ پہلی ہی ظہر ہے، اور وہ رکعت شمار کی جائے گی۔

تشریح: کسی نے مثلا ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر دوبارہ اسی ظہر کو شروع کیا اور درمیان میں نماز توڑنے والی حرکت نہیں کی تو پہلی نماز باطل نہیں ہوگی اور جو ایک رکعت پڑھی ہے وہ باقی رہے گی اب اسی پر بناء کر کے تین رکعت اور پڑھ لے، اور درمیان میں جو اگلی نماز کی نیت کی ہے وہ بیکار ہوگی اسکا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اسلئے کہ جب پہلی ہی نماز دوبارہ شروع کی تو پہلی ہی نماز ہوئی اسلئے پہلی نماز باقی رہے گی۔ اور درمیان کی نیت بیکار ہو گی۔ (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے (۲) **عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ انصرف من اثنتين ، فقال له ذو اليدين : أقصرت الصلوة أم نسيتَ يا رسول الله ؟ فقال رسول الله ﷺ : أصدق ذو اليدين ؟ فقال الناس : نعم ، فقام رسول الله ﷺ فصلى اثنتين أخريين ، ثم سلم ، ثم كبر ، فسجد مثل سجوده أو اطول** ۔ (بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس؟، ص۹۹، نمبر ۷۱۴/ ابوداود شریف، باب السھو فی السجدتین، ص۱۵۳، نمبر ۱۰۰۸) اس حدیث میں اسی نماز کو دوبارہ شروع فرمایا تو پہلی نماز باقی رہی۔ ۔ درمیان نماز میں بات کی اس سے نماز ٹوٹی یا نہیں اسکی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ اسی کو شروع کیا جس میں پہلے تھا اسلئے اسکی نیت بیکار جائے گی، اور جو پہلے نیت کی وہ باقی رہے گی۔

تشریح: جس نماز کو پہلے شروع کیا تھا اسی نماز کو دوبارہ شروع کیا اسلئے پہلی نماز باقی رہے گی۔ اور درمیان کی نیت لغو ہوگی۔

ترجمہ: (۴۱۳) امام نے قرآن سے دیکھ کر پڑھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز پوری ہوگئی۔

تشریح: امام نے قرآن دیکھ کر قرأت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: اسکی دو وجہ بیان فرماتے ہیں (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پڑھنا اس سے تلقین کرنا ہے، یعنی اس سے لقمہ لینا ہے اور اس

(۴۱۴) وقالا هی تامة ﴾

سے تعلیم اور تعلم کرنا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینا صحیح نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ : یا علی ! لا تفتح علی الامام فی الصلوة ۔ (ابوداود شریف، باب النھی عن التلقین، ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت نہ ہو تو لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ (۲) أن علیا قال : لا تفتح علی الامام قوم و ھو یقرأ فانه کلام۔ (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینة الامام، ج ثانی، ص ۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱) اس اثر میں ہے کہ اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ نہ دے کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے، اور کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اسلئے قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت میں قرآن ہاتھ میں اٹھا کر پڑھے تب بھی نماز فاسد ہو گی، اور قرآن میز پر کھلا ہوا ہو اور پڑھ رہا ہو تب بھی نماز فاسد ہو گی، چاہے عمل کثیر ہو یا نہ ہو۔

(۲) دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن میں نظر کرنا اور اسکے ورقوں کو پلٹنا یہ عمل کثیر ہے، اسلئے عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت میں اگر قرآن میز پر سامنے رکھا ہوا ہو اور انکے ورقوں کو پلٹنا نہ ہو صرف اسکو دیکھ کر قرأت کرے تو نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے۔ (۳) عن رفاعة بن رافع أن رسول الله ﷺ بینما ھو جالس فی المسجد یوماً ....فان کان معک قرآن فاقرأ ، و الا فاحمد الله و کبره و ھلله . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی وصف الصلوة، ص ۶۶، نمبر ۳۰۲) (۴) عن عبد الله بن ابی أوفی قال : جاء رجل الی النبی ﷺ فقال : انی لا أستطیع أن أخذمن القرآن شیئاً فعلمنی ما یجزئنی منه فقال : قل سبحان الله و الحمد لله ۔(ابوداود شریف، باب ما یجزی الامی والاعجمی من القرأة، ص ۱۲۸، نمبر ۸۳۲) ان دونوں حدیثوں میں ہے۔

کہ قرآن زبانی یاد نہ ہو تو الحمد للہ پڑھو اور تکبیر وغیرہ کہہ کر نماز پوری کرو۔ یہاں آیت یاد نہ ہونے کی شکل میں تکبیر وغیرہ کہنے کے لئے کہا یہ نہیں کہا کہ قرآن دیکھ کر پڑھو جس سے معلوم ہوا قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے (۵) پھر قرآن کو دیکھ کر پڑھنا اھل کتاب کی مشابہت ہے، کیونکہ وہ اپنی کتاب یاد نہیں کرتے بلکہ کتاب کو دیکھ کر اپنی نماز میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اثر میں اسکا تذکرہ ہے۔ عن ابراھیم قال : کانوا یکرھون أن یؤمھم و ھو یقرأ فی المصحف ، فیشتبھون بأھل الکتاب . (مصنف عبد الرزاق، باب الامام یقرأ فی المصحف، ج ثانی، ص ۴۱۹، نمبر ۳۹۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا قرآن دیکھکر قرأت پڑھنا اھل کتاب کے مشابہ ہے اور مکروہ ہے۔ (۶) ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو کوئی بھی قرآن یاد نہیں کرے گا اور کوئی بھی حافظ نہیں بنے گا، اور قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اسلئے اس خطرے سے بچانے کے لئے یہی مناسب ہے کہ قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

ترجمه : (۴۱۴) اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز پوری ہو جائے گی۔

۱؎ لانہ عبادۃ انضافت الیٰ عبادۃ الا انہ یکرہ ﴾ ۱؎ یشبہ بصنع اھل الکتاب ۲؎ ولابی حنیفۃؒ ان حمل المصحف والنظرفیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر ۳؎ ولانہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ ۴؎ وعلیٰ ھٰذا لافرق بین المحمول والموضوع ۵؎ وعلی الاول یفترقان.

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ قرآن میں نظر کرنا عبادت ہے اور قرأت جیسی عبادت سے مل گئی [اسلئے نماز پوری ہو جائے گی] مگر یہ کہ مکروہ ہے اسلئے کہ اھل کتاب کے مشابہ ہے۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ یہ طریقہ اھل کتاب کا ہے اسلئے مکروہ ہے۔

وجہ : (۱) وہ فرماتے ہیں کہ قرأت کرنا عبادت ہے اور قرآن میں نظر کرنا بھی عبادت ہے اسلئے دو عبادت جمع ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان دیکھ کر امامت کرواتے تھے اسلئے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔ اثر یہ ہے۔ و کانت عائشۃ یؤمھا عبدھا ذکوان من المصحف ۔ (بخاری شریف، باب امامۃ العبد والمولی، ص ۹۶، نمبر ۶۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن دیکھ کر قرأت کرنا جائز ہے۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کو اٹھانا، اور اس میں نظر کرنا اور اوراق کو الٹنا پلٹنا عمل کثیر ہے۔ [اس لئے اس سے نماز فاسد ہوگی]

تشریح : امام ابو حنیفہ کے یہاں قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہوگی، اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کو اٹھائے گا اور اس میں نظر کرے گا، اور اسکے ورقوں کو الٹے پلٹے گا تو یہ سب عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ اور اسلئے کہ قرآن سے تلقین حاصل کرنا ہوگا، تو ایسا ہو گیا کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے تلقین حاصل کی۔

تشریح : دوسری دلیل یہ دی کہ قرآن سے پڑھنا گویا کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینا ہے کیونکہ قرآن اسکا مقتدی نہیں ہے ، اور اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اس صورت میں قرآن ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہو یا قرآن میز پر رکھا ہوا ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح : قرآن میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہو تو چاہے عمل کثیر کا صدور ہو یا نہ ہو قرآن کو ہاتھ میں اٹھانا ہو یا نہ ہو، اسکے اوراق کو الٹنا پلٹنا ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں صرف قرآن میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۵؎ اور اول صورت میں دونوں میں فرق ہوگا۔

(۴۱۵) ولو نظر الی مکتوب وفهمه فالصحیح انه لاتفسد صلاته بالاجماع ﴿۱﴾ بخلاف ماإذا حلف لایقرأ کتاب فلانٍ حیث یحنث بالفهم عند محمدؒ لانه المقصود هنالک الفهم

تشریح :اول صورت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو اٹھانے ،اسکے اوراق کو پلٹنے اوراس میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہو،جسکو عمل کثیر کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ فرق ہوگا کہ قرآن میز پر رکھا ہوا ہواوراوراق پلٹنےاور قرآن اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے اور صرف قرآن میں نظر کر کے قرأت کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔اور قرآن کو اٹھائے گا اور عمل کثیر ہوگا تب نماز فاسد ہوگی ۔ اور قرآن کے اٹھانے اور نہ اٹھانے کے حکم میں فرق ہوجائے گا۔

ترجمہ: (۴۱۵)اگر لکھے ہوئے حروف کو دیکھا اور اسکو سمجھ بھی لیا تو صحیح مسلک یہ ہے کہ بالاجماع اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

تشریح :۔نمازی کے سامنے کوئی بات لکھی ہوئی تھی ،نمازی نے اسکو سمجھ لیا اور اسکو زبان سے نہیں نکالا تو اس سے بالاجماع نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

وجہ : (۱)صرف سمجھ لینے میں تعلیم اور تعلم نہیں ہے اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)اس صورت میں عمل کثیر بھی نہیں ہے کہ نماز فاسد ہو۔(۳)حضورؐ نے ایک صلح کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کو اشارہ فرمایا کہ نماز کو جاری رکھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے اس اشارے کو سمجھا بھی پھر بھی انکی نماز فاسد نہیں ہوئی ،اسی پر قیاس کرتے ہوئے اگر لکھے ہوئے سے کوئی بات سمجھ لے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سهل بن سعدؓ قال بلغ رسول الله ﷺ أن بنی عمرو بن عوف بقباء کان بینهم شیء فخرج یصلح ....فلما اکثر الناس التفت فاذا رسول الله ﷺ فأشار الیه یأمره أن یصلی فرفع أبو بکرؓ یده فحمد الله ، ثم رجع القهقری وراء ه ۔(بخاری شریف، باب رفع الایدی فی الصلوۃ لأمر ینزل بہ،ص ۱۹۴، نمبر ۱۲۱۸)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اشارہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسکو سمجھا پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی ۔(۴)اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی قتادة أن رسول الله ﷺ کان یصلی و هو حامل أمامة بنت زینب بنت رسول الله ﷺ و لابی العاص بن الربیع ، فاذا قام حملها و اذا سجدو ضعها ؟ قال یحی : قال مالک : نعم ۔(مسلم شریف، باب جواز حمل الصبیان فی الصلوۃ۔وان الفعل القلیل لایبطل الصلوۃ،ص ۲۰۵،نمبر ۱۲۱۲/۵۴۳)اس حدیث میں ہے کہ تھوڑے بہت عمل سے حضرت امامہ کو اٹھاتے تھے،اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی ،لیکن عمل کثیر ہو تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۱ؕ بخلاف جبکہ قسم کھائی کہ فلاں کا خط نہیں پڑھے گا تو امام محمدؒ کے نزدیک صرف سمجھنے سے حانث ہوجائے گا اسلئے کہ یہاں مقصود سمجھنا ہے۔

۲ اما فساد الصلوة فبالعمل الكثير ولم يوجد (۴۱۶) وان مرّت امرأة بين يدى المصلى لم يقطع الصلوة ۞ ا لقوله عليه السلام لايقطع الصلوٰة مرورشيء (۴۱۷) الا ان المارّاثم ا لقوله عليه السلام لوعلم المارُّبين يدى المصلى ماذا عليه من الوزرلوقف اربعين.

تشریح : یہاں سے ایک فرق بیان کررہے ہیں۔ کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کا خط نہیں پڑھونگا، اوراس نے اسکوزبان سے نہیں پڑھا بلکہ دیکھ کرصرف سمجھ لیا تو اس سے بھی امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہوجائے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ قسم کا مطلب یہ ہے کہ اسکے خط کو پڑھ کراسکی راز کی بات معلوم نہیں کرے گا۔اور سمجھنے کی وجہ سے راز کی بات معلوم ہوگئی اسلئے حانث ہوجائے گا۔

ترجمه : ۲ بہرحال نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہاں یہ نہیں پایا گیا۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں قرآن پڑھنے کی شکل میں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ اوراق پلٹنے اور قرآن اٹھانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی جو عمل کثیر ہے، اور یہاں عمل کثیر نہیں پایا گیا اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۴۱۶) اگر کوئی عورت نمازی کے سامنے سے گزرجائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمه : ا اسلئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی چیز کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

وجه : (۱) کوئی آدمی نمازی کے سامنے سے گزرجائے تو خود نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوئی اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی، البتہ اس سے خشوع خضوع میں کمی واقع ہوسکتی ہے اسلئے گزرنا اچھا نہیں ہے، اور نمازی کو بھی چاہئے کہ اپنے سامنے سترہ رکھ لے۔(۲) اسکے لئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ : لا يقطع الصلوة شيء ، و ادرؤوا ما استطعتم فانما هو شيطان ۔(ابوداود شریف، باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء، ص۱۱۳، نمبر ۷۱۹/دار قطنی ، باب صفۃ السھو فی الصلوۃ وأحکامہ، ج اول ،ص ۳۵۷، نمبر ۱۳۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز نمازی کے سامنے سے گزرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ سامنے سے گزرنا مکروہ ہے۔(۳) عن عائشة ذكر عندها ما يقطع الصلوة الكلب و الحمار ، و المرأة ، فقالت عائشة : شبهتمونا بالحمر و الكلاب ، و الله لقد رأيتُ النبی ﷺ يصلى و انى على السرير بينه و بين القبلة مضطجعة فتبدو لى الحاجة فأكره ان أجلس فأذى النبى ﷺ فأنسل من عند رجليه ۔(بخاری شریف، باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء، ص۷۳، نمبر ۵۱۴/ابوداود شریف، باب من قال المرأۃ لا یقطع الصلوۃ، ص ۱۱۱، نمبر ۷۱۰) اس حدیث میں ہے کہ عورت سامنے سے گزرجائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمه : (۴۱۷) مگر یہ کہ گزرنے والا گنہگار رہوگا۔

ترجمه ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس

۲؎ وانما یأثم اذا مرّفی موضع سجوده علی ماقیل ولایکون بینهما حائل

تک ٹھہرا رہے۔

تشریح :نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو اس سے نماز تو نہیں ٹوٹے گی،البتہ گزرنے والے کو گناہ ہوگا۔

وجہ :(۱)اسلئے کہ نمازی کے خشوع خضوع میں خلل واقع ہوا۔(۲)صاحب ھدایہ کی اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن بسر بن سعید أن زید بن خالد أرسله الی ابی جهیم یسأله : ماذا سمع من رسول الله ﷺ فی المار بین یدی المصلی ، فقال ابو جهیم قال رسول الله ﷺ : ((لو یعلم المار بین یدی المصلی ما ذا علیه لکان أن یقف أربعین خیرا ً له من أن یمر بین یدیه)) قال أبو النضر : لا أدری قال أربعین یو ما أو شهرا أو سنة ۔(بخاری شریف ، باب اثم المار بین یدی المصلی ،ص ۸۳،نمبر ۵۱۰/ابو داود شریف ، باب ما ینهی عنه من المرور بین یدی المصلی ،ص ۱۱۱،نمبر ۷۰۱) اس حدیث میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرے تو اس سے اس پر اتنا گناہ ہے کہ اسکو جان لے تو نمازی کے سامنے ہی چالیس دن یا چالیس مہینے ، یا چالیس سال تک ٹھہرا رہے وہ آسان ہے لیکن نمازی کے سامنے سے گزرنا اسکے لئے آسان نہیں ۔ حدیث میں چالیس سے مراد چالیس سال ہے کیونکہ ابن ماجہ شریف میں ایک سو سال کی حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال النبی ﷺ : لو یعلم أحدکم ما له فی أن یمر بین یدی أخیه معترضاً فی الصلوة کان لأن یقیم مائة عام خیر له من الخطوة التی خطاها ۔(ابن ماجۃ شریف، باب المرور بین یدی المصلی ،۱۳۴،نمبر ۹۴۶)اس حدیث میں ہے کہ سو سال ٹھہرا رہے اس سے معلوم ہوا کہ بخاری والی حدیث میں چالیس سال مراد ہے۔

ترجمہ: ۲؎ گنہگار اس وقت ہوگا جبکہ سجدے کی جگہ پر گزرے، جیسا کہ کہا گیا،اور نمازی اور گزرنے والے کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کی جہاں تک سجدے کی جگہ ہے اسکے اندر اندر گزرے گا تو گزرنے والا گنہگار ہوگا ،اور اگر اس سے تھوڑا دور ہوکر گزرے گا تو گنہگار نہیں ہوگا،اور گنہگار ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ گزرنے والا اور نمازی کے درمیان کوئی چیز مثلا دیوار یا لکڑی وغیرہ حائل نہ ہو تب گنہگار ہوگا اور اگر سترہ یا کوئی چیز حائل ہو اور سترہ کے پیچھے سے گزرے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱)عن بسر بن سعید أن زید بن خالد أرسله الی ابی جهیم یسأله : ماذا سمع من رسول الله ﷺ فی المار بین یدی المصلی ، فقال ابو جهیم قال رسول الله ﷺ : ((لو یعلم المار بین یدی المصلی ما ذا علیه لکان أن یقف أربعین خیرا ً له من أن یمر بین یدیه)) قال أبو النضر : لا أدری قال أربعین یو ما أو شهرا

۳؎ ویحاذی اعضاء المارّ اعضاءَ ہ لوکان یصلی علی الدکان (۴۱۸) وینبغی لمن یصلی فی الصحراء ان یتخذاَمامہ سترۃ ۱؎ لقولہ علیہ السلام اذا صلی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیہ سترۃ

أو سنۃ ۔(بخاری شریف، باب اثم المار بین یدی المصلی ،ص۸۳،نمبر۵۱۰/ابوداؤد شریف، باب ما نُھی عنہ من المرور بین یدی المصلی ،ص۱۱۱،نمبر۷۰۱) اس حدیث میں ہے(لو یعلم المار بین یدی المصلی) کہ نمازی کے بالکل سامنے سجدے کی جگہ سے گزرے تو گنہگار ہوگا،اس لئے دور سے گزرے تو گنہگار نہیں ہوگا۔اور سترہ ہوتو گنہگار نہیں ہوگا اسکی دلیل آگے آرہی ہے۔(۱) اس اثر سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ عن عطاء قال : یقال أدنی ما یکفیک فیما بینک و بین الساریۃ ثلاثۃ أذرع . (مصنف عبدالرزاق ، باب کم یکون بین الرجل و بین سترتہ، ج ثانی ،ص ۱۶،نمبر ۲۳۰۸)اس اثر میں ہے کہ سترہ سے تین ہاتھ،یعنی ساڑھے چارفت، کے درمیان نماز پڑھے تو چل جائے گا،

اور نمازی کے پاؤں رکھنے کی جگہ سے سجدے کی جگہ تک تقریبا چار فٹ ہوتا ہے اسلئے ساڑھے چار فٹ وہی سجدے کی جگہ ہوئی ،اسلئے اسکے درمیان گزرے گا تو گنہگار ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اور گزرنے والے کے اعضاء نمازی کے اعضاء کے بالمقابل ہوجائے اگر چبوترے پر نماز پرھ رہا ہو۔

تشریح : کوئی نمازی اونچائی پر نماز پڑھ رہا ہے تو اسکے سامنے سے گزرنے سے اس وقت گنہگار ہوگا جب گزرنے والے کا عضو نمازی کے عضو کے بالمقابل ہوجائے ،لیکن اگر نمازی کی جگہ گزرنے والے کے قد سے بھی اونچی ہے تو اب گزرنے والا نیچے سے گزر رہا ہے اسلئے گنہگار نہیں ہوگا۔اور یہ اونچائی اسکے لئے سترہ بن جائے گی۔

وجہ : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن ابراھیم قال : اذا کنت فی الصلوۃ فوق سطح یمر علیک الناس ، فکنت حیث لا یری الناس اذا مروا ،قال سفیان فیکون الذی یمنعک من أن تراھم الذی یسترک ۔(مصنف عبدالرزاق ، باب کم یکون بین الرجل و بین سترتہ، ج ثانی ،ص ۱۷،نمبر۲۳۱۲) اس اثر میں ہے کہ اونچائی پر نماز پڑھو تو اتنا اونچا ہو کہ وہ نظر نہ آئے یعنی قد تک تو یہ اونچائی سترہ بنے گی۔

لغت : المار: مر سے مشتق ہے گزرنے والا۔وقف: ٹھہر جائے۔اثم: گنہگار ہونا۔حائل: پردہ، حیلولت سے مشتق ہے۔یحاذی: محاذات سے مشتق ہے، آمنے سامنے ہونا۔الدکان: اونچی جگہ۔

ترجمہ : (۴۱۸) وہ شخص جو صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے سامنے سترہ بنالے۔

ترجمہ : ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم صحراء میں نماز پڑھو تو اپنے سامنے سترہ بنالو۔

(۴۱۹) ومقدارها ذراع فصاعدا ﴾ ۱ لقوله علیه السلام ایعجز احدکم اذا صلی فی الصحراء ان یکون امامه مثل مؤخرة الرحل (۴۲۰) وقیل ینبغی ان یکون فی غلظ الاصبع ﴾ ۱ لان مادونه لایبدو للناظرین من بعید فلا یحصل المقصود

تشریح : مسجد میں لوگ آتے ہی ہیں نماز کے لئے اسلئے اسکی حرکت دیکھ کر سمجھ جائیں گے یہ نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن صحراء اور میدان میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں اسلئے فرمایا کہ صحراء میں سترہ بنالے، تاکہ نمازی کو خلل نہ ہو۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال : اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجھه شیئاً فان لم یجد فلینصب عصا ، فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطا ثم لا یضر ما مر أمامه ۔(ابو داود شریف، باب الخط اذا لم یجد عصا ،ص ۱۰۷، نمبر ۶۸۹ / ابن ماجۃ شریف، باب مایستر المصلی ،ص ۱۳۳، نمبر ۹۴۳) اس اثر میں ہے کہ نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کے طور پر رکھ لے، اور وہ نہ ہو تو لکڑی کو بچھا کر رکھے اور وہ بھی نہ ہو تو خط کھینچ دے۔

ترجمه : (۴۱۹) اور سترے کی اونچائی کی مقدار ایک ہاتھ ہو یا اس سے اونچا ہو۔

ترجمه : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ کیا تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جب تم صحراء میں نماز پڑھو تو کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز سامنے ہو۔

وجه : (۱) ایک ہاتھ اونچا سترہ ہوگا تو دور سے آدمی کو نظر آئے گا تو نمازی سے دور ہو کر چلے گا، اور اسکے سامنے سے نہیں گزرے گا۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ کجاوے کی مانند سترہ اونچا ہو۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قام احدکم یصلی فانه یستره اذا کان بین یدیه مثل آخرة الرحل ، فاذا لم یکن بین یدیه مثل آخرة الرحل فانه یقطع صلاته الحمار ، و المرأة و الکلب الاسود ۔(مسلم شریف، باب قدر مایستر المصلی ،ص ۲۰۹، نمبر ۱۱۳۷/۵۱۰ / ابو داود شریف، باب مایستر المصلی ،ص ۱۰۸، نمبر ۶۸۵) اس حدیث میں ہے کہ کجاوے کی طرح کوئی چیز سامنے ہو تو وہ سترہ بن جائے گا۔اور اونٹ پر جو کجاوہ رکھا جاتا ہے اسکی اونچائی تقریبا ایک ہاتھ ہوتی ہے اس سے پتہ چلا کہ سترے کی اونچائی ایک ہاتھ ہو۔اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھنے کے لئے ایک لکڑی رکھتے ہیں اسکو کجاوہ کہا جاتا ہے۔(۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ کان ابن عمر لا یصلی الا الی السترۃ قال : کان قدر مؤخرة رحله، ذراع ۔(مصنف عبد الرزاق ، باب قدر مایستر المصلی، ج ثانی، ص ۹، نمبر ۲۲۷۳) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا سترہ ایک ہاتھ لمبا ہوتا تھا۔

ترجمه : (۴۲۰) اور کہا گیا ہے کہ سترہ ایک انگلی موٹا ہو۔

ترجمه : ۱ اسلئے کہ اس سے کم ہو تو دور سے دیکھنے والے کو نظر نہیں آئے گا، اسلئے مقصود حاصل نہیں ہوگا

(۴۲۱)و یقرب من السترة﴾ ل لقوله علیه السلام من صلی الیٰ سترة فلیدن منها (۴۲۲) ویجعل السترة علیٰ حاجبه الایمن اوعلی الایسر﴾ ل به ورد الاثر.

وجه : ۔(ا) ایک انگلی سے کم موٹا ہوتو دور سے نظر نہیں آئے گا اسلئے ایک انگلی موٹا سترہ ہونا چاہئے۔(۲)اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالبطحاء الظهر و العصر رکعتین و نصب بین یدیه عنزة و توضأ . (بخاری شریف، باب السترة بمکة وغیرھا،ص ۷۲،نمبر ۵۰۱/مسلم شریف، باب سترة المصلی و الندب الی الصلوة الی سترة،ص ۱۹۵، نمبر ۱۱۲۲/۵۰۳)اس حدیث میں ہے کہ سترے کے طور پر آپکے سامنے ڈنڈا گاڑا جس سے معلوم ہوا کہ ڈنڈا کے برابر موٹا ہوتو سترہ ہوجائے گا،اورڈنڈا عموما ایک انگلی موٹا ہوتا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ سترہ ایک انگلی موٹا ہو۔ (۳)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔أن اباھریرة قال:مثل مؤخرة الرحل فی جلة السوط یعنی السترة۔(مصنف عبدالرزاق ،باب قدر مایستر المصلی ،ج ثانی،ص۱۳،نمبر ۲۲۹۱) اس اثر میں ہے کہ سترہ کوڑے کے برابر موٹا ہو۔

ترجمه: (۴۲۱)اورسترہ سے قریب ہو۔

ترجمه : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جو سترے کی طرف نماز پڑھے اسکو سترے سے قریب ہونا چاہئے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن سهل بن ابی حثمة یبلغ به النبی ﷺ قال اذا صلی أحدکم الی سترة فلیدن منها ، لا یقطع الشیطاعلیه صلاته . (ابوداود شریف، باب الدنو من السترة،ص ۱۰۸،نمبر ۶۹۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ سے قریب ہونا چاہئے ،اورپہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں کے ہاتھ کے قریب یعنی سجدے کے قریب ہونا چاہئے۔

ترجمه: (۴۲۲)اورسترہ اپنے دائیں بھوؤں ،یا بائیں بھوؤں کی طرف رکھے۔

ترجمه : ل حدیث اسی طرح وارد ہوئی ہے۔

تشریح: سترہ ناک کے سامنے نہ رکھے بلکہ دائیں ،یا بائیں جانب رکھے۔

وجه : (ا)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ضباعة بنت المقداد بن الاسود عن ابیها قال ما رأیت رسول الله ﷺ یصلی الی عود و لا عمود و لا شجرة الا جعله علی حاجبه الایمن أو الأیسر و لا یصمد له صمداً ۔(ابوداود شریف، باب اذا صلی الی ساریة أونحوها أین یجعلها منه،ص ۱۰۷،نمبر ۶۹۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ بالکل سامنے نہ ہو بلکہ دائیں جانب یا بائیں جانب ہو،اوردائیں جانب کی فضیلت ہے اسلئے دائیں جانب ہوتو بہتر ہے۔(۲)اسکی ایک وجہ یہ بھی

۲ ولابأس بترک السترة اذا امن المرورَولم یواجه الطریق (۴۲۳) وسترة الامام سترة للقوم ﴾
۱ لانه علیه السلام صلی ببطحاء مکة الی عنزة ولم یکن للقوم سترة (۴۲۴) ویعتبر الغرزدون الالقاء و الخط ﴾ ۱ لان المقصود لایحصل به.

ہے کہ اگر بالکل سترہ کے سامنے نماز پڑھے گا تو کسی کو شک ہوگا کہ اسی سجدہ کر رہا ہے اسلئے دائیں یا بائیں کر دے۔

ترجمه : ۲ اورکوئی حرج کی بات نہیں ہے سترہ چھوڑنے میں اگر گزرنے والوں ،اورراستے کے سامنے نہ ہو۔

تشریح : ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے کہ عام طور پر وہاں سے لوگ نہیں گزرتے ہیں ،لوگوں کے گزرنے سے امن ہے ،اورراستے کے سامنے بھی نہیں ہے کہ کسی کے گزرنے کا خطرہ ہوتو ایسی جگہ سترہ نہ بھی رکھے تو حرج کی بات نہیں ہے۔

وجه : حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن الفضل بن عباس قال : أتانا رسول الله ﷺ و نحن فی بادیة لنا و معه عباس فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة و حمارة لنا و کلبة تعبان بین یدیه فما بالی ذالک ۔(ابوداود شریف ،باب من قال الکلب لایقطع الصلوۃ ،ص۱۱۲،نمبر۷۱۸)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ کے سامنے سترہ نہیں تھا اسلئے کہ وہاں انسان کے گزرنے کا خطرہ نہیں تھا ،اور جانور چونکہ مکلّف نہیں ہے اسلئے اسکے آگے آنے سے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمه : (۴۲۳)اورامام کا سترہ مقتدی کا بھی سترہ ہوگا۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام بطحاء مکہ میں ڈنڈے کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور مقتدی کا سترہ نہیں تھا۔

تشریح : جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوتو امام کے سامنے سترہ ہوتو مقتدی کے لئے بھی کافی ہے ،مقتدی کو سترے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجه: اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے اور صاحب ھدایہ کی بھی یہی حدیث ہے۔عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالبطحاء الظهر و العصر رکعتین و نصب بین یدیه عنزة و توضأ . (بخاری شریف ،باب السترۃ بمکۃ وغیرھا ،ص۷۲ ،نمبر۵۰۱ /مسلم شریف ،باب سترۃ المصلی والندب الی الصلوۃ الی سترۃ ،ص ۱۹۵ ،نمبر۵۰۳ /۱۱۲۲)اس حدیث میں حضورؐ کے پاس سترہ ہے اور مقتدی کے پاس سترہ نہیں ہے۔اسلئے کہ امام کا سترہ مقتدی کے لئے بھی کافی ہے۔

ترجمه : (۴۲۴) اوراعتبار کیا جائے گا گاڑنے کا نہ کہ سترہ ڈال دینے کا ،اورنہ خط کھینچنے کا۔

ترجمه : ۱ اسلئے کہ مقصود اس سے حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح :ڈنڈا ،یا لکڑی موجود ہوتو اسکو نیچے لٹا کر رکھ دینے سے کافی نہیں ہوگا بلکہ اسکو گاڑنے سے سترہ بنے گا۔اسی طرح ڈنڈا نہ ہوتو سامنے خط کھینچ دینے سے سترہ کا کام نہیں دے گا اورسترہ کے لئے وہ کافی نہیں ہوگا۔

(۴۲۵) ويدرأ المار اذا لم يكن بين يديه سترة اومرَّ بينه وبين السترة﴾ لـ لقوله عليه السلام: فادرؤا ما استطعتم.

وجـــه : (۱) سترہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دور سے دیکھ کرا سکے اندر سے پار نہ ہو،اور ڈنڈا کولٹا دیا جائے تو دور سے دیکھنا نہیں ہوگا، اسلئے لٹانے سے کوئی فائدہ نہیں،البتہ کجاوے یا بکس کی طرح کوئی موٹی اوراونچی چیز ہواسکو سامنے رکھ دی جائے تو وہ سترہ بن جائے گی۔اسی طرح سامنے خط کھینچنے سے بھی دور سے نظر نہیں آئے گا اسلئے خط کھینچا بھی سترہ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑا ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالبطحاء الظهر و العصر رکعتین و نصب بین یدیه عنزة و توضأ . (بخاری شریف،باب السترة بمكة وغیرها، ص۷۲،نمبر۵۰۱/مسلم شریف، باب سترة المصلی والندب الی الصلوۃ الی سترة،ص۱۹۵،نمبر۵۰۳/۱۱۲۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑا ہے(۳)عن ابی هریر ة أن رسول الله ﷺ قال : اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجهه شیئاً فان لم یجد فلینصب عصا ، فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطا ثم لا یضر ما مر أمامه۔(ابوداود شریف، باب الخط اذا لم یجد عصا ،ص۱۰۷،نمبر۶۸۹/ابن ماجة شریف، باب مایستر المصلی ،ص۱۳۳،نمبر۹۴۳) اس حدیث میں ہے کہ سامنے رکھنے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتو عصا یعنی ڈنڈا گاڑ دو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑنا چاہئے۔

فـــائده : بعض حضرات کی رائے ہے کہ اگر ڈنڈا نہ ہو یا ہو لیکن سخت زمین ہونے کی وجہ سے گاڑ نہ سکتا ہو تو خط کھینچنے کی وجہ سے بھی سترے کا کام ہو جائے گا۔انکی دلیل اوپر والی ابوداود شریف کی حدیث ہے جس میں ہے کہ۔ فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطا ثم لا یضر ما مر أمامه ۔(ابوداود شریف،،نمبر۶۸۹/ابن ماجة شریف،نمبر۹۴۳)اگر ڈنڈا نہ ہو تو خط کھینچ دے یہ سترہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

تـرجمه: (۴۲۵) اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو تو سامنے سے گزرنے والے کو دفع کرے، یا نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرے تو دفع کرے۔

تشـــريح : اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو اور کوئی آدمی اسکے سجدے کی جگہ سے گزرے تو نمازی اسکو سجدہ کی جگہ پر گزرنے سے ہاتھ کے اشارے سے روکے ، یا سترہ تو ہو لیکن آدمی سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرے تو اسکو درمیان سے گزرنے سے روکے۔

وجه : لـ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جتنا ہو سکے گزرنے والے کو روکو۔

صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ : لا یقطع الصلوة شیء ، و ادرؤوا ما استطعتم فانما هو شیطان ۔(ابوداود شریف، باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء،ص۱۱۳،نمبر۷۱۹/دار قطنی ، باب صفة السهو فی

(۴۲۶) ویدرأ بالاشارۃ ﴾ لے کما فعل رسول اللہ بولدی ام سلمۃ (۴۲۷)اویدفع بالتسبیح ﴾

لے لما روینا من قبل

الصلوۃ وأحکامہ، ج اول، ص ۳۵۷، نمبر ۱۳۶۷)اس حدیث میں ہے کہ گزرنے والے کو جتنا ہو سکے روکو۔(۲)أن ابا سعید قال قال النبی ﷺ .... اذا صلی أحدکم الی شیء یسترہ من الناس فأراد أحد أن یجتاز بین یدیہ ، فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانما ھو شیطان ۔(بخاری شریف، باب یرد المصلی من مر بین یدیہ، ص ۷۳، نمبر ۵۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی نمازی اور اسکے سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہئے تو اسکو دور کرنے کی کوشش کرے، اور نہ مانے تو تھوڑی سختی سے بھی نمٹے۔

ترجمہ: (۴۲۶) اور اشارہ سے روکے۔

ترجمہ : لے جیسا کہ حضورؐ نے ام سلمہؓ کے دو بچوں کے ساتھ کیا۔

تشریح : سامنے سے گزرنے والے کو دھکا نہ دے، بلکہ اشارہ سے بتائے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں اسلئے میرے سامنے سے دائیں سے بائیں، یا بائیں سے دائیں نہ گزرو البتہ قبلہ کی طرف سے پیچھے کی طرف جانا چاہے تو کنارے کنارے سے جا سکتا ہے۔

وجہ : آپ ﷺ کی بیوی حضرت ام سلمہؓ کے بچے سامنے سے گزرے تو آپؐ نے انکو اشارہ سے منع فرمایا تھا۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ام سلمۃ قالت : کان النبی ﷺ یصلی فی حجرۃ أم سلمۃ فمر بین یدیہ عبد اللہ ، او عمر بن أبی سلمۃ فقال بیدہ فرجع فمرت زینب بنت ام سلمۃ فقال بیدہ ھکذا فمضت ، فلما صلی رسول اللہ ﷺ قال : ھن أغلب ۔(ابن ماجۃ شریف، باب ما یقطع الصلوۃ، ص ۱۳۴، نمبر ۹۴۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۶۲، من کان یکرہ أن یمر الرجل بین یدی الرجل وھو یصلی ، ج اول، ص ۲۵۳، نمبر ۲۹۱۸)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے گزرنے والے بچے کو روکا۔

ترجمہ : (۴۲۷) یا تسبیح کر کے گزرنے والے کو روکے۔

ترجمہ: لے اسکے لئے حدیث اس سے پہلے روایت کر دی ہے۔

وجہ: اگر ہاتھ کے اشارے سے نہ روکے تو زور سے تسبیح پڑھے جس سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ آدمی نماز میں ہے جسکی وجہ سے وہ سامنے سے نہ گزرے۔اسکے ثبوت کے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے۔عن سھل ابن سعد الساعدی : أن رسول اللہ ﷺ ذھب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینھم .....من رابہ شیء فی صلوتہ فلیسبح فانہ اذا سبح التفت الیہ و انما التصفیق للنساء . (بخاری شریف، باب من دخل لیؤم الناس الخ، ص ۹۵، نمبر ۶۸۴ رمسلم شریف،

(۴۲۸) ویکرہ الجمع بینهما ﴾ ۱؎ لان باحدهما كفاية.

باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم ،ص ۱۷۹،نمبر ۹۴۹/۴۲۱) اس حدیث میں ہے کہ کوئی معاملہ پیش آجائے تو تسبیح پڑھ کر اسکو حل کرو، اسلئے گزرنے والے کو تسبیح پڑھ کر روکے گا۔

ترجمہ : (۴۲۸) اور تسبیح اور اشارہ دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

تشریح : گزرنے والے کو روکنے کے لئے اشارہ بھی کرے اور تسبیح بھی پڑھے یہ جائز تو ہے لیکن اچھا نہیں ہے، اسلئے کہ دونوں میں سے ایک سے کام چل جاتا ہے تو دوسرے کو کرنے کی ضرورت کیا ہے! اسلئے دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\DAF.JPEG.jpg not found.